نعمۃ الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ناشر

فرید بک اسٹال (رجسٹرڈ)

۳۸ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعمۃ الباری

فی

شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء الاول

وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نِعمۃُ البَاری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد اوّل

الاحادیث: ۳۴۸ —— ۱

کتاب بدء الوحی، کتاب الایمان، کتاب العلم

کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث، دار العلوم نعیمیہ، کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعمة الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد اوّل)

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

سرنامہ

بہ حضور باعث تخلیق کائنات' فخر موجودات
علیہ افضلُ الصّلوٰت وَ اکمل التّحیات

خطبة الكتاب

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین' الّذی جعلنا من المسلمین' ووصفنا بخیر امّة من الامم الماضین' وانعم علینا بتنزیل القرآن الکریم وھدانا بہ الی الصراط المستقیم والصلوة والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغرالمحجلین' الذی شرح الفرقان باحادیثہ وبیانہ القویم' وکشف عن اسرارہ وغوامضہ لھدایة الناس اجمعین' وانقذنا بحسن سیرتہ من الظلمات والضلال المبین وعلی الہ الطیبین واصحابہ الطاھرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوص والجھد العظیم' وعلی ازواجہ الطاھرات امھات المومنین' وعلی جمیع الائمة التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدین۔

وبعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربہ السرمدی انی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیہ نعمة الباری) توکلا علی رحمة اللّٰہ وفضلہ العمیم۔ ولا یکون تحریرہ وتقریرہ وتکمیلہ الا نعمتہ العظمی فلذا سمیتہ بنعمة الباری فی شرح صحیح البخاری۔ (تقبلہ اللّٰہ بلطفہ وتغمدنی بغفرانہ بمحض فضلہ)

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللّٰہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی۔ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضلل' فلا ھادی لہ۔ اللھم ارنی الحق حقًا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلًا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تصنیف ھذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعلہ موافقًا باسمہ واحفظہ من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک الکریم ومقبولًا عندک وعند رسولک الرؤف الرحیم واجعلہ شائعًا ومستفیضًا ومفیضًا مرغوبًا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبی الکریم ﷺ فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة وامتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت۔ اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحًا ترضہ۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

خطبۃ الکتاب

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں' جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا' قرآن مجید نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام ہو' جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں' جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولادِ پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو' جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے' اور آپ کی ازواجِ مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو' جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں ''تفسیر تبیان القرآن'' سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے ''صحیح بخاری'' کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قوی اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں' اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف وعنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے۔)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے' اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراطِ مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مُسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے' اور صبح قیامت تک اس کو اکنافِ عالم میں مشہور و مقبول' مرغوب ومحبوب اور اثر آفرین بنا دے' اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں' ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما' کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں' اُن پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

کلمات تشکر

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے حساب شکر ہے کہ اس نے ''تبیان القرآن'' کی تکمیل کے بعد مجھے ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔

''صحیح البخاری'' کی دستیاب اردو شروحات دیکھ کر مجھے اکثر یہ خیال آتا تھا کہ کتب حدیث میں ''صحیح البخاری'' کا جو عظیم الشان مقام ہے اس کے شایانِ شان اردو میں اس پائے کی کوئی شرح نہیں ہے اس لیے میں چاہتا تھا کہ اردو میں بھی اس کی کوئی ایسی عظیم المرتبہ شرح لکھی جائے جو عربی شروح میں سے ''شرح ابن بطال عمدۃ القاری اور فتح الباری'' کا عکس جمیل ہو کافی عرصہ سے میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ میں ''صحیح البخاری'' کی ایسی وقیع شرح لکھوں جو میری لکھی ہوئی ''شرح صحیح مسلم'' سے فائق ہو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں کرم سے جب میں ''تفسیر تبیان القرآن'' سے فارغ ہو گیا تو اسی روز میں نے ''نعمۃ الباری'' کے نام سے ''صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کر دیا تا آنکہ ۵ رجب ۱۴۲۷ھ/ یکم اگست ۲۰۰۶ء کو اس شرح کی جلد اوّل مکمل ہو گئی۔

اس شرح کی تحریک میں اور اس کے ساتھ تعاون میں سید محسن اعجاز حفظہ اللہ کا بہت بڑا دخل ہے جو مسلسل اس کام میں دلچسپی لیتے رہے اللہ تعالیٰ ان کی عمر ان کے نیک اعمال اور ان کے رزق میں بے اندازہ برکتیں عطا فرمائے۔

مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وفضلہ نے بھی اس کام میں بہت دلچسپی لی ہے وہ ہر منگل کو میرے پاس آتے ہیں اور میرا لکھا ہوا ایک ہفتہ کا مسودہ پڑھتے ہیں اور لکھنے میں سبقت قلم سے جو فروگزاشت ہو جاتی ہیں مجھ سے مشورہ کر کے اس کی اصلاح کرتے ہیں۔

مولانا شبیر حسین نعیمی زید علمہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ''نعمۃ الباری'' کی مکمل فہرس تیار کی حضرت مفتی منیب الرحمان دامت الطافہم کا بھی سپاس گزار ہوں وہ دارالعلوم نعیمیہ میں قیام کے دوران مجھے مسلسل سہولتیں فراہم کرتے رہے ہیں حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی اور مولانا محمد اطہر نعیمی کا بھی متشکر ہوں وہ مجھے اکثر دعاؤں اور ہر طرح کے تعاون سے نوازتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور ان سب حضرات کو اپنے اپنے دینی مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین

شرح سے پہلے میں نے اس کا مفصل مقدمہ لکھا ہے اس مقدمہ کا کچھ حصہ تو میں نے اپنی پرانی کتاب ''تذکرۃ المحدثین'' سے لیا ہے اور اس میں کچھ مباحث میں نے نئے شامل کیے ہیں اور پرانے مباحث میں بھی کافی اضافہ کیا ہے۔

آخر میں قارئین کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ دعا کریں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح کی ابتداء کرنے کی توفیق

عطا کی ہے اس کو مکمل کرنے کی بھی سعادت عطا فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی
۱۳ رجب ۱۴۲۷ھ/ ۹ اگست ۲۰۰۶ء
فون: ۰۹-۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰ / ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

۞۞۞۞۞

مقدمہ

مسلمانوں کے دین کا سرمایہ اور ان کی شریعت کی متاع کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حیات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، احوال اور آپ کے شب و روز کے معمولات ہی ان کے لیے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو حفظ کیا' خلوت و جلوت' سفر و حضر اور نجی حالات سے لے کر عام سیاسی معاملات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی واقعہ نہیں ہے مگر اس کو انہوں نے محفوظ کر لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا تذکار کرتے اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک انہیں محفوظ رکھتے۔ ان کے بعد تابعین اور ان کے اتباع نے حفظ اور کتابت کے اس عمل کو جاری رکھا' یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اور ابواب و کتب کی ترتیب سے حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں۔ یوں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع سیرت اور دین کی مکمل تصویر پہنچنے کا اہتمام ہوا۔

اکابر علماء ملت اور اساطین شریعت نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے بارہا صرف ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل کا سفر کیا' طلب حدیث میں کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی' وہ اپنے شاگردوں سے بھی احادیث روایت کر لیتے تھے' انہوں نے احادیث کو اپنے سینوں میں اور پھر نوشتوں میں محفوظ کیا' ناقلین حدیث کو پرکھنے کے لیے علم رجال ایجاد کیا اور اس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے' مگر حدیث کے ان عظیم کارناموں کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ علم حدیث کی دین میں کیا اہمیت ہے؟ اور اگر امت کے پاس آج احادیث کا یہ سرمایہ نہ ہوتا تو دین کی کیا شکل و صورت ہوتی؟

مشاہیر محدثین کا تذکرہ اور ان کی تصنیفات پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث کے اہم موضوعات پر اجمالاً گفتگو کر لی جائے تاکہ قارئین کو مضامین کتاب کی علی وجہ البصیرت معرفت حاصل ہو سکے' اس سلسلہ میں ہم حدیث کی ضرورت' حجیت اور تدوین پر مختصراً گفتگو کریں گے اور اس کے بعد حدیث کی تعریف' اقسام اور کتب حدیث کی انواع اور بعض دیگر اصطلاحات کا مختصراً بیان کریں گے۔ **فنقول وباللّٰہ التوفیق**

ضرورتِ حدیث

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی معیشت کے اصول اور مبادی اجمالاً بیان فرمائے ہیں' جن کی تعبیر و تشریح بغیر احادیث نبویہ کے ممکن نہیں ہے' نیز احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لیے اسوۂ رسول کی ضرورت ہے۔ احادیث رسول ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں' علاوہ ازیں مثلاً صلوٰۃ' زکوٰۃ' تیمم' حج اور عمرہ یہ محض الفاظ ہیں' لغت عربی ان الفاظ کے وہ معانی نہیں بتاتی جو شرع میں مطلوب ہیں' پس اگر احادیث رسول موجود نہ ہوں تو ہمارے پاس قرآن کریم کے معانی شرعیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

حجیت حدیث

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کی پیروی کا حکم دیا ہے' چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ. (آل عمران: ۳۲) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر: ۷) رسول تم کو جو حکم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ. (آل عمران: ۳۱) آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ۲۱) تمہارے اعمال کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب ہے اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے احکام اور آپ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے' پس جب تک حضور کی زندگی ہمارے سامنے نہ ہو' ہم اپنی زندگی کو حضور کے اسوہ میں کیسے ڈھال سکیں گے اور جب کہ ہمیں اسوۂ رسول پر اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح صحابہ کے لیے بنفسِ نفیس حضور کی ذات ہدایت تھی' اسی طرح ہمارے لیے حضور کی احادیث ہدایت ہیں اور اگر احادیث رسول کو حضور کی دی ہوئی ہدایات اور آپ کے نمونہ کے لیے معتبر مآخذ نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر ناتمام رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لیے صرف قرآن کو کافی قرار نہیں دیا بلکہ قرآن کے احکام کے ساتھ ساتھ رسول کے احکام کی اطاعت اور اس کے افعال کی اتباع کو بھی لازم قرار دیا ہے اور اس کے اقوال اور افعال کو جاننے کے لیے احادیث کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

احادیث شریفہ کو اگر معتبر نہ مانا جائے تو نہ صرف یہ کہ حضور کی دی ہوئی ہدایات سے ہم محروم ہوں گے بلکہ قرآن کریم کی دی ہوئی ہدایات سے بھی ہم مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے قرآن نازل فرمایا لیکن اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ. (النحل: ۴۴) ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں سے بیان کریں جو ان کی طرف احکام نازل کیے گئے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (آل عمران: ۱۶۴) اور وہ (رسول) مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آیات کے معانی کا بیان اور کتاب و حکمت کی تعلیم صرف صحابہ کے لیے تھی تو میں اولاً یہ کہوں گا کہ اسلام صرف صحابہ کا نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کا دین ہے اس لیے جس ہدایت کی انہیں ضرورت تھی' ہمیں بھی ضرورت ہے۔

ثانیاً: صحابہ کرام جب اپنی بلندی مقام اور جناب رسالت مآب سے قرب کے باوجود قرآنی احکام کو سمجھنے کے لیے حضور کے بیان اور آپ کی تعلیم کے محتاج تھے تو بعد کے لوگ تو بدرجہ اولیٰ اس بیان اور تعلیم کی طرف محتاج ہوں گے۔

ثالثاً: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍۙ ○ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ (الجمعۃ: ۳۔۲)

وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک بڑی شان والا رسول بھیجا' جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے○ اور بعد کے لوگوں کو جو ابھی پہلوں کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی جو تعلیم دی ہے' وہ صحابہ کے لیے بھی ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے بھی' پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا قرآن کریم کی تعلیم دینا اور آیات کے معانی بیان کرنا جس طرح صحابہ کے لیے تھا' اسی طرح قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے بھی ہے اور اگر احادیث کو معتبر نہ مانا جائے تو بعد کے لوگوں کے لیے حضور کی تعلیم اور تزکیہ کا کس طرح ثبوت ہوگا اور اس آیت کا صدق کیسے ظاہر ہوگا۔

آپ ہی سوچیے! اگر حضور نہ بتلاتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوٰۃ سے یہ ہیئت مخصوصہ مراد ہے' مؤذن کی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک نماز اور جماعت کی تفصیل ہمیں کیونکر معلوم ہوتی' اس طرح حج اور عمرہ کا بیان' احرام کہاں سے اور کس دن باندھنا ہے' وقوفِ عرفہ' طواف زیارت و وداع' ان تمام احکام کی تفصیل اور تعیین قرآن میں کہیں نہیں ملتی' حد یہ ہے کہ قرآن میں یہ بھی مذکور نہیں کہ حج کس دن ادا کیا جائے' زکوٰۃ کا صرف لفظ قرآن میں مذکور ہے' لیکن عُشر اور زکوٰۃ کی کسی تفصیل کا قرآن میں بیان نہیں' پھر ان کی شرعی ہیئت کذائی جس سے فرائض' واجبات اور آداب کی تمیز ہو' قرآن میں کہیں نہیں ملتی۔

قرآن کریم کے بیان کردہ ان تمام احکام کی تفصیل اور تعیین صرف حضور سے ملتی ہے' عہد رسالت میں صحابہ کو یہ بیان زبان رسالت سے حاصل ہوا اور بعد کے لوگوں کو یہی بیان احادیث نبویہ سے حاصل ہو رہا ہے اور جو شخص ان احادیث کو معتبر نہیں مانتا' اس کے پاس قرآن کریم کے مجمل اور مبہم احکام کی تفصیل اور تعیین کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کو حلال اور حرام کیا' قرآن میں کہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کا ذکر صرف احادیثِ رسول سے ہی ممکن ہے' حضور نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا' دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا اور ہمارے لیے ان احکام کا علم صرف احادیثِ رسول سے ہی ممکن ہے اور اگر احادیثِ رسول کو حجت نہ مانا جائے تو حلت وحرمت کے تمام احکام کے لیے شریعت اسلامیہ متکفل نہیں ہوگی۔

قرآن کریم کے نفس مضمون کو سمجھنے کے لیے بھی ہمیں احادیث کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات کا نزول کسی خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے' بعض دفعہ کسی خاص سوال کے سبب سے کوئی آیت نازل ہوتی ہے اور بعض مرتبہ مشرکین یا منافقین کی کسی بات کے ردّ میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے' کبھی کسی آیت میں عہد رسالت میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی صحابہ کے کسی عمل پر تنبیہ یا اس کی تائید میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے' لہٰذا جب تک اس قسم کی تمام آیات کے پس منظر اور اسبابِ نزول کا علم نہ ہو' ان کا کوئی واضح معنی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر فہم قرآن کے لیے احادیثِ نبویہ کو ایک معتبر ماخذ اور حجت نہ مانا جائے تو قرآن مجید کی بعض آیات ایک چیستان اور معمہ بن کر رہ جائیں گی۔

تدوین حدیث

عام طور پر منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی تدوین رسول اللہ ﷺ کی وفات کے اڑھائی سو سال بعد کی گئی ہے' اس لیے کتب احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں' لیکن ان کا یہ قول سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے' کیونکہ احادیث رسول کی حفاظت اور کتابت کے سلسلہ میں عہد رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک پورے تسلسل اور تواتر سے کام ہوتا رہا ہے اور اڑھائی سو سال کے اس طویل عرصہ کے کسی وقفہ میں بھی اس کام کا انقطاع نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں متعدد صحابہ کرام نے احادیث کو قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا' امام بخاری اپنی ''صحیح'' میں روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے طویل خطبہ دیا۔ یمن کے ایک شخص (ابوشاہ) نے آ کر عرض کیا: ''اکتب لی یا رسول اللّٰہ'' یارسول اللہ! میرے لیے (یہ خطبہ) لکھ دیجئے' آپ نے حکم دیا: ''اکتبوا لابی فلان'' اس شخص کے لیے (یہ خطبہ) لکھ دو۔ (صحیح البخاری ج ا ص ۲۲' طبع کراچی)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو احادیث لکھنے کی عام اجازت تھی' انہی سے روایت ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شیء اسمعه من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ارید حفظه فنهتنی قریش وقالوا اتکتب کل شیء تسمعه ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عن الکتابة فذکرت ذلک الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاوما باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده ما یخرج منه الاحق. (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳ ۱۲ بیروت' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸ طبع مجتبائی پاکستان)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حفاظت کے خیال سے رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہر بات لکھ لیتا تھا' پس بعض قریش نے مجھے منع کیا اور کہا: تم حضور سے سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ بھی ایک بشر ہیں' آپ کبھی ناراض کبھی خوش ہوتے ہیں اور یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا' جب رسول اللہ ﷺ سے میں نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے دہن اقدس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لکھا کرو' قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس منہ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے احادیث لکھنے کا تذکرہ کیا ہے' فرماتے ہیں:

ما من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم احد اکثر حدیثا عنه منی الا ما کان من عبد اللّٰہ بن عمرو فانه کان یکتب ولا اکتب.

(صحیح البخاری ج ا ص ۲۲' طبع کراچی)

نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حضور کی احادیث محفوظ نہ تھیں' سوا عبد اللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

''ابوداؤد'' اور ''بخاری'' کی ان روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو احادیث قلم بند کیا کرتے تھے' رہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کی توجہ کی وجہ سے ان کا حافظہ بہت تیز ہو گیا تھا' اس وجہ سے وہ احادیث نہیں لکھتے تھے تاہم ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث کتب اور صحائف کی شکل میں بھی محفوظ تھیں' چنانچہ عمرو بن امیہ بیان کرتے ہیں:

تحدث عند ابی هریرة بحدیث فاخذ بیدی

حضرت ابوہریرہ کے سامنے ایک حدیث پر گفتگو ہوئی تو وہ

الٰی بیته فارانا کتبا من حدیث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقال هذا هو مکتوب عندی.

میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں (احادیث کی) کتابیں دکھائیں اور کہا: دیکھو وہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۷ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ کے پاس ان کی تمام مرویات لکھی ہوئی محفوظ تھیں' حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ ابتداء زمانۂ رسالت میں احادیث نہیں لکھتے تھے' حضور کے وصال کے بعد انہوں نے احادیث کو لکھ لیا یا اسی زمانہ میں وہ کسی اور شخص سے ان احادیث کو لکھواتے رہے ہوں گے اور حضرت انس نے تو احادیث لکھ کر حضور کو سنانے کا شرف بھی حاصل کر لیا تھا' چنانچہ قتادہ روایت کرتے ہیں:

کان یملی الحدیث حتی اذ اکثر علیه الناس جاء بمجمال من کتب فالقاها ثم قال هذه احادیث سمعتها و کتبتها عن رسول اللّٰه وعرضتها علیه.

(تقیید العلم ص ۹۶-۹۵)

حضرت انس احادیث لکھوایا کرتے تھے اور جب لوگ زیادہ تعداد میں آئے تو وہ اپنا صحیفہ لے کر آئے اور اس کو ان کے آگے رکھ کر فرمایا: یہ وہ احادیث ہیں جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا اور انہیں میں آپ پر پیش کر چکا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بھی احادیث کو لکھ کر صحائف میں محفوظ رکھا کرتے تھے' چنانچہ روایت ہے:

یروی عن عبد اللّٰه بن عمرو کان خرج الٰی السوق نظر فی کتبه وقد اکد الراوی ان کتبه هذه کانت فی الحدیث.

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ص ۱۰۰)

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو جب بھی بازار جاتے تو اپنی کتابوں کو دیکھ لیتے تھے' راوی تاکیدا کہتے ہیں کہ ان کی وہ کتابیں احادیث پر مشتمل تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص' حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک کے بارے میں آپ کی نظر سے شواہد گزر چکے ہیں کہ یہ حضرات عہد رسالت میں احادیث کو صحائف میں لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے' اب ہم آپ کے مطالعہ میں ایک ایسا حوالہ پیش کرتے ہیں' جس سے ظاہر ہوگا کہ سرکار کے زمانۂ اقدس میں بالعموم صحابہ کرام احادیث لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:

کان عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ناس من اصحابه وانا معهم وانا اصغرا لقوم فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار فلما خرج القوم قلت کیف تحدثون عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقد سمعتم ما قال وانتم تنهمکون فی الحدیث عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فضحکوا وقالوا یا ابن اخینا ان کل ما سمعنا منه عندنا فی کتاب.

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲-۱۵۱' بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے صحابہ میں سے چند لوگ حاضر تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا جب کہ میں ان سب سے کم عمر تھا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری طرف جھوٹ منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے' جب لوگ باہر گئے تو میں نے ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے احادیث کیسے بیان کرتے ہو جب کہ تم آپ کا ارشاد سن چکے ہو اور آپ لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے بہ کثرت احادیث بیان کرتے ہیں' یہ سن کر وہ لوگ ہنسے اور کہنے لگے: اے بھتیجے! ہم لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں' وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے۔

ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ احادیث کو لکھنے اور محفوظ کرنے کا کام عہدِ رسالت میں شروع ہو چکا تھا اور صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ کے افعال اور احوال لکھ کر قلم بند کیا کرتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض احادیث میں لکھنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ بعض مواقع کے ساتھ مخصوص ہے یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان صورتوں میں لکھنے سے منع فرمایا تھا' جن میں قرآن اور حدیث کے اشتباہ کا احتمال تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد دورِ صحابہ میں تابعین نے صحابہ کی مرویات کو لکھ کر محفوظ کرنا شروع کیا' حضرت ابوہریرہ جن سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں' انہوں نے بے شمار شاگرد تیار کیے اور ان لوگوں نے ان احادیث کو لکھ کر محفوظ کیا اور یہ سلسلہ روایت آگے بڑھایا' چنانچہ'' مسند دارمی'' میں ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے بشیر بن نہیک نے آپ کی روایات کو لکھ کر محفوظ کر لیا تھا' حضرت عبد اللہ بن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ (۱۶۶۰) احادیث مروی ہیں' ان کی روایات کو دوسرے شاگردوں کے علاوہ کریب نے محفوظ کر لیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۶ دار صادر' بیروت) اور حضرت انس جو کہ دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث کے راوی ہیں' ان کے بارے میں'' مسند دارمی'' میں ہے کہ ان کی مرویات کو ابان نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث کی روایت کرتی ہیں' ان کی احادیث کو عروہ بن الزبیر نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ (الکفایہ ص ۲۲۹) حضرت عبد اللہ بن عمر جو ایک ہزار چھ سو تیس (۱۶۳۰) احادیث کی روایت کرتے ہیں' '' طبقاتِ ابن سعد'' اور'' دارمی'' میں ہے کہ ان کی روایات کو نافع نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا اور حضرت جابر جو ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث کے راوی ہیں' ان کی مرویات کو قتادہ بن دعامہ سدوسی نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۷ دار صادر' بیروت)

مذکور الصدر سطور میں چند مثالیں پیش کی ہیں' ورنہ صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اور روایت کرنے والے تمام حضرات احادیث کو ضبطِ تحریر میں لے آتے تھے۔ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک اسی طرح متفرق طور پر کتابت کے سہارے تدوین حدیث کا کام آگے بڑھتا رہا' احادیث کے یہ صحائف اور نوشتے کسی نقطہ پر مشترک اور کسی جہت سے مجتمع نہ تھے' بغیر کسی ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی اپنی مرویات کو اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر رکھا تھا' یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا زمانہ خلافت آیا اور انہوں نے احادیث کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا' چنانچہ اس کام کے لیے انہوں نے معتمد اور مستند علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی' جن میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم' قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عمر بن عبد العزیز نے مختلف علاقوں سے احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ جمع کیا اور ابن شہاب زہری نے ان احادیث کو ترتیب دیا' تہذیب سے منظم اور منضبط کیا۔ (تدریب الراوی ص ۷۳) احادیث کو جمع اور منظم کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرنے کی ابتداء بھی ابن شہاب زہری نے کی ہے۔ اسی وجہ سے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

احادیث کی ترتیب اور تہذیب کا جو کام ابن شہاب زہری نے شروع کیا تھا' اس کام کو ان کے مایہ ناز تلامذہ برابر آگے بڑھاتے رہے' یہاں تک کہ دوسری صدی کے اخیر میں ان کے ایک نامور شاگرد امام مالک بن انس اصبحی نے احادیث کو باب وار ترتیب دے کر پہلا مجموعہ حدیث'' موطا'' کے نام سے پیش کر دیا۔

'' موطأ امام مالک'' کے علاوہ امام اعظم نے اپنی مرویات کو'' کتاب الآثار'' کے نام سے پیش کیا' جس کو ان کے لائق اور قابلِ صد فخر تلامذہ نے الگ الگ روایت کیا ہے' ان حضرات کے علاوہ دوسری صدی کے جن دوسرے متعدد بزرگ مصنفین نے فنِ حدیث

میں کتابیں پیش کی ہیں' ان میں سے بعض کی کتابیں یہ ہیں: سنن ابوالولید ۱۵۱ھ' جامع سفیان ثوری ۱۶۱ھ' مصنف ابی سلمۃ ۱۶۷ھ' مصنف ابن سفیان ۱۹۷ھ' جامع سفیان بن عیینہ ۱۹۸ھ اور تیسری صدی کے جن مصنفین نے حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں' ان میں سے بعض حضرات کی کتابیں یہ ہیں: کتاب الام للشافعی ۲۰۴ھ' مسند احمد بن حنبل ۲۴۱ھ' الجامع الصحیح للبخاری ۲۵۶ھ' الجامع للمسلم ۲۶۱ھ' سنن ابوداؤد ۲۷۵ھ' الجامع للترمذی ۲۷۹ھ' سنن ابن ماجہ ۲۷۳ھ۔

مضبوط اور مستحکم حوالہ جات کی روشنی میں ہم نے آپ کے سامنے عہد رسالت سے لے کر صحاح ستہ کے مصنفین تک تدوین حدیث کا ایک مربوط جائزہ پیش کر دیا ہے' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک ہر دور میں احادیث کو قلم بند کیا جاتا رہا اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک ہر طرح سے حدیث کی حفاظت کی جاتی رہی' نیز ہر دور میں لوگوں نے اپنے زمانہ کے مخصوص تقاضوں اور تصنیف و تالیف کے رجحانات کو سامنے رکھ کر احادیث کی تدوین کی' یہاں تک کہ تیسری صدی میں مصنفین صحاح ستہ نے پہلے لوگوں کی خوبیوں کو نئے اضافوں کے ساتھ ضم کر کے ایک جامع اسلوب کے ساتھ اپنی تصانیف کو پیش کیا' جن کا تفصیلی تعارف اور تبصرہ اس کتاب کے آئندہ ابواب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ حدیث کی ضرورت' حجیت اور تدوین پر بحث کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تعریف اور اس کی اقسام وغیرہ پر بھی گفتگو کر لی جائے۔

تعریف حدیث

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں: علم حدیث روایۃً اور علم حدیث درایۃً' حدیث ازروئے روایت اس علم کو کہتے ہیں' جس سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال' افعال' احوال اور اوصاف کی معرفت حاصل ہو۔ اس علم کا موضوع خود حضور کی ذات مقدسہ ہے' اور علم حدیث ازروئے درایت وہ علم ہے' جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بہ حیثیت رد اور قبول معلوم ہوں' اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔

اقسام حدیث

حدیث کی تعریف کے بعد اس کی بعض ضروری اقسام کی تعریفیں پیش کی جاتی ہیں:

مرفوع : جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

موقوف : جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال' احوال اور تقریرات کا بیان ہو۔

مقطوع : جس حدیث میں تابعین کے اقوال' افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

متصل : جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

معلق : جس حدیث کی سند کے شروع سے راوی کو حذف کر دیا جائے' خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

مرسل : جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے' مثلاً تابعی حضور سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے۔

معضل : درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

منقطع بہ معنی اخص: دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

مضطرب : سند یا متن حدیث میں زیادتی' نقصان یا تقدیم و تاخیر کر دی جائے۔

مدرج : متن حدیث میں راوی اپنا یا غیر کا کلام ملا دے۔

شاذ : جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس کا مقابل محفوظ ہے)۔
منکر : جس روایت میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف کی مخالفت کرے (اس کا مقابل معروف ہے)۔
معلل : جس حدیث میں علت خفیہ قادحہ ہو' مثلاً حدیث مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔
صحیح لذاتہ : جس حدیث کے تمام راوی متصل' عادل' تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔
صحیح لغیرہ : جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔
حسن لذاتہ : جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری نہ ہو۔
حسن لغیرہ : جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔
ضعیف : جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔
متروک : جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔
موضوع : جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو' جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔
غریب : جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔
عزیز : جس حدیث کے دو راوی ہوں' پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔
مشہور : جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو (یعنی سلسلہ سند میں کسی شخص سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں اور نہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو)[1]
متواتر : جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں' یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جا رہا ہے۔
صحیح : جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو' جیسے ''صحیح بخاری و صحیح مسلم'' وغیرہ۔
جامع : جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں: سیر' آداب' تفسیر' عقائد' فتن' احکام' اشراط' مناقب' جیسے ''بخاری'' اور ''ترمذی'' وغیرہ۔
سنن : جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں' جیسے ''سنن ابوداؤد' نسائی''۔
مسند : جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں' جیسے ''مسند احمد بن حنبل''۔
معجم : جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں' جیسے ''معجم طبرانی''۔
مستخرج : جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کے لیے ان احادیث کو مصنف کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے' جیسے ''مستخرج لابی نعیم علی البخاری''۔
مستدرک : جس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے' جو ان ابواب میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں' جیسے حاکم کی ''مستدرک علی الصحیحین''۔

[1] غریب' عزیز اور مشہور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔

رسالہ : جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں جیسے امام احمد کی "کتاب الزہد" آداب میں اور ابن جریر طبری کی کتاب "تفسیر" میں۔

جز : جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی "جزء القراءۃ خلف الامام"۔

اربعین : جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے "اربعین نووی"۔

امالی : جس کتاب میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے "امالی امام محمد"۔

اطراف : جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیئے جائیں یا بعض کتب مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں جیسے "اطراف الکتب الخمسۃ ابی العباس" اور "اطراف المزی"۔

طبقات کتب حدیث: شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کی صحت شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے چار طبقے بیان کیے ہیں جن کو ہم تلخیص کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) پہلا طبقہ ان کتابوں کا ہے جن کی صحت شہرت اور مقبولیت سب سے زیادہ ہے جیسے "صحیح بخاری صحیح مسلم اور موطا امام مالک"۔

(۲) دوسرا طبقہ ان کتابوں کا ہے جو صحت شہرت اور مقبولیت میں پہلے طبقہ کے قریب ہیں اس طبقہ کی اکثر کتابوں میں اکثر احادیث صحیح اور حسن ہیں بعض ضعیف روایات بھی آ گئی ہیں لیکن ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے جیسے "جامع ترمذی سنن ابوداود اور سنن نسائی"۔

(۳) اس طبقہ میں ان مصنفین کی کتابیں ہیں جو امام بخاری اور مسلم پر مقدم ان کے معاصر یا ان کے متقارب تھے حدیث میں ان کی فنی مہارت تو مسلم تھی لیکن ان کی تصانیف میں دوسرے طبقہ کی بہ نسبت ضعیف روایات زیادہ ہیں بلکہ بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو متہم بالوضع ہیں جیسے "مسند شافعی سنن ابن ماجہ مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ سنن دارمی سنن دارقطنی سنن بیہقی اور تصانیف طبرانی"۔

(۴) چوتھے طبقہ میں ان متاخرین علماء کی کتابیں ہیں جن کی روایت کردہ احادیث کا قرون اولی میں ثبوت نہیں ملتا اس سے دو ہی مطلب ہیں یا تو متقدمین کو ان احادیث کی اصل نہیں مل سکی یا انہوں نے ان روایات میں کوئی علت خفیہ دیکھ کر ترک کر دیا جیسے دیلمی ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ کی تصانیف۔

مراتب ارباب حدیث

سطور ذیل میں مراتب ارباب حدیث کا بیان کیا جاتا ہے۔

طالب : حدیث کا متعلم۔

شیخ : حدیث کے معلم کو محدث یا شیخ کہتے ہیں۔

حافظ : جس شخص کو ایک لاکھ احادیث متناً وسنداً اور اس کے رواۃ کے احوال جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حجۃ : جس شخص کو تین لاکھ احادیث متناً وسنداً اور جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حاکم : جس شخص کو تمام احادیث مرویہ متناً وسنداً اور جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حدیث ضعیف کے افراد

جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبار سند کے مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے۔ سطور سابقہ میں اس کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں مثلاً مضطرب' منقطع' معلول' منکر' متروک' مبہم وغیرہ' طعن کی یہ تمام اقسام حدیث ضعیف میں داخل ہیں' البتہ ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اور حدیث متروک یعنی جس کا راوی متہم بالکذب ہو' باقی اقسام کی بہ نسبت زیادہ شدید ضعف کی حامل ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث کی سند میں متعدد وجوہ طعن ہوں' مثلاً وہ حدیث معلول بھی ہو' منکر بھی اور متروک بھی لیکن متعدد وجوہ طعن جمع ہونے کے باوجود بھی وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی' البتہ جس قدر وجوہ طعن زیادہ ہوں گے' اس کا ضعف بڑھتا جائے گا' بتلانا یہ مقصود ہے کہ سند میں طعن اور جرح کی زیادتی' اس کے وضع اور بطلان کو مستلزم نہیں ہوتی' حدیث کو صرف اس وقت موضوع قرار دیا جائے گا جب اس کی سند میں کوئی وضاع راوی آ جائے۔

غیر صحیح کی تحقیق

بعض' بعض محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں: ''لا یصح'' یعنی یہ سند صحیح نہیں ہے' اس جملہ سے بعض ناواقف لوگ یہ مغالطہ کھاتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے' حالانکہ اصطلاح محدثین میں صحیح' غلط یا باطل کا مقابل نہیں ہوتا' بلکہ صحیح کے مقابلہ میں صحیح لغیرہ' حسن لذاتہ' حسن لغیرہ اور ضعیف یہ سب شامل ہیں' اور جب وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے: یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ' حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحت کی نفی تو ضعف کو بھی مستلزم نہیں' چہ جائیکہ صحت کی نفی سے وضع یا بطلان کا حکم لازم آئے' اس مبحث کی نفیس تحقیق اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے رسالہ ''منیر العینین'' میں بیان فرمائی ہے۔

متن اور سند میں احکام کا فرق

راوی کی مجروحیت اور وجوہ طعن کا تعلق سند سے ہوتا ہے' متن حدیث کا حکم دوسرے قرائن کے اعتبار سے کیا جاتا ہے' یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک وضاع راوی بیان کرے' پس اس سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا' لیکن فی نفسہ وہ حدیث موضوع نہیں کہلائے گی' البتہ جب کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی ہو اور اس حدیث کا متن کسی طریقہ سے ثابت نہ ہو تو وہ حدیث مطلقاً موضوع کہلائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ شمس الدین ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے ''عن ابراهيم بن موسٰى المروزى عن مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' حدیث ''طلب العلم فريضة'' کو موضوع فرمایا' علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے موضوع ہے' ورنہ نفس حدیث دیگر طرق ضعیفہ سے ثابت ہے' اسی طرح ''تمہید'' میں حافظ ابن البر نے حدیث ''الصلوة بسواك خير من سبعين صلوٰة'' کو باطل کہا ہے' لیکن علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حکم بھی اس خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح حدیث ضعیف میں بھی ضعیف کا حکم باعتبار سند کے ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک ضعیف راوی بیان کرے' اس سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف کہلائے گی' لیکن متن حدیث کا یہ حکم نہیں ہوگا' علامہ نووی فرماتے ہیں:

ان روايات الراوى الضعيف يكون فيه الصحيح والضعيف والباطل فيكتبونها ثم يميز اهل الحفظ والاتقان بعض ذلك من بعض وذلك سهل عليهم

ضعیف راوی کی روایات میں صحیح' ضعیف اور باطل ہر قسم کی احادیث ہوتی ہیں۔ محدثین ان تمام روایات کو لکھ لیتے ہیں' پھر اہل علم ان کو تمیز دیتے ہیں اور یہ ان کے لیے آسان ہے' اسی دلیل

معروف عندهم وبهذا احتج السفيان الثورى حين نهى عن الرواية عن الكلبى فقيل له انت تروى عنه فقال انا اعرف صدقه من كذبه.

(شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۱ طبع کراچی)

سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا جب ان سے کلبی کی روایات قبول کرنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں اس کے صدق اور کذب میں تمیز کر لیتا ہوں۔

وغير ذلك فلا يعمل فيها الا بالحديث الصحيح او الحسن الا ان يكون فى احتياط شىء كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهية بعض البيوع او الا نكحة.

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۱ طبع کراچی)

اور طلاق وغیرہ میں حدیث صحیح یا حسن کے سوا اور کسی پر عمل درست نہیں الّا یہ کہ اس میں احتیاط ہو مثلاً بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف وارد ہو۔

حدیث ضعیف کی تقویت

فضائل اعمال اور باب مناقب میں عموماً احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان بعض قرائن کا ذکر کر دیا جائے جن کی بناء پر حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے چنانچہ تمام مستند اصول حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ مرقوم ہے محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے بھی ''فتح القدیر'' (ج ۱ ص ۲۴۸ مطبع مصر) میں اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

وقد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه ولحقوه بالصحيح تارة وبالحسن اخرى. (کتاب الاذکار ص ۸۷)

جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو گاہے صحیح کے ساتھ اور گاہے حسن کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی حدیث ضعیف کے موافق مجتہدین میں سے کسی کا قول مل جائے تو اس سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

ان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا له كما فى التحرير وغيره. (ردالمحتار ج ۴ ص ۱ طبع مصر)

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس طرح تحریر وغیرہ میں (امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی) ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی حدیث ضعیف کے موافق اہل علم میں سے کسی کا قول ہو تو اس سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی حدیث: ''اذا اتى احدكم الصلوة والامام على حال الحديث'' کے تحت لکھتے ہیں: ''هذا حديث غريب لا نعرف احدا اسنده الا ماروى من هذا الوجه والعمل على هذا عند اهل العلم'' ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال النووى اسناده ضعيف نقله ميرك فكان الترمذى يريد تقوية الحديث بعمل اهل العلم.

(مرقات ج ۲ ص ۹۸ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

علامہ نووی میرک سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ کر رہے ہیں۔

حدیث موضوع کا حکم

حدیث موضوع سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی حدیث موضوع کو بغیر بیان وضع کے بیان کرنا جائز ہے۔ایک حدیث متعدد ضعیف اسناد سے بیان کی جائے تو قوی ہو جاتی ہے' لیکن اگر ایک حدیث متعدد موضوع اسانید سے بیان کی جائے تو وہ پھر بھی موضوع رہتی ہے کیونکہ شر کے ساتھ شر مل جائے تو وہ پھر بھی شر ہی رہتا ہے۔

احادیث سے ثابت ہونے والے اُمور کی تفصیل

احادیث سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں' جن کا تعلق حلت اور حرمت کے ساتھ ہو'وہ چار قسم پر ہیں:(۱) عقائد قطعیہ جیسے توحید ورسالت اور مبدأ و معاد (۲) عقائد ظنیہ جیسے انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت اور قبر کے احوال۔

(۱) **عقائد قطعیہ:** ان کے اثبات کے لیے حدیث متواتر ہونی چاہیے'عام ازیں کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی۔

(۲) **عقائد ظنیہ:** ان کے اثبات کے لیے اخبار آحاد کافی ہیں۔

(۳) **احکام** : ان کے اثبات کے لیے حدیث صحیح ہونی چاہیے یا کم از کم یہ کہ وہ حدیث حسن لغیرہ سے کم نہ ہو۔

(۴) **فضائل ومناقب:** اس باب میں بالاتفاق احادیث ضعیفہ کا بھی اعتبار کرلیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

انهم قد يروون عنهم احاديث الترغيب والترهيب وفضائل الاعمال والقصص واحاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو ذلك مما لا يتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فيه ورواية ما سوى الموضوع منه والعمل به لان اصول ذلك صحيحة مقررة في الشرع معروفة عند اهله وعلى كل حال فان الائمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتجون به على انفراده في الاحكام.

حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب' ترہیب' فضائل اعمال'قصص' زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں اور حلال وحرام کے احکام میں ان سے اصلا روایت نہیں کرتے' اور اس قسم کی احادیث میں ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور ان پر عمل کرنا صحیح اور شرع میں ثابت ہے اور احکام سے متعلق حدیث میں جب کوئی ضعیف راوی متفرد ہو تو اس کی روایت سے ہرگز استدلال نہیں کیا جاتا۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۱' نور محمد اصح المطابع' کراچی)

علامہ نووی کی اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ فضائل اور مناقب میں ضعیف روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل بھی ہوتا ہے' البتہ احکام میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا' لیکن بعض صورتوں میں احتیاط کے پیش نظر احکام میں بھی ضعیف روایات کا اعتبار کرلیا جاتا ہے' نیز علامہ نووی لکھتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا واما الاحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح .

حضرات محدثین' فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے' جب کہ وہ موضوع نہ ہو لیکن حلال اور حرام کے احکام' مثلاً بیع' نکاح وغیرہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاتا' صرف

حدیث صحیح یا حسن پر عمل کیا جاتا ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی ج ۱ ص ۱۱۔۱۰ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات صالحین کے عمل سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ حدیث ضعیف ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کی تقویت کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ عبد اللہ بن المبارک کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث تقویت پا گئی چنانچہ مولانا عبد الحئی لکھتے ہیں:

قال البیھقی کان عبد اللہ بن المبارک یصلیھا وتداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذلک تقویۃ للحدیث المرفوع. (الآثار المرفوعہ ص ۲۳)

علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن مبارک صلوٰۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے تمام علماء اس کو ایک دوسرے سے نقل کر کے پڑھتے رہے اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوگئی۔

اس کے علاوہ تجربہ اور کشف سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ ملا علی قاری نے اسی بحث میں ابن عربی کے کشف سے ایک حدیث کی تقویت کا واقعہ بیان کیا ہے۔

شیخ قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

نقل حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی۔

(تحذیر الناس ص ۴۴۔۴۳ دار الاشاعت کراچی)

روایات مختلفہ میں مذاق ائمہ

جب کسی ایک مسئلہ پر متعدد متعارض روایات وارد ہوں تو اس سلسلہ میں تتبع اور تلاش سے جو ائمہ اربعہ کا مسلک معلوم ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظم ایسی صورت میں روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ ہر روایت پر کسی نہ کسی صورت میں عمل ہو جائے اور جب تطبیق نہ ہو سکے تو اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اسلام اور اصول روایت کے قریب تر ہو امام شافعی ایسی شکل میں قوت سند کے لحاظ سے کسی ایک روایت کو لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ امام مالک تعارض کی صورت میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اہل مدینہ کے تعامل کے موافق ہو اور امام احمد متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں۔

مشہور حفاظ

سطور ذیل میں ہم چاروں مسلکوں کے مشاہیر حفاظ کے اسماء پیش کر رہے ہیں:

احناف : حافظ ابو بشر دولابی حافظ اسحاق بن راھویہ حافظ ابو جعفر طحاوی حافظ ابن ابی العوام سعدی حافظ ابو محمد حارثی حافظ عبد الباقی حافظ ابو بکر رازی جصاص حافظ ابو نصر کلاباذی حافظ ابو محمد سمرقندی حافظ شمس الدین سروجی حافظ قطب الدین حلبی حافظ علاء الدین ماردینی حافظ جمال الدین زیلعی حافظ علاء الدین مغلطائی حافظ بدر الدین عینی حافظ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم۔

شوافع : حافظ دارقطنی حافظ بیہقی حافظ خطابی حافظ عز الدین بن سلام حافظ ابن دقیق العید حافظ عراقی حافظ ذہبی حافظ مزی حافظ

ابن اثیر جزری' سبکی' ہیتمی ' ابن حجر عسقلانی وعلامہ سیوطی وغیرھم۔

مالکیہ : حافظ حسین بن اسماعیل' حافظ رحیلی' حافظ ابن عبدالبر' حافظ ابوالولید الباجی' حافظ قاضی ابوبکر العربی' حافظ عبدالحق' حافظ قاضی عیاض' حافظ مازری' حافظ ابن رشد' حافظ ابوالقاسم سہیلی وغیرھم۔

حنابلہ : حافظ عبدالغنی المقدسی' حافظ ابوالفرج بن الجوزی' حافظ ابن قدامہ' حافظ ابن رجب وغیرھم۔

۞۞۞۞۞

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

امام بخاری کی سوانح

امام بخاری کا نام اور نسب

علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

امام محمد کا نام: ابوعبداللہ محمد بن ابی الحسن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن الاحنف بردزبہ الجعفی ہے۔

(وفیات الاعیان ج ۴ ص ۱۸۸ 'منشورات الرضی' قم' ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

یہ لفظ ''بَردِزبَہ'' ہے' یہ بخاری کی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی کسان ہے۔ ''بَردِزبَہ' مجوسی تھے اور اسی مذہب پر فوت ہو گئے اور ان کے بیٹے المغیرہ نے بخاریٰ کے والی الیمان البخاری الجعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور یمان کا نام ابوعبداللہ محمد بن جعفر بن یمان المسندی ہے' جو امام بخاری کے شیخ ہیں۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۶۷ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بَردِزبَہ مجوسی تھے' اسی پر فوت ہو گئے' اور مغیرہ بن بَردِزبَہ نے والی بخاریٰ عبداللہ بن محمد المسند الجعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور امام بخاری کو جعفی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے دادا کے والد المغیرہ یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور عبداللہ بن محمد کو مَسندی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نوعمری سے مسند کو طلب کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام بخاری کے والد کے مفصل حالات

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری کے دادا کے والد المغیرہ الیمان الجعفی والی بخاریٰ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے' اسی وجہ سے امام بخاری کو جعفی کہا جاتا ہے اور یہ نسبت وَلاء ہے کیونکہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو' اس کی وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے' ولاء کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان ہونے والے شخص کا اور کوئی نسبی وارث نہ ہو تو اس کی وراثت اسے مسلمان کرنے والے کو ملے گی' اس وجہ سے یمان جعفی کی نسبت سے امام بخاری کے دادا کے والد المغیرہ جعفی کہلائے' پھر ان کی نسبت سے امام بخاری جعفی کہلائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے دادا ابراہیم بن المغیرہ کے حالات میں سے ہم کسی چیز پر مطلع نہیں ہوئے اور امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم کا تذکرہ امام ابن حبان نے ''کتاب الثقات'' کے طبقہ رابعہ میں کیا ہے' انہوں نے لکھا ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم' حماد بن زید اور امام مالک سے روایت کرتے ہیں' خود امام بخاری نے بھی اپنے والد کا تذکرہ کیا ہے' وہ لکھتے

ہیں:

اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ الجعفی۔ ابوالحسن نے کہا: انہوں نے حماد بن زید کی زیارت کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ امام ابن المبارک سے مصافحہ کیا اور امام مالک سے سماع کیا۔ (التاریخ الکبیرج اص ۳۲۳ رقم الحدیث: ۱۰۸۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ امام بخاری کے والد علماء متقین میں سے تھے انہوں نے ابو معاویہ اور ایک جماعت سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے احمد بن جعفر اور نصر بن الحسین نے روایت کی ہے۔

علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی المتوفی ۷۷۱ھ نے لکھا ہے:

احمد بن حفص نے کہا: میں ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم کے پاس ان کی موت کے وقت گیا تو انہوں نے کہا: مجھے اپنے تمام اموال میں ایک درہم کے بھی مشتبہ ہونے کا علم نہیں ہے احمد نے کہا: اس وقت میں نے اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں بہت کم تر اور حقیر جانا۔ (ارشاد الساری ج ا ص ۵۵ دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ا ص ۴۲۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام بخاری کی ولادت

حافظ احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اور حافظ ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابوحاتم الوراق بیان کرتے ہیں: مجھے المستنیر بن عتیق نے کہا: میں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری سے سوال کیا: آپ کب پیدا ہوئے تھے؟ انہوں نے مجھے اپنے والد کی تحریر نکال کر دکھائی جس میں لکھا ہوا تھا: محمد بن اسماعیل ۱۳ شوال کو بہ روز جمعہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔

الحسن بن الحسن البزاز نے بخاری میں کہا: میں نے محمد بن اسماعیل کو بخاری میں دیکھا وہ بوڑھے تھے ان کا جسم کمزور تھا نہ بہت لمبے تھے نہ بہت چھوٹے تھے وہ تیرہ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور عیدالفطر کی شب نماز عشاء کے وقت ہفتہ کی شب کو ۲۵۶ھ میں فوت ہو گئے اور یکم شوال ہفتہ کے دن ظہر کی نماز کے بعد ان کو دفن کر دیا گیا انہوں نے تیرہ دن کم باسٹھ سال عمر گزاری۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۵ ص ۴۳ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۸۸ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

بچپن میں امام بخاری کا نابینا ہونا اور پھر ان کی بینائی کا لوٹ آنا

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اور حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اور علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی متوفی ۷۷۱ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن محمد السمسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل کی بچپن میں دونوں آنکھوں کی بینائی چلی گئی ان کی والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کی زیارت کی آپ نے فرمایا: اے خاتون! تمہارے بہ کثرت رونے اور بہت زیادہ دعا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کی بصارت واپس کر دی پھر امام بخاری نے اس حال میں صبح کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی بینائی لوٹا چکا تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۴۲ سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۷۸۔۲۷۷ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ا ص ۴۲۵۔۴۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام بخاری کی تعلیم کی ابتداء اور اپنے استاذ کی تصحیح کرنا

الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تاج الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ اور حافظ یوسف المزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابوجعفر محمد بن ابی حاتم وراق النحوی لکھتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری سے کہا: آپ کی طلب حدیث کا معاملہ کس طرح تھا؟ انہوں نے کہا: میں ابھی مکتب میں تھا کہ میرے دل میں حدیث کو حفظ کرنے کا شوق ڈالا گیا' انہوں نے پوچھا: اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ امام بخاری نے کہا: دس سال یا اس سے کم' پھر دس سال کی عمر کے بعد میں مکتب سے نکلا اور استاذ داخلی وغیرہ کے پاس جانے لگا' ایک دن جب وہ لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے تو انہوں نے ایک حدیث کی سند بیان کی: از سفیان از ابی الزبیر از ابراہیم' میں نے کہا: اے ابوفلاں! تحقیق یہ ہے کہ ابراہیم نے ابوالزبیر سے حدیث روایت نہیں کی' انہوں نے مجھ کو ڈانٹ دیا' میں نے ان سے کہا: اگر آپ کے پاس اصل ہے تو اس کی طرف رجوع کرلیں' پس وہ گھر میں داخل ہوئے' اصل کا مطالعہ کیا' پھر آئے' پھر مجھ سے کہا: اے لڑکے! بتاؤ وہ سند کس طرح ہے؟ میں نے کہا: وہ زبیر بن عدی بن ابراہیم ہے' انہوں نے مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب میں اس طرح لکھا' پھر کہا: تم نے سچ کہا۔ امام بخاری کے بعض احباب نے ان سے پوچھا: جب آپ نے استاذ داخلی کی اصلاح کی تھی' اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ امام بخاری نے کہا: اس وقت میں گیارہ سال کا تھا' اور جب میں سولہ سال کا ہوا تو میں نے ابن المبارک اور الوکیع کی کتابوں کو حفظ کرلیا تھا اور ان کے کلام کی معرفت حاصل کرلی تھی' پھر میں اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوا' پھر جب میں نے حج کرلیا تو میرا بھائی میری والدہ کے ساتھ واپس آ گیا اور میں حدیث کی طلب میں وہیں رک گیا اور جب میں اٹھارہ سال کا ہو گیا تو میں فضائل صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال کے متعلق ایک کتاب تصنیف کرنے لگا' یہ عبیداللہ بن موسیٰ کی حکومت کے ایام تھے اور میں نے چاندنی راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے قریب بیٹھ کر ''کتاب التاریخ'' لکھی اور میں نے تاریخ میں جس کا نام بھی لکھا ہے' مجھے اس کا کوئی نہ کوئی قصہ معلوم ہے' مگر میں نے کتاب کے طول دینے کو ناپسند کیا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷' تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۵ ص ۴۳' سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۷۸' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۵' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۸۹)

امام بخاری کا علم و فضل اور ان کا مرتبہ اور مقام

الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ اور حافظ یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن ابی حاتم وراق بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا ہے کہ اگر یہ لوگ میری بعض اسانید کو دیکھیں تو یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ میں نے ''کتاب التاریخ'' کو کیسے تصنیف کیا ہے' میں نے اس کی تین بار تصنیف کی ہے۔

ابوحاتم وراق کہتے ہیں: میں نے امام بخاری سے سنا ہے کہ امام اسحاق بن راہویہ نے ''کتاب التاریخ'' لی اور عبداللہ بن طاہر کو دکھائی اور کہا: اے امیر! کیا میں آپ کو سحر نہ دکھاؤں؟ عبداللہ بن طاہر نے اس کتاب کو پڑھا اور تعجب سے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ اس لڑکے کی تصنیف ہوئی!

ابوالعباس بن سعد کہتے تھے: اگر کوئی شخص تیس ہزار احادیث بھی لکھ لے تو وہ محمد بن اسماعیل کی تصنیف کردہ ''کتاب التاریخ'' سے مستغنی نہیں ہوگا۔

ابوبکر المدینی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم نیشاپور میں امام اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور محمد بن اسماعیل بھی اس مجلس میں حاضر تھے' امام اسحاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے کوئی حدیث پڑھ رہے تھے' اس کی سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابی سے نیچے عطاء الکیخارانی کا ذکر تھا' امام اسحاق نے کہا: اے ابوعبد اللہ! کیخاران کیا چیز ہے؟ امام بخاری نے کہا: یہ یمن کی ایک بستی ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص کو یمن کی طرف بھیجا تھا' اس نے وہاں عطاء سے دو حدیثیں سنی تھیں' تب امام اسحاق نے کہا: لگتا ہے تم ان لوگوں میں موجود تھے۔

ابراہیم بن معقل النسفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل سے سنا' انہوں نے بیان کیا کہ میں امام اسحق بن راھویہ کے پاس تھا تو انہوں نے ہمارے بعض اصحاب سے کہا: کاش! تم لوگ ایک مختصر کتاب مدون کرو' جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن کا ذکر ہو تو یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں اس کتاب یعنی ''الجامع الصحیح'' کی تدوین میں شروع ہو گیا۔

السعدانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض اصحاب سے یہ سنا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل یہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی اس کتاب ''الجامع الصحیح'' کو تقریباً چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے' اور اس کو سولہ سال میں مکمل کیا اور اس کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۴ـ۹' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۵۴' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۹۵)

ابراہیم بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب ''الجامع الصحیح'' میں اسی حدیث کو داخل کیا ہے جو صحیح ہے اور میں نے طول سے بچنے کے لیے بہت سی احادیث صحیحہ کو ترک کر دیا۔

محمد بن یوسف الفربری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا: میں نے اس کتاب ''الجامع الصحیح'' میں ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

عبد القدوس بن ھمام بیان کرتے ہیں کہ میں نے متعدد مشائخ سے سنا ہے کہ امام بخاری نے ''الجامع الصحیح'' کے تراجم (عنوانات) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور اور آپ کے مبارک منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھے ہیں اور ہر ترجمہ (عنوان) لکھنے سے پہلے وہ دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

محمد بن یوسف الفربری بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن محمد جُرجانی سے خوارزم میں سنا کہ میں نے خواب میں امام ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کو دیکھا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جا رہے تھے' وہ اپنا قدم وہیں رکھتے تھے' جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم رکھتے اور آپ کے قدم کے نشان پر اپنا قدم رکھتے تھے۔

محمد بن یوسف الفربری بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس جا رہا ہوں' آپ نے فرمایا: میری طرف سے ان کو سلام کہنا۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۰ـ۷' تاریخ دمشق ص ۵۸ـ۵۳' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۹۳ـ۹۰)

امام بخاری کی عبادت اور ریاضت

الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

نسج بن سعید بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان کے مہینے کی پہلی رات آتی تو امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنے اصحاب کو جمع کرتے اور ان کو نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس (۲۰) آیتیں پڑھتے اور اسی طرح پڑھتے رہتے یہاں تک کہ قرآن مجید ختم کر لیتے اور سحری کے وقت نصف سے لے کر تہائی قرآن تک پڑھتے اور تین راتوں میں قرآن ختم کر لیتے اور دن میں ہر روز ایک قرآن ختم کرتے اور شام میں افطار کے وقت قرآن ختم کرتے اور فرماتے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۳۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

ابوسعید بکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری ایک دن نماز پڑھ رہے تھے کہ زنبور (تتیہ' بھڑ) نے ان کو سترہ بار ڈنک مارا' جب وہ نماز پڑھ چکے تو انہوں نے کہا: دیکھو! نماز میں کیا چیز مجھے ایذاء پہنچا رہی تھی؟ لوگوں نے دیکھا کہ زنبور کے کاٹنے سے ان کے سترہ (۱۷) جگہ ورم آ گیا تھا لیکن انہوں نے نماز منقطع نہیں کی۔

ایک روایت میں ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے کہا: جب پہلی بار زنبور نے آپ کو ڈنک مارا تو آپ نے نماز کیوں نہیں منقطع کی؟ امام بخاری نے کہا: میں جس سورت کی تلاوت کر رہا تھا' میں چاہتا تھا کہ اس سورت کو مکمل کرلوں۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۳-۱۲' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۵۹-۵۸' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۹۴)

امام بخاری کی سیرت اور کردار

ابوسعید بکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے پاس فروخت کے لیے کچھ سامان آیا' شام کو ان کے پاس بعض تاجر آئے اور پانچ ہزار درہم کے نفع پر وہ سامان خریدنا چاہا' امام بخاری نے کہا: میں تمہیں کل بتاؤں گا۔ دوسرے دن تاجروں کا دوسرا گروہ آیا' انہوں نے دس ہزار درہم کے نفع سے خریدنے کی پیش کش کی' امام بخاری نے کہا: کل جو تاجر آئے تھے' میں نے دل میں ان کو فروخت کرنے کی نیت کرلی تھی' اب میں پانچ ہزار درہم کے نفع کی خاطر اپنی نیت بدلنا نہیں چاہتا۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۲' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۶۰-۵۹)

محمد بن منصور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے' ایک شخص نے اپنی ڈاڑھی سے تنکا نکال کر مسجد کے فرش پر ڈال دیا' امام محمد بن اسماعیل اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور لوگوں کی طرف بھی دیکھ رہے تھے' جب لوگ غافل ہوئے تو امام بخاری نے وہ تنکا اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا اور جب امام بخاری مسجد سے نکلے تو وہ تنکا مسجد سے باہر پھینک دیا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۳' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۵۹)

بکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل کہتے تھے: مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کروں گا کہ اللہ عزوجل مجھ سے یہ حساب نہیں کرے گا کہ میں نے کسی کی غیبت کی ہو۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۳' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۶۰' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۹۴)

ابوحاتم وراق بیان کرتے ہیں کہ جب امام بخاری کسی سفر پر جاتے تو میں اور وہ ایک کمرے میں ہوتے تھے' ایک مرتبہ میں نے ان کو دیکھا' وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھے' ہر مرتبہ اٹھ کر چراغ جلایا' احادیث نکالیں' ان پر نشان لگائے' پھر سر رکھ کر لیٹ گئے' پھر سحری کے وقت تیرہ رکعت نماز تہجد پڑھی' جس میں ایک رکعت وتر بھی شامل تھی (یعنی آخری دوگانہ کے ساتھ ایک رکعت ملا کر سب رکعتوں کو وتر کر دیا)۔ امام بخاری جتنی بار بھی اٹھے' انہوں نے مجھے نہیں جگایا' میں نے ان سے کہا: آپ اپنے اوپر اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں اور مجھے نہیں اٹھاتے' امام بخاری نے کہا: تم نوجوان آدمی ہو' میں تمہاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا' ایک دن میں نے دیکھا کہ امام بخاری پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے تھے' اس وقت وہ فربر میں ''کتاب التفسیر'' تصنیف کر رہے تھے اور اس دن انہوں نے بہت زیادہ احادیث کی تخریج کر کے اپنے آپ کو تھکا لیا تھا' میں نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! میں نے آپ سے ایک دن یہ سنا تھا کہ جب سے آپ نے ہوش سنبھالا ہے آپ کوئی چیز بغیر علم کے نہیں لکھتے' اس وقت جو آپ لیٹے ہوئے ہیں اس میں کون سا علم

ہے؟ امام بخاری نے کہا: ہم آج سارا دن کام کر کے تھک چکے ہیں اور یہ دشمن کا سرحدی علاقہ ہے' مجھے یہ خطرہ ہوا کہ دشمن کی طرف سے کوئی مصیبت آ سکتی ہے تو میں نے چاہا آج رات آرام کر کے کل کے کام کے لیے توانائی حاصل کروں تا کہ اگر دشمن نے اچانک حملہ کر دیا تو ہم حرکت کر سکیں۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۴' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۵۳۔ ۵۲' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۹۵۔ ۹۴' ھدی الساری ص ۵۷۴۔ ۵۷۴ مع فتح الباری ج ۱ دار المعرفہ بیروت)

امام بخاری کا زہد

حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن عباس فربری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امام بخاری نے مجھے بہت زیادہ احادیث لکھوائیں' پھر ان کو میری تھکاوٹ اور اکتاہٹ کا خیال ہوا تو انہوں نے کہا: تم کو خوش ہونا چاہیے کیونکہ کھیل کود والے اپنے کھیل کود کے مشغلہ میں خوش ہیں' اور فن وحرفت والے اپنے پیشوں میں خوش ہیں اور تاجر حضرات اپنی تجارتوں میں خوش ہیں اور تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ ہو' میں نے کہا: مجھے ملال نہیں ہے بلکہ میں حدیث لکھنے سے محظوظ ہوتا ہوں' اور میں نے امام بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جس میں دنیا کا ذکر ہو' مگر میں اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے کروں گا۔

امام بخاری کے بعض اصحاب نے کہا: آپ نے فلاں شخص کو برا کہا ہے' امام بخاری نے کہا: سبحان اللہ! میں نے کسی شخص کا برائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا' الا یہ کہ میری زبان سے سہوا کوئی بات نکلی ہو اور قیامت کے دن میرے صحیفہ اعمال سے کسی کا نام برائی کے ساتھ نہیں نکلے گا۔

امام بخاری کے بعض اصحاب نے امام بخاری کی ایک باغ میں دعوت کی اور ہماری بھی ان کے ساتھ دعوت کی' جب ہم بیٹھ گئے تو باغ والے نے باغ کی تعریف کی اور کہا: وہ اس باغ میں مجالس منعقد کرتا رہتا ہے اور اس کی نہروں میں پانی جاری کرتا رہتا ہے' پھر اس نے امام بخاری سے پوچھا: اے ابوعبد اللہ! آپ کو یہ کیسا لگتا ہے؟ امام بخاری نے کہا: یہ دنیا کی زندگی ہے۔

امام بخاری کا ایک شخص مقروض تھا' جس نے امام بخاری سے پچیس ہزار درہم لیے ہوئے تھے۔ امام بخاری کو خبر ملی کہ وہ شخص آمل (ایک مقام) میں آیا ہوا ہے' ہم اس وقت فربر میں تھے' ہم نے امام بخاری سے کہا: ہمیں چاہیے کہ ہم اس شخص سے آپ کا مال وصول کریں' امام بخاری نے کہا: ہمیں اسے ڈرانا نہیں چاہیے' اس شخص کو معلوم ہوا کہ امام بخاری فربر میں ہیں تو وہ خوارزم چلا گیا' ہم نے امام بخاری سے کہا: آپ آمل کے حاکم ابوسلمہ الکشانی سے کہیں کہ وہ خوارزم کے حاکم کے نام ایک مکتوب لکھ دے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے اس سے آپ کی رقم وصول کی جائے' امام بخاری نے کہا: اگر میں نے اس سے سفارشی مکتوب لکھوایا تو وہ بھی مجھ سے سفارشی مکتوب لکھوانے کی طمع رکھے گا اور کیا پتا اس کی سفارش جائز ہو یا ناجائز! لہٰذا میں دنیا کے بدلے میں اپنے دین کو نہیں فروخت کروں گا' ہم نے بہت کوشش کی' لیکن امام بخاری راضی نہیں ہوئے' حتیٰ کہ ہم نے خود آمل کے حاکم سے بات کی اور اس نے خوارزم کے حاکم کے نام مکتوب لکھ دیا' جب امام بخاری کو یہ خبر ملی تو انہیں بہت سخت رنج ہوا' انہوں نے کہا: تم مجھ پر میرے نفس سے زیادہ شفقت نہ کرو اور انہوں نے خوارزم میں اپنے بعض اصحاب کے نام مکتوب لکھا کہ ان کے مقروض کے ساتھ صرف نیک سلوک کیا جائے' یہ دونوں مکتوب ایک ساتھ خوارزم پہنچے' پھر وہ مقروض آمل آیا اور مرو کی طرف جانے کا ارادہ کیا' پھر سلطان نے اس مقروض پر تشدد کرنے کا ارادہ کیا' امام بخاری نے اس کو ناپسند کیا اور اس مقروض سے اس پر صلح کر لی کہ وہ ہر سال امام بخاری کو دس درہم کی معمولی رقم دے دیا کرے اور امام بخاری نے اس سے پچیس ہزار درہم لینے تھے اور امام بخاری کو اس سے ایک درہم بھی وصول نہیں

ہوا۔

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ مسلمان پر ایسا حال نہیں آنا چاہیے کہ وہ دعا کرے تو اس کی دعا قبول نہ ہو' میری بھابھی نے میرے سامنے امام بخاری سے پوچھا: کبھی یہ چیز آپ پر بھی وارد ہوئی یا آپ نے اس کا تجربہ کیا؟ امام بخاری نے کہا: ہاں! میں نے دو بار اپنے رب عزوجل سے دعا کی تو میرے رب نے میری دعا قبول کر لی' پھر میں نے نہیں پسند کیا کہ میں سہ بارہ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں' مبادا میری نیکیوں میں کمی کی جائے یا مجھے میری نیکیوں کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جائے' پھر امام بخاری نے کہا: مسلمان کو جھوٹ بولنے یا بخل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں' امام بخاری نے کہا: ایک بار مجھے ضرورت کا خرچ نہیں ملا حتیٰ کہ میں گھاس کھانے لگا اور میں نے کسی کو نہیں بتایا' جب تین دن گزر گئے تو ایک اجنبی شخص میرے پاس آیا' اس نے مجھے دیناروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی دی اور کہا: اس کو اپنے اوپر خرچ کرو۔

حسین بن محمد سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری میں دیگر نیک خصائل کے ساتھ یہ خصلتیں تھیں: وہ کم باتیں کرتے تھے' لوگوں کے اموال میں طمع نہیں کرتے تھے اور لوگوں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے' علم کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ نہیں تھا۔

سلیم بن مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ساٹھ سال میں امام بخاری سے زیادہ فقیہ' ان سے زیادہ متقی اور ان سے زیادہ زاہد نہیں دیکھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۰۸-۳۰۶' ھدی الساری ص ۴۷۶' مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفہ بیروت)

امام بخاری کا کرم اور ان کی سخاوت

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کا ایک قطعہ زمین تھا' جس کا وہ ہر سال سات سو درہم کرایہ لیا کرتے تھے' کرایہ دار بعض اوقات امام بخاری کے لیے ایک ککڑی یا دو ککڑیاں لایا کرتا تھا' کیونکہ امام بخاری کو ککڑی بہت پسند تھی اور وہ اس کو خربوزے پر ترجیح دیتے تھے' امام بخاری اس شخص کو ککڑی لانے کے معاوضہ میں ہر سال سو درہم دیا کرتے تھے۔

امام بخاری فرماتے تھے: مجھے ہر ماہ پانچ سو درہم آمدنی ہوتی تھی اور میں وہ سب کی سب علم دین کے طلبہ پر خرچ کر دیتا تھا' میں نے کہا: ان دو شخصوں میں کتنا فرق ہے جو مال کو اس طرح خرچ کرتا ہے اور جو مال کو اپنے لیے جمع کرتا ہے' امام بخاری نے کہا: جو اللہ کے پاس ہے وہ زیادہ اچھا ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

امام بخاری پورے دن میں روٹی نہیں کھاتے تھے' صرف دو یا تین بادام کھاتے (یعنی کسی وجہ سے بعض ایام میں ان کا یہ معمول تھا) اور وہ چنے وغیرہ پکانے سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا: اے ابوجعفر! ہمیں سال میں زیادہ خرچ کی ضرورت ہوتی ہے' میں نے پوچھا: کتنے خرچ کی؟ امام بخاری نے کہا: چار یا پانچ ہزار درہم کی اور وہ بہت زیادہ صدقہ کرتے تھے' وہ حدیث پڑھنے والوں کی مدد کرتے تھے' وہ بیس یا تیس درہم یا اس سے کم یا زیادہ اس طرح دیتے تھے کہ کسی کو پتا نہیں چلتا تھا' انہوں نے کئی مرتبہ ایک شخص کو تین سو درہم سے بھری ہوئی تھیلی دی' مجھے بعد میں اس شخص نے بتایا' وہ دعا دینا چاہتا تو امام بخاری منع کر دیتے اور کسی اور کام میں لگ جاتے تا کہ کسی کو پتا نہ چلے۔

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے نوسو بیس درہم میں ایک گھر خریدا' امام بخاری نے کہا: مجھے تم سے ایک کام ہے کرو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں' امام بخاری نے کہا: نوح بن ابی شداد ایک صراف ہے' اس سے میرے ایک ہزار درہم لے کر آؤ' میں وہ لے کر آیا تو امام بخاری نے کہا: یہ درہم تم لے لو اور ان کو مکان کی قیمت میں رکھ لو' میں نے کہا: میں نے ان کو قبول کر لیا اور میں آپ کا

شکرادا کرتا ہوں' پھر ہم دونوں ''الجامع الصحیح'' کی تصنیف کرنے بیٹھ گئے' کچھ دیر بعد میں نے کہا: میرا ایک کام ہے اور میرا گمان ہے کہ آپ کے سوا میرا وہ کام اور کوئی نہیں کر سکتا۔امام بخاری نے سوچا شاید میں زیادہ پیسوں کی طمع کر رہا ہوں' انہوں نے کہا: تمہارا جو بھی کام ہے وہ میں کروں گا' میں نے کہا: آپ نے جو ایک ہزار درہم مجھے عطا کیے تھے' وہ میں آپ کی نذر کرنا چاہتا ہوں' بس میرا یہی کام ہے' چونکہ امام بخاری وعدہ کر چکے تھے' اس لیے انہوں نے وہ ایک ہزار درہم لے لیے' پھر ہم دو دن تک بیٹھ کر ''الجامع الصحیح'' کی تصنیف کا کام کرتے رہے' اس دن ہم نے ظہر تک بہت کام کیا' ظہر کی نماز کے بعد پھر لکھنے بیٹھ گئے' اس وقت تک ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا' عصر کے بعد امام بخاری نے میری طرف دیکھا' میرا نقاہت سے بُرا حال تھا' پھر امام بخاری نے میری طرف ایک کاغذ بڑھایا' جس میں تین سو درہم تھے اور کہا: جب تم نے مکان کی قیمت نہیں لی تو ان دراہم کو اپنی دوسری ضروریات میں صرف کرو' پھر دوسرے دن مجھے سبزی وغیرہ خریدنے کے لیے پھر بیس درہم دیئے' میں نے امام بخاری سے کہا: آپ نے دنیا اور آخرت کی خیر جمع کر لی ہے' دنیا میں ایسا کون شخص ہوگا جو اپنے خادم کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا سلوک آپ میرے ساتھ کرتے ہیں!

عبد اللہ بن محمد الصارفی بیان کرتے ہیں کہ میں امام بخاری کے ساتھ ان کے گھر میں تھا' ان کی باندی آئی اور ان کے سامنے لڑکھڑا کر گر گئی' امام بخاری نے کہا: تم کس طرح چلتی ہو؟ اس نے تنگ کر کہا: جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں' امام بخاری نے ہاتھ اٹھا کر کہا: جاؤ میں نے تمہیں آزاد کر دیا' بعد میں امام بخاری سے کہا گیا: اس باندی نے تو آپ کو بدتمیزی سے جواب دیا تھا' امام بخاری نے کہا: میں نے جو کچھ کیا اس سے میں نے اپنے نفس (مطمئنہ) کو راضی کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ص ۳۱۰۔۳۰۸)

امام بخاری کی قوت حفظ' ذکاوت وذہانت اور وسعتِ علم

جعفر بن محمد القطان بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے مجھے بتایا' میں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے احادیث لکھی ہیں اور ہر شیخ سے دس ہزار سے زیادہ احادیث لکھی ہیں اور میں ہر حدیث کی سند ذکر کرتا ہوں۔

عبد الرحمان بن محمد بخاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا کہ میں ایک ہزار مشائخ سے ملا' جن میں اہل حجاز' عراق' شام اور مصر کے مشائخ تھے' میں ان سے بار بار ملا اور شام' مصر اور الجزیرہ کے مشائخ سے دو بار ملا اور اہل بصرہ کے مشائخ سے چار بار ملا اور حجاز کے مشائخ سے چھ بار ملا اور میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں خراسان کے محدثین کے ساتھ کتنی بار کوفہ اور بغداد گیا' ان میں قابل ذکر مشائخ یہ ہیں: المکی بن ابراہیم' یحییٰ بن یحییٰ' ابن شقیق' قتیبہ اور شہاب بن معمر اور شام کے مشائخ میں: الفریابی' ابو مسہر' ابو المغیرہ اور ابو الیمان' میں ان میں سے جس سے بھی ملا' ان میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں تھا کہ دین قول اور عمل ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔

محمد بن ابو حاتم الوراق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حاشد بن اسماعیل اور دوسروں سے سنا ہے کہ امام بخاری ہمارے ساتھ بچپن میں مشائخ بصرہ کے پاس جاتے تھے اور وہ احادیث لکھتے نہیں تھے' حتیٰ کہ کافی دن گزر گئے' ہم نے ان سے کہا: آپ ہمارے ساتھ جاتے ہیں اور لکھتے نہیں ہیں' پھر آپ کیا کریں گے؟ سولہ دن گزر جانے کے بعد امام بخاری نے کہا: تم نے مجھ سے لکھنے کے متعلق بہت اصرار کیا ہے' جاؤ تم اپنی لکھی ہوئی حدیثیں میرے پاس لاؤ' پس ہم اپنی لکھی ہوئی حدیثیں ان کے پاس لائے' امام بخاری نے اس سے پندرہ ہزار حدیثیں زیادہ زبانی بیان کر دیں اور کہا: تم یہ سمجھتے تھے کہ میں فضول یہاں آتا ہوں اور اپنا وقت ضائع کرتا ہوں' پھر ہم نے جان لیا کہ امام بخاری پر کوئی مقدم نہیں ہو سکتا۔

یوسف بن موسیٰ المروزی بیان کرتے ہیں کہ میں جامع بصرہ میں تھا کہ میں نے ایک منادی کی آواز سنی: اے اہل علم! بے شک

امام محمد بن اسماعیل بخاری آ چکے ہیں' لوگ ان سے طلب حدیث کے لیے کھڑے ہو گئے' میں بھی ان کے ساتھ تھا' ہم نے ایک نوجوان شخص دیکھا جو ستون کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا' جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو سب نے اس شخص سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے مجلس املاء منعقد کریں' انہوں نے ان کی درخواست منظور کر لی' صبح کے قریب اتنے اور اتنے ہزار لوگ جمع ہو گئے اور امام بخاری احادیث لکھوانے کے لیے بیٹھ گئے' انہوں نے کہا: اے اہل بصرہ! میں نوجوان آدمی ہوں' آپ لوگوں نے مجھ سے احادیث لکھوانے کا سوال کیا ہے اور عنقریب میں آپ لوگوں کو آپ کے شہر کے مشائخ کی احادیث لکھواؤں گا۔

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے بتایا کہ میں نیشاپور کی جامع میں تھا' تو عمرو بن زرارہ اور اسحاق بن راھویہ یعقوب بن عبداللہ والی نیشاپور کے پاس گئے اور اس کو میرے آنے کی خبر دی' اس نے ملاقات کے لیے آنے سے عذر پیش کیا اور کہا: جب ہمارے ہاں کوئی اجنبی مسافر آتا ہے تو ہم اس کو اس وقت تک جانے نہیں دیتے جب تک کہ اس کی شخصیت ہم پر واضح نہیں ہو جاتی' پھر ان میں سے کسی نے کہا: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نماز میں ''جلسة'' (دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) اچھی طرح نہیں کرتے' امام بخاری نے کہا: اگر میرے متعلق اس طرح کہا گیا ہے تو میں اس مجلس سے اس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک کہ میں صرف نماز کے متعلق دس ہزار احادیث نہ بیان کر دوں!

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ میں فریابی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا' میں نے ایک حدیث بیان کی: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی عروہ از ابی الخطاب از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل واحد کے ساتھ تمام ازواجِ مطہرات کے پاس گئے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۸' صحیح مسلم: ۳۰۹' سنن ابوداؤد: ۲۱۸' سنن ترمذی: ۱۴۰' سنن نسائی: ۲۶۳' سنن ابن ماجہ: ۵۸۸' مسند احمد: ۱۱۹۴۵۔ ج ۴' دار الفکر)

اس مجلس میں کوئی نہیں جان سکا کہ ابو عروہ کون ہے اور نہ یہ جان سکا کہ ابو الخطاب کون ہے' پھر میں نے بتایا کہ ابو عروہ معمر ہیں اور ابو الخطاب قتادہ ہیں۔

محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا کہ اسحاق بن ابراہیم سے کسی نے سوال کیا کہ ایک آدمی نے بھولے سے طلاق دے دی' وہ کافی دیر تک غور و فکر کرتے رہے اور اس کا جواب نہ دے سکے' پھر میں نے یہ حدیث سنائی:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: بے شک اللہ عز وجل نے میری امت سے اس سے درگزر کر لیا ہے کہ وہ اپنے دل میں کسی کام کا منصوبہ بنائے جب تک اس پر عمل نہ کرے یا کلام نہ کرے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۶۹' صحیح مسلم: ۱۲۷' سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹' سنن ترمذی: ۱۱۸۶' سنن نسائی: ۳۴۳۱' سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰' مسند احمد: ۹۵۰۳۔ ج ۳' دار الفکر)

اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دل میں کسی کام کا قصد کرے یا کلام کرے یا اس پر عمل کرے اور اس نے دل میں اس کو طلاق دینے کا قصد نہیں کیا' پھر اسحاق نے میرے اس قول کے مطابق فتویٰ دیا۔

محمد بن حمیر و یہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا: مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ ہیں اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ ہیں۔ (طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۲۷) محمد بن ابی حاتم الوراق بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری کہتے تھے کہ میں اس وقت تک حدیث لکھنے کے لیے نہیں بیٹھا جب تک کہ میں نے حدیث صحیح کو حدیث ضعیف سے متمیز نہیں کر لیا اور حتیٰ کہ میں نے رے (طہران) کی عام کتب کو نہیں پڑھ لیا اور حتیٰ کہ میں پانچ مرتبہ بصرہ میں داخل ہوا اور مجھے وہاں سے جو بھی صحیح حدیث ملی' اس کو میں نے لکھ لیا۔

علی بن حسین بن بیکندی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن اسماعیل آئے تو کسی نے کہا کہ میں نے اسحاق بن راھویہ کو یہ

کہتے ہوئے سنا ہے: گویا میں اپنی کتاب میں ستر ہزار حدیثوں کو دیکھ رہا ہوں' محمد بن اسماعیل نے کہا: تم اس پر تعجب کر رہے ہو حالانکہ اس زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی کتاب میں دو لاکھ حدیثوں کو دیکھتے ہیں اور امام بخاری نے اس سے اپنی ذات کا ارادہ کیا تھا۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۹۰۔۲۸۵)

امام بخاری کے مشائخ کے اسماء

★ امام بخاری نے بخاری سے روانہ ہونے سے پہلے ان مشائخ سے حدیث کا سماع کیا:
عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان الجعفی المسندی اور محمد بن سلام البیکندی اور ایک جماعت سے جو بڑے مشائخ میں سے نہیں تھے۔

★ بلخ میں ان مشائخ سے سماع حدیث کیا:
مکی بن ابراہیم اور وہ سب سے اعلیٰ ہیں اور انہوں نے مرو میں عبدان بن عثمان اور علی بن الحسن بن شقیق اور صدقہ بن الفضل سے سماع کیا اور نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ اور رے میں ابراہیم بن موسیٰ سے سماع کیا۔

★ ۲۱۰ھ میں عراق میں ان مشائخ سے سماع کیا:
محمد بن عیسیٰ بن الطباع اور سریج بن النعمان اور محمد بن سابق اور عفان۔

★ بصرہ میں ان مشائخ سے سماع کیا:
ابو عاصم النبیل' الانصاری اور عبدالرحمٰن بن حماد الشعیثی صاحب ابن عون اور محمد بن عرعرہ اور حجاج بن منہال اور بدل بن المحبر اور عبداللہ بن رجاء اور متعدد سے سماع کیا۔

★ کوفہ میں ان مشائخ سے سماع کیا:
عبیداللہ بن موسیٰ' ابونعیم' خالد بن مخلد' طلق بن غنام اور خالد بن یزید المقری' یہ وہ ہیں جنہوں نے حمزہ کے سامنے حدیث پڑھی۔

★ اور مکہ میں ان مشائخ سے سماع کیا:
ابی عبدالرحمٰن المقریٰ' خلاد بن یحییٰ' حسان بن حسان البصری' ابی الولید احمد بن محمد الازرقی اور الحمیدی۔

★ اور مدینہ میں ان مشائخ سے سماع کیا:
عبدالعزیز الاویسی' ایوب بن سلیمان بن بلال اور اسماعیل بن ابی اویس۔

★ اور مصر میں ان مشائخ سے سماع کیا:
سعید بن ابی مریم' احمد بن اشکاب' عبداللہ بن یوسف اور اصبغ۔

★ اور شام میں ان مشائخ سے سماع کیا:
ابوالیمان' آدم بن ابی ایاس' علی بن عیاش' بشر بن شعیب' ابوالمغیرہ عبدالقدوس' احمد بن خالد الوہبی' محمد بن یوسف الفریابی' ابومسہر اور ان کے علاوہ اور بہت سے۔

محمد بن ابوحاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے بتایا کہ میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) مشائخ سے احادیث لکھی ہیں' ان میں سے ایک کے سوا سب یہ کہتے تھے کہ ایمان قول اور عمل ہے اور زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔

★ امام بخاری کے اعلیٰ شیوخ وہ ہیں جو تابعین سے روایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:
ابو عاصم الانصاری' مکی بن ابراہیم' عبیداللہ بن موسیٰ' ابوالمغیرہ اور ان کی مثل دیگر۔

★ ان کے اوساط شیوخ وہ ہیں جو اوزاعی سے روایت کرتے ہیں' اور وہ یہ ہیں:
ابن ابی ذئب' شعبہ' شعیب بن ابوحمزہ اور الثوری۔
★ پھر اس سے نچلے طبقہ میں وہ ہیں جو اصحاب مالک کی مثل ہیں' جیسے:
حماد بن زید اور ابی عوانہ۔
★ اور چوتھے طبقہ میں وہ ہیں' جو اصحاب ابن المبارک کی مثل ہیں' جیسے:
ابن عیینہ' ابن وہب اور ولید بن مسلم۔
★ پھر پانچویں طبقہ کے مشائخ یہ ہیں:
محمد بن یحییٰ الذهلی' اس سے انہوں نے بہت روایت کی ہے اور تدلیس کی ہے' اور محمد بن عبد اللہ المخرمی' محمد بن عبد الرحیم صاعقہ' یہ ان کے معاصر ہیں' اور ابومسہر' ان سے سماع مشکوک ہے اور غیر صحیح میں انہوں نے کہا: ''حدثنا ابو مسهر'' یا ''حدثنا رجلٌ عنه'' اور'' روی عن احمد بن عبد الملك بن واقد الحرانی''۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۷۹۔ ۲۷۸' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۸۵۔ ۸۴' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۴۔ ۴۲۳' ھدی الساری ص ۴۷۴۔ ۴۷۳' مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفہ بیروت)

امام بخاری سے روایت کرنے والے اور ان کے تلامذہ

★ امام بخاری سے بہت لوگوں نے روایت کی' ان میں سے مشہور نام یہ ہیں:
ابوعیسیٰ الترمذی' ابوحاتم' ابراہیم بن اسحاق الحربی' ابوبکر بن ابی الدنیا' ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم' صالح بن محمد جزرہ' محمد بن عبد اللہ الحضرمی مطین' ابراہیم بن معقل النسفی' عبد اللہ بن ناجیہ' ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ' عمر بن محمد بن بجیر' ابوقریش محمد بن جمعہ' یحییٰ بن محمد بن صاعد' محمد بن یوسف الفربری راوی ''الصحیح''، منصور بن محمد مزبزدہ' ابوبکر بن ابی داؤد' حسین' قاسم (یہ دونوں محاملی کے بیٹے ہیں)' عبد اللہ بن محمد بن الاشقر' محمد بن سلیمان بن فارس' محمود بن عنبر النسفی اور بے شمار لوگ ہیں' امام مسلم نے ان سے غیر صحیح میں روایت کی ہے۔
ایک قول ہے: امام نسائی نے ''کتاب الصیام'' میں ان سے اپنی ''سنن'' میں روایت کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اور امام نسائی نے ''کتاب الکنی'' میں بعض احادیث از عبد اللہ بن احمد الخفاف از البخاری روایت کی ہیں۔
ہمارے شیخ ابوالحجاج المزی نے امام بخاری کے شیوخ اور ان کے تلامذہ کو حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کیا جیسا کہ ان کی عادت ہے۔
★ محمد بن طاہر المقدسی نے کہا ہے کہ ''صحیح البخاری'' کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے' ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں:
الفربری' حماد بن شاکر' ابراہیم بن معقل نسفی' طاہر بن محمد بن مخلد نسفی۔
حافظ ابونصر بن ماکولا نے کہا ہے: جس نے سب سے آخر میں امام بخاری سے حدیث روایت کی ہے' وہ ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی البزدی ہیں' یہ اہل بزدہ سے تھے اور ثقہ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۸۰' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۴)

امام بخاری کے متعلق ائمہ حدیث کے کلمات تحسین

ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ مجھے سلیم بن مجاہد نے بتایا کہ محمد بن سلام بیکندی میرے پاس آئے' میں نے ان سے کہا: اگر آپ تھوڑی دیر پہلے آتے تو میں آپ کو وہ بچہ دکھاتا' جس کو ستر ہزار احادیث حفظ ہیں' پھر میں امام بخاری کو تلاش کرنے کے لیے نکلا حتیٰ کہ وہ مل گئے' البیکندی نے کہا: تم ہی وہ ہو جو کہتے ہو مجھے ستر ہزار احادیث حفظ ہیں؟ امام بخاری نے کہا: ہاں! اور مجھے اس سے زیادہ احادیث حفظ ہیں اور میں آپ کو صحابہ اور تابعین سے جو حدیث بھی روایت کروں گا' میں ان میں سے اکثر کی جائے ولادت' جائے وفات اور ان کے مساکن کو جانتا ہوں اور میں صحابہ اور تابعین کی جس حدیث کو بھی روایت کرتا ہوں' میرے پاس قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس کی اصل محفوظ ہوتی ہے۔

یحییٰ بن جعفر کہتے تھے: اگر میں اس پر قادر ہوتا کہ میں اپنی عمر میں سے امام بخاری کی عمر میں اضافہ کر دوں تو میں کر دیتا کیونکہ میری موت ایک آدمی کی موت ہوگی اور امام بخاری کی موت سے علم رخصت ہو جائے گا۔

نعیم بن حماد کہتے تھے کہ امام بخاری اس امت کے فقیہ ہیں۔

محمد بن ابوحاتم بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے بتایا کہ عمرو بن علی الفلاس کے اصحاب نے ایک حدیث میں مجھ سے مذاکرہ کیا' میں نے کہا: میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا' وہ لوگ اس سے بہت خوش ہوئے اور جا کر عمرو بن علی کو بتایا' انہوں نے کہا: جس حدیث کو محمد بن اسماعیل نہیں پہچانتے وہ حدیث نہیں ہے۔

حاشد بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے مصعب الزہری نے کہا: ہمارے نزدیک محمد بن اسماعیل' امام احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ اور بصیر ہیں' ان سے کہا گیا: تم نے حد سے تجاوز کیا ہے' مصعب نے اس شخص سے کہا: اگر تم امام مالک کا زمانہ پاتے اور ان کا چہرہ دیکھتے اور محمد بن اسماعیل کا چہرہ دیکھتے تو تم کہتے: یہ دونوں فقہ اور حدیث میں واحد ہیں۔

علی بن حجر نے کہا: خراسان نے تین مرد پیدا کیے: ابوزرعہ' محمد بن اسماعیل بخاری اور عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی' اور محمد بن اسماعیل میرے نزدیک ان سب سے زیادہ بصیر' سب سے بڑے عالم اور سب سے کامل فقیہ ہیں۔

عبد اللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا ہے: خراسان نے محمد بن اسماعیل کی مثل پیدا نہیں کی۔

احمد بن المنصور بیان کرتے ہیں: میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر سے سنا کہ ہم نے محمد بن اسماعیل کی مثل نہیں دیکھی۔

حاشد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ میں تھا تو میں نے محمد بن اسماعیل کی آمد کے متعلق سنا تو بندار نے کہا: آج سید الفقہاء داخل ہوا ہے۔

ابراہیم بن خالد المروزی بیان کرتے ہیں کہ ابوعمار الحسین بن حُریث نے امام بخاری کی تعریف کرتے ہوئے کہا: میں نے ان کی مثل نہیں دیکھی گویا کہ ان کو صرف حدیث کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

محمود بن المنضر بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ' شام' کوفہ اور حجاز میں گیا اور میں نے ان کے علماء کو دیکھا' جب بھی ان کے سامنے امام محمد بن اسماعیل کا ذکر ہوتا تو وہ امام بخاری کو اپنے اوپر فضیلت دیتے۔

محمد بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل نے بتایا کہ میں جب بصرہ میں گیا تو میں بندار کی مجلس میں پہنچا' جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو مجھ سے پوچھا: نوجوان تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: بخاری سے' انہوں نے کہا: وہاں ابوعبد اللہ کیسے ہیں؟

میں خاموش رہا' ان کو لوگوں نے بتایا کہ یہی ابو عبد اللہ ہیں' پس وہ کھڑے ہو گئے' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گلے لگایا اور کہا: مرحبا! میں اس شخص پر کئی سالوں سے فخر کر رہا تھا۔

محمد بن عمر بن الاشعث البیکندی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میرے والد نے کہا: اہل خراسان میں سے چار حفاظ حدیث ہیں: ابوزرعہ الرازی' محمد بن اسماعیل البخاری' عبد اللہ بن عبد الرحمان السمر قندی اور الحسن بن شجاع البلخی۔

یعقوب بن ابراہیم الدورقی کہتے تھے کہ امام محمد بن اسماعیل اس امت کے فقیہ ہیں۔

الفربری بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن منیر کے اصحاب میں سے ایک شخص کسی کام سے بخاریٰ گیا' جب وہ واپس آیا تو ابن منیر نے اس سے پوچھا: تم ابو عبد اللہ سے ملے تھے؟ اس نے کہا: نہیں' انہوں نے اس کو دھتکار دیا اور کہا: تیرے اندر کوئی خیر نہیں ہے' تو بخاریٰ میں گیا اور ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل سے مل کر نہیں آیا!

الوراق بیان کرتے ہیں کہ میں نے علماء مکہ سے سنا' وہ کہتے تھے: محمد بن اسماعیل ہمارے امام اور فقیہ ہیں اور خراسان کے فقیہ ہیں۔ صالح بن یونس بیان کرتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی سے سالم بن ابی حفصہ کی حدیث کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا: اس حدیث کو میں نے محمد بن اسماعیل کے ساتھ لکھا تھا اور وہ کہتے تھے کہ سالم ضعیف ہے' ان سے کہا گیا: آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد بن اسماعیل مجھ سے زیادہ بصیرت رکھنے والے ہیں۔

الوراق بیان کرتے ہیں کہ ابو الطیب حاتم بن منصور الکلیبی کہتے تھے کہ بصرہ میں علم کے نفاذ میں امام بخاری اللہ کی آیات میں سے ایک آیت ہیں۔

رجاء الحافظ کہتے تھے کہ امام محمد بن اسماعیل کی علماء پر اس طرح فضیلت ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ہے' ایک شخص نے کہا: کیا ہر ایک پر؟ انہوں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہیں' جو زمین پر چلتے ہیں۔

محمد بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ ہم امام بخاری کے ساتھ محمد بن بشار کے پاس تھے' انہوں نے امام بخاری سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا' امام بخاری نے فی الفور جواب دیا' محمد بن بشار نے امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ ہمارے زمانہ میں اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

سلیم بن مجاہد کہتے تھے: اگر وکیع' ابن عیینہ اور ابن المبارک اس وقت زندہ ہوتے تو محمد بن اسماعیل کی طرف محتاج ہوتے۔

محمد بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ ہم قتیبہ بن سعید کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا' جس کے بال بکھرے ہوئے تھے' اس کا نام ابو یعقوب تھا' قتیبہ بن سعید نے اس سے محمد بن اسماعیل کے متعلق دریافت کیا' پہلے اس نے اپنا سر جھکایا' پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: اے لوگو! میں نے حدیث میں غور کیا ہے اور رائے میں بھی غور کیا ہے' میں فقہاء' زہاد اور عباد کی مجلس میں رہا ہوں اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے' میں نے محمد بن اسماعیل کی مثل نہیں دیکھی۔

حاشد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ قتیبہ کہتے ہیں کہ امام بخاری اپنے اصحاب میں صدق اور تقویٰ میں ایسے ہیں' جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں تھے۔

ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کہتے تھے کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر آسمان کے نیچے احادیث کا عالم اور حافظ نہیں دیکھا۔

محمد بن حمدون بن رستم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ امام مسلم بن حجاج' امام بخاری کے پاس آئے اور کہا: اے استاذ الاستاذین' سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب! اپنے پیر بڑھائیں تا کہ میں ان پر بوسہ دوں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: میں نے علل' تاریخ اور معرفت الاسانید کے معنی میں محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا' عراق میں نہ خراسان میں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: امام محمد بن اسماعیل' عبداللہ بن منیر کے پاس تھے' جب وہ ان کے پاس سے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کی زینت بنادیا ہے' امام ترمذی نے کہا: ان کے یہ کلمات قبول ہو گئے۔

احمد بن نصر الخفاف نے کہا: امام محمد بن اسماعیل' اسحاق بن راھویہ اور احمد بن حنبل سے بیس درجہ زیادہ بڑے عالم تھے اور جو امام بخاری کی مذمت کرے' میری طرف سے اس پر ایک ہزار لعنت ہو۔

بغیر کفر یا فسق کے کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

احمد بن حمدون القصار بیان کرتے ہیں کہ امام مسلم بن حجاج' امام بخاری کے پاس گئے اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا: مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے قدموں کو بوسہ دوں' پھر کہا: آپ کو محمد بن سلام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں مخلد بن یزید الحرانی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی از موسیٰ بن عقبہ از سہیل از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' وہ حدیث کفارہ مجلس میں ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۳۶) اس حدیث کی علت کیا ہے؟ امام بخاری نے کہا: یہ حدیث ملیح ہے اور اس باب میں اس حدیث واحد کے سوا دنیا میں اور کوئی حدیث میرے علم میں نہیں ہے' مگر یہ حدیث معلول ہے: ہمیں یہ حدیث موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کی' انہوں نے کہا: ہم سے وہیب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سہیل نے حدیث بیان کی' از عون بن عبداللہ' امام محمد نے کہا: اور یہ سند اولیٰ ہے کیونکہ موسیٰ بن عقبہ کا سہیل سے سماع نہیں بیان کیا جاتا' تب امام مسلم نے کہا: آپ سے صرف حاسد ہی بغض رکھے گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی کوئی مثل نہیں ہے۔

کفارہ مجلس کی حدیث درج ذیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں بہت شور وشغب ہو پھر مجلس سے اٹھنے سے پہلے وہ یہ دعا پڑھ لے: ''**سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك**'' تو اس مجلس میں جو غلط باتیں ہوئی تھیں' ان پر اس شخص کو معاف کر دیا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۳۴۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۹)

ابوسہل محمد بن احمد المروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوزید المروزی الفقیہ سے یہ سنا ہے کہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا' اس وقت مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' آپ نے فرمایا: اے ابوزید! کب تک امام شافعی کی کتابیں پڑھتے رہو گے؟ تم میری کتاب نہیں پڑھتے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل کی ''الجامع''۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۰۳۔ ۲۹۰ ملخصاً وملتقطاً' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۹۔ ۱۶ ملتقطاً' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۶۵۔ ۶۱ ملتقطاً' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۱۰۳۔ ۹۵ ملتقطاً' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۳۔ ۲۲۷ ملتقطاً' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۔ ۴۱ ملتقطاً' ھدی الساری ص ۴۸۷۔ ۴۷۶ مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفہ بیروت)

اہل بغداد اور اہل سمرقند کے امتحان میں سرخرو ہونا

حافظ احمد بن عدی بیان کرتے ہیں کہ جب اہل بغداد کو معلوم ہوا کہ امام بخاری بغداد آ رہے ہیں تو بغداد کے محدثین نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لیے ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں رد و بدل کر دیا' ایک حدیث کی سند کو دوسری حدیث کے ساتھ اور اس کی سند کو پہلی حدیث کے ساتھ لگا دیا اور اس طرح ایک سو احادیث کے متن اور سند الٹ پلٹ کر دیے اور دس آدمیوں میں یہ احادیث اس طرح تقسیم کر دیں کہ ہر شخص ایک ایک کر کے دس احادیث کے بارے میں امام بخاری سے سوال کرے۔

امام بخاری جب بغداد میں داخل ہوئے تو اہل بغداد نے ان کے اعزاز میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جس میں علماء امراء اور عوام کی بہت اکثریت شامل تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک شخص اٹھا اور اس نے سند مقلوب کے ساتھ پہلی حدیث پڑھی' امام بخاری سے پوچھا: کیا آپ کو یہ حدیث معلوم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' اس نے پھر دوسری حدیث پڑھی' پھر تیسری' پھر چوتھی' یہاں تک کہ اس نے دس احادیث پڑھ ڈالیں اور امام بخاری نے ہر بار نفی میں جواب دیا' جاننے والے اصل سبب سمجھ کر امام بخاری کے علم پر حیران ہو رہے تھے اور انجان لوگ اس جواب کو امام بخاری کا عجز سمجھ کر پریشان ہو رہے تھے' پہلے شخص کے سوالات کے بعد اسی طرح دوسرے شخص نے اٹھ کر سوالات کیے اور امام بخاری نے اسی طرح جواب دیئے' پھر تیسرا اٹھا' پھر چوتھا' یہاں تک کہ دس آدمیوں نے سو احادیث پوری کر ڈالیں اور امام بخاری نے ان تمام احادیث کے جواب میں یہی کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا۔ جب امام بخاری نے دیکھا کہ یہ لوگ سوالات سے فارغ ہو گئے اور اب کوئی شخص نہیں اٹھتا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ پہلے شخص نے جو حدیث پڑھی' اس کی اس نے یہ سند بیان کی تھی اور اس کی سند یہ ہے' اس طرح ان لوگوں کی پڑھی ہوئی سو کی سو احادیث کی غلط اسناد بھی پڑھ کر سنائیں اور ان کی اصل اسناد بھی بیان کر دیں اور ہر حدیث کو اس کی اصل سند کے ساتھ لاحق کر دیا' جیسے ہی امام بخاری نے اپنے بیان کو ختم کیا' تمام مجلس میں تحسین و مرحبا کا غلغلہ اور آفرین آفرین کا شور اٹھا اور عوام و خواص سب نے امام بخاری کے فضل کا اعتراف اور ان کی عظمت کا اقرار کر لیا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۱-۲۰' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۵۰-۴۹' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۱۰۰-۹۹' سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۸۶' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۸-۲۲۷' جامع الاصول ج ۱ ص ۱۲۳-۱۲۲' ھدی الساری ص ۴۷۹' مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفۃ بیروت)

حافظ ابو الازہر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند میں چار سو محدث جمع ہوئے اور انہوں نے امام بخاری کو مغالطہ دینے کے لیے شام کی اسناد عراق کی اسناد میں داخل کیں اور عراق کی شام میں' اسی طرح حرم کی اسناد یمن میں داخل کیں اور یمن کی حرم میں' وہ لوگ سات دن تک لگاتار اس قسم کے مغالطہ آمیز متون اور اسانید امام بخاری پر پیش کرتے رہے لیکن ایک بار بھی وہ امام بخاری کو نہ سند میں مغالطہ دے سکے نہ متن میں۔ (ھدی الساری ص ۴۷۹' مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفۃ بیروت)

امام بخاری کا فقہی مسلک

امام بخاری کے اپنے کلام میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ان کا فقہی مسلک کیا تھا' البتہ ''جامع صحیح'' میں امام بخاری ایسی احادیث بہ کثرت لائے ہیں' جو مسلک شافعی کی مؤید ہیں اور غالباً اسی بناء پر بعض مشاہیر علماء نے ان کو امام شافعی کا مقلد کردانا ہے' چنانچہ امام قسطلانی متوفی ۹۱۱ ھ تاج الدین سبکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وقد ذكره ابوعاصم فى طبقات اصحابنا الشافعية. (ارشاد الساری ج ۱ ص ۵۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو عاصم نے امام بخاری کو ہمارے طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے۔

اور تاج الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ امام بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

وسمع بمكة عن الحميدى وعليه تفقه عن الشافعي.

یعنی امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے سماع کیا اور انہیں سے فقہ شافعی پڑھی۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ذكر ابو عاصم العبادى ابا عبد الله في كتابه الطبقات وقال سمع من الزعفرانى وابى ثور والكرابيسى قلت وتفقه على الحميدى وكلهم من اصحاب الشافعي. (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۴۔ ۴۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کا ذکر اپنی کتاب ''طبقات شافعیہ'' میں کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی ابوثور اور کرابیسی سے سماع کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ انہوں نے حمیدی سے فقہ پڑھی اور یہ سب امام شافعی کے شاگرد تھے۔

امام تاج الدین سبکی نے یہ تمام ثبوت حافظ ابو عاصم کے اس قول کو تقویت پہنچانے کے لیے ذکر کیے ہیں کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔ حافظ ابو عاصم ۳۵۷ھ میں یعنی امام بخاری کے وصال کے ٹھیک ایک سو ایک سال بعد پیدا ہوئے' ان کا زمانہ امام بخاری کے بہت قریب تھا' اس لیے ان کی بات پر اعتماد کرنے کی کئی وجوہ ہیں۔

اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ ''مدینۃ العلوم'' سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

ولنذكر بعد ذلك نبذا من ائمة الشافعية ليكون الكتب كامل الطرفين حائز الشرفين وهولاء صنفان احدهما من تشرف بصحبة الامام الشافعي والاخر من تلاهم من الائمة اما الاول فمنهم احمد الخلال ' ابوجعفر البغدادى واما الصنف الثانى فمنهم محمد بن ادريس ابوحاتم الرازى ومحمد بن اسمعيل البخارى ومحمد بن على الحكيم ترمذى.

اور ہمیں چاہیے کہ اب کچھ ائمہ شافعیہ کا تذکرہ کریں' تاکہ ہماری کتاب حنفی اور شافعی دونوں طرفوں کی جامع ہو جائے اور ائمہ شافعیہ دو قسم پر ہیں' ایک وہ جو امام شافعی کی صحبت سے مشرف ہیں جیسے احمد خلال اور ابوجعفر بغدادی' دوسری قسم کے ائمہ شافعیہ وہ ہیں جیسے محمد بن ادریس ابوحاتم رازی' محمد بن اسماعیل البخاری اور محمد بن علی حکیم ترمذی۔

(ابجد العلوم ج ۳ ص ۱۲۷' المکتبۃ القدوسیۃ لاہور' ۱۴۰۳ھ)

ان ٹھوس حوالہ جات کے پیش نظر امت کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔

بہرحال امام بخاری شافعی ہونے کی تقدیر پر بھی محض مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المسائل تھے اور طبقات فقہاء میں تیسرے درجے پر فائز تھے' یہی وجہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کرتے ہیں اور ان مسائل میں خود اجتہاد کرتے ہیں' اسی لیے اہل علم کے نزدیک امام بخاری کی مثال شوافع میں ایسی ہے جیسے احناف میں امام ابوجعفر طحاوی کی۔

تصانیف

امام بخاری کی زندگی کا اکثر حصہ احادیث کی تلاش میں شہر در شہر سفر میں گزرا ہے اور انہیں کسی ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع بہت کم ملا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے خاطر خواہ تعداد میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر حضرات نے جو امام بخاری کی تصانیف گنوائی ہیں' وہ یہ ہیں:

(۱) الجامع الصحیح (۲) التاریخ الکبیر (۳) التاریخ الاوسط (۴) التاریخ الصغیر (۵) کتاب الضعفاء (۶) کتاب الکنی (۷) الادب المفرد (۸) جزء رفع الیدین (۹) جزء القراءۃ خلف الامام (۱۰) کتاب الاشربۃ (۱۱) کتاب الھبہ (۱۲) کتاب العلل (۱۳) برالوالدین (۱۴) الجامع الکبیر (۱۵) التفسیر الکبیر (۱۶) المسند الکبیر (۱۷) خلق افعال العباد (۱۸) قضایا الصحابہ والتابعین (۱۹) کتاب الوحدان (۲۰) کتاب المبسوط (۲۱) کتاب الفوائد (۲۲) اسامی الصحابہ۔ (ھدی الساری ص ۴۸۳' مع فتح الباری ج ۱' دارالمعرفۃ بیروت)

نیشاپور میں امام محمد بن یحییٰ الذھلی کے ساتھ خلق قرآن کا مناقشہ

۲۵۰ھ میں امام بخاری نے نیشاپور آنے کا پروگرام بنایا' اس خبر کو سنتے ہی اہالیان نیشاپور میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس زمانہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپور کی علمی ریاست کے والی تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے شہر کے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال کی تلقین کی' چنانچہ لوگوں کے ایک انبوہ کثیر نے محمد بن یحییٰ کی قیادت میں شہر سے تین مرحلہ آگے جاکر امام بخاری کا استقبال کیا اور انتہائی تزک و احتشام سے امام بخاری کو شہر میں لے کر آئے۔ امام مسلم بن حجاج کہتے ہیں: میں نے اس سے پہلے اتنا عظیم الشان استقبال نہ کسی عالم کا دیکھا تھا نہ کسی حاکم کا۔

امام بخاری نے نیشاپور میں درس حدیث دینا شروع کیا' ان کے درس میں ہر وقت اژدہام رہتا تھا اور بے حساب لوگ امام بخاری سے علم حدیث کا استفادہ کرتے تھے۔ بعض حاسدین کو امام بخاری کی شہرت اور مقبولیت بری لگی اور انہوں نے محمد بن یحییٰ کو امام بخاری کا مخالف بنا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی قرآن کریم کے الفاظ کو بھی قدیم مانتے تھے' اس پر بڑی شدت سے قائم تھے' کسی شخص نے جاکر امام بخاری سے پوچھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام بخاری ٹالتے رہے' جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے کہا: ''القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق'' اس نے پھر اصرار کیا' قرآن کے الفاظ کا حکم بتلایئے' تو آپ نے کہا: ''افعالنا مخلوقۃ والفاظنا من افعالنا'' (ہمارے افعال مخلوق ہیں اور الفاظ بھی ہمارے افعال ہیں) بس پھر کیا تھا' شور مچ گیا کہ امام بخاری الفاظ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں' جب ذہلی تک یہ خبر پہنچی تو وہ تمام عنایات منقطع کر کے یکسر مخالف ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ بخاری کے درس میں کوئی شخص نہ جائے' چنانچہ مسلم بن حجاج کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے درس میں جانا بند کر دیا۔ آخر کار جب امام بخاری اہل نیشاپور سے مایوس ہو گئے تو آپ نے نیشاپور سے بخارا کی طرف روانگی کا قصد کر لیا۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۱۔۲۹' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۶۸۔۶۷' سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۳۔۳۱۱' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۳۹۔ ۴۳۶' ھدی الساری ص ۴۸۲' مع فتح الباری ج ۱' دارالمعرفۃ بیروت)

امام بخاری کی بخاریٰ میں امیر بخاریٰ خالد بن احمد ذہلی کے ساتھ آزمائش

جب اہل وطن کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن واپس لوٹ رہے ہیں تو انہیں بے حد خوشی ہوئی' انہوں نے بخارا سے کئی منزل پہلے امام بخاری کی پیشوائی کے لیے خیمے نصب کر دیئے اور بڑے تزک و اہتمام اور شان و شکوہ سے امام بخاری کو شہر لے کر آئے۔ امام بخاری نے بخارا میں درس قائم کر دیا اور اطمینان سے پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

حاسدین نے یہاں بھی امام بخاری کا پیچھا نہ چھوڑا' وہ خلافت عباسیہ کے نائب خالد بن احمد ذہلی والی بخارا کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ امام بخاری سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادے کو گھر آ کر پڑھایا کریں' جب والی بخارا نے امام بخاری سے یہ فرمائش کی تو آپ نے فرمایا: میں علم کو سلاطین کے دروازے پہ لے جاکر ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ جس شخص کو پڑھنے کی ضرورت ہے اس کو میرے درس میں آنا چاہیے۔ والیٔ بخارا نے کہا: اگر میرا لڑکا درس میں آئے تو وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں پڑھے گا' آپ کو اسے

علیحدہ پڑھانا ہوگا۔ امام بخاری نے جواب دیا: میں کسی شخص کو احادیث رسول کی سماعت سے روک نہیں سکتا' یہ جواب سن کر حاکم ناراض ہوگیا اور اس نے ابن الوقت علماء سے امام بخاری کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے انہیں شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

امام بخاری اپنے وطن میں آ کر بے وطن ہونے پر بہت آزردہ ہوئے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ خلیفہ نے والیٔ بخارا خالد بن احمد ذہلی کو معزول کر دیا اور اسے گدھے پر سوار کرا کے محل سے نکالا گیا اور قید خانہ میں بند کر دیا گیا' جہاں وہ انتہائی ذلت اور رسوائی سے چند دن گزارنے کے بعد ہلاک ہوگیا۔ اسی طرح جن لوگوں نے امیر بخارا کی معاونت کی تھی' وہ سب مختلف بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳۔۳۱' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۷۱۔۷۰' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۱۰۶۔۱۰۵' سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۸۔۳۱۶' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۴۱' ہدی الساری ص ۴۸۴' مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفہ بیروت)

امام بخاری کا سانحہ ارتحال

بخارا سے واپس ہونے کے بعد امام بخاری نے سمرقند جانے کا قصد کیا۔ ابھی سمرقند سے کئی منزل دور تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ اہل سمرقند میں آپ کے بارے میں دو آراء ہوگئی ہیں' یہ سن کر آپ وہیں راستہ میں خرتنگ نامی ایک بستی میں رک گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے خدا! یہ زمین وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوتی جا رہی ہے' مجھے اپنے پاس واپس بلا لے۔ اس دعا کے بعد آپ بیمار پڑ گئے۔ اس اثناء میں اہل سمرقند نے بلانے کے لیے آپ کے پاس قاصد بھیجا' آپ جانے کے لیے تیار ہوئے' مگر طاقت نے ساتھ نہ دیا۔ چند دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے' جسم سے پسینہ بہنا شروع ہوا' ابھی وہ پسینہ خشک نہ ہوا تھا کہ آپ نے جان' جان آفرین کے سپرد کر دی اور اس طرح یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی زندگی گزار کر عشاء کی نماز کے بعد علم وفضل کا وہ عظیم آفتاب غروب ہوگیا' جس کے علم وعمل کی روشنی سے سمرقند' بخارا' بغداد اور نیشاپور کے بے شمار عوام وخواص اپنے دل ودماغ کو منور کر رہے تھے' پھر عید کے دن ظہر کی نماز کے بعد آپ کو خرتنگ میں دفن کیا گیا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳۔۳۲' تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۷۱' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۱۰۷۔۱۰۶' سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۸' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۴۱' ہدی الساری ص ۴۸۴' مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفہ' بیروت)

اس اعتراض کا جواب کہ موت کی دعا مانگنا ممنوع ہے' پھر امام بخاری نے موت کی دعا کیوں کی؟

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے حالات سے بددل ہو کر اپنی موت کی دعا کی اور یہ کہا: اے خدا! یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے' مجھے اپنے پاس واپس بلا لے' حالانکہ موت کی دعا مانگنا ممنوع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے' اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔ (صحیح البخاری: ۵۶۷۱' صحیح مسلم: ۲۶۸۰' سنن ابوداؤد: ۳۱۰۸' سنن ترمذی: ۹۷۱' سنن نسائی: ۱۸۱۹' سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۵' صحیح ابن حبان: ۹۶۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے' جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن میں صرف نیکیوں کو زیادہ کرتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۸۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ پے در پے صدمات کی وجہ سے امام بخاری کا ذہن بے حد منتشر ہو چکا تھا اور ان کو ذہول ہوگیا تھا اور اس

وقت یہ یاد نہ رہا کہ موت کی دعا کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور نسیان کی حالت میں جو ممنوع کام کیا جائے اس پر مواخذہ نہیں کیا جاتا یا پھر امام بخاری نے اجتہاد کیا کہ دنیاوی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا منع ہے لیکن اب ان کے دین پر مصیبت آئی ہوئی ہے ان کو دینی خدمت کرنے سے روکا جا رہا ہے اور درس اور تدریس کی راہ میں روز نئے اڑنگے لگائے جا رہے ہیں اور اس سے پہلے کہ میرے دین پر کوئی بڑی آفت اور مصیبت آئے تو اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلا لے امام بخاری فقیہ اور مجتہد تھے انہوں نے موت کی دعا کرتے وقت ضرور اس دعا کی کوئی بہترین توجیہ کی ہوگی۔

بارگاہ رسالت میں مقبولیت

امام بخاری نے ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کی تلاش آپ کے اقوال کی تتبع اور آپ کی احادیث کی خدمت میں گزاری۔ ان کی زندگی کا ایک ایک عمل متابعت رسول کا مظہر تھا۔ وراق کہتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ امام بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور حضور جس جگہ قدم رکھتے ہیں امام بخاری بھی بعد میں وہیں قدم رکھتے ہیں۔

فربری کہتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: محمد بن اسماعیل کے پاس۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور اسے جا کر میرا سلام کہنا۔ (تاریخ بغداد ص ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عنایات جس طرح زندگی میں امام بخاری کے شامل حال تھیں اسی طرح وصال کے بعد بھی یہ توجہات ان پر سایہ فگن رہیں چنانچہ عبدالواحد بن آدم طواویسی کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں میں نے پوچھا: حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا: بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں: چند دن بعد مجھے امام بخاری کے وصال کی خبر پہنچی میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کا اسی رات انتقال ہوا تھا جس رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۴ تاریخ دمشق ج ۵۵ ص ۱۷ تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۱۰۷ سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۱۹ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۰ ھدی الساری ص ۴۸۴ مع فتح الباری ج ۱ دارالمعرفہ بیروت)

امام بخاری کے مزار کی برکات

امام بخاری کی نماز جنازہ کے بعد جب ان کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو مدت مدید تک اس مٹی سے مشک کی مہک آتی رہی اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آ کر امام بخاری کی قبر کی مٹی کو بہ طور تبرک لے جاتے رہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۲۔۲۴۱ ھدی الساری ص ۴۸۴ مع فتح الباری ج ۱ دارالمعرفہ بیروت)

ابوالفتح سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے وصال کے بعد دو سو سال بعد ''سمرقند'' میں خشک سالی کی وجہ سے قحط نمودار ہو گیا۔ لوگوں نے بار ہا نماز استسقاء پڑھی دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی پھر ایک مرد صالح قاضی شہر کے پاس گیا اور اس کو مشورہ دیا کہ تم شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کر لے قاضی شہر نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر حاضر ہوا لوگوں نے وہاں گریہ وزاری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے نہایت خضوع و خشوع سے دعا مانگی اور امام بخاری سے قبولیت دعا کے لیے سفارش کی درخواست کی اسی وقت آسمان پر بادل امڈ آئے اور سات دن تک لگاتار اس قدر بارش ہوتی رہی کہ لوگوں کے لیے ''خرتنگ'' سے ''سمرقند'' پہنچنا مشکل ہو گیا۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۲ ارشاد الساری ج ۱ ص ۶۷)

۞۞۞۞۞

نحمدهٗ و نصلی علٰی رسوله الكريم

صحیح البخاری

امام بخاری کی تصانیف یوں تو بیس سے زیادہ ہیں' لیکن جو عظمت' شہرت اور مقبولیت '' صحیح بخاری'' کے حصہ میں آئی' وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی بلکہ حق یہ ہے کہ تمام امہات کتب حدیث میں جو مقام '' صحیح بخاری'' کو حاصل ہوا وہ اور کسی کتاب نے نہیں پایا' نیز علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد '' صحیح بخاری'' سے زیادہ کوئی صحیح کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔ امام شافعی نے '' موطأ امام مالک'' کو صحیح ترین کتاب قرار دیا تھا لیکن وہ '' صحیح بخاری'' کی تصنیف سے پہلے کی بات تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ '' صحیح بخاری'' کے منظر وجود میں آنے کے بعد متقدمین کی تمام کتابیں پس منظر میں چلی گئیں۔

متاخرین کی کتابوں میں '' صحیح مسلم'' نے بے شک بڑا نام کمایا بلکہ بعض مغاربہ نے '' صحیح مسلم'' کو '' صحیح بخاری'' پر ترجیح بھی دے ڈالی' لیکن ان لوگوں کو جمہور کی موافقت حاصل نہ ہو سکی اور محققین نے دلائل و براہین سے ثابت کر دکھایا کہ مسلم کی احادیث کا درجہ صحت اور اتصال میں '' بخاری'' سے بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی '' صحیح'' میں جس قدر احادیث درج کی ہیں' وہ سب امام بخاری کی توجہ اور عنایت کا ثمرہ ہیں' اسی لیے دار قطنی نے کہہ دیا کہ اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم سے کسی حدیث کا ظہور نہ ہوتا۔

سبب تالیف

عہد صحابہ و تابعین میں تدوین احادیث کا اہتمام نہیں تھا' جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو اپنے ضبط صدر اور حافظہ پر قوی اعتماد تھا' البتہ اتباع تابعین کے عہد میں تدوین حدیث کا عام رواج ہو چکا تھا اور متعدد جلیل القدر محدثین نے مجموعہ احادیث ترتیب دے رکھے تھے' ان کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ کی '' کتاب الآثار'' امام مالک کی '' موطأ' جامع سفیان ثوری' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبدالرزاق'' اور '' مسند احمد'' کی بہت شہرت تھی' لیکن اس وقت تک حدیث کے موضوع پر جس قدر کتابیں معرض وجود میں آئی تھیں' ان میں سے کسی کتاب میں بھی صرف احادیث صحیحہ لانے کا التزام نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان میں شاذ' منکر' مدلس اور معلل ہر قسم کی روایات جمع کر دی گئی تھیں۔ اس وقت اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ ایک ایسا مجموعہ احادیث ترتیب دیا جائے' جس میں صرف احادیث صحیحہ کو جمع کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر امام بخاری کے استاد اسحاق بن راھویہ نے امام بخاری سے کہا: کاش! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن کو اسانید صحیحہ کے ساتھ جمع کر لو تاکہ صحیح مجرد کا مجموعہ تیار ہو جائے۔

اسی زمانہ میں امام بخاری نے خواب دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے پنکھا جھل کر مکھیاں اڑا رہے ہیں' اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ امام بخاری' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی باتوں کو دور کریں گے۔ اس تعبیر کے بعد امام

بخاری نے احادیث صحیحہ جمع کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۱۳ 'مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح بخاری'' کی تالیف کے صرف یہی دو سبب تھے لیکن اگر نظر غائر سے ''صحیح بخاری'' کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ تالیف ''صحیح'' کا مقصد صرف جمع احادیث ہی نہیں بلکہ تراجم پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے' کیونکہ بسا اوقات امام بخاری ترجمہ ابواب قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کرتے' مثلاً ''کتاب العلم'' میں ایک عنوان قائم کیا: ''**باب العلم قبل القول و العمل لقول اللّٰہ عزو جل فاعلم انہ لا الہ الا اللّٰہ فبدء بالعلم الخ**'' (صحیح البخاری کتاب العلم' باب: ۱۰) اس باب کے تحت امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حدیث ذکر نہیں کی بلکہ ترجمۃ الباب پر صرف مذکورہ آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے علم کا اور پھر ''لا الہ الا اللّٰہ'' کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ''کتاب الزکوٰۃ'' میں ایک باب قائم کیا: ''**لا یقبل اللّٰہ صدقۃ من غلول و لا یقبل الا من کسب طیب لقولہ تعالٰی قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی و اللّٰہ غنی حلیم**''۔ (صحیح البخاری' کتاب الزکوٰۃ' باب: ۷)

اس آیت کریمہ پر یہ باب ختم کر دیا گیا اور اس باب کے اثبات کے لیے امام بخاری کوئی حدیث نہیں لائے بلکہ ترجمۃ الباب کو اس آیت کریمہ سے التزاماً ثابت کیا ہے کہ جب مال حلال سے صدقہ بھی بہ وجہ احسان مقبول نہیں ہے تو مال حرام سے دیا ہوا صدقہ کب قبول ہو سکتا ہے۔ ان شواہد سے معلوم ہوا کہ تالیف ''صحیح'' سے امام بخاری کا مقصد صرف جمع احادیث ہی نہیں بلکہ مسائل فقہیہ میں اپنے مختار پر استدلال بھی ہے۔

استدلال علی المسائل کے علاوہ تالیف ''صحیح'' کی تیسری غرض احادیث سے مسائل کا استنباط ہے کیونکہ ایک حدیث کو امام بخاری متعدد جگہ لاتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایک حدیث کو انہوں نے سولہ سولہ مقامات پر ذکر کیا ہے' اگر ان کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کا جمع کرنا ہوتا تو وہ ایک بار حدیث کے ذکر کر دینے سے پورا ہو سکتا تھا اور جب وہ ایک حدیث کو مختلف ابواب کے تحت متعدد جگہ لاتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد ان مسائل کا استنباط ہوتا ہے' جن کے تحت وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں' مثلاً ایک موقع پر بعض صحابہ نے عجلت کی وجہ سے پیروں کو دھونے کی بجائے فقط مسح کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: ''ویل للاعقاب من النار'' اس حدیث کا امام بخاری نے دو جگہ ذکر کیا ہے' ایک جگہ ''**باب من رفع صوتہ بالعلم**'' اور دوسری جگہ ''**باب غسل الرجلین و لا یمسح علی القدمین**'' کے تحت' گویا اس حدیث سے امام بخاری نے دو مسئلوں کا استنباط کیا' ایک بلند آواز سے علم کی بات کہنے کا دوسرے پیروں پر مسح کی عدم کفایت کا۔

بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ تالیف ''صحیح'' سے امام بخاری کا مقصود جمع احادیث کے علاوہ مسائل فقہیہ میں اپنے مختار پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے۔

تسمیہ

امام بخاری نے اپنی صحیح کا نام ''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ'' رکھا' لیکن عوام وخواص میں یہ کتاب ''صحیح بخاری'' کے نام سے مشہور ہو گئی۔ محدثین کی اصطلاح میں جامع' حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں' جس میں آٹھ مخصوص عنوانوں کے تحت احادیث ذکر کی جائیں' جو یہ ہیں: سیر' تفسیر' آداب' عقائد' فتن' احکام' اشراط' مناقب' اور ''الصحیح'' کا مطلب ہے کہ اس مجموعہ کی تمام احادیث صحیح ہوں اور ''المختصر من امور رسول اللّٰہ ﷺ'' کا مفاد یہ ہے کہ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال' افعال' احوال' صفات اور ایام سے متعلق احادیث لائی جائیں گی۔

ادب اور اہتمام

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کا چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کیا ہے۔حدیث شریف کو کتاب میں ذکر کرنے سے پہلے وہ غسل کرتے' اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے' پھر اس حدیث کی صحت کے بارے میں استخارہ کرتے' اس کے بعد اس حدیث کو اپنی ''صحیح'' میں درج کرتے۔امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کو سولہ سال کی مدت میں مکمل کیا' میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث شامل کی ہیں اور جن صحیح احادیث کو میں نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے' ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔
(ھدی الساری ص ۶۷ 'مع فتح الباری ج ۱' دار المعرفۃ' بیروت)

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کا مسودہ مکہ' بصرہ اور بخارا میں تیار کیا اور اس کی تبییض مسجد حرام میں کی اور مدینہ منورہ میں روضہ شریف کے پہلو میں بیٹھ کر تراجم ابواب لکھے۔امام بخاری کے شاگرد محمد بن ابی حاتم وراق کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے پوچھا: کیا آپ کو وہ تمام احادیث یاد ہیں جو آپ نے اپنی ''صحیح'' میں وارد کی ہیں؟ امام بخاری نے فرمایا: ''جامع صحیح'' کی کوئی حدیث مجھ سے مخفی نہیں ہے کیونکہ میں نے اس کو تین مرتبہ لکھا ہے۔(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تین مرتبہ تصنیف سے غالباً تسوید' تبییض اور تنقیح مراد ہے اور ''صحیح بخاری'' کے نسخوں کا اختلاف بھی شاید اسی وجہ سے ہے اور بعض صوفیاء سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری نے مسودہ لکھا' دوسری مرتبہ مبیضہ تیار کیا' تیسری بار ہر حدیث کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اور جس حدیث کے بارے میں بالمشافہ یا خواب کے ذریعہ حضور سے اجازت مل گئی اور اس کی صحت کا یقین کامل ہو گیا' اس کو اپنی ''صحیح'' میں درج کر دیا۔(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۰' مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

مقبولیت

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کی ''صحیح'' کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی۔قرآن کریم کے بعد جس کتاب پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے' وہ ''صحیح بخاری'' ہے۔''صحیح بخاری'' پر سب سے زیادہ کام کیا گیا' اس کی بے شمار شروح لکھی گئی ہیں' اس کی تعلیقات' متابعات' شواہد اور رجال کی تحقیق پر الگ الگ کتابیں لکھی گئیں اور امام بخاری کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام دینی مدارس میں انتہائی اہتمام اور شکوہ کے ساتھ ''صحیح بخاری'' کا درس دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جس طرح امام بخاری مقبول تھے' اسی طرح ان کی ''صحیح'' بھی بارگاہِ رسالت میں شرف پذیرائی رکھتی ہے۔ابوزید مروزی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیت الحرام میں رکن اور مقام کے درمیان سویا ہوا تھا' میں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔حضور نے فرمایا: ابوزید! شافعی کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے' میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے' میں نے عرض کیا: حضور! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل کی ''جامع''' اور انور شاہ کشمیری بیان کرتے ہیں کہ امام عبد الوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ ''صحیح بخاری'' پڑھی ہے' جن میں سے ایک حنفی تھا۔(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبع حجازی' ۱۳۵۷ھ)

ابوجمرہ کہتے ہیں کہ عرفاء سے منقول ہے کہ اگر کسی مشکل میں ''صحیح بخاری'' کو پڑھا جائے تو وہ حل ہو جاتی ہے اور جس کشتی میں ''صحیح بخاری'' ہو وہ غرق نہیں ہوتی اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ خشک سالی میں ''صحیح بخاری'' کی قراءت سے بارش ہو جاتی ہے۔
(مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۵۴' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

موضوع

''صحیح بخاری'' کا اصل موضوع احادیث مرفوعہ مسندہ ہیں اور انہیں احادیث کی صحت کا امام بخاری نے التزام کیا ہے۔ ان کے علاوہ جو تعلیقات' متابعات' شواہد' آثار صحابہ' اقوال تابعین اور ائمہ فتاویٰ کے احکام ذکر کیے گئے ہیں' وہ سب بالتبع ہیں اور اس ضمن میں جو احادیث ذکر کی ہیں' وہ امام بخاری کے موضوع سے خارج ہیں اور نہ ہی ان کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔

اسلوب

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تالیف ''صحیح'' سے امام بخاری کا مقصد صرف جمع احادیث نہیں ہے' بلکہ تراجم ابواب پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ان کا مقصود تھا' چنانچہ ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے وہ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں' پھر کبھی اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں اور بعض اوقات آثار صحابہ' اقوال تابعین' ارشادات ائمہ فتویٰ سے اس کی تائید کرتے ہیں' اس کے بعد اس باب کے تحت اپنی پوری سند کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے ہیں اور کبھی سند معلق سے حدیث وارد کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے حدیث ذکر کر دیتے ہیں۔

امام بخاری کبھی ایک باب کے تحت احادیث کثیرہ روایت کرتے ہیں اور کبھی صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں' یہ اس صورت میں ہے جب انہیں ترجمۃ الباب کے لیے اپنی شرائط پر احادیث مل جائیں اور کبھی ترجمۃ الباب کے تحت کسی حدیث کا ذکر نہیں کرتے' بلکہ کسی حدیث کے بعینہٖ الفاظ یا اس کے ہم معنی الفاظ کو عنوان باب بنا کر یہ اشارہ کرتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت ان کی شرائط پر حدیث نہیں مل سکی اور عنوان باب کو الفاظ حدیث کے ساتھ تعبیر کر کے یہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث فی نفسہٖ لائق حجت ہے۔

کبھی امام بخاری ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں کہ اس سے ان کا مقصود اس حدیث سے ان متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے' جن سے متعلق ابواب کے تحت وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔

شرائط

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں حدیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ ان کے شیخ سے لے کر صحابی تک تمام راوی ثقہ اور متصل ہوں۔ ثقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی مسلم' عادل' کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ ہوں اور راوی حدیث قلیل الملازمۃ مع الشیخ ہوں تو ان کی روایت بھی اخذ کر لیتے ہیں' لیکن ایسے راویوں سے امام بخاری انتخاب کرتے ہیں' استیعاب نہیں کرتے' نیز ثقہ راویوں کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے سے اوثق رواۃ کی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی ان میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو۔ (توجیہ النظر ص ۹۴) اور متصل کا مطلب یہ ہے کہ ہر راوی یا تو اپنے شیخ سے ''سمعت'' یا ''حدثنا'' کے صیغہ کے ساتھ سماع حدیث کی تصریح کرے اور ایسا صیغہ لائے جو بہ ظاہر سماع پر دلالت کرے' مثلاً ''عن فلان'' یا ''ان فلانا قال'' اس دوسری شکل میں ضروری ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہو اور وہ راوی مدلس نہ ہو۔

امام بخاری کی شرط ملاقات پر امام مسلم نے اعتراض کیا کہ پھر امام بخاری کو چاہیے کہ وہ حدیث معنعن کو بالکل قبول نہ کریں کیونکہ لقاء کی شرط تیقن سماع کے لیے لگائی گئی ہے اور محض لقاء سے سماع لازم نہیں آتا کیونکہ جائز ہے کہ ملاقات کے باوجود راوی نے مروی عنہ سے سماع نہ کیا ہو۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں: اول یہ کہ لقاء کے باوجود اگر سماع نہ ہو تو راوی مدلس ہوگا اور مفروض یہ ہے کہ راوی مدلس نہ ہو' ثانی: یہ کہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم معاصرت کی اور عدم سماع کا احتمال دونوں میں جاری ہوتا ہے اور بلا ریب ثبوت لقاء کی شرط معاصرت کی شرط کی بہ نسبت سماع سے زیادہ قریب ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ اوّلاً حدیث کو دو صحابی روایت کریں یا پھر ہر ایک صحابی سے دو شخص روایت کریں' پھر ان میں سے ہر ایک سے دو دو شخص روایت کریں' لیکن قاضی ابوبکر کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں جو پہلی حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' درج کی ہے' وہ صرف حضرت عمر سے مروی ہے اور حضرت عمر سے صرف علقمہ نے روایت کی اور علقمہ سے صرف محمد بن ابراہیم نے اور ان سے صرف یحییٰ بن سعید نے۔

تعلیقات اور ان کے اسباب واقسام

حدیث معلق اس حدیث کو کہتے ہیں' جس میں سند کے شروع سے رواۃ کو حذف کر دیا جائے' خواہ بعض کو یا سب کو۔ ''صحیح بخاری'' میں احادیث معلقہ کی وافر مقدار ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ احادیث معلقہ میں سند ذکر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث کی سند پہلے گزر چکی ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شیخ سے انہوں نے سماع کیا ہوتا ہے' اس میں انہیں شک واقع ہو جاتا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا باقاعدہ سماع نہیں کیا ہوتا' بلکہ شیخ سے دوران گفتگو ضمناً اس حدیث کا سماع حاصل ہوتا ہے۔

تعلیقات دو قسم کی ہیں: ایک وہ ہیں جن کو امام بخاری نے دوسری جگہ موصولاً بیان کیا ہے' دوسری وہ ہیں جن کو انہوں نے موصولاً بالکل ذکر نہیں کیا۔ قسم اوّل کی صحت یقینی ہے اور قسم دوم کی پھر دو قسمیں ہیں' اوّل وہ تعلیقات ہیں جو امام بخاری کی شرائط کے مطابق نہیں ہیں' ان کی پھر دو قسمیں ہیں' اوّل وہ جن کو امام بخاری صیغہ جزم مثلاً ''قال'' یا ''ذکر'' کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ثانی وہ جن کو امام بخاری صیغہ تمریض مثلاً ''روی'' یا ''یذکر'' کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ قسم اوّل میں بعض روایات کسی اور امام کی شرط پر' کبھی صحیح' کبھی حسن اور کبھی معمولی سے ضعف کی حامل ہوتی ہیں' حسن صحیح کی مثال ''کتاب الطہارۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''وقالت عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یذکر اللّٰه علٰی کل احیان'' یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور حسن کی مثال بھی ''کتاب الطہارۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''قال بهز بن حکیم عن ابیه عن جده اللّٰه احق ان یستحیی منه الناس'' اور قدرے ضعیف کی مثال ''کتاب الزکوٰۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''قال طاؤس قال معاذ بن جبل لاهل الیمن ایتونی بعوض ثیاب خمیص اولبس فی الصدقة مکان الشعیر والذرة اهون علیکم وخیر لاصحاب محمد صلی اللّٰه علیه وسلم'' اس حدیث میں ضعف یہ ہے کہ طاؤس کا معاذ سے سماع ثابت نہیں ہے مگر یہ ضعف معمولی ہے کیونکہ طاؤس تک اسناد صحیح ہے۔

اور جن تعلیقات کو امام بخاری نے صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے' ان کی پانچ قسمیں ہیں' اوّل وہ جو امام بخاری کی شرط پر صحیح ہیں' ثانی وہ جو غیر کی شرط پر صحیح ہیں' ثالث حسن' رابع ضعیف مع المؤید اور خامس ایسی ضعیف جس کا کوئی مؤید نہیں ہے' اوّل کی مثال ''کتاب الطب'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی الرقی بفاتحة الکتاب'' یہ سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری نے خود دوسری جگہ سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ثانی کی مثال ''کتاب الصلوٰۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن عبد اللّٰه بن سائب قال قراء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المؤمنون فی صلوٰة الصبح حتی اذا جاء ذکر موسی وهارون اخذته سلعة'' یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کا اپنی ''صحیح'' میں اخراج بھی کیا ہے اور ثالث کی مثال ''کتاب البیوع'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن عثمان بن عفان رضی اللّٰه عنه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل'' (جب تم فروخت کرلو تو پیمائش کرلو اور جب تم خریدو پیمائش کرلو) یہ حدیث حسن ہے اور اس کو دارقطنی نے روایت

کیا ہے اور رابع کی مثال ''کتاب الوصایا'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قضی بالدین قبل الوصیۃ'' اس حدیث کو امام بخاری نے موصولاً روایت کیا ہے' مگر اس کی سند میں ایک راوی ہے حارث' اور وہ ضعیف ہے مگر یہ حدیث اہل علم کے قول کی وجہ سے تقویت پا گئی اور خامس کی مثال ''کتاب الصلوٰۃ'' کی یہ تعلیق ہے: ''ویذکر عن ابی ھریرۃ رفعہ لا لیتطوع الامام فی مکانہ'' اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں روایت کیا ہے' لیکن اس میں شدید ضعف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس کا شیخ الشیخ مجہول ہے اور اس ضعف کے لیے کوئی مقوی نہیں ہے۔

مذکور الصدر تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تعلیقات بخاری میں غیر صحیح احادیث بھی موجود ہیں اور اسی وجہ سے یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام بخاری کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے اپنی اس ''جامع'' میں صرف صحیح احادیث مندرج کی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ان احادیث کی صحت کا التزام کیا ہے' جن کو انہوں نے پوری سند کے ساتھ ترجمۃ الباب کے اثبات کے قصد سے ذکر کیا ہے اور تعلیقات چونکہ مکمل سند کے ساتھ نہیں ہوتیں' اس لیے ان کے غیر صحیح ہونے سے ''جامع صحیح'' کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مکررات

امام بخاری کی ''صحیح'' میں اگرچہ بہ ظاہر صورۃً تکرار بہت زیادہ ہے' لیکن معنوی لحاظ سے اس کو تکرار نہیں کہا جا سکتا' جس کی متعدد وجوہ ہیں' اس کی تحقیق کے وقت یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تکرار کا تعلق متن اور سند دونوں کے ساتھ ہے۔ متن کے لحاظ سے تو اس لیے تکرار نہیں ہے کہ امام بخاری جب ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر فرماتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے' وہ ایک حدیث کو ایک جگہ ایک عنوان کے تحت اور دوسری جگہ دوسرے عنوان کے تحت لاتے ہیں' لہٰذا یہ لفظاً تکرار ہے معنیً تکرار نہیں ہے اور سند کے لحاظ سے اس لیے تکرار نہیں ہے کہ وہ بعض اوقات ایک حدیث کو دو مختلف صحابہ سے دو جگہ روایت کرتے ہیں اور کبھی دو جگہ دو مختلف تابعیوں سے روایت کرتے ہیں' کبھی تابعی کے دو شاگردوں سے روایت' کبھی تبع تابعین کے دو شاگردوں سے روایت کرتے ہیں' کبھی امام بخاری اپنے دو استاذوں سے اور کبھی اپنے استاذ کے دو استاذوں سے روایت کرتے ہیں' اور ان مختلف طرق سے حدیث کی روایت سے امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث غرابت سے نکل جائے' نیز ایک حدیث کو بسا اوقات ایک راوی بتمامہ ذکر کر دیتا ہے اور دوسرا اختصار کرتا ہے اور بعض مرتبہ ایک معنی کو ایک راوی ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور دوسرا کسی اور لفظ سے اور بعض دفعہ ایک راوی کسی حدیث کو ارسالاً روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی کو اتصالاً روایت کرتا ہے اور کبھی ایک راوی ایک حدیث کو مرفوعاً روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی کو موقوفاً بیان کرتا ہے اور کبھی ایک راوی کسی حدیث کو عنعنہ کے ساتھ روایت کرتا ہے اور دوسرا تصریح سماع کے ساتھ' ایسی صورتوں میں امام بخاری توضیح مرام کی خاطر حدیث کو دونوں طریقوں سے روایت کر دیتے ہیں' پس ایک حدیث کو امام بخاری جب دوبارہ ذکر کرتے ہیں تو وہ متن یا سند سے متعلق اس نوع کے کسی نہ کسی مزید فائدہ پر مشتمل ہوتی ہے' نیز ایک حدیث جب متعدد اسناد سے مروی ہو تو وہ محدثین کے نزدیک ایک حدیث نہیں بلکہ متعدد احادیث شمار ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے ''صحیح بخاری'' میں محض بہ ظاہر اور برائے نام تکرار رہ جاتا ہے۔

تقطیع

تقطیع حدیث کا مطلب ہے: ایک حدیث کے اجزاء کو ابواب پر تقسیم کر دینا' اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ تقطیع حدیث جائز ہے یا نہیں۔ بعض قدماء عدم جواز کے قائل تھے' وہ کہتے تھے: ''لا یجوز تقطیع کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' لیکن ابن صلاح لکھتے ہیں کہ تقطیع کے جواز کا قول منع کی بہ نسبت زیادہ صحت کے قریب ہے۔ (علوم الحدیث ص ۱۹۴) اور امام بخاری' امام مالک

اور اکثر محدثین جواز ہی کے قائل تھے۔

امام بخاری تقطیع حدیث اس وقت کرتے ہیں' جب متن حدیث دو حکموں پر مشتمل ہو' ایک حکم ایک باب کے تحت اور دوسرا حکم دوسرے باب کے تحت ذکر کرتے ہیں اور جب اس حدیث کے دوسرے جز کا ذکر کرتے ہیں تو سند بدل دیتے ہیں تا کہ ضمناً کثرتِ طرق کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

بعض اوقات ایک حدیث بہ ظاہر متعدد غیر مربوط جملوں پر مشتمل ہوتی ہے' ایسی صورت میں امام بخاری ہر جملہ کو ایک مستقل باب کے تحت لاتے ہیں اور ان تمام جملوں کو یکجا کر کے ایک باب کے تحت ذکر کر دیتے ہیں۔

اختصار

اختصار حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متن حدیث کے کسی ایک جز کا ذکر کیا جائے اور باقی اجزاء کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں اختصار حدیث صرف اس جگہ کیا ہے' جہاں متن حدیث قول صحابی ہو اور اس کا بعض حصہ حکماً مرفوع ہو' ایسی صورت میں وہ متن کا مرفوع حصہ لے لیتے ہیں اور موقوف حصہ چھوڑ دیتے ہیں' مثلاً انہوں نے ہزیل بن شرحبیل کی روایت ذکر کی: ''**عن عبد الله بن مسعود قال ان اهل الاسلام لا يسيبون وان اهل الجاهلية كانوا يسيبون**'' اور پوری روایت اس طرح ہے: ''**جاء رجل الى عبد الله بن مسعود فقال انى اعتقت عبدا فى سائبة فمات فترك مالا ولم يدع وارثا فقال عبد الله ان اهل الاسلام لا يسيبون وان اهل الجاهلية كانوا يسيبون وانت ولى نعمته فلك ميراثه فان تاثمت اوتحرجت فى شيى فنحن نقبله منك ونجعله فى بيت المال**'' حدیث کے جس حصہ کی امام بخاری نے روایت کی ہے' وہ اپنے عموم کی وجہ سے حضور سے نقل کا مقتضی تھا' اس وجہ سے اس کو حکماً مرفوع قرار دیا۔

تعداد مرویات

''صحیح بخاری'' کی تعداد مرویات میں علماء کا اختلاف ہے۔حافظ ابن صلاح کی تحقیق یہ ہے کہ ''صحیح'' کی کل احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد چار ہزار ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق ''صحیح بخاری'' کی کل احادیث مسندہ بشمول مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہے اور جملہ معلقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس ہے اور جملہ متابعات کی تعداد تین سو چوالیس ہے اور کل میزان نو ہزار بیاسی ہے اور حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تئیس رہ جاتی ہے' نیز امام بخاری کی جو احادیث اعلیٰ اسانید پر مشتمل ہیں' وہ ثلاثیات ہیں اور ان کی تعداد بائیس ہے اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد سولہ رہ جاتی ہے۔اب جدید نمبرنگ کے حساب سے ''صحیح بخاری'' کی کل احادیث کی تعداد: ۷۵۶۳ ہے۔

تراجم ابواب

''صحیح بخاری'' کے تراجم ابواب اپنی دقت اور خفاء کے اعتبار سے مشہور ہیں۔علامہ ابن خلدون نے کہا ہے کہ احادیث کی تراجم ابواب سے مطابقت' امام بخاری کا امت مسلمہ پر قرض ہے لیکن حق یہ ہے کہ علامہ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر نے بڑی حد تک یہ قرض اتار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بسا اوقات امام بخاری ترجمۃ الباب میں دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں اور حدیث میں فقط ایک کا ذکر ہوتا ہے' ایسی صورت میں ترجمہ کی حدیث سے دلالت تضمنی کے اعتبار سے مطابقت ہوتی ہے اور بعض مرتبہ ترجمہ میں حکم عام ہوتا ہے اور حدیث میں کسی خاص صورت کا بیان ہوتا ہے اور کبھی حدیث متعدد امور کی متحمل ہوتی ہے اور ترجمہ میں ان محتملات میں کسی ایک کا تعین

ہوتا ہے اور کبھی ترجمۃ الباب اور حدیث میں علت مشترکہ ہوتی ہے' مثلاً امام بخاری نے ایک باب ''فی کم تقصر الصلوۃ'' کے عنوان سے قائم کیا اور اس کے تحت یہ حدیث لائے: ''عن ابن عمر لا تسافر المراۃ ثلاثۃ ایام الامع ذی محرم'' بظاہر ترجمہ اور حدیث میں کوئی مطابقت نہیں ہے کیونکہ عنوان ہے: کتنی مدت میں نماز قصر کی جائے اور حدیث میں عورت کو تین دن سے زیادہ بغیر محرم کے سفر سے منع کیا گیا ہے' لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق سفر شرعی تین دن ہے لہذا نماز کی قصر میں بھی تین دن کی مسافت کا اعتبار ہوگا۔ ان تمام باریکیوں تک پہنچنے کے باوجود بعض ایسے مقامات ہیں' جہاں ترجمۃ الباب کی حدیث سے مطابقت تمام فہم وادراک سے باہر ہے' مثلاً ایک جگہ امام بخاری لکھتے ہیں: ''باب طول القیام فی صلوۃ اللیل'' اور اس کے تحت حدیث لائے ہیں: ''عن حذیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام للتھجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک'' اسی طرح ایک جگہ لکھا ہے: ''باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین و کذلک النساء ومن کان فی البیوت والقری''۔

اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں: ''عن عائشۃ ان ابا بکر دخل علیھا وعندھا جاریتان فی ایام منی تدفان وتضربان والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متغش بثوبہ فانتھرھما ابو بکر فکشف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن وجھہ فقال دعھما یا ابا بکر فانھا ایام عید وتلک الایام ایام منی'' پہلی مثال میں باب رات کو طویل قیام کا ہے اور حدیث میں مسواک کرنے کا ذکر ہے اور دوسری مثال میں باب نماز عید کی قضا کا ہے اور حدیث میں لڑکیوں کے دف بجانے کا ذکر ہے اس قسم کی ''صحیح بخاری'' میں کافی مثالیں ہیں اور ان کی مطابقت معلوم کرنا امت مسلمہ پر امام بخاری کا بہرحال قرض باقی ہے۔

''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کا موازنہ

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تمام علماء کے نزدیک ''صحیح بخاری'' کا مرتبہ کل کتب حدیث میں سب سے بلند و بالا ہے' البتہ بعض مغاربہ نے ''صحیح مسلم'' کو ''صحیح بخاری'' پر ترجیح دی ہے اور حافظ ابوعلی نیشاپوری نے کہا: اس آسمان کے نیچے ''صحیح مسلم'' سے بڑھ کر کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے' اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کا موازنہ کرلیا جائے۔

اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ حدیث صحیح کا رجوع اتصال' اتقان' رجال اور عدم شذوذ وعدم علل کی طرف ہوتا ہے۔ اتصال کے لحاظ سے دیکھیں تو ''صحیح بخاری'' کی احادیث کا اتصال زیادہ قوی ہے کیونکہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ کی ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں۔

اتقان رجال کے لحاظ سے دیکھیں' تب بھی ''صحیح بخاری'' کی احادیث زیادہ قوی ہیں' اوّلاً: اس لیے کہ امام بخاری طبقہ ثانیہ یعنی قلیل الملازمۃ مع الشیخ سے روایات کا صرف انتخاب کرتے ہیں اور امام مسلم اس طبقہ سے تمام روایات کا استیعاب کرتے ہیں۔ ثانیاً: اس وجہ سے کہ جن لوگوں سے روایت میں امام بخاری منفرد ہیں' وہ چار سو تیس راوی ہیں جن میں سے اسی کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور امام مسلم جن لوگوں سے روایت میں منفرد ہیں' وہ چھ سو بیس راوی ہیں' جن میں سے ایک سو ساٹھ کو ضعیف شمار کیا گیا ہے۔ ثالثاً: اس سبب سے کہ امام بخاری کے جن راویوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے' ان میں سے اکثر امام بخاری کے بلاواسطہ استاذ ہیں اور وہ ان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی روایات کو جانچ اور پرکھ سکتے تھے' برخلاف امام مسلم کے کیونکہ ان کے جن راویوں پر جرح کی گئی ہے' ان میں سے اکثر امام مسلم کے بالواسطہ استاذ ہیں اور ان کے لیے ان لوگوں کی روایات کو خود پرکھنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ رابعاً: اس وجہ سے کہ امام بخاری نے ایسے راویوں سے بہت کم روایت کی ہے اور امام مسلم نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے۔

اور عدم شذوذ اور عدم علل کے اعتبار سے ملاحظہ کریں' تب بھی صحیح بخاری' صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ ''صحیح بخاری'' کی جن

احادیث میں علت خفیہ قادحہ نکالی گئی ہے ان کی تعداد اسی ہے اور ''صحیح مسلم'' میں ایسی احادیث کی تعداد ایک سوتیں ہے۔

مسامحات بخاری

امام بخاری بھی اپنے تمام تر علمی اور فنی کمالات کے باوجود انسان اور بشر تھے اس لیے ''صحیح بخاری'' کی تصنیف میں ان سے سہو' نسیان اور تسامح کا واقع ہو جانا کوئی امر مستبعد نہیں ہے اس کے برخلاف بعض وہ حضرات جو ''صحیح بخاری'' کو حرف آخر قرار دیتے ہیں' ان کی رائے ہے کہ ''بخاری'' میں مندرج ہر ہر حدیث صحیح ہے اور سند اور متن کے بیان میں ان سے کسی جگہ غلطی نہیں ہوئی۔ ہماری رائے ان لوگوں سے بہر حال مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ''صحیح بخاری'' میں دیگر تمام کتب حدیث کی بہ نسبت سب سے زیادہ صحیح احادیث ہیں' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ اس میں مندرج کوئی حدیث بھی ضعیف نہیں ہے۔

''صحیح بخاری'' میں ایسے راویوں کی تعداد کافی زیادہ ہے' جو جہمی' قدری' رافضی یا مرجئہ عقائد کے حامل تھے' اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایسے راوی بھی ہیں جو منکر الحدیث' واہی اور وہمی تھے' چنانچہ ان تمام کی تفصیل حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''ھدی الساری مقدمہ فتح الباری'' میں مہیا کی ہے' لیکن ان کے مجروح اور مطعون راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان راویوں پر جرح دوسرے لوگوں نے کی ہے' امام بخاری کے نزدیک ان لوگوں پر جرح ثابت نہیں ہو سکی' اس لیے انہوں نے ان کی احادیث کو اپنی ''صحیح'' میں وارد کیا ہے۔

یہ عذر اپنی جگہ صحیح ہے اگر چہ یہ لوگ دوسروں کے حق میں یہ جواب تسلیم نہیں کرتے' لیکن اب اس بات کو کیا کیا جائے کہ امام بخاری نے جن راویوں پر خود دوسری کتابوں میں جرح کی ہے' ''صحیح بخاری'' میں ان سے بھی روایات لے آئے ہیں۔ اس قسم کے متعدد شواہد موجود ہیں' ہم ان میں سے آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

''باب الاستنجاء بالماء'' کے تحت امام بخاری نے ایک روایت اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے: **''حدثنا ابو الولید ھشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا خرج لحاجة''** الحدیث۔ (صحیح البخاری ج ا ص ۲۷ طبع کراچی)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے عطا بن ابی میمونہ' اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں: **''عطا بن ابی میمونة ابو معاذ مولٰی انس' وقال یزید بن ھارون مولٰی عمران بن حصین وکان یری القدر''** یعنی یہ شخص عقائد قدریہ کا حامل تھا۔ (تاریخ کبیر ج ۶ ص ۲۵۶۔۲۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اسی طرح انہوں نے ''کتاب المغازی'' میں ایک حدیث ذکر کی ہے: **''حدثنی عباس والوحید قال حدثنی عبد الواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شھاب یقول حدثنی ابو موسی الاشعری قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم''** الحدیث۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۳' طبع کراچی)

اس حدیث میں ایک راوی ہے ایوب بن عائذ' اس کو بھی امام بخاری نے ''کتاب الضعفاء'' میں درج کیا ہے اور فرماتے ہیں: **''ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء''** یہ شخص مرجئہ عقائد کا حامل تھا۔ (کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۱' تاریخ کبیر ج ا ص ۳۸۹)

حافظ ذہبی ایوب بن عائذ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان من المرجئة قال له البخاری واورده فی الضعفاء لارجائه والعجب من البخاری یغمزہ وقد

امام بخاری نے ایوب بن عائذ کو مرجئہ قرار دے کر اس کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور حیرت ہے کہ اس کو ضعیف قرار دے کر پھر

احتج به. (میزان الاعتدال ج ا ص ۴۵۹) اس سے استدلال کرتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان کوفی ایک راوی ہے اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں:

اسمعیل بن ابان عن هشام بن عروة متروك الحديث كنيته ابو اسحق كوفي. اسماعیل بن ابان جو ہشام بن عروہ سے روایت کرتا ہے متروک الحدیث ہے اس کی کنیت ابواسحاق کوفی ہے۔

(تاریخ کبیر ج ا ص ۳۲۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۲)

اس متروک الحدیث راوی سے بھی امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں احادیث روایت کی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "اسمعیل بن ابان الوراق الكوفي احد شيوخ البخاري ولم يكثر عنه" اسماعیل بن ابان امام بخاری کے استاذ ہیں اور امام بخاری نے ان سے بہت زیادہ احادیث روایت نہیں کی ہیں۔ (ھدی الساری ج ۲ ص ۱۵۱ طبع مصر)

ان کے علاوہ زبیر بن محمد التیمی سعید بن عروہ عبداللہ بن ابی لبید عبدالملک بن امین عبدالوارث بن سعید عطا بن السائب بن یزید اور کھمس بن منہال یہ تمام ضعیف راوی ہیں اور "کتاب الضعفاء" اور "تاریخ کبیر" میں امام بخاری نے ان کے ضعف کی تصریح کی ہے اس کے باوجود "صحیح بخاری" میں ان لوگوں کی روایات کو درج کیا ہے۔

بیان سند میں تسامح

ضعیف لوگوں سے روایت کے علاوہ کبھی امام بخاری سے سند میں راویوں کے نام کے سلسلے میں بھی خطا واقع ہو جاتی ہے چنانچہ امام بخاری نے "اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة" کے تحت ایک حدیث اس سند کے ساتھ وارد کی ہے: "حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال حدثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن حفص بن عاصم عن عبد الله بن مالك بن بحينة قال" الخ۔

اس سند کے بیان میں امام بخاری سے دو غلطیاں واقع ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے نہ کہ مالک کی اور امام بخاری نے اس کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے دوسری یہ کہ آگے چل کر فرماتے ہیں: "سمعت رجلا من الازد يقال له مالك بن بحينه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم راى رجلا" الحدیث اس حدیث کو انہوں نے مالک سے روایت کیا ہے حالانکہ یہ حدیث مالک کے بیٹے عبداللہ بن مالک سے مروی ہے مالک تو مشرف بہ اسلام بھی نہیں ہوئے تھے۔ مسلم نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس سند کو بیان کیا ہے لیکن ان کی سند میں یہ غلطیاں نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

الوهم فيه موضعين احدهما ان بحينة والدة عبد الله لا مالك و ثانيها ان الصحبة والرواية لعبد الله لا لمالك. (فتح الباری ج ا ص ۲۹ طبع مصر) اس روایت میں دو جگہ وہم ہے اول یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ ہے نہ کہ مالک کی ثانی یہ کہ صحابی اور راوی عبداللہ ہیں نہ کہ مالک۔

متن حدیث میں تسامح

سند حدیث کے علاوہ نفس حدیث کے متن میں بھی امام بخاری سے کافی تسامح واقع ہوئے۔ سطور ذیل میں ان میں سے بعض غلطیوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) کتاب الزکوۃ میں امام بخاری نے ایک حدیث وارد کی ہے:

عن عائشة ان بعض ازواج النبي صلى الله عليه وسلم قلن للنبي صلى الله عليه وسلم اينا اسرع بك لحوقا قال اطولكن يدا فاخذوا قصبة يذرعونها فكانت سودة اطولهن يدا فعلمنا بعد انما كانت طول يدها الصدقة وكانت اسرعنا لحوقا به صلى الله عليه وسلم وكانت تحب الصدقة.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے آپ سے عرض کیا کہ حضور! آپ کی ازواج میں سے کون سب سے پہلے آپ کے ساتھ واصل ہوگی؟ فرمایا: جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے' یہ سن کر سب اپنے اپنے ہاتھ ماپنے لگیں اور ان میں لمبے ہاتھ سودہ کے تھے اور بعد میں ہم کو معلوم ہوا کہ ہاتھوں کی لمبائی سے صدقہ مراد ہے اور سودہ کا سب سے پہلے انتقال ہوا اور وہ صدقہ سے محبت رکھتی تھیں۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۱۹۱ 'کراچی)

اس حدیث کے جملہ ''كانت اسرعنا لحوقا به'' میں ''كانت'' کی ضمیر سودہ کی طرف راجع ہے' جس کا مفاد یہی ہے کہ آپ کے بعد ازواج میں سب سے پہلے سودہ کا وصال ہوا اور یہ بات تمام اصحاب سیر اور ارباب تاریخ کی شہادت سے قطعاً باطل ہے کیونکہ آپ کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کا ۲۰ھ میں وصال ہوا اور حضرت سودہ کا وصال تو اس کے بہت بعد ۵۴ھ میں ہوا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۸۲ 'طبع مصر) اس حدیث میں راوی سے زینب کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: ''وكانت زينب اسرع لحوقا به'' ''صحیح مسلم'' میں یہ جملہ اس طرح ہے: ''وكانت زينب اطول يدا لانها كانت تعمل وتتصدق''۔ بہرحال یہ امام بخاری کا کام تھا کہ وہ اس راوی کی روایت کو اپنی ''صحیح'' میں درج کرتے' جس کی روایت میں یہ تاریخی غلطی نہیں ہوئی جیسا کہ امام مسلم نے کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ایک طویل بحث کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اس روایت میں ابوعوانہ کو وہم ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۰)

(۲) ''باب احداد المراة على غير زوجها'' کے تحت امام بخاری نے یہ حدیث وارد کی ہے:

عن زينب بنت ابى سلمة قالت لما جآء نعى ابى سفيان من الشام دعت ام حبيبة بصفرة فى اليوم الثالث فمسحت عارضيها وذراعيها. الحديث (صحیح بخاری ج ا ص ۷۰ 'طبع کراچی)

زینب بنت سلمہ کا بیان ہے کہ جب شام سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی تو حضرت ام حبیبہ نے تین دن کے بعد سوگ ختم کر دیا۔

اس حدیث میں امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابوسفیان کی وفات کی اطلاع شام سے آئی تھی' حالانکہ یہ بات تاریخی طور پر قطعاً غلط ہے کیونکہ باتفاق مؤرخین ابوسفیان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تھا' چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وفى قوله من الشام نظر لان ابا سفيان مات بالمدينة بلا خلاف بين اهل العلم با لاخبار والجمهور على انه مات اثنتين وثلاثين وقيل سنة ثلاث وله فى شيى من طرق هذا الحديث تقييده بذلك الا فى رواية سفيان بن عيينة هذه واظنها وهما.

اس روایت میں شام کے لفظ پر اعتراض ہے کیونکہ مورخین میں سے کسی کا اس بات پر اختلاف نہیں ہے کہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوا تھا اور اس واقعہ میں شام کی قید میں نے سفیان بن عیینہ کی روایت کے سوا اور کہیں نہیں دیکھی اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۸۸ طبع مصر)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو درج کرنے میں امام بخاری نے کامل غور وخوض اور تحقیق وتتبع سے کام نہیں لیا۔

(۳) ''فضل من شهد بدرا'' اورغزوۃ الرجیع میں امام بخاری نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: ''وقتل خبيب هو قتل الحارث بن عامر بن نوفل يوم بدر'' یعنی خبیب نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا' اس جگہ بھی امام بخاری نے سخت مغالطہ کھایا ہے کیونکہ خبیب نام کے دو شخص ہیں' خبیب بن عدی اور خبیب بن اساف اور تمام تر اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا' وہ خبیب بن اساف ہیں اور امام بخاری نے حدیث میں جس خبیب کا واقعہ ذکر کیا ہے' جن کو مشرکین نے گرفتار کر کے مکہ میں سولی دے دی تھی' وہ خبیب بن عدی ہیں' اور خبیب بن عدی نہ تو غزوہ بدر میں شریک ہوئے نہ انہوں نے حارث کو قتل کیا' لہٰذا ان کے بارے میں امام بخاری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خبیب نے حارث کو قتل کیا تھا' چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ان اهل المغازی لم يذكر احد منهم ان خبيب بن عدی شهد بدرا ولا قتل الحارث بن عامر وانما ذكروا ان الذی قتل الحارث بن عامر ببدر خبيب بن اساف وهو خبيب بن عدی وهو خزرجی' وخبيب بن عدی اوسی. (فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۴)

اہل مغازی میں سے کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ خبیب بن عدی جنگ بدر میں حاضر ہوئے اور نہ ہی انہوں نے حارث کو قتل کیا تھا۔ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے حارث کو قتل کیا' وہ خبیب بن اساف تھے اور اس واقعہ میں جس کا ذکر ہے' وہ خبیب بن عدی ہیں اور خبیب بن عدی قبیلہ اوس کے ہیں اور خبیب بن اساف قبیلہ خزرج کے۔

یہی اعتراض علامہ بدرالدین عینی نے بھی ''عمدۃ القاری شرح بخاری'' ج ۱۷ ص ۱۰۰ پر ذکر کیا ہے۔

(۴) ''باب مناقب عثمان'' میں امام بخاری نے ایک حدیث وارد کی ہے' جس میں ذکر ہے:

ثم دعا عليا فامره ان يجلد فجلده ثمانين. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲)

پھر حضرت عثمان نے حضرت علی کو بلا کر کوڑے لگانے کا حکم دیا تو انہوں نے اس کو اسی کوڑے لگائے۔

امام بخاری نے اس روایت میں اسی کوڑے مارنے کا ذکر کیا ہے' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی نے چالیس کوڑے مارے تھے' چنانچہ ابن حجر فرماتے ہیں:

فی رواية معمر فجلد الوليد اربعين جلدة وهذه الرواية اصح من رواية يونس والوهم فيه من الراوی. (فتح الباری ج ۸ ص ۵۷ طبع مصر)

معمر کی روایت میں ہے کہ ولید کو چالیس کوڑے لگائے گئے اور صحیح تر روایت یہی ہے اور اس روایت میں راوی کو وہم لاحق ہوا ہے۔

حافظ بدرالدین عینی بھی (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۰۴ میں) یہی فرماتے ہیں۔

(۵) ''باب ما ذكر فی الاسواق'' کے تحت امام بخاری نے مذکور ذیل حدیث وارد کی ہے:

عن ابی هريرة الدوسی قال خرج النبی صلى الله عليه وسلم فی طائفة النهار لا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت باہر نکلے اور آپ مجھ سے کلام فرماتے اور نہ میں نے

یکلمنی ولا اکلمه حتی اتی سوق بنی قینقاع فجلس بفنا بیت فاطمة. الحدیث.

آپ سے کلام کیا' یہاں تک کہ آپ بنوقینقاع کے بازار میں آئے اور حضرت فاطمہ کے گھر کے صحن میں جا کر بیٹھ گئے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۵)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا گھر بنی قینقاع کے بازار میں تھا' حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ ان کا مکان رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے مکانوں کے درمیان تھا۔ ناقل کو اس روایت میں وہم ہوا ہے۔

''صحیح مسلم'' کی روایت میں یہ وہم نہیں ہے'اس میں اس طرح ہے:'' حتی جآء سوق بنی قینقاع ثم انصرف حتی اتی فناء فاطمة ''یعنی حضور بنوقینقاع کے بازار تشریف لائے' پھر واپس تشریف لے گئے حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صحن میں داخل ہوئے' چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال الداؤدی ' سقط بعض الحدیث عن الناقل او ادخل حدیثا فی حدیث لان بیت فاطمة لیس فی سوق بنی قینقاع انتهی وما ذکره اولا احتمالا هو الواقع. (فتح الباری ج ۴ ص ۳۴۴)

داؤدی نے کہا کہ ناقل سے حدیث کے بعض الفاظ ساقط ہو گئے یا اس نے ایک حدیث کو دوسری میں داخل کر دیا کیونکہ حضرت فاطمہ کا مکان بنو قینقاع کے بازار میں نہیں تھا۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ داؤدی نے جو پہلا احتمال ذکر کیا ہے (یعنی ناقل سے بعض الفاظ ساقط ہو گئے ہیں) اصل میں وہی واقعہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے'' عمدۃ القاری'' ج ۱۱ ص ۲۳۹ ملاحظہ فرمائیں۔

استنباط مسائل میں تسامح

شروع میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس کتاب کی تدوین سے امام بخاری کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ تراجم ابواب پر استدلال کرنا بھی ان کے مقصد میں شامل ہے اور بشری تقاضا سے مسائل کے استنباط میں بھی امام بخاری سے غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ ہم یہاں پر بعض مثالیں پیش کر کے ان کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

(۱) امام بخاری نے'' تقضی الحائض المناسك کلها الا الطواف'' کے عنوان سے ایک باب ذکر کیا ہے اور اس کے تحت تعلیقاً یہ حدیث لائے ہیں:

کان النبی صلی الله علیه وسلم یذکر الله علی کل احیانه. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴)

رسول اللہ ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس حدیث کے لانے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جنبی شخص اور حائضہ عورت قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں حالانکہ یہ بات شرعاً ممنوع ہے' چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

اراد البخاری بایراد هذا وبما ذکر فی هذا الباب الاستدلال علی جواز قراءة الجنب والحائض لان الذکر اعم من ان یکون بالقران او لغیره. (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۷۴)

اس حدیث کو لانے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جنبی شخص اور حائضہ عورت قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہیں کیونکہ ذکر عام ہے اور قرآن اور غیر قرآن دونوں کو شامل ہے۔

اور حافظ ابن حجر اس باب کے تحت لکھتے ہیں:

ان مراده الاستدلال علی جواز قراءة الحائض والجنب. (فتح الباری ج ا ص ۴۲۳ طبع مصر)

اس حدیث سے امام بخاری کی مراد حائض اور جنبی کی قراءت قرآن پر استدلال ہے۔

(۲) ''اذا شرب الکلب فی الاناء'' اس عنوان کے تحت امام بخاری نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں' ایک حدیث یہ ہے:

عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ان رجلا رای کلبا یاکل الثری من العطش فاخذ الرجل خفه فجعل یغرف له به حتی ارواه فشکر اللّٰه له فادخله اللّٰه الجنة. (صحیح بخاری ج ا ص ۲۹ طبع کراچی)

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے' اس نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا۔ حتیٰ کہ اس کو سیراب کر دیا تو اللہ نے اس کے اس فعل کی مدد کی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

اس حدیث میں امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے' چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

استدل به المصنف علی طهارة سؤر الکلب. (فتح الباری ج ا ص ۸۹ طبع مصر)

مصنف نے اس حدیث سے کتے کے جھوٹے کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے:

کانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلم یکونوا یرشون من ذالك. (صحیح بخاری ج ا ص ۲۹ طبع کراچی)

عہد رسالت میں کتے مسجد میں آ جایا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ مسجد میں پیشاب بھی کر دیا کرتے تھے اور صحابہ اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ ابتدائی دور کی بات ہے' جب مسجد میں دروازے نہ تھے اور بعد میں مسجد کی تطہیر وتکریم کا حکم وارد ہوا اور مسجد میں دروازے لگائے گئے' تاہم زمین پر اگر پیشاب گر جائے اور دھوپ سے وہ خشک ہو جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے اور ان کے نہ دھونے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ زمین کی پاکیزگی کے لیے دھونا ضروری نہیں ہے۔ زمین خشک ہونے سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے' لیکن امام بخاری نے اس حدیث سے کیا ثابت کیا اور کون سا فقہی مسئلہ مستنبط کیا ہے' یہ حافظ بدر الدین عینی سے سنیے' فرماتے ہیں:

احتج به البخاری علی طهارة بول الکلب. (عمدة القاری ج ۳ ص ۴۴ طبع مصر)

اس حدیث سے امام بخاری نے کتے کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اعتذار

ہم نے اپنے اس مقدمہ میں امام بخاری کے مسامحات پر جو بحث کی ہے' اس سے ہرگز ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ امام بخاری کے مرتبہ اور مقام کو کم کیا جائے بلکہ ہم ان لوگوں کو حقیقت کی طرف لانا چاہتے ہیں' جو امام بخاری کو امام اعظم سے زیادہ گردانتے ہیں اور جو مرویات بخاری کو حرف آخر قرار دیتے ہیں۔

احادیث کے پرکھنے میں امام بخاری کا مقام سب سے اونچا ہے۔ چند مسامحات سے قطع نظر کہ کوئی بشر اس سے خالی نہیں' امام بخاری کی فن حدیث میں انتہائی عظیم حیثیت ہے۔ انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہنا بجا ہے لیکن اس کے باوجود بشری تقاضے سے ان سے بہرحال کچھ تسامح ہوئے ہیں جن کی ائمہ فن نے نشاندہی کی ہے۔ مجموعی طور پر ''صحیح بخاری'' کو مدون کر کے امام بخاری نے اسلام

کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے اور امت کی عظیم اکثریت قرآن کریم کے بعد''صحیح بخاری'' کو تواتر کے ساتھ بطور حجت مانتی چلی آ رہی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مصنف کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں احادیث بخاری کے انوار اور فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔(آمین)

صحیح بخاری کی شروح

کتب حدیث میں سب سے زیادہ''صحیح بخاری'' کی شروح لکھی گئی ہیں' حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ نے''کشف الظنون'' میں ۱۰۱۲ھ تک''بخاری'' کی پچاس سے زیادہ شروح گنوائی ہیں' ان تمام کا ذکر تو یہاں دشوار ہے' چند مشہور اور اہم شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) **اعلام السنن:** یہ امام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی التوفی ۳۸۸ھ کی تصنیف ہے اور یہ''بخاری'' کی سب سے پہلی شرح ہے' اس شرح میں عجیب وغریب نکات اور لطائف بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) **شرح البخاری:** یہ امام ابوالحسن علی بن خلف القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے' جو ابن بطال کے نام سے مشہور ہیں' اس شرح میں انہوں نے فقہ مالکی کو بیان کیا ہے اور بعد میں آنے والے شارحین میں سے یہ مشکل کوئی ایسا ہوگا جو ان کا ذکر نہ کرتا ہو۔یہ شرح اب چھپ چکی ہے اور ہم نے بھی نعمۃ الباری میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔

(۳) **شرح البخاری:** یہ امام فخر الاسلام علی محمد البزدوی الحنفی التوفی ۴۸۲ھ کی تالیف ہے اور نہایت مختصر شرح ہے۔

(۴) **شرح البخاری:** یہ شرح قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ کی تالیف ہے۔

(۵) **کتاب النجاح:** یہ شرح امام نجم الدین عمر بن النسفی الحنفی التوفی ۵۳۷ھ کی تصنیف ہے' یہ شرح حدیث کی روشنی میں مسائل حنفیہ کی تحقیق کے لیے بہترین کتاب ہے۔

(۶) **شواہد التوضیح:** یہ شیخ جمال الدین محمد بن عبداللہ النحوی التوفی ۶۷۲ھ کی تالیف ہے' اس میں مشکل اعاریب نحویہ کی توضیح کی گئی ہے۔

(۷) **التلویح:** یہ امام حافظ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی التوفی ۷۹۲ھ کی تصنیف ہے' یہ مبسوط شرح ہے اور اس میں تعلیقات پر بحث اور مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۸) **الکواکب الدراری:** یہ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی التوفی ۷۹۶ھ کی تصنیف ہے' اس شرح کے شروع میں علم حدیث کی فضیلت اور امام بخاری کا مفصل ترجمہ ذکر کیا گیا ہے' نیز الفاظ کے معانی لغویہ' اعاریب نحویہ' ضبط روایات' اسماء رجال اور القاب رواۃ بیان کیے گئے ہیں اور احادیث متعارضہ میں تطبیق کی گئی ہے' بعد میں آنے والے اکثر شارحین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

(۹) **منح الباری:** یہ شرح علامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی الشیرازی التوفی ۸۱۷ھ کی تصنیف ہے' صرف ربع کتاب کی شرح بیس جلدوں میں کی گئی ہے' اس سے آگے یہ شرح نہیں لکھی جا سکی۔اس شرح میں محی الدین ابن عربی کی ''فتوحات مکیہ'' سے عبارات بہت زیادہ نقل کی گئی ہیں۔

(۱۰) **مصابیح الجامع:** یہ علامہ بدرالدین محمد بن ابی بکر الدمامینی التوفی ۸۲۸ھ کی شرح ہے' یہ بادشاہ ہند احمد شاہ بن محمد بن مظفر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

(۱۱) **الکوثر الجاری:** یہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ کی شرح ہے' اس کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کی گئی ہے' اس میں حل لغات اور ضبط اسماء رواۃ پر زور دیا گیا ہے اور حافظ ابن حجر اور کرمانی کا بالخصوص رد کیا گیا ہے۔

(۱۲) **التوشیح علی الجامع الصحیح:** یہ حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی شرح ہے' اس میں زیادہ تر لغوی معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۳) **ارشاد الساری:** یہ شرح شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ کی تصنیف ہے۔ دس مجلدات پر مشتمل ہے' کتاب کے شروع میں امام بخاری کی مفصل سوانح ذکر کی گئی ہے' اس شرح میں ''فتح الباری'' سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

سطور بالا میں جن شروح کا ذکر کیا گیا ہے' حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں ان کے علاوہ اور پینتیس سے زیادہ شروح کا ذکر کیا ہے' لیکن طوالت کی وجہ سے ہم ان کے ذکر کو ترک کر رہے ہیں۔

''صحیح بخاری'' کی سب سے زیادہ مشہور' مفصل' مفید اور متداول دو شرحیں ہیں: ''عمدۃ القاری'' اور ''فتح الباری''۔ ''عمدۃ القاری'' حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے اور ''فتح الباری'' حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے۔ اب ہم سطور ذیل میں ان دونوں شرحوں کا مفصل تعارف کرا رہے ہیں۔

فتح الباری

یہ شرح حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے۔ اس شرح کو ''صحیح بخاری'' کی عظیم ترین شروح میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ۸۱۳ھ میں اس کی تصنیف شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو سترہ جلدوں میں مکمل کیا' شرح کے علاوہ ایک ضخیم جلد میں اس کا مقدمہ لکھا' جس کے دو جز و ہیں اور دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں امام بخاری کی مفصل سوانح' صحیح بخاری کی خصوصیات اور دیگر فوائد حدیثیہ بیان کیے گئے ہیں۔

اس شرح میں حافظ ابن حجر حدیث کی فنی حیثیت اور رجال پر گفتگو کرتے ہیں' مشکل الفاظ کے معانی' عنوان باب سے مناسبت' استنباط مسائل اور فقہ شافعی بیان کرتے ہیں' سوالات واردہ کے جوابات اور متعارض احادیث میں تطبیق دیتے ہیں' جو حدیث متعدد بار آتی ہے' اس کی شرح میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جس باب پر حدیث کی دلالت صراحۃً اور مطابقۃً ہوتی ہے' وہاں اس کی مفصل شرح کرتے ہیں اور جن ابواب پر اس کی دلالت ضمناً بالتبع ہوتی ہے' وہاں اجمال سے کام لیتے ہیں۔ بہرنوع یہ شرح متعدد خوبیوں کی حامل ہے اور اس کو قبول خاص وعام حاصل ہوا۔ اب دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۶ھ نے آٹھ جلدوں میں ''صحیح بخاری'' کی احادیث کی تخریج کے ساتھ اس کو شائع کر دیا ہے۔

عمدۃ القاری

یہ شرح الشیخ الامام حافظ بدرالدین محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ ''صحیح بخاری'' کی اس سے بہتر شرح آج تک نہیں لکھی گئی۔ حافظ بدرالدین عینی نے اس شرح کو ۸۲۱ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں اس کو پچیس اجزاء میں مکمل کیا' جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے۔

علامہ ابن حجر اور حافظ عینی میں معاصرانہ چشمک تھی' علامہ عینی جامع مویدی میں برج شمالی پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کا ایک منارہ بوسیدہ ہو چکا تھا' اس کو تعمیر جدید کے لیے گرا دیا گیا' اس موقع پر حافظ ابن حجر نے یہ اشعار کہے

لجامع مولانا المؤید رونق   منارته تزهو بالحسن وبالزين

تقول وقد مالت عليهم امهلوا　　　فليس على حسنى اضرمن العين

''جامع موید بڑی بارونق ہے'اس کا منارہ بہت حسین وجمیل تھا' وہ جھکتے وقت زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو کیونکہ میرے حسن و جمال کے لیے اصل نقصان دہ چیز نظر بد یا علامہ عینی ہیں'' اس میں لفظ'' عین'' سے علامہ عینی کا توریہ کیا گیا ہے۔

علامہ عینی کو جب ان اشعار کا پتا چلا تو انہوں نے حافظ ابن حجر کی طرف یہ اشعار لکھوا کر بھیجے

منارة كعروس الحسن قد حليت　　　وهدمها بقضاء اللّٰہ والقدر

قالوا اصيبت بعين قلت ذا غلط　　　ما افة الحجر الا خسة الحجر

''وہ منارہ دلہن کی طرح حسین اور خوبصورت تھا' جس کا گرنا حقیقت میں قضاوقدر کے سبب سے تھا' لوگوں نے کہا: اس کو نظر لگ گئی' میں کہتا ہوں: وہ غلط ہیں۔ لیکن اس کو گرانے کا سبب حجر (پتھر یا ابن حجر) کی خستہ حالی تھی''۔ ان اشعار میں علامہ عینی نے جوابا ''حجر'' کے لفظ سے ابن حجر کا کنایہ کیا ہے۔

جس زمانہ میں علامہ عینی شرح لکھ رہے تھے' حافظ ابن حجر بھی لکھ رہے تھے اور وہ علامہ عینی سے پہلے لکھنا شروع کر چکے تھے۔ برہان بن خضر نے حافظ ابن حجر کی اجازت سے ان کا مسودہ لیا اور علامہ عینی نے ان سے مسودہ عاریۃً مانگ لیا۔ حافظ عینی نے علامہ ابن حجر کے مسودہ کا مطالعہ کیا اور اپنی شرح میں اس کا ساتھ ساتھ رد لکھتے گئے' جب یہ شرح مکمل ہو کر لوگوں کے سامنے آئی تو حافظ ابن حجر اور ان کے تلامذہ حیران رہ گئے۔ حافظ ابن حجر نے بعد میں علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں'' انتقاض الاعتراض'' کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی' لیکن عمر نے وفا نہ کی اور کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی ابن حجر کا انتقال ہو گیا' بہر حال انہوں نے جتنی کتاب لکھی ہے' اس میں بھی عینی کے اکثر اعتراض کے جوابات نہیں بن سکے۔

حافظ بدرالدین عینی اپنی شرح میں پہلے حدیث کی قرآن کریم سے مطابقت بیان کرتے ہیں' پھر کتاب' ترجمۃ الباب اور حدیث سابق سے اس کی مناسبت بیان کرتے ہیں' اس کے بعد رجال پر گفتگو کرتے ہیں اور جس صحابی سے حدیث مروی ہو' اس کی مختصر سوانح لکھتے ہیں' انواعِ حدیث میں سے اس حدیث کی نوع بیان کرتے ہیں'' صحیح بخاری'' میں جن ابواب کے تحت وہ حدیث مکرر آتی ہے' ان کا ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاری کے علاوہ جن محدثین نے اپنی تصانیف میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے' ان کا بیان کرتے ہیں' پھر الفاظ حدیث کی لغت' اعراب' معانی' بیان اور بدیع کے اعتبار سے اس حدیث کی شرح کرتے ہیں' حدیث کا مورد' اس سے مستنبط مسائل اور فوائد اور اس کے تحت مختلف فقہی مسالک بیان کرتے ہیں۔ امام اعظم کے مذہب کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور جس جس مقام پر دیگر شراح اور بالخصوص ابن حجر سے اختلاف ہو' اس کا رد کرتے ہیں۔

عینی کی ایک خاص خوبی جس میں وہ تمام شراح سے ممتاز ہیں' یہ ہے کہ وہ حدیث کی شرح کو متعدد اجزاء اور ابحاث میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر مبحث سے پہلے اس کی ذیلی سرخی اور عنوان قائم کرتے ہیں' جس کی وجہ سے اس کتاب سے استفادہ میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

جو احادیث مکرر ہیں' ان میں علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار جس باب کے تحت وہ حدیث آتی ہے' وہاں اس کی مفصل شرح کر دیتے ہیں اور بعد میں جب اس حدیث کا دوبارہ ذکر آتا ہے تو اس پر سرسری گفتگو کرتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ'' صحیح بخاری'' کی پہلی جلد کی علامہ عینی نے سولہ اجزاء میں شرح کی ہے اور دوسری جلد کی شرح باقی نو اجزاء میں پوری کر دی ہے۔

اب دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ کی طرف سے'' عمدۃ القاری'' نہایت ترتیب اور ترقیم کے ساتھ پچیس جلدوں میں شائع

ہو چکی ہے۔

حاجی خلیفہ کے نزدیک ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کا موازنہ

حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

بعض فضلاء نے حافظ ابن حجر سے ذکر کیا کہ علامہ عینی کی شرح آپ کی شرح پر راجح ہے کیونکہ ان کی شرح میں جو مباحث کو منظم انداز سے پیش کیا گیا ہے اور لغت' نحو' صرف' بلاغت' استنباط مسائل اور سوالات اور جوابات کی جو حسین ترتیب ہے' وہ آپ کی شرح میں نہیں ہے' تو حافظ ابن حجر نے فوراً جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو انہوں نے رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے اور میں ان سے پہلے اس شرح سے واقف تھا' لیکن میں نے اس سے نقل کرنے کو اس لیے چھوڑ دیا کہ وہ نامکمل ہے' انہوں نے اپنی شرح کا ایک قطعہ لکھا ہے اور مجھے یہ خطرہ ہوا کہ جب بعد میں ان کی شرح نہیں ہوگی تو مجھے وہ اسلوب چھوڑنا پڑے گا اور یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی نے بھی اتنے حصہ کو نقل کرنے کے بعد پھر اس طرح بالکل شرح نہیں لکھی۔

بہر حال علامہ عینی کی شرح تمام مباحث کو شامل اور کامل ہے' لیکن وہ اس طرح مشہور نہیں ہوئی جس طرح ''فتح الباری'' اپنے مؤلف کی حیات میں مشہور ہوئی ہے۔ (کشف الظنون ج۱ ص ۵۴۹ مطبعہ اسلامیہ طہران ۱۳۸۷ھ)

مصنف کے نزدیک ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کا موازنہ

حاجی خلیفہ نے جو یہ کہا ہے کہ ''عمدۃ القاری'' کو ''فتح الباری'' کی طرح شہرت اور پذیرائی حاصل نہیں ہوئی سو یہ ان کا اپنا خیال ہے' درحقیقت ''عمدۃ القاری'' کو ''فتح الباری'' سے زیادہ شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں فقہ حنفی کے پیروکار فقہ شافعی کے پیروکاروں سے بہت زیادہ ہیں اور چونکہ ''عمدۃ القاری'' میں فقہ حنفی کی وکالت کی گئی ہے' اس لیے ''عمدۃ القاری'' کے طالبین ''فتح الباری'' سے بہت زیادہ ہیں۔

حافظ بدرالدین کی نظر اور ان کا مطالعۂ حدیث حافظ ابن حجر سے بہت زیادہ ہے' صحیح بخاری کی احادیث کی شرح میں حافظ عینی نے جس قدر کثرت سے احادیث کو وارد کیا ہے' حافظ ابن حجر کی ''فتح الباری'' میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں' حافظ عینی ان میں سے ہر تعلیق کا ماخذ بتاتے ہیں' جب کہ حافظ ابن حجر شاذ و نادر کسی تعلیق کا ماخذ ذکر کرتے ہیں۔

''صحیح بخاری'' میں جو قرآن مجید کی آیات آتی ہیں' حافظ عینی معتبر تفاسیر سے ان آیات کی تفسیر ذکر کرتے ہیں' جب کہ حافظ ابن حجر کی شرح میں یہ چیز نہیں ہے اور حافظ عینی کی تفسیر میں اکثر احادیث کا ذکر ہوتا ہے۔

''صحیح بخاری'' کی جس حدیث کی علامہ عینی شرح کرتے ہیں' وہ بتاتے ہیں کہ یہ حدیث ''صحیح بخاری'' میں اور کن کن مقامات پر ہے اور دیگر کن کن کتب حدیث میں اس حدیث کا ذکر ہے اور ''فتح الباری'' اس تفصیل سے خالی ہے۔

حافظ عینی ہر باب کی دوسرے باب کے ساتھ مناسبت ذکر کرتے ہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح بخاری'' کے تمام ابواب ایک سلک میں منسلک ہیں اور ''فتح الباری'' اس خوبی سے خالی ہے۔

احادیث کی تراجم الابواب کے ساتھ مناسبت ہر چند کہ بعض مقامات پر ''فتح الباری'' میں بھی مذکور ہوتی ہے' لیکن انہوں نے ہر باب میں اس کا التزام نہیں کیا جب کہ ''عمدۃ القاری'' میں ہر حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بیان کی گئی ہے۔

فقہاء کے مذاہب بھی جس تفصیل سے ''عمدۃ القاری'' میں مذکور ہوتے ہیں' ''فتح الباری'' میں اس تفصیل سے مذکور نہیں ہوتے۔

حدیث سے مسائل کے استنباط میں بھی ''فتح الباری'' کی ''عمدۃ القاری'' سے کوئی نسبت نہیں' حافظ عینی ہر حدیث کی شرح میں استنباط مسائل کا عنوان قائم کرتے ہیں' جب کہ ''فتح الباری'' میں ہر حدیث سے مسائل کا استنباط نہیں ہوتا اور جہاں ہوتا ہے' وہاں علامہ عینی کی بہ نسبت بہت کم مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

حاجی خلیفہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ علامہ عینی نے رکن الدین کی شرح نقل کی ہے' اس کی حقیقت بھی افتراء اور اتہام سے زیادہ نہیں ہے' علامہ عینی متقدمین شارحین میں سے جس کا بھی اقتباس نقل کرتے ہیں' اس کا نام ذکر کرتے ہیں اور کسی شارح کی بات اس کے حوالے کے بغیر نہیں کرتے' اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح ابھی ۱۴۲۰ھ میں ریاض سے چھپی ہے' علامہ عینی غالباً اس کے قلمی نسخہ سے اپنی شرح میں اقتباسات ذکر کرتے ہیں اور ہر جگہ ان کے نام کا حوالہ دیتے ہیں' اگر علامہ عینی نے کہیں رکن الدین کا اقتباس لیا ہوتا تو وہ ان کے بھی نام کا حوالہ دیتے۔

حافظ ابن حجر کی شرح ''فتح الباری'' اگرچہ علامہ عینی کی شرح ''عمدۃ القاری'' کے پائے کی نہیں لیکن وہ بھی بہت عمدہ شرح ہے' تاہم اپنی شرح میں وہ جس باب میں مزید شرح کرنے کا ذکر کرتے ہیں' اس باب میں جا کر وہ بھول جاتے ہیں اور ان کی عبارات میں تعارض اور تضاد بھی بہت ہے' جس کی چند مثالیں ہم ذکر کر رہے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی جس باب میں مزید شرح کا ذکر کرتے ہیں' اس باب میں ان کا شرح کو بھول جانا

حافظ ابن حجر عسقلانی کا طریقہ یہ ہے کہ جو حدیث صحیح بخاری میں متعدد بار آتی ہے' وہ اس حدیث کی مختصر شرح کرنے کے بعد لکھ دیتے ہیں کہ ہم اس حدیث کی مفصل شرح فلاں باب میں کریں گے' لیکن بعض اوقات وہ بھول جاتے ہیں اور جس باب کا وہ حوالہ دیتے ہیں' اس باب میں اس کی شرح بالکل نہیں کرتے یا بالکل سرسری کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۱۱۴ حدیث قرطاس کی شرح میں لکھا: ان شاء اللہ اس کی تفصیلی بحث ''کتاب الاعتصام'' میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۵۸' دار المعرفہ' بیروت) یہ حدیث ''کتاب الاعتصام'' میں حدیث نمبر ۷۳۶۶ پر درج ہے' لیکن حافظ ابن حجر نے وہاں پر اس پر تفصیلی بحث نہیں کی۔ دیکھئے: فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۴' دار المعرفہ' بیروت۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۲۲۱' مسجد میں اعرابی کے پیشاب کرنے کی حدیث کی شرح میں لکھا: ان شاء اللہ اس حدیث کے باقی فوائد ''کتاب الادب'' میں لکھے جائیں گے۔ کتاب الادب میں اس حدیث کا نمبر ۶۰۲۵ ہے' وہاں حافظ ابن حجر نے لکھ دیا ہے کہ اس کی شرح ''کتاب الطہارۃ'' میں گزر چکی ہے اور اس کے بقیہ فوائد نہیں لکھے' البتہ ''کتاب الادب'' میں اس حدیث میں ''**لا تزرموہ**'' کا لفظ ہے' جو ''کتاب الطہارت'' میں نہیں تھا' اس کا معنی انہوں نے ''**لا تقطعوا**'' لکھا ہے۔ دیکھئے: فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۳' دار المعرفہ' بیروت۔

(۳) صحیح البخاری: ۳۰۵ کی شرح میں حافظ ابن حجر نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حائض اور جنبی قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھرقل کو جو مکتوب بھجوایا تھا' اس میں آل عمران: ۶۴ مذکور تھی' جس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ھرقل کافر تھا اور کافر جنابت سے پاک نہیں ہوتا' پس ھرقل بھی جنبی تھا اور اس نے آل عمران: ۶۴ کو پڑھا' اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے' حافظ ابن حجر نے اس کے جواب میں کہا: جنبی کے لیے قرآن مجید پڑھنا اس وقت منع ہے' جب اس کو معلوم ہو کہ یہ قرآن مجید ہے اور وہ اس کی قصداً تلاوت کرے اور اس کے مزید جوابات ان شاء اللہ ''کتاب الجہاد'' میں آئیں گے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۸۲۲' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ) کتاب الجہاد میں ھرقل کی حدیث: ۳۱۷۴

ہے وہاں حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۳۱۴ 'حیض کی بد بو کے ازالہ کے لیے خوشبو لگانے کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس کی مزید شرح ان شاء اللہ ''کتاب الجنائز'' میں اپنے مقام پر آئے گی۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۲ 'دارالمعرفہ بیروت) یہ حدیث ''کتاب الجنائز'' میں نمبر ۱۲۷۹ پر ہے وہاں حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ دیکھئے: فتح الباری ج ۲ ص ۷۲۹۔ ۷۲۸۔

(۵) حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۳۴۰ 'چہرے اور ہتھیلیوں پر تیمم کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے: ہم اس پر مزید بحث ''باب التیمم ضربة'' میں کریں گے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۵ 'دارالمعرفہ بیروت) اور ''التیمم ضربة'' کے باب میں حافظ ابن حجر نے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ دیکھئے: فتح الباری ج ۲ ص ۲۵ 'دارالمعرفہ بیروت۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارات میں تعارض اور تضاد

صحیح البخاری: ۳۴۸ تک کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے بھولنے کی یہ چند مثالیں ہیں اور پوری ''فتح الباری'' میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے بھولنے کی یہی کیفیت ہے' ایک جگہ وہ ایک بات لکھتے ہیں اور دوسری جگہ اس کے بالکل برعکس لکھ دیتے ہیں' مثلاً ایک تعلیق میں ہے: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دارالبرید میں گوبر پر نماز پڑھی' اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گوبر پاک ہے' علامہ ابن بطال نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ نے اس گوبر کے اوپر کپڑا یا مصلّی بچھا کر نماز پڑھی ہو' حافظ ابن حجر نے اس جواب کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اصل کپڑا نہ بچھانا ہے اور سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا بدعت ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۶۳۔ ۷۶۲ 'دارالمعرفہ بیروت) حافظ ابن حجر کی یہ تحریر اس حدیث کے عنوان کی شرح میں ہے' اس کے چار صفحے بعد حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کی اصل صحیحین کی یہ حدیث ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر میں چٹائی پر نماز پڑھائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خمرہ (مصلّی) پر نماز پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۶۷ 'دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کی عبارات میں تعارض کی دوسری مثال یہ ہے کہ ''کتاب الحیض'' باب: ۲۳ ''عرق الجنب'' کی شرح میں انہوں نے لکھا: اس باب کا عنوان ہے کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا اور جب مسلمان نجس نہیں ہوتا تو اس کا پسینہ نجس نہیں ہے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کافر نجس ہوتا ہے اور اس کا پسینہ نجس ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۸۰۶ 'دارالمعرفہ بیروت) اس کے ایک صفحہ بعد اس باب کی حدیث: ۲۸۳ کی شرح میں وہ لکھتے ہیں کہ اہل ظاہر (غیر مقلدین) یہ کہتے ہیں کہ کافر نجس العین ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. (التوبۃ:۲۸) مشرکین محض نجس ہیں۔

(ابن حجر لکھتے ہیں:) اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ مشرکین صرف اپنے اعتقاد میں نجس ہیں' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کے ابدان نجس ہیں اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل کتاب عورتوں کو پسینہ بھی آتا ہے تو جب مسلمان اپنی اہل کتاب بیوی کے ساتھ لیٹے گا اور اپنا بدن اس کے بدن کے ساتھ مس کرے گا تو اس اہل کتاب عورت کا پسینہ مسلمان مرد کے جسم پر لگے گا' اس کے باوجود اہل کتاب عورت پر صرف اسی صورت میں غسل واجب ہوتا ہے' جس صورت میں مسلمان عورت پر غسل واجب ہوتا ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ زندہ آدمی (خواہ کافر ہو یا مومن) نجس العین نہیں ہوتا

ہے اور اس میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھا کہ کافر نجس ہے اور اس کا پسینہ نجس ہے اور اس باب کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ کافر نجس نہیں ہے اور نہ اس کا پسینہ نجس ہے۔ دیکھئے: فتح الباری ج ۱ ص ۸۰۷ دار المعرفہ بیروت۔

حافظ ابن حجر عسقلانی پر تنقید کرنے کا سبب

ہم نے اس جگہ طوالت سے بچنے کے لیے صرف ان دو مثالوں پر اقتصار کیا ہے ورنہ ''فتح الباری'' میں ایسی بہت مثالیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آپ حافظ ابن حجر عسقلانی ایسے عظیم محدث کی عبارات میں تعارض اور تضاد کو کیوں بیان کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ممدوح امام بخاری نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں امام اعظم ابوحنیفہ کی عبارات میں متعدد مقامات پر اپنے زعم میں تناقض اور تضاد ثابت کیا ہے وہاں پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی شدت سے تائید کی ہے اور اس تناقض اور تضاد کو برقرار رکھا ہے امام بخاری کے متعلق تو ہماری مجال نہیں ہے وہ ہمارے نزدیک فن حدیث میں ایسے ہی محترم ہیں جیسے علم فقہ میں ہمارے نزدیک امام اعظم ابوحنیفہ مکرم ہیں لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی سے قصاص لینے کا تو ہمیں حق پہنچتا ہے اس لیے ہم نے باب کے حوالہ جات میں حافظ ابن حجر کے نسیان اور تسامح کو واضح کیا ہے اور ان کی شرح کی عبارات میں ان کے تعارض اور تضاد کو بیان کیا ہے۔

جہاں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو بعض الناس سے تعبیر کر کے ان پر اعتراضات کیے ہیں وہاں علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے امام ابوحنیفہ کی طرف سے دفاع کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

مکتبۂ فکر دیوبند کی طرف سے کی جانے والی صحیح بخاری کی شروح

مکتبۂ فکر دیوبند کی طرف سے کی جانے والی ''صحیح بخاری'' کی قابل ذکر متعدد شروح ہیں ان میں ''فیض الباری'' عربی میں شرح ہے اور ''انوار الباری'' کشف الباری اور انعام الباری'' اردو میں شروح ہیں ہم سطور ذیل میں ان کا مختصر تعارف اور تبصرہ پیش کر رہے ہیں:

فیض الباری

یہ شرح چار جلدوں میں ہے اور علماء دیوبند کی طرف سے کی جانے والی شروح میں یہ واحد شرح ہے جو مکمل ہے یہ شرح شیخ محمد انور کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ نے عربی میں لکھوائی ہے ان کے شاگرد شیخ محمد بدر عالم میرٹھی نے ان کی تقریرات کو جمع کیا ہے یہ پہلی بار ۱۳۵۷ھ میں مطبع حجازی' قاہرہ میں چھپی' اس کے بعد یہ ہندوستان اور پاکستان کے مختلف مطابع میں چھپتی رہی ہے اس کی پہلی جلد ''کتاب التیمم'' پر محیط ہے اس میں مفصل شرح ہے دوسری جلد ''کتاب الصلوۃ'' سے ''کتاب الجنائز'' تک ہے اس کی شرح میں اختصار ہے تیسری جلد ''کتاب الزکوۃ'' سے ''کتاب الجہاد'' تک ہے اس میں اور زیادہ اختصار ہے اور چوتھی جلد ''کتاب بدء الخلق'' سے لے کر اخیر ''صحیح بخاری'' تک ہے اس میں بہت زیادہ اختصار ہے۔

شیخ انور کشمیری نے اس شرح میں بانیٔ دیوبند شیخ قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ سے کھل کر اختلاف کیا ہے امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اثر روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا کی ہیں ہر زمین میں ہمارے آدم کی طرح آدم ہیں اور ہمارے نوح کی طرح نوح ہیں اور یہاں تک ذکر کیا کہ ہمارے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح محمد ہیں۔

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

یہ اثر مرہ کی وجہ سے شاذ ہے اور جو چیز نبی ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور جو چیز آپ سے ثابت نہ ہو اس کا تسلیم کرنا اور اس پر ایمان لانا ہم پر واجب نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر نبی ﷺ کا ارشاد نہیں ہے لہٰذا اس کی شرح میں اپنے آپ کو تھکانا نہیں چاہیے۔ مولانا نانوتوی نے اس اثر کی شرح میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام انہوں نے ''تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس'' رکھا ہے اور اس میں یہ تحقیق کی ہے کہ نبی ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی اور زمین میں دوسرا خاتم ہو جیسا کہ اثر ابن عباس میں ہے اور مولانا نانوتوی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمین کے لیے اسی طرح آسمان بھی ہے جس طرح ہماری زمین کے لیے آسمان ہے اور قرآن مجید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام سات آسمان صرف اسی زمین کے لیے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابن عباس کے اس اثر کے ساتھ ہماری نماز اور روزہ کا کوئی امر متعلق نہیں ہے تو اس اثر کی شرح کو چھوڑنا بہتر ہے۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۳۳۴۔ ۳۳۳ مطبع حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری کی شرح کی درج ذیل عبارت بہت خطرناک ہے:

قرآن مجید میں تحریف معنوی بھی غیر قلیل ہے اور میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید میں تحریف لفظی بھی ہے یہ تحریف ان سے عمداً ہوئی ہے یا غلطی کی وجہ سے۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۳۹۵ مطبع حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ)

ہمارے پاس دار العلوم کراچی کا فتویٰ ہے جنہوں نے اس عبارت پر قائل کی تکفیر کر دی ہے۔

انوار الباری اُردو شرح صحیح البخاری

یہ کتاب شیخ انور شاہ کشمیری کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری کی تالیف ہے سات مجلدات اور ۱۹ اجزاء پر مشتمل ہے۔ جزاول محدثین اور فقہاء احناف کے تعارف پر مشتمل ہے اور جز ثانی میں محدثین اور فقہاء احناف کے علاوہ اکابر علماء دیو بند کا تعارف ہے۔ جز ۳ سے لے کر جز ۱۹ تک ''کتاب الجنائز'' کی شرح ہے اور بہت زیادہ طول دیا ہے اخیر میں عقائد پر بحث کی ہے بہر حال یہ شرح نامکمل ہے اور ''کتاب الجنائز'' تک ہے ادارہ تالیفات اشرفیہ نے چھاپی ہے۔

کشف الباری عما فی صحیح البخاری

اس کتاب کی اب تک نو جلدیں چھپی ہیں اور یہ ہنوز نامکمل ہے اور اس کے مصنف شیخ سلیم اللہ خان ابھی بقید حیات ہیں۔ جلد اوّل میں مقدمہ ہے اور اکابر علماء دیو بند کا تعارف ہے ص ۲۰۷ سے ''بدء الوحی'' کی احادیث کی شرح ہے اس جلد میں ''باب بدء الوحی'' کی سات احادیث کی شرح ص ۲۰۷ سے ۵۵۵ تک ہے اس کے بعد ''کتاب الایمان'' شروع ہے اس جلد میں کل بارہ احادیث کی شرح کی گئی ہے اور بہت زیادہ طول دیا ہے۔ جلد ثانی بھی ''کتاب الایمان'' کی شرح میں ہے اس میں حدیث: ۵۸ کی شرح آ گئی ہے جلد ثالث ''کتاب العلم'' میں ہے اور اس میں حدیث: ۹۷ تک کی شرح آ گئی ہے پھر انہوں نے ''کتاب العلم'' کو نامکمل چھوڑ دیا ہے اس کے بعد جلد رابع ''کتاب الجہاد والسیر'' سے شروع کی ہے اور درمیان میں کتاب الوضوء کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ کتاب الحج کتاب الصیام اور کتاب البیوع وغیرہ عبادات اور معاملات کے تمام اہم مباحث چھوڑ دیئے ہیں اس جلد میں حدیث: ۲۷۸۲ سے حدیث: ۲۷۷۷ تک کی شرح ہے کتاب الجہاد والسیر بھی نامکمل ہے جلد خامس میں ''کتاب المغازی'' ہے اور درمیان میں ''کتاب بدء الخلق'' اور ''کتاب المناقب'' کو چھوڑ دیا ہے وہ بھی نامکمل ہے جلد سادس میں ''کتاب التفسیر'' ہے جلد سابع فضائل قرآن کتاب النکاح اور کتاب الطلاق میں ہے جلد ثامن النفقات الاطعمۃ العقیقۃ الذبائح والصید الاضاحی الاشربۃ المرضی اور الطب میں ہے اور جلد تاسع الطب اللباس اور ادب میں ہے انہوں نے لکھا ہے: اس کے بعد دسویں جلد

''کتاب الاستیذان'' سے شروع ہوگی۔
شیخ سلیم اللہ خان کا ابتدائی چار جلدوں میں اسلوب یہ ہے کہ ''صحیح بخاری'' کی سند کے رجال کے تعارف میں ''تہذیب الکمال' تہذیب الاسماء واللغات'' و دیگر کتب اسماء رجال سے انہیں جو کچھ ملا وہ لکھ دیا ہے'' شرح ابن بطال' فتح الباری اور عمدۃ القاری'' سے استفادہ کیا ہے اور ہر بات کا حوالہ دیا ہے' ان چار جلدوں میں بہت زیادہ طوالت ہے' جس کی وجہ سے حدیث کے اساتذہ اور طلبہ بھی اکتاہٹ کا شکار ہوں گے۔ عام اُردو قارئین کے استفادہ کے لیے اس میں کچھ نہیں ہے' زیادہ تر علمی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے' زبان سہل اور رواں نہیں ہے۔ ہر جلد تقریباً ۸۰۰ صفحات کی ہے' آخری پانچ جلدوں میں انہوں نے اسماء رجال کی ابحاث کو لانا چھوڑ دیا ہے اور اعتدال کی راہ اختیار کر لی ہے' دیوبندی بریلوی مختلف فیہ مسائل میں ان کا انداز غیر سنجیدہ' غیر منصفانہ اور جارحانہ ہے۔

انعام الباری (دروس بخاری شریف)

اس کی ابھی تک چار جلدیں چھپی ہیں' اور اس کے مصنف شیخ محمد تقی عثمانی بقید حیات ہیں' پہلی جلد میں مبسوط مقدمہ کے علاوہ بدء الوحی اور کتاب الایمان کی شرح ہے' اس کے ۵۷۴ صفحات ہیں اور اس میں ۵۸' احادیث کی شرح ہے' دوسری جلد کے ۵۶۰ صفحات ہیں' اس میں کتاب التیمم تک کی شرح ہے اور صحیح بخاری:۳۴۸ تک احادیث ہیں۔ اس کے بعد جو تیسری جلد چھپی ہے اس پر جلد ۶ لکھا ہوا ہے' اس میں کتاب البیوع سے کتاب الحرث والمزارعۃ تک کی شرح ہے اور ۲۰۴۷ سے ۲۳۵۰ تک احادیث آ گئی ہیں اور چوتھی جلد پر جلد ۷ لکھا ہوا ہے' اس میں کتاب المساقاۃ سے کتاب الجزیہ تک کی شرح ہے' درمیان کی جلد ۳'۴'۵ نامعلوم وجوہ کی بناء پر ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں' دیوبندی بریلوی مختلف فیہ مسائل میں ان کا انداز بھی غیر شائستہ' غیر منصفانہ اور جارحانہ ہے۔

علماء اہل سنت کی طرف سے کی جانے والی ''صحیح بخاری'' کی شروح

اہل سنت و جماعت میں سے تین علماء نے ''صحیح بخاری'' کی شروح لکھی ہیں' مولانا سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ نے ''فیوض الباری'' لکھی ہے' مولانا غلام رسول رضوی رحمہ اللہ نے ''تفہیم البخاری'' لکھی ہے اور مولانا شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے ''نزھۃ القاری'' لکھی ہے' اور اس ناکارہ نے ''نعمۃ الباری'' کے نام سے ''صحیح بخاری'' کی شرح لکھنی شروع کی ہے' جس کی پہلی جلد پیش خدمت ہے' سطور ذیل میں ان کا تعارف اور تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

فیوض الباری

سید محمود احمد رضوی متوفی ۱۴۲۰ھ کی اس کتاب کی دس جلدیں چھپی ہیں' جو ''صحیح بخاری'' کے گیارہ پاروں پر مشتمل ہیں۔ ''صحیح بخاری'' کی یہ شرح اُردو شروح میں سب پر فائق ہے' علامہ رضوی نے اس شرح میں صرف قدیم شروح کے فوائد اور نکات پر اقتصار نہیں کیا' بلکہ اس شرح میں اپنا حاصل مطالعہ بھی پیش کیا ہے' اس شرح میں انہوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے' اس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں: اس شرح میں امور ذیل کا خیال رکھا گیا ہے:
(۱) حدیث کا لفظی ترجمہ (۲) الفاظ حدیث کی حسب ضرورت لغوی تحقیق (۳) حدیث کے مسائل و احکام کی تفصیل (۴) ائمہ اربعہ کا حدیث زیر بحث سے استدلال اور ان کے مابین اختلاف آراء کے دلائل کی وضاحت (۵) امام بخاری نے ہر حدیث کو پوری سند کے ساتھ لکھا ہے' میں نے بوجہ اختصار ابتدائی سند کو حذف کر دیا ہے (۶) امام بخاری ایک ہی حدیث کو متعدد عنوانات کے ماتحت متعدد بار ذکر کرتے ہیں' میں نے امام بخاری کا ہر عنوان قائم رکھا ہے' البتہ حدیث مکرر کو صرف ایک ہی جگہ ذکر کیا ہے (۷) جس عنوان

میں حدیث مکرر آتی ہے وہاں میں نے اس کی مناسبت سے بلکہ بعض اوقات اس کے جملے بھی لکھ دیئے ہیں اور یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ یہاں حدیث مکرر ہے اس کو ترک کیا گیا ہے (۸) ایک جگہ اگر کوئی حدیث مختصر مذکور ہے اور دوسری جگہ مفصل ہے تو مفصل حدیث کو دوبارہ جہاں وہ آئی ہے ضرور باقی رکھا ہے اسی طرح جس مکرر حدیث میں کوئی لفظ ایسا درج ہے جس سے نیا مسئلہ معلوم ہوتا ہے تو ایسی حدیث کو بھی جہاں وہ آئی ہے باقی رکھا ہے۔

علامہ رضوی نے ''فیوض الباری'' لکھنے کی کب ابتداء کی اس کا پتا نہیں چلا لیکن جلد اوّل کے اختتام پر جو تاریخ درج ہے وہ یہ ہے: ۸ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ/ ۳ نومبر ۱۹۵۸ء

فیوض الباری کی دسویں جلد کتاب الشروط پر ختم ہے اور اس کی آخری حدیث کا نمبر: ۲۵۴۳ ہے اور اس کے اختتام پر جو تاریخ درج ہے وہ یہ ہے: ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ/ ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء۔ ''فیوض الباری'' کی ۱۲۔۱۱ جلد بھی چھپی ہے جلد ۱۲ کے چار پانچ صفحات ہیں اور اس کے آخر میں تاریخ درج نہیں ہے۔

گویا پورے تیس سال میں مرحوم نے ''صحیح بخاری'' کے گیارہ پاروں کی شرح لکھی لیکن اس شرح کی تصنیف کے دوران انہوں نے اور بہت کتابیں تصنیف کیں اور متعدد دینی اور سماجی خدمات میں مصروف رہے آخری جلد کی تصنیف کے دوران دمہ کی تکلیف میں مبتلا ہو گئے تھے اور اسی تکلیف میں ۳ رجب ۱۴۲۰ھ/ ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ان کی وفات ہوگئی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) جس سال ''فیوض الباری'' کی پہلی جلد آئی ہے اسی سال (۱۹۵۸ء) میں میں نے رحیم یار خاں میں حصولِ تعلیم کا آغاز کیا تھا اب اس بات کو ۵۰ سال ہو چکے ہیں آٹھ سال بعد میں نے فراغت حاصل کی اور تقریباً ۴۲ سال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر متعدد تصانیف کے علاوہ دار العلوم نعیمیہ کراچی میں قیام کے بیس سال میں ''شرح صحیح مسلم'' کی ۷ مجلدات اور ''تبیان القرآن'' کی بارہ (۱۲) مجلدات لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ وذالك فضل اللّٰه یوتیه من یشاء.

تفہیم البخاری

یہ کتاب علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ کی تالیف ہے جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے اس شرح کے اسلوب کے متعلق خود علامہ رضوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بندہ مسکین نے یہ التزام کیا ہے کہ حدیث اگرچہ متکرر ہی ہو اس کا بامحاورہ ترجمہ اور مقتضی حال کے مطابق وضاحت کرتے ہوئے تطویل سے احتراز کیا ہے جب کہ اہم مقامات میں مناسب تفصیل ذکر کی ہے اور حدیث ترجمہ اور وضاحت کا ایک ساتھ نمبر ذکر کیا ہے اور وضاحت میں شروح بخاری میں سے ''عمدۃ القاری فتح الباری ارشاد الساری اور الکوکب الدراری'' سے اقتباس کے ساتھ ساتھ دیگر شروح احادیث سے بھی اقتباس کیا ہے اس کے علاوہ بعض اساتذہ کرام سے ماخوذ فوائد کے علاوہ کچھ زوائد بھی ذکر کیے ہیں جن سے نفس حدیث کی تفہیم ہو جاتی ہے اور اس بات کا خیال کیا گیا ہے کہ تفہیم میں بہ قدر ضرورت ائمہ کرام کے مسالک کی وضاحت کر کے حنفی مذہب کے مطابق جامع تشریح کی جائے تاکہ حنفی مسلک کے مطابق حدیث سمجھنے میں اشکال نہ رہے اسی لیے اس کو ''تفہیم البخاری'' سے موسوم کیا ہے۔ (تفہیم البخاری ج ۱ ص ۴۔۳)

جلد اوّل کے اوّل و آخر کہیں پر بھی تاریخ مذکور نہیں ہے لیکن مجھے اس طرح یاد پڑتا ہے کہ اس کی پہلی جلد ۱۹۷۷ء میں طبع ہوئی تھی البتہ اس کی گیارہویں جلد کے آخر میں یہ تاریخ درج ہے: ۱۴ صفر ۱۴۰۷ھ/ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۷ء۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً دس سال میں مکمل ''صحیح بخاری'' کی شرح لکھی گئی اور اردو شروح میں یہ واحد شرح ہے جو ''صحیح

بخاری'' کی مکمل شرح ہے جس میں ''صحیح بخاری'' کی مکرر اور غیر مکرر تمام احادیث کی مکمل شرح کی گئی ہے۔

علامہ غلام رسول رضوی کی ۲۷ شعبان ۱۴۲۲ھ/ ۱۴ نومبر ۲۰۰۱ء کو وفات ہوگئی اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری

یہ کتاب مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۲۲ھ کی تالیف ہے' جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے' اس کتاب کے اسلوب کے متعلق خود علامہ شریف الحق امجدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱) کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لیے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے' وہ بھی جہاں میں نے مناسب جانا وہاں' البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے۔

(۲) ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا' اس لیے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا' مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا مذکور ہے' نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا' وہ ایک عنوان' احکام مستخرجہ قائم کر کے پورا کر دیا ہے۔

(۳) جو حدیث جس صحابی سے مروی ہے' ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں' کہیں کہیں بعض تابعین کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

(۴) میں نے ہر حدیث پر نمبر لگا دیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔

(۵) حدیث ''بخاری شریف'' میں کہاں کہاں ہے اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں ہے' اس کے حوالے حاشیہ میں دے دیئے ہیں' عینی میں اس کی تفصیل ہے' مگر علامہ عینی صرف کتاب کا حوالہ دیتے ہیں' یہ معلوم کر کے یہ حدیث کس کتاب میں ہے' حدیث کی تلاش میں دشواری کم تو ہو جاتی ہے' مگر بہت کچھ باقی رہتی ہے' اس لیے میں نے باب کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔

(نزہۃ القاری ج ۱ ص ۵۴ فرید بک سٹال لاہور)

علامہ شریف الحق نے لکھا ہے: اس شرح کو انہوں نے ۲۱ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ/ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں شروع کیا۔ (نزہۃ القاری ج ۱ ص ۴۴) اور انہوں نے گیارہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ/ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۸ء شب پنجشنبہ گیارہ بجے اس کو مکمل کیا' کل سولہ سال آٹھ ماہ بیس دن میں یہ شرح مکمل ہوئی۔ علامہ مرحوم نے دس علماء اور مدرسین کے نام لکھے ہیں' جنہوں نے اس کام میں ان کا زبردست ہاتھ بٹایا' پھر چھ علماء کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے' جو رات کا اکثر حصہ شرح لکھوانے میں گزار دیتے تھے۔ (نزہۃ القاری ج ۵ ص ۹۸۱-۹۸۰)

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی شریف الحق امجدی کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کا مقام بلند فرمائے' اہل سنت کے وہ تیسرے عالم ہیں' جنہوں نے حدیث شریف پر ایک وقیع کام کیا اور ''صحیح بخاری'' کی اُردو میں ایک متوازن شرح لکھی۔

فجزاہ اللّٰہ تعالٰی احسن الجزاء.

نعمۃ الباری

تیرہ ذوالحج ۱۴۲۶ھ بہ روز جمعہ میں نے ''تبیان القرآن'' کی تکمیل کی اور اسی روز میں نے ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' لکھنے کا آغاز کر دیا' یہ روز سعید میرے لیے تین اعتبار سے عید کا دن تھا (۱) یہ عید الاضحیٰ کا دن تھا (۲) جمعہ کا دن بھی تھا' جو کہ مسلمانوں کے لیے عید کا دن ہے (۳) جس دن مسلمانوں کو کوئی نعمت ملے' وہ دن بھی ان کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور اس دن مجھے دو نعمتیں ملیں' ''تبیان القرآن'' کی تکمیل ہوئی اور ''نعمۃ الباری'' کا آغاز ہوا۔

نعمۃ الباری کی خصوصیات

(۱) عام طور پر کتب احادیث کے تراجم اور اُردو شروح میں سند حدیث کا ترجمہ نہیں کیا جاتا' میں نے '' صحیح بخاری'' کی ہر حدیث کی سند کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔

(۲) سند کے رجال کا مکمل تعارف پیش کیا ہے۔

(۳) سند حدیث میں جس صحابی کا پہلی بار نام آیا' اس کے کوائف اور اس کا سن وفات ذکر کیا ہے۔

(۴) امام بخاری نے حدیث کا جو عنوان ذکر کیا ہے' اس کی وضاحت کی ہے' اس کا لغوی اور شرعی معنی بیان کیا ہے اور اس عنوان کی عنوان سابق کے ساتھ مناسبت بیان کی ہے۔

(۵) باب کے عنوان کی حدیث کے ساتھ مناسبت بیان کی ہے۔

(۶) امام بخاری نے باب کے عنوان میں جو قرآن مجید کی آیات پیش کی ہیں' ان کی تفسیر معتمد کتب تفسیر سے باحوالہ بیان کی ہے۔

(۷) امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں' ان کی اصل حدیث' جلد' صفحہ یا حدیث نمبر کے اعتبار سے باحوالہ بیان کی ہیں۔

(۸) تعلیقات کی بھی کہیں مفصل اور کہیں بہ قدر ضرورت تشریح کی ہے۔

(۹) صحیح بخاری کی ہر حدیث کی مکمل تخریج کی ہے اور تمام احادیث کو باحوالہ بیان کیا ہے۔

(۱۰) صحیح بخاری کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث باحوالہ بیان کی ہیں۔

(۱۱) جس جگہ ضروری ہوا' وہاں الفاظ حدیث کے اختلاف کو بھی باحوالہ بیان کیا ہے۔

(۱۲) حدیث کی تشریح میں جن احادیث کو ذکر کیا ہے' ان کے بھی حوالہ جات ذکر کیے ہیں۔

(۱۳) استنباط مسائل کے ضمن میں مذاہب ائمہ' ان کے دلائل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

(۱۴) امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید میں بہ کثرت دلائل ذکر کیے ہیں۔

(۱۵) امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جہاں علامہ ابن بطال مالکی' علامہ ابن قدامہ حنبلی یا حافظ ابن حجر عسقلانی نے اعتراضات کیے ہیں' ان کے مستحکم جوابات دیے ہیں۔

(۱۶) حافظ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شروح کے اختلاف کو ذکر کیا ہے اور حسب ضرورت ان کے درمیان محاکمہ کیا ہے۔

(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات' تمام نبیوں پر آپ کی فضیلت اور آپ کے دیگر فضائل اور کمالات' بارگاہ الوہیت میں آپ کی وجاہت' آپ کی شفاعت' آپ کی شفا رسانی' آپ کے تصرفات اور آپ کے اختیارات کے ثبوت میں احادیث پیش کی ہیں اور اس کی تائید میں مسلم علماء کی عبارات پیش کی ہیں۔

(۱۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں احادیث کو واضح کیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کے مسکت جوابات دیے ہیں۔

(۱۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی وسعت کو اکابر علماء دیوبند کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے۔

(۲۰) غیر مقلدین کا مسلک جہاں جمہور علماء اسلام سے مختلف ہے' وہاں ان کا ٹھوس دلائل سے رد کیا گیا ہے۔

(۲۱) منکرین حدیث کے حدیث پر اعتراضات کے متین جوابات دیے گئے ہیں۔

(۲۲) عصر حاضر کے مسائل کا قرآن اور سنت سے حل پیش کیا گیا ہے۔

(۲۳) مغرب زدہ لوگوں کے اور مستشرقین کے جو اسلام پر اعتراضات ہیں' ان کے شافی جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۲۴) خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد ازواج کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۲۵) صحیح بخاری میں علم اصول حدیث کی جو اصطلاحات آئی ہیں' مثلاً مناولہ اور متابع وغیرہ' ان کی آسان عبارت سے وضاحت کی گئی ہے۔

(۲۶) شرح صحیح مسلم میں ''صحیح بخاری'' کی جو احادیث آچکی ہیں' ان کا ''شرح صحیح مسلم'' میں جلد' صفحہ اور حدیث نمبر سے حوالہ دیا ہے اور ''شرح صحیح مسلم'' میں ان کی شرح کے جو عنوانات ہیں' ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''تبیان القرآن'' میں جو بحث آچکی ہے' اس کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔

(۲۷) شرح صحیح مسلم میں بعض احادیث کی بہت زیادہ شرح کی گئی ہے اور بعض احادیث کی بالکل شرح نہیں کی گئی' میں نے ''نعمۃ الباری'' میں توازن کو قائم رکھا ہے اور مکررات کے علاوہ ہر حدیث کی اعتدال سے شرح کی ہے' البتہ جو اعتقاد اور فقہ کے معرکہ آراء مباحث ہیں' وہاں بسط اور تفصیل سے کام لیا ہے' ہر مکرر حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔

(۲۸) اس شرح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اُردو کی دیگر شروح حدیث کی طرح علمی یا اصطلاحی لب ولہجہ اختیار نہیں کیا گیا' بلکہ حتی الامکان زبان و بیان کو عام فہم اور آسان رکھا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کے علمی اور عوامی تمام ہی طبقات اس سے نفع اندوز ہو سکیں۔

(۲۹) حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ بدرالدین عینی' علامہ ابن بطال اور دیگر مصنفین کی عبارات میں جن احادیث کا ذکر آیا ہے' ان احادیث کی بھی مفصل تخریج کر دی گئی ہے۔

حدیث کے مقدمہ' امام بخاری اور ''صحیح بخاری'' کے تعارف' ''صحیح بخاری'' پر تبصرہ' ''صحیح بخاری'' کی شروحات کے ذکر اور ''نعمۃ الباری'' کی خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے میں ''صحیح بخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں: الٰہ العالمین! مجھے اس شرح میں صراطِ مستقیم پر قائم رکھنا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باطل اور ناصواب ہو اس کا رد کرنے کی مجھے جرأت اور ہمت عطا فرمانا۔ (آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث' دار العلوم نعیمیہ
بلاک ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی ۳۸

❁❁❁❁❁

ہندوستان سے شائع کی جانے والی صحیح البخاری کے عربی متن کا صفحہ، جو پہلی مرتبہ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں شائع کی گئی، جس پر علیہ اللام ابی الحسن السندیؒ نے حاشیہ بھی تحریر کیا ہے۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

۱- کِتَابُ: الْوَحْيِ

وحی کا بیان

اس باب سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے لہٰذا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کرنا کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔

۱- بَابٌ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداءِ وحی کی کیفیت

وَقَوْلُ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾. (النساء: ۱۶۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: اے رسول معظم! بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی تھی۔

کتاب' باب اور فصل کے معانی اور مصادیق

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" کے بعد جو پہلا لفظ لکھا ہے وہ "باب" ہے' عموماً حدیث اور فقہ کی کتابوں میں تین عنوانات ملتے جاتے ہیں: کتاب' باب اور فصل۔ "کتاب" مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو بہ منزلہ جنس ہو اور اس کے تحت کئی انواع اور اصناف مندرج ہوں' جیسے کتاب الطہارت' اس میں وضو' غسل اور تیمم کے ابواب مذکور ہوتے ہیں' اور "باب" مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو بہ منزلہ نوع ہو اور اس کے تحت کئی اصناف اور اشخاص مندرج ہوں' جیسے وضوء کے باب میں فرائض وضوء' سنن وضوء اور مستحبات وضوء کی فصول مذکور ہوتی ہیں' اور "فصل" بہ منزلہ صنف ہے' اس کے تحت کئی اشخاص مندرج ہوتے ہیں' جیسے فرائض وضو کی فصل میں مذکور ہوتا ہے کہ وضوء کے چار فرض ہیں' وغیرہ۔

یہاں پر امام بخاری نے "کتاب" کا ذکر نہیں کیا' لیکن یہاں مراد وہی ہے یعنی کتاب الوحی اور اس کے تحت جو مختلف احادیث ذکر کی ہیں' وہ بہ منزلہ ابواب ہیں' امام بخاری نے "بدء الوحی" کا لفظ فرمایا ہے "بدء" کے دو معنی ہیں: ظہور اور ابتداء۔ "صحیح بخاری" کی حدیث: ۲-۱ میں وحی کے ظہور کا ذکر ہے اور حدیث: ۳ میں وحی کی ابتداء کی کیفیت کا ذکر ہے۔

وحی کا لغوی معنی

امام بخاری نے دوسرا لفظ جو ذکر کیا ہے وہ "وحی" ہے' علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ نے وحی کا لغوی معنی اس طرح بیان کیا ہے:

وحی کا معنی ہے: اشارہ کرنا' لکھنا' لکھا ہوا' پیغام پہنچانا' کلام خفی' ہر وہ چیز جس کو تم اپنے غیر کی طرف پہنچاؤ' یہ اس لفظ کا اصل معنی ہے' پھر یہ الہام کے معنی میں منحصر ہو گیا۔ (تاج العروس ج ١٠ ص ٣٨٥' المطبعۃ الخیریہ' مصر' ١٣٠٦ ھ)

وحی کا شرعی معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ ھ لکھتے ہیں:

اصطلاح میں وحی ان کلماتِ الٰہیہ کو کہتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء فرماتا ہے' یہ القاء یا تو اس فرشتے کے واسطے سے ہوتا ہے' جو دکھائی دے اور اس کا کلام سنائی دے جیسا کہ حضرت جبریل کا کسی خاص صورت میں اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانا یا بغیر مشاہدہ کے اللہ کا کلام سنائی دے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا' یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے' جیسے کہ حدیث میں ہے کہ جبریل نے یہ بات میرے دل میں ڈالی۔ (المفردات ج ٢ ص ٦٦٨' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٨ ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ٨٥٥ ھ لکھتے ہیں:

هو كلام الله المنزل على نبي من انبيائه. یہ وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبی پر نازل کیا گیا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ١ ص ٣٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ ھ)

نزولِ وحی کی صورتیں اور اقسام

علامہ بدر الدین عینی متوفی ٨٥٥ ھ نے وحی کی حسب ذیل اقسام اور صورتیں بیان کی ہیں:

(١) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام قدیم کو سننا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام قدیم سننا' جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ہے۔

(٢) فرشتے کے واسطہ سے وحی کا نازل ہونا۔

(٣) دل میں کسی معنی کا القاء کیا جانا۔

(٤) ''صلصلة الجرس'' (گھنٹی کی آواز) کی صورت میں وحی کا نازل ہونا۔

(٥) حضرت جبرائیل کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں آ کر بات کریں' جیسے ایک اعرابی کی شکل میں آئے۔

(٦) حضرت جبرائیل اپنی اصلی شکل میں آئیں' جیسے حضرت جبرائیل چھ سو پروں کے ساتھ آئے' جن سے یاقوت اور موتی جھڑ رہے تھے۔

(٧) حضرت جبرائیل کسی معروف آدمی کی شکل میں آئیں' جیسے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آئے۔

(٨) اللہ تعالیٰ براہِ راست بیداری میں آپ سے ہم کلام ہو' جیسے شب معراج میں پردے کی اوٹ سے کلام فرمایا۔

(٩) اللہ تعالیٰ آپ سے نیند میں ہم کلام ہو' جیسے ''جامع ترمذی'' میں حدیث مرفوع ہے' آپ نے فرمایا: میں نے اللہ عزوجل کو بہت حسین صورت میں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

(١٠) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں کوئی واقعہ دکھایا جائے' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔

(١١) وحی اسرافیل جیسا کہ ''مسند احمد'' میں ہے کہ تین سال حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کے ساتھ موکل رہے۔

(عمدۃ القاری ج ١ ص ٧٩-٧٨' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ ھ)

عنوان میں درج آیت کریمہ کی تفسیر

باب کا عنوان لکھنے کے بعد امام بخاری نے یہ آیت کریمہ لکھی ہے: ''اِنَّـآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ''. (النساء:۱۶۳)

امام بخاری کا اس کتاب میں یہ طریقہ ہے کہ باب کا عنوان ذکر کرنے کے بعد اس عنوان کے مناسب قرآن مجید کی کوئی آیت ذکر کرتے ہیں' یا پھر کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں یا کسی صحابی یا تابعی یا کسی امام کا قول ذکر کرتے ہیں' یہاں باب کے عنوان میں چونکہ وحی کا لفظ تھا' اس لیے امام بخاری نے اس آیت کو ذکر کیا' جس میں وحی کا ذکر ہے۔

اس آیت کی مختصر تفسیر حسب ذیل ہے:

یہودیوں نے نبی ﷺ سے یہ کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اس طرح یک بارگی کتاب نازل کی جائے' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یک بارگی کتاب نازل کی گئی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ تم نوح' ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' ایوب' یونس' ہارون اور سلیمان علیہم السلام کو ہی جانتے ہو حالانکہ ان پر بھی آسمان سے یک بارگی کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی تھی۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں' جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا' یا اس لیے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں' جنہوں نے احکام شرعیہ بیان کیے یا اس لیے کہ جس طرح نبی ﷺ کی دعوتِ اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے' اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے تھی۔ (تبیان القرآن ج ۲ ص ۸۷۷' فرید بک سٹال لاہور' ۱۴۲۰ھ)

حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' کا متن اور اس کی تخریج

باب کے عنوان کے بعد امام بخاری نے حسب ذیل حدیث ذکر کی ہے:

۱- حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ اَنَّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ' وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى' فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا' اَوْ اِلَى امْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا' فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ. [اطراف الحدیث: ۵۴_۲۵۲۹_۳۸۹۸_۵۰۷۰_۶۶۸۹_۶۹۵۳]

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں حمیدی عبداللہ بن زبیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن سعید انصاری نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے خبر دی کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے عمل کا ثمرہ وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی' سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو' جس کو وہ حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف ہو' جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف (شمار) ہوگی جس کی طرف ہجرت کرنے کی اس نے نیت کی تھی۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰۷' سنن ابوداؤد: ۲۲۰۱' سنن ترمذی: ۱۶۴۷' سنن نسائی: ۳۸۰۳_۳۴۳۷_۷۵' سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۷' مسند الحمیدی: ۲۸'

ابن الجارود: ۶۴ الموطا: ۹۸۳ مسند الطیالسی: ۳۷ مسند البزار: ۲۵۷ صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۲ صحیح ابن حبان: ۳۸۸ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۲ سنن بیہقی ج ۱ ص ۴۱ کتاب المعرفۃ: ۱۸۲ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۵۳ شرح السنۃ: ۱ مسند احمد ج ۱ ص ۲۵ طبع قدیم مسند احمد: ۱۶۸۔ ج ۱ ص ۳۰۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کے رجال

(۱) الحمیدی: یہ ابوبکر عبداللہ بن الزبیر القرشی الاسدی ہیں' یہ ۲۱۹ھ میں مکہ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی روایت کی ہے' امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں ان کی ایک حدیث روایت کی ہے (۲) سفیان بن عیینہ: یہ حدیث' فقہ اور فتویٰ میں امام جلیل ہیں' اور یہ امام شافعی کے مشائخ میں سے ایک ہیں' یہ ۱۹۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) یحییٰ بن سعید انصاری مدنی: یہ مشہور تابعی ہیں اور ائمہ مسلمین سے ہیں' ان کو مدینہ میں منصب قضاء دیا گیا تھا اور یہ ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے' ان سے محدثین کی ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے (۴) محمد بن ابراہیم بن الحارث: یہ بہت احادیث روایت کرتے تھے' یہ ۱۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) علقمہ بن وقاص اللیثی: ابن مندہ نے ان کا صحابہ میں ذکر کیا ہے اور جمہور علماء نے ان کا تابعین میں ذکر کیا ہے (۶) حضرت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح ابن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی العدوی القرشی: یہ اپنے آٹھویں جد کعب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں' رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۵)

حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' کی فنی حیثیت

یہ حدیث ایک اعتبار سے غریب ہے اور دوسرے اعتبار سے مشہور ہے' اور یہ متواتر نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار یحییٰ بن سعید پر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمر کے سوا اس کو کسی اور نے روایت نہیں کیا اور حضرت عمر سے علقمہ کے سوا اس کو کسی اور نے روایت نہیں کیا اور علقمہ سے صرف محمد بن ابراہیم نے روایت کیا ہے اور محمد سے صرف یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے اور ان سے اس حدیث کو بہت لوگوں نے روایت کیا ہے' پس سند کے اوّل راویوں کے اعتبار سے یہ حدیث غریب اور فرد ہے اور سند کے آخری راوی کے اعتبار سے یہ حدیث مشہور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' کے راوی کا مختصر تذکرہ

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے نبوت کے چھٹے سال میں اسلام قبول کیا' ایک قول ہے کہ انہوں نے نبوت کے پانچویں سال میں اسلام قبول کیا۔ ہلال بن یساف نے کہا کہ حضرت عمر چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائے اور لیث نے کہا ہے کہ تینتیس (۳۳) مردوں کے مسلمانوں ہونے کے بعد اسلام لائے' ایک قول یہ ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد چالیس مسلمانوں کا عدد مکمل ہو گیا' پھر حضرت جبریل نازل ہوئے اور انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آسمان والے عمر کے اسلام لانے پر مبارک باد دے رہے ہیں' ان کو فاروق کا لقب دیا گیا کیونکہ جس دن وہ اسلام لائے' اس دن سے اسلام کا ظہور اور غلبہ ہو گیا' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث روایت کی ہیں' ان کی تعداد پانچ سو سینتیس (۵۳۷) ہے' ان میں سے ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں اکیاسی (۸۱) احادیث ہیں۔

جس طرح قرآن مجید کی آیات کے شان نزول اور اسباب ہوتے ہیں' اسی طرح بعض احادیث کے بھی اسباب ہوتے ہیں' اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک شخص نے مکہ میں ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا' وہ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئی' وہ شخص بھی اس سے

نکاح کی رغبت میں مدینہ چلا گیا' اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث فرمائی اور اس شخص کو مہاجر ام قیس کہا جاتا تھا۔

(کشف المشکل ج ۱ ص ۱۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حدیث "انما الاعمال بالنیات" کا شرف اور اس کی فضیلت

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

علماء اپنی تصانیف میں اس حدیث کو سب سے پہلے لکھتے ہیں' کیونکہ عموماً اس کی حاجت پڑتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اعمال میں اصل چیز نیت ہے اور عبد الرحمان مہدی یہ کہتے تھے کہ جو شخص بھی کوئی کتاب تصنیف کرے' اس کو چاہیے کہ اس کتاب کی ابتداء میں اس حدیث کو لکھے' اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی کتاب کا افتتاح اس حدیث سے کیا ہے۔

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: اس حدیث میں فقہ کے ستر ابواب ہیں۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا: اصول اسلام تین احادیث پر مشتمل ہیں: (۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے (صحیح البخاری: ۱) (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (صحیح البخاری: ۵۲) (۳) جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی عبادت نکالی جس کا دین میں منشاء نہ ہو' وہ مردود ہے (صحیح البخاری: ۲۶۹۷)۔

امام ابوداؤد السجستانی متوفی ۲۷۵ھ نے کہا: فقہ کا مدار پانچ احادیث پر ہے: (۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے (صحیح البخاری: ۱) (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (صحیح البخاری: ۵۲) (۳) میں نے تم کو جس کام سے منع کیا ہے' اس سے اجتناب کرو اور میں نے تم کو جس کام کا حکم دیا ہے' اس پر جس قدر عمل کر سکتے ہو' عمل کرو (صحیح مسلم: ۱۳۳۷) (۴) کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اور ایک دوسرے کو باہم ضرر نہ دو (سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۱) یعنی یہ سمجھ کر کہ ایک نے مجھے ضرر دیا ہے تو میں بھی اس کو ضرر دوں' پہلا حکم وجوبی ہے اور دوسرا حکم استحبابی ہے' سعیدی غفرلہ (۵) دین خیر خواہی ہے (صحیح البخاری: ۵۷)۔

امام ابوداؤد کی دوسری روایت یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) احادیث روایت کیں اور ان سے انتخاب کر کے میں نے "کتاب السنن" میں لکھیں' جن کا میں ضامن ہوں' پس ان میں' میں نے صحیح اور ان کے مشابہ اور مقارب احادیث لکھی ہیں اور ان میں سے چار احادیث ایسی ہیں' جو انسان کے دین کے لیے کافی ہیں (۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے (صحیح البخاری: ۱) (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (صحیح البخاری: ۵۲) (۳) کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ غیر مقصود باتوں کو ترک کر دے (سنن ترمذی: ۲۳۱۷) (۴) کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوگا' حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (صحیح البخاری: ۱۳)۔ (کشف المشکل لابن الجوزی ج ۱ ص ۱۷-۱۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ)

نیت کا معنی اور نیت کے متعلق حدیث کے دونوں جملوں کا فرق

نبی ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے: اعمال کا مدار نیات پر ہے' اس کا معنی یہ ہے:

ہر عمل کی صحت کا اعتبار اس کی نیت سے ہوتا ہے' یعنی اگر اس عمل سے اس کا قصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس کی سب سے زیادہ فضیلت ہے اور اگر اس عمل سے اس کا مقصود جنت کا حصول ہے تو اس میں بھی فضیلت ہے اور اگر اس عمل سے مقصود دنیا کا حصول ہے تو اگر دنیا کی وہ چیز مباح ہے تو وہ کام مباح ہے اور اگر وہ چیز ناجائز ہے تو وہ کام ناجائز ہے۔

نیت کا معنی ہے: قصد مصمم اور پکا ارادہ اور اس عمل کے لیے تحریک کرنا۔

اس حدیث کا پہلا جملہ ہے: اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے' اور دوسرا جملہ ہے: ہر شخص کے عمل کا ثمرہ وہی ہوگا جس کی اس نے

نیت کی ہے' پہلے جملہ میں اس پر تنبیہ ہے کہ اعمال پر ثواب اور عذاب کا مدار ان اعمال کی نیت پر ہے' دوسرے جملہ میں اس پر تنبیہ ہے کہ اعمال میں مقدار کا تعین ان کی نیات سے ہوتا ہے' مثلاً مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا ایک عمل ہے' اگر اس میں انسان کئی کاموں کی نیت کر لے تو اس کو کئی کاموں کا ثواب ملے گا' مثلاً وہ یہ نیت کرے کہ راستے میں اس کو جو مسلمان ملے گا' وہ اس کو سلام کرے گا' اگر اس نے پہلے سلام کر لیا تو اس کے سلام کا جواب دے گا' اگر کوئی ضرورت مند سائل ملا تو اپنی حیثیت کے مطابق اس کا سوال پورا کرے گا' نیکی کا حکم دے گا' برائی سے روکے گا' مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کرے گا' اور یہ دعا پڑھے گا: ''اللھم افتح لی ابواب رحمتک'' وغیرھا' تو اگر وہ ایک عمل میں متعدد نیک کاموں کی نیت کرے گا تو اس ایک عمل میں اس کو متعدد نیک کاموں کا ثواب ملے گا۔

نیت میں مذاہب اور فقہاء احناف کے موقف پر دلائل

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک شریعت میں کوئی عمل اس وقت معتبر ہوتا ہے' جب اس عمل میں عبادت کی نیت کی جائے' مثلاً اگر کوئی شخص ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے غسل کرے تو اس غسل سے جنابت زائل نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک پانی سے طہارت حاصل کرنے کے لیے عبادت کی نیت ضروری نہیں ہے' اگر کوئی شخص ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرے' پھر بھی اس غسل سے جنابت زائل ہو جائے گی۔

(کشف المشکل ج ۱ ص ۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ہر عمل شرعی میں عبادت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ قرض کا ادا کرنا' امانتوں کا واپس کرنا' اذان دینا' تلاوتِ قرآن مجید کرنا' وعظ و نصیحت کرنا' راستہ دکھانا' راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا' یہ سب کام عبادات ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ یہ سب کام عبادات کی نیت کے بغیر صحیح ہیں' لہٰذا غسل اور وضو بھی عبادت کی نیت کے بغیر صحیح ہونے چاہئیں۔

نیز فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: مال دار تو اجر لے گئے' وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد اموال کو صدقہ کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے صدقات نہیں رکھے! ہر تسبیح کرنا صدقہ ہے اور ہر تکبیر پڑھنا صدقہ ہے اور ہر حمد کرنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تمہارا اپنی بیویوں سے جماع کرنا صدقہ ہے' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے جماع کرے' اس میں بھی اس کے لیے اجر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ اپنی شہوت حرام طریقہ سے پوری کرتا تو اس میں اس کے اوپر گناہ ہوتا یا نہیں؟ پس اسی طرح جب وہ اپنی شہوت حلال طریقہ سے پوری کرے گا تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ (دوسری روایت میں فرمایا: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ صرف برے کاموں میں تمہارا حساب ہوگا اور اچھے کاموں میں تمہارا حساب نہیں ہوگا۔) (صحیح مسلم: ۱۰۰۶' الادب المفرد: ۲۲۷' شرح السنۃ: ۱۶۴۴' صحیح ابن حبان: ۸۳۸' مسند البزار: ۳۹۱۸' مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۱۴۷۳۔ ج ۳۵ ص ۳۷۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ اگر کسی جائز اور صحیح کام میں عبادت کی نیت نہ بھی کی جائے' تب بھی اس میں اجر و ثواب ملتا ہے۔

ہجرت کی تعریف' اس کی اقسام اور صورتیں

اس حدیث میں ہجرت کا لفظ ہے' ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص صحابی کے متعلق وارد ہے' جس نے ام

قیس (قیلہ نام کی عورت) کی خاطر ہجرت کی تھی (اس صحابی کا نام معروف نہیں ہے) لیکن خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے ہم ہجرت کی تفصیل اور تحقیق کر رہے ہیں۔

ہجرت کا لغوی معنی ہے: ترک کرنا۔ (مختار الصحاح ص ۳۹۷' بیروت) اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: کافروں کے علاقے کو ترک کر کے مسلمانوں کے علاقے میں جانا' یا دار الخوف کو ترک کر کے دار الاسلام کی طرف جانا' اور لغوی اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہجرت کی حسب ذیل صورتیں اور اقسام ہیں:

(۱) ابتداء میں مسلمانوں کا مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا' دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت ہے' یا جیسے اب مسلمانوں کا بھارت سے برطانیہ' امریکا' ہالینڈ یا بعض افریقی ممالک کی طرف ہجرت کرنا۔

(۲) مسلمانوں کا مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا یا بعد میں اسلام لانے والوں کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا۔

(۳) جو شخص کافروں کے ملک میں رہتا ہو اور وہاں شعائر اسلام اور اظہار دین پر قادر نہ ہو تو اس پر دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے' جیسے بھارت سے مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی۔

(۴) بُرے کاموں کو ترک کر کے نیک کاموں کی طرف ہجرت کرنا' حدیث میں ہے: مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرے۔ (صحیح البخاری:۱۰) مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کرے۔ (سنن ابن ماجہ:۳۹۳۴) مہاجر وہ ہے جو بُرائیوں سے ہجرت کرے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶)

(۵) آخری زمانہ میں جب فتنوں کا ظہور ہوگا تو لوگ شام کی طرف ہجرت کریں گے' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی' پھر روئے زمین کے نیک لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کو لازم پکڑ لیں گے اور روئے زمین کے بُرے لوگ اپنی جگہوں پر رہیں گے۔

(سنن ابوداؤد:۲۴۸۲)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۰۶ھ نے کہا: اس سے مراد شام کا علاقہ ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے نکل کر شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ (النہایہ ج ۵ ص ۲۱۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

آیا ہجرت فتح مکہ کے بعد منقطع ہوگئی یا قیامت تک باقی رہے گی؟

ہجرت کے متعلق احادیث میں تعارض ہے' بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ہجرت جاری رہے گی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی' جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت منقطع ہو جائے گی' وہ یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے' لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو جہاد کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری:۲۷۸۳' سنن ابوداؤد:۲۴۸۰' مسلم:۱۳۵۳' ترمذی:۱۵۹۰)

عبید بن عمرو نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: آج کل ہجرت نہیں ہے' پہلے مؤمنین کو یہ خطرہ تھا کہ ان کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا تو وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھاگتے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے' اب مؤمن جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے' لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری:۳۹۰۰)

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے معبد کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر گیا تا کہ آپ اس کو ہجرت پر بیعت کریں' آپ نے فرمایا: ہجرت مہاجروں کے لیے ختم ہو چکی ہے' پھر آپ نے اس کو اسلام اور جہاد پر بیعت کر لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۶۲' صحیح مسلم: ۱۸۶۳)

مذکور الصدر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جو حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہجرت قیامت تک جاری رہے گی' وہ یہ ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی' جب تک توبہ منقطع نہ ہو اور توبہ اس وقت منقطع ہوگی جب سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۴۷۹)

ہجرت کی متعارض احادیث میں تطبیق اور توفیق

ان متعارض احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی' اب ہجرت مستحب ہے فرض نہیں ہے' لہٰذا جو ہجرت منقطع ہو چکی ہے' وہ فرض ہے اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی' وہ مستحب ہے۔

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ہجرت کی دو قسمیں ہیں' ایک ہجرت وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں جنت کا وعدہ کیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (التوبۃ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

ایک شخص اپنے اہل اور مال کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا اور ان میں سے کسی چیز کی طرف رجوع نہیں کرتا اور جس جگہ سے ہجرت کی تھی' وہاں سے اپنے آپ کو بالکل منقطع کر لیتا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اس جگہ فوت ہو جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی اور جب حضرت سعد بن خولہ مکہ میں فوت ہو گئے تو آپ نے اس پر اظہار افسوس کیا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۹۵' صحیح مسلم: ۱۶۲۸) اور آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں مکہ میں نہ فوت کرنا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۵) پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو پھر وہ مدینہ کی طرح دار الاسلام ہو گیا' سو جو ہجرت فتح مکہ کے بعد منقطع ہو گئی' وہ یہی ہجرت ہے۔

اور دوسری ہجرت وہ ہے' جو اعراب اور دیہاتیوں کی ہجرت ہے' جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا' لیکن ان کی ہجرت اس طرح نہیں تھی' جس طرح پہلی قسم والوں کی ہجرت تھی' پس وہ بھی مہاجر ہیں لیکن پہلی قسم کی ہجرت کرنے والوں کی فضیلت میں داخل نہیں ہیں اور جو ہجرت قیامت تک منقطع نہیں ہوگی' وہ یہی ہجرت ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۲۱۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

حدیث کے عنوان کی حدیث کے ساتھ مطابقت کی وجوہ

امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے: "بدء الوحی" یعنی وحی کی ابتداء' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے' اس میں وحی کی ابتداء کا ذکر نہیں ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) "بدء" کا معنی ابتداء بھی ہے اور ظہور اور غلبہ بھی ہے' وحی کی ابتداء کا ذکر اس باب کی تیسری حدیث میں ہے اور یہ حدیث آپ نے مدینہ منورہ میں ارشاد فرمائی تھی اور وحی کا ظہور اور غلبہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

(۲) اس حدیث میں فرمایا ہے: اعمال کا مدار نیات پر ہے' یعنی ہر کام میں حسن نیت اور اخلاص ہونا چاہیے اور اس حدیث کو وارد کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس "الجامع الصحیح المسند" کو حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ مدون کیا ہے۔

(۳) اس حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیان فرمائی۔

(۴) یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں منبر پر خطبہ میں ارشاد فرمائی' اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو منبر پر خطبہ میں بیان کیا اور جب یہ حدیث منبر پر خطبہ بن سکتی ہے تو کتاب کے شروع میں بھی خطبہ بن سکتی ہے' سو امام بخاری نے یہ چاہا کہ اپنی اس کتاب میں اپنے الفاظ پر مشتمل خطبہ لکھنے کے بجائے حدیث صحیح کی اس کتاب میں حدیث صحیح کو ہی بہ طور خطبہ وارد کیا جائے' اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں الگ خطبہ نہیں لکھا۔

امام بخاری نے اپنی اس کتاب کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد کو ذکر کیوں نہیں کیا؟

امام بخاری پر ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مہتم بالشان کام جس کے شروع میں (اللہ تعالیٰ کی) حمد نہ کی جائے' وہ ناتمام رہتا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۰۹' مشکوٰۃ: ۳۱۵۱' کنز العمال: ۲۵۱۱)

اور امام بخاری نے اپنی اس کتاب کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں بیان کی' اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب کو قرآن مجید کی آیت النساء: ۱۶۳' سے شروع کیا ہے اور اس کے بعد" انما الاعمال بالنیات " حدیث صحیح کو روایت کیا ہے جو خطبہ کے قائم مقام ہے اور امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے لیے اس آیت اور اس حدیث کو کافی قرار دیا' علاوہ ازیں اس کے شروع میں" بسم اللہ الرحمن الرحیم "لکھی ہے اور رحمن اور رحیم اللہ تعالیٰ کی صفات کمال ہیں اور حمد کا معنی ہے: اظہار صفات کمال' لہٰذا" بسم اللہ الرحمن الرحیم " لکھنے سے اللہ تعالیٰ کی حمد ہو گئی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو مکاتیب احادیث میں درج ہیں' ان کے شروع میں صرف" بسم اللہ الرحمن الرحیم "لکھی ہوئی ہے اور حمد کے الفاظ درج نہیں ہیں' سو امام بخاری نے اپنی اس کتاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مطابق بنایا۔

* ہم نے اس حدیث کی شرح' شرح صحیح مسلم: ۴۸۱۲۔ ج ۵ ص ۹۲۵۔۹۲۱ میں بھی کی ہے' لیکن یہاں پر اس سے بہت زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے' نیز اس شرح کی بعض چیزوں کو حذف کر کے بہت سے نئے مباحث کا اضافہ کیا ہے اور اس کی بہ نسبت یہاں احادیث کی تخریج بھی بہت زیادہ کی ہے۔ وللہ الحمد.

۲- بَابٌ

۲- حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ ' عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ' عَنْ اَبِيْهِ' عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' كَيْفَ يَاْتِيْكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَاْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ' وَهُوَ اَشَدُّهُ عَلَيَّ ' فَيُفْصَمُ عَنِّيْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ ' وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا' فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ ' قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَلَقَدْ رَاَيْتُهُ يَنْزِلُ

باب

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں مالک نے خبر دی' از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کہ حضرت الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا' پس کہا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی مثل آتی تھی اور وہ مجھ پر سخت دشوار ہوتی ہے' پھر جب وہ وحی مجھ سے منقطع ہوتی' تو میں یاد کر چکا ہوتا ہوں کہ فرشتہ نے کیا کہا تھا' اور کبھی فرشتہ میرے لیے مرد کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے' سو وہ مجھ سے بات کرتا رہتا ہے اور میں یاد کرتا رہتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ، فَيُفْصَمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا. [طرف الحدیث: ۳۲۱۵]

بے شک میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو جس وقت وحی آپ سے منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔

(صحیح مسلم: ۲۳۳۳' سنن ترمذی: ۳۶۳۴' سنن نسائی: ۹۳۳۔۹۳۴' مسند الحمیدی: ۲۵۶' مسند ابن راہویہ: ۷۵۵۔۷۵۴' افعال العباد للبخاری ص ۸۴' السنن الکبری للنسائی: ۱۰۰۵' المعجم الکبیر: ۲۳۴۶' الشریعۃ للآجری ص ۴۵۴۔۴۵۳' ابن مندہ: ۶۸۰۔۶۷۸' الاسماء والصفات للبیہقی: ۴۲۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۵۲۵۲۔ ج ۴۲ ص ۱۴۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۲ کے رجال خصوصاً امام مالک اور حضرت عائشہ کا تعارف اور ائمہ ستہ کے سنین وفات

اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں:

پہلے راوی امام بخاری کے استاذ عبد اللہ بن یوسف ہیں' یہ ''موطأ امام مالک'' کے رجال میں سے ہیں' انہوں نے امام مالک اور لیث بن سعد وغیرہما سے حدیث کا سماع کیا ہے اور ان کے شاگردوں میں یحییٰ بن معین' محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ ہیں۔

دوسرے راوی امام مالک رحمہ اللہ امام دار الہجرت ہیں' ان کا پورا نام مالک بن انس اصبحی ہے' امام مالک نے نو سو مشائخ سے حدیث کا سماع کیا ہے' جن میں سے تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے' امام ابوحنیفہ کے فضائل میں سے یہ ہے کہ امام مالک ان سے سوال کرتے تھے اور ان کے قول کو اختیار کرتے تھے' امام ابوحنیفہ' امام مالک سے حدیث کا سماع بھی کرتے تھے اور جن دیگر اکابر نے امام مالک سے حدیث کی روایت کی ہے' ان میں سفیان بن عیینہ' شعبہ بن الحجاج' عبد اللہ بن المبارک' عبد الرحمان الاوزاعی اور امام شافعی وغیرھم ہیں اور جن لوگوں نے امام مالک سے ''الموطأ'' کی روایت کی ہے' وہ شمار سے باہر ہیں' امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تمہارے پاس امام مالک کی روایت کی ہوئی حدیث پہنچے تو اس کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو باندھ لو' امام محمد بن حسن شیبانی نے کہا: میں امام مالک کے پاس تین سال سے زیادہ عرصہ رہا اور میں نے ان سے سات سو سے زیادہ احادیث کا سماع کیا ہے' الواقدی نے کہا ہے کہ امام مالک متوسط قد کے تھے' ڈاڑھی کے بال سفید تھے' خضاب نہیں لگاتے تھے' وہ ان علماء میں سے ہیں جو اپنے دین کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے' علامہ ابن الجوزی نے کہا کہ جب امام مالک بن انس نے سلطان کی غرض کے موافق فتویٰ نہیں دیا تو ان کو ستر (۷۰) کوڑے مارے گئے' ابوجعفر منصور نے بھی ان پر بہت تشدد کیا' وہ ۱۴ صفر یا ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں فوت ہو گئے' عبد اللہ بن محمد آل ابن عباس حاکم مدینہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور البقیع میں ان کو دفن کیا گیا' وہ ربیع الاول ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔

فائدہ: الخطیب نے اپنی کتاب ''المتفق والمفترق'' میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ چھ نئے مذاہب کے بانیوں میں سے ایک ہیں' دوسرے امام ابوحنیفہ ہیں' جو بغداد میں ۱۵۰ھ میں ستر (۷۰) سال کی عمر میں فوت ہوئے' تیسرے امام شافعی ہیں جو ۲۰۴ھ میں مصر میں چون (۵۴) سال کی عمر میں فوت ہوئے' چوتھے امام احمد بن حنبل ہیں جو ۲۴۱ھ میں بغداد میں اسی (۸۰) سال کی عمر میں فوت ہوئے' پانچویں سفیان ثوری ہیں جو ۱۶۱ھ میں بصرہ میں چونسٹھ (۶۴) سال کی عمر میں فوت ہوئے' چھٹے داؤد بن علی الاصبہانی ہیں' جو ۲۹۰ھ میں بغداد میں اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں فوت ہوئے اور یہی ظاہریہ یعنی غیر مقلدین کے امام ہیں (ائمہ اربعہ کے مقلدین دنیا میں بہت زیادہ ہیں' سب سے زیادہ امام ابوحنیفہ کے مقلدین ہیں' سفیان ثوری کا اب کوئی مقلد نہیں ہے' تاہم داؤد بن علی ظاہری کے مقلدین موجود ہیں' جو اپنے آپ کو غیر مقلد' سلفی یا اہل حدیث کہتے ہیں)۔

اس حدیث کے تیسرے راوی ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام القرشی الاسدی المدنی ہیں' یہ اکابر تابعین سے ہیں' انہوں نے

حضرت ابن عمر کی زیارت کی' اُنہوں نے اِن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے حق میں دعا کی' یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے سال اکسٹھ (۶۱) ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۴۵ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے' بہت سے لوگوں نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث کے چوتھے راوی ابوعبداللہ عروہ ہیں' جو ہشام مذکور کے والد ہیں' یہ بہت عظیم تابعی ہیں' مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں ان کا شمار ہوتا ہے' ان کی والدہ حضرت اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں' عروہ کے متعدد شرف ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خالو ہیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے نانا ہیں' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کے والد ہیں' حضرت اسماء ان کی والدہ ہیں' حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ان کی خالہ ہیں' یہ بیس ہجری میں پیدا ہوئے' کتب صحاح ستہ میں عروہ بن الزبیر نام کا اور کوئی نہیں ہے۔

اس حدیث کی پانچویں راویہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ان کی والدہ حضرت ام رومان زینب رضی اللہ عنہا بنت عامر ہیں اور وہ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی بھی والدہ ہیں۔ الواقدی کے قول کے مطابق ۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے دو سال پہلے عقد نکاح کیا' ایک قول ہے کہ تین سال پہلے' اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی' ایک قول ہے کہ سات سال عمر تھی' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی غزوہ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں حضرت عائشہ آٹھ سال پانچ ماہ رہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی' اور انہوں نے ۶۵ سال عمر گزاری' یہ فقہاء صحابہ میں بہت سے صحابہ سے بڑی تھیں اور ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں جو زیادہ روایت کرنے والے ہیں' انہوں نے ۲۲۱۰ احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے ۱۴۷ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ۵۴ احادیث میں امام بخاری منفرد ہیں اور ۵۸ احادیث میں امام مسلم منفرد ہیں' حضرت عائشہ نے بہت سے صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں' اور ان سے دو سو کے قریب صحابہ اور تابعین نے احادیث روایت کی ہیں' وہ آٹھ رمضان یا آٹھ شوال ۵۵ھ یا ۵۶ھ یا ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں فوت ہو گئیں' انہوں نے فرمایا تھا کہ ان کو نمازِ وتر کے بعد رات کو بقیع میں دفن کیا جائے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا' بعض نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور بعض نے کہا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں' قاضی ابوبکر بن العربی نے قطعیت سے کہا کہ حضرت خدیجہ افضل ہیں اور دوسرے علماء نے بھی کہا اور یہی زیادہ صحیح ہے' اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ افضل ہیں یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں' اور میں نے اپنے بعض اکابر اساتذہ سے سنا ہے کہ دنیا میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور آخرت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں (کیونکہ آخرت میں سیدہ فاطمہ حضرت علی کے پاس ہوں گی اور حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوں گی)۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۶۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ اور سیدہ فاطمہ کی فضیلت میں محاکمہ' تمام صحابہ میں کون افضل ہے اور ام المومنین کے لقب کی توجیہ

امام مالک کے نزدیک تمام صحابہ میں مطلقاً سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جزو ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جزو کے مساوی نہیں قرار دیتے ہیں' علامہ آلوسی کا بھی یہی مختار ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۴۲۴)

میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد کا یہی حکم ہونا چاہیے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' پھر حضرت عمر ہیں' پھر حضرت عثمان ہیں' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں' میں نے "تبیان القرآن" ج ۸ ص ۱۱۱۔ ۱۰۳ (النور: ۲۰۔ ۱۱) میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں' اور حضرت سیدتنا

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں میں نے تبیان القرآن ج ۷ ص ۹۱۴-۹۱۰ (المؤمنون: ۱۰۱) میں انیس احادیث ذکر کی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جوام المؤمنین کہا جاتا ہے اس کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: "وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ" (الاحزاب: ۶) اور نبی کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں ان کے احترام اور ان کے ساتھ نیکی کرنے میں اور ان سے ساتھ نکاح کی تحریم میں وہ مسلمانوں کی ماؤں کی مثل ہیں نہ کہ ان کے ساتھ خلوت سفر کرنے یا ان کے بے حجاب دیکھنے میں وہ ماؤں کی مثل ہیں اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مؤمنوں کا باپ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو اسحاق کے نزدیک جائز نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ ہمارے باپ کی مثل ہے حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم۔ الحدیث
میں تمہارے لیے باپ کے قائم مقام ہوں تم کو تعلیم دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد: ۸ صحیح مسلم: ۲۶۲ سنن ترمذی: ۱۶ سنن ابن ماجہ: ۳۱۶)

اس حدیث کے چھٹے راوی ہیں: الحارث بن ہشام بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم۔ یہ ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت خالد بن الولید کے عم زاد تھے غزوہ بدر میں کافروں کے لشکر میں تھے اور انہوں نے شکست کھائی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور اسلام میں مدہ زندگی گزاری۔ غزوۂ حنین میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سو اونٹ عطا فرمائے جنگ یرموک میں ۱۵ھ میں شہید ہوئے حضرت الحارث بن ہشام کی "صحیح البخاری" اور "صحیح مسلم" میں صرف یہی حدیث ہے اور "سنن ابن ماجہ" میں ان کی صرف ایک یہی روایت ہے صحاح ستہ کے علاوہ ان کی ایک سو پچاس روایات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی فنی حیثیت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ جس وقت حضرت الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی کے متعلق سوال کیا ہو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہوں اور یہ سوال و جواب سن رہی ہوں پھر یہ حدیث متصل ہوگی اصحاب اطراف نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس حدیث کا "مسند عائشہ" میں اخراج کیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت الحارث نے بعد میں حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی خبر دی ہو پھر یہ حدیث مرسل الصحابہ ہوگی اور جمہور نے اس پر متصل کا حکم لگا دیا اور اس حدیث کے مرسل ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ "مسند احمد" اور "معجم البغوی" وغیرہ میں از عامر بن صالح از ہشام از عروہ از عائشہ از الحارث بن ہشام روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا الحدیث۔ اس سند میں عامر ضعیف راوی ہے لیکن میں نے ابن مندہ کے پاس اس کا متابع پایا ہے تاہم مشہور پہلا قول ہے (یعنی یہ حدیث متصل اور مسند ہے)۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۹۸ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو جو "مسند احمد" کے حوالہ سے لکھا ہے سو اس کے متعلق شعیب الارنؤط لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند میں عامر بن الصالح الزبیری ہے اور یہ متروک راوی ہے اور اس حدیث کو الحارث بن ہشام کی "مسند" سے شمار کیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۸ طبع قدیم مسند احمد: ۲۵۲۵۳۔ ج ۴۲ ص ۷ ۱۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے: از محمد بن نصر بن حمید البغدادی از محمد بن عبد اللہ الارزی از عاصم بن ہلال از ایوب از ہشام بن عروہ از عروہ از الحارث بن ہشام وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ الحدیث (المعجم الکبیر: ۳۳۴۴)

اس سند میں عامر بن صالح الزبیری نہیں ہے' جس کی وجہ سے "مسند احمد" کی روایت میں ضعف تھا' سو یہ اس حدیث کا متابع ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو ہشام بن عروہ کے اصحاب نے از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت الحارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی کے متعلق سوال کیا۔الحدیث (المستدرک ج ۳ ص ۲۹۷' طبع قدیم' المستدرک: ۵۲۱۳' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ)

اس تصریح سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ عامر زبیری کے علاوہ ہشام بن عروہ کے دوسرے اصحاب نے بھی اس حدیث کو روایت کیا' لہٰذا واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ نے اس حدیث کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا' بلکہ حضرت الحارث بن ہشام سے سن کر روایت کیا ہے' سو یہ حدیث مرسل الصحابۃ ہے' مسند اور متصل نہیں ہے۔

"احیاناً" کا معنی اور "صلصلۃ الجرس" کی تحقیق

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی مثل آتی تھی۔

"کبھی کبھی" کے لیے اس حدیث میں "احیاناً" کا لفظ ہے' اور "احیاناً" "حین" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: وقت۔

(النہایہ ج ۱ ص ۴۵۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید میں ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ . (الدھر: ۱) یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک وقت آ چکا ہے۔

"حین" کا اطلاق زمانہ کے ایک لحہ پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ مدت پر بھی ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

کانوا یتحینون وقت الصلوٰۃ. صحابہ نماز کا وقت طلب کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۴' صحیح مسلم: ۳۷۷' سنن نسائی: ۶۲۶)

اس حدیث میں فرمایا ہے: کبھی کبھی وحی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی مثل آتی تھی' اس میں وحی کی طرف آنے کی نسبت کی گئی ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آنا جانا ذی روح اجسام کی صفت ہے اور وحی تو ذی روح جسم نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں مراد یہ ہے کہ حامل وحی یعنی فرشتہ میرے پاس آتا تھا اور گھنٹی کی جھنکار اس کے پروں کی آواز تھی اور جب فعل کی نسبت اس کے فاعل کی طرف ہو تو اس کو اسناد حقیقت عقلی کہتے ہیں اور جب فعل کی نسبت اس کے کسی متعلق کی طرف کسی تاویل سے کی جائے تو اس کو اسناد مجاز عقلی کہتے ہیں۔ آنے والا تو فرشتہ تھا لیکن چونکہ وہ حامل وحی تھا' اس لیے آنے کا اسناد وحی کی طرف کر دیا' قرآن کریم میں اسناد مجاز عقلی کی بہت مثالیں ہیں اور ہم نے "تبیان القرآن" میں الواقعہ: ۶۳ کے تحت اس پر بھرپور بحث کی ہے۔

نیز اس حدیث میں "صلصلۃ" کا لفظ ہے' علامہ ابن اثیر متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے:

اس کا معنی ہے: لوہے کے لوہے کے ساتھ ٹکرانے کی آواز۔

(نہایہ ج ۳ ص ۴۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' التوشیح ج ۱ ص ۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ زمخشری متوفی ۵۸۳ ھ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے: خشک مٹی کے بجنے کی آواز۔

(الفائق ج ۲ ص ۲۶۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز اس حدیث میں "الجرس" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: پست آواز۔ (النہایہ ج ۱ ص ۲۵۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ محمد بن ابوبکر رازی متوفی ۶۶۰ ھ لکھتے ہیں:

پرندوں کی چونچ سے نکلنے والی آواز کو جرس کہتے ہیں' حدیث میں ہے: جنتی جنت کے پرندوں کی جرس یعنی ان کے زیورات کی

جھنکار کو بھی جرس کہتے ہیں' اونٹوں کے گلوں میں جو گھنٹی بندھی ہوئی ہوتی ہے اور ان کے چلنے سے جو گھنٹی کی آواز آتی ہے' اس کو بھی جرس کہتے ہیں۔ (مختار الصحاح ص ۷۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور لوگ سونے کے لیے چلے گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیغام بھیجا کہ جس اونٹ کے گلے میں بھی کوئی قلادہ (ہار یا گھنٹی کی رسی) ہو' اس کو کاٹ دیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۵' سنن ابوداؤد: ۲۵۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فرشتے ان قافلوں کی مصاحبت نہیں کرتے' جن میں کتا ہو یا جرس (گھنٹی) ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۱۳' سنن ابوداؤد: ۲۵۵۵' سنن ترمذی: ۱۷۰۳' صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۵۳' سنن دارمی: ۲۶۷۶' سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۵۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۵۶۶۔ ج ۱۳ ص ۱۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث میں جرس کی آواز کو مکروہ فرمایا اور وحی ایک اشرف اور اعلیٰ آواز ہے' اس کو مکروہ چیز کی آواز سے تشبیہ دینا کیسے درست ہوگا' کیونکہ زیر بحث حدیث میں وحی کو جرس کی آواز کی مثل فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام اوصاف اور تمام احکام میں اس کی مثل ہو' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا محمل جنگی قافلے ہیں اور اگر جنگی قافلوں میں اونٹوں کے گلوں میں گھنٹی ہو تو اس سے دشمن کو مسلمانوں کے ٹھکانوں کا پتا چل جائے گا' تیسرا جواب یہ ہے کہ گھنٹی کی آواز یا جرس کی دو حیثیتیں ہیں' ایک تو وہ آواز قوی اور مسلسل ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ اس میں جھنکار ہوتی ہے' وحی کو جو جرس کے ساتھ تشبیہ دی ہے' وہ اس آواز کی قوت اور تسلسل کی وجہ سے ہے اور جھنکار کی صفت کے لحاظ سے اس کا سننا ممنوع ہے اور اس کو مزمار الشیطان بھی کہا گیا ہے اور اس لحاظ سے وحی کو اس کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس ''صلصلة'' کا حدیث میں ذکر ہے' وہ فرشتہ کی آوازِ وحی ہے' علامہ خطابی نے کہا ہے: اس سے مراد وہ آواز ہے' جس کو مسلسل سنا جائے اور پہلی بار اس کو سننے سے معنی واضح نہ ہوحتیٰ کہ بعد میں اس سے معنی سمجھ میں آئے اور ایک اور قول یہ ہے کہ یہ فرشتہ کے پروں کی خفیف سی آواز ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اپنا کوئی حکم نافذ فرماتا ہے تو فرشتے اپنے پروں کو ایک دوسرے پر مارتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۰' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

آوازِ جرس کی صورت میں وحی کے دشوار ہونے کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کی اس قسم کے متعلق فرمایا: اور وہ مجھ پر سخت دشوار ہوتی تھی۔

اس کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے خطاب کی بہ نسبت آوازِ جرس سے معنی سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ وحی تو متعدد طریقوں سے حاصل ہوتی ہے' مثلاً کبھی وحی شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی صورت میں حاصل ہوتی ہے' اور کبھی نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے' کبھی نبی کو سچے خواب دکھائے جاتے ہیں' کبھی نبی سے بلاواسطہ کلام کیا جاتا ہے (جیسے شب معراج کو ہوا)' اور کبھی آپ نے حضرت جبریل کو ان کی اصل شکل میں چھ سو پروں کے ساتھ دیکھا' حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ نے حضرت جبریل کو اس طرح صرف دو بار دیکھا ہے اور کبھی آپ نے حضرت جبریل کو اعرابی کی صورت میں دیکھا اور کبھی آپ نے ان کو حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں دیکھا' الغرض حصولِ وحی کی بہت صورتیں ہیں اور اس حدیث میں صرف دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں' کبھی آوازِ جرس کی صورت میں اور کبھی فرشتہ آپ سے بات کرتا رہتا تھا اور آپ اس کو یاد کرتے رہتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ عام معمول یہ ہے کہ قائل اور سامع کے درمیان کوئی مناسبت ہونی چاہیے اور یہ مناسبت دو

طرح سے حاصل ہو گی یا تو سامع غلبہ روحانیت سے قائل کے وصف سے متصف ہو جائے اور یہ پہلی قسم ہے اور یا قائل سامع کے وصف سے متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے' اور ظاہر ہے کہ حضرت جبریل کے بشریت کے ساتھ متصف ہونے کی بہ نسبت آپ کا ملکیت کے ساتھ متصف ہونا آپ پر مشکل اور دشوار تھا۔

تشکل جبریل کی تحقیق

آپ نے فرمایا: اور کبھی فرشتہ میرے لیے مرد کی شکل میں متشکل ہو جاتا تھا۔ اس فرشتہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے:

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر دو طرح سے وحی آتی تھی' کبھی جبریل مجھ پر وحی ڈالتے جیسے ایک مرد دوسرے مرد کے دل میں کوئی بات ڈالتا ہے اور اس میں سے کچھ مجھ سے چھوٹ جاتا تھا۔ (صحیح البخاری کی حدیث میں ہے کہ انقطاع وحی کے بعد میں اس کو یاد کر چکا ہوتا تھا) اور کبھی میرے پاس آواز جرس کی طرح وحی آتی اور وہ میرے دل سے مخلوط ہو جاتی یعنی میرے دل میں رچ جاتی' پھر اس میں سے کوئی چیز مجھ سے نہیں چھوٹتی تھی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرشتہ بشر کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے' متکلمین نے کہا ہے کہ فرشتے اجسام علویہ (نورانیہ) ہیں' وہ جس شکل میں چاہیں متشکل ہو جاتے ہیں یعنی وہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں' اور بعض فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ فرشتے جواہر روحانیہ ہیں' علامہ ابن عبد السلام کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جبریل کے مرد کی شکل میں متشکل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خلقت کی بعض زائد چیزوں کو زائل کر دیتا اور پھر دوبارہ لوٹا دیتا' حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: اور حق یہ ہے کہ مرد کی شکل میں فرشتے کے متشکل ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ فرشتہ کی ذات مرد ہو جاتی تھی بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے مرد کی صورت میں ظاہر ہوتا اور ان کے جسم میں جو زائد چیزیں تھیں' وہ زائل نہیں ہوتی تھیں' بلکہ دیکھنے والوں کی نظر سے چھپ جاتی تھیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۰' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

''لیتفصد'' کا معنی اور عنوان باب سے حدیث کی مطابقت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سخت سرد دن میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو جس وقت وحی آپ سے منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔

حدیث میں ''لیتفصد عرقًا'' ہے' اس لفظ کا مصدر ''فصد'' ہے' اس کا معنی خون بہانے کے لیے رگ کو کاٹنا ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۴۰۳) اس حدیث میں آپ کی پیشانی کو اس رگ سے تشبیہ دی ہے' جس کو خون بہانے کے لیے کاٹا جائے یعنی جس طرح رگ سے خون بہتا ہے' اسی طرح آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا تھا۔ سخت سردی میں پسینہ بہنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نزول وحی کے وقت آپ کو بہت مشقت اور تھکاوٹ ہوتی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت الحارث بن ہشام نے آپ سے وحی کے متعلق سوال کیا اور آپ نے اس کا مفصل جواب دیا' اس سے معلوم ہوا کہ اطمینان حاصل کرنے کے لیے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس باب کا عنوان ہے: ''بدء الوحی'' اور اس حدیث میں وحی کی ابتداء کا کوئی ذکر نہیں ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت

الحارث کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ وحی کی ابتداء کی کیفیت کیسی تھی یا وحی کے ظہور کی کیفیت کیسی تھی' دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے جواب سے یہ ظاہر ہوا کہ حصولِ وحی دو قسموں میں منحصر ہے خواہ وحی ابتداء میں آئے یا بعد میں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جب عنوان باب کے تحت کئی احادیث ہوں تو کسی ایک حدیث کے ساتھ عنوان کی مطابقت ضروری ہے' ہر حدیث کے ساتھ مطابقت ضروری نہیں ہے اور اس باب کی تیسری حدیث کے ساتھ عنوان کی مطابقت بہت واضح ہے۔

* شرح صحیح مسلم: ۵۹۴۰۔ ج ٦ ص ۹۴۳۔۹۱۷ میں بھی ہم نے اس حدیث کی شرح کی ہے۔اس حدیث میں آپ کے پسینہ بہنے کا ذکر ہے' ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' میں بیان کیا ہے کہ آپ کا پسینہ بہت خوشبودار تھا' ہم نے وہاں اس کے متعلق بہت احادیث ذکر کی ہیں اور کافی فوائد بھی ذکر کیے ہیں' جن کا یہاں اعادہ نہیں کیا۔

۳- بَابٌ: مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ

۳- حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِینَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ فِی النَّوْمِ، فَکَانَ لَا یَرَی رُؤْیَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَیْهِ الْخَلَاءُ، وَکَانَ یَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَیَتَحَنَّثُ فِیهِ. وَهُوَ التَّعَبُّدُ. اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ یَنْزِعَ إِلَی أَهْلِهِ، وَیَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ، ثُمَّ یَرْجِعُ إِلَی خَدِیجَةَ فَیَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتَّی جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِی غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ، قَالَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ، قَالَ فَأَخَذَنِی فَغَطَّنِی حَتَّی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِی فَقَالَ اقْرَأْ، قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِی فَغَطَّنِی الثَّانِیَةَ حَتَّی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِی، فَقَالَ اقْرَأْ، فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِی فَغَطَّنِی الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِی فَقَالَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَکْرَمُ﴾ (العلق: ۱-۳). فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَدَخَلَ عَلَی خَدِیجَةَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَ زَمِّلُونِی زَمِّلُونِی، فَزَمَّلُوهُ حَتَّی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، فَقَالَ لِخَدِیجَةَ

سچے خواب وحی سے ہیں

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب از عروہ بن زبیر از حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا' وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے وحی کی جو ابتداء کی گئی' وہ نیند میں (دکھائے ہوئے) سچے خواب تھے' آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے' روشن صبح کی مثل اس کی تعبیر آ جاتی تھی' پھر آپ کی طرف تنہائی کی محبت ڈالی گئی' آپ غار حراء تنہائی میں جاتے اور گھر لوٹنے سے پہلے وہاں کئی کئی راتیں عبادت کرتے' آپ وہاں قیام کے لیے کھانے کی چیزیں لے جاتے تھے' پھر آپ حضرت خدیجہ کے پاس واپس آتے تو پھر آپ اسی طرح کھانے کی چیزیں لے لیتے' حتیٰ کہ آپ کے پاس وحی آ گئی' اس وقت آپ غار حراء میں تھے' آپ کے پاس فرشتہ آیا' اس نے کہا: ''پڑھیے''۔آپ نے فرمایا: ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں'' آپ فرماتے ہیں: پس اس نے مجھے پکڑا اور اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے انتہائی مشقت ہوئی' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا' اس نے پھر کہا: ''پڑھیے''۔میں نے کہا: ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں''۔اس نے پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے انتہائی مشقت ہوئی' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ''پڑھیے''۔ میں نے کہا: ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں'' پس اس نے مجھے پکڑا اور تیسری بار اتنے زور سے مجھے بھینچا کہ مجھے انتہائی مشقت ہوئی' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا' پھر کہا: ''(اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے (آپ کو) پیدا کیا O جمے ہوئے خون سے

وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ. فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ حَتّٰى اَتَتْ بِهٖ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى ابْنَ عَمِّ خَدِيْجَةَ وَكَانَ امْرَاً تَنَصَّرَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْاِنْجِيْلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِيْجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعًا لَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ. اطراف الحدیث: ۳۳۹۲۔۴۹۵۳۔۶۹۸۲

(صحیح مسلم: ۱۶۰، مصنف عبد الرزاق: ۹۷۱۹، مسند اسحاق بن راہویہ: ۸۹۶، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۱۳، صحیح ابن حبان: ۳۳، الشریعہ للآجری ص ۴۴۳۔۴۴۹، ابن مندہ: ۶۸۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۶۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۵۔۱۳۷، مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۵۹۵۵، ج ۴۳ ص ۱۱۲۔۱۱۳، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۱ھ)

انسان کو پیدا کیا○ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے○'' (العلق: ۱۔۳) رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کو پڑھا پھر اس حال میں گھر لوٹے کہ آپ کا دل کپکپا رہا تھا، آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: ''مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ'' سو گھر والوں نے آپ کو چادر اڑھائی حتیٰ کہ جب آپ کا خوف دور ہو گیا تو آپ نے حضرت خدیجہ کو اس واقعہ کی خبر دی اور فرمایا: مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا، آپ رشتہ داروں سے میل جول رکھتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لیے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والی مشکلات میں مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے گئیں حتیٰ کہ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس پہنچیں جو حضرت خدیجہ کے عم زاد تھے، وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے، وہ عبرانی زبان میں کتاب لکھتے تھے، پس وہ انجیل کو جتنا اللہ چاہتا عبرانی زبان میں لکھتے تھے، وہ بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے، حضرت خدیجہ نے ان سے کہا: اے عم زاد! اپنے بھتیجے کی بات سنیے! تو آپ سے ورقہ نے کہا: اے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ تب رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا جو آپ نے دیکھا تھا، پھر آپ سے ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس (پیغام رساں فرشتہ) ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ پر نازل کیا تھا، کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ مجھ کو نکالنے والے ہیں؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جو شخص بھی آپ جیسا پیغام لے کر آیا اس سے عداوت کی گئی اور اگر مجھے وہ دن زندگی نے پایا تو میں آپ کی بہت قوی مدد کروں گا، اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور ان کی وفات ہو گئی اور وحی کا نزول رک گیا۔

صحیح البخاری: ۳ کے رجال کا تعارف و تبصرہ

(۱) ابو زکریا یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر القرشی المخزومی المصری، امام بخاری نے ان کا نام لکھا ہے: یحییٰ بن بکیر، انہوں نے ان کے باپ کے بجائے ان کے دادا کی طرف منسوب کر کے تدلیس کی ہے، یحییٰ ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ یا ۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۱ھ میں فوت

ہوئے وہ مصریوں میں بہت بڑے حفاظ حدیث میں سے تھے اور لیث بن سعد سے روایت حدیث کرنے میں زیادہ مستند تھے امام بخاری نے ان سے متعدد روایت کی ہیں۔ اسی طرح امام بخاری نے محمد بن یحییٰ الذہلی سے بھی متعدد روایات کی ہیں' ان کے نام میں بھی امام بخاری نے تدلیس کی ہے' المقدسی نے کہا: وہ کبھی ان کو محمد لکھتے ہیں اور نسب ذکر نہیں کرتے' اور کبھی محمد بن عبد اللہ لکھتے ہیں' حالانکہ ان کا پورا نام محمد بن عبد اللہ بن خالد بن فارس بن ذؤیب الذہلی ہے' امام بخاری کبھی ان کو تدلیس کرتے ہوئے ان کے دادا کی طرف منسوب کر کے محمد بن خالد بن فارس لکھتے ہیں اور انہوں نے کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ ہمیں محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی' ابو حاتم نے کہا: یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر حدیث کی فہم رکھتے تھے' ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا' ان کی حدیث لکھی جاتی ہے' امام نسائی نے کہا: وہ ثقہ نہیں ہیں' اور ان دونوں کے غیر نے ان کی توثیق کی ہے' الدار قطنی نے کہا: میرے نزدیک ان میں کوئی حرج نہیں' امام مسلم نے لیث اور یعقوب بن عبد الرحمان سے ان کی روایت ذکر کی ہے' امام مالک نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی (۲) اس حدیث کے دوسرے راوی لیث بن سعد بن عبد الرحمٰن مصری ہیں' یہ اہل مصر کے عالم اور تبع تابعین میں سے تھے' قاہرہ سے چار فرسخ کی مسافت پر واقع بستی قلقشندہ میں ۹۳ھ یا ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵ھ میں وفات پائی' ان کی قبر قرافہ مصر میں ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے' یہ بہت بڑے امام تھے' ان کی جلالت' ثقاہت اور کرامت پر اجماع ہے' یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب پر تھے' جیسا کہ قاضی ابن خلکان نے کہا ہے (۳) اس حدیث کے تیسرے راوی ابو خالد عُقَیل بن خالد بن عقیل القرشی الاموی ہیں' یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے' ۱۴۱ھ میں مصر میں ان کی وفات ہوگئی' یہ حافظ حدیث تھے' صحاح ستہ میں اور کوئی راوی نہیں ہے جس کا نام عُقَیل ہو (۴) اس حدیث کے چوتھے راوی امام ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب الزہری المدنی ہیں' انہوں نے شام میں سکونت اختیار کی' یہ صغیر السن تابعی ہیں' انہوں نے حضرت انس' حضرت ربیعہ بن عباد اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیث کا سماع کیا ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے اور ان سے دو حدیثیں روایت کی ہیں اور ان سے کبار تابعین کی جماعت نے حدیث کو روایت کیا ہے' ان میں عطاء اور عمر بن عبد العزیز قابل ذکر ہیں' صغار تابعین اور تبع تابعین نے بھی ان سے حدیث کو روایت کیا ہے' یہ رمضان ۱۲۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں شام میں فوت ہو گئے تھے (۵) اس حدیث کے پانچویں راوی عروہ بن زبیر ہیں' ان کا ذکر صحیح البخاری: ۲ کے رجال میں ہو چکا ہے (۶) اس حدیث کی چھٹی راویہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں' آپ کا تذکرہ بھی حدیث سابق کے رجال میں ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۳۔ ۱۲۲)

حدیث مذکور کی فنی حیثیت

ہم نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کے نام میں تدلیس کی ہے' تدلیس کا معنی ہے: اشتباہ' جیسے جب نور اور ظلمت مخلوط ہوں تو اندھیرے اور اجالے میں اشتباہ ہو جاتا ہے' اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کے نام میں جو تدلیس ہے' اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا ہے کہ ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' ان کا نام ہے: یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر' امام بخاری نے یحییٰ کو باپ کے بجائے دادا کی طرف منسوب کر دیا' کیونکہ یحییٰ کی نسبت باپ کے بجائے دادا کی طرف زیادہ مشہور تھی۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۲' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

بعض شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے سند میں یحییٰ بن بکیر کا نام بغیر ہمزہ کے لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ ابن کا ہمزہ وہاں حذف ہوتا ہے' جہاں دو علم متناسل ہوں اور چونکہ یحییٰ بکیر کے بیٹے نہیں ہیں' اس لیے امام بخاری کو چاہیے تھا کہ وہ "بن بکیر" کی

بجائے ''ابن بکیر'' لکھتے۔امام بخاری کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری اس نام میں تدلیس کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ یحیٰی بکیر کے بیٹے ہیں' اس لیے انہوں نے ابن کو ہمزہ کے ساتھ نہیں لکھا' اور ایسا وہ اس لیے چاہتے تھے کہ یحییٰ کی نسبت باپ کی بجائے دادا کی طرف زیادہ مشہور تھی۔

یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے' کیونکہ اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے' وہ ابتداء وحی کے وقت موجود نہیں تھیں' وہ اعلان نبوت کے سات سال بعد پیدا ہوئی ہیں' ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے ابتداء وحی کی تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو یا کسی صحابی سے سنی ہو' حافظ ابن الصلاح وغیرہ نے کہا ہے: کم سن صحابہ نے جو ایسے واقعات بیان کیے ہیں' جن کے وقت وہ موجود نہیں تھے اور انہوں نے ان واقعات کے وقت کو نہیں پایا' ان کی احادیث متصل اور مسند کے حکم میں ہیں' کیونکہ ان کی روایات صحابہ سے ہیں اور صحابی کا مجہول ہونا اس کی روایت میں موجب طعن نہیں ہے' استاذ ابواسحاق اسفرائنی نے کہا: اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا' تاوقتیکہ وہ یہ نہ کہہ دے کہ وہ صرف صحابی سے روایت کرتا ہے' علامہ نووی نے کہا ہے کہ صحیح پہلا قول ہے اور یہی امام شافعی اور جمہور کا مسلک ہے' علامہ الطیبی نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے کہا: آپ نے فرمایا: پس حضرت جبریل نے مجھ کو پکڑا اور اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے مشقت ہوئی۔ اگر حضرت عائشہ نے یہ حدیث کسی صحابی سے سنی ہوتی تو وہ کہتے کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور بھینچا' تاہم اس پر یہ اعتراض ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس صحابی نے بہ طور حکایت اس طرح کہا ہو' اس لیے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عائشہ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو' بہرحال ہر تقدیر پر یہ حدیث المتصل المسند کے حکم میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے عنوانات

اس حدیث کی شرح ہم نے نہایت تفصیل کے ساتھ ''شرح صحیح مسلم'' میں کی ہے اور اس میں درج ذیل عنوانات کے تحت مبسوط گفتگو کی ہے:

(۱) وحی کا لغوی معنی (۲) وحی کا شرعی معنی (۳) الہام اور فراست کی تعریفیں (۴) نزولِ وحی کی صورتیں اور اقسام (۵) خواب کی تعریف اور اقسام (۶) ابتداء نبوت میں غار حراء جانے کی حکمتیں (۷) بعثت سے پہلے آپ کی عبادت کی تحقیق (۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرشتہ کو پہچاننے کی تحقیق (۹) حراء میں فرشتہ کی آمد (۱۰) ''ما انا بقارئ'' کی تحقیق (۱۱) پہلی وحی نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف اور گھبراہٹ کی توجیہ (۱۲) حضرت خدیجہ کے تسلی آمیز کلمات کی تشریح (۱۳) ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی توجیہ (۱۴) آیا وحی رک جانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا تھا؟ (۱۵) انقطاع وحی کی مدت کا بیان (۱۶) اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے نبوت سے متصف ہونے کی تحقیق۔

یہ تمام مضامین شرح صحیح مسلم: ۳۱۱۔ ج ۱ ص ۷۱ ۔ ۶۴۹ میں بیان کیے ہیں' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

''مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہے'' اس کی تشریح علامہ ابن جوزی سے

اس حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہے'' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں یہ خوف ہوتا تھا کہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں' وہ شیطان کی طرف سے ہے' کیونکہ کبھی کبھی باطل حق کے ساتھ مشتبہ ہو جاتا ہے' اور آپ مسلسل دلائل کی تلاش کرتے رہتے اور دلائل کا سوال کرتے رہتے' یہاں تک کہ آپ پر صحیح چیز واضح ہوگئی اور

جس طرح ہم میں سے کسی ایک پر واجب ہے کہ وہ رسول کے لائے ہوئے دین کے صدق کو معلوم کرے اور معجزات میں اس کے صدق پر جو دلائل ہیں' ان پر غور کرے' اسی طرح رسولوں پر یہ واجب ہے کہ ان کے پاس جو اللہ کا فرستادہ آیا ہے' اس کے متعلق تفتیش کریں' آیا وہ فرشتہ ہے یا شیطان؟ پس حق اور باطل کی تمیز میں ان کا اجتہاد ہمارے اجتہاد سے کہیں بڑے مرتبہ کا ہے' اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ ہم سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ ہم سے بڑی آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہیں۔

ابتداء میں آپ کو یہ تفتیش اور تشویش تھی' بعد میں آپ کو منکشف ہو گیا کہ آپ کی نبوت برحق ہے اور زیادہ دلائل سے آپ کو اپنی نبوت پر اطمینان قلب ہو گیا' اس کے بعد امام ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجون میں یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی (معجزہ) دکھا' جس کے بعد میں قریش سے ان لوگوں کی پروانہ کروں جو میری تکذیب کرتے ہیں' آپ سے کہا گیا کہ آپ اس درخت کو بلائیں' آپ نے اس درخت کو بلایا تو وہ زمین کو چیرتا ہوا اپنی جڑوں سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا' پھر اس درخت نے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اپنی جگہ واپس جاؤ'' وہ درخت واپس چلا گیا' پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! پھر مجھے قریش کی تکذیب کی کبھی پروا نہیں ہوئی۔

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: شیطان بہت لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے شبہات ڈالتا ہے' جیسے شبہات اس نے ابن صیاد کے دل میں ڈالے تھے' حتیٰ کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور میں نے اس کا ذکر ''تلبیس ابلیس'' میں کیا ہے۔

(کشف المشکل ج ۱ ص ۲۵۔ ۲۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

''مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہے'' اس کی تشریح مصنف سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہے'' کی جو تشریح علامہ ابن جوزی نے کی ہے کہ آپ کو یہ خوف تھا کہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں' کہیں وہ شیطان کی طرف سے تو نہیں ہے' آپ کو اس قسم کا خطرہ اور خوف بالکل نہیں تھا' آپ کو یہ خطرہ اور خوف کیسے ہو سکتا تھا جب کہ آپ کو اسی وقت نبی بنا دیا گیا تھا' جب ہنوز حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۲۴' مسند احمد ج ۵ ص ۵۹) اور بچپن ہی میں آپ کو اپنے نبی ہونے کا یقین ہو گیا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یا رسول اللہ! آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں اور کس چیز سے آپ کو علم ہوا حتیٰ کہ آپ کو یقین ہو گیا؟ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں مکہ میں تھا تو میرے پاس دو فرشتے آئے' ایک زمین پر آ گیا اور دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان تھا' ایک نے اپنے صاحب سے پوچھا: کیا یہ وہی ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! یہ وہی ہیں' اس نے کہا: پھر ان کا ایک مرد کے ساتھ وزن کرو' پھر میرا ایک مرد کے ساتھ وزن کیا تو میں غالب آ گیا' اس نے کہا: پھر ان کا دس مردوں کے ساتھ وزن کرو تو میرا دس مردوں کے ساتھ وزن کیا تو میں ان پر غالب آ گیا' پھر اس نے کہا: ان کا سو مردوں کے ساتھ وزن کرو' پھر میرا سو مردوں کے ساتھ وزن کیا تو میں ان پر غالب آ گیا' پھر ہزار مردوں کے ساتھ وزن کیا تو میں ان پر بھی غالب آ گیا' لوگ میزان کے پلے میں گرتے جا رہے تھے' پھر ایک فرشتہ نے دوسرے سے کہا: ان کا پیٹ شق کرو' پھر میرا پیٹ شق کیا گیا' پھر میرے دل کو نکالا گیا' اس میں سے سیاہ خون کا لوتھڑا نکالا گیا جو شیطان کا حصہ تھا' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کا پیٹ اچھی طرح دھوؤ اور ان کا دل اچھی طرح دھوؤ' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کے پیٹ کو سی دو' تو انہوں نے میرے پیٹ کو سی دیا' پھر انہوں نے میرے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو رکھ دیا' وہ اب تک اسی طرح ہے اور میں یہ تمام واقعہ دیکھ رہا تھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۶۷' سنن دارمی: ۱۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۵۔ ۱۸۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۶)

* تبیان القرآن میں الانشراح: ا کی تفسیر میں ہم نے اس کی بہت زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے۔

نیز حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعلان نبوت سے پہلے مکہ میں ایک پتھر مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا' میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۲۷۷)

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء نبوت کی بات تو الگ رہی' اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ کو اپنی نبوت کے متعلق کسی قسم کا تردد اور شک نہیں تھا اور آپ کو اپنے نبی ہونے پر جزم اور یقین تھا اور آپ نے جو حضرت خدیجہ سے فرمایا تھا: مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہے' اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کو اپنی نبوت میں شک تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ پر بالفعل نبوت کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے' آپ کو یہ پریشانی تھی کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کہیں آپ سے کوئی کمی یا کوتاہی نہ ہو جائے' تب ہی تو حضرت خدیجہ نے آپ کو یہ جواب دیا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مختصر سوانح

اس حدیث میں چونکہ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے ہم حضرت خدیجہ کا تذکرہ پیش کر رہے ہیں: حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان کا پورا نام ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی القرشیہ الاسدیہ' آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں' اور جن لوگوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی' ان میں مطلقاً سب سے اول ہیں۔

الزبیر بن بکار نے کہا: بعثت سے پہلے ان کا لقب طاہرہ تھا' ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ قرشیہ ہے' وہ پہلے ابوہالہ بن زرارہ بن النباش کے نکاح میں تھیں' ابوہالہ کے بعد عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمر نے ان سے عقد کیا' اس کی وفات کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا' علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اکثر کا قول یہی ہے۔

قتادہ نے اس کے برعکس کہا ہے کہ ان کے پہلے خاوند عتیق تھے اور دوسرے خاوند ابوہالہ تھے' امام ابن اسحاق کی رائے بھی قتادہ کے موافق ہے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے پندرہ سال پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا تھا' وہ بہت امیر خاتون تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے نکاح کی رغبت کا سبب یہ تھا کہ ان کے غلام میسرہ نے اعلان نبوت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات نبوت کا مشاہدہ کیا تھا اور حضرت خدیجہ نے آپ کے متعلق بحیرا راہب سے بھی کلمات ثناء سنے تھے' اس وقت جب کہ حضرت خدیجہ کی تجارت کے سلسلہ میں آپ نے میسرہ کے ساتھ سفر کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ سے ہوئی ہے' ماسوا حضرت ابراہیم کے وہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ وہ پہلی خاتون ہیں' جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور آپ کی وحی کی تصدیق کی' اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر معاملات آسان کر دیئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کوئی ایسی بات سنتے' جس کا جواب دینا آپ کو ناگوار ہوتا تو وہ حضرت خدیجہ سے اس کا ذکر کرتے تو وہ آپ کو تسلی دیتیں اور مطمئن کرتیں۔

امام ابونعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے آسمان اور زمین کے درمیان ایک شخص کو دیکھا' حضرت خدیجہ نے آپ سے کہا کہ آپ میرے قریب ہو جائیں' آپ ان کے قریب ہوئے' پھر حضرت خدیجہ نے پوچھا: آپ اس کو دیکھ رہے ہیں' آپ نے فرمایا: ہاں!

حضرت خدیجہ نے کہا: آپ اپنا سر میری قمیص کے اندر کر لیں' آپ نے ایسا کر لیا' حضرت خدیجہ نے پوچھا: آپ اس کو دیکھ رہے ہیں: آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت خدیجہ نے کہا: آپ کو مبارک ہو' یہ فرشتہ ہے کیونکہ اگر یہ شیطان ہوتا تو حیا نہ کرتا' پھر آپ نے اس فرشتہ کو اجیاد میں دیکھا' وہ آپ کے پاس آیا اور آپ کے لیے کشادہ ہو گیا' پھر اس نے زمین کو کھودا تو اس میں سے پانی نکل آیا' پھر حضرت جبریل نے آپ کو بتایا کہ کس طرح وضو کریں' پھر انہوں نے وضو کیا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کو نبوت کی بشارت دی اور آپ کو' اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ'' (العلق:۱) کی تعلیم دی' پھر حضرت جبریل چلے گئے' پھر نبی ﷺ جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے تھے' وہ کہتا تھا: ''سلام علیك یا رسول اللّٰہ!'' آپ نے حضرت خدیجہ کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی' حضرت خدیجہ نے کہا: آپ مجھے سکھائیں' انہوں نے کس طرح وضو کیا تھا' پھر حضرت خدیجہ نے اس طرح وضو کیا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی' پھر کہا: میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم:۱۶۵)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت خدیجہ کے سب سے پہلے اسلام لانے کی زیادہ تصریح ہے۔

امام واقدی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ یعلیٰ بن امیہ کی بہن نفیسہ نے بیان کیا کہ حضرت خدیجہ بہت معزز اور بہت حسین تھیں' اور انہوں نے نبی ﷺ کو بصریٰ میں تجارت کے لیے بھیجا' آپ دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ نفع لے کر آئے' حضرت خدیجہ نے آپ کو کسی کی معرفت نکاح کا پیغام دیا' آپ نے اس کو قبول فرمالیا' جس وقت آپ نے حضرت خدیجہ سے عقد کیا اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی' حضرت خدیجہ سے آپ کے بیٹے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ پیدا ہوئے' حضرت عبداللہ ہی کو طیب اور طاہر کہا جاتا ہے کیونکہ یہ زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اور حضرت خدیجہ ہی سے آپ کی چار بیٹیاں پیدا ہوئیں' الواقدی نے کہا: اس پر ہمارا اجماع ہے اور جس وقت نبی ﷺ نے حضرت خدیجہ سے نکاح کیا' اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام عورتوں میں افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں اور تمام عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہیں۔

(صحیح مسلم:۲۴۳۰' سنن ترمذی:۳۸۷۷' مسند احمد ج۱ ص ۱۱۶۔ ۸۴' سنن بیہقی ج۹ ص ۳۶۷' المستدرک ج۲ ص ۴۹۷' کنز العمال:۳۴۴۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! یہ آپ کے پاس خدیجہ آ رہی ہیں' ان کے ساتھ طعام اور مشروب ہے' جب یہ آئیں تو آپ ان کو ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور میری طرف سے سلام کہیں۔ (المعجم الکبیر ج۱۵ ص ۲۳)

امام ابن السنی نے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت خدیجہ رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈتی ہوئی مکہ کی اونچائی پر گئیں' ان کے پاس آپ کی غذا تھی' حضرت جبریل آپ کو ایک انسان کی صورت میں ملے اور انہوں نے حضرت خدیجہ سے نبی ﷺ کے متعلق سوال کیا' حضرت خدیجہ ان سے خوف زدہ ہوئیں کہ کہیں وہ آپ کو اغواء نہ کر لیں' حضرت خدیجہ نے نبی ﷺ سے ان کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: وہ حضرت جبریل تھے اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو سلام کروں اور آپ کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت دوں' جو موتیوں سے بنا ہوا ہے' اس میں شور ہوگا نہ تھکاوٹ ہوگی۔ (المستدرک ج۳ ص ۱۸۵' مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلتے تھے تو حضرت خدیجہ کا ذکر کرتے اور ان کی تعریف اور تحسین کرتے' پھر ایک دن مجھے ان پر غیرت آ گئی اور میں نے کہا: وہ ایک بوڑھی عورت تھیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے بدلہ میں ان سے بہتر بیوی عنایت کر دی ہے' آپ غضب میں آ گئے اور آپ نے فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم! اللہ نے مجھے ان سے بہتر

بیوی عنایت نہیں کی' وہ اس وقت ایمان لائیں جب سب کافر تھے' انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب سب میری تکذیب کر رہے تھے اور جب لوگوں نے محروم کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے مال سے میری غم خواری کی' اور اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف ان ہی سے اولاد عطا کی ہے نہ کہ دوسری بیویوں سے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۸۔ ۱۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری ذبح کرتے تو آپ فرماتے: اس کا گوشت خدیجہ کی سہیلیوں کی طرف بھیجو' ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے آپ سے ان کی سہیلیوں کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: میں ان کی سہیلیوں سے بھی محبت کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۴۳۵' کنز العمال: ۱۸۴۳۹)

امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات ایک سال میں ہوئی ہے اور دوسروں نے کہا کہ ان کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت خدیجہ کی وفات فرضیت نماز سے پہلے ہوئی ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج سے پہلے۔

الواقدی نے کہا: حضرت خدیجہ کی وفات دس رمضان کو ہوئی ہے' اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی' ان کو الحجون میں دفن کیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے' اس وقت تک جنازہ کی نماز مشروع نہیں ہوئی تھی۔

(الاصابہ ج ۸ ص ۱۰۳۔ ۹۹ ملخصاً مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث میں ورقہ بن نوفل کا بھی ذکر آ گیا ہے' اس لیے اب ہم ان کا تذکرہ کر رہے ہیں:

ورقہ بن نوفل کا تذکرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان کا پورا نام ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی القرشی الاسدی ہے' یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد تھے۔

الطبری' البغوی' ابن قانع' ابن السکن وغیرھم نے ان کا صحابہ میں شمار کیا ہے اور سب نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ورقہ بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا محمد! آپ کے پاس جو فرشتہ آتا ہے وہ کیسے آتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ میرے پاس آسمان سے آتا ہے' اس کے پر موتیوں کے ہیں اور اس کے تلوے سبز رنگ کے ہیں۔

امام ابن عساکر نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ورقہ سے سماع نہیں ہے اور میں نے کسی سے یہ نہیں سنا کہ ورقہ اسلام لے آئے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح البخاری: ۳ میں ہے کہ ورقہ نے کہا: یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا' کاش! میں اس وقت جوان ہوتا' کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی' الحدیث' اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہے اور ان کی وفات ہو گئی' اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کی نبوت کا اقرار کر لیا تھا' لیکن وہ اس سے پہلے فوت ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے' پس ورقہ بن نوفل کا حال بحیرا راہب کی مثل ہے۔

ورقہ بن نوفل کے صحابی ہونے میں اشکال ہے' لیکن عمرو بن شرحبیل جو کبار تابعین میں سے ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا: میں جب تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا تو میں نے ایک نداء سنی' پس اللہ کی قسم! مجھے اپنے نفس پر خطرہ ہوا' حضرت خدیجہ نے کہا: معاذ اللہ! اللہ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا' پس اللہ کی قسم! آپ امانتوں کو ادا کرتے ہیں' الحدیث بہ

ورقہ نے کہا: آپ کو بشارت ہو پھر بشارت ہو بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جس کی ابن مریم نے بشارت دی تھی اور بے شک آپ کے پاس ناموس موسیٰ کی مثل ہے اور بے شک آپ نبی مرسل ہیں اور بے شک چند دنوں کے بعد آپ کو جہاد کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس زمانہ نے مجھے پالیا تو میں ضرور آپ کے ساتھ جہاد کروں گا' پھر جب وہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے القس (راہب) کو جنت میں دیکھا' اس پر ریشم کا لباس تھا کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور اس نے میری تصدیق کی تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔

لیکن اس حدیث کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ الزبیر بن بکار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت میں پیٹھ کے بل لٹا کر عذاب دیا جا رہا تھا اور وہ ''اَحَد اَحَد'' کہہ رہے تھے تو ورقہ اس وقت وہاں سے گزرے اور انہوں نے کہا: اے بلال! ''اَحَد اَحَد'' کہتے رہو' اللہ کی قسم! اگر تم لوگوں نے اس کو قتل کر دیا تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لے گی۔

یہ حدیث عمدہ مرسل ہے' اور یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ ورقہ اس وقت تک زندہ تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' حتیٰ کہ حضرت بلال اسلام لے آئے' اور اس حدیث میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس طرح تطبیق ہو گی کہ حضرت عائشہ نے جو فرمایا تھا کہ پھر ورقہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور فوت ہو گئے' اس کا محمل یہ ہے کہ وہ اسلام کے مشہور ہونے اور جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ محمد بن عائذ نے ''المغازی'' میں عثمان بن عطاء خراسانی کی سند سے روایت کیا کہ ورقہ بن نوفل نصرانیت پر فوت ہو گئے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان ضعیف راوی ہے۔

الزبیر نے کہا ہے کہ ورقہ بتوں کی عبادت کو برا جانتے تھے' اور انہوں نے متعدد شہروں میں پھر کر صحیح دین کو تلاش کیا اور کتابوں کا مطالعہ کیا اور حضرت خدیجہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق سوال کیا کرتی تھیں اور وہ کہتے تھے کہ میرا یہی یقین ہے کہ وہ اس امت کے نبی ہیں اور یہ وہی ہیں جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔

امام ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ نے ''الکامل'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے ورقہ کو جنت کے نشیب میں دیکھا' ان پر ریشمی لباس تھا' امام ابن عدی نے کہا: اس کی سند میں اسماعیل اپنے والد سے منفرد ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۳۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: لیکن امام ابن السکن نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس میں یہ عبارت ہے: میں نے جنت کے دریاؤں میں ایک دریا پر ورقہ کو دیکھا کیونکہ وہ کہتے تھے: میرا اور زید کا دین ایک ہے اور میرا اور زید کا معبود ایک ہے۔

امام محمد بن ابی شیبہ اور امام بزار نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔

یونس بن بکیر کی ''مغازی'' میں عروہ سے روایت ہے کہ ورقہ کے بھائی نے ایک شخص کو برا کہا' اس نے جواب میں ورقہ کو برا کہا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے اس کو منع کیا اور فرمایا: میں نے ورقہ کے لیے ایک جنت یا دو جنتیں دیکھی ہیں' پھر آپ نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا۔

امام بزار نے اور امام احمد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے اس کو سفید لباس میں دیکھا ہے' میرا گمان ہے کہ اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا تو اس پر سفید لباس نہ ہوتا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۶۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۴۳۶۷۔ ج ۴۰ ص ۴۳۰' مسند عبد الرزاق: ۹۷۰۹' سنن ترمذی: ۲۲۸۸' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۳' مسند ابویعلیٰ: ۴۰۴۷) (الاصابہ ج ۶ ص ۴۷۷۔ ۴۷۴ ملخصا دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

٤- **قال** ابْنُ شِهَابٍ وَاَخْبَرَنِیْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ' اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیَّ قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْیِ ' فَقَالَ فِیْ حَدِيْثِهٖ بَيْنَا اَنَا اَمْشِیْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَآءِ ' فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ ' فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِیْ جَآءَنِیْ بِحِرَآءٍ جَالِسٌ عَلٰی كُرْسِیٍّ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ' فَرُعِبْتُ مِنْهُ ' فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ O وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (المدثر: ۵۔ ۱) ' فَحَمِیَ الْوَحْیُ وَ تَتَابَعَ.

ابن شہاب نے کہا کہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے مجھے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما وحی کے رکنے کا حال بیان کر رہے تھے' انہوں نے کہا: جس وقت میں جا رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی' میں نے نظر اٹھائی تو میں نے دیکھا کہ وہی فرشتہ تھا' جو میرے پاس حراء میں آیا تھا' وہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' میں اس سے مرعوب ہو کر لوٹ آیا' میں نے کہا: مجھے چادر اڑھاؤ' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: "اے چادر اوڑھنے والے O اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے O اور اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے O اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے O اور بتوں کے ترک پر قائم رہیے O" (المدثر: ۵۔ ۱) پھر بکثرت وحی کا نزول ہوا اور لگا تار وحی آنے لگی۔

تَابَعَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ وَ اَبُوْ صَالِحٍ ' وَتَابَعَهٗ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ ۔ وَقَالَ يُوْنُسُ وَمَعْمَرٌ بَوَادِرُهٗ. [اطراف الحدیث: ۳۲۳۸۔ ۴۹۲۲۔ ۴۹۲۳۔ ۴۹۲۴۔ ۴۹۲۵۔ ۴۹۲۶۔ ۴۹۵۴۔ ۶۲۱۴]

(صحیح مسلم: ۱۶۱' سنن ترمذی: ۳۳۲۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۶۳۱)

عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے (لیث سے روایت میں) یحییٰ بن بکیر کی متابعت کی اور ہلال بن رداد نے (ابن شہاب) زہری سے روایت میں عقیل کی متابعت کی اور یونس اور معمر نے "آپ کا دل کپکپا رہا تھا" کی بجائے کہا ہے: "آپ کے کندھوں کے درمیان گوشت کپکپا رہا تھا"۔

صحیح البخاری: ٤ کے رجال کا تعارف

(۱) اس حدیث کے پہلے راوی ہیں ابن شہاب اور وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں' ان کا تعارف صحیح البخاری: ۳ کے رجال میں ہو چکا ہے (۲) اس حدیث کے دوسرے راوی ہیں ابوسلمہ' ان کا نام عبد اللہ یا اسماعیل ہے اور ان کی کنیت ابن عبد الرحمن بن عوف ہے' اور حضرت عبد الرحمان بن عوف ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی' یہ قرشی مدنی تابعی ہیں' یہ سات فقہاء مدینہ میں سے ایک ہیں' یہ ۷۲ سال کی عمر گزار کر الولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ۹۴ھ میں فوت ہوئے (۳) اس حدیث کے تیسرے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۵۴۰ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم نے ان میں سے ۲۱۰ احادیث روایت کی ہیں' ان میں ۵۸ احادیث پر دونوں متفق ہیں' ۲۶ احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں' اور ۱۲۶ احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' یہ ۹۴ سال کی عمر میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے' وفات سے پہلے نابینا ہو گئے تھے' ان کی وفات ۷۴ھ یا ۷۸ھ یا ۷۹ھ میں ہوئی' یہ آخری صحابی تھے جو مدینہ میں فوت ہوئے' صحابہ میں جابر بن عبد اللہ نام کے تین اشخاص ہیں: ایک

یہ ہیں' دوسرے جابر بن عبد اللہ بن رباب بن نعمان ہیں' تیسرے جابر بن عبد اللہ الراسبی ہیں اور صحابہ میں صرف جابر نام کے چوبیس افراد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۱۷)

حدیث مذکور کی فنی حیثیت

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند کے اوّل راویوں کا ذکر نہیں ہے اور اس کی سند کو ابن شہاب زہری سے شروع کیا ہے اور جس حدیث کی سند کے اوّل حصہ کو ذکر نہ کیا جائے اس کو تعلیق کہا جاتا ہے اور امام بخاری اس تعلیق کو ذکر کرتے ہیں' جو ان کے نزدیک مسند ہو' یا تو اس کی سند پہلے گزر چکی ہے' جیسے انہوں نے حدیث نمبر ۳ کے شروع میں کہا ہے: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی' انہوں نے عقیل سے روایت کی' پھر کہا: ابن شہاب زہری نے کہا: اور یا اس کی کوئی اور سند ہے' جس کو کسی ایسی غرض سے ترک کر دیا' جو تعلیق کی اغراض ہوتی ہیں' مثلاً یہ کہ وہ ثقات کے نزدیک معروف ہے یا اس وجہ سے کہ اس کتاب میں کسی اور جگہ اس کا ذکر ہے' یا اس طرح کی اور کوئی وجہ' حافظ ابن حجر نے کہا: جس کا یہ زعم ہے کہ یہ سند معلق ہے' اس نے خطا کی۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ نے اس سے علامہ کرمانی پر تعریض کی ہے' حالانکہ تعریض کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کی سند بہ ظاہر صورۃً معلق ہے' اگر چہ دوسری جگہ یہ حدیث مسند ہے کیونکہ یہ حدیث'' کتاب الادب'' میں اور'' کتاب التفسیر'' میں مذکور ہے اور وہاں اس حدیث کی پوری سند ذکر کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۱۸۔ ۱۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

انقطاع وحی کی مدت کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر فترت وحی کا حال بیان کر رہے تھے' فترت کا معنی ہے: انقطاع وحی کا زمانہ' چونکہ پہلی وحی کے موقع پر آپ کو سخت گھبراہٹ اور وحشت ہوئی تھی تو آپ کو وحی سے مانوس کرنے کے لیے اور آپ کو وحی کا اشتیاق دلانے کے لیے کچھ عرصہ آپ پر وحی کا نزول روک لیا گیا تھا' اس مدت کے بیان میں محدثین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

علامہ بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی ۷۹۴ھ لکھتے ہیں:

یہ مدت اڑھائی سال تھی اور امام ابن اسحاق نے کہا ہے: یہ مدت تین سال تھی۔

(التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح ج ۱ ص ۳۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے اپنی'' تاریخ'' میں شعبی سے روایت کیا کہ انقطاع وحی کی مدت تین سال تھی اور اسی پر امام ابن اسحاق کا جزم ہے۔ (التوشیح علی الجامع الصحیح ج ۱ ص ۷۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے فترت الوحی کے متعلق بہت تفصیل سے لکھا ہے:

'' تاریخ احمد بن حنبل'' میں شعبی سے روایت ہے کہ انقطاع وحی کی مدت تین سال تھی اور اسی پر امام ابن اسحاق کو اعتماد ہے' اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپ کی ابتداء نبوت میں سچے خواب دیکھنے کی مدت چھ ماہ تھی' اس بناء پر آپ کی ولادت کے ماہ ربیع الاوّل سے چالیس سال پورے ہونے کے بعد سچے خوابوں سے آپ کی نبوت کی ابتداء ہوئی' اور بیداری میں وحی کی ابتداء رمضان میں ہوئی' اور فترت وحی کی تین سالہ مدت جو'' اقراء باسم ربك'' اور'' یا ایها المدثر '' کے نزول کا درمیانی عرصہ ہے' اس مدت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس دوران آپ کے پاس جبریل امین نہیں آتے تھے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ'' اقراء '' کے بعد تین سال تک قرآن نازل نہیں ہوا اور اس کے تین سال بعد سورہ'' یایها المدثر '' نازل ہوئی۔ '' تاریخ احمد بن حنبل'' میں شعبی سے روایت ہے:

چالیس سال کی عمر میں آپ پر نبوت نازل ہوئی' پھر تین سال تک اسرافیل آپ کی نبوت کے ساتھ رہے' اور ان کی زبان سے آپ پر قرآن نازل نہیں ہوا' اور وہ آپ کو تعلیم دیتے رہے اور جب تین سال پورے ہو گئے' تو جبریل آپ کے ساتھ رہے' پھر ان کی زبان سے بیس سال تک آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا' علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ انقطاع وحی کی مدت اڑھائی سال ہے اور بعض روایات میں ہے کہ انقطاع وحی کی مدت چھ ماہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انقطاع وحی کی مدت چند ایام ہے' اس کی مفصل بحث ان شاء اللہ'' کتاب التعبیر'' میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۰۶' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ ھ)

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں'' کرسی'' کا لفظ ہے' اس کی جمع'' کراسی'' ہے' الماوردی نے کہا:'' کرسی'' کا اصل معنی علم ہے' اس لیے جس صحیفہ میں علم کی باتیں لکھی ہوئی ہوں' اس کو'' کراسۃ'' کہا جاتا ہے' زمخشری نے کہا:'' کرسی'' وہ چیز ہے جس پر بیٹھا جاتا ہے' نیز اس میں'' رعب'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: خوف' مرعوب ہونے کا معنی ہے: خوف زدہ ہونا'' المدثر'' کا معنی ہے: چادر لپیٹنے والے' عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: نبوت کی چادر لپیٹنے والے' المدثر: ۲ میں فرمایا:'' قم فانذر'' اس کا معنی ہے: جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے ان کو عذاب سے ڈرایئے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو بشارت دینے والے بھی ہیں اور ڈرانے والے بھی ہیں' اس آیت میں صرف ڈرانے پر اقتصار کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بشارت اس کے لیے ہوتی ہے جو اسلام میں داخل ہو جائے' اس وقت تک لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے' المدثر: ۳ میں فرمایا:'' وربك فكبر'' اس کا معنی ہے: اللہ کی تعظیم کیجئے اور جو صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کی براءت بیان کیجئے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز کی تکبیر ہے' المدثر: ۴ میں فرمایا:'' وثيابك فطهر'' اس کا معنی ہے: اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھیے' ایک قول یہ ہے کہ'' ثیاب'' سے مراد ہے: نفس' یعنی اپنے نفس کو ہر عیب اور نقص سے پاک رکھیے' المدثر: ۵ میں فرمایا:'' والرجز فاهجر'' اکثرین کے نزدیک'' رجز'' کا معنی بت ہیں' یعنی حسب معمول بتوں سے دُور رہیں۔ بعض نے کہا:'' رجـــز'' سے مراد شرک ہے' بعض نے کہا: اس سے مراد گناہ ہے' لغت میں'' رجز'' کا معنی بتوں کی عبادت کرنا ہے' اور اس حدیث میں'' فحمي'' کا لفظ ہے'' حمی'' کا معنی ہے: کسی چیز کا گرم ہونا اور اس سے مراد ہے: کسی چیز کا بہ کثرت ہونا' جیسے کہتے ہیں: بازار گرم ہو گیا یعنی اس میں خرید و فروخت بہ کثرت ہو رہی ہے اور بازار ٹھنڈا ہو گیا یعنی اس میں خرید و فروخت کم ہو رہی ہے' اور'' تتابع'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: کسی کام کا مسلسل ہونا اور منقطع نہ ہونا۔

یعنی پہلی وحی (اقراء باسم ربك) کے بعد وحی کا آنا رک گیا تھا اور جمہور کے قول کے مطابق تین سال تک رکا رہا' پھر اس کے بعد وحی کا نزول شروع ہو گیا اور تسلسل کے ساتھ جاری ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۱۹۔ ۱۱۸ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

اس کے بعد امام بخاری نے بتایا ہے کہ صحیح البخاری: ۳ کی جو سند ذکر کی گئی تھی' اس میں دو راویوں (یحییٰ بن بکیر اور عقیل) کے متابع بھی ہیں' اب ہم ان کے متابع کو تفصیل سے بیان کریں گے اور متابعت کی تعریف ذکر کریں گے۔

صحیح البخاری: ۳ کی سند میں متابعت کی تفصیل

اگر کوئی راوی حدیث میں اپنے شیخ سے روایت میں متفرد ہو یعنی اس کے علاوہ اور کوئی راوی اس حدیث کو اس کے شیخ سے روایت نہ کر رہا ہو تو اس روایت کو غریب اور فرد کہا جاتا ہے' لیکن اگر بعد میں تحقیق اور تتبع سے یہ معلوم ہو جائے کہ اور راوی بھی اس شیخ سے روایت کر رہے ہیں تو وہ روایت غرابت سے نکل جاتی ہے اور اس متفرد راوی کو متابَع (ب کی زبر) اور متابعت کرنے والے کو متابِع (ب کی زیر) اور اس کے شیخ کو متابَع علیہ کہا جاتا ہے۔ صحیح البخاری: ۳ کی سند میں یہ گمان کیا جا رہا تھا کہ یحییٰ بن بکیر اس حدیث

کی روایت میں اپنے شیخ لیث سے متفرد ہے اس بناء پر اس حدیث کو غریب اور فرد کہا جا رہا تھا' بعد میں تحقیق اور تتبع سے معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن یوسف اور ابوصالح بھی اس حدیث کو لیث سے روایت کر رہے ہیں' لہٰذا یہ حدیث غرابت سے نکل گئی اور عبد اللہ بن یوسف اور ابوصالح متابع ہیں اور یحییٰ بن بکیر متابَع (ب پر زبر) ہیں اور لیث متابَع علیہ ہے۔

اسی طرح اس حدیث کی سند میں عُقیل کے بارے میں یہ گمان تھا کہ وہ اس حدیث کی روایت میں محمد بن مسلم ابن شہاب زہری سے متفرد ہے' لیکن بعد میں تحقیق اور تتبع سے معلوم ہوا کہ ھلال بن رداد نے بھی اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے' لہٰذا یہ حدیث غرابت سے نکل گئی' سو ھلال بن رداد متابع ہوا اور عُقیل متابَع (ب کی زبر) ہوا اور ابن شہاب زہری متابَع علیہ ہوا۔

متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ کی تعریفیں اور متابع اور شاہد کا فرق

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

اعتبار کی تعریف یہ ہے کہ کسی حدیث کے راوی میں یہ غور کیا جائے کہ اس حدیث کی روایت میں کوئی اور راوی بھی اس کا شریک ہے یا نہیں' اگر شریک ہے تو وہ اس کے شیخ سے اس حدیث کو روایت کر رہا ہے یا اس کے شیخ الشیخ سے' اگر دوسرا راوی اس کے شیخ سے اس حدیث کو روایت کر رہا ہے تو یہ متابعت تامہ ہے اور اگر دوسرا راوی اس کے شیخ الشیخ سے اس حدیث کو روایت کر رہا ہے تو یہ متابعت قاصرہ ہے' اسی طرح آخر اسناد تک غور کیا جائے' اگر کوئی راوی اس روایت میں شریک نہ ہو تو پھر دیکھا جائے کہ کوئی اور راوی اس حدیث کے معنی کی روایت کر رہا ہے یا نہیں' اگر کوئی اور راوی اس حدیث کے معنی کی روایت کر رہا ہو تو اس کو شاہد کہا جائے گا اور اگر کوئی اور راوی اس حدیث کے معنی کی بھی روایت نہ کر رہا ہو تو پھر وہ حدیث فرد اور غریب ہوگی۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ص ۱۱۸' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۴ھ)

متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ کی مثالیں

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

اعتبار کی مثال یہ ہے کہ مثلاً حماد اس سند سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں: از ایوب' از ابن سیرین' از ابوہریرہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس سند میں ایوب کا کوئی متابع نہیں ہے' پھر تفتیش کی جائے گی کہ آیا ایوب کے علاوہ کوئی اور ثقہ راوی ابن سیرین سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے' پھر اگر ایوب کے علاوہ ابن سیرین سے کوئی اور ثقہ راوی اس حدیث کو روایت نہ کرتا ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ آیا ابن سیرین کے علاوہ کوئی اور ثقہ راوی اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے' پھر اگر حضرت ابوہریرہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والا ابن سیرین کے علاوہ نہ ملے تو پھر دیکھا جائے گا کہ آیا حضرت ابوہریرہ کے علاوہ کسی اور صحابی نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے یا نہیں' ان مذکورہ امور میں سے جس چیز کا بھی ثبوت مل جائے تو پتا چل جائے گا کہ اس حدیث کی اصل ہے' پھر اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور متابعت یہ ہے کہ اس حدیث کو حماد کے علاوہ کوئی اور راوی ایوب سے روایت کرے تو پھر یہ متابعت تامہ ہوگی یا ابن سیرین کے علاوہ کوئی اور راوی حضرت ابوہریرہ سے روایت کرے یا حضرت ابوہریرہ کے علاوہ کوئی اور صحابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کرے تو ان میں سے ہر ایک کو متابعت کہا جائے گا اور پہلی صورت کے بعد جس قدر بعد والی صورتیں ہیں وہ متابعت قاصرہ ہیں' اور متابعت کو شاہد بھی کہا جاتا ہے' اور شاہد یہ ہے کہ اس حدیث کو کوئی ثقہ راوی معنی کے اعتبار سے روایت کرے اور متابعت کو شاہد نہیں کہا جاتا (یعنی شاہد خاص ہے کہ کوئی ثقہ راوی اس حدیث کو معنیً روایت کرے اور متابع عام ہے کہ کوئی ثقہ راوی اس حدیث کو لفظاً روایت کرے یا معنیً روایت کرے)۔ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ص ۱۲۰' دار الکتاب العربی' ۱۴۲۴ھ)

٤ - بَابٌ

٥- حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ (القیامۃ: ١٦) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيْلِ شِدَّةً وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ سَعِيْدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ (القیامۃ: ١٦) قَالَ جَمْعُهُ لَهُ فِي صَدْرِكَ وَتَقْرَأَهُ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ (القیامۃ: ١٨) قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (القیامۃ: ١٩) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ.

[اطراف الحدیث: ۴۹۲۷ ـ ۴۹۲۸ ـ ۴۹۲۹ ـ ۵۰۴۴ ـ ۷۵۲۴]

(صحیح مسلم: ۴۴۸ ، سنن ترمذی: ۳۳۲۹ ، سنن نسائی: ۹۳۴ ، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۹۸۰)

باب

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہمیں موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہمیں سعید بن جبیر نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے '' آپ قرآن کے ساتھ عجلت میں (یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان کو حرکت نہ دیں'' (القیامہ: ۱۶) کی تفسیر میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے حصول میں مشقت اٹھاتے تھے اور آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں تمہارے لیے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونٹوں کو ہلاتے تھے اور سعید نے کہا: میں اس طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح میں نے حضرت ابن عباس کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا ہے پھر انہوں نے اپنے ہونٹوں کو ہلایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں: '' آپ قرآن کے ساتھ عجلت میں (یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان کو حرکت نہ دیںO'' (القیامہ: ۱۶) حضرت ابن عباس نے کہا: یعنی اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور آپ کا اس کو پڑھنا (ہمارے ذمہ ہے)۔ '' پس جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریںO'' (القیامہ: ۱۸) حضرت ابن عباس نے کہا: (جبریل کے پڑھنے کے دوران) آپ سنیں اور خاموش رہیں۔ '' پھر آپ کے لیے اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہےO'' (القیامہ: ۱۹) یعنی پھر آپ کا اس کو پڑھنا یہ ہمارے ذمہ ہے اس کے بعد جب حضرت جبریل آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سنتے پھر جب حضرت جبریل چلے جاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قرآن پڑھتے جس طرح حضرت جبریل نے پڑھا تھا۔

صحیح البخاری: ۵ کے رجال کا تعارف خصوصاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعارف

(۱) اس حدیث کے پہلے راوی ہیں ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل المنقری یہ بہت بڑے حافظ الحدیث ہیں یہ رجب ۲۲۳ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے تھے ان سے یحییٰ بن معین بخاری ابوداؤد مسلم اور ترمذی نے احادیث روایت کی ہیں الداودی نے کہا: ہم نے ان سے ۳۵ ہزار احادیث لکھی ہیں (۲) دوسرے راوی ابوعوانہ ہیں ان کا نام الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہے انہوں نے حسن بصری اور ابن سیرین کی زیارت کی ہے اور محمد بن المنکدر سے ایک حدیث کا سماع کیا ہے اور شعبہ وکیع ابن مہدی اور بہت تابعین اور تبع

تابعین سے احادیث روایت کی ہیں' ابن ابی حاتم نے کہا: ان کی لکھی ہوئی احادیث صحیح ہیں اور جب وہ اپنے حافظہ سے احادیث بیان کریں تو ان میں بہت اغلاط ہوتی ہیں' یہ بہت صادق تھے' ان کی وفات ۱۷۵ھ یا ۱۷۶ھ میں ہوئی ہے (۳) تیسرے راوی موسیٰ بن ابی عائشہ ابوالحسن الکوفی الھمد انی ہیں' انہوں نے بہ کثرت مشہور تابعین سے احادیث کو روایت کیا ہے' سفیان ثوری' یحییٰ بن معین' بخاری اور ابوحیان نے ان کی توثیق کی ہے' ان کا نام معروف نہیں ہے (۴) چوتھے راوی سعید بن جبیر ہیں' علم اور عبادت میں ان کی امامت مجمع علیہ ہے' ۹۵ھ میں ان کو حجاج نے شہید کر دیا تھا' ان کی شہادت کے چند دن بعد حجاج بھی فوت ہو گیا تھا' ان کے بعد وہ کسی کو قتل نہیں کر سکا' انہوں نے بہت سے صحابہ سے احادیث سنی ہیں' ان میں حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور بہت سے تابعین سے بھی سماع حدیث کیا ہے' ان میں زہری بھی ہیں (۵) پانچویں راوی حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہشام بن عبد مناف ہیں' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد تھے' ان کی والدہ حضرت ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت الحارث ہیں' حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن ہیں' ان کے عظیم علم کی وجہ سے ان کو حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کہا جاتا ہے' یہ چار عبادلہ میں سے ایک ہیں یعنی عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم' امام احمد نے کہا: چھ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ روایات کی ہیں: ابو ہریرہ' ابن عباس' ابن عمر' حضرت ام المؤمنین عائشہ' جابر بن عبداللہ اور انس رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ۱۶۶۰ احادیث روایت کی ہیں' ان میں سے ۹۵ احادیث پر بخاری اور مسلم متفق ہیں' ۲۱ احادیث کے ساتھ بخاری منفرد ہیں اور ۴۹ احادیث کے ساتھ مسلم منفرد ہیں۔ حضرت ابن عباس ہجرت سے تین سال پہلے شعب ابو طالب میں پیدا ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی' وہ ۶۸ھ میں طائف میں فوت ہو گئے' صحیح قول یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۷۱ سال تھی اور اس وقت حضرت ابن الزبیر کی مکہ میں حکومت تھی' حضرت ابن عباس آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے' محمد بن حنفیہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۵)

سورۃ القیامۃ: ۱۶-۱۹ کی تفسیر

ایک سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں زبان کو ہلانے کا ذکر ہے' جب کہ حضرت ابن عباس نے ہونٹوں کے حرکت دینے کا ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض نہیں ہے' زبان کی حرکت کو ہونٹوں کی حرکت لازم ہے اور زبان کو حرکت دینے کی ممانعت کا معنی یہ ہے کہ ہونٹوں کو بھی حرکت نہ دیں۔

القیامۃ: ۱۶ میں فرمایا: (آپ قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے' آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس آیت کو دہراتے رہتے تھے' آپ کا ارادہ یہ ہوتا تھا کہ آپ اس آیت کو حفظ کر لیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں' آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے' سفیان نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھایا' امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

القیامۃ: ۱۷ میں فرمایا: بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کا اس کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں' پس جب ہم قرآن کی کوئی آیت نازل کریں تو آپ غور سے سنیں' پھر یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کی زبان سے پڑھوائیں' اس کے بعد جب

حضرت جبریل آتے تو آپ سر جھکا کر بیٹھ جاتے' پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ قرآن مجید کی ان آیتوں کو اسی طرح پڑھ لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔(صحیح البخاری:۴۹۲۰' صحیح مسلم:۴۴۸' سنن ترمذی:۳۳۲۹)

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت جبریل دوبارہ آپ کے پاس آئیں اور آپ کے سامنے دوبارہ ان آیات کو پڑھیں اور آپ سن کر ان کو دہرائیں' حتیٰ کہ آپ کو وہ آیات حفظ ہو جائیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم یہ آیات آپ سے اس طرح پڑھوائیں گے کہ آپ ان کو نہیں بھولیں گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى. (الاعلیٰ:۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے سو آپ نہیں بھولیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۸' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

القیامۃ:۱۸ میں فرمایا: سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا ہے اور یہ آیت حضرت جبریل علیہ السلام کے شرف عظیم پر دلالت کرتی ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. (التوبۃ:۱۱۱) بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. (الفتح:۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کر رہے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

حالانکہ ان کے ہاتھوں پر آپ کا ہاتھ تھا۔ اسی طرح فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. (الانفال:۱۷) اور آپ نے (حقیقت میں) کنکریاں نہیں ماریں' جب آپ نے (بہ ظاہر) کنکریاں ماری تھیں لیکن وہ کنکریاں اللہ نے ماری تھیں۔

اسی طرح یہ آیت ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کر لی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

حضرت جبریل کے پڑھنے کی اتباع کا معنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت جبریل قرآن پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔

قتادہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ قرآن کے حلال اور حرام میں اس کی اتباع کریں۔

صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا پڑھنا حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ نہیں ہونا چاہیے بلکہ واجب

ہے کہ جب تک حضرت جبریل پڑھتے رہیں' آپ خاموشی سے ان کے پڑھنے کو سنتے رہیں' حتیٰ کہ جب حضرت جبریل اپنے پڑھنے سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد آپ پڑھنا شروع کریں اور پڑھنے کی اتباع کا یہی معنی ہے اور حلال اور حرام میں قرآن مجید کی اتباع کا یہ کوئی مقام نہیں ہے' جیسا کہ اس سے پہلے ''صحیح بخاری'' کی روایت سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی کسی آیت کو لے کر نازل ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر جھکا کر سنتے رہتے تھے اور جب حضرت جبریل چلے جاتے تو پھر آپ پڑھنا شروع کرتے۔

القیامۃ :۱۹ میں فرمایا: پھر اس کا معنی بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O

حضرت جبریل سے قرآن مجید کے معانی پوچھنے کی ممانعت

امام رازی فرماتے ہیں: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور ان کے پڑھنے کے درمیان میں قرآن مجید کے مشکل مباحث اور اس کے معانی کے متعلق حضرت جبریل سے پوچھتے رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دونوں باتوں سے منع کیا اور فرمایا: آپ حضرت جبریل کے ساتھ ساتھ نہ پڑھیں بلکہ ان کے پڑھنے کے بعد پڑھیں اور قرآن مجید کے معانی کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں' نہ حضرت جبریل سے اس کے معنی کے متعلق پوچھیں' اس کا معنی بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: جن آیات کو ہم نے اجمالاً نازل کیا ہے' ان کا بیان کرنا ہم پر لازم ہے' پس اس کے بیان سے اس کا اتمام کر دیا جائے گا' اور یہ بتایا جائے گا کہ وہ کام جائز ہے یا مستحسن ہے کیونکہ فرائض کی کئی شاخیں ہوتی ہیں' ان میں ارکان' لوازم اور آداب ہوتے ہیں' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز ہے اور فرمایا: ہم پر بیان کرنا لازم ہے' یعنی اس میں یہ کنایہ ہے کہ اس کا تعلق اصول کے ساتھ ہے یا فروع کے ساتھ ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اصول اور کنایات کو بیان کیا جائے گا اور بعد میں جو مجتہدین ان آیات میں غور و فکر کریں گے' ان پر ان آیات کے مقاصد کھول دیئے جائیں گے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

* اس حدیث کی شرح' ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' میں بھی کی ہے' وہاں ان اُمور میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں ہے' وہاں ہم نے اس مسئلہ کی مفصل تحقیق کی ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو سننا فرض عین ہے' یا فرض کفایہ۔ (دیکھئے: شرح صحیح مسلم: ۹۰۸۔ ج ۱ ص ۱۲۴۲) قرآن مجید سننے کی تحقیق ہم نے اپنی تفسیر میں بھی کی ہے۔ (دیکھئے: تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۱۶۔۵۱۵' الاعراف: ۲۰۴)

٥ - بَابٌ

باب

٦- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ (ح) قَالَ وَحَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ وَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَهُ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ' وَكَانَ اَجْوَدَ

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا کہ ہمیں یونس نے خبر دی' از زہری (ح) امام بخاری نے کہا کہ ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا کہ ہمیں یونس اور معمر نے اسی کی مثل خبر دی' از زُہری' انہوں نے کہا کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما'

مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ، فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ.

[اطراف الحدیث: ۱۹۰۲-۳۲۲۰-۳۵۵۴-۴۹۹۷]

وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان میں کرتے تھے جب حضرت جبریل آپ سے ملاقات کرتے اور حضرت جبریل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور آپ سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (لوگوں کے نفع کے لیے) بھیجی ہوئی ہواؤں سے زیادہ خیر کی سخاوت کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۳۰۸، سنن نسائی: ۲۰۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۹۹۳، صحیح ابن حبان: ۶۳۷۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۲۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۶۱۶۔ ج ۴ ص ۳۷۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

دو سندوں کے درمیان ''ح'' لکھنے اور اس کو پڑھنے کی تحقیق

اس حدیث کی دو سندوں کے درمیان ''ح'' لکھی ہوئی ہے، یہ ''ح'' ''صحیح مسلم'' میں بہت زیادہ ہے اور ''صحیح البخاری'' میں کم ہے اور محدثین کی عادت ہے کہ جب ایک حدیث کی دو یا دو سے زیادہ سندیں ہوں تو وہ ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہوتے وقت حرف ''حا'' (ح) لکھ دیتے ہیں اور یہ ''تحوّل'' سے ماخوذ ہے یعنی وہ ایک اسناد سے دوسری اسناد کی طرف ''تحول'' کر رہے ہیں اور پڑھنے والا اس کو ''حا'' پڑھے گا یا ''تحویل'' پڑھے گا یا ''ثم تحوّل'' پڑھے گا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اسناد ثانی کو اسناد اول کے ساتھ مرکب کر کے دو سندوں کو ایک سند نہ قرار دیا جائے، اہل مغرب یہ کہتے تھے کہ ''ح'' میں ''الحدیث'' کی طرف رمز ہے۔

صحیح البخاری: ٦ کے رجال کا تعارف

(۱) اس حدیث کی سند کے پہلے راوی عبدان ہیں، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد میمون کا لقب ہے، انہوں نے امام مالک اور حماد بن زید وغیرہ سے سماع حدیث کیا ہے، اور الذہلی، البخاری وغیرھما نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی کی بھی ان سے روایت ہے، یہ ۲۲۱ھ یا ۲۲۲ھ میں فوت ہو گئے تھے، اس وقت ان کی عمر ۷۶ سال تھی (۲) دوسرے راوی عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی التمیمی ہیں، ان کی امامت، جلالت، تقویٰ، سخاوت، عبادت، ثقاہت اور ان کے حجت ہونے پر سب متفق ہیں، یہ تبع تابعین میں سے ہیں، ان کے باپ ترکی تھے اور ھمدان کے ایک شخص کے غلام تھے، اور ان کی ماں خوارزمیہ تھیں، یہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور رمضان ۱۸۱ھ میں ایک غزوہ سے واپس آتے ہوئے فوت ہو گئے، صحاح ستہ میں عبداللہ بن المبارک کے نام کے صرف یہی ایک راوی ہیں (۳) تیسرے راوی بشر بن محمد المروزی السختیانی ہیں، ان سے صرف امام بخاری نے روایت کی ہے، امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے، اور انہوں نے کہا: یہ مرجی تھے (مرجئہ وہ فرقہ ہے جو مومنوں کے گناہوں پر عذاب کا قائل نہیں ہے) یہ ۲۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) چوتھے راوی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ الھذلی المدنی ہیں، یہ جلیل القدر امام اور تابعی ہیں، مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں سے ایک ہیں، انہوں نے کئی صحابہ سے حدیث کا سماع کیا ہے، ان میں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ ہیں رضی اللہ عنہم، اور تابعین سے بھی احادیث کا سماع کیا ہے، ان میں عمر بن عبد العزیز بھی ہیں، یہ بصرہ چلے گئے تھے، یہ ۹۴ھ یا ۹۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) پانچویں راوی یونس بن یزید بن مشکان بن ابی النجاد ہیں، انہوں نے کئی تابعین سے احادیث کا سماع کیا ہے، ان میں قاسم، عکرمہ، سالم، نافع اور زہری وغیرہ ہیں، ان سے بھی تابعین نے سماع کیا ہے، ان میں جریر بن حازم، اوزاعی اور لیث وغیرہ ہیں، یہ ۱۵۹ھ میں مصر میں فوت ہو گئے تھے (۶) چھٹے راوی معمر بن ابی عمرو بن راشد الازدی الحرانی

ہیں' یہ یمن کے عالم تھے' انہوں نے بہت تابعین سے احادیث کا سماع کیا ہے' ان میں عمرو بن دینار' ایوب اور قتادہ ہیں اور ان سے بھی تابعین کی ایک جماعت نے سماع کیا ہے' ان میں سے عمرو بن دینار (ان کے شیخ) ابواسحاق السبیعی' ایوب اور یحییٰ بن ابی کثیر ہیں' سو یہ اصاغر سے اکابر کی روایت ہے' امام عبد الرزاق نے کہا: میں نے ان سے دس ہزار احادیث کا سماع کیا ہے' یہ ۱۵۲ھ یا ۱۵۳ھ میں یمن میں فوت ہو گئے تھے' اس وقت ان کی عمر ۵۸ سال تھی' ان کے اوھام بہت ہیں' ابو حاتم نے کہا: یہ صالح الحدیث ہیں' انہوں نے بصرہ میں جو احادیث بیان کی ہیں' ان میں اغالیط ہیں' یحییٰ بن معین نے کہا کہ ثابت سے ان کی روایات ضعیف ہیں (۸'۷) ساتویں اور آٹھویں راوی زہری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں' ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۳۱۔ ۱۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے' اس کے ثبوت میں احادیث اور آثار

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے' حدیث میں ''اجود'' کا لفظ ہے' یہ ''جود'' کا اسم تفضیل ہے' علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے لکھا ہے: ''رجل جواد'' کا معنی ہے: سخی آدمی۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۲۳۴' دار صادر بیروت) نیز لکھا ہے: ''من الجود'' کا معنی ہے: یہ سخاوت سے ہے۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۲۳۶' بیروت) لہٰذا ''جود'' کا معنی ہے: جس شخص کے جو چیز لائق ہو اس کو وہ عطا کرنا' آپ کے سب سے زیادہ جواد ہونے میں کیا شک ہے' آپ سب سے زیادہ حسین تھے' آپ کے افعال سب سے اچھے تھے اور آپ کے اخلاق سب سے زیادہ عمدہ تھے' اسی طرح آپ سب سے زیادہ سخی تھے' آپ کسی سائل کو ''نہ'' نہیں فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۱۱) ایک خاتون نے آپ سے قمیص کا سوال کیا' آپ کے پاس سوا اس قمیص کے جو آپ پہنے ہوئے تھے اور کوئی قمیص نہ تھی' آپ نے وہی قمیص اتار کر دے دی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۴۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت) رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بیٹے نے آپ سے سوال کیا کہ آپ اس کے باپ کے کفن کے لیے اپنی قمیص عطا کر دیں تو آپ نے اس کے کفن کے لیے اپنی قمیص عطا کر دی۔ (صحیح البخاری: ۱۲۶۹' صحیح مسلم: ۲۷۷۴' سنن ترمذی: ۳۰۹۸' سنن نسائی: ۱۹۰۰)

نیز اس حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (لوگوں کے نفع کے لیے) بھیجی ہوئی ہواؤں سے زیادہ خیر کی سخاوت کرتے تھے۔ اس حدیث میں ''الریح المرسلة'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بھیجی ہوئی ہوا' اور اس کا معنی رحمت (یعنی بارش) کے لیے بھیجی ہوئی ہوا بھی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ اور وہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے خوش خبری دیتی ہوئی ہوائیں بھیجتا ہے۔ (الاعراف: ۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام لانے پر جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا' آپ وہ چیز عطا فرما دیتے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا' آپ وہ عطا فرما دیتے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے' تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۴۰' سنن ترمذی: ۱۶۸۷' سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ جواد کون ہے؟ اللہ سب سے زیادہ جواد ہے اور بنو آدم میں سب سے زیادہ جواد میں ہوں' اور میرے بعد سب سے زیادہ جواد وہ شخص ہو گا' جس نے علم

حاصل کر کے اس کو پھیلایا' اس کو قیامت کے دن امت میں اکیلا اٹھایا جائے گا اور وہ شخص سب سے زیادہ جواد ہو گا جس نے اپنی جان کی اللہ کی راہ میں سخاوت کی' حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ: ۲۷۹۰' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۲ ص ۲۰۰ طبع قدیم' المطالب العالیہ: ۳۰۰۲' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۳)

رمضان میں زیادہ سخاوت کرنے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ رمضان میں سخاوت کرتے تھے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی سب سے زیادہ رمضان میں فیاضی فرماتا ہے' رمضان کی ایک شب میں اس نے ہزار مہینوں کی عبادت کا اجر مقرر فرمایا' رمضان میں تسبیحات کا اجر ستر گنا زائد عطا فرماتا ہے' اور فرمایا: روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود ہوں۔ (صحیح البخاری: ۱۸۹۴)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رمضان کے ہر دن اور رات میں دوزخ سے گناہ گاروں کو آزاد فرماتا ہے۔ (مسند البزار: ۹۶۲' علامہ ہیثمی نے کہا: اس میں ایک راوی ابان بن ابی عیاش ضعیف ہے' مجمع الزوائد: ۴۹۳ ـ ۳)

امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے: رمضان میں مومن کا رزق زیادہ کر دیا جاتا ہے اور رمضان کے ہر دن میں ایک ہزار گناہ گاروں کو دوزخ سے آزاد کر دیا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ آپ بھی رمضان میں زیادہ سخاوت کر کے اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی موافقت کریں۔ (کشف المشکل ج ۱ ص ۳۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ)

رمضان میں قرآن مجید کا دَور کرنے کی خصوصیت اور دیگر فوائد حدیث

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور آپ سے قرآن مجید کا دَور کرتے تھے' رمضان میں قرآن مجید کے دَور کی حکمت یہ ہے کہ اب تک جو احکام نازل ہو چکے تھے' ان پر یقین کو تازہ کیا جائے' اور تاکہ حضرت جبریل قرآن مجید کے الفاظ کی تصحیح اور تجوید کے احکام پہنچائیں تاکہ امت کے لیے بھی قراءت اور تجوید کی تعلیم حاصل کرنا سنت ہو' اور رمضان کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ نیکیوں اور مخصوص عبادات کا موسم ہے' نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان میں ہی قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف نازل فرمایا تھا' پھر اس کے بعد حسب ضرورت اور مصلحت قرآن مجید بیس سال تک نازل ہوتا رہا (بیس سال بہ ایں معنیٰ کہ تین سال تک وحی کا انقطاع رہا)۔ اس حدیث کے دیگر فوائد حسب ذیل ہیں:

(۱) ہر وقت مومن کو سخاوت کرنی چاہیے' خصوصاً رمضان میں اور صالحین سے ملاقات کے وقت۔

(۲) صالحین اور اصحاب فضل کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کی مجلس میں بیٹھنا چاہیے اور اگر صالحین اور اصحاب فضل کا حرج نہ ہو اور ان کے مشاغل میں خلل نہ ہو تو ان کی بار بار زیارت کرنی چاہیے۔

(۳) رمضان میں قرآن مجید کی زیادہ تلاوت کرنا مسنون اور مستحب ہے' اسی طرح قرآن مجید کا دَور کرنا بھی مسنون اور مستحب ہے۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۸۹۰۔ ج ۶ ص ۷۵۷۔ ۷۵۶ پر بھی مذکور ہے' وہاں ہم نے اس حدیث کے مفہوم کی سرسری وضاحت کی ہے اور اس کی شرح میں ہم نے یہاں پر جو مباحث ذکر کیے ہیں' وہاں ان میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔

٦- بَابٌ

باب

٧- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ' عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں ابو الیمان الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری' انہوں نے کہا کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ حضرت

اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ هِرَقْلَ اَرْسَلَ اِلَيْهِ فِيْ رَكْبٍ مِّنْ قُرَيْشٍ، وَكَانُوْا تُجَّارًا بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِيْهَا اَبَا سُفْيَانَ وَكُفَّارَ قُرَيْشٍ، فَاَتَوْهُ وَهُمْ بِاِيْلِيَاءَ، فَدَعَاهُمْ فِيْ مَجْلِسِهٖ، وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهٖ، فَقَالَ اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ قُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ نَسَبًا، فَقَالَ اَدْنُوْهُ مِنِّيْ، وَقَرِّبُوْا اَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهٖ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ قُلْ لَهُمْ اِنِّيْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ، فَاِنْ كَذَبَنِيْ، فَكَذِّبُوْهُ، فَوَاللّٰهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ اَنْ يَاْثِرُوْا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ كَانَ اَوَّلَ مَا سَاَلَنِيْ عَنْهُ اَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فِيْكُمْ؟ قُلْتُ هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ، قَالَ فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَلِكٍ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَاَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُوْنَهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَقُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ، قَالَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ، قُلْتُ بَلْ يَزِيْدُوْنَ، قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ سَخْطَةً لِدِيْنِهٖ، بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيْهِ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ مَا قَالَ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ؟ قُلْتُ لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِيْ مُدَّةٍ لَا نَدْرِيْ مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا. قَالَ وَلَمْ يُمْكِنِّيْ كَلِمَةٌ اُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئًا غَيْرَ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ. قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ اِيَّاهُ؟ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ، يَنَالُ مِنَّا، وَنَنَالُ مِنْهُ، قَالَ مَاذَا يَاْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ يَقُوْلُ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَاؤُكُمْ، وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ، وَالصِّدْقِ، وَالْعَفَافِ، وَالصِّلَةِ، فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهُ سَاَلْتُكَ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں خبر دی کہ ابوسفیان بن حرب نے انہیں خبر دی کہ ھرقل نے ان کو قریش کی جماعت کے ساتھ بلایا' یہ لوگ اس مدت میں شام تجارت کرنے گئے تھے' جس مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان اور قریش سے عارضی صلح کی ہوئی تھی' پس قریش اس کے پاس آئے' اور وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں تھے' ھرقل نے ان کو اپنی مجلس میں بلایا اور اس کے گرد روم کے سردار تھے' پھر اس نے قریش کو اور اپنے مترجم کو بلایا' پھر کہا: تم میں سے اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے' جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہوں' ھرقل نے کہا: اس کو میرے نزدیک کردو' اور اس کے اصحاب کو بھی اس کے نزدیک کردو اور ان کو اس کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا کردو' پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا: ان لوگوں سے کہو کہ میں اس شخص کے متعلق سوال کروں گا' اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کو جھٹلا دینا' ابوسفیان نے کہا: پس اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات پر شرم نہ آتی کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور آپ کے متعلق جھوٹ بولتا' پھر ھرقل نے مجھ سے سب سے پہلا سوال جو کیا' وہ یہ تھا: تم لوگوں میں اس شخص کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ ہم میں بہت عمدہ نسب والے ہیں' اس نے کہا: کیا یہ دعویٰ اس سے پہلے تم میں سے کسی اور نے بھی کیا تھا؟ میں نے کہا: نہیں' اس نے کہا: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ تھا؟ میں نے کہا: نہیں' اس نے کہا: آیا مقتدر لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا پس ماندہ لوگ؟ میں نے کہا: بلکہ پس ماندہ لوگ' اس نے کہا: آیا وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ میں نے کہا: بلکہ زیادہ ہو رہے ہیں' اس نے کہا: کیا ان میں سے کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کے دین سے ناراض ہو کر اس سے پلٹ جاتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں' اس نے کہا: کیا اس کے دعویٰ نبوت کرنے سے پہلے تم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں' اس نے کہا: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں' تاہم ہمارا ان سے ایک مدت تک معاہدہ ہے' ہم نہیں جانتے کہ وہ اس دوران کیا کرنے والے ہیں' ابوسفیان نے کہا: اس بات کے سوا مجھے آپ کے خلاف کوئی اور بات

عَنْ نَسَبِهٖ، فَذَكَرْتَ اَنَّهٗ فِيكُمْ ذُوْ نَسَبٍ، فَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِيْ نَسَبِ قَوْمِهَا، وَسَاَلْتُكَ هَلْ قَالَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ؟ فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، فَقُلْتُ لَوْ كَانَ اَحَدٌ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهٗ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَّتَاَسّٰى بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهٗ، وَسَاَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَّلِكٍ؟ فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، قُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ اَبِيْهِ، وَسَاَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ؟ فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، فَقَدْ اَعْرِفُ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ، وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ، وَسَاَلْتُكَ اَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاۤؤُهُمْ؟ فَذَكَرْتَ اَنَّ ضُعَفَآءَهُمُ اتَّبَعُوْهُ، وَهُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ، وَسَاَلْتُكَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ؟ فَذَكَرْتَ اَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ، وَكَذٰلِكَ اَمْرُ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ، وَسَاَلْتُكَ اَيَرْتَدُّ اَحَدٌ سَخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ؟ فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ، وَسَاَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ؟ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ، وَسَاَلْتُكَ بِمَا يَاْمُرُكُمْ؟ فَذَكَرْتَ اَنَّهٗ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ، وَيَاْمُرُكُمْ بِالصَّلٰوةِ، وَالصِّدْقِ، وَالْعَفَافِ، فَاِنْ كَانَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا، فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَقَدْ كُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّهٗ خَارِجٌ، لَمْ اَكُنْ اَظُنُّ اَنَّهٗ مِنْكُمْ، فَلَوْ اَنِّيْ اَعْلَمُ اَنِّيْ اَخْلُصُ اِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهٗ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهٗ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ بَعَثَ بِهٖ دِحْيَةُ اِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى، فَدَفَعَهٗ اِلٰى هِرَقْلَ، فَقَرَاَهٗ، فَاِذَا فِيْهِ.

کہنے کی گنجائش نہیں ملی' اس نے کہا: کیا تم نے اس کے ساتھ جنگ کی؟ میں نے کہا: ہاں' اس نے کہا: تمہاری اس کے ساتھ جنگ کیسی رہی؟ میں نے کہا: ہمارے اور اس کے درمیان جنگ کنویں کے ڈول کی طرح تھی' کبھی اس ڈول کو وہ حاصل کر لیتا اور کبھی ہم' اس نے کہا: وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتا ہے: صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور تمہارے باپ دادا جو کہتے تھے' اس کو چھوڑ دو اور وہ ہمیں نماز پڑھنے کا' سچ بولنے کا' پاک دامن رہنے کا اور رشتہ داروں سے ملنے جلنے کا حکم دیتا ہے' پھر ھرقل نے مترجم سے کہا: اس کو بتاؤ کہ میں نے تم سے اس کے نسب کے متعلق سوال کیا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں عمدہ نسب والا ہے' اور اسی طرح رسول اپنی قوم کے عمدہ نسب میں بھیجے جاتے ہیں' اور میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا تم میں سے کسی نے پہلے یہ دعویٰ کیا تھا؟ تو تم نے کہا: نہیں' میں نے دل میں کہا: اگر تم میں سے کسی نے پہلے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا: یہ شخص اس دعویٰ کی پیروی کر رہا ہے' جو اس سے پہلے کیا گیا تھا' اور میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا اس شخص کے باپ دادا میں سے کوئی شخص بادشاہ تھا؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں' میں نے دل میں کہا: اگر اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کے ملک کو طلب کر رہا ہے اور میں نے تم سے سوال کیا کہ آیا تم اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے بتایا کہ نہیں' پس میں نے پہچان لیا کہ جو شخص لوگوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھے گا اور میں نے تم سے سوال کیا کہ مقتدر لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا پس ماندہ لوگ؟ تو تم نے بتایا کہ پس ماندہ لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور وہی لوگ رسولوں کے پیروکار ہوتے ہیں اور میں نے تم سے سوال کیا کہ وہ لوگ زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تو تم نے بتایا کہ وہ زیادہ ہو رہے ہیں' اور اسی طرح ایمان کا معاملہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مکمل ہو جائے اور میں نے تم سے سوال کیا کہ ان میں سے کوئی شخص دین میں داخل ہونے کے بعد دین کو ناپسند کر کے اس سے پلٹتا تو نہیں؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں اور جب ایمان کی بشاشت دلوں میں رچ جائے تو

پھر اسی طرح ہوتا ہے اور میں نے تم سے سوال کیا کہ کبھی اس نے عہد شکنی کی؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں اور اسی طرح رسول عہد شکنی نہیں کرتے' اور میں نے تم سے سوال کیا کہ وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور وہ تمہیں بتوں کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں اور وہ تم کو نماز پڑھنے' سچ بولنے' پاک دامن رہنے کا حکم دیتے ہیں' اگر تم نے جو کچھ کہا ہے وہ برحق ہے تو وہ عنقریب میرے ان قدموں کی جگہ کے مالک ہو جائیں گے اور میں یہ جانتا تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے' لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے' سو اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میں ان تک پہنچ جاؤں گا تو میں ضرور ان سے ملاقات کرنے کی مشقت اٹھاؤں گا' اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ضرور ان کے پیر کو دھوتا' پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوب کو منگوایا' جس کو آپ نے حضرت دحیہ کے ذریعہ بصری کے حاکم کے پاس بھیجا تھا' اس نے وہ مکتوب ھرقل کو دے دیا' ھرقل نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ' سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی. اَمَّا بَعْدُ' فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ' اَسْلِمْ تَسْلَمْ' يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ' فَاِنْ تَوَلَّيْتَ' فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ وَ ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾. (آل عمران: ٦٤)

محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے' ھرقل عظیم الروم کی طرف' جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو' بہر حال بسم اللہ کے بعد پس بے شک میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام قبول کرلو' تم سلامت رہو گے' اللہ تعالیٰ تم کو دگنا اجر عطا فرمانے گا' اور اگر تم نے اعراض کیا تو تمہارے متبعین کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ قرار دے' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو: لوگو! تم گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں O (آل عمران: ٦٤)

قَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ' وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ' كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ' وَارْتَفَعَتِ

ابوسفیان نے کہا: جب ھرقل نے جو کہا وہ کہا اور وہ اس مکتوب کو پڑھنے سے فارغ ہو گیا تو اس کے پاس بہت شور ہو گیا اور آوازیں

الْأَصْوَاتُ، وَأُخْرِجْنَا. فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ
أُخْرِجْنَا لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ يَخَافُهُ
مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ، فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ،
حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ. وَكَانَ ابْنُ النَّاطُورِ
صَاحِبُ إِيلِيَاءَ، وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ،
يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِيلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا
خَبِيثَ النَّفْسِ، فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا
هَيْئَتَكَ. قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ
فِي النُّجُومِ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ
حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ،
فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ؟ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا
الْيَهُودُ، فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ، وَاكْتُبْ إِلَى مَدَايِنِ
مُلْكِكَ، فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ. فَبَيْنَمَا هُمْ
عَلَى أَمْرِهِمْ، أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ
غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوا فَانْظُرُوا
أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا؟ فَنَظَرُوا إِلَيْهِ، فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ
مُخْتَتِنٌ، وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ، فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُونَ؟
فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ، ثُمَّ
كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُومِيَةَ، وَكَانَ نَظِيرَهُ
فِي الْعِلْمِ، وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ
حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ
هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَنَّهُ نَبِيٌّ، فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ
لَهُ بِحِمْصَ، ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ، ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ
يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ
يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ، فَتُبَايِعُوا هَذَا النَّبِيَّ؟ فَحَاصُوا
حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ، فَوَجَدُوهَا قَدْ
غُلِّقَتْ، فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ

بلند ہو گئیں اور ہم کو نکال دیا گیا' جب ہم کو نکال دیا گیا تو میں نے
اپنے اصحاب سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے کا (یعنی نبی ﷺ) کا معاملہ
بہت عظیم ہو گیا' اس سے سفید فام قوم کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے' پھر مجھے
ہمیشہ یہ یقین رہا کہ وہ عنقریب غالب ہو جائیں گے حتیٰ کہ اللہ نے
میرے دل میں اسلام داخل کر دیا اور ابن الناطور جو بیت المقدس کا
امیر (گورنر) تھا' ھرقل کا مصاحب اور شام کے عیسائیوں کا سقف
(بڑا پادری) تھا' وہ بیان کرتا ہے کہ ایک دن صبح کو ھرقل بیت المقدس
میں بہت پریشان حال اٹھا' اس کے بعض پادریوں نے کہا: آج آپ کی
حالت بہت بدلی ہوئی ہے' ابن الناطور نے کہا: ھرقل نجومی تھا
ستاروں میں غور وفکر کرتا تھا' اس نے ان لوگوں کے سوال کے جواب
میں کہا: آج رات جب میں نے ستاروں میں غور کیا تو میں نے دیکھا
کہ ختنہ کرنے والی قوم کا بادشاہ غالب آ چکا ہے' پس اس زمانہ کے
لوگوں میں سے کون ختنہ کرتا ہے؟ انہوں نے کہا: صرف یہود ختنہ کرتے
ہیں' سو آپ ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں اور آپ اپنے ملک کے
تمام شہروں کو یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ وہاں جو بھی یہود ہیں ان کو قتل کر دیا
جائے' پس وہ لوگ ان ہی معاملات میں مشغول تھے کہ ھرقل کے پاس
ایک شخص کو لایا گیا جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا' اس نے
رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر دی' جب ھرقل نے اس سے پوری
خبر معلوم کر لی تو کہا: جاؤ معلوم کرو وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں یا نہیں' انہوں
نے آپ کے حالات معلوم کیے تو لوگوں نے بتایا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے
ہیں اور ھرقل نے اس شخص سے عربوں کے متعلق سوال کیا تو اس نے
کہا: عرب ختنہ کرتے ہیں' پھر ھرقل نے کہا: یہی اس امت کے بادشاہ
ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں' ھرقل کا ایک دوست رومیہ میں تھا' جو علم میں اس
کی ٹکر کا تھا' ھرقل نے اس کو خط لکھ کر معلوم کیا اور خود ھرقل حمص کے
لیے روانہ ہوا' ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اس کے پاس اس کے دوست
کا خط آ گیا' اس کی رائے بھی ھرقل کے موافق تھی کہ نبی ﷺ کا ظہور
ہو چکا ہے اور آپ برحق نبی ہیں' تب ھرقل نے روم کے سرداروں کو
اپنے حمص کے محل میں بلایا اور دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا سو
دروازے بند کر دیے گئے' پھر وہ ان کے سامنے آیا پھر کہا: اے روم کی

الْاِیْمَانِ، قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَیَّ، وَقَالَ اِنِّیْ قُلْتُ مَقَالَتِیْ اٰنِفًا اَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰی دِیْنِكُمْ، فَقَدْ رَاَیْتُ، فَسَجَدُوْا لَهٗ وَرَضُوْا عَنْهُ، فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَاْنِ هِرَقْلَ.

جماعت! دائمی کامیابی اور ہدایت کے حصول کے متعلق اور اپنے ملک کی بقا کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ سوتم اس نبی کی بیعت کرلو یہ سنتے ہی وہ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے لیکن دروازے تو بند کیے جا چکے تھے بالآخر جب ھرقل نے ان کی اس وحشت کو دیکھا اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو کہا: ان کو میرے پاس واپس لاؤ اور کہا: میں نے جو ابھی تجویز پیش کی تھی تو اس سے میں تمہاری دین میں شدت کو آزما رہا تھا' سو مجھے معلوم ہو گیا' پھر ان سب سرداروں نے ھرقل کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے اور یہی ھرقل کا آخری امر تھا۔

رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، وَيُوْنُسُ، وَمَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

امام بخاری کہتے ہیں: اس حدیث کو صالح بن کیسان اور یونس اور معمر نے زہری سے روایت کیا ہے۔

[اطراف الحدیث: ۵۱-۲۶۸۱-۲۸۰۴-۲۹۴۱-۲۹۷۸-۳۱۷۴-۴۵۵۳-۵۹۸۰-۶۲۶۰ [(صحیح مسلم: ۱۷۷۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶، سنن ترمذی: ۲۷۱۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۰۶۴)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف خصوصاً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعارف

اس حدیث کی سند میں چھ رجال ہیں' جن میں زہری' عبید اللہ بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعارف پہلے ہو چکا ہے اور بقیہ تین رجال کا تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) ابوالیمان' ان کا نام الحکم بن نافع الحمصی البحرانی ہے' انہوں نے اسماعیل بن عیاش اور دیگر سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے امام احمد' یحییٰ بن معین' ابوحاتم الذھلی اور بہت سے محدثین نے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۱ھ یا ۲۲۲ھ میں فوت ہوئے' صحاح ستہ میں ان کے علاوہ اور کسی کا نام الحکم بن نافع نہیں ہے (۲) شعیب بن ابی حمزہ ابوبشر الحمصی' انہوں نے زہری اور بہت سے تابعین سے حدیث کا سماع کیا ہے' یہ ثقہ حافظ تھے' ستر سے زیادہ سال کی عمر گزار کر ۱۶۲ھ یا ۱۶۳ھ میں فوت ہو گئے' شعیب بن ابی حمزہ نام کا صحاح ستہ میں اور کوئی راوی نہیں ہے (۳) ابوسفیان' ان کا نام صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی الاموی المکی ہے' یہ ابرھہ کے ہاتھیوں کی پسپائی کے واقعہ سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور فتح مکہ کی شب میں اسلام لائے' یہ غزوہ طائف اور حنین میں حاضر رہے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حنین کی غنیمتوں میں سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عطا فرمائے' غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی تھی اور دوسری آنکھ جنگ یرموک میں شہید ہو گئی' جب یہ اپنے بیٹے یزید بن ابی سفیان کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہے تھے' پھر یہ مدینہ آئے اور ۳۱ھ یا ۳۴ھ میں فوت ہو گئے' اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' ان سے حضرت ابن عباس اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ نے احادیث روایت کی ہیں' صحابہ میں ابوسفیان نام کے کئی صحابی ہیں لیکن ابوسفیان بن حرب نام کے یہ واحد صحابی ہیں۔ امام بخاری نے ابوسفیان کی صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ (کشف المشکل ج۱ ص ۳۴) (عمدۃ القاری ج۱ ص ۱۳۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* اس حدیث کی شرح' شرح صحیح مسلم: ۴۴۹۴۔ ج۵ ص ۵۰۶۔ ۵۰۴ میں مذکور ہے' وہاں ہم نے اس حدیث کے ۱۶ فوائد ذکر کیے ہیں' یہاں اس کی شرح میں ہم ان امور کا ذکر کریں گے' جن کا ذکر وہاں نہیں کیا گیا' اب یہاں پر اس حدیث میں مذکور اسماء اور

اعلام کی تشریح کر رہے ہیں اور سب سے پہلے ھرقل کا ذکر کر رہے ہیں۔

ھرقل کی مختصر سوانح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ھرقل کا تلفظ دو طرح ہے: ''ھِرَقْل'' (ھ کے نیچے زیر' ر پر زبر اور ق پر جزم) اور ''ھِرْقِل'' (ھ کے نیچے زیر' ر پر جزم اور ق کے نیچے زیر) اس نے ۳۱ سال حکومت کی' اس کی حکومت کے دوران ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ اس کی حکومت روم کے شہروں میں تھی' روم کے بادشاہوں کا لقب قیصر تھا' سو اس کا لقب بھی قیصر تھا' جیسے ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ ہے اور ترک کے بادشاہوں کا لقب خاقان ہے' اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے' اور القبط کے بادشاہ کا لقب فرعون ہے اور مصر کے بادشاہ کا لقب عزیز ہے اور چین کے بادشاہ کا لقب فغفور ہے' اور یونان کے بادشاہ کا لقب بطلمیوس ہے' اور بربر کے بادشاہ کا لقب جالوت ہے اور صابئہ کے بادشاہ کا لقب نمرود ہے اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبّع ہے' خوارزم کے بادشاہ کا لقب خوارزم شاہ اور جرجان ہے' اور اسکندریہ کے بادشاہ کا لقب ملک مقوقس ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم ضرور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ (صحیح البخاری: ۳۱۲۱' صحیح مسلم: ۲۹۱۹' سنن ترمذی: ۲۲۱۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قیصر کے بعد شام میں کوئی قیصر نہیں ہوگا اور کسریٰ کے بعد عراق میں کوئی کسریٰ نہیں ہوگا' اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش شام اور عراق میں تجارت کے لیے بہت زیادہ جایا کرتے تھے' پھر جب قریش مسلمان ہو گئے تو ان کو یہ خوف ہوا کہ اب وہ شام اور عراق میں سفر نہیں کر سکیں گے' کیونکہ اسلام کی وجہ سے شام اور عراق والے ان کے مخالف ہو گئے تھے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان ملکوں میں ان کی ہلاکت کے بعد کوئی قیصر اور کسریٰ نہیں ہوگا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا' پھر شام میں کوئی قیصر نہیں ہوا اور عراق میں کوئی کسریٰ نہیں ہوا' قیصر کا لغوی معنی ہے: کاٹنا' اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی ماں وضع حمل سے پہلے مر گئی تھی تو اس کو ماں کا پیٹ کاٹ کر نکالا گیا تھا اور قیصر اس پر فخر کرتا تھا کہ اس کی پیدائش فرج کے راستہ سے نہیں ہوئی' بلکہ اس کو پیٹ سے نکالا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۳۸۔ ۱۴۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سید قاسم محمود لکھتے ہیں:

ہرقل شاہان روم کا لقب تھا' نیز زمانہ قدیم میں اس نام کا ایک معبد بھی تھا' اس کے ایک بادشاہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط لکھا تھا کہ اسلام لے آئے' یہ اسلام کو دل سے چاہتا تھا' مگر عیسائی پادریوں نے ایسا کرنے سے باز رکھا' ہرقلہ کا شہر اس نے آباد کیا تھا۔ جنگ تبوک و یرموک اسی سے لڑی گئیں' یرموک میں شکست کھا کر یہ انطاکیہ چھوڑ گیا' اس نے اپنے ملک میں سکے رائج کیے تھے جن کے ایک طرف اس کی مورت تھی اور دوسری طرف کوئی عبارت تھی۔ جب خسرو پرویز نے عیسائیوں سے سلطنت شام چھین لی تو یہ فوراً ان کی مدد کو پہنچا اور حکومت چھین کر انہیں واپس کر دی۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۱۴۲۹' شاہ کار بک فاؤنڈیشن' کراچی)

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی مختصر سوانح

اس حدیث میں حضرت دحیہ کلبی کا بھی نام آیا ہے' ان کے متعلق حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام ہے: دحیہ بن خلیفہ بن فروہ بن زید بن امرء القیس الخزرجی۔ یہ مشہور صحابی ہیں' بدر میں حاضر نہ ہو سکے' ان کا پہلا مشاہدہ الخندق ہے اور ایک قول ہے کہ احد ہے' یہ بہت حسین تھے' حسن میں ان کی مثال دی جاتی تھی' حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کی صورت میں نازل ہوتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبریل میرے پاس دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷) حضرت دحیہ کلبی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب لے کر قیصر کے پاس گئے تھے اور ۶ ھ یا ۷ ھ کے اول میں حمص میں اس سے ملے تھے۔

امام ترمذی نے حضرت مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت دحیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو موزے ہدیہ کیے تھے' جن کو آپ نے پہنا تھا۔

''سنن ابوداؤد'' میں حضرت دحیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ قبطی کنیزیں پیش کی گئی تھیں' آپ نے ان میں سے ایک کنیز مجھے عطا کی تھی۔

امام احمد نے حضرت دحیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایک گدھے کو گھوڑی پر نہ چڑھاؤں' پھر اس سے ایک خچر پیدا ہو جس پر آپ سواری کریں؟ آپ نے فرمایا: ایسا کام وہ لوگ کرتے ہیں جو بے علم ہوں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۵۶۵' مسند احمد ج ۱ ص ۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۵۴۰' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳' مسند احمد ج ۱ ص ۹۸)

حضرت دحیہ جنگ یرموک میں گئے تھے' دمشق میں بھی رہے ہیں اور حضرت معاویہ کی خلافت تک زندہ رہے ہیں۔

(الاصابہ ج ۲ ص ۳۲۳۔ ۳۲۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابوکبشہ کا تعارف

اس حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان اور ان کے دیگر ساتھیوں کو ہرقل کے دربار سے نکال دیا گیا تو ابوسفیان نے کہا کہ ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت عظیم ہو گیا' اس سے سفید فام قوم کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔

ابوکبشہ خزاعہ کا شخص تھا' جو شعری نام کے ستارے کی عبادت کرتا تھا' اس کا نام وجز بن غالب تھا' ابوالحسن الجرجانی نے کہا ہے کہ قریش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت کی وجہ سے آپ کے نسب معروف کے بجائے آپ کی نسبت ابوکبشہ کی طرف کرتے تھے' یا اس وجہ سے کہ جس طرح ابوکبشہ بت پرستی کے بجائے ستارہ پرست تھے' اسی طرح آپ بھی بت پرستی کے بجائے توحید پرست تھے' یا اس وجہ سے کہ آپ کے نانا ابوکبشہ تھے کیونکہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ جو سیدہ آمنہ کے دادا تھے' ان کی کنیت ابوکبشہ تھی' اسی طرح عمرو بن زید بن اسد النجاری جو عبدالمطلب کی ماں سلمیٰ کے باپ تھے' وہ ابوکبشہ کہلاتے تھے' اس وجہ سے وہ آپ کو ابوکبشہ کا بیٹا کہتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۳۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

کلیسا کا نظام پاپائیت

اس حدیث میں یہ آ گیا ہے کہ ہرقل نے ابن الناطور کو پادریوں کا سردار بنا دیا تھا' اس کی مکمل وضاحت کے لیے کلیسا کے نظام پاپائیت اور پوپ کے منصب کو سمجھنا ضروری ہے' جس کو ہم تفصیل سے بیان کر رہے ہیں:

پاپائیت: یورپ کے زیر نظام' پوپ کا طریق کار' پوپ کی حکومت' جب قسطنطین اعظم نے عیسائیت کو روما کا سرکاری مذہب قرار دیا تو رومی حکومت مقدس حکومت بن گئی اور کلیسا کا انتظام پانچ پادریوں (پیٹری آرچ) کے ہاتھ میں آ گیا' جنہیں پوپ کہا گیا۔ مغرب میں روم اور مشرق میں قسطنطنیہ (استنبول) کا پوپ اہم تھے۔ ان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع تر ہو گئی تو ۱۰۵۴ء میں دونوں کلیسا سے الگ ہو گئے۔ مغرب میں رومن کیتھولک اور مشرق میں یونانی کلیسا دو الگ اداروں کی حیثیت سے وجود میں آ گئے۔

پوپ گریگوری اوّل (۵۴۰ء تا ۶۰۹ء) نے رومی کلیسا کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد پاپائی نظام کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ پورا یورپ پوپ کے دائرہ کار میں آ گیا اور اسے دینی و دنیاوی امور میں غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ اس کی نافرمانی و ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ اس کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈیوڈ فی دراکھم لکھتا ہے کہ پاپائیت کلیسا پر بری طرح چھائی ہوئی تھی اور سیاست پر جاگیرداروں کا قبضہ تھا' دونوں آزادی اور حریت کے جانی دشمن تھے ظاہرا دونوں میں زبردست مشابہت تھی' عوام کی کوئی حیثیت نہ تھی' ان کے سروں پر مذہبی عہدیداروں کا ایک لمبا سلسلہ مسلط تھا' جو علاقائی اسقف سے لے کر پوپ تک جا پہنچتا تھا۔ پوپ خود کو پطرس کا جانشین اور حضرت عیسیٰ کا نائب کہتا تھا' اس کا اقتدار ربانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

پاپائیت کے مظالم کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے پوپ کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ پہلے تو مذہبی ٹیکس دینے سے انکار کیا اور تعلیم یافتہ طبقے نے ان کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا' جن کا مطالعہ پوپ نے ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ پوپ نے انہیں باغی قرار دے کر انہیں دردناک سزائیں دیں۔ اس سے کلیسا کے خلاف نفرت اور بھی بھڑک اٹھی۔

سب سے زیادہ مخالفت پوپ لوئی دہم کے جاری کردہ معافی ناموں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہوئی۔ لوئی دہم ایک عالیشان گرجا بنانا چاہتا تھا' جس کے لیے زرِ خطیر کی ضرورت تھی' اس رقم کے جمع کرنے کے لیے اس نے معافی ناموں کی فروخت کا طریقہ رائج کیا۔ ان معافی ناموں کو نہ صرف پادری فروخت کرتے تھے بلکہ تاجروں نے باقاعدہ طور پر ان کی ایجنسیاں قائم کر رکھی تھیں۔ گناہوں کے نرخنامے بھی مقرر تھے۔ مختلف گناہوں کی معافی کے لیے الگ الگ قیمتیں مقرر تھیں مثلاً اسقاط حمل کے لیے ۲ ۱/۲ شلنگ' عدالت میں جھوٹی گواہی کے لیے ۹ شلنگ' چوری ۱۲ شلنگ' عصمت دری کرنے پر ۹ شلنگ' زنا اور قتل پر ۷ ۱/۲ شلنگ' وعدہ رکھنے پر ۱۰ ۱/۲ شلنگ۔

معافی نامے میں جو عبارت درج ہوتی تھی' وہ بڑی دلچسپ ہے' ان میں لکھا ہوتا تھا:

"تم پر خداوند یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ اپنے مقدس رحم سے تمہیں آزاد کرے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پطرس پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے' جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی ہے' تمہیں آزاد کرتا ہوں اور سب سے پہلے کلیسا کی تمام ملامتوں سے خواہ وہ کسی شکل میں ہوں' پھر تمہارے ہر ایک گناہ' حدود شکنی اور زیادتی سے' خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہوں' میں تم سے وہ سزا اٹھالیتا ہوں' جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی' تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ ہوں' باپ بیٹے اور روح القدس کے نام پر"۔

پاپائیت کی رو سے پادری تمام عمر کنوارے رہتے ہیں' انہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی' آج بھی رومن کیتھولک چرچ میں یہی رسم جاری ہے۔

پاپائیت کا خاتمہ کرنے کے لیے جہاں سیاست دانوں اور اہل علم نے بے انتہا کوششیں کیں' وہاں خود اہل مذہب بھی مخالفت پر اتر آئے۔ کلیسا کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے کئی مصلحین میدان میں آئے۔ ان میں بارہویں صدی کا پیٹر والڈو' چودھویں صدی کے جان ٹولر اور جان وائی کلف اور سولہویں صدی کا مارٹن لوتھر قابل ذکر ہیں۔ مارٹن لوتھر ان سب میں نمایاں اور امتیازی حیثیت کا مالک ہے' ۱۵۱۱ء میں وہ روم گیا اور اس نے پوپ کی زندگی کا مطالعہ بہت قریب سے کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پوپ روحانی قوت کا مالک نہیں' چنانچہ واپس آنے پر اس نے پوپ کی زبردست مخالفت شروع کر دی۔ ۱۵۱۷ء میں اس نے پوپ کے معافی نامے دینے کے اختیار پر شدید نکتہ چینی کی۔ ۱۵۱۸ء تک پورا یورپ لوتھر کے خیالات سے واقف ہو چکا تھا۔ اس سے ایک تہلکہ مچ گیا' پاپائیت کے

حامیوں نے لوتھر کو قید کر دیا' رہائی کے بعد اس نے رہبانیت ترک کر کے شادی کر لی اور اس طرح جرمنی میں ایک نیا کلیسا پروٹسٹنٹ وجود میں آ گیا' جو پاپائیت اور رومن کیتھولک کا زبردست مخالف تھا۔

عوام تو پہلے ہی پاپائیت سے نالاں تھے' چنانچہ بہت جلد رومن کیتھولک کی جڑیں اکھڑنے لگیں' جسے دیکھتے ہوئے اس فرقے میں بھی اصلاح کی کوششیں کی جانے لگیں' نتیجۃً پاپائیت کمزور پڑتی چلی گئی۔

لوتھر کے بعد دیگر مصلحین میں سوئٹزرلینڈ کے الرچ زونگلی اور فرانس کے جان کالون کا تذکرہ ضروری ہے۔کالون کے عقائد نے تو انسانی اختیار کو بالکل ختم کر دیا' اس کا کلیسا ''اصلاح یافتہ'' کہلاتا ہے۔اسی طرح سکاٹ لینڈ اور انگلستان میں بھی اصلاح وترامیم کی بہت سی کوششیں ہوئیں' جس سے بہت سے کلیسا وجود میں آئے۔جن کی وجہ سے عیسائیت میں قدیم پاپائی نظام تقریباً مفلوج ہو کر رہ گیا۔

پادری: فادر' باپ' بڑا' بزرگ' عیسائیوں کا مذہبی پیشوا' کلیسائی نظام میں بشپ کا ماتحت ہوتا ہے۔اس کے فرائض میں عبادات' انجیل مقدس کی تبلیغ اور مذہبی رسومات کی ادائیگی شامل ہوتی ہے' وہ دیگر سماجی تقاریب میں کلیسا کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوتا ہے۔رومن کیتھولک کلیسا میں پادری عمر بھر کنوارا رہتا ہے' اس کے لیے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی' جب کہ مشرقی کلیسا میں پادری پر شادی لازمی ہوتی ہے' لیکن آرتھوڈکس اور قدامت پسند کلیساؤں میں پادری رنڈوا ہونے پر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔

(اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۴۲۲-۴۲۱' طبع کراچی)

کلیسا میں پوپ کا منصب

پوپ: لاطینی لفظ ہے' جس کے معنی باپ کے ہیں۔چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں پوپ کا خطاب کسی بھی پادری کے لیے استعمال کر لیا جاتا تھا' لیکن بعد ازاں یہ لقب روم کے بشپ کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا۔اہل برطانیہ میں عیسائیت کی ترویج کے فرائض روم کے عیسائی پادریوں نے سرانجام دیئے تھے' چنانچہ جوں جوں برطانیہ میں عیسائیت کو غلبہ حاصل ہوتا گیا۔ایسے ہی ان پادریوں کو بھی عوام میں مقبولیت حاصل ہوتی چلی گئی اور ان کا تقدس بڑھتا چلا گیا۔پاپائے روم اہل برطانیہ کا سب سے بڑا روحانی پیشوا بن گیا' اور جب روم میں کلیسا نے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تو برطانیہ میں بھی پاپائے اعظم کی دھاک بیٹھ گئی۔

قرونِ وسطیٰ میں ایک دور وہ بھی آیا کہ پوپ کی قوت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہو گئی۔

ایک طرف تو سیاسی قوت تھی اور دوسری طرف مذہبی اثر اور دولت' ان چیزوں نے کلیسا کو وقت کا اہم ترین ادارہ بنا دیا اور ہر شخص نہ صرف کلیسا کا محتاج اور اسی کے رحم وکرم پر تھا' بلکہ شاہی دربار کے احکام وقوانین بھی کلیسا ہی کی وساطت سے طے پاتے تھے' نیز جب بہت سی وحشی اقوام مثلاً گوتھ' ہنس' گال' فرینک وغیرہ نے رومی پوپ کے ذریعے عیسائیت قبول کی تو اس سے پوپ کی قوت میں خاصہ اضافہ ہوا۔پورا یورپ پوپ کے زیر اثر آ گیا۔دینی اور دنیوی طاقت کا منبع پوپ ہی کی ذات تھی۔اس لیے اسے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے' اس کی نافرمانی کو ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔پوپ کی ہر بات قانون کی حیثیت رکھتی تھی' اور جو اس کی حکم عدولی کرتا تھا' اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں' لیکن پوپ نے اس قوت' دولت اور اثر کا زیادہ بہتر استعمال نہ کیا' وہ حضرت مسیح کی سادہ اور بے تکلف زندگی چھوڑ کر عیش وعشرت میں گھر گئے۔دولت حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کے ذرائع اختیار کیے' یہاں تک کہ پوپ نے جنت کے سرٹیفکیٹ بیچنے شروع کر دیئے۔

پوپ کی قوت کا استعمال صرف یہ رہ گیا کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائیں اور ان اختلافات میں اس درجہ بڑھ گئے کہ معمولی سا اختلاف رکھنے والوں کو موت کی سزا دے دی جاتی تھی۔اس مقصد کے لیے خاص عدالتیں قائم کی گئیں' جنہیں احتسابی

عدالت کہا جاتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک ان عدالتوں نے تقریباً تین لاکھ چالیس ہزار افراد کو مختلف سزائیں دیں۔ ان میں صرف ۲۲ ہزار وہ تھے جنہیں دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں' ان میں گلیلو جیسے ماہر سائنسدان بھی شامل تھے۔

عوام پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے تو ان میں پوپ کے خلاف نفرت نے جنم لیا اور ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے پوپ کے اقتدار کو ختم کرنے کی تحریکیں چلائیں۔ ان لوگوں میں پیٹر والڈو' جان ٹولر' مارٹن لوتھر جیسے افراد تھے' جنہوں نے عوام کو پوپ کے اقتدار سے نجات دلائی۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۴۴۳' شاہکار بک فاؤنڈیشن' طبع کراچی)

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''بطارقة'' کا لفظ ہے' یہ ''بطریق'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: بادشاہ کی حکومت کے خاص ارکان' اور ''دسکرة'' کا لفظ ہے' اس کا معنی محل ہے جس کے گرد مکان ہوں اور ''سقف'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: رئیس' یا بڑا پادری' ''رومیه'' کا معنی ہے: روم کا شہر' ''الاریسین'' کا معنی ہے: متبعین' ''صاحب ایلیاء'' کا معنی ہے: بیت المقدس کا گورنر' ''دعاية الاسلام'' کا معنی ہے: اسلام کی دعوت۔

جب ھرقل کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صدق کا یقین ہو گیا تو پھر وہ اسلام کیوں نہیں لایا؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ھرقل' ابوسفیان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سوالات کر چکا تو اس نے کہا: اگر تم نے جو کچھ کہا' وہ برحق ہے تو وہ نبی عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا' جہاں میرے یہ دو قدم ہیں اور مجھے معلوم تھا کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا' اور اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو میں ضرور اس سے ملاقات کرنے کے لیے مشقت اٹھاتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں کو دھوتا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ھرقل کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یقین تھا کہ اگر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا' اور یہ اس کو تجربہ سے معلوم ہوا کیونکہ ضغاطر نے اپنے مسلمان ہونے کو ظاہر کیا تھا تو اس کو عیسائیوں نے قتل کر دیا' اور امام طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ اس قصہ کو روایت کیا ہے' پس قیصر نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ وہ برحق نبی ہیں لیکن میں اپنے اسلام کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' اگر میں نے ایسا کیا تو میری حکومت جاتی رہے گی اور رومی مجھے قتل کر دیں گے' اور امام ابن اسحاق کی ایک مرسل روایت میں ہے: ھرقل نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ وہ نبی مرسل ہیں لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ رومی مجھے قتل کر دیں گے' اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو میں اس نبی کی پیروی کرتا' تاہم اگر ھرقل عقل سے کام لیتا تو اسے معلوم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مکتوب میں فرمایا تھا: تم اسلام قبول کر لو تم سلامت رہو گے' یعنی دنیا اور آخرت میں' پس اگر وہ اسلام قبول کر لیتا تو اس کو وہ خطرات پیش نہ آتے' جن سے وہ ڈر رہا تھا لیکن ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ھرقل نے ایمان لانے پر اپنی حکومت کو ترجیح دی' اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ ۸ھ میں غزوہ موتہ میں اس نے مسلمانوں سے جنگ کی اور یہ اس قصہ کے دو سال بعد کا واقعہ ہے اور ''مغازی ابن اسحاق'' میں ہے کہ جب مسلمان سرزمین شام میں گئے تو ان کو یہ خبر پہنچی کہ ھرقل ایک لاکھ مشرکین کے ساتھ ان کے مقابلہ پر آ رہا ہے' اسی طرح امام ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے بھی اس کو اسلام کی دعوت دی' وہ اسلام قبول کرنے کے قریب تھا لیکن اس نے اسلام قبول

نہیں کیا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے کفر پر مسلسل برقرار رہا' تاہم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دل میں اپنے ایمان کو چھپاتا ہو اور اپنی حکومت کو بچانے کے لیے اور قتل کیے جانے کے خوف سے یہ نافرمانیاں کرتا ہو۔ ''مسند احمد'' میں یہ حدیث ہے کہ اس نے تبوک سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مکتوب بھیجا کہ میں مسلمان ہوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا' وہ اپنی نصرانیت پر قائم ہے اور ابوعبید کی ''کتاب الاموال'' میں یہ روایت ہے: اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا' وہ مسلمان نہیں ہے' اسی وجہ سے امام عبدالبر نے یہ کہا ہے کہ اس نے تصدیق کا اظہار کیا لیکن اس پر قائم نہ رہا اور تصدیق کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور فانی چیزوں کو دائمی نعمتوں پر ترجیح دی۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۱۵' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بڑے پادری ضغاطر کا قتل کیا جانا

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ھرقل کا ایک دوست رومیہ میں تھا' جو علم میں اس کی ٹکر کا تھا' ھرقل نے اس کو خط لکھ کر معلوم کیا اور وہ خود حمص روانہ ہو گیا' ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اس کے پاس اس کے دوست کا خط آ گیا' اس کی رائے بھی ھرقل کے موافق تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور آپ برحق نبی ہیں۔

ھرقل کے اس دوست کا نام ضغاطر تھا' اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت دحیہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر ضغاطر کے پاس گیا تو اس نے کہا: یہی وہ نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے اور جن کی ہمیں حضرت عیسیٰ نے بشارت دی تھی' سو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کی اتباع کروں گا' قیصر نے اس سے کہا: لیکن اگر میں نے ایسا کیا تو میری حکومت جاتی رہے گی اور یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے' اس قصہ کے آخر میں ہے کہ مجھ سے بڑے پادری (ضغاطر) نے کہا: یہ مکتوب لے کر اپنے پیغمبر کے پاس چلے جاؤ اور ان پر میرا اسلام پڑھنا اور انہیں یہ خبر دینا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں' میں ان پر ایمان لے آیا اور میں نے ان کی تصدیق کر دی' اور بے شک عیسائی میرا انکار کریں گے' پھر وہ ان کی طرف گیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ امام ابن اسحٰق کی روایت میں اس طرح ہے کہ ھرقل نے حضرت دحیہ کو ضغاطر رومی کی طرف بھیجا' اور ضغاطر نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا' اور اس کے اوپر پہلے جو لباس تھا' اس کو اتار دیا اور سفید لباس پہن لیا اور رومیوں کو اسلام کی دعوت دی' انہوں نے اس کو مارا' پیٹا اور قتل کر دیا اور جب حضرت دحیہ دوبارہ ھرقل کے پاس گئے تو اس نے کہا: میں نے تم سے پہلے کہا تھا کہ مجھے رومیوں سے اپنی جان کا خطرہ ہے' لیکن اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت دحیہ ھرقل کے پاس اس مکتوب کو لے کر حدیبیہ کے سال نہیں گئے تھے' وہ اس کے پاس مکتوب لے کر غزوہ تبوک میں گئے تھے' ہو سکتا ہے کہ ضغاطر کے متعلق دو قصے ہوں' ایک قصہ وہ ہے' جس کا ''صحیح بخاری'' میں ذکر ہے' جس میں ابن الناطور نے بیان کیا ہے کہ اس کی رائے ھرقل کے موافق تھی' اس میں اس کے اسلام لانے کا ذکر ہے نہ اس کے قتل کیے جانے کا اور دوسرا قصہ وہ ہے جس کا امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ ضغاطر کے پاس حضرت دحیہ گئے' وہ اسلام لے آیا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۰-۵۱۹' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ھرقل کے اسلام لانے پر اس کو دگنا اجر کیوں دیا جائے گا؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ھرقل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب منگوایا' اس میں لکھا تھا: بے شک میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام قبول کر لو تم سلامت رہو گے' اللہ تم کو دگنا اجر عطا فرمائے گا۔

ھرقل کو دگنے اجر کی اس لیے بشارت دی کہ وہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا' پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے گا تو وہ

نبیوں پر ایمان لانے کی وجہ سے اسے دگنا اجر ملے گا اور یہ اس آیت کے موافق ہے:

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ. (القصص:۵۴) ان لوگوں کو ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا۔

دگنے اجر کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ھرقل کا اسلام لانا اس کے متبعین کے اسلام لانے کا بھی سبب ہو گا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ○ (النجم:۳۹) انسان کو صرف اسی کی سعی اور کوشش کا اجر ملتا ہے○

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عدل کا اظہار ہے اور جس آیت میں دگنے اجر کا ذکر ہے وہ اس کا فضل ہے۔

اس کی توجیہ کہ ھرقل کے متبعین کے اسلام نہ قبول کرنے کا گناہ ھرقل کو کیوں ہوگا؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو تمہارے متبعین کے اسلام نہ لانے کا بھی گناہ تم پر ہوگا' حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ. (بنی اسرائیل:۱۵) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ھرقل کا گناہ یہ تھا کہ وہ اپنے متبعین کی گمراہی کا سبب بنا' کیونکہ وہ لوگ اس کے اسلام نہ لانے کی وجہ سے اسلام نہیں لائے لہٰذا اس اعتبار سے متبعین کا گناہ درحقیقت ھرقل ہی کا گناہ ہے اور وہ اپنے ہی گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔

اس اعتراض کا جواب کہ ھرقل کے نام مکتوب میں جو آیت لکھی گئی تھی' وہ اس مکتوب کو بھیجنے کے تین سال بعد نازل ہوئی تھی

اس سلسلہ میں تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس مکتوب میں جو آیت لکھی تھی: ''يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ'' (آل عمران:۶۴) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی' جب آپ کے پاس نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تھا اور آپ کے پاس وفد آنے کا قصہ ۹ ھ کا ہے اور ابوسفیان جو ھرقل کے دربار میں گئے تھے' یہ ۶ ھ کا واقعہ ہے' لہٰذا اس مکتوب میں وہ آیت کیسے لکھی گئی' جو تین سال بعد نازل ہوئی تھی؟ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کے نزول سے پہلے ہی اس کو لکھ دیا تھا اور بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کے لکھے ہوئے کے موافق تھی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو' لیکن یہ بعید ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۱۷' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

(میں کہتا ہوں کہ اس میں ابن عربی کے اس قول کی تائید ہے کہ قرآن مجید کے مکمل نزول سے پہلے آپ کو اس کا اجمالی علم تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

''یہ ھرقل کا آخری امر تھا'' آیا اس سے مراد اس کی زندگی کا آخری واقعہ ہے یا دعوتِ ایمان کے سلسلہ میں آخری بات؟

اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے: جب ھرقل عیسائی سرداروں کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو اس نے ان سے کہا: میں نے جو ابھی تجویز پیش کی تھی' اس سے میں دین میں تمہاری شدت کو آزما رہا تھا' سو مجھے معلوم ہو گیا' پھر ان سب سرداروں نے ھرقل کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے اور یہ ھرقل کا آخری امر تھا۔ اس کی شرح میں حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ ھرقل کے ایمان لانے کے سلسلہ میں یہ آخری بات یا آخری واقعہ تھا' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ھرقل کے

واقعات کے سلسلہ میں یہ آخری واقعہ تھا کیونکہ اس کے بعد ھرقل نے موتہ میں اور تبوک میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دوبارہ مکتوب بھیجا تھا' اور امام ابن اسحاق نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ھرقل نے جب شام سے قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کیا تو اس نے رومی سرداروں پر چند اُمور پیش کیے کہ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا جزیہ دیں اور یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرلیں اور آپ ان کو عادت اور معمول سے کم چیز پر باقی رکھیں لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا' پھر وہ شام سے روانہ ہو گیا اور اس نے اہل شام کو الوداعی سلام کیا' اور قسطنطنیہ میں داخل ہو گیا' اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ وہی ھرقل ہے جس سے مسلمانوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں جنگ کی تھی یا وہ اس کا بیٹا تھا۔

جب کہ اکثر لوگوں کے نزدیک ھرقل کے ایمان کا معاملہ غیر واضح تھا' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے جان کے خوف سے ایمان لانے کی تصریح نہ کی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آخر وقت تک شک میں رہا' حتیٰ کہ کفر پر مر گیا۔

حدیث مذکور کی عنوان باب کے ساتھ حافظ عسقلانی کی بیان کردہ مناسبت

امام بخاری نے اس باب کو''انما الاعمال بالنیات'' کی حدیث سے شروع کیا تھا اور ھرقل کے آخری معاملہ پر ختم کیا ہے' گویا کہ امام بخاری نے کہا کہ اگر ایمان لانے کے لیے اس کی نیت صادق تھی تو وہ کامیاب ہے ورنہ وہ ناکام اور نامراد ہے اور یوں اس حدیث کی باب سے مناسبت ظاہر ہو گئی۔ (فتح الباری ج۱ ص۵۲۱۔۵۲۰' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی عنوان باب کے ساتھ حافظ عینی کی بیان کردہ مناسبت

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' اس حدیث کی عنوان باب سے موافقت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ایسے متعدد جملے ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر وحی کی جاتی ہے' اس کو کیسی صفات کا حامل ہونا چاہیے' مثلاً یہ کہ اس کا نسب اپنی قوم میں سب سے افضل ہو' اس قوم میں اس سے پہلے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو' اس نے اس سے پہلے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اور اس کے متبعین کبھی اس کے دین کو ناپسند کر کے اس سے نہ پھریں' اور یہ'' بدء الوحی'' کے ساتھ واضح مناسبت ہے نیز ھرقل کو جو مکتوب بھیجا گیا تھا' اس میں جو آیت مذکور ہے اور اس باب کے شروع میں جو آیت مذکور ہے' دونوں میں یہ چیز مشترک ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر دین کو قائم کرنے اور کلمہ توحید کا اعلان کرنے کے لیے وحی نازل فرماتا رہا ہے۔

حافظ عسقلانی اور حافظ عینی کی مناسبتوں کے درمیان محاکمہ اور مصنف کی بیان کردہ مناسبت

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر اور حافظ عینی دونوں نے بہت عمدہ مناسبت بیان کی ہے' لیکن حافظ عسقلانی کی مناسبت باب کی پہلی حدیث کے ساتھ ہے اور حافظ عینی کی مناسبت باب کے عنوان کے ساتھ ہے اور مطلوب یہی ہوتا ہے کہ باب کی حدیث کی مناسبت باب کے عنوان کے ساتھ بیان کی جائے' سو اس اعتبار سے حافظ عینی کی شرح حافظ عسقلانی کی شرح پر فائق ہے۔

علامہ عینی نے حدیث مذکور کی عنوان باب کے ساتھ جو مناسبت بیان کی ہے' وہ عمدہ مناسبت ہے' لیکن اتنی عمدہ بھی نہیں ہے' کیونکہ علامہ عینی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ جن پر وحی کی جاتی ہے' ان کی کیسی صفات ہونی چاہئیں' گویا اس حدیث کی وحی کے ساتھ مناسبت ہے' لیکن اس کے باب کا عنوان صرف وحی نہیں ہے بلکہ'' بدء الوحی'' ہے اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ'' بدء'' کا معنیٰ ظہور اور غلبہ ہے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کے ظہور اور غلبہ کا ذکر ہے کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوسفیان نے کہا جب ھرقل نے کہا' جو کہا اور وہ اس مکتوب کو پڑھنے سے فارغ ہو گیا تو اس کے پاس بہت شور ہو گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں اور ہم کو نکال دیا گیا' جب ہم کو نکال دیا گیا تو میں نے اپنے اصحاب سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ بہت

عظیم ہو گیا' اس سے سفید فام قوم کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے' پھر مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ وہ عنقریب غالب ہو جائیں گے حتیٰ کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام داخل کر دیا' سو حدیث کے ان جملوں میں وحی کے ظہور اور غلبہ کا ذکر ہے کیونکہ نبی ﷺ کا غلبہ وحی کی جہت سے تھا' سو میرے نزدیک اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ موافقت اس وجہ سے ہے کہ اس حدیث میں وحی کے ظہور اور غلبہ کا ذکر ہے اور اس کے باب کا عنوان بھی ''بدء الوحی'' ہے یعنی وحی کا ظہور اور غلبہ اور یہ وہ نکتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف میرے دل میں القاء کیا ہے اور تمام شارحین میں صرف مجھ پر اللہ کی یہ نعمت ہے' جس کو میں نے ''نعمۃ الباری'' میں درج کیا ہے' وللہ الحمد۔

حدیث مذکور کی زہری سے دو روایتیں اور ان کی تفصیل

اس حدیث کے آخر میں امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو صالح بن کیسان اور یونس اور معمر نے زہری سے روایت کیا ہے۔ اس عبارت سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابوالیمان کی جو روایت زہری سے ہے' وہ ابوسفیان کے اس قول تک ہے: حتیٰ کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا' اس کے بعد جو ابن الناطور کا قصہ آخر حدیث تک ہے' وہ ابوالیمان کی روایت سے نہیں ہے' اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو ابوالیمان کی سند سے ''کتاب الجہاد'' اور ''کتاب التفسیر'' میں رقم: ۲۹۴۱' اور رقم: ۴۵۵۳' میں ابوسفیان کے اس قول تک روایت کیا ہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا اور اس کے بعد ابن الناطور کا قصہ بیان نہیں کیا' اب امام بخاری یہ بیان کر رہے ہیں کہ ابن الناطور کا یہ قصہ از صالح بن کیسان از یونس از معمر از زہری ہے' خلاصہ یہ ہے کہ زہری سے دو روایتیں ہیں' ایک روایت ابوالیمان نے کی ہے' جو ابوسفیان کے قول مذکور تک ہے اور دوسری روایت صالح بن کیسان نے کی ہے' جس میں ابن الناطور کا قصہ آخر حدیث تک ہے۔

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

۲- کِتَابُ الْاِیْمَانِ
ایمان کا بیان

اس سے پہلے امام بخاری نے یہ باب ذکر کیا تھا: ''باب کیف کان بدء الوحی ''یعنی وحی کی ابتداء کیسے ہوئی یا وحی کا ظہور اور غلبہ کیسے ہوا' یہ امام بخاری کی ''الجامع الصحیح'' کے مقدمہ کے قائم مقام تھا' اس لیے امام بخاری نے کتاب سے ابتداء نہیں کی بلکہ باب سے ابتداء کی' پھر اپنی ''الجامع الصحیح'' میں مختلف کتب ذکر کیں' مثلاً کتاب الایمان' کتاب العلم' کتاب الطہارات' کتاب الصلوٰۃ' کتاب الزکوٰۃ' کتاب الحج' کتاب الصوم اور کتاب البیوع وغیرہ' کتاب الایمان کو باقی کتب پر مقدم کیا' کیونکہ تمام احکام شرعیہ کے قبول ہونے کا مدار ایمان پر ہے اور ایمان تمام اعمال کی شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے' اس کے بعد ''کتاب العلم'' کو ذکر کیا کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہے اور علم سے ہی احکام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں' اس کے بعد ''کتاب الصلوٰۃ'' کو ذکر کیا کیونکہ ایمان لانے کے بعد جو عبادت سب سے پہلے فرض ہوتی ہے' وہ نماز ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ. جو لوگ غیب کی خبروں پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم (البقرہ:۳) کرتے ہیں۔

سو ایمان کے بعد نماز کا مرتبہ ہے اور چونکہ نماز کی ادائیگی طہارت پر موقوف ہے' اس لیے ''کتاب الایمان'' کے بعد پہلے کتاب الطہارات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ کا ذکر کیا اور قرآن مجید میں بہت جگہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا ہے' اس لیے کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکوٰۃ کا ذکر کیا' اور نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج بدنی عبادت اور مالی عبادت کا مجموعہ ہے' اس لیے کتاب الزکوٰۃ کے بعد کتاب الحج کا ذکر کیا' اور اس کے بعد روزہ کا ذکر کیا اور کتاب الصوم درج کی' کیونکہ احادیث میں ان چار عبادتوں کے ساتھ روزہ کا ذکر ہے اور ان چار عبادتوں کو مقدم کیا کیونکہ یہ چار عبادات وجودی ہیں اور روزہ عدمی ہے اور وجودی کو عدمی پر شرف ہوتا ہے۔ عبادات کے بعد معاملات شروع کیے اور کتاب البیوع اور کتاب الاجارہ وغیرہ کو ذکر کیا۔

پھر ہر کتاب کے تحت کئی اور کتب کو ذکر کیا' جیسے کتاب الطہارات میں کتاب الوضوء' کتاب الغسل' کتاب الحیض اور کتاب التیمم کو ذکر کیا اور کتاب الصلوٰۃ میں کتاب مواقیت الصلوٰۃ' کتاب الاذان' کتاب الجمعۃ' کتاب صلوٰۃ الخوف' کتاب العیدین' کتاب الوتر' کتاب الاستسقاء' کتاب الکسوف' کتاب سجود القرآن' کتاب تقصیر الصلوٰۃ' کتاب التہجد' کتاب السہو اور کتاب الجنائز کو ذکر کیا' اسی طرح باقی کتب بھی کئی کئی کتب پر مشتمل ہیں اور وہ ضمنی کتب دراصل ابواب کے حکم میں ہیں۔

ایمان کا لغوی معنی

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

ایمان کا معنی تصدیق ہے' علامہ زمخشری نے ''الاساس'' میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور لغویین وغیرہ تمام اہل علم اس پر متفق ہیں' اور علامہ زمخشری نے ''کشاف'' میں کہا ہے: جس پر کوئی شخص ایمان لایا' اس نے اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ کر دیا' اور ایمان کا معنی ہے: اذعان یعنی ماننا اور قبول کرنا اور یہ اعتراف کے معنی کو متضمن ہے' الازہری نے کہا ہے: ایمان کی اصل ہے امانت کے صدق میں داخل ہونا' جس طرح اس نے زبان سے تصدیق کی ہے' اسی طرح دل سے بھی تصدیق کی تو وہ مومن ہے اور جس نے دل سے تصدیق نہیں کی وہ اس امانت کو ادا کرنے والا نہیں ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رکھی تھی' وہ منافق ہے' زجاج نے کہا: ایمان کا معنی شریعت کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کو قبول کرنا ہے' اس کا اعتقاد رکھنا ہے اور دل سے اس کی تصدیق کرنا ہے' امام راغب اصفہانی نے کہا: کبھی ایمان کا اطلاق اس شریعت پر کیا جاتا ہے' جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے' اور کبھی حق کے ماننے اور قبول کرنے کو ایمان کہا جاتا ہے اور ایمان تین چیزوں کا مجموعہ ہے: تصدیق بالقلب' اقرار باللسان اور عمل بالارکان اور ان میں سے ہر ایک کو بھی ایمان کہا جاتا ہے۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۹ ص ۱۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ایمان کا شرعی معنی

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چیز میں تصدیق کرنا' جس کے متعلق بداہتہً معلوم ہو کہ اس کو آپ لے کر آئے ہیں اور اس کا دین ہونا مشہور ہو یعنی بغیر غور وفکر اور دلیل کے اس کا علم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا' پانچ نمازوں کا فرض ہونا' اور شراب کا حرام ہونا' جو چیز اجمالی ہو اس کا اجمالی ملاحظہ کافی ہے اور جو چیز تفصیلی ہو اس کا تفصیلی ملاحظہ ضروری ہے' حتیٰ کہ اگر اس سے نماز کی فرضیت کا سوال کیا جائے اور وہ اس کی تصدیق نہ کرے یا اس سے شراب کے حرام ہونے کا سوال کیا جائے اور وہ اس کی تصدیق نہ کرے تو وہ کافر ہوگا' ایمان کی یہ تعریف مشہور ہے اور جمہور علماء اسلام کا یہی موقف ہے۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۷۷' منشورات الرضی ایران' ۱۴۰۹ھ)

ایمان کی تعریف میں فقہاء اسلام کے مشہور مذاہب

اہل قبلہ کے ایمان کی تعریف میں حسب ذیل مذاہب ہیں:

(۱) اکثر محققین اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اقرار اسلامی احکام کے اجراء کے لیے شرط ہے اور نیک اعمال کا کرنا درجات میں بلندی کا سبب ہے۔

(۲) خوارج کا مذہب ہے: تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور نیک عمل کے ترک کرنے یا نافرمانی کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے اور کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۳) معتزلہ کا مذہب ہے: تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے کیونکہ جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے لیکن وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ اس نے تکذیب نہیں کی۔

(۴) ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب ہے: تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان ایمان سے نکلتا ہے نہ کفر میں داخل ہوتا ہے بلکہ فاسق ہو جاتا ہے۔

(۵) مرجئہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد انسان کے لیے نیک عمل کرنا ضروری نہیں اور نہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اسے

کسی عذاب کا خطرہ ہے۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۷۹-۱۷۸ 'مہذ بامر تبا'منشورات الرضی ۱۴۰۹ھ)

ہم نے یہاں پر ایمان میں صرف وہ مذاہب ذکر کیے ہیں' جن پر ''صحیح البخاری'' کی احادیث کا سمجھنا موقوف ہے'ائمہ ثلاثہ اور محدثین جن آیات اور احادیث سے ایمان میں کمی اور زیادتی پر استدلال کرتے ہیں' وہ ہم احناف کے نزدیک ایمان کامل پر محمول ہیں اور ہمارے نزدیک ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں' اس لیے ایمان کامل میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے' ہمارے نزدیک نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں' وہ صرف تصدیق کا نام ہے اور اس کا ائمہ ثلاثہ اور محدثین بھی انکار نہیں کرتے۔

شرح صحیح مسلم میں ایمان کے مذاہب کے عنوانات

ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' میں ایمان کی بہت زیادہ تفصیل بیان کی ہے' اس میں ایمان کے مباحث کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق (۲) ایمان کے شرعی معنی کی تفصیل اور تحقیق (۳) نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان (۴) مومن ہونے کے لیے فقط جاننا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے (۵) ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد (۶) ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد (۷) ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد (۸) ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشہاد (۹) ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کے جوابات (۱۰) ایمان کی تعریف میں خوارج کے دلائل کے جوابات (۱۱) ایمان کی تعریف میں مرجئہ کے دلائل کے جوابات (۱۲) ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ (۱۳) آیا اسلام اور ایمان مغائر ہیں یا متحد؟ (۱۴) مومن اور مسلمان کی تعریف

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷-۲۴۶ 'فرید بک سٹال لاہور'الطبع ثانی عشر ۱۴۲۵ھ)

* اس جگہ پر ایک بحث یہ بھی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ کہنا جائز ہے کہ میں ان شاء اللہ مومن ہوں' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ کہنا جائز نہیں ہے' بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ میں یقیناً مومن ہوں' کیونکہ جس چیز کے ہونے میں شک ہو' اس کے متعلق ان شاء اللہ کہا جاتا ہے' اگر وہ کہے گا: میں ان شاء اللہ مومن ہوں' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کو اپنے ایمان میں شک ہے اور شک کے ساتھ وہ مومن نہیں ہو سکتا' تاہم انسان کو اپنے خاتمہ کے متعلق کچھ علم نہیں ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں' اس لیے وہ اپنے خاتمہ کے اعتبار سے کہہ سکتا ہے کہ میں ان شاء اللہ مومن ہوں' یعنی ان شاء اللہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

(اس مسئلہ کی مفصل تحقیق کے لیے دیکھئے: تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۵۳-۵۵۱ 'الانفال: ۴-۱)

اس تمہید کے بعد اب ہم امام بخاری کے عنوان کا ذکر کر کے اس کی شرح کرتے ہیں:

۱- بَابُ الْإِيْمَانِ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلٌ وَ فِعْلٌ' وَ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ.

الایمان اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور وہ قول اور فعل ہے اور زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔

امام بخاری نے عنوان میں حدیث کا پہلا جملہ ذکر کیا ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' یہ مفصل حدیث نمبر ۸ میں آ رہی ہے' اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا: ایمان قول اور فعل ہے اور وہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے (یہ ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب ہے) پھر امام بخاری نے اس مذہب پر حسب ذیل آیات سے استدلال فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ (الفتح: ٤)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ ایمان زیادہ ہو۔ (الفتح: ۴)

﴿وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (الکہف:۱۳)

اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیاO (الکہف:۱۳)

﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ (مریم:۷۶)

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا ہے۔ (مریم:۷۶)

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ (محمد:۱۷)

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایاO (محمد:۱۷)

﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا﴾ (المدثر:۳۱)

اور ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہو جائے۔ (المدثر:۳۱)

﴿اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (التوبہ:۱۲۴)

(منافقین نے کہا:) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا؟ سو جو ایمان والے ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا۔ (التوبہ:۱۲۴)

وَقَوْلُهٗ جَلَّ ذِكْرُهٗ ﴿فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ (آل عمران:۱۷۳)

اور اللہ عزوجل کا قول ہے: سو تم ان سے ڈرو' پس اللہ نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا۔ (آل عمران:۱۷۳)

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى ﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۲۲)

اور اللہ عزوجل کا قول ہے: اور اس نے صرف ان کے ایمان اور ان کے مان لینے کو زیادہ کر دیاO (الاحزاب:۲۲)

اور ایک حدیث میں ہے:

وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ مِنَ الْاِيْمَانِ.

اور اللہ کی وجہ سے محبت رکھنا اور اللہ کی وجہ سے بغض رکھنا بھی ایمان سے ہے۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور ہدایت کو زیادہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور کمی اور زیادتی اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور ہم احناف کے نزدیک بھی ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' لہٰذا یہ آیات احناف کے خلاف نہیں ہیں' تاہم مزید وضاحت کے لیے ہم مفسرین سے ان آیات کی تفسیر نقل کر کے پیش کر رہے ہیں:

امام بخاری کی پیش کردہ آیات کی تفسیر

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ' الفتح: ۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا: ''تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ ایمان زیادہ ہو' امام ماتریدی نے فرمایا: اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی کتاب پر ان کا ایمان' تمام رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان کے ساتھ زیادہ ہو جائے' جن کی وہ پہلے تصدیق کر چکے تھے' یہ توجیہ صرف اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) پچھلی ساعتوں میں جو ان کا ایمان تھا' اس کے ساتھ اس وقت لایا ہوا ایمان زیادہ ہو جائے۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۹ ص ۲۹۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ان کو متعدد احکام کا مکلف فرماتا تھا' اور وہ ان میں سے ہر حکم پر ایمان لاتے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے' مثلاً پہلے ان کو توحید کا حکم دیا تو وہ اس پر ایمان لائے' پھر ان کو اطاعت کرنے کا حکم دیا تو وہ اس پر ایمان لائے' پھر ان کو قتال اور حج کا حکم دیا تو وہ اس پر ایمان لائے' پس ان کے پہلے ایمان کے ساتھ یہ ایمان زیادہ ہو گیا۔

(۲) پہلے وہ اصول اور معتقدات پر ایمان لائے تھے' پھر وہ فروع اور احکام شرعیہ پر ایمان لائے' تو اصول پر ایمان کے ساتھ فروع پر ان کا ایمان زیادہ ہو گیا' یعنی پہلے وہ اس پر ایمان لائے کہ اللہ واحد ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان سے حساب لیا جائے گا اور ثواب اور عذاب کا مرحلہ ہو گا' پھر اس پر ایمان لائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا' وہ حق اور صواب ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے جو بھی حکم دیا' اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۳) پہلے ان کا ایمان فطری تھا' اس کے بعد وہ غور وفکر کر کے ایمان لائے تو یہ ایمان فطری پر زیادہ ایمان ہو گیا۔

الکہف: ۱۳ میں فرمایا: ''اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا''۔ اس کی تفسیر میں امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: ہم نے ان کو ان کی ہدایت پر ثابت اور برقرار رکھا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر آن میں ان کو ایک نئی ہدایت حاصل ہو رہی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نئی شان کی ہدایت حاصل ہو رہی ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۷ ص ۱۴۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

مریم: ۷۶ میں فرمایا: ''اور جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا ہے''۔ اس کی تفسیر میں امام ابومنصور ماتریدی فرماتے ہیں:

اس کا معنی ہے: جب وہ ہدایت پالیں تو اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان لیتے ہیں اور وہ ان کو اطاعت کی توفیق دیتا ہے' جس وقت ان کی ہدایت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور وہ اس کو طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۷ ص ۲۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس کی مثال یہ ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور ایمان میں' اخلاص ہدایت میں زیادتی ہے' اور اخلاص اسی وقت حاصل ہو گا' جب ایمان حاصل ہو جائے گا' پس جس نے ایمان کی ہدایت پائی' اللہ تعالیٰ اس ہدایت میں اخلاص کو زیادہ کر دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۶۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

محمد: ۱۷ میں فرمایا: ''جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا''۔ امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس کا معنی ہے: مؤمنین آپ کے ارشادات غور سے سنتے ہیں اور آپ سے زیادہ ہدایت طلب کرتے ہیں' اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا' مراد یہ ہے کہ ان کو وہ چیز عطا فرمائی' جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے سے ڈرتے ہیں' یعنی ان کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے سے ڈرتے ہیں۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۹ ص ۲۷۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ان کی ہدایت میں زیادتی فرمائی یعنی پہلے وہ ہدایت یافتہ تھے' پھر ان کو ہدایت دہندہ بنا دیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا یعنی

جس کام کے حلال ہونے کا انہیں یقین نہیں ہوتا' اس میں وہ ہاتھ نہیں ڈالتے اور احتیاط پر عمل کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المدثر: ۳۱ میں فرمایا: "اور ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہو جائے" امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اس قسم کی آیات میں فرماتے ہیں: ان کے ایمان پر ان کے ایمان کی تفسیر زیادہ ہوگئی' کیونکہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے' پھر انہوں نے اقرار کیا کہ اللہ ہی ہر چیز کی تخلیق کرتا ہے اور وہی ہر اطاعت کا حکم دیتا ہے' اور ان کے اس اقرار میں سب رسولوں کی تصدیق ہے اور اس کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں کی تصدیق ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان کے زیادہ ہونے سے ایمان پر دوام اور ثابت قدم رہنا مراد ہو۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۳۱۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایمان میں زیادتی سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اپنے ذہن میں اس معنی کو حاضر کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے بری ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بہت سے دلائل پر مطلع ہو جاتا ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی تو پھر اس آیت کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان میں زیادتی سے مراد ہے: ایمان کے ثمرات' اس کے آثار اور اس کے لوازم میں زیادتی۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

التوبہ: ۱۲۴ میں فرمایا: "(منافقین نے کہا:) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا؟ سو جو ایمان لائے ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا"۔ امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہل ایمان کے سامنے جب اسلام کی حقانیت پر دلائل اور براہین آتے تو ان کا ایمان اور قوی ہو جاتا' اور ان کے ایمان کے زیادہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان پر دائم اور ثابت قدم رہتے' اور جب بھی احکام اور فرائض نازل ہوتے تو وہ ان کی تصدیق کرتے اور ان کے ایمان کے زیادہ ہونے کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کی نیکیاں زیادہ ہوتیں۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۵۱۴-۵۱۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مؤمنین کے ایمان کے زیادہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کا اقرار کرتے اور یہ اعتراف کرتے کہ یہ اللہ کی جانب سے حق ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آل عمران: ۱۷۳ میں فرمایا: "سو تم ان سے ڈرو' پس اللہ نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا"۔ اس کی تفسیر میں امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

منافقین نے مسلمانوں سے کہا: لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں' سو تم ان سے ڈرو' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ایمان کو زیادہ کر دیا' یعنی ان کی جرأت' قوت اور دین پر صلابت کو زیادہ کر دیا اور اپنے رب پر جو ان کو یقین تھا' اس کو اور قوی کر دیا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۲ ص ۵۳۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مومنین کے ایمان میں زیادتی سے مراد یہ ہے کہ جب مومنوں نے کفار سے ڈرانے والے کی بات سنی تو انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ ان کے دلوں میں کفار سے جہاد کرنے کا عزم اور مؤکد ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کرنے کا جذبہ اور قوی ہو گیا اور ان کا اللہ تعالیٰ پر یہ اعتماد اور مستحکم ہو گیا کہ کفار کے خلاف جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۳۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الاحزاب: ۲۲ میں فرمایا: ''اور اس نے صرف ان کے ایمان اور مان لینے کو زیادہ کر دیا''۔ امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں سے کسی چیز کا وعدہ فرماتے یا کسی چیز کے وقوع کی خبر دیتے اور وہ اس کے مطابق ہو جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ اور خبر کے متعلق مسلمانوں کی تصدیق اور قوی ہو جاتی کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں مقدر کی ہیں' وہ ان کو مان لیتے اور زیادہ استحکام سے ان کو تسلیم کرتے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے جتنے وعدے کیے تھے' وہ سب پورے ہو گئے' مثلاً فارس پر رومیوں کو فتح حاصل ہو گئی اور مکہ فتح ہو گیا تو مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر جو یقین تھا وہ اور پختہ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۶۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض احادیث اور آثار سے امام بخاری کا ایمان کے زیادہ ہونے پر استدلال اور ان کے جوابات

امام بخاری نے اس حدیث کو پیش کیا:

اللہ کے سبب سے محبت کرنا اور اللہ کے سبب سے بغض رکھنا ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔

اس حدیث میں ''فی اللّٰہ'' کا لفظ ہے اور ''فی'' کا معنی سبب ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ. (یوسف: ۳۲) سو یہ وہی شخص ہیں' جن کے سبب سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

اس فقرہ کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اعمال میں افضل عمل اللہ کے سبب سے محبت کرنا اور اللہ کے سبب سے بغض رکھنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۹۹' کنز العمال: ۲۴۶۳۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے سبب سے محبت رکھی اور اللہ کے سبب سے بغض رکھا اور اللہ کے سبب سے عطا کیا اور اللہ کے سبب سے منع کیا' اس نے ایمان کو کامل کر لیا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۸۱) امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ محبت اور بغض میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ محبت میں کمی اور زیادتی سے ایمان کامل اور ناقص نہیں ہوتا بلکہ قوی اور ضعیف ہوتا ہے۔

پھر امام بخاری نے یہ اثر پیش کیا:

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ اَنَّ لِلْاِيْمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُوْدًا وَ سُنَنًا، فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ، وَمَنْ لَّمْ

حضرت عمر بن عبد العزیز نے عدی کی طرف مکتوب لکھا کہ ایمان کے فرائض ہیں اور شرائع ہیں اور حدود ہیں اور سنن ہیں' پس جس نے ان کو کامل کر لیا' اس نے ایمان کو کامل کر لیا اور جس نے ان

يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيْمَانَ ، فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتّٰى تَعْمَلُوْا بِهَا' وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلٰى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيْصٍ.

کو کامل نہیں کیا' اس نے ایمان کو کامل نہیں کیا' پس اگر میں زندہ رہا تو میں عنقریب یہ امور تمہارے لیے بیان کروں گا' حتیٰ کہ تم ان پر عمل کرو گے' اور اگر میں مر گیا تو میں تمہاری صحبت پر حریص نہیں ہوں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا تعارف

ان کا پورا نام ہے: عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس الاموی القرشی' یہ امام عادل تھے اور خلفاء راشدین میں سے ایک ہیں' انہوں نے حضرت عبد اللہ بن جعفر اور حضرت انس وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا ہے' خلیفہ بننے سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اور انہوں نے کہا: میں نے اس نوجوان سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں پایا' ۹۹ ھ میں وہ خلیفہ ہوئے اور دو سال پانچ مہینہ تک خلیفہ رہے' ان کی خلافت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح تھی' انہوں نے روئے زمین کو عدل اور انصاف سے بھر دیا' ان کی والدہ حفصہ بنت عاصم بن عمر بن الخطاب تھیں' مصر میں پیدا ہوئے اور ۲۵ رجب ۱۰۱ ھ میں حمص میں فوت ہوئے' ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک اور ناخن مبارک تھے' انہوں نے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو ان کو میرے کفن میں رکھ دینا' امام احمد بن حنبل نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہر صدی کے سرے پر اللہ اس شخص کو بھیجتا ہے' جو اس امت کے لیے دین کی تجدید کرتا ہے' اس حدیث کی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز کو دوسری صدی کا مجدد کہا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۸۹)

عدی بن عدی کا تذکرہ

ان کا نام عدی بن عدی بن عمیرہ بن زرارہ بن ارقم بن عمر بن وہب بن ربیعہ بن الحارث بن عدی ہے' یہ تابعی ہیں' یہ اپنے والد اور چچا العرس بن عمیرہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں صحابی ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ یہ خود صحابی ہیں یا نہیں' اختلاف کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل احادیث روایت کی ہیں' اس وجہ سے بعض لوگوں نے ان کو صحابی گمان کیا اور عدی کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے الجزیرہ اور الموصل کا گورنر بنایا تھا' یہ ۱۲۰ ھ میں فوت ہو گئے' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۰۔ ۱۹۱)

فرائض' شرائع' حدود اور سنن کی تعریفات

حضرت عمر بن عبد العزیز کے اس مکتوب میں فرائض' شرائع' حدود اور سنن کے الفاظ ہیں۔

فرائض: فریضہ کی جمع ہے' فرض اس کام کو کہتے ہیں' جس کا کرنا لازم ہو اور اس کے لزوم کا ثبوت ایسی دلیل سے ثابت ہو' جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو' اس کا منکر کافر ہے اور اس کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے اور موجب عذاب ہے' جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ۔

شرائع: شریعۃ کی جمع ہے' جیسے نماز کی صفات' رمضان کے روزوں کی تعداد' تہمت لگانے والے کے کوڑوں کی تعداد' طلاق کی تعداد وغیرہ۔

حدود: اسلام میں پانچ حرام کاموں کی سزا معین ہے' ان کو حدود کہتے ہیں' زنا کی حد رجم یا سو کوڑے ہیں' چوری کی حد ہاتھ کو پہنچے سے کاٹ دینا ہے' قذف (زنا کی تہمت) کی حد اسی کوڑے ہیں' شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے ہیں اور ڈاکے کی حد قتل کرنا اور سولی پر لٹکانا ہے یا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹنا ہے یا شہر بدر کرنا ہے۔

سنن: شارع علیہ السلام نے جن چیزوں کا فضائل اعمال کی وجہ سے حکم دیا۔

امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ جب فرائض' شرائع اور سنن پر عمل کرنا ایمان میں داخل ہے تو اعمال ایمان میں داخل ہو گئے اور جس کے زیادہ اعمال ہوں گے' اس کا ایمان کامل ہوگا اور جس کے اعمال کم ہوں گے' اس کا ایمان ناقص ہوگا۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کامل میں داخل ہیں' نفس ایمان میں داخل نہیں ہیں اور ایمان کامل میں ہم بھی اعمال کو داخل مانتے ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ آیت پیش کی:

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ ﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ (البقرہ: ۲٦٠). اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اور لیکن تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ (البقرہ: ۲٦٠)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پورا نام اس طرح ہے: ابراہیم بن تارح بن ناحور بن ساروح بن ارعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یرد بن مھلاییل بن قاین بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ابراہیم' عبرانی زبان کا نام ہے' الماوردی نے کہا: اس کا معنی ہے: رحیم باپ' حضرت ابراہیم عراق میں کوثا کے مقام پر پیدا ہوئے' حضرت ابراہیم کپڑے کی تجارت کرتے تھے' آپ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی' آپ نے ۱۷۵ سال کی زندگی گزاری' ایک قول ہے: دو سو سال کی' اور آپ ارضِ مقدسہ میں مدفون ہوئے' آپ کی قبر حبرون نام کی بستی میں ہے' جس کو اب بلدۃ الخلیل کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۱)

حضرت ابراہیم کے قول سے امام بخاری کا استدلال اور اس کا جواب

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو کہا: '' تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے'' اس سے ان کی مراد تھی: تا کہ میرا یقین زیادہ ہو جائے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو پہلے بھی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے' لیکن وہ اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کا ایک جہت سے علم ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کو اس چیز کا دوسری جہت سے بھی علم ہو جائے' اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ عین الیقین (دیکھ کر یقین کرنا) علم الیقین (خبر سے یقین حاصل ہونا) سے قوی ہوتا ہے' لہٰذا اس سے مراد یقین کا قوی ہونا ہے' نہ کہ یقین کا زیادہ ہونا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۱) اس کے بعد امام بخاری نے یہ اثر پیش کیا:

وَقَالَ مُعَاذٌ اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً. حضرت معاذ رضی اللہ نے کہا: ہمارے ساتھ بیٹھو ہم کچھ دیر ایمان لائیں (ایمان کی باتیں کریں)۔

حضرت معاذ کا تعارف

ان کا پورا نام ہے: معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عایذ بن عدی بن کعب الخزرجی الانصاری' انہوں نے ۱۸ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور ستر انصاریوں کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے (عقبہ سے مراد مکہ کی وہ گھاٹی ہے' جہاں حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے آنے والوں کو تبلیغ اسلام کرتے تھے' پہلی بار بارہ آدمی آ کر مسلمان ہوئے' ان کو اصحاب عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے اور دوسری بار ستر آدمی آ کر مسلمان ہوئے' ان کو اصحاب عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے)' پھر حضرت معاذ بدر میں حاضر ہوئے' اور باقی مواقع میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۵۷ احادیث روایت کی ہیں' ان کی دو حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور تین حدیثوں کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حضرت

عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت ابوقتادہ' حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ نے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں عمواس کے طاعون میں فوت ہو گئے تھے (عمواس' فلسطین اور بیت المقدس کے درمیان ایک جگہ ہے) اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۸۹)

حضرت معاذ کے قول سے امام بخاری کا استدلال اور اس کا جواب

حضرت معاذ نے فرمایا: ''نؤمن ساعة'' اس کا لفظی معنی ہے: ہم کچھ دیر ایمان لائیں' یہ معنی تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ حضرت معاذ پہلے ہی مومن تھے' سو امام بخاری کے نزدیک اس سے مراد ایمان کی زیادتی ہے' یعنی حضرت معاذ نے الاسود بن ہلال المحاربی سے کہا: آؤ کچھ دیر ہم اپنے ایمان کو زیادہ کریں' ہمارے نزدیک اس قول کا معنی یہ ہے کہ آؤ کچھ دیر ہم ایسی باتیں کریں جن سے ہمارا ایمان قوی ہو' علامہ نووی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نیکی' احکام آخرت اور امور دین کی باتیں کریں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت معاذ نے یہ بات کس سے کہی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت معاذ کے اس قول کو حسب ذیل دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے:

ابو اسامہ از اعمش' از جامع بن شداد از الاسود بن ہلال' وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ نے اپنے بھائیوں میں سے ایک شخص سے کہا: ہمارے ساتھ بیٹھو ہم کچھ دیر ایمان لائیں (ایمان کی باتیں کریں)' پھر وہ دونوں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۳۵۶۔ ج ۶ ص ۱۶۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

وکیع' الاعمش' از جامع بن شداد از الاسود بن ہلال المحاربی' اس نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: آؤ ہمارے ساتھ بیٹھو ہم کچھ دیر ایمان لائیں (ایمان کی باتیں کریں) یعنی اللہ کا ذکر کریں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۳۶۸۔ ج ۷ ص ۲۴۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے کسی بھائی سے یہ کہا اور دوسری روایت میں ہے: انہوں نے اسود بن ہلال محاربی سے یہ کہا' علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ دو مواقع تھے' ایک موقع پر انہوں نے اپنے کسی بھائی سے کہا اور دوسرے موقع پر اسود بن ہلال محاربی سے کہا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد امام بخاری نے یہ اثر پیش کیا:

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ الْيَقِيْنُ الْإِيْمَانُ كُلُّهٗ. اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یقین پورا کا پورا ایمان ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعارف

ان کا پورا نام ہے: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن مخزوم' ان کی کنیت ہے: ابو عبدالرحمٰن الہذلی' یہ مکہ میں بہت پہلے اسلام لائے تھے' انہوں نے دونوں ہجرتیں کی ہیں' حبشہ کی طرف اور مدینہ کی طرف' بدر میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مغازی میں حاضر رہے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین اتارتے تھے اور آپ کو نعلین پہناتے تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸۴۸ احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے ۶۴ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ۲۱ احادیث میں امام بخاری منفرد ہیں اور ۳۵ احادیث میں امام مسلم منفرد ہیں' ۳۲ھ میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی' اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال سے زائد تھی' ایک قول یہ ہے کہ کوفہ میں ان کی وفات ہوئی' مگر پہلا قول صحیح ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' ایک قول یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی' اس اثر کو علقمہ نے حضرت ابن مسعود

سے مکمل اس طرح روایت کیا ہے کہ صبر نصف ایمان ہے اور یقین کل ایمان ہے۔ یقین کیفیات نفسانیہ سے ہے اور وہ باطنی ادراک ہے اور وہ تصدیق کی قسم ہے جس میں کسی اعتبار سے بھی جانب مخالف کی گنجائش نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۱۹۳)

امام بخاری کا اس اثر کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جب یقین کل ایمان ہے تو ایمان کے اجزاء ہو گئے اور ایمان بسیط نہ رہا' ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس اثر میں ایمان سے مراد اس کے ثمرات ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ اثر پیش کیا ہے:

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی بندہ تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کے دل میں کھٹک رہی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تعارف

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما القرشی العدوی المکی ہیں' ان کی ماں اور ان کی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ماں زینب بنت مظعون ہیں اور یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں' یہ اپنے والد کے ساتھ مکہ میں بہت پہلے اسلام لائے تھے' اس وقت یہ کم سن تھے' انہوں نے اپنے والد کے ساتھ ہجرت کی تھی' غزوۂ احد میں ان کو ان کی کم عمری کی وجہ سے شامل نہیں کیا گیا' غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شامل رہے' یہ ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں' اور چار العبادلہ میں سے ایک ہیں' دوسرے حضرت ابن عباس ہیں اور تیسرے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور چوتھے حضرت عبداللہ بن الزبیر ہیں' انہوں نے ۲۶۳۰ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ان میں سے ۱۷۰ احادیث پر متفق ہیں اور ۸۱ احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ۳۱ احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' حضرت ابوہریرہ کے بعد سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے حضرت ابن عمر ہیں' مکہ کے قریب ایک جگہ فخ ہے' وہاں حضرت ابن الزبیر کی شہادت کے ۳ ماہ یا چھ ماہ بعد ۷۴ھ میں ان کی وفات ہوئی' اس وقت ان کی عمر ۸۶ سال تھی' یحییٰ بن بکیر نے کہا: ان کی وفات مکہ میں حج کے بعد ہوئی اور وادی المحصب میں ان کو دفن کیا گیا' حجاج بن یوسف نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۱۹۳)

امام بخاری نے جس اثر کا ذکر کیا ہے' اس کو امام مسلم نے النواس بن سمعان سے مفصل روایت کیا ہے:

النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: عمدہ خلق نیکی ہے اور گناہ وہ چیز ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہی ہو اور تم اس کو ناپسند کرو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۵۵۳' سنن ترمذی: ۲۳۸۹)

تقویٰ کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف' تقویٰ کی اصل ہے: ''وقایة'' یعنی گناہوں سے بچنا' تقویٰ اصل میں ''وقوی'' تھا' واؤ کو تا سے بدل دیا تو تقویٰ ہو گیا' علامہ نووی نے کہا: جس کام پر شرح صدر نہ ہو اور اس میں گناہ کا خوف ہو' اس کو ترک کر دینا تقویٰ ہے' تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کام پر شرح صدر ہو اور اس میں کوئی شک نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۱۹۴) امام بخاری کا اس اثر کو وارد کرنے سے یہ مقصود ہے کہ تقویٰ کسی آدمی میں کم ہوتا ہے اور کسی میں زیادہ ہوتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ تقویٰ کیفیات نفسانیہ سے ہے اور کیفیت میں تقسیم اور تجزی نہیں ہوتی' البتہ قوت اور ضعف ہوتا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ اثر ذکر کیا ہے:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ (الشوری:۱۳) اَوْصَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ وَاِيَّاهُ دِيْنًا وَاحِدًا.

مجاہد نے کہا: تمہارے لیے مشروع کیا ہے۔ (الشوریٰ:۱۳) اے محمد! ہم نے آپ کی طرف اور ان کی (حضرت نوح کی) طرف ایک دین کی وصیت کی ہے۔

مجاہد کا تعارف

ان کا نام ہے: مجاہد بن جبیر المخزومی' یہ عبداللہ بن سائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے' انہوں نے حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا ہے' مجاہد نے کہا: میں نے تیس مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن مجید سنایا ہے' ان کی توثیق اور جلالت پر سب متفق ہیں' یہ فقہ' تفسیر اور حدیث کے امام تھے' ۱۰۰ھ یا ۱۰۴ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی' جس وقت وفات ہوئی' اس وقت وہ نماز کے سجدہ میں تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴)

مجاہد سے تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے احادیث کو روایت کیا ہے' اور امام بخاری نے یہاں مجاہد کے جس اثر کو روایت کیا ہے' اس کو امام ابن حمید نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ درج ذیل آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ. (الشوریٰ:۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر کیا ہے' جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس دین کی وحی ہم نے آپ کی طرف فرمائی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے حرام چیزوں کو حرام کیا اور حلال چیزوں کو حلال کیا اور وہ پہلے نبی ہیں' جنہوں نے ماؤں' بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا اور حضرت ادریس کے بعد جو پہلے نبی آئے' وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۵)

اس کے بعد امام بخاری نے یہ اثر ذکر کیا:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾ (المائدہ: ۴۸) سَبِيْلًا وَ سُنَّةً.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا" (المائدہ: ۴۸)' کی تفسیر میں کہا: راستہ اور سنت۔

المائدہ:۴۸ کی تفسیر اور ایمان میں اعمال کے داخل ہونے کی قوی دلیل کا جواب

جوہری نے کہا: "منہاج" واضح راستہ کو کہتے ہیں اور "الشرعة" اور "الشریعة" کا بھی یہی معنی ہے' قرآن مجید میں ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا. (المائدہ:۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے عمل کے لیے الگ طریقہ اور راستہ بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو معین راستہ بنایا ہے' اس کو شریعت کہتے ہیں' امام عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ دین واحد ہے اور شریعت مختلف ہے' محمد بن یزید نے کہا ہے: "شرعة" کا معنی ہے: راستہ کی ابتداء اور "منہاج" کا معنی ہے: دائمی راستہ۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ الشوریٰ: ۱۳ کا معنی ہے: تمام انبیاء کا راستہ واحد ہے اور المائدہ: ۴۸ کا معنی ہے: ہر نبی کی الگ شریعت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ الشوریٰ: ۱۳ کا معنی ہے: اصول دین میں اتحاد ہے اور المائدہ: ۴۸ کا معنی ہے: فروع میں تعدد اور اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۵)

مجاہد اور حضرت ابن عباس کے جن آثار کا امام بخاری نے یہاں ذکر کیا ہے' ان کی امام بخاری کے مطلوب پر کوئی دلالت نہیں ہے' ان آیتوں سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کی شریعتیں مختلف ہیں اور ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں یا نہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے یا نہیں اور جس آیت سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں' وہ یہ ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِO (البینۃ:۵)

اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص سے اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں اسی کی طرف متوجہ ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی سیدھا دین ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ' دونوں نے لکھا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد دونوں نے کہا ہے کہ ایمان میں اعمال کے داخل ہونے کے مسئلہ میں اس سے زیادہ قوی اور کوئی حجت نہیں ہے۔

(فتح الباری لابن رجب ج ۱ ص ۱۶' فتح الباری لابن حجر ج ۱ ص ۵۲۶)

میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں ایمان کا لفظ ہی نہیں ہے اور اگر کہا جائے کہ "دین القیمة" سے مراد ایمان ہے اور اس آیت میں نماز اور زکوٰۃ کو "دین القیمة" فرمایا ہے اور اس سے مراد ایمان ہے تو اوّل تو یہ صریح لفظ ایمان نہیں ہے اور ثانیاً ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایمان کامل ہے اور ایمان کامل میں ہمارے نزدیک بھی اعمال داخل ہیں۔

۲- بَابٌ دُعَآؤُكُمْ اِيْمَانُكُمْ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى

تمہاری دعا (عبادت) تمہارا ایمان ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ﴾ (الفرقان:۷۷)

آپ کہیے: اگر تمہاری طرف سے عبادت نہ ہو تو میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ (الفرقان:۷۷)

وَمَعْنَى الدُّعَاءِ فِي اللُّغَةِ الْاِيْمَانُ.

اور دعا کا معنی لغت میں ایمان ہے۔

اس باب کی "کتاب الایمان" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس میں ایمان کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں دعا (عبادت) کی تفسیر ایمان کے ساتھ کی ہے۔ امام ابن المنذر نے کہا ہے: اگر تمہاری دعا نہ ہوتی یعنی تمہارا ایمان نہ ہوتا' دعا کا اصل معنی ندا کرنا' فریاد کرنا اور مدد طلب کرنا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" (غافر:۶۰) تم مجھ کو پکارو اور مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا قبول کروں گا' امام بخاری نے جو دعا کا معنی ایمان کیا ہے' وہ کسی لغت کی کتاب میں نہیں ہے' اور اس عنوان کے بعد جو حدیث ذکر کی ہے' اس کی عنوان کے ساتھ بالکل مطابقت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۶)

دعا کے معنی کی تحقیق

ہر چند کہ دعا کا لغوی معنی نداء کرنا ہے' لیکن بہت آیات میں اس کا معنی عبادت کرنا بھی ہے کیونکہ عبادت میں بھی اللہ کو نداء ہوتی ہے اور اس سے فریاد طلب کی جاتی ہے' جیسے یہ آیات ہیں:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًاO (الجن:۲۰)

آپ کہیے: میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتاO

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاO

اور بے شک تمام مساجد اللہ کے لیے ہیں' سو اللہ کی عبادت

(الجن:۱۸) میں کسی کو شریک نہ کروO

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. (المومنون:۱۱۷) اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کرتا ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّىْ. (مریم:۴۸) اور میں تم سے بھی الگ ہوتا ہوں اور ان سے بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

کبھی دعا میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر سوال کیا جاتا ہے' جیسے دعا کرنے والا کہتا ہے: اے اللہ! مجھے معاف فرما' مجھے بخش دے اور کبھی ایسے اسباب اختیار کیے جاتے ہیں' جو حصول مطالب کا تقاضا کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہاری دعا عبادت ہی ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَO (المومن:۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں' وہ عنقریب ذلت کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گےO

(سنن ابوداؤد:۱۴۷۹' سنن ترمذی:۲۹۶۹' سنن ابن ماجہ:۳۸۲۸)

بندہ کا اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ سے طلب کرنا یا اپنی ناپسندیدہ چیز کی دوری کو اللہ سے طلب کرنا اس کی عبادت میں مشغول ہونے سے زیادہ عظیم نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص کو میرے ذکر نے سوال کرنے سے روک لیا' میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں۔ (سنن ترمذی:۲۹۲۶)

٨- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ اَبِىْ سُفْيَانَ' عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ' عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِىَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ' وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ' وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ' وَالْحَجِّ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ. [طرف الحدیث:۴۵۱۵]

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں حنظلہ بن ابوسفیان نے خبر دی' از عکرمہ بن خالد از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اس کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا۔

(صحیح مسلم:۱۶' سنن ترمذی:۲۶۰۹' ابن مندہ:۱۴۹' صحیح ابن خزیمہ:۳۰۹' مسند ابویعلیٰ:۵۷۸۸' الشریعۃ للآجری:۱۰۶' سنن بیہقی ج ۴ ص ۸۱' مسند الحمیدی:۷۰۳' المعجم الکبیر:۱۳۲۰۳' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۰' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۹ طبع قدیم' مسند احمد:۶۰۱۵۔ ج ۱۰ ص ۲۱۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبید اللہ بن موسیٰ بن باذام العبسی الکوفی' یہ ثقہ تابعی ہیں' انہوں نے الاعمش اور بہت سے تابعین سے احادیث کا سماع کیا

ہے اور ان سے امام بخاری' امام احمد اور دیگر نے احادیث روایت کی ہیں' یہ قرآن کے بہت بڑے عالم تھے' یہ ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں اسکندریہ میں فوت ہو گئے۔ امام ابن قتیبہ نے "المعارف" میں کہا ہے کہ عبید اللہ احادیث کا سماع کرتے اور احادیث منکرہ روایت کرتے تھے' اس وجہ سے اکثر لوگوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے' علامہ نووی نے کہا ہے کہ صحیحین اور ائمہ حدیث کی دیگر کتب میں بہ کثرت ایسے بدعتیوں کی روایات ہیں' جو اپنی بدعت کی طرف دعوت نہیں دیتے تھے' اور ہمیشہ سے متقدمین اور متاخرین ان کی روایات کو قبول کرتے رہے ہیں اور ان سے استدلال کرتے رہے ہیں اور ان کی روایات کو بغیر انکار کے سنتے اور سناتے رہے ہیں (۲) حنظلہ بن ابی سفیان بن عبد الرحمان بن صفوان بن امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ المکی القرشی ثقہ ہیں' قابل حجت ہیں' انہوں نے عطاء اور دیگر تابعین سے حدیث کا سماع کیا ہے اور ان سے ثوری اور دیگر اکابر نے حدیث کا سماع کیا ہے' ۱۵۱ھ میں ان کی وفات ہوگئی' تمام ائمہ ستہ نے ان کی احادیث کو روایت کیا ہے (۳) عکرمہ بن خالد بن العاص بن ہشام بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی المخزومی المکی' یہ بہت ثقہ ہیں' انہوں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر وغیرہما سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے عمرو بن دینار اور دیگر تابعین نے احادیث کو روایت کیا ہے' عطاء کے بعد ان کی مکہ میں وفات ہوئی اور عطاء کی وفات ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں ہوئی' ان کے دادا العاص' ابوجہل کے بھائی تھے' ان کو حضرت عمر نے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا تھا' ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت عمر کے ماموں تھے' صحابہ میں عکرمہ نام کے تین شخص ہیں: عکرمہ بن ابی جہل المخزومی' عکرمہ بن عامر العبدری اور عکرمہ بن عبید الخولانی' صحیحین میں عکرمہ بن خالد نام کے صرف یہی راوی ہیں اور عکرمہ بن عبد الرحمٰن ہیں اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہیں (۴) چوتھے راوی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' ان کا تذکرہ ابھی گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۶)

اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں ارکان ایمان کا ذکر ہے۔

آیا اسلام اور ایمان مترادف ہیں یا نہیں؟

امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں ایمان کا ذکر کیا ہے اور اس عنوان کے بعد جو حدیث ذکر کی ہے' اس میں اسلام کا ذکر ہے' اس وجہ سے اکثر شارحین حدیث نے یہ کہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ایمان اور اسلام مترادف ہیں' لیکن تحقیق یہ ہے کہ ان دو لفظوں کو مترادف کہا جاتا ہے' جن کا مفہوم واحد ہو' جیسے لیث اور اسد مترادف ہیں' کیونکہ دونوں کا معنی شیر ہے' اور یہاں ایمان کا معنی تصدیق ہے اور اسلام کا معنی احکام شرعیہ کی اطاعت کرنا ہے' لیکن ایمان اور اسلام متلازم ہیں اور دونوں کا مصداق واحد ہے اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر متحقق نہیں ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایمان اور اسلام واحد ہیں کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد (اطاعت) ہے' یعنی احکام شرعیہ کو ماننا اور ان کی تصدیق کرنا' اور یہی تصدیق کی حقیقت ہے' اور اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ○ (الذاریٰت: ۳۶-۳۵)

سو ہم نے ان سب کو نکال دیا' جو اس بستی میں ایمان والے تھے○ پس ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی گھر نہ پایا○

پہلی آیت میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے "مؤمنین" فرمایا ہے' ان ہی کو دوسری آیت میں "مسلمین" فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین اور مسلمین واحد ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ صحیح نہیں ہے کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ مومن ہے اور مسلم

نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ وہ مسلم ہے اور مومن نہیں ہے' اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ یہ دونوں واحد ہیں' اس سے ہماری یہی مراد ہے' اور مشائخ کے ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان متغائر نہیں ہیں یعنی وہ مفہوم میں تو متحد نہیں ہیں' لیکن ان کا مصداق واحد ہے اور وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے' اسی طرح ''کفایہ'' میں مذکور ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی خبروں کی تصدیق ہے اور اسلام اللہ تعالیٰ کو خالق ماننا ہے اور اس کی اطاعت کرنا ہے' اور یہ اطاعت اس وقت متحقق ہوگی' جب اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرلیا جائے' پس ایمان اسلام سے حکماً الگ نہیں ہوتا' لہٰذا یہ متغائر نہیں ہیں' اور جس نے ان میں تغایر ثابت کیا' اس سے کہا جائے گا کہ جو شخص ایمان لایا اور اسلام نہیں لایا' یا اسلام لایا اور ایمان نہیں لایا' اس کا کیا حکم ہے؟ اگر اس نے دونوں کا الگ الگ حکم بیان کیا تو اس کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا. (الحجرات:۱۴)

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے' آپ کہیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔

یہ آیت اس مطلب میں صریح ہے کہ اسلام' ایمان کے بغیر متحقق ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں ایمان کے بغیر اسلام معتبر نہیں ہوتا' اور اس آیت میں اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے' جو باطنی اطاعت کے بغیر ہو جیسے کوئی شخص تصدیق بالقلب کے بغیر کلمہ شہادت پڑھ لے تو اس کا ایمان معتبر نہیں ہوگا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۹۵۔ ۹۴' سکندر علی بہادر علی تاجران کتب' کراچی)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ تفتازانی کے نزدیک ایمان اور اسلام مترادف ہیں کیونکہ دونوں کا مفہوم واحد ہے جب کہ مشائخ کے نزدیک ان کے مفہوم تو متغائر ہیں' لیکن دونوں کا مصداق واحد ہے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر متحقق نہیں ہے۔

آیا ارکانِ اسلام میں سے کسی چیز کو ترک کرنا کفر ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ توحید اور رسالت کی گواہی' نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے' روزے رکھنے اور حج کرنے پر اسلام کی بنیاد ہے' اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کو ترک کر دے تو پھر وہ مسلمان رہے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابو الفرج عبدالرحمان بن شہاب ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

اسلام کی گرہ اور قواعد دین تین ہیں: ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور ''محمد رسول اللّٰہ'' کی شہادت' نماز قائم کرنا اور روزے رکھنا' جس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کیا تو وہ کافر ہے اور اس کا خون بہانا حلال ہے اور جس کے پاس مال بہت ہو اور وہ حج نہ کرے تو وہ کافر رہے گا' لیکن اس کا خون بہانا حلال نہیں ہوگا' اور جو شخص بہت مال دار ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے' وہ کافر رہے گا اور اس کا خون بہانا حلال نہیں ہوگا۔ (فتح الباری لابن رجب ج ۱ ص ۲۲' دار ابن الجوزی' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن رجب حنبلی نے اس موقف پر درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نماز ترک کرنے کے سوا اور کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں قرار دیتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۲۲)

حضرت جابر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: انسان کے درمیان اور شرک اور کفر کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۲' سنن ترمذی: ۱۰۷۸' سنن نسائی: ۴۶۴)

حضرت بریدہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے' پس جس نے نماز کو

ترک کیا اس نے کفر کیا۔ (سنن ترمذی: ۲۶۲۱ ' سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۹)

تارک نماز کے متعلق مذاہب

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ان پانچ چیزوں میں سے کسی کو ترک کر دے وہ مسلمان نہیں رہے گا' لیکن اس پر اجماع ہے کہ ان چیزوں میں سے کسی کو ترک کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوگا' اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تارک نماز کو بہ طور حد قتل کیا جائے گا' بہ طور کفر نہیں قتل کیا جائے گا' اگر چہ امام احمد اور بعض مالکیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کو بہ طور کفر قتل کیا جائے گا' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ ''جس نے نماز کو عمداً ترک کیا' اس نے کفر کیا'' (المعجم الاوسط: ۳۳۴۷) سو یہ ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکانے پر محمول ہے یا پھر اس میں یہ تاویل ہے کہ جس نے حلال اور جائز سمجھ کر نماز کو ترک کیا' وہ کافر ہو گیا اور یا کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے' تاہم اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچوں نمازیں فرض عین ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک تارک نماز کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ ترک نماز سے تائب ہو اور نمازی بن جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۰۰ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ ارکانِ اسلام میں جہاد کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟

ایک اعتراض یہ ہے کہ اسلام کے ارکان خمسہ میں جہاد کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے ارکان سے مراد وہ اُمور ہیں' جو ہر حال میں فرض عین ہوں اور جہاد ہر حال میں فرض عین نہیں ہے' جب اسلامی ملک پر دشمن حملہ کر دے تو اس کو بچانے کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔

یہ حدیث ''صحیح مسلم'' میں بھی ہے اور ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' میں اس حدیث کے تحت صرف اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے کہ حدیث کے الفاظ میں رد و بدل کرنا ممنوع ہے۔ (شرح صحیح مسلم: ۲۲۔ ج ۱ ص ۳۶۴) اور اس حدیث کی شرح میں جن اُمور پر یہاں گفتگو کی ہے' ان میں سے وہاں کسی چیز پر بحث نہیں کی۔

۳- بَابُ اُمُوْرِ الْاِيْمَانِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۷۷) ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (المومنون: ۱) اَلْاٰيَةَ.

امورِ ایمان کا بیان

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ''(اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو' لیکن (اصل) نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یومِ آخرت' اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوالیوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے خرچ کرے' اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں' اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے' یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں''۔ (البقرہ: ۱۷۷) (اور اللہ کا یہ قول:) ''بے شک مؤمنین کامیاب ہو گئے''۔ (المومنون: ۱)

امام بخاری نے ان دو آیتوں کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں آیتیں امورِ ایمان پر مشتمل ہیں اور ان میں ایمان کے اندر اعمال

کوداخل کیا ہے' ہمارے نزدیک اس ایمان سے مراد ایمان کامل ہے' اس لیے یہ آیتیں ہمارے خلاف نہیں ہیں۔

۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْعَامِرِ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ.

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں ابو عامر العقدی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از ابو صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں اور حیاء بھی ایمان کی شاخ ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۵' سنن ابوداؤد: ۴۶۷۶' سنن ترمذی: ۲۶۱۴' سنن نسائی: ۵۰۲۱-۵۰۲۰-۵۰۱۹' سنن ابن ماجہ: ۵۷)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف' خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) ابوجعفر عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن الیمان بن اخنس الجعفی البخاری المسندی' انہوں نے وکیع اور دیگر سے سماع کیا ہے اور ان سے الذہلی وغیرہ نے سماع کیا ہے' یہ ۲۲۹ھ میں فوت ہو گئے تھے' امام بخاری ان سے روایت میں اصحاب ستہ سے منفرد ہیں' مگر امام ترمذی نے امام بخاری کے واسطے سے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے (۲) ابو عامر عبد الملک بن عمر بن قیس العقدی البصری' انہوں نے امام مالک وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے امام احمد نے سماع کیا' تمام حفاظ ان کی جلالت اور ثقاہت پر متفق ہیں' یہ ۲۰۴ھ یا ۲۰۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) ابوایوب سلیمان بن بلال القرشی التیمی المدنی' یہ آل صدیق کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے عبد اللہ بن دینار اور تابعین کی ایک جماعت سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے عبد اللہ بن المبارک وغیرہ نے سماع کیا ہے' امام محمد بن سعد نے کہا ہے: یہ بربری تھے' یہ بہت حسین اور بہت عقل مند تھے' اور شہر کے مفتی تھے' ۱۷۲ھ یا ۱۷۷ھ میں ان کی مدینہ میں وفات ہوگئی' صحاح ستہ میں ان کے سوا اور کوئی راوی نہیں ہے جس کا نام سلیمان بن بلال ہو (۴) ابوعبد الرحمان عبد اللہ بن دینار القرشی العدوی المدنی' یہ حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے' انہوں نے حضرت ابن عمر اور دیگر سے احادیث کا سماع کیا ہے' اور ان سے حضرت ابن عمر کے بیٹے عبد الرحمان وغیرہ نے سماع کیا ہے' یہ بالاتفاق ثقہ ہیں' ۱۲۷ھ میں ان کی وفات ہوگئی (۵) ابوصالح ذکوان السمان المدنی' یہ گھی اور زیتوں کا تیل کوفہ میں لے جا کر فروخت کرتے تھے' جویریہ بنت الاحمس کے آزاد کردہ غلام تھے' انہوں نے صحابہ کی جماعت اور بہت سے تابعین سے احادیث کا سماع کیا ہے' اور ان سے بھی تابعین کی ایک جماعت نے سماع کیا ہے' ان میں سے عطا بھی ہیں' اعمش نے ان سے ایک ہزار احادیث کا سماع کیا ہے' ان کی توثیق پر سب متفق ہیں' ۱۰۱ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوگئی۔ ''باب بدء الوحی'' کی چوتھی حدیث میں ان کا مفصل تعارف گزر چکا ہے (۶) چھٹے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' ان کے اور ان کے والد کے نام میں تقریباً تیس قول ہیں' زیادہ قریب نام عبد اللہ یا عبد الرحمان بن صخر دوسی ہے' یہ پہلے شخص ہیں' جن کی کنیت بلی کے ساتھ ہے' یہ بلی کے ساتھ کھیلتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کنیت ابو ہریرہ رکھ دی' یہ اہل صفہ میں سے تھے' فتح خیبر کے سال اسلام لائے تھے' زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا اور اسلام میں ان کا نام عبد الرحمان تھا' ان کی ماں کا نام میمونہ تھا' ایک قول ہے: ان کا نام امیہ تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے وہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں یتیمی میں پلا بڑھا' اور مسکینی میں میں نے ہجرت کی' میں بسرہ بنت غزوان کا مزدور اور خادم تھا' اللہ نے اس کے ساتھ میری شادی کر دی' پس اللہ کی حمد ہے جس نے دین کے ذریعہ روزی دی اور ابو ہریرہ کو امام بنایا' اور کہا: میں بکریاں چراتا تھا' میری ایک چھوٹی سی بلی تھی' جس

سے میں کھیلتا تھا' میری اسی کے ساتھ کنیت رکھ دی گئی' ایک قول یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی آستین میں بلی تھی' آپ نے فرمایا: "یا ابا ھر" (اے بلی والے)' اس پر اجماع ہے کہ یہ صحابہ میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں' انہوں نے ۵۳۷۴ احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے تین سو پچیس احادیث پر بخاری اور مسلم متفق ہیں اور ۹۳ احادیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں اور ۱۹۰ احادیث کی روایت میں امام مسلم منفرد ہیں' حضرت ابو ہریرہ سے جن لوگوں نے احادیث کی روایت کی ہے' ان کی تعداد ۸۰۰ سے زیادہ ہے' ان میں صحابہ بھی ہیں اور تابعین بھی' صحابہ میں سے حضرت ابن عباس' حضرت جابر اور حضرت انس ہیں رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابو ہریرہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ ہجری میں مدینہ میں فوت ہو گئے' ۷۸ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی اور ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا' صحابہ میں ان کے سوا ابو ہریرہ کی کنیت والا اور کوئی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۰۶)

ایمان کی شاخوں کے متعلق متعدد روایات اور ان کی توجیہ

اس حدیث میں فرمایا ہے: ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں' بعض دوسری احادیث میں ساٹھ کے بجائے دوسرا عدد ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ الحدیث (صحیح مسلم: ۳۵)

ابن عجلان نے عبد اللہ بن دینار سے روایت کیا ہے' ساٹھ یا ستر شاخیں ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۵۷)

امام ترمذی نے عمارہ بن غزیہ سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے ۷۴ باب ہیں۔ (سنن ترمذی: ۲۶۱۴)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک ہر اطاعت ایمان میں داخل ہے' خواہ وہ اطاعت فرائض میں ہو یا نوافل میں' پھر ایمان کی شاخوں کی تعداد ستر سے زائد میں منحصر نہیں رہے گی' بلکہ یہ تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ابتداء میں ایمان کی شاخیں ساٹھ کے عدد میں منحصر تھیں' پھر جیسے جیسے احکام نازل ہوتے رہے' ان شاخوں کی تعداد بڑھتی رہی۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایمان کی شاخوں کی تعداد ساٹھ سے زائد ہی ہو' لیکن ہر شاخ کے تحت پھر شاخیں ہوں' اس وجہ سے ان کی تعداد زیادہ ہو گئی۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساٹھ یا ستر کا عدد تکثیر کے لیے فرمایا ہو نہ کہ حصر کے لیے' جیسے کہتے ہیں: میں نے تم سے سو مرتبہ یہ بات کہی ہے یعنی بہت دفعہ یہ بات کہی ہے۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ان شاخوں کی تعیین میں ائمہ دین نے کتابیں تصنیف کی ہیں' ان میں سے امام عبد اللہ حلیمی ہیں' انہوں نے "فوائد المنہاج" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور حافظ ابو بکر بیہقی ہیں' انہوں نے "شعب الایمان" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے' اس کی ۷ جلدیں ہیں' اور امام ابو حاتم ہیں' انہوں نے "وصف الایمان وشعبہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ (عمدۃ القاری ۱ ص ۲۱۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حیاء کا لغوی' شرعی اور عرفی معنی اور حیاء کو باقی شاخوں سے ممتاز کرنے کی توجیہ

اس حدیث کے آخر میں فرمایا: اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی کام کے کرنے سے انسان کو یہ خوف ہو کہ اس کام پر اس کو ملامت کی جائے گی اور اس وجہ سے اس کام کو کرنے سے اس کے اندر انقباض اور گھٹن کی کیفیت پیدا ہو تو اس کیفیت کو لغت میں حیاء کہتے ہیں' اور اس کی شرعی تعریف یہ ہے: حیاء وہ وصف ہے جو انسان کو بُرے کام سے اجتناب پر ابھارے اور حق دار کے حق میں تقصیر کرنے سے روکے' اسی وجہ سے دوسری حدیث میں ہے: حیاء کل کی کل خیر ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حیاء تو ایک جبلی اور فطری وصف ہے' جو غیر اختیاری ہوتا ہے تو اس کو ایمان کی شاخ کیوں فرمایا' جب کہ ایمان تو اختیاری فعل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے حیاء نیکی کی محرک ہے اور گناہ سے مانع ہے اور اس کے لیے نیت اور کسب کی ضرورت ہوتی ہے' اس اعتبار سے یہ اختیاری چیز ہے اور اس کو ایمان کی شاخ فرمایا ہے' ایک اور اعتراض یہ ہے کہ بسا اوقات انسان حیاء کی وجہ سے حق بات نہیں کہہ سکتا یا حق کام نہیں کر سکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیاء کا عرفی معنی ہے' شرعی معنی نہیں ہے' ایک سوال یہ ہے کہ ایمان کی باقی شاخوں میں سے صرف حیاء کا نام لے کر کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حیاء ایمان کی باقی شاخوں کی داعی اور محرک ہے کیونکہ حیاء کرنے والا دنیا اور آخرت کی رسوائی سے ڈرتا ہے' اس لیے وہ تمام نیک کاموں کو کرتا ہے اور تمام بُرے کاموں سے بچتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۹۔۵۲۸' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

* واضح رہے کہ ایمان کی متعدد شاخوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ اعمال ایمان میں داخل ہوں کیونکہ یہ شاخیں ایمان کے ثمرات ہیں' یہ حدیث' شرح صحیح مسلم: ۶۲۔ ج ۱ ص ۴۱۹۔۴۱۵ میں بھی ہے' اس میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل کی ہے اور وہاں اس کے یہ عنوانات ہیں: (۱) ایمان کی شاخوں کی تعداد میں مختلف روایات میں راجح روایت کا بیان (۲) ایمان کی شاخوں کی تفصیل اور تعیین (۳) اقرار باللسان کے لحاظ سے ایمان کی شاخیں (۴) حیاء کا لغوی اور اصطلاحی معنی (۵) حیاء کا شرعی معنی' وہاں ان معانی کی زیادہ تفصیل کی ہے۔

٤- بَابٌ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

(کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایمان کی شاخیں ہیں اور اس باب میں ان شاخوں میں سے دو شاخیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۰- حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی السَّفَرِ وَاِسْمٰعِيْلَ' عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ' وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ.

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابو السفر' و اسماعیل از شعبی از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرلے۔

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا دَاوٗدُ' عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ دَاوٗدَ' عَنْ عَامِرٍ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[طرف الحدیث: ۶۴۸۴]

امام ابو عبد اللہ بخاری نے کہا: اور ابو معاویہ نے کہا: ہمیں داؤد نے حدیث بیان کی عامر سے' انہوں نے کہا: میں نے عبد اللہ بن عمرو سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اور عبد الاعلیٰ نے کہا از داؤد' از عامر از عبد اللہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اس سے حدیث کی دو سندوں کا ذکر مقصود ہے)۔

(صحیح مسلم: ۴۰ سنن ابوداؤد: ۲۴۸۱ سنن ترمذی: ۲۶۲۸ سنن نسائی: ۵۰۱۱ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۷۲۷ الادب المفرد: ۱۱۴۴ مسند الحمیدی: ۵۹۵ صحیح ابن حبان: ۱۹۶ المعجم الصغیر: ۶۰۴ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۳۹ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۳ طبع قدیم مسند احمد: ۶۵۱۵۔ ج ۱۱ ص ۶۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

ان دونوں بابوں کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ پہلا باب ایمان کی شاخوں میں ہے اور اس باب میں ایمان کی دو شاخوں کا ذکر ہے: (۱) جس مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (۲) مہاجر وہ ہے جو ممنوعہ کاموں کو ترک کر دے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف خصوصاً حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا تذکرہ

(۱) ابوالحسن آدم بن ابی ایاس' ابوایاس کا نام عبد الرحمان ہے' یہ خراسان کے رہنے والے تھے' بغداد میں پلے بڑھے اور وہاں کے شیوخ سے احادیث لکھیں' پھر کوفہ' بصرہ' حجاز اور مصر گئے اور عسقلان کو وطن بنالیا' اور وہیں ۲۲۰ھ میں وفات پائی' ابوحاتم نے کہا: یہ بہت ثقہ' امین اور عبادت گزار تھے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے تھے' وفات کے وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی' ایک قول یہ ہے کہ نوے (۹۰) سے کچھ زیادہ سال تھی' کتب حدیث میں ان کے علاوہ اور کوئی آدم بن ابی ایاس نام کا راوی نہیں ہے' "صحیح مسلم' سنن ترمذی اور سنن نسائی" میں آدم بن سلیمان الکوفی نام کا راوی ہے اور "صحیح البخاری" اور "سنن نسائی" میں آدم بن علی العجلی الکوفی نام کا راوی ہے' رجال میں آدم بن عیینہ ہیں' ان کی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا (۲) شعبہ بن الحجاج بن الورد ابو بسطام الازدی الواسطی ہیں' یہ بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے' ان کی امامت اور جلالت قدر پر اتفاق ہے' سفیان ثوری نے کہا: شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں' امام احمد نے کہا: وہ اس فن میں یگانہ تھے' ۱۶۰ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے' یہ ہکلا کر بولتے تھے' صحاح ستہ میں شعبہ بن الحجاج نام کا اور کوئی راوی نہیں ہے' "سنن نسائی" میں شعبہ بن دینار الکوفی نام کا ایک راوی ہے' وہ بہت سچا ہے' "سنن ابوداؤد" میں شعبہ بن دینار نام کا ایک راوی ہے' جو اپنے مولیٰ ابن عباس سے روایت کرتا ہے' وہ قوی نہیں ہے اور شعبہ بن عمر نام کا ایک راوی ہے' جو حضرت انس سے روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہے' امام بخاری نے کہا: اس کی احادیث مناکیر ہیں (۳) عبد اللہ بن ابی السفر ہیں' ابو السفر کا نام سعید بن محمد ہے' یہ مروان بن محمد کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے (۴) اسماعیل بن ابی خالد ھرمز کوفی ہیں' انہوں نے متعدد صحابہ سے احادیث کا سماع کیا ہے' ان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں اور تابعین کی ایک جماعت ہے اور ان سے ثوری اور کئی مشہور تابعین نے احادیث کا سماع کیا ہے' یہ پختہ عالم' صالح اور ثقہ تھے' ان کو میزان کہا جاتا تھا' یہ ۱۴۵ھ میں کوفہ میں فوت ہو گئے تھے (۵) شَعبی (شین پر زبر) یہ ابوعمرو عامر بن شراحیل الکوفی ہیں' جلیل القدر تابعی اور ثقہ ہیں' انہوں نے بہت سے صحابہ سے احادیث کا سماع کیا ہے' ان میں حضرت ابن عمر' سعد اور سعید ہیں' انہوں نے کہا: میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا' احمد بن عبد اللہ نے کہا: ان کی مرسل صحیح ہے' ان سے قتادہ اور بہت سے تابعین نے احادیث کو روایت کیا ہے' کوفہ میں قضاء کے منصب پر تھے' حضرت عثمان کی خلافت کے چھٹے سال میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ میں فوت ہوئے' اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال سے اوپر تھی (۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ھشام بن سعید القرشی رضی اللہ عنہ ہیں' زاہد اور عابد ہیں' صحابی ابن صحابی ہیں' یہ اپنے والد سے پہلے اسلام لائے تھے' یہ علم میں بہت بڑے تھے اور بہت زیادہ عبادت کرتے تھے' ان کے پاس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ احادیث تھیں کیونکہ یہ احادیث لکھتے تھے اور حضرت ابوہریرہ لکھتے نہیں تھے' اس کے باوجود ان کی روایات حضرت ابوہریرہ سے بہت کم ہیں' ان سے ۷۰۰ احادیث روایت کی گئی ہیں' جن میں سے سترہ احادیث میں امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' ۸ روایات کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ۲۰ روایات کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' یہ ۶۵ھ یا ۶۷ھ میں مکہ' طائف یا مصر میں فوت ہو گئے' صحابہ میں ۱۸ شخص ہیں جن کا نام عبد اللہ بن عمرو ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۱۶)

امام بخاری نے اس کے بعد دو معلق سندیں ذکر کی ہیں اور ان دونوں سے مراد یہ ہے کہ شعبی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے اس حدیث کا سماع کیا ہے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہ حدیث مزید دو سندوں سے مروی ہے اس سے یہ حدیث قوی ہوگئی۔

* یہ حدیث ''صحیح مسلم'' میں بھی ہے اور اس کی شرح میں ہم نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ کئی اعمال کو افضل عمل فرمایا ہے ان میں تطبیق کس طرح ہوگی؟ دیکھئے: شرح صحیح مسلم: ۶۷۔ ج ۱ ص ۴۲۳۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے۔

باب کی حدیث کی موید دیگر احادیث

ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا یہ وصف ان مسلمانوں کے لیے بیان فرمایا ہے جو اسلام کے تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرتے تھے اور اسلام میں بندوں کے جو حقوق ہیں ان کا انہیں پتا نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتایا اسی طرح یہ حدیث ہے:

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا: تمہارا دل اللہ کے سامنے جھک جائے اور مسلمان تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۴)

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسلام قبول کرنے کے لیے آئے پھر کہا: میں آپ سے اللہ کے لیے سوال کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ نے ہمارے پاس کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام کے ساتھ! میں نے کہا: اور اسلام کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو: میں نے اپنا چہرہ اسلام کے لیے جھکا دیا اور میں خالی ہوگیا' اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور ہر مسلمان (کا مال' عزت اور جان) دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴)

ترک معصیت پر ہجرت کے اطلاق کی توجیہ

نیز اس حدیث میں فرمایا: مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کرے۔

ہجرت میں اصل یہ ہے کہ برائی کو چھوڑ دیا جائے اور اس سے انسان دور ہو جائے اور اچھائی کو انسان طلب کرے اور اس سے رغبت کرے اور جب کتاب اور سنت میں مطلقاً ہجرت کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے: دار شرک کو چھوڑ کر دار الاسلام کی طرف جانا اور اسلام کا علم حاصل کرنے اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے میں رغبت کرنا' اور جب ہجرت کا یہ معنی ہے تو پھر اصل ہجرت یہ ہے کہ جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کو ترک کر دیا جائے ورنہ صرف دار شرک کو چھوڑ دینا اور گناہوں پر اصرار کرتے رہنا ہجرت تامہ اور کاملہ نہیں ہے۔

۵- بَابٌ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ اسلام کی کون سی خصلت سب سے افضل ہے؟

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں مسلمان کا ایک مخصوص وصف بیان کیا گیا ہے۔

۱۱- حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدِ الْقُرَشِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ بُرْدَۃَ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَۃَ، عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ، عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سعید بن یحییٰ بن سعید القرشی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا کہ میرے والد نے ہمیں حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو بردہ بن عبداللہ بن ابی بردہ نے حدیث بیان کی' از بردہ از ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ' وہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کی کون سی خصلت سب سے افضل

ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح مسلم: ۴۲' سنن ترمذی: ۲۵۰۴' سنن نسائی: ۵۰۱۴' مسند احمد ج ۴ص ۳۸۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۴۳۵۔ ج ۳۲ص ۱۷۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف' خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری کا تذکرہ

(۱) سعید بن یحییٰ بن ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبدشمس الاموی' امام ابن ماجہ کے علاوہ باقی ائمہ ستہ نے ان سے احادیث کو روایت کیا ہے اور ان سے عبد اللہ بن احمد' ابوزرعہ' ابوحاتم' ابراہیم الحربی اور البغوی نے احادیث کو روایت کیا ہے' یہ ۲۹۴ھ میں فوت ہو گئے تھے' اور نسائی' یعقوب بن سفیان' سعید اور ان کے والد یحییٰ نے کہا: یہ دونوں ثقہ ہیں اور علی بن مدینی نے کہا کہ سعید بن یحییٰ نے کہا: وہ اپنے باپ کی بہ نسبت زیادہ ثابت ہیں' صالح بن محمد نے کہا: وہ ثقہ ہیں' مگر وہ غلطیاں کرتے تھے اور العاص جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا (۲) سعید مذکور کے والد یحییٰ ہیں' انہوں نے یحییٰ انصاری' ہشام بن عروہ اور دوسروں سے احادیث کا سماع کیا ہے' ابن معین نے کہا: یہ اہل صدق میں سے ہیں اور ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' یعقوب بن سفیان نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۸۰ سال کی عمر گزار کر ۱۹۴ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے' کتب ستہ میں یحییٰ بن سعید نام کے چار راوی ہیں' ایک یہ ہیں' دوسرے یحییٰ بن سعید تیمی ہیں' تیسرے یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری ہیں' چوتھے یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان ہیں (۳) ابوبُردہ' ان کا نام بُرید ہے' ابن عبد اللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الکوفی ہے' یہ اپنے باپ' دادا' الحسن اور عطاء سے روایت کرتے ہیں' اور ان سے ابن المبارک وغیرہ روایت کرتے ہیں' ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا' ابوحاتم نے کہا: یہ پختہ نہیں ہیں' ان کی حدیث لکھی جاتی ہے' نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں ہیں' اور احمد بن عبد اللہ کوفی ثقہ ہیں اور کتب ستہ میں ان کے علاوہ اور کوئی برید نام کا راوی نہیں ہے۔ ''سنن اربعہ'' میں برید بن ابی مریم مالک کا ذکر ہے' نسائی کی ''مسند علی'' میں برید بن اصرم مجہول ہے' صحابہ میں برید نام کا کوئی شخص نہیں ہے (۴) ابوبُردہ' یہ ابوبردہ برید کے دادا ہیں' ان کا نام عامر ہے' ایک قول یہ ہے کہ حارث ہے' انہوں نے اپنے والد سے' حضرت علی بن ابی طالب سے' حضرت ابن عمر سے' حضرت ابن سلام سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور دیگر سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے عمر بن عبد العزیز نے' شعبی نے اور ان کے بیٹوں ابوبکر' عبد اللہ' سعید اور بلال اور ان کے پوتے برید بن عبد اللہ نے سماع کیا ہے' ابونعیم نے کہا ہے کہ شریح کے بعد ابوبردہ کوفہ میں قاضی مقرر ہوئے' الواقدی نے کہا: یہ ۱۰۳ھ میں الکوفہ میں فوت ہو گئے' ابن سعد نے کہا: یہ اور شعبی دونوں جمعہ کے دن فوت ہوئے' یہ ثقہ تھے اور کثیر احادیث کے حامل تھے' صحابہ میں ابوبُردہ نام کے سات شخص ہیں' ان میں سے ابوبردہ بن نیار بھی ہیں اور راویوں میں صرف یہی ہیں (۵) ابوموسیٰ عبد اللہ بن قیس بن سلیمان الاشعری رضی اللہ عنہ ہیں' یہ بہت بڑے صحابی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو زبید' عون اور یمن کے ساحل پر امیر بنایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ اور بصرہ پر عامل بنایا' یہ اُردن میں ابوعبیدہ کی وفات پر گئے اور حضرت معاویہ کے پاس دمشق میں گئے' ان سے تین سو ساٹھ (۳۶۰) احادیث مروی ہیں' ان میں سے پچاس پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' اور چار احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور پندرہ احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' ان سے حضرت انس بن مالک' حضرت طارق بن شہاب اور کثیر تابعین نے احادیث کو روایت کیا ہے اور ان کے بیٹوں ابوبردہ' ابوبکر' ابراہیم اور موسیٰ نے ان سے احادیث کو روایت کیا ہے' یہ ۴۴ھ یا ۴۵ھ میں مکہ یا کوفہ میں فوت ہو گئے' اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی' یہ علماء صحابہ اور مفتیوں میں سے تھے' صحابہ میں ابوموسیٰ نام کے چار شخص ہیں' ایک یہ ہیں' دوسرے مالک بن عبادہ ہیں' تیسرے ابن عبد اللہ ہیں اور چوتھے ابوموسیٰ الحکمی ہیں اور راویوں میں ابوموسیٰ نام کی ایک

جماعت ہے۔''سنن ابوداؤد'' میں ان میں سے دو کا ذکر ہے اور ایک کا ''سنن نسائی'' میں ذکر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

* یہ حدیث ''شرح صحیح مسلم'' ج ۱ ص ۴۲۳ پر مذکور ہے اور اس کا نمبر ۷۱ ہے اور چونکہ ۶۹-۷۰ میں بھی یہی حدیث گزر چکی ہے' اس لیے اس کی شرح نہیں کی گئی' اسی طرح صحیح بخاری: ۱۰ میں بھی یہی حدیث گزر چکی ہے' اس لیے یہاں پر بھی اس کی شرح نہیں کی جا رہی۔

٦- بَابٌ اِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الْاِسْلَامِ

کھانا کھلانا بھی خصال اسلام میں سے ہے

۱۲- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ' عَنْ اَبِي الْخَيْرِ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ' وَتَقْرَاُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ.

[اطراف الحدیث: ۲۸-۶۲۳۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن خالد نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یزید از ابی الخیر از عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی خصلت سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو' جن کو تم پہچانتے ہو اور جن کو تم نہیں پہچانتے۔

(صحیح مسلم: ۳۹' سنن ابوداؤد: ۵۱۹۴' سنن ترمذی: ۲۵۰۴' سنن نسائی: ۵۰۱۴' سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۳)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالحسن عمرو بن خالد بن فروخ الحرانی' ان کی مصر میں سکونت تھی' انہوں نے لیث بن سعد اور عبید اللہ بن عمرو وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا ہے' اور ان سے حسن بن محمد الصباح' ابوزرعہ اور ابوحاتم نے سماع کیا ہے' انہوں نے ان کو بہت سچا کہا' احمد بن عبد اللہ نے کہا: یہ ثبت' ثقہ مصری ہیں' ان سے صرف امام بخاری نے روایت کی ہے اور باقی اصحاب خمسہ نے ان سے روایت نہیں کی' یہ ۲۲۹ھ میں مصر میں فوت ہو گئے تھے (۲) لیث بن سعد مصری' ان کی کنیت ابوالحارث ہے' یہ مشہور امام ہیں' ان کی جلالت اور امامت پر اتفاق ہے' یہ مصر سے چار فرسخ دور ایک بستی میں پیدا ہوئے' انہوں نے ایک جماعت کثیرہ سے احادیث روایت کی ہیں' امام ابوحنیفہ سے بھی احادیث روایت کی ہیں اور ہمارے اصحاب نے ان کا اصحاب ابوحنیفہ میں شمار کیا ہے۔ قاضی شمس الدین ابن خلکان نے بھی اسی طرح کہا ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں' امام احمد نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت ہیں' یہ بہت سخی تھے' ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور نصف شعبان کو جمعہ کے دن ۱۷۵ھ میں فوت ہو گئے (۳) یزید بن ابی حبیب' ابوحبیب کا نام سوید مصری ابورجاء ہے' یہ بہت بزرگ تابعی ہیں' انہوں نے عبد اللہ بن الحارث اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ' صحابہ سے احادیث کا سماع کیا ہے اور کثیر تابعین سے سماع کیا ہے اور ان سے سلیمان التیمی' ابراہیم بن یزید' یحییٰ بن ایوب اور بہت سے اکابرین مصر نے سماع کیا ہے' ابن یونس نے کہا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے اور بہت حلیم اور عاقل تھے اور یہ پہلے شخص ہیں' جنہوں نے مصر میں فقہ' کلام اور حلال اور حرام کے علم کو ظاہر کیا' اس سے پہلے وہ فتن اور جنگوں سے متعلق احادیث بیان کرتے تھے' یہ ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸ھ میں فوت ہو گئے (۴) ابوالخیر مرثد ابوعبد اللہ مصری ہیں' یہ حضرت عمرو بن العاص' حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور دیگر سے احادیث روایت کرتے ہیں' ۹۰ھ میں فوت ہو گئے' ان سے ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں (۵) پانچویں راوی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں' ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۲۶-۲۲۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حدیث کا یہ جملہ ''افضل اسلام یہ ہے کہ تم کھانا کھلاؤ'' بعینہٖ عنوان بنایا گیا ہے۔

کھانا کھلانے اور ہر کسی کو سلام کرنے کا مستحب ہونا اور دوسروں کو ضرر سے محفوظ رکھنے کا واجب ہونا

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نرمی سے بات کرنا اور کھانا کھلانا' میں نے پوچھا: کون سا اسلام کا وصف افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ الحدیث (مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۵ طبع قدیم' سنن ابن ماجہ ۲۷۹۴' مسند احمد ج ۳۲ ص ۱۷۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اسلام کے اس پہلے حکم پر عمل کرنا مستحب ہے' واجب نہیں ہے' یہ صرف احسان اور حسن سلوک ہے اور رہا دوسرے مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رکھنا تو وہ واجب ہے' جب کہ وہ ضرر ناحق ہو اور اگر وہ مکافاتِ عمل ہو اور کسی کے پہنچائے ہوئے ضرر کا بدلہ ہو' تب معاف کر دینا مستحب ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O (آل عمران: ۱۳۴)

اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے O

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ. (الشوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر دی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

اس باب کی حدیث میں سلام کے ساتھ کھانا کھلانے کو جمع کر دیا ہے' تاکہ قول اور فعل کے ساتھ احسان کرنا جمع ہو جائے اور یہ کامل درجہ کا احسان ہے۔

اس حدیث میں کھانا کھلانے اور ہر کسی کو سلام کرنے کو اسلام کی خیر اور اچھی خصلت فرمایا ہے' سو جو شخص اسلام کے فرائض اور واجبات کو ادا کرنے اور حرام اور مکروہ تحریمی سے اجتناب کے بعد اس خصلت کو اپنائے گا تو اس کے لیے یہ بہت عمدہ خصلت ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اسلام کے ارکان اور فرائض پر عمل نہ کرے اور صرف اسی خصلت پر عمل کرے تو یہ سب سے اچھی خصلت ہے' نیز اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ہر ایک کو سلام کرے' خواہ اس کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو' اس کے عموم سے کفار اور گم راہ فرقے خارج ہیں' کیونکہ ان کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث: ۱۱ اور ۱۲ میں بہ ظاہر تعارض کا جواب

اس سے پہلی حدیث میں فرمایا تھا کہ دوسرے مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رکھنا' اسلام کی افضل خصلت ہے اور اس حدیث میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر کسی کو سلام کرنا' اسلام کی اچھی خصلت ہے' ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ لفظ افضل اور خیر میں فرق ہے' فضل کا معنی کثرت ثواب ہے اور یہ قلت کے مقابلہ میں ہے اور خیر کا معنی ہے: نفع' اور یہ شر کے مقابلہ میں ہے' پس فضل کمیت کے قبیل سے ہے اور خیر کیفیت کے قبیل سے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف جواب اختلاف سائلین اور اختلاف سامعین کے اعتبار سے ہیں' مثلاً کوئی شخص مغلوب الغضب تھا اور اس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسروں کو ضرر پہنچتا تھا' تو جب اُس نے سوال کیا کہ اسلام کا افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دوسروں کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رکھنا اور جو شخص کھانا نہیں کھلاتا تھا اور لوگوں کو سلام نہیں کرتا تھا تو جب اس

نے پوچھا کہ اسلام کی سب سے اچھی خصلت کون سی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر کسی کو سلام کرنا۔

* شرح صحیح مسلم ج۱ ص ۴۲۲ میں بھی اس حدیث کی شرح کی گئی ہے' وہاں صرف تعارض کو دور کیا گیا ہے' باقی مضامین نہیں ہیں' وہاں پر اس حدیث کا نمبر ۶۸ ہے۔

۷- بَابٌ مِنَ الْاِیْمَانِ اَنْ یُّحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

یہ بھی اُمورِ ایمان سے ہے کہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند کرے جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے

۱۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی' عَنْ شُعْبَةَ' عَنْ قَتَادَةَ' عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ' عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ حُسَیْنِ الْمُعَلِّمِ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ' عَنْ اَنَسٍ' عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی' از شعبہ از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اور حسین معلم نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی' از انس از نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوگا' جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے' جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

۔ (صحیح مسلم: ۴۵' سنن ترمذی: ۲۵۱۵' سنن نسائی: ۵۰۱۶' سنن ابن ماجہ: ۶۶' مسند ابویعلیٰ: ۳۱۸۲' سنن دارمی: ۲۷۴۰' مسند ابوعوانہ ج۱ ص ۳۳' شعب الایمان: ۱۱۱۲۵' المعجم الاوسط: ۸۲۸۸' مسند الشامیین: ۲۵۹۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۶ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۸۰۱۔ ج ۲۰ ص ۱۹۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف' خصوصاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) مسدد بن مسرھد بن مسربل ابن مرعبل الاسدی' یہ اہل بصرہ کے ثقہ راویوں میں سے ہیں' انہوں نے حماد بن زید' ابن عیینہ اور یحییٰ القطان سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے ابوحاتم الرازی' ابوداؤد اور محمد بن یحییٰ الذھلی' ابوزرعہ اور اسماعیل بن اسحاق وغیرہ نے سماع کیا ہے' احمد بن عبد اللہ نے کہا: یہ ثقہ راوی ہیں' امام احمد اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ بہت سچے ہیں' یہ رمضان ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) یحییٰ بن سعید بن فروخ التیمی' ان کی کنیت ابوسعید ہے' امام اور حجت ہیں' ان کی جلالت اور توثیق پر سب متفق ہیں' انہوں نے یحییٰ انصاری' محمد بن عجلان' ابن جریج' ثوری' امام مالک اور شعبہ وغیرہ سے سماع کیا ہے' اور ان سے الثوری' ابن عیینہ' امام احمد' یحییٰ بن معین اور امام احمد وغیرہ نے سماع کیا ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یحییٰ بن سعید بیس سال تک ایک دن اور ایک رات میں قرآن مجید ختم کرتے رہے' یہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں فوت ہو گئے (۳) شعبہ بن الحجاج الواسطی' ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے (۴) قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز السدوسی البصری التابعی' انہوں نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک' حضرت عبد اللہ سرجس اور ابوالطفیل عامر سے احادیث کا سماع کیا ہے' اور تابعین میں سے سعید بن مسیب' حسن بصری اور محمد بن سیرین سے سماع کیا ہے اور ان سے سلیمان التیمی' ایوب السختیانی' اعمش' شعبہ' اوزاعی اور کثیر لوگوں نے سماع کیا ہے' ان کی جلالت' حفظ' توثیق' فضیلت اور اتقان پر اجماع ہے' یہ واسط میں ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں ۵۶ یا ۵۷ سال کی عمر میں فوت ہو گئے' کتب ستہ میں ان کے علاوہ قتادہ نام کا اور کوئی راوی نہیں ہے (۵) حسین بن ذکوان المعلم البصری ہیں' انہوں نے عطاء بن رباح' قتادہ اور دوسروں سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے شعبہ' ابن المبارک' یحییٰ القطان نے سماع کیا ہے' یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں (۶) حضرت انس بن مالک

النضر انصاری ہیں' ان کی کنیت ابوحمزہ ہے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے' انہوں نے دس سال آپ کی خدمت کی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۲۲۸۶ احادیث روایت کی ہیں' ان میں سے ۱۶۸ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور امام بخاری ۸۳ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۹۱ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں' صحابہ میں ان کی سب سے زیادہ اولاد تھی' ان کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے' آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کیجئے' آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں برکت دینا اور اس کی عمر زیادہ کرنا اور اس کے گناہ بخش دینا' حضرت انس نے کہا: میں نے اپنی پشت سے پیدا ہونے والی ۹۸ اولاد کو دفن کیا' ان کے باغ سے سال میں دو مرتبہ پھل اترتے تھے' اور ان کے باغ کے پھولوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی' اور ان کی عمر ۱۰۰ سال سے متجاوز تھی' یہ بصرہ کے صحابہ میں سے سب سے آخر میں ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۳۰-۲۲۹)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت بالکل واضح ہے۔

اپنی پسندیدہ چیز کا اپنے مسلمان بھائی کو دینے کا وجوب

حافظ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو پسند نہیں کرتا' جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے' اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی نفی کی ہے' تو معلوم ہوا کہ اپنی پسندیدہ چیز کو اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا بھی خصال ایمان سے ہے بلکہ ایمان کے واجبات سے ہے کیونکہ ایمان کی نفی اسی وقت کی جاتی ہے' جب اس کے بعض واجبات کو ترک کر دیا جائے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے' اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا' اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا' اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری: ۵۵۷۸' صحیح مسلم: ۵۷)

اور کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے اپنی پسندیدہ چیزوں کو اسی وقت پسند کرے گا' جب وہ حسد' کینہ' بغض اور دھوکا دہی سے سلامت اور محفوظ ہو اور ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا واجب ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جب تک ایمان نہ لاؤ' جنت میں داخل نہیں ہو گے' اور جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو' تمہارا ایمان نہیں ہوگا' الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۵۴' سنن ترمذی: ۲۶۸۸' سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۲)

پس مومن' مومن کا بھائی ہے' وہ اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے' جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اس کے لیے اس چیز کو ناپسند کرتا ہے' جس کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مؤمنین کو دیکھو گے کہ وہ ایک جسم کے اعضا کی طرح ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں' جب اس کے جسم کے ایک عضو میں بیماری ہوتی ہے تو اس کا پورا جسم بیداری اور بخار میں کراہتا رہتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۰۱۱' صحیح مسلم: ۲۵۸۶)

پس جب مومن اپنے لیے دین اور دنیا کی کسی فضیلت کو پسند کرے گا تو وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے بھائی کو بھی وہ فضیلت مل جائے اور اس سے وہ فضیلت زائل نہ ہو' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب میں قرآن کریم کی کسی آیت کو پڑھ کر اس کا مطلب سمجھتا ہوں تو میں پسند کرتا ہوں کہ تمام مسلمان اس آیت کا وہ مطلب سمجھ لیں' جو میں نے سمجھا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: میں

اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تمام لوگ اس علم کو حاصل کرلیں اور خصوصیت سے میری طرف اس علم کی نسبت نہ کریں۔

اپنی برتری اور انفرادیت کو طلب کرنا مذموم ہے

اور جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کو دین اور دنیا کی کسی فضیلت میں تفرد اور انفرادیت حاصل ہو تو یہ مذموم ہے' قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَO (القصص: ۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں' جو زمین میں اپنی برتری اور بڑائی کا ارادہ نہیں کرتے اور نہ دہشت گردی کا ارادہ کرتے ہیں' اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہےO

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس لیے علم حاصل کیا کہ ان پڑھ لوگوں سے بحث کرے یا علماء کے سامنے فخر کرے یا لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف موڑے تو وہ شخص دوزخ میں ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۵۳' زوائد ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر نے کہا: وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی جوتی دوسروں کی جوتیوں سے اچھی ہو اور نہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ ان کے کپڑے دوسروں کے کپڑوں سے اچھے ہوں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور وہ شخص خوب صورت تھا' اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں حسین چیزوں کو پسند کرتا ہوں' اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کیا کچھ عطا کیا گیا ہے حتیٰ کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص مجھ سے برتر ہو خواہ میری جوتی کے تسمہ سے' کیا یہ تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵-۴۲۷)

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص یہ چاہتا تھا کہ اس سے کوئی برتر نہ ہو' نہ یہ کہ وہ سب سے برتر اور بلند ہو بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ برتری اور بلندی میں لوگوں کے مساوی ہو' اور اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شخص یہ پسند کرتا تھا کہ وہ لوگوں سے برتر اور بلند ہو اور ان میں منفرد ہو۔

اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی مخصوص فضیلت عطا کی ہو اور وہ اس فضیلت میں عام لوگوں سے منفرد ہو اور برتر اور بلند ہو اور وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس فضیلت کی لوگوں کو خبر دے تو یہ مستحسن ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْO (الضحیٰ: ۱۱) بہر حال آپ اپنے رب کی نعمت کا خوب بیان کریںO

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور فخر نہیں' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں' اور ہر نبی خواہ آدم ہوں یا کوئی اور وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے' اور سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی اور فخر نہیں۔ (یہ حدیث حسن صحیح ہے) (سنن ترمذی: ۳۶۱۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے یہ علم ہو کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے اونٹوں پر سفر کرنا پڑے تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔ (فتح الباری لابن رجب ج ۱ ص ۴۱-۴۲ ملخصاً' دار ابن الجوزی' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

حدیث مذکور کی شرح' شرح صحیح مسلم میں

یہ حدیث' شرح صحیح مسلم: ۹۷-ج ا ص ۴۵۴-۴۵۳ میں مذکور ہے' وہاں اس پر اس عنوان کے تحت بحث کی ہے کہ '' جو چیز لائق استفادہ اور قابل استعمال نہ رہے' اس کا دوسرے مسلمانوں کو دینا جائز نہیں ہے اور جو چیز پسندیدہ نہ ہو لیکن قابل استعمال ہو' اس کا دینا جائز ہے'' اور جو مباحث یہاں '' نعمۃ الباری'' میں ذکر کیے ہیں' ان کا وہاں ذکر نہیں ہے۔

٨- بَابٌ حُبُّ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِيْمَانِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اُمورِ ایمان سے ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں بابوں میں محبت کا تعلق ایمان سے ہے۔

١٤- حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے' از اعرج از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا' جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

١٥- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ح). وَحَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن علیہ نے از عبدالعزیز بن صہیب از حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (ح) اور ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح مسلم: ۴۴' سنن نسائی: ۵۰۳۰' سنن ابن ماجہ: ۶۷' مسند ابوعوانہ ج ا ص ۳۳' سنن دارمی: ۲۷۴۱' مسند ابویعلیٰ: ۳۰۴۹' صحیح ابن حبان: ۱۷۹' شعب الایمان: ۱۳۷۴' شرح السنۃ: ۲۲' المعجم الاوسط: ۲۸۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۸۱۴-ج ۲۰ ص ۲۰۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث: ١٤ کے رجال کا تعارف

(۱) پہلا راوی ابوالیمان ہے' اس کا تعارف پہلے کیا جا چکا ہے (۲) دوسرا راوی شعیب بن ابی حمزہ الحمصی ہے' اس کا تعارف بھی پہلے کیا جا چکا ہے (۳) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان المدنی القرشی ہے' انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے بھی تابعین نے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۳۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) چوتھے راوی الاعرج ہیں' ان کا نام ابوداؤد عبدالرحمان بن ھرمز ہے' یہ تابعی مدنی قرشی ہیں' انہوں نے ابوسلمہ اور عبدالرحمان بن القاری سے احادیث روایت کی

ہیں اور ان سے الزہری' یحییٰ الانصاری اور دیگر نے احادیث روایت کی ہیں' ان کی توثیق پر اتفاق ہے' یہ ۱۱۷ھ میں اسکندریہ میں فوت ہو گئے تھے (۵) پانچویں راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا تعارف بھی پہلے کیا جا چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۳۳)

حدیث: ۱۵ کے رجال کا تعارف

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الدورقی العبدی' یہ ثقہ' حافظ اور متقن تھے' انہوں نے ابن عیینہ' القطان' یحییٰ بن ابی کثیر اور بہت سے ائمہ سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے ابوزرعہ' ابوحاتم اور ایک جماعت نے سماع کیا ہے' یہ ۲۵۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) ابن علیہ' علیہ ان کی ماں ہیں اور ان کے والد ابراہیم بن سہل ہیں' انہوں نے عبد العزیز بن صہیب اور ایوب السختیانی سے احادیث کا سماع کیا ہے' ان کی جلالت اور توثیق پر اتفاق ہے' یہ بغداد میں ۱۹۴ھ میں فوت ہو گئے (۳) عبد العزیز بن صہیب' یہ تابعی ہیں' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے' ان کی توثیق پر اتفاق ہے (۴) آدم بن ابی ایاس ہیں' ان کا تعارف کیا جا چکا ہے (۵) شعبہ بن الحجاج ہیں' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۶) قتادہ بن دعامہ ہیں' ان کا تعارف بھی کیا جا چکا ہے (۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا تعارف بھی کیا جا چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۷)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں محبت رسول کا ذکر ہے اور یہی باب کا عنوان ہے۔

محبت رسول کی اقسام

اس باب میں امام بخاری نے دو حدیثیں روایت کی ہیں اور دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ کامل مومن وہ شخص ہو گا' جو اپنے والد' اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہو' اس لیے یہ جاننا چاہیے کہ محبت کی اقسام کیا ہیں:

علامہ ابوالحسین علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

محبت کی تین اقسام ہیں: (۱) اجلال اور عظمت کے ساتھ محبت' جیسے والد کے ساتھ محبت ہوتی ہے (۲) شفقت اور رحمت کے ساتھ محبت' جیسے اولاد کے ساتھ محبت ہوتی ہے' اور (۳) استحسان اور حسن سلوک کے ساتھ محبت' جیسے تمام لوگوں کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کا ایمان کامل ہو گا' اس کو یہ معلوم ہو گا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اور آپ کا فضل' اس کے والد' اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گمراہی سے نکال کر ہدایت دی اور اس کو دوزخ سے نجات دی۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱ ص ۶۶' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک قسم ہے: آپ کی سنت کی نصرت کرنا اور آپ کی شریعت کی مدافعت کرنا اور آپ کی زیارت کی تمنا کرنا' اور آپ کے اوپر اپنی جان اور مال کو خرچ کرنا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۲۸۱-۲۸۰' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

محبت رسول کی کیفیت

حافظ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا سب کی محبتوں پر راجح ہونا ضروری ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اجناس میں کامل بنایا ہے اور آپ کو تمام انواع پر فضیلت دی ہے اور آپ میں تمام محاسن ظاہرہ اور باطنہ رکھے ہیں اور آپ کو اخلاق حسنہ اور خصائل جمیلہ کی خصوصیت عطا کی ہے۔

قاضی ابوالفضل نے کہا: جب تک کوئی شخص ہر والد اور ہر اولاد سے آپ کو افضل اعتقاد نہ کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا اور اس کے

کفر میں کوئی شک نہیں جو آپ کی تعظیم اور اجلال کا عقیدہ نہ رکھے' لیکن اس حدیث کا یہ منشا نہیں ہے کہ آپ کے اعظم ہونے کا عقیدہ آپ کے سب سے زیادہ محبوب ہونے کو مستلزم نہیں ہے' کیونکہ کبھی انسان کسی شخص کو بہت عظیم سمجھتا ہے اور اس کی محبت اپنے دل میں نہیں پاتا' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ نے یہ حدیث سنی کہ تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا' جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں' تو حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں' سوائے میری جان کے' آپ نے فرمایا: اے عمر! تمہاری جان سے بھی زیادہ (میرا محبوب ہونا ضروری ہے) حضرت عمر نے کہا: میری جان سے بھی زیادہ آپ محبوب ہیں' آپ نے فرمایا: اب اے عمر! (یعنی اب تمہارا ایمان کامل ہے) (صحیح البخاری: ۶۶۳۲' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۶) اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ محبت صرف تعظیم کا اعتقاد نہیں ہے بلکہ آپ کی تعظیم کے ساتھ آپ کی طرف دل مائل ہو اور جو شخص اپنے دل میں آپ کی طرف سب سے زیادہ میلان نہ پائے اس کا ایمان کامل نہیں ہے جیسے حضرت ابوسفیان کی بیوی حضرت ہند نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ پہلے میں آپ کے چہرہ کو سب سے زیادہ ناپسند کرتی تھی اور اب آپ کا چہرہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے' اور جیسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ نے کہا: میں نے اپنا تجربہ کیا ہے میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے اور نہ میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ کوئی معظم ہے اور آپ کے جلال کی وجہ سے میں آپ کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتا اور اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ میں آپ کی صفت بیان کروں تو میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ میں نے نگاہ بھر کر آپ کو نہیں دیکھا۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کی محبت میں آپ کے اصحاب کا مقام بہت بلند تھا' بعض مومنین شہوات میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان پر غفلت کے پردے پڑے رہتے ہیں اور ان کے احوال بہت ناقص ہوتے ہیں' لیکن جب نبی ﷺ کا ذکر کیا جائے اور آپ کے فضائل بیان کیے جائیں تو ان کی محبت جوش میں آتی ہے اور وہ آپ کی زیارت کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں' بلکہ آپ کی قبر مبارک اور آپ کے آثار کی زیارت کے لیے مضطرب ہو جاتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے اہل وعیال' مال و دولت' ماں باپ حتیٰ کہ ان کی جان بھی چلی جائے اور کسی طرح ان کو آپ کی زیارت ہو جائے' البتہ ان پر شہوت اور غفلت کے غلبہ کی وجہ سے ان کی یہ کیفیت جلد زائل ہو جاتی ہے' ہم اللہ کریم سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی دائمی اور کامل محبت عطا فرمائے اور ہمیں غلبہ شہوت اور غفلت کے حجابات سے محفوظ رکھے۔ (المفہم ج ۱ ص ۲۲۷-۲۲۵ ملخصاً' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

صحابہ کرام کی محبت رسول کی چند مثالیں

حدیث میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے بیٹے' جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے' مسلمانوں کو لڑنے کے لیے للکار رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلہ پر جانا چاہا' لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔

(الاستیعاب: ۱۴۰۲' ج ۲ ص ۳۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر رضی اللہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ مذکور الصدر آیت (المجادلہ: ۲۲) کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا: مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ ابوقحافہ نے نبی ﷺ کو گالی دی تو حضرت ابوبکر نے ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کا باپ) کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ گر پڑا' پھر انہوں نے اس واقعہ کا نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا تم نے ایسا کیا؟

عرض کیا: ہاں آپ نے فرمایا: دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے جنگ احد میں اپنے باپ عبداللہ بن الجراح کو قتل کر دیا اور حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی' جب جنگ بدر میں ان کے بیٹے عبدالرحمن نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے للکارا تو حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ' کیا تم نہیں جانتے کہ تم میرے لیے میری آنکھوں اور میرے کانوں کے مرتبہ میں ہو؟ اور حضرت مصعب بن عمیر کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو جنگ احد میں قتل کر دیا اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو جنگ بدر میں قتل کر دیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے عتبہ' شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور یہ صحابہ اس آیت کے اس حصہ کے مصداق ہیں' خواہ وہ (دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار۔

(اسباب النزول للواحدی: ۷۶۴' ص ۴۴۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' اسباب النزول للسیوطی ص ۱۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مختلف جنگوں میں صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے باپ بھائی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کو قتل کر دیا' ایک نابینا صحابی کے ایک باندی سے دو کمسن بچے تھے' لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی تھی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۶۱) اور حضرت عمیر بن امیہ کی ایک بہن تھی' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب وشتم کرتی تھی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۶۵۔ ۶۴) اسی طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں کے علاوہ اپنے وطن' اپنے پسندیدہ مکانوں اور اپنے جمع شدہ مال اور اپنے کاروبار اور تجارت کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔

شرح صحیح مسلم میں محبت رسول کی تحقیق

اس حدیث کی شرح ہم نے شرح صحیح مسلم میں بھی کی ہے اور وہاں ہم نے اس کی بہت زیادہ تفصیل کی ہے' اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ساتھ مکلف کرنے کی توجیہ (۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہونے کی وجوہات (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور محبت کے چند مظاہر (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامات (۵) اطاعت رسول (۶) اتباع رسول کی حلاوت (۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے عیب ہونا (۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہ کثرت ذکر کرنا (۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان سے خوش ہونا (۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنے میں غلو سے احتراز کرنا (۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنا (۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا (۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شوق ہونا (۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبوں سے محبت کرنا (۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبتوں سے محبت کرنا (۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعداء سے عداوت رکھنا (۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات محبت میں حرف آخر۔

(شرح صحیح مسلم: ۷۷۔ ج ۱ ص ۴۵۱۔ ۴۲۵' فرید بک سٹال' لاہور)

۹- بَابُ حَلَاوَةِ الْإِيْمَانِ ایمان کی حلاوت (مٹھاس)

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی مٹھاس تین چیزوں سے محبت ہے اور باب سابق میں ان میں سے ایک چیز کی محبت کو بیان کیا گیا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے سو ان دونوں بابوں میں جزاور کل کی مناسبت ہے۔

١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.

[اطراف الحدیث: ۲۱-۶۰۴۱-۶۹۴۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ محمد بن المثنیٰ نے کہا: ہمیں عبدالوہاب الثقفی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا: (۱) یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو (۲) اور یہ کہ وہ جس شخص سے بھی محبت کرے صرف اللہ کے لیے محبت کرے (۳) اور یہ کہ اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا ایسا ناپسندیدہ ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا ناپسندیدہ ہے۔

(صحیح مسلم: ۴۳، سنن ترمذی: ۲۶۲۴، سنن نسائی: ۴۹۸۸، مسند ابویعلیٰ: ۳۲۷۹، صحیح ابن حبان: ۲۳۷، شعب الایمان: ۱۶۲۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۰ ص ۱۸۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن المثنیٰ بن عبید بن قیس البصری انہوں نے ابن عیینہ وکیع بن الجراح اسماعیل بن علیہ وغیرہم سے سماع کیا ہے اور ان سے ابوزرعہ ابوحاتم اور محمد بن یحییٰ الذہلی نے سماع کیا ہے الخطیب نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت تھے اور تمام ائمہ ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں یہ ۲۵۲ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے (۲) عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی البصری انہوں نے یحییٰ انصاری اور ایوب السختیانی اور دیگر سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے امام محمد بن ادریس شافعی امام احمد ابن معین اور ابن المدینی نے سماع کیا ہے ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ تھے اور ان میں ضعف ہے یہ ۱۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴ھ میں فوت ہو گئے (۳) ایوب بن ابی تمیمہ کیسان السختیانی البصری انہوں نے حضرت انس بن مالک کی زیارت کی ہے اور عمر بن سلمہ الجرمی اور ابوعثمان النہدی اور بہت اعلام سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے محمد بن سیرین عمرو بن دینار الاعمش اور امام مالک نے سماع کیا ہے نیز ان سے امام ابوحنیفہ نے بھی احادیث روایت کی ہیں امام نسائی نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت ہیں یہ ۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے (۴) ابوقلابہ عبداللہ بن زید بن عمرو البصری انہوں نے حضرت ثابت بن قیس انصاری اور حضرت انس بن مالک انصاری اور دیگر صحابہ سے سماع کیا ہے ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے یہ ۱۰۴ھ میں شام میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۳۹)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ اس میں ایمان کی مٹھاس کا ذکر ہے۔

ایمان کے استحکام کو مٹھاس سے تشبیہ دینے کی توجیہ

حدیث مذکور میں تین خصلتوں کا ذکر فرمایا جس نے ان کو مکمل کر لیا وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا ذائقہ اور مٹھاس ہے جس کو صرف دل سے محسوس کیا جا سکتا ہے جیسے کھانے پینے کی چیزوں کا ذائقہ اور مٹھاس صرف زبان سے محسوس

کی جاتی ہے کیونکہ ایمان دل کی غذا اور اس کی قوت ہے جیسے کھانے پینے کی چیزیں بدن کی غذا اور اس کی قوت ہیں اور جس طرح جسم کھانے پینے کی چیزوں کی لذت اور مٹھاس اسی وقت پاتا ہے جب جسم صحیح اور تندرست ہو اور جب جسم بیمار ہو تو اس کو میٹھی چیزیں بھی کڑوی لگتی ہیں جیسے جس شخص پر صفراء کا غلبہ ہو اس کو ایسا ہی لگتا ہے اسی طرح انسان کا دل بھی ایمان کی مٹھاس اسی وقت پاتا ہے جب اس کا دل بیماریوں اور آفتوں سے محفوظ ہو اور جب اس کا دل گم راہی اور شہوت کے مرض میں مبتلا ہو تو پھر وہ ایمان کی مٹھاس نہیں پاتا بلکہ وہ حرام کاموں اور شہوت کے تقاضے پورے کرنے میں لذت پاتا ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۵۵۷۸ صحیح مسلم: ۵۷ سنن ترمذی: ۲۶۲۵ سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۶) کیونکہ اگر اس کا ایمان کامل ہوتا تو وہ ایمان کی مٹھاس کو پاتا اور حرام کاموں کی مٹھاس سے مستغنی ہو جاتا سو جس طرح بیماری کے ساتھ کھانے پینے کی چیزوں میں لذت نہیں آتی اسی طرح حرام کاموں اور گناہوں کے ساتھ عبادت میں لذت نہیں آتی۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے اسباب اور ان کی محبت کے درجات

ان تین خصلتوں میں سے پہلی خصلت یہ ہے کہ انسان کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو اور اللہ کی محبت اس کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی معرفت کا کمال اس کے اسماء صفات اور اس کے افعال کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے اور جن کاموں میں اس کی حکمتیں فوائد اور عجائب ہیں ان میں غور کرنے سے اس کی قدرت اس کی حکمت اس کے علم اور اس کی رحمت کا پتا چلتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مطالعہ کرنے سے اس کی محبت پیدا ہوتی ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس لیے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے غذا دیتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(سنن ترمذی: ۳۷۸۹ المعجم الکبیر: ۲۶۳۹ المستدرک ج ۳ ص ۱۵۰ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱ التاریخ الکبیر: ۵۹۲)

سو جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو گئی وہ اس سے محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دو درجے ہیں ایک فرض ہے یعنی اللہ کی محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ جن فرائض کا اس نے حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے اور جن حرام کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے اللہ تعالیٰ کی محبت میں کم از کم اتنا درجہ حاصل کرنا ضروری ہے اور جس کو یہ درجہ بھی حاصل نہ ہو وہ اللہ کی محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ جس شخص نے کسی حرام کام کو کیا یا کسی فرض یا واجب کو ترک کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت کم ہے اسی وجہ سے اس نے اپنے نفس کی خواہش اور اس کی محبت کو اللہ کی محبت پر ترجیح دی اگر اس کے دل میں اللہ کی کامل محبت ہوتی تو وہ اللہ کے فرائض کو ترک نہ کرتا اور اس کے منع کیے ہوئے کاموں کا ارتکاب نہ کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا دوسرا درجہ مستحبات پر عمل کرنا اور مکروہات کو ترک کرنا ہے اور یہ کہ وہ نوافل پر دوام کر کے اللہ کا قرب حاصل کرے اور جو مصائب اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیئے ہیں ان پر صبر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے بھی دو درجے ہیں ایک درجہ فرض ہے وہ یہ ہے کہ جن فرائض کا آپ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے اور جن حرام کاموں سے آپ نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کیا جائے آپ کے احکام پر عمل کرنے میں اپنے دل میں تنگی نہ پائے اور دوسرا درجہ آپ کی سنتوں آداب اخلاق کی اتباع کرنا ہے آپ کی سیرت اور آپ کے حسن معاشرت میں آپ کی اقتداء کرنا ہے آپ کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے دنیا سے زہد اور آخرت میں رغبت کرنا ہے سخاوت ایثار درگزر کرنے حلم اور تواضع کو اپنانا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق باطنہ میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنا اور اس سے سب سے زیادہ محبت اور اس سے ملاقات کا شوق

اس کی قضا پر راضی رہنا اس کے ساتھ قلب کا دائمی تعلق اس پر توکل اور اعتماد زبان کا اس کے ذکر سے تر رہنا خلوت میں اس سے دعا اور مناجات کرنا تدبر اور تفکر سے اس کی کتاب کی تلاوت کرنا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق قرآن کریم تھا آپ اللہ کی رضا سے راضی اور اس کی ناراضی سے ناراض ہوتے تھے پس جو لوگ اپنے قول عمل اور حال میں آپ کی سب سے زیادہ متابعت کرنے والے ہیں وہ آپ کی امت کے صدیقین ہیں جن کے سرخیل حضرت ابوبکر اور آپ کے بعد کے خلفا ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس ضمن میں احادیث کہ انسان جس سے بھی محبت کرے اللہ کے سبب سے محبت کرے

اس حدیث میں دوسری خصلت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان جس سے بھی محبت کرے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ کے سبب سے محبت کرنا اصول ایمان سے ہے اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم اللہ کے سبب سے محبت کرو اور اللہ کے سبب سے بغض رکھو اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں عمل کرتی رہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۰ طبع قدیم المعجم الکبیر: ۴۲۲ ج ۲۰ مسند احمد: ۱۵۶۱۳ ج ۲۴ ص ۳۸۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی بندہ کا اس وقت تک صریح ایمان محقق نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اللہ کے سبب سے محبت رکھے اور اللہ کے سبب سے بغض رکھے پس جب وہ اللہ کے سبب سے محبت رکھے گا اور اللہ کے سبب سے بغض رکھے گا تو وہ اللہ کی محبت کا مستحق ہو جائے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۰ طبع قدیم مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۹ مسند احمد ج ۲۴ ص ۳۱۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت اس کی سند منقطع ہے۔)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایمان کی مضبوط گرہ اللہ کے سبب سے محبت رکھنا اور اللہ کے سبب سے بغض رکھنا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۶ طبع قدیم مسند ابوداؤد الطیالسی: ۷۴۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۱ شعب الایمان: ۱۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "احب الاعمال" اللہ کے سبب سے محبت رکھنا اور اللہ کے سبب سے بغض رکھنا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۶ سنن ابوداؤد: ۴۵۹۹ اس کی سند ضعیف ہے مسند احمد: ۲۱۳۰۳ ج ۳۵ ص ۲۲۹ بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے اللہ کے سبب سے محبت کی اور اللہ کے سبب سے بغض رکھا اور اللہ کے سبب سے عطا کیا اور اللہ کے سبب سے منع کیا اس کا ایمان کامل ہوگیا ایک روایت میں ہے: اس نے اللہ کے سبب سے نکاح کیا (یعنی اس کی رضا کے لیے)۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۸۱ سنن ترمذی: ۲۵۲۱ المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴ مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۰-۴۳۸)

اس دوسری خصلت کی پہلی خصلت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جس شخص کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوگا اس کی تمام محبت اللہ کے لیے ہوگی اور اس کو یہ لازم ہے کہ اس کی دوستی بھی اللہ کے سبب سے ہو اور اس کی دشمنی بھی اللہ کے سبب سے ہو اور اس کے نفس میں اپنی کوئی خواہش نہ ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت جب ہی مکمل ہوگی جب اس کے اولیاء سے محبت رکھی جائے اور اس کے دشمنوں سے بغض رکھا جائے۔

اس سلسلہ میں دلائل کہ ایمان کے بعد کفر کرنا آگ میں جھونکے جانے کے مترادف ہے

تیسری خصلت یہ ہے کہ اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا ایسا ناپسندیدہ ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا ناپسندیدہ ہے۔

جب انسان کے دل میں ایمان راسخ اور متحقق ہو جاتا ہے تو وہ ایمان کی مٹھاس پاتا ہے اور ایمان کے دوام اور ثبات سے محبت

کرتا ہے اور ایمان کو چھوڑنا اس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے جیسے اس کے نزدیک آگ میں جھونکا جانا ناپسندیدہ ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ. (الحجرات: ۷)

لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب بنادیا اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنادیا اور اس نے تمہارے نزدیک کفر نافرمانی اور گناہوں کو ناپسندیدہ بنادیا۔

ابو رزین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایمان کی کیا تعریف ہے؟ آپ نے فرمایا: تم یہ شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بے شک (سیدنا) محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمہیں ان کے ماسوا سے محبوب ہو اور تمہارے نزدیک آگ میں جل جانا اس سے زیادہ پسندیدہ ہو کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو اور تم کسی مدہ نسب والے کے غیر سے صرف اللہ عزوجل کے سبب سے محبت کرو سو جب تم اس طرح ہو جاؤ گے تو تمہارے دل میں ایمان کی محبت اس طرح داخل ہو جائے گی جس طرح شدید گرمی کے دن میں پیاسے کے دل میں پانی کی محبت داخل ہوتی ہے۔ الحدیث

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۲-۵۳ 'مسند احمد ج ۴ ص ۱۱ 'مسند احمد ج ۲۶ ص ۱۱۴ 'مؤسسۃ الرسالۃ' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں سلیمان بن موسیٰ ہے ابن معین اور ابو حاتم نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی نصیحت کی آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا خواہ تم کو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا خواہ وہ تم کو یہ حکم دیں کہ تم اپنے مال اور اہل سے نکل جاؤ (۳) فرض نماز کو ترک نہ کرنا کیونکہ جس نے فرض نماز کو عمداً ترک کیا وہ اللہ کے ذمہ سے بری ہو گیا (۴) شراب نہ پینا کیونکہ وہ ہر بے حیائی کی اصل ہے (۵) اللہ کی نافرمانی سے ڈرنا کیونکہ نافرمانی سے اللہ کی ناراضی حلال ہو جاتی ہے (۶) میدان جہاد سے پیٹھ نہ موڑنا خواہ لوگ ہلاک ہو رہے ہوں (۷) اور جب لوگوں پر موت آرہی ہو اور تم بھی ان لوگوں میں ہو تو ثابت قدم رہنا (۸) اپنے عیال پر اپنے مال سے خرچ کرنا (۹) ان کو ادب سکھانے کے لیے ان کے اوپر اپنی لاٹھی بلند نہ کرنا (۱۰) ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا۔ (المعجم الکبیر: ۱۵۶ ج ۲۰ 'مسند الشامیین: ۲۲۰۴ 'سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۴ 'صحیح ابن حبان: ۵۲۴ 'المستدرک ج ۱ ص ۴۱ 'شعب الایمان: ۷۸۶۲ 'مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۸ طبع قدیم 'مسند احمد ج ۳۶ ص ۳۹۳-۳۹۲ 'مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاخدود کا قصہ بیان فرمایا ان سے کہا گیا: ایمان سے پھر جاؤ ورنہ آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے انہوں نے آگ میں جلائے جانے کے مقابلہ میں ایمان پر قائم رہنے کو اختیار کرلیا اور ان کو آگ میں جلا دیا گیا۔ (البروج: ۹-۴)
اس کی مزید تفصیل تبیان القرآن جلد ۱۲ 'سورۃ البروج کی تفسیر میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا کفر پر آگ میں جھونکے جانے کو ترجیح دینا

اسی طرح حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا واقعہ ہے انہوں نے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالے جانے کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرلیا۔

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رومیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو

گرفتار کرلیا' ان کے بادشاہ نے ان سے کہا: تم عیسائی ہو جاؤ' ورنہ میں تم کو پیتل کی بنی ہوئی گائے کے مجسمہ میں ڈال دوں گا' حضرت عبداللہ بن حذافہ نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا' پھر اس نے اس گائے کے مجسمہ کو منگوایا اور اس کو تیل سے بھر دیا' پھر اس کو خوب کھولایا' اور ایک مسلمان قیدی کو بلوایا اور اس سے کہا: عیسائی ہو جاؤ' اس نے انکار کیا تو اس نے قیدی کو اس مجسمہ کے اندر کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا' حتیٰ کہ اس کا گوشت جل گیا اور اس کی ہڈیاں نکل آئیں' پھر حضرت عبداللہ سے کہا: تم عیسائی ہو جاؤ' ورنہ میں تم کو بھی اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دوں گا' حضرت عبداللہ نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا' اس نے حکم دیا کہ ان کو اس گائے کے مجسمہ میں ڈال دیا جائے' حضرت عبداللہ یہ سن کر رونے لگے' لوگوں نے سردار سے کہا: یہ رو رہا ہے اور فریاد کر رہا ہے' سردار نے کہا: اس کو واپس لاؤ' حضرت عبداللہ نے کہا: تم یہ نہ سمجھنا کہ میں اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈالے جانے کے خوف سے رو رہا ہوں' بلکہ میں صرف اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے پاس صرف یہی ایک جان ہے' جس کو اللہ کی راہ میں کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا جائے گا' میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کاش! میرے پاس میرے بالوں کے برابر بھی جانیں ہوتیں' پھر تم مجھ پر مسلط ہوتے اور ان سب کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیتے' اس سردار کو حضرت عبداللہ کی اس بات سے سخت تعجب ہوا اور اس نے چاہا کہ ان کو چھوڑ دے' اس نے کہا: تم میرے سر کو بوسہ دو' میں تم کو چھوڑ دوں گا' حضرت عبداللہ نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا' اس نے کہا: تم عیسائی ہو جاؤ' میں اپنی بیٹی کی تم سے شادی کر دوں گا اور آدھا ملک تم کو دے دوں گا' حضرت عبداللہ نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا' اس نے کہا: تم میرے سر کو بوسہ دو' میں تم کو بھی چھوڑ دوں گا اور تمہارے ساتھ اسی (۸۰) مسلمانوں کو بھی چھوڑ دوں گا' حضرت عبداللہ نے کہا: اس صورت میں میں کرلوں گا' پھر حضرت عبداللہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا' اس نے حضرت عبداللہ کو بھی رہا کر دیا اور ان کے ساتھ اسی دوسرے مسلمانوں کو بھی رہا کر دیا' جب یہ مسلمان حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے' تو حضرت عمر نے کھڑے ہو کر حضرت عبداللہ بن حذافہ کے سر کو بوسہ دیا' مسلمان حضرت عبداللہ سے مذاق میں کہتے کہ آپ نے کافر کے سر کو بوسہ دیا' حضرت عبداللہ جواب دیتے: ہاں! میں نے اس بوسے کے عوض اسی (۸۰) مسلمانوں کو کافر کی قید سے رہا کرالیا۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ نے بھی اس واقعہ کو اسی تفصیل کے ساتھ امام بیہقی کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۹ ص ۲۴۵۔ ۲۴۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ نے بھی اس واقعہ کو اسی تفصیل سے اپنی سند کے ساتھ ابو رافع سے روایت کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۵۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے بھی اس واقعہ کو امام بیہقی کی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں کچھ اضافہ اور کچھ اختصار ہے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۵۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی یہ دلیل ہے کہ انہوں نے کفر کو اختیار نہیں کیا' حتیٰ کہ انہیں آگ میں ڈال دیا گیا' دیکھئے الانبیاء: ۶۹۔

دل میں تصدیق قائم ہو تو زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت کی بحث

اگر کسی مسلمان سے کہا جائے کہ تم کلمۂ کفر کہو' ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جان بچانے کے لیے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دے' لیکن دل میں اپنے ایمان کو ثابت اور برقرار رکھے' یہ اس کے لیے رخصت ہے' جب کہ اس کے لیے عزیمت یہ ہے کہ وہ زبان سے بھی کلمۂ کفر نہ کہے' خواہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ. (النحل:۱۰۶) سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ مسیلمہ کے جاسوس دو مسلمانوں کو پکڑ کر اس کے پاس لے گئے' اس نے ان میں سے ایک سے کہا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! پھر اس نے کہا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا: میں بہرہ ہوں۔ اس نے کہا: کیا وجہ ہے جب میں تم سے کہتا ہوں کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں' تو تم کہتے ہو کہ میں بہرہ ہوں' پھر اس نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا' پھر اس نے دوسرے مسلمان سے کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں' پھر اس نے کہا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: ہاں' پھر اس نے اس کو چھوڑ دیا' پھر وہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا' آپ نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو اس نے اپنے اور اپنے مسلمان ساتھی کا ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا: رہا تمہارا ساتھی تو وہ اپنے ایمان پر قائم رہا اور رہے تم تو تم نے رخصت پر عمل کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۰۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

اللہ اور اس کے رسول کے ذکر کو ایک ضمیر میں جمع کرنے کی بحث

ایک بحث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ذکر کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی' وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی' وہ صرف اپنے آپ کو ضرر پہنچائے گا اور اللہ کو بالکل ضرر نہیں ہو گا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۹۷)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایک اور حدیث میں اللہ اور اس کے رسول کے ذکر کو ایک ضمیر میں جمع کرنے کی آپ نے مذمت فرمائی ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خطبہ میں کہا: جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی' وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی' وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بُرے خطیب ہو' یوں کہو: جس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم: ۸۷۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت امت کے لیے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جائز ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذکر کو ایک ضمیر میں جمع کر دیں۔

* اس حدیث کی شرح ہم نے شرح صحیح مسلم: ۷۵۔ ج ۱ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴ میں بھی کی ہے' لیکن اس کی شرح میں نے ہم جن مباحث کا یہاں ''نعمۃ الباری'' میں ذکر کیا ہے' وہاں ان میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا۔

۱۰ - بَابٌ عَلَامَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ

ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے

۱۷ - حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰیَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ' وَاٰیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ.

[طرف الحدیث: ۳۷۸۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہم کو شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن جبر نے خبر دی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا' از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' آپ نے فرمایا: ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

(صحیح مسلم: ۷۴ سنن نسائی: ۵۰۲۰ سنن ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۰۱ السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۳۳۱ مسند ابویعلیٰ: ۴۲۰۸ شعب الایمان: ۱۵۱۰ شرح السنۃ: ۳۹۶۶ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰ طبع قدیم مسند احمد: ۱۲۳۱۶۔ ج ۱۹ ص ۳۲۶)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالولید الطیالسی ہشام بن عبدالملک البصری انہوں نے امام مالک شعبہ سفیان بن عیینہ اور دیگر سے سماع کیا ہے اور ان سے ابوزرعہ ابوحاتم اور اسحاق بن راھویہ وغیرہ نے سماع کیا ہے ابوزرعہ نے کہا: ابوالولید اپنے زمانہ کے جلیل القدر امام تھے امام احمد نے کہا: وہ حدیث میں ثقہ تھے ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۷ھ میں فوت ہو گئے (۲) شعبہ بن الحجاج ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عبداللہ بن عبداللہ بن جبر الانصاری المدنی انہوں نے حضرت عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے سماع کیا ہے اور ان سے امام مالک مسعر اور شعبہ نے سماع کیا ہے (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۴)

باب کے عنوان کی مؤید دیگر احادیث

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص اللہ پر ایمان نہیں لایا جو مجھ پر ایمان نہیں لایا اور وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا جو انصار سے محبت نہیں رکھتا۔

(سنن ترمذی: ۲۵ دار قطنی ج ۱ ص ۷۳۔ ۷۲ المستدرک ج ۴ ص ۶۰ مسند احمد ج ۴ ص ۷۰۔ ج ۵ ص ۳۸۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے انصار سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے انصار سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ (المعجم الاوسط: ۹۹۹)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۹)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کی محبت کو بھی ایمان کی علامت قرار دیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو طعن اور تشنیع کا نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۸۶۲ مسند احمد ج ۴ ص ۸۷۔ ج ۵ ص ۵۷۔ ۵۴)

* ہم نے شرح صحیح مسلم: ۱۴۸۔ ج ۱ ص ۵۲۹ میں بھی اس حدیث کی شرح لکھی ہے وہاں یہ بتایا کہ انصار سے اس وجہ سے بغض رکھنا کفر ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار اور مددگار ہیں اور کسی اور وجہ سے ان سے اختلاف رکھنا کفر اور نفاق نہیں ہے جیسے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر مہاجرین اور انصار کا آپس میں اختلاف ہو گیا تھا اور یہاں اس باب کی مؤید جن احادیث کا ذکر کیا ہے وہاں ان کا ذکر نہیں ہے۔

١١ - بَابٌ

١٨ - حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ اِدْرِيْسَ عَائِذُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِّنْ

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے از زہری خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ نے خبر دی کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور یہ العقبہ (مکہ کی جس گھاٹی میں حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مدینہ کو تبلیغ کے

اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِیْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِیْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِی الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ.

[اطراف الحدیث: ۳۸۹۲۔ ۳۸۹۳۔ ۳۸۹۹۔ ۴۸۹۴۔ ۶۷۸۴۔ ۶۸۰۱۔ ۷۲۱۳۔ ۷۴۶۸]

(صحیح مسلم: ۱۷۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۳۹، سنن نسائی: ۴۱۷۸، مسند الشافعی ج ۱ ص ۱۵، مسند الحمیدی: ۳۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۴۰، ابن الجارود: ۸۰۳، مسند ابوعوانہ: ۶۳۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۶، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۸، سنن دارمی: ۲۴۵۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۲۶۷۸۔ ج ۳۷ ص ۳۵۲، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

لیے جاتے تھے) کی رات میں اہل مدینہ کے نمائندوں میں سے ایک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت آپ کے گرد آپ کے اصحاب کی ایک جماعت تھی (آپ نے فرمایا:) مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی بے قصور پر افترا باندھو گے اور نہ کسی نیک کام میں حکم عدولی کرو گے، پھر تم میں سے جس نے اپنی بیعت (کے عہد) کو پورا کر دیا اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے اور جس نے ان کاموں میں سے کوئی کام کر لیا اور اس کو اس دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا، پھر اللہ نے اس پر پردہ رکھا تو وہ اللہ کی مشیت کی طرف مفوض ہے، وہ اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر وہ چاہے تو وہ اس کو سزا دے، تب ہم نے آپ سے اس پر بیعت کر لی۔

امام بخاری نے اس حدیث کے باب کا عنوان قائم نہیں کیا اور جہاں امام بخاری باب کا عنوان قائم نہ کریں، وہ باب باب سابق کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، باب سابق میں انصار کی فضیلت کا ذکر تھا اور اس باب میں حضرت عبادہ بن الصامت کی دو فضیلتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے اور دوسری یہ کہ وہ لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف، خصوصاً حضرت عبادہ بن الصامت کا تذکرہ

(۱) ابوالیمان الحکیم بن نافع الحمصی، ان کا تعارف گزر چکا ہے (۲) شعیب بن ابی حمزہ القرشی، ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۳) محمد بن مسلم الزہری، ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۴) ابوادریس عائذ اللہ بن عبد اللہ بن عمر الخولانی الدمشقی، یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اور انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما اور دیگر سے سماع کیا ہے، یہ غزوۂ حنین کے دن پیدا ہوئے، عبد الملک نے ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا تھا، ۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (۵) حضرت عبادہ بن الصامت بن قیس بن احرم الانصاری الخزرجی، یہ عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے، یہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، بیعت رضوان اور تمام مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۸۱ احادیث روایت کی ہیں، جن میں سے چھ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور امام بخاری دو احادیث کے ساتھ منفرد ہیں، اسی طرح امام مسلم بھی دو احادیث کے ساتھ منفرد ہیں، ان کو سب سے پہلے فلسطین میں قاضی مقرر کیا گیا، ۳۴ھ میں یہ فوت ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۸)

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں "نقباء" کا لفظ ہے، یہ "نقیب" کی جمع ہے "نقیب" کا معنی ہے: قوم کا منتظم، کفیل اور ان کا نمائندہ۔

(مختار الصحاح ص ۳۸۸)

اور اس حدیث میں ''عصابة'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دس سے لے کر چالیس افراد تک کی جماعت۔ (التوشیح ج ۱ ص ۹۹)
اس میں فرمایا ہے: تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو' اس سے مراد ہے: تم اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور نہ کرو۔
''بهتان'' اس کا معنی ہے: ایسا جھوٹ جو سننے والے کو حیران کر دے۔ (التوشیح ج ۱ ص ۹۹)
اس میں فرمایا ہے: اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی بے قصور پر افتراء باندھو گے' اس سے مراد ہے: پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا اور لوگوں کی غیبت کرنا' اس کو ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کے ساتھ مقید فرمایا ہے' کیونکہ بڑے بڑے کام ہاتھوں اور پیروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں' اور ہاتھوں اور پیروں کے ساتھ ہی کسی کام کے لیے کوشش کی جاتی ہے' اس لیے جرائم کی نسبت ہاتھوں اور پیروں کی طرف کی جاتی ہے' اگر چہ جرائم میں باقی اعضاء بھی شریک ہوتے ہیں' اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے سامنے ان پر بہتان نہ باندھو حالانکہ تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جیسے کہا جاتا ہے: تم نے فلاں کے سامنے یہ بات کہی۔ (تنقیح الزرکشی ج ۱ ص ۴۹)

حدود کے کفارہ ہونے یا نہ ہونے کی بحث

اس حدیث میں فرمایا ہے: جس نے ان (ممنوعہ) کاموں میں سے کوئی کام کر لیا اور اس کو اس دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔
علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن شہاب الدین ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:
اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حدود کا قائم کرنا' ان جرائم کا کفارہ ہو جاتا ہے' امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔
اس کے خلاف یہ حدیث ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پتا نہیں کہ حدود جرم کرنے والوں کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۷۴ المستدرک ج ۲ ص ۴۵۰) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے' جب آپ کو اس کا علم نہیں دیا گیا تھا' بعد میں آپ کو علم دے دیا گیا کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں۔ (فتح الباری لابن رجب ج ۱ ص ۷۳۔ ۷۲' دار ابن الجوزیہ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)
فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی مجرم نے حد جاری ہونے سے پہلے توبہ کر لی تو اس کے لیے حد کفارہ ہو جائے گی اور یہ حدیث اسی پر محمول ہے' اور اگر اس نے حد جاری ہونے سے پہلے اپنے جرم پر توبہ نہیں کی بلکہ اپنے جرم پر مصر رہا تو اس کے لیے حد کفارہ نہیں ہو گی' بلکہ وہ آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا' احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محاربین (ڈاکوؤں) کی سزا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ. (المائدہ: ۳۴۔ ۳۳)

یہ ان کی دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۝ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کر لی کہ تم ان کو گرفتار کرو۔

چور کی سزا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۹)

سو جس نے جرم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

نیز اس حدیث میں ہے کہ جس نے ان میں سے کوئی کام کیا' پھر اللہ نے اس پر پردہ رکھا تو وہ اللہ کی مشیت کی طرف مفوض ہے وہ اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر وہ چاہے تو اس کو سزا دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا' پھر اللہ نے اس پر پردہ رکھ لیا تو اللہ اس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ جس گناہ کو وہ معاف کر چکا ہے' اس پر اس کو دوبارہ سزا دے۔

(سنن ترمذی: ۲۶۲۶' سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۴)

حدیث مذکور کی شرح' شرح صحیح مسلم میں

شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی نہایت تفصیل سے شرح کی گئی ہے' اس شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) اسلام میں بیعت کا تصور (۲) شیخ طریقت کی شرائط (۳) بیعت برکت (۴) بیعت ارادت (۵) تبدیل بیعت اور تجدید بیعت کا حکم (۶) کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض یا ضروری ہے (۷) قتل اولاد سے ممانعت کی تخصیص کے جوابات (۸) ثواب اور عذاب میں اہل سنت اور دیگر مکاتب فکر کے نظریات (۹) حدود کے کفارہ ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب فقہاء (۱۰) حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو متعارض حدیثوں میں تطبیق (۱۱) قرآن مجید کی روشنی میں حدود کے کفارہ نہ ہونے کا بیان (۱۲) حدود کے کفارہ نہ ہونے کے بارے میں فقہاء احناف کی تصریحات (۱۳) حدود کے کفارہ نہ ہونے کے بارے میں مفسرین احناف کی تصریحات (۱۴) مذہب احناف کے بیان میں بعض شارحین کا تسامح۔ (شرح صحیح مسلم: ۴۳۵۰۔ ج ۴ ص ۸۷۸۔ ۸۶۷ 'فرید بک سٹال لاہور)

۱۲- بَابٌ مِنَ الدِّيْنِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ

فتنوں کے زمانے میں شہر سے بھاگنا بھی امور دین سے ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ اس باب میں یہ ذکر ہے کہ مسلمان اپنے دین کو فتنہ سے بچانے کے لیے شہر سے بھاگ جائے اور باب سابق میں نقباء انصار کا ذکر تھا' جو فتنہ کفر سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو گئے تھے۔

۱۹- **حَدَّثَنَا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ' عَنْ مَالِكٍ' عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي صَعْصَعَةَ ' عَنْ اَبِيْهِ ' عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمًا يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ' يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ.

[اطراف الحدیث: ۳۳۰۰۔ ۳۶۰۰۔ ۶۴۹۵۔ ۷۰۸۸]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسلمہ' امام مالک سے روایت کرتے ہیں' وہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عبد الرحمان بن ابی صعصعہ سے روایت کرتے ہیں' وہ اپنے والد سے' وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں کہ جن کو اپنے پیچھے چلا کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بارش ہونے کی جگہوں پر چلا جائے اور اپنے دین کو (بچانے کے سبب سے) فتنوں سے بھاگ جائے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۶۷' سنن نسائی: ۵۰۵۱' سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۰' مسند الحمیدی: ۷۳۳' مسند ابویعلیٰ: ۹۸۳' صحیح ابن حبان: ۵۹۵۵' مسند احمد ج ۳ ص ۶ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۱۰۳۲۔ ج ۱۷ ص ۷۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف' خصوصاً حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) عبد اللہ بن مسلمہ بن قعنب ابوعبد الرحمان الحارثی البصری' یہ مستجاب الدعوات تھے' انہوں نے امام مالک' لیث بن سعد اور مخرمہ بن بکیر سے سماع کیا ہے' ان کی توثیق اور جلالت پر اتفاق ہے' امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں' یہ ۲۲۱ ھ میں مکہ میں فوت ہو گئے (۲) امام مالک بن انس' امام دار الہجرت ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عبد الرحمان بن عبد اللہ الانصاری المدنی ہیں' امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے' امام بخاری' امام مسلم' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۳۹ ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) عبد الرحمان کے والد عبد اللہ بن عبد الرحمان الانصاری ہیں' امام نسائی اور امام ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے' امام بخاری اور امام ابوداؤد نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۵) حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان الخزرجی الانصاری ہیں' رضی اللہ عنہ' غزوۂ احد میں ان کو کم سن قرار دے کر شامل نہیں کیا گیا اور اس کے بعد بارہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے' انہوں نے ۱۱۷۰ احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے ۴۶ پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' ۱۶ احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ۵۲ احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے بھی احادیث روایت کیں' ان میں خلفاء اربعہ' ان کے والد مالک اور ان کے اخیافی بھائی حضرت قتادہ بن نعمان بھی ہیں' ان سے صحابہ کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں' ان میں حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور بہت سے تابعین ہیں' یہ مدینہ میں ۶۳ ھ یا ۷۴ ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۰)

حضرت ابوسعید کو خدری اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوسعید کے اجداد میں سے ایک خدرہ کے رہنے والے تھے اور خدرہ یمن کا ایک علاقہ ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۱)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں فتنہ سے بھاگنے کا ذکر ہے اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

ایام فتنہ میں عزلت نشینی کا استحباب

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فتنوں کے زمانہ میں شہروں اور آباد علاقوں سے نکل کر جنگلوں اور ویرانوں میں چلے جانا چاہیے' لیکن یہ اس شخص کے لیے مشروع ہے' جس کو فتنہ زائل کرنے پر قدرت نہ ہو اور جس کو ازالۂ فتنہ پر قدرت ہو کہ وہ فتنہ کے ازالہ کے لیے کوشش کرے اور اس کے لیے یہ فرض عین ہے' اگر وہ منفرد ہو اور اگر ایسے متعدد لوگ ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے' اور جب فتنہ کے ایام نہ ہوں تو پھر علماء کا عزلت نشینی اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں اختلاف ہے کہ ان میں کیا چیز افضل ہے' امام شافعی اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس سے بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں' شعائر اسلام میں حاضر ہونے کا موقع ملتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کے مواقع ملتے ہیں' ان کی عیادت کی جاتی ہے' ان کے جنازہ میں شرکت ہوتی ہے' ان کو کثرت سے سلام کیا جاتا ہے' نیکی کا حکم دیا جاتا ہے' برائی سے روکا جاتا ہے' نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کیا جاتا ہے اور محتاجوں کی مدد کی جاتی ہے اور یہ وہ کام ہیں' جن کو ہر شخص کر سکتا ہے اور اگر وہ شخص عالم اور زاہد ہو تو مل جل کر رہنا اور زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس صورت میں بھی عزلت نشینی افضل ہے کیونکہ اس میں سلامتی محقق ہے بہ شرطیکہ وہ جن عبادات کا مکلف ہے' ان کی ادائیگی کا طریقہ اس کو معلوم ہو اور جس شخص کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا' اس کے لیے مل جل کر رہنا افضل ہے' علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں سے الگ ویرانوں میں رہنا

افضل ہے کیونکہ بہت کم محافل گناہوں سے خالی ہوتی ہیں' علامہ عینی فرماتے ہیں: میں بھی ان کا ہم نوا ہوں' کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں شر اور فساد سے بچنا بہت مشکل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتنوں سے دور رہنا چاہیے' سلف صالحین کی ایک جماعت فتنوں کے خطرہ سے بستیوں سے نکل گئی تھی' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں ربذہ چلے گئے تھے' اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا اور یہ غیب کی خبر ہے اور آپ کا معجزہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں عزلت نشینی کو ترجیح دی ہے' جب کہ شارع نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ محلہ کے سب مسلمان مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور شہر کے سب لوگ جمع ہو کر جمعہ کی اور عید کی نماز پڑھیں اور تمام ملکوں کے مسلمان حج کے لیے جائیں اور میدان عرفات میں جمع ہوں' خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کا حکم شریعت میں معلوم اور مشہور ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجتماعیت کا حکم اس وقت پسندیدہ ہے' جب امن ہو اور عزلت نشینی اس وقت پسندیدہ ہے' جب فتنہ کا زمانہ ہو۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

۱۳- بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ»

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اپنے دین کو بچانے کے لیے فتنہ سے بھاگنا چاہیے اور مسلمان اسی وقت فتنہ سے بھاگے گا' جب اس کا دین قوی ہو اور اس باب میں اللہ کی معرفت کا بیان ہے اور انسان کو جتنی زیادہ اللہ کی معرفت ہوگی' اتنا ہی اس کا دین قوی ہوگا۔

وَاَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۵).

اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لیکن اللہ (ان قسموں میں) تمہارا مواخذہ فرمائے گا' جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا" (البقرہ: ۲۲۵)۔

امام بخاری نے فرمایا ہے کہ معرفت دل کا فعل ہے' یہاں معرفت سے مراد تصدیق ہے اور ماننا ہے اور وہ دل کا کسب اور اس کا فعل ہے۔

۲۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الْبِيْكَنْدِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ' قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ' فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ' ثُمَّ يَقُوْلُ اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن سلام بیکندی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اعمال میں سے ہم کو کسی عمل کا حکم دیتے تو اس عمل کا دیتے' جس کی ہم کو طاقت ہو' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ کی شخصیت کی طرح نہیں ہیں' بے شک اللہ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو معاف فرما دیا ہے (یہ سن کر) آپ غضب ناک ہوئے' حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے غضب کے آثار ظاہر ہوئے' پھر آپ نے فرمایا: بے شک تم سب سے

زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا
میں ہوں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوعبد اللہ محمد بن سلام بن الفرج السلمی' انہوں نے ابن عیینہ اور ابن المبارک اور دیگر اعلام سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے امام بخاری اور دیگر ائمہ نے سماع کیا ہے' یہ ۲۲۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) ابومحمد عبدہ بن سلیمان بن حاجب الکوفی' امام احمد نے کہا: یہ ثقہ اور صالح ہیں' العجلی نے یہ کہا: یہ صاحب قرآن ہیں' یہ کوفہ میں رجب ۱۸۸ھ میں فوت ہوئے (۳) ہشام بن عروہ (۴) ہشام کے والد عروہ بن عوام رضی اللہ عنہ (۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۶)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم اور تقویٰ کے سب سے زیادہ ہونے کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو ان کاموں کا حکم دیتے تھے' جن کی ان کو طاقت ہو' اور آپ کے اصحاب کو عبادت کرنے کی شدید حرص تھی' وہ یہ سمجھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ مشقت والی عبادات کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کی مغفرت کا اعلان ہو چکا ہے اور چونکہ ان کی مغفرت کی ضمانت نہیں دی گئی' اس لیے ان کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر ناراض ہوئے اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اور سب سے زیادہ اس کا علم رکھنے والے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والے ہیں' اس کی دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ آپ کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اسماء' اس کی صفات' اس کے افعال اور اس کے احکام کی تفصیل کا علم ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے' وہ عین الیقین ہے کیونکہ آپ نے اللہ کو دیکھا ہے' بصر کی آنکھ سے یا بصیرت کی آنکھ سے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور صحابہ کو جو علم تھا' وہ علم الیقین تھا اور عین الیقین علم الیقین سے قوی ہوتا ہے۔

باب کی حدیث کی موید دیگر احادیث

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی ایسا کام کیا جس میں رخصت تھی تو کچھ لوگوں نے اس کام سے برات کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمد کے بعد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے' جو اس کام سے بے زار ہوتے ہیں' جس کو میں کرتا ہوں' پس اللہ کی قسم! میں ان سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۱۰۱ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۰۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: میں صبح کو حالت جنابت میں اٹھتا ہوں اور میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی صبح کو حالت جنابت میں اٹھتا ہوں اور میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں' پھر میں غسل کر کے روزہ رکھ لیتا ہوں' اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک آپ ہماری مثل نہیں ہیں' آپ کے تو تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف کر دیئے گئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب ناک ہو گئے' اور آپ نے فرمایا: بے شک مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ ان چیزوں کا علم رکھنے والا ہوں' جن سے بچنا چاہیے۔
(صحیح مسلم: ۱۱۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا' جب انہیں آپ کی عبادت کے متعلق خبر دی گئی تو انہوں نے اس کو کم گمان کیا اور انہوں نے کہا: کہاں ہم

اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو معاف فرما دیا ہے' ان میں سے کسی ایک نے کہا: بہر حال میں تو ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں گا' دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزے رکھتا رہوں گا اور ترک نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور فرمایا: تم لوگوں نے فلاں فلاں بات کہی ہے' سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں' لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور روزے ترک بھی کرتا ہوں' اور میں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں' سو جو شخص میری سنت کو (کم سمجھ کر) اعراض کرے گا' وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری:۵۰۶۳' صحیح مسلم:۱۴۰۱' سنن نسائی:۳۲۱۶)

١٤ - بَابٌ مَنْ كَرِهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ مِنَ الْاِيْمَان

جس نے کفر میں لوٹنے کو اس طرح ناپسند کیا' جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے' سو یہ بھی امورِ ایمان سے ہے

٢١- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ، وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ، بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ، كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں' وہ ایمان کی مٹھاس کو پا لے گا: (۱) جس شخص کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول اس کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (۲) جو شخص کسی بندہ سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے (۳) جس شخص کو اللہ نے کفر سے نجات دی ہو' وہ اس کے بعد کفر میں لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرتا ہو' جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج اور اس کی شرح' حدیث:۱۶ میں بیان کی جا چکی ہے۔

١٥ - بَابُ تَفَاضُلِ اَهْلِ الْاِيْمَانِ فِي الْاَعْمَالِ

اعمال کے سبب سے اہل ایمان کی ایک دوسرے پر فضیلت

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں ایمان کی تین خصلتیں بیان کی گئی تھیں اور اس باب میں مومنین کی ایک دوسرے پر فضیلت کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ ان تین خصلتوں کے حصول میں مومنین ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور جس میں یہ خصلتیں زیادہ ہوں گی' اس کا ایمان دوسرے سے افضل ہوگا۔

٢٢- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے از عمرو بن یحییٰ المازنی از والد خود از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی

وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ' ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ. فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا' فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَاءِ' اَوِ الْحَيَاةِ. شَكَّ مَالِكٌ. فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ' اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً؟

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' جو جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے' پھر ان کو حیاء یا حیات کے دریا میں ڈال دیا جائے گا (اس لفظ میں امام مالک کو شک ہے) پھر وہ اس طرح تروتازہ ہو جائیں گے' جس طرح سیلاب کے کنارے مٹی میں بیج اگتا ہے' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ بیج زرد رنگ میں مڑا ہوا نکلتا ہے؟

قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو اَلْحَيَاةِ' وَقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ. [اطراف الحدیث: ۶۵۶۰]

وہیب نے کہا: عمرو کی حدیث میں حیات کا لفظ ہے اور کہا: رائی کے دانے کے برابر خیر ہو۔

(صحیح مسلم: ۱۸۴' مسند ابو یعلیٰ: ۱۲۱۹' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۸۵' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۱' شعب الایمان: ۳۱۶' السنۃ لابن ابی عاصم: ۸۴۲' الشریعۃ للآجری ص ۳۴۴' شرح السنۃ: ۴۳۶۳' مسند احمد ج ۳ ص ۵۶ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۱۵۳۳' ج ۱۸ ص ۹۱-۹۲)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور ایک شدید ضعیف راوی سے روایت کرنے کی وجہ سے امام بخاری پر تنقید

(۱) اسماعیل بن عبد اللہ الاصبحی' یہ امام مالک کے بھانجے تھے' انہوں نے اپنے ماموں' اپنے والد اور اپنے بھائی سے سماع کیا ہے' نیز انہوں نے عبد المجید' ابراہیم بن سعد' سلیمان بن بلال اور دوسروں سے سماع کیا ہے' اور ان سے امام دارمی' امام بخاری' امام مسلم وغیرہم نے سماع کیا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ سچا اور غافل ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ اور ان کے والد دونوں ضعیف ہیں' اور انہوں نے کہا: یہ دونوں حدیث کا سرقہ کرتے تھے' اور انہوں نے کہا: اسماعیل بہت سچا ہے' مگر ضعیف العقل ہے' نیز یحییٰ بن معین نے کہا: یہ حدیث کو ادا کرنے کے طریقہ سے واقف نہیں' یہ دوسروں کی کتاب پڑھتا ہے' یہ خلط ملط کرتا ہے' جھوٹ بولتا ہے اور کچھ بھی نہیں یہ دو پیسوں کے برابر ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا: اس کی روایت میں حرج نہیں' امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے' امام نسائی نے اس پر بہت جرح کی ہے' جس کا تقاضا ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے' اور ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے' الدارقطنی نے کہا: میں اس کو صحیح حدیث میں اختیار نہیں کرتا' ابن عدی نے کہا: انہوں نے اپنے ماموں سے ایسی غریب احادیث روایت کی ہیں' جن کا کوئی متابع نہیں ہے' حاکم نے کہا: امام بخاری اور امام مسلم پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس کی حدیث روایت کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے' یہ رجب ۲۲۶ھ یا ۲۲۷ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) امام مالک بن انس' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عمرو بن یحییٰ بن عمارہ الانصاری المازنی المدنی' یہ اپنے والد اور دوسرے تابعین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یحییٰ بن سعید انصاری اور دیگر تابعین روایت کرتے ہیں' ابوحاتم اور امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے' یہ ۱۴۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) ابو یحییٰ بن عثمان الانصاری المازنی المدنی' انہوں نے حضرت ابوسعید اور حضرت عبد اللہ بن زید سے سماع کیا ہے اور ان سے ان کے بیٹے اور زہری وغیرہ نے سماع کیا ہے (۵) حضرت ابوسعید سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۷۲-۲۷۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کو عبد اللہ بن وہب اور معن بن عیسیٰ نے بھی امام مالک سے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث مؤطا امام مالک میں نہیں ہے الدارقطنی نے کہا: یہ حدیث غریب صحیح ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۴۳ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ جس میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ کی آگ سے نکل آئے گا اور اس میں لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''مثقال حبة'' کالفظ ہے ''مثقال'' کا معنی ہے: میزان یعنی دانہ کے وزن کے برابر اور ''خردل'' کالفظ ہے اس کا معنی ہے: رائی جو سرسوں کی مثل ہے اس سے مراد ہے: بہت کم مقدار کی چیز یعنی جس کے دل میں بہت کم ایمان ہوگا وہ بھی جنت میں داخل ہوگا اور اس حدیث میں ''الحِبة'' کالفظ ہے اس کا معنی ہے: سرسبز گھاس کا بیج یا صحرائی بیج یہ دریا کے کنارے از خود اگتا ہے اور ''حَبّة'' کا معنی ہے: گندم یا جو کا دانہ اور اس میں ''نهر الحياة'' کے الفاظ ہیں اس کا معنی ہے: آب حیات کا دریا اور ''نهر الحياء'' کے الفاظ ہیں ''الحياء'' کا معنی ہے: بارش جس سے حیات کا حصول ہوتا ہے اور ''صفراء'' کالفظ ہے اس کا معنی ہے: زرد یا پیلا اور ''ملتوية'' کالفظ ہے اس کا معنی ہے: مڑا ہوا بیچ در بیچ۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۰۲-۲۰۳)

حدیث مذکور کی مؤید دیگر احادیث

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہر حال اہل دوزخ وہ ہیں جو دوزخ کے اہل ہیں وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے لیکن جن لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے ان کو آگ جلائے گی پس اللہ ان پر موت طاری کردے گا جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو شفاعت کی اجازت دی جائے گی حتیٰ کہ ان کو گروہ در گروہ لایا جائے گا پھر کہا جائے گا: اے جنت والو! ان پر پانی ڈالو پھر وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح سبزہ کا بیج سیلاب کی مٹی اور کوڑے میں اگتا ہے پھر مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: لگتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گاؤں میں رہے ہوں۔ (صحیح مسلم: ۱۸۵ سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۹)

اس حدیث میں جوان پر موت طاری کرنے کا فرمایا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ ان کے حواس ماؤف کردیئے جائیں گے حتیٰ کہ انہیں جل کر کوئلہ ہونے کا شعور نہیں ہوگا جیسے کسی انسان کو بے ہوش کر کے اس کی سرجری کی جاتی ہے تو اس کو درد کا ادراک نہیں ہوتا علامہ نووی نے بھی اس حدیث کا ایک یہی محمل بیان کیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۱۰۲۶ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اہل جنت کا سب سے کم حصہ وہ لوگ ہوں گے جن کو اللہ دوزخ سے نکال لے گا رب عزوجل ان سے اس لیے خوش ہوگا کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہوگا ان کو ایک میدان میں رکھا جائے گا وہ اس میں اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے حتیٰ کہ جب ان کی روحیں ان کے جسموں میں داخل ہوں گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نکال لیا اور ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں داخل کر دیا اب ہمارے چہروں کو بھی آگ سے پھیر دے پھر ان کے چہروں کو بھی آگ سے پھیر دیا جائے گا۔

(مسند البزار (کشف الاستار): ۳۵۵۴)

حدیث مذکور کے مسائل

(۱) اس حدیث میں مرجئہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے' کیونکہ مرجئہ کہتے ہیں کہ مومن صاحب کبیرہ کو عذاب نہیں ہوگا اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ اس کو عذاب دیا جائے گا' حتیٰ کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائے گا۔

(۲) اس حدیث میں خوارج اور معتزلہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مومن صاحب کبیرہ کو دائمی عذاب ہوگا اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال کامل ایمان میں داخل ہیں نہ کہ نفس ایمان میں اور جس نے جتنا زیادہ عمل کیا ہوگا' اس کی کم عمل کرنے والے پر اتنی ہی فضیلت ہوگی۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۶۵ ۔ ج ۱ ص ۷۹۶ ۔ ۷۹۵ میں بھی مذکور ہے' لیکن وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۲۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ، وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهُ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الدِّيْنَ.

[اطراف الحدیث: ۳۶۹۱ ۔ ۷۰۰۸ ۔ ۷۰۰۹]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبید اللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے از صالح از ابن شہاب از ابوامامہ بن سہل' یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا' تو میں نے (خواب میں) دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور سب پر قمیصیں ہیں' بعض کی قمیصیں پستانوں تک ہیں اور بعض کی اس سے کم ہیں اور میرے سامنے عمر بن الخطاب پیش کیے گئے' اور ان پر ایسی قمیص تھی' جس کو وہ گھسیٹ رہے تھے' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: دین۔

(صحیح مسلم: ۲۳۹۰ 'سنن ترمذی: ۲۲۸۶ 'سنن نسائی: ۵۰۲۶ 'السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۱۲۱ 'مسند ابویعلیٰ: ۱۲۹۰ 'شرح السنۃ: ۳۲۹۴ 'صحیح ابن حبان: ۶۸۹۰ 'مسند احمد ج ۳ ص ۸۶ طبع قدیم 'مسند احمد: ۱۱۸۱۴ ۔ ج ۱۸ ص ۳۳۳)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن عبید اللہ بن محمد بن زید القرشی الاموی' انہوں نے بہت بڑے محدثین سے سماع کیا ہے' اور ان سے امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ نے سماع کیا ہے' ابوحاتم نے کہا: یہ بہت سچے تھے (۲) ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف' انہوں نے اپنے والد' زہری اور ہشام بن عروہ وغیرہم سے سماع کیا ہے اور ان سے شعبہ' عبدالرحمان بن مہدی اور بہت لوگوں نے سماع کیا ہے۔ امام احمد' یحییٰ' ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ان کو ثقہ کہا ہے' ابوزرعہ نے کہا: یہ بہت احادیث روایت کرتے ہیں اور بعض اوقات خطاء کرتے ہیں۔ یہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۱۸۳ھ میں فوت ہو گئے (۳) صالح بن کیسان ابومحمد الغفاری المدنی التابعی ہیں' انہوں نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے' پھر زہری سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۹۰ سال کی عمر میں تحصیل علم کی ابتداء کی اور ۱۶۰ھ میں فوت ہو گئے (۴) ابن شہاب محمد بن مسلم زہری ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) ابوامامہ اسعد بن سہل بن حنیف' ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے' انہوں نے بہت صحابہ سے روایت کی ہے' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے

یہ ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے' اس وقت ان کی عمر ۹۰ سال سے زیادہ تھی (۶) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۷۷)

حدیث مذکور کے مباحث اور مسائل

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ تمام صحابہ میں حضرت عمر کی قمیص لمبی تھی' اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عمر کی قمیص حضرت ابوبکر سے بھی لمبی تھی' سو ان کا دین بھی حضرت ابوبکر سے زائد ہوا' اور اس سے حضرت عمر کی حضرت ابوبکر پر فضیلت لازم آتی ہے' علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث سے معارض ہے' جن میں حضرت ابوبکر کی افضلیت بیان کی گئی ہے' علاوہ ازیں حضرت ابوبکر کی افضلیت پر اجماع ہے اور وہ دلیل قطعی ہے اور یہ حدیث دلیل ظنی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۸۰)

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر کی قمیص کے لمبی ہونے سے یہ لازم آئے گا کہ ان کے نیک اعمال حضرت ابوبکر سے زیادہ ہیں' لیکن فضیلت میں کمیت اور مقدار کا لحاظ نہیں ہوتا' کیفیت کا اعتبار ہوتا ہے' مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرضیت حج کے بعد ایک بار حج کیا ہے اور کسی شخص نے پچاس حج کیے ہوں تو کیا وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہو جائے گا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کی تو ایک نیکی عمر کی تمام نیکیوں سے افضل ہے۔ (مشکوٰۃ: ۶۰۶۸)

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں:

(۱) اعمال کے اعتبار سے ایمان والے ایک دوسرے سے افضل ہوتے ہیں (۲) اس حدیث میں حضرت عمر کی فضیلت پر دلیل ہے (۳) خواب کی تعبیر عالم سے معلوم کرنی چاہیے (۴) عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی لائق اور فاضل شاگرد کی تحسین کرے تاکہ لوگ اس کی فضیلت پر مطلع ہوں اور اس جیسا بننے کی کوشش کریں۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۰۶۷۔ ج ۶ ص ۹۰۸۔ ۹۰۷ پر مذکور ہے' لیکن وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۶- بَابُ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ

حیاء امور ایمان سے ہے

۲۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ' عَنِ ابْنِ شِهَابٍ' عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ' عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ' فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ. [طرف الحدیث: ۶۱۱۸]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں کہا: ہمیں امام مالک بن انس نے از ابن شہاب از سالم بن عبد اللہ از والد خود یہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے ایک شخص کے پاس سے گزرے تو وہ اپنے بھائی کو حیاء کے متعلق نصیحت کر رہا تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان سے ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۶' سنن ابوداؤد: ۴۷۹۵' سنن نسائی: ۵۰۴۸' سنن ترمذی: ۲۶۱۵' سنن ابن ماجہ: ۵۸' مسند الحمیدی: ۶۲۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۲۲' مسند ابویعلیٰ: ۵۴۲۴' الادب المفرد: ۶۰۲' شرح السنۃ: ۳۵۹۴' مسند احمد ج ۲ ص ۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۴۵۵۴۔ ج ۸ ص ۱۵۹)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبد اللہ بن یوسف (۲) امام مالک بن انس (۳) محمد بن مسلم بن شہاب زہری' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) سالم بن عبد اللہ بن عمر القرشی العدوی' یہ جلیل القدر تابعی ہیں' امام مالک نے کہا: سالم کے زمانہ میں صالحین میں سے کوئی شخص ان کے مشابہ

نہیں تھا' ابن راھویہ نے کہا: سب سے زیادہ صحیح سند یہ ہے: زہری از سالم از عبداللہ بن عمر۔ یہ ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے' حضرت عبداللہ بن عمر سے ان کے چار بیٹوں نے احادیث روایت کی ہیں: سالم' عبداللہ' حمزہ اور بلال (۵) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱ ص۲۸۱)

حیاء کی دو قسمیں

حیاء کی ایک قسم جبلی اور فطری حیاء ہے' یہ انسان کا وہ وصف ہے جو اس کو قبیح اور رذیل کاموں سے روکتا ہے اور اس کو نیک کاموں پر ابھارتا ہے۔

حیاء کی دوسری قسم کسبی ہے' جس کو انسان اپنے اختیار اور ارادہ سے حاصل کرتا ہے' جیسے بندہ کا اس سے حیاء کرنا کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو ترک کر دے' اس کو شرعی حیا بھی کہتے ہیں۔ اس کی یہ تعریف بھی ہے کہ جو کام شرعاً ممنوع ہو' اس کے کرنے سے انسان کے اندر انقباض اور گھٹن کی کیفیت پیدا ہو۔

زیر بحث حدیث میں وہ شخص اپنے بھائی کو مطلقاً حیاء کرنے سے منع کر رہا تھا' حالانکہ جائز اور مشروع کاموں کو حیاء کی وجہ سے ترک کرنا مذموم ہے' لیکن حرام اور مکروہ کاموں کو حیاء کی وجہ سے ترک کرنا محمود اور مستحسن ہے' اس لیے اس شخص کا اپنے بھائی کو مطلقاً حیاء کرنے سے منع کرنا صحیح نہ تھا' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' کیونکہ حیاء بھی امور ایمان میں سے ہے۔

حیاء کے متعلق دیگر احادیث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم سر کی حفاظت کرو اور سر جن چیزوں کو محیط ہے' ان کی حفاظت کرو' اور پیٹ کی حفاظت کرو اور پیٹ جن کو جامع ہے' ان کی حفاظت کرو' اور تم موت کو اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو یاد کرو' اور جو آخرت کو یاد کرتا ہے' وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے' جس نے یہ کر لیا' اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسی حیاء کی' جیسی حیا کرنے کا حق ہے۔ (مسند احمد ج۱ ص۳۸۷' سنن ترمذی: ۲۴۵۷' مسند البزار: ۲۰۲۵' المستدرک ج۴ ص۳۲۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حیاء سے خیر ہی خیر حاصل ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۱۱۷' صحیح مسلم: ۳۷)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے جو نبوت کا ابتدائی کلام پایا' وہ یہ ہے کہ جب تم میں حیاء نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ (صحیح البخاری: ۶۱۲۰)

۱۷ - بَابٌ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ (التوبہ: ۵)

پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو (التوبہ: ۵)

۲۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ رَوْحٍ حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد المسندی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابو روح الحرمی بن عمارہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے از واقد بن محمد حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا' وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ

وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ ' وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ' وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ ' وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' پس جب وہ یہ کام کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے' سوا اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۲' سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۸' سنن نسائی: ۳۴۴۳' مسند ابو یعلیٰ: ۲۲۸۲' سنن بیہقی ج ۳ ص ۹۲' المعجم الکبیر: ۱۷۴۰۶' المعجم الاوسط: ۴۲۹۸' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۲' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۳۱۵' مصنف عبد الرزاق: ۱۰۰۲۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۴۱۴۱۔ ج ۲۲ ص ۴۰۶' مسند احمد میں یہ حدیث حضرت جابر سے مروی ہے۔)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن جعفر المسندی' ان کا تعارف گزر چکا ہے (۲) ابوروح الحرمی بن عمارہ' انہوں نے شعبہ وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے عبید اللہ بن عمر القواریری نے سنا ہے' ان سے امام ترمذی کے علاوہ باقی ائمہ ستہ نے احادیث روایت کی ہیں' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ بہت صادق ہیں' ۲۰۱ھ میں ان کی وفات ہوگئی (۳) شعبہ بن الحجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) واقد بن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر' انہوں نے اپنے والد محمد بن زبیر سے روایت کی ہے' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۵) محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر' امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ نے ان کی توثیق کی ہے اور ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۶) حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۶)

تارکِ نماز کو قتل کرنے یا قتل نہ کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ترجیح

اس حدیث کو روایت کرنے سے امام بخاری کا مقصد مرجئہ کا رد کرنا ہے' جو کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوتا۔

امام شافعی کے نزدیک جو شخص نماز کا تارک ہو' اس کو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی' امام احمد سے اکثر روایات یہ ہیں کہ تارک نماز کافر ہے اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور اس کا حکم مرتد کا ہے' اس کو نہ غسل دیا جائے گا' نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی' اور امام ابوحنیفہ اور مزنی نے یہ کہا ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے گا' حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' امام شافعی اور امام احمد پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے تارک نماز کے قتل پر استدلال کیا ہے' لیکن وہ تارک زکوٰۃ کے قتل کا حکم نہیں دیتے' حالانکہ حدیث میں ان دونوں سے قتال کا ذکر ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ مانع زکوٰۃ سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور زکوٰۃ کو ترک کرنے پر اس کو تعزیر دی جائے گی۔

فقہاء احناف کی طرف سے التوبہ: ۵ اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس آیت اور حدیث میں نماز اور زکوٰۃ کے تارک اور مانع سے قتال کا حکم دیا ہے' ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور قتال کا معنی ہے: ایک دوسرے کو قتل کرنا اور ایک دوسرے سے جنگ کرنا' اور جو شخص زکوٰۃ نہیں دے گا تو اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اگر وہ جنگ پر آمادہ ہو تو اس سے جنگ کی جائے گی' اس وجہ سے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی' اور یہ منقول نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر نے ان کو پکڑ کر قتل کر دیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ا ص ۲۹۰)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ جو تارک نماز کو قتل کرنے سے منع کرتے ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت امامہ بن سہل رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ کے ساتھ تھے اور وہ اپنے گھر میں محصور تھے' حضرت عثمان رضی اللہ ہمارے پاس آئے' اس وقت ان کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا' انہوں نے کہا: ان محاصرہ کرنے والوں نے ابھی مجھے قتل کرنے کی دھمکی دی ہے' ہم نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے لیے اللہ کافی ہے' انہوں نے کہا: یہ مجھے کیوں قتل کر رہے ہیں' حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی مسلمان کا خون بہانا صرف تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے حلال ہوتا ہے' کوئی شخص اسلام کے بعد کفر کرے' یا شادی شدہ شخص زنا کرے' یا کوئی شخص دوسرے شخص کو ناحق قتل کرے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۵۰۲' سنن ترمذی: ۲۱۵۸' سنن نسائی: ۴۰۳۱' سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۳)

تارک نماز کے متعلق امام شافعی' امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا مسلک ذکر کر دیا گیا' رہا امام مالک کا مسلک تو اس کے متعلق علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی اور اس نے نماز پڑھنے سے انکار کیا' اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (الی قولہ) ہمارے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ تارک نماز کو کس وقت قتل کیا جائے گا' بعض نے کہا: اس کو وقت مختار کے آخر میں قتل کیا جائے گا' اور بعض نے کہا: اس کو وقت ضرورت کے آخر میں قتل کیا جائے گا یعنی جب عصر کے وقت میں سے صرف چار رکعت نماز پڑھنے کا وقت رہ جائے اور سورج غروب ہو جائے اور اس نے عصر نہ پڑھی ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور یہی صحیح قول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۱۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اسلام میں ظاہر کے مطابق حکم دیا جائے گا اور باطن کو نہیں کھنگالا جائے گا

اس حدیث میں فرمایا ہے: سوا اسلام کے حق کے' یعنی ان کی جان اور ان کے مال سے تعرض نہیں کیا جائے گا' ہاں! اگر انہوں نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو یا کسی کے اعضاء ناحق کاٹے ہوں تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا کسی کی چوری کی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور چوری شدہ مال واپس لیا جائے گا یا کسی کا مال غصب کیا ہے تو اس سے وہ مال وصول کیا جائے گا۔

نیز اس حدیث میں فرمایا: اور ان کا حساب اللہ پر ہے یعنی اگر دلائل شرعیہ سے ثابت ہو گیا کہ انہوں نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے یا کسی کا مال غصب کیا ہے تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی' لیکن اگر دلائل شرعیہ سے یہ ثابت نہ ہو سکا اور واقع میں اس نے کسی کی جان اور مال پر ناحق زیادتی کی ہو تو اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ ہم تو صرف ظاہر پر حکم کرتے اور باطن کا معاملہ تو صرف اللہ جانتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیری کے پتوں سے رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں سونے کی چند ڈلیاں بھیجیں' جن سے (کان کی) مٹی ہنوز صاف نہیں کی گئی تھی' آپ نے وہ سونا چار افراد میں تقسیم کر دیا' عیینہ بن بدر' اقرع بن حابس' زید بن خیل اور چوتھے علقمہ تھے یا عامر بن الطفیل' آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا: ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ کو امین نہیں قرار دیتے' حالانکہ میں آسمانوں میں امین ہوں اور صبح' شام میرے پاس آسمانوں سے خبر آتی ہے' پھر ایک شخص کھڑا ہوا' جس کی

آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں' رخسار اُبھرے ہوئے تھے اور پیشانی اٹھی ہوئی تھی' ڈاڑھی گھنی تھی اور سر منڈا ہوا تھا' وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! اللہ سے ڈریں' آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے' کیا میں روئے زمین پر سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے کا مستحق نہیں ہوں' پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا' حضرت خالد بن ولید نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں اس شخص کی گردن نہ اڑا دوں' آپ نے فرمایا: نہیں' ہو سکتا ہے کہ یہ نماز پڑھتا ہو' حضرت خالد نے کہا: کتنے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جن کے دل میں وہ بات نہیں ہوتی جس کو وہ زبان سے کہتے ہیں (جیسے منافقین)' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھوں اور نہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے پیٹ چاک کر دوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا تو وہ پیٹھ موڑے کھڑا تھا' آپ نے فرمایا: اس کی نسل سے ایک ایسی قوم نکلے گی' جس کا منہ کتاب اللہ کی تلاوت سے تر رہے گا' لیکن وہ اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے اور میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر میں نے ان کو پایا تو میں ان کو اس طرح قتل کروں گا' جس طرح ثمود کو قتل کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری:۴۳۵۱' صحیح مسلم:۱۰۶۴' سنن ابوداؤد:۴۷۶۴' سنن نسائی:۲۵۷۸)

* اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ باطن کی تفتیش کا حکم نہیں دیا' صرف ظاہر کے اعتبار سے حکم دینے کا مکلف کیا گیا ہے' اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کے لیے مطالعہ کریں' تبیان القرآن ج ۵ ص ۸۲۹' التوبہ:۷۳ اور ص ۱۹۷' یوسف:۷۶' فرید بک سٹال' لاہور۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم:۳۲۔ ج۱ ص ۳۸۷ پر ہے' وہاں اس کی زیادہ شرح کی گئی ہے اور اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

① حضرت ابوبکر کے عہد میں مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کا بیان ② مانعین زکوٰۃ کا شبہ ③ مانعین زکوٰۃ کو مرتدین میں شمار کرنے کی توجیہ اور ان کے شبہ کا جواب ④ قرآن مجید کے خطاب کرنے کی اقسام ⑤ ضروریات دین کا انکار کفر ہے ⑥ حدیث مذکور کی تفصیل میں دیگر احادیث ⑦ باب مذکور کی حدیث سے استنباط شدہ دیگر مسائل۔

۱۸ - بَابٌ مَنْ قَالَ إِنَّ الْإِيْمَانَ هُوَ الْعَمَلُ

جس شخص نے یہ کہا کہ عمل ہی ایمان ہے

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الزخرف:۷۲) وَقَالَ عِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ، عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الحجر:۹۳۔۹۲) عَنْ قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. وَقَالَ ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾ (الصافات:٦١).

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یہ وہ جنت ہے جس کا تم کو وارث بنایا گیا ہے' ان اعمال کے سبب سے جو تم کرتے تھے O" (الزخرف:۷۲) متعدد اہل علم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: "پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سے ضرور سوال کریں گے O کہ وہ کیا عمل کرتے تھے O" (الحجر:۹۳۔۹۲) یعنی یہ سوال لا الٰہ الا اللہ کے متعلق ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی کی مثل کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O (الصافات:۶۱)۔

عنوان باب کی وضاحت اور امام بخاری کی ذکر کردہ آیات کی تفسیر

پہلے باب سے بھی امام بخاری کا مقصد مرجئہ کا رد کرنا تھا اور اس باب سے بھی امام بخاری کا مقصد مرجئہ کا رد کرنا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ عمل نہ کرنے سے اہل ایمان کو ضرر نہیں ہوگا اور ان آیتوں میں عمل ہی کو ایمان فرمایا گیا ہے اور احناف کے نزدیک اس جگہ ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں۔

امام بخاری نے جس پہلی آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل ہی ایمان ہے' اس میں مذکور ہے: یہ وہ جنت ہے' جس کا تم کو

وارث بنایا گیا ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ وراثت کا معنی ہے: موت کے بعد مال ورثاء کے لیے چھوڑ جانا' پس اللہ تعالیٰ کسی کو وارث کیسے بنائے گا' اس پر تو موت کا آنا محال ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وراثت کا حقیقی معنی یہی ہے لیکن یہاں بہ طور استعارہ مجاز مراد ہے یعنی جس طرح وارثوں کو مورث بغیر کسی عوض کے مال عطا کرتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو بغیر کسی عوض کے جنت عطا کرتا ہے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مورث سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں ہے بلکہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافر کے لیے جو جنت بنائی تھی' وہ چونکہ ایمان نہیں لایا' اس لیے وہ اس جنت کو مؤمنوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے' جس طرح مورث اپنے مال کو وارثوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ان اعمال کے سبب سے جو تم کرتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں دخول کا سبب اعمال ہیں' حالانکہ حدیث میں ہے: کوئی شخص جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے داخل نہیں ہوگا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۱۶' الرقم المسلسل: ۶۹۸۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول کے دو سبب ہیں' ظاہری سبب تو اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے' اس آیت میں ظاہری سبب کا ذکر فرمایا ہے اور حدیث میں حقیقی سبب کا ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاری کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے: پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ○ کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کے معارض یہ آیت ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ○ (الرحمٰن: ۳۹) پس اس دن کسی انسان کے گناہ سے سوال کیا جائے گا اور نہ کسی جن کے ○

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا؟ بلکہ یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے کیوں کیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن کئی احوال ہوں گے' بعض احوال میں سوال نہیں کیا جائے گا اور بعض اوقات میں سوال کیا جائے گا۔

امام بخاری کا تیسرا استدلال اس آیت سے ہے: اس کی مثل کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

اس پر یہ سوال ہے کہ اس کی مثل سے کس چیز کی مثل مراد ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے ''**الفوز العظیم**'' کا ذکر ہے' یعنی بہت بڑی کامیابی اور وہ دوزخ سے نجات اور جنت میں دخول ہے' تو اس کی مثل کے حصول کے لیے عمل کرنا چاہیے یعنی ایمان لانا چاہیے اور اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

٢٦- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ وَ مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ' عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ' عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں احمد بن یونس اور موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' ان دونوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے از سعید بن مسیب' از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ.
[طرف الحدیث:١٥١٩]

فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کے رسول پر، کہا گیا: پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کہا گیا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: حج مبرور۔

(صحیح مسلم: ٨٣، سنن نسائی: ٥٠٠٠، صحیح ابن حبان: ٤٥٩٥، المعجم الکبیر: ٣٦٩، ج ١٣، المعجم الاوسط: ٨٨٩١، حلیۃ الاولیاء ج ٣ ص ٠٠ ٤، سنن سعید ابن منصور: ٢٣٣٨، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ٣٩٠، مسند احمد ج ٥ ص ١٥٤ طبع قدیم، مسند احمد: ٢٣٧٨٣، ج ٥ ص ١٥٤، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف، خصوصاً مشہور تابعی سعید بن المسیب کا تذکرہ

(١) احمد بن عبد اللہ بن یونس الیربوعی التمیمی، ان کے باپ عبد اللہ ہیں، لیکن ان کی شہرت اپنے دادا کی طرف نسبت سے ہے، انہوں نے امام مالک، ابن ابی ذئب، لیث اور بہت سے محدثین سے سماع کیا ہے اور ان سے ابوزرعہ، ابوحاتم، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے سماع کیا ہے، ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ اور متقن تھے، امام احمد نے ان کو شیخ الاسلام کہا، یہ ربیع الآخر ٢٢٧ھ میں فوت ہو گئے، اس وقت ان کی عمر ٩٤ سال تھی (٢) موسیٰ بن اسماعیل المنقری، ان کا تعارف ہو چکا ہے (٣) ابراہیم بن سعد، ان کا تعارف ہو چکا ہے (٤) ابن شہاب زہری، ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (٥) سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب القرشی المخزومی المدنی، یہ امام التابعین اور فقیہ الفقہاء تھے، ان کے باپ اور دادا دونوں صحابی تھے، فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے، حضرت عمر کی خلافت کے دو سال بعد یہ پیدا ہوئے، انہوں نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا، یہ حضرت ابوہریرہ کے داماد تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ احادیث کے عالم تھے، ان سے بہت تابعین نے احادیث کا سماع کیا ہے، ان کی امانت اور جلالت پر اتفاق ہے، یہ علم اور تقویٰ میں اپنے معاصرین پر مقدم تھے، ابن المدینی نے کہا: یہ تابعین میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، امام احمد نے کہا: یہ افضل التابعین تھے، لیکن صحیح مسلم میں ہے کہ خیر التابعین اویس قرنی ہیں، احمد بن عبد اللہ نے کہا: یہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے، یہ کانے تھے، ابن قتیبہ نے کہا: ان کے دادا حزن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: تم سہل ہو، انہوں نے کہا: نہیں، میں حزن (سخت اور رنج والا) ہوں، یہ تین دفعہ مکالمہ ہوا، سعید نے کہا: ہم ہمیشہ اس سختی اور رنج کو پہنچتے رہے، ان کی اولاد بد خلق تھی، انہوں نے چالیس حج کیے اور وظیفہ نہیں لیا، ان کے پاس چار سو دینار کا سرمایہ تھا، جس سے یہ زیتون کے تیل کی تجارت کرتے تھے، جابر بن اسود مدینہ کے حاکم تھے، انہوں نے ان کو حضرت ابن الزبیر کی بیعت کے لیے بلایا، انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو ساٹھ کوڑے مارے اور مدینہ میں گشت کرایا، ایک قول یہ ہے کہ جب انہوں نے ولید کی بیعت سے انکار کیا تو اس نے ان کو کوڑے مارے اور قید کیا، یہ ٩٣ھ میں الولید بن عبد الملک کی خلافت میں مدینہ میں فوت ہوئے، اس سال بہ کثرت فقہاء فوت ہوئے تھے، اسی وجہ سے اس سال کو سنۃ الفقہاء کہا جاتا ہے (٦) حضرت ابوہریرہ عبد الرحمن بن صخر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ١ ص ٢٩٨-٢٩٩)

حدیث مذکور کے الفاظ کے لغوی اور شرعی معانی

اس حدیث میں "افضل" کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے: جس عبادت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ثواب ہو، اور "جہاد" کا لفظ ہے، اس کا لغوی معنی مشقت ہے اور اس کا شرعی معنی ہے: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے قتال کرنا، تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کفار اسلامی ملک پر حملہ کریں تو ان سے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہے، اور اس میں "حج مبرور" کا لفظ ہے، حج کا لغوی معنی ہے: قصد کرنا اور شرعی معنی ہے: بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا، اس میں دو فرض ہیں: وقوف عرفات اور طواف

زیارت' حج کرنا زندگی میں ایک بار فرض ہے'اس کی شرط یہ ہے کہ مسلمان کے پاس اتنی رقم ہو'جس سے مکہ مکرمہ تک آنے جانے کا سفر ہو سکے اور اتنے عرصہ کے لیے اس کا اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کا خرچ ہو اور وہ صحت مند ہو' مبرور وہ حج ہے' جس میں حج کرنے والا لوگوں کو کھانا کھلائے اور ان سے اچھی باتیں کرے۔

اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے متعدد عبادات کو افضل عمل فرمایا ہے

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن مسعود کی روایت میں آپ نے فرمایا: افضل اسلام کھانا کھلانا ہے اور ہر شخص کو سلام کرنا ہے' اور حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں ہے: افضل اسلام لوگوں کو اپنی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رکھنا ہے' اور حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے: افضل اسلام اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے' اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ افضلیت مختلف احوال اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے ہے' مثلاً جو شخص جہاد کا اہل ہے' اس کے لیے جہاد کرنا دیگر عبادات سے افضل ہے' اور جس شخص کے والدین بے سہارا ہیں' اگر وہ ان کو چھوڑ کر جہاد کے لیے جائے گا تو اس کے والدین ضائع ہو جائیں گے' اس کے لیے والدین کی خدمت کرنا جہاد سے افضل ہے اور جب کفار کا مسلمانوں کے شہر پر حملہ اور غلبہ ہو تو تمام عبادات سے جہاد کرنا افضل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ جن عبادات کو آپ نے افضل العمل فرمایا ہے' اس سے مراد ہے: یہ افضل اعمال کے قبیل سے ہیں' یعنی لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھنا اور ان کو کھانا کھلانا اور سلام کرنا وغیرہ' یہ سب افضل اعمال ہیں' یہ مطلب نہیں ہے کہ یہی افضل عمل ہیں۔

١٩ - بَابُ اِذَا لَمْ يَكُنِ الْاِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ وَكَانَ عَلَى الْاِسْتِسْلَامِ اَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ

جب اسلام سے اس کا حقیقی معنی مراد نہ ہو' اور ظاہری اطاعت مراد ہو' یا قتل کیے جانے کا خوف مراد ہو

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾. (الحجرات:١٤)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے' آپ کہیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو: ہم نے (ظاہری) اطاعت کی ہے'' (الحجرات:١۴)۔

فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيْقَةِ فَهُوَ عَلٰى قَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:١٩) ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران:٨٥).

پس اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤمنین کا نام دیا اور جب اسلام کا حقیقی معنی مراد ہو تو وہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے'' (آل عمران:١٩) اور یہ آیت: ''جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین پسند کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا'' (آل عمران:٨٥)۔

امام بخاری کی پیش کردہ آیات کی تفسیر

امام بخاری نے جو باب کا عنوان قائم کیا ہے' یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہیں' امام بخاری اور جمہور علماء اسلام کے نزدیک ایمان اور اسلام مترادف ہیں' ہم نے اس پر مفصل بحث حدیث:٨ کی شرح میں کردی ہے' لہٰذا اسلام کا حقیقی معنی دل سے ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا مجازی معنی ظاہری اطاعت کرنا ہے' الحجرات:١۴ کا سبب نزول یہ ہے کہ بنو اسد بن خزیمہ کے دیہاتی قحط کے سال مدینہ میں آئے اور انہوں نے اللہ اور رسول کی شہادت دی' حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں تھے' انہوں نے کہا: ہم مصیبت زدہ ہیں' آپ ہمیں صدقات میں سے مال دیجئے' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کہیے: تم ایمان نہیں لائے البتہ یوں کہو:

ہم نے ظاہری اطاعت کی ہے۔(الوسیط ج ۴ ص ۱۵۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

پھر امام بخاری نے اسلام کے حقیقی معنی کے ثبوت میں یہ آیت پیش کی: '' اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے(آل عمران:۱۹) یعنی اسلام حقیقی دین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ دین اسلام ہی ہے۔

پھر امام بخاری نے آل عمران:۸۵ سے استدلال کیا کہ چونکہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں کیا جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہی حقیقت میں دین ہے۔

۲۷- **حَدَّثَنَا** اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ ، عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ ، فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّي لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا ، فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا . فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّي لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا ، فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا . ثُمَّ غَلَبَنِي مَا اَعْلَمُ مِنْهُ ، فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي ، وَعَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ ، اِنِّي لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يَكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ .

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے از زہری خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے عامر بن سعد بن ابی وقاص نے از حضرت سعد رضی اللہ عنہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو عطا فرمایا اور حضرت سعد بیٹھے ہوئے تھے اور ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا' جو میرے نزدیک بہت پسندیدہ تھا' میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے فلاں شخص کو کیوں نہیں دیا؟ پس اللہ کی قسم! میں اس کو ضرور مومن گمان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: یا مسلمان! میں کچھ دیر خاموش رہا' پھر اس کے متعلق جو مجھے علم تھا' وہ مجھ پر غالب آیا اور میں نے پھر اپنی بات کو دہرایا' پس میں نے کہا: آپ نے فلاں شخص کو کیوں نہیں دیا؟ پس اللہ کی قسم! میں اس کو ضرور مومن گمان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: یا مسلمان' پھر اس کے متعلق جو مجھے علم تھا' وہ مجھ پر غالب آیا اور میں نے اپنی بات کو دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کو دہرایا' پھر آپ نے فرمایا: اے سعد! میں کسی شخص کو عطا کرتا ہوں اور اس کا غیر مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے' اس خوف سے کہ اس کو اللہ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دے گا۔

وَرَوَاهُ يُوْنُسُ ، وَصَالِحٌ وَ مَعْمَرٌ ، وَابْنُ اَخِي الزُّهْرِيِّ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ . [طرف الحدیث:۱۴۷۸]

امام بخاری نے کہا: اور اس حدیث کو یونس اور صالح اور معمر اور زہری کے بھتیجے نے زہری سے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم:۱۵۰' سنن ابوداؤد:۴۶۸۵۔۴۶۸۳' سنن نسائی:۵۰۰۸۔۵۰۰۷)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور خصوصاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) ابوالیمان الحکم بن نافع الحمصی (۲) شعیب بن ابی حمزہ الاموی (۳) محمد بن مسلم الزہری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عامر بن سعد بن ابی وقاص القرشی' انہوں نے اپنے والد' حضرت عثمان' حضرت جابر بن سمرہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے سعید بن مسیب' سعد بن ابراہیم' زہری اور دیگر نے سماع کیا ہے' یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے' یہ ۱۰۴ھ یا ۱۰۳ھ میں

مدینہ میں فوت ہو گئے' ائمہ ستہ ان سے روایت کرتے ہیں (۵) ابواسحاق سعد بن ابی وقاص' ان کا نام مالک بن وہیب القرشی ہے' یہ ان دس صحابہ میں سے ہیں' جن کو جنت کی بشارت دی گئی' اور ان چھ صحابہ میں سے ہیں' جن کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ نے خلافت کے مشورہ کے لیے مقرر کیا تھا' ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچویں پشت کلاب میں مل جاتا ہے' یہ چار شخصوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے' اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی' غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے' یہ مستجاب الدعوات تھے' انہوں نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلایا تھا' اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں خون بہایا تھا' انہیں اسلام کا شہسوار کہا جاتا تھا' یہ مہاجرین اولین میں سے تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے مدینہ میں ہجرت کی تھی' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۷۰ 'احادیث روایت کی ہیں' ۱۵ 'احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' ۵ 'احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ۱۸ 'احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' ان سے ائمہ ستہ نے احادیث روایت کی ہیں' انہوں نے ہی حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ میں ایران کو فتح کیا تھا اور حضرت عمر نے ان کو عراق کا گورنر بنا دیا تھا' انہوں نے ہی شہر کوفہ کی بنیاد رکھی' جب حضرت عثمان رضی اللہ کو شہید کر دیا گیا تو یہ فتنہ سے الگ ہو گئے تھے' اور مدینہ سے دس میل کی مسافت پر اپنے مکان میں فوت ہو گئے تھے' ان کی وفات ۵۷ ھ میں ہوئی' اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے زائد تھی' اس وقت مروان بن الحکم مدینہ کا حاکم تھا' اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' یہ عشرہ مبشرہ میں سے فوت ہونے والے آخری صحابی تھے' صحابہ میں جن کا نام سعد تھا' ان کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۰۶ ـ ۲۰۵)

سفارش کرنے کی تفصیل اور حضرت سعد کی سفارش قبول نہ کرنے کی توجیہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جائز معاملہ میں حکام سے سفارش کرنا صحیح ہے اور اگر ایک بار سفارش مسترد کر دی جائے تو کئی بار سفارش کرنی چاہیے' اور اگر حاکم کسی وجہ سے سفارش قبول نہ کرے تو اس کو اپنا عذر بیان کر دینا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو عطا فرما رہے تھے جو نئے نئے اسلام لائے تھے' تاکہ ان کی دل جوئی اور تالیف قلب ہو اور قدیم الاسلام اصحاب کو عطا نہیں فرما رہے تھے کیونکہ وہ اپنے اسلام میں راسخ تھے اور ان کے پھسلنے کا امکان نہ تھا اور اس وقت اتنی گنجائش نہ تھی کہ سب کو دیا جا سکتا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم الاسلام اصحاب کو ترک کر کے نئے اسلام لانے والوں کو عطا فرمایا' کیونکہ اگر آپ قدیم الاسلام اصحاب کو عطا فرماتے اور نئے اسلام لانے والوں کو ترک کر دیتے تو ہو سکتا تھا کہ وہ آپ کے متعلق بدگمانی کرتے اور اگر وہ آپ کے متعلق بدگمانی کرتے تو دوزخ میں اوندھے منہ جا گرتے اور قدیم الاسلام اصحاب سے یہ خطرہ نہ تھا' حضرت سعد بن ابی وقاص جس کی سفارش کر رہے تھے وہ بھی قدیم الاسلام تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو عطا فرمایا' ان پر تو آپ کا کرم ظاہر ہے اور جن کو آپ نے عطا نہیں فرمایا' ان پر بھی آپ کا کرم ہے کیونکہ آپ نے ان کو اپنا سمجھا کہ وہ آپ کے متعلق بدگمانی نہیں کر سکتے' غرض آپ کا دینا بھی کرم ہے اور نہ دینا بھی کرم ہے۔

حضرت سعد نے کہا: آپ اس کو کیوں نہیں دیتے' اللہ کی قسم! میں اس کو ضرور مومن گمان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: یا وہ مسلمان ہو' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ایمان تو دل کی تصدیق کا نام ہے تو تم کسی کے دل کی تصدیق کی کیسے شہادت دے سکتے ہو' البتہ اس کے ظاہر حال کے اعتبار سے اس کو مسلمان کہہ سکتے ہو' اگرچہ مومن اور مسلم مترادف ہیں' لیکن یہاں پر مسلم کا اطلاق ظاہر حال کے اعتبار سے مجازاً فرمایا ہے۔

زہری کے بھتیجے سے روایت کی وجہ سے امام بخاری پر تنقید

امام بخاری نے اس حدیث کو شعیب سے روایت کیا تھا' اب اس حدیث کے آخر میں امام بخاری شعیب کے متابعین کا ذکر رہے ہیں اور وہ چار متابع ہیں: یونس' صالح' معمر اور زہری کا بھتیجا اور جس طرح شعیب نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے' ان چار نے بھی اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے' اول الذکر تین کا تعارف پہلے ہو چکا ہے اور آخر الذکر کا تعارف حسب ذیل ہے:

(۴) زہری کے بھتیجے کا نام محمد بن عبد اللہ بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب ہے' یہ امام ابو بکر زہری کے بھتیجے ہیں' جو اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یعقوب بن ابراہیم روایت کرتے ہیں' امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' امام حاکم نے اپنی کتاب ''مدخل'' میں کہا ہے کہ زہری کے بھتیجے سے روایت کی بناء پر امام بخاری اور امام مسلم پر عیب لگایا گیا ہے' امام ابن ابی حاتم نے کہا: یہ قوی نہیں تھے' ابن معین نے کہا: یہ ضعیف تھے' ابن عدی نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' ان کی کوئی حدیث منکر نہیں ہے' مُرّہ نے کہا: یہ قوی نہیں ہے' ان کو ان کے غلاموں نے ان کے باپ کے حکم کی وجہ سے قتل کر دیا تھا' یہ ۱۵۲ھ میں قتل کیے گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱)

* شرح صحیح مسلم: ۲۸۶- ج ۱ ص ۱۶۳ پر یہ حدیث مذکور ہے' وہاں پر اختصار کے ساتھ نفس حدیث کی شرح کی گئی ہے۔

۲۰- بَابٌ اِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنَ الْاِسْلَامِ — بہ کثرت سلام کرنا اسلام کی علامات سے ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں یہ بیان تھا کہ دین اسلام ہے' اور اسلام اس کے احکام پر عمل کرنے سے کامل ہوتا ہے اور اسلام کا ایک حکم بہ کثرت سلام کرنا ہے۔

وَقَالَ عَمَّارٌ ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْاِيْمَانَ اَلْاِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ' وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ' وَالْاِنْفَاقُ مِنَ الْاِقْتَارِ.

اور عمار نے کہا: جس شخص نے تین خصلتوں کو جمع کر لیا' اس نے ایمان کو جمع کر لیا: (۱) اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا (۲) تمام جماعت والوں پر سلام کو خرچ کرنا (ماسوا ان کے جن کو سلام کرنا منع ہے) (۳) اور تنگی کی حالت میں خرچ کرنا۔

۲۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ' عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ' عَنْ اَبِي الْخَيْرِ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ' وَتَقْرَاُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کا کون سا حکم سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کرو' خواہ اس کو پہچانتے ہو یا نہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا تعارف

عمار بن یاسر بن عامر بن مالک' ان کی والدہ سمیہ بنت خیاط ہیں' وہ اور یاسر عمار کے ساتھ بہت پہلے اسلام لائے تھے رضی اللہ عنہم۔ ابو جہل نے حضرت سمیہ کو قتل کر دیا تھا' وہ اسلام کی راہ میں پہلی شہیدہ تھیں' ان کو اللہ کی توحید پر ایمان کی وجہ سے مکہ میں ایذاء دی جاتی تھی۔ اسی ایذاء رسانی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے ہوئے فرماتے: اے آل یاسر! صبر کرو' تم سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے' یہ وہ لوگ تھے جن کی مکہ میں نہ کوئی رشتہ داری تھی' نہ ان کی کوئی مدافعت کرنے والا تھا اور نہ ان کو کوئی قوت حاصل تھی'

قریش ان کو سخت دھوپ میں ایذاء دیتے تھے' اسی طرح عمار' صہیب' فکیہ اور عامر بن فہیرہ کو عذاب دیا جاتا تھا' عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے حضرت عمار کے اوپر آگ لگادی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو ان کے ہاتھ اور ان کے سر کے اوپر آگ تھی' آپ نے فرمایا: اے آگ! عمار کے اوپر اس طرح ٹھنڈی ہو جا' جس طرح تو حضرت ابراہیم پر ٹھنڈی ہوگئی تھی' حضرت عمار بدر میں اور تمام غزوات میں حاضر رہے ہیں' یہ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے' پھر انہوں نے حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی' تمیں (۳۰) اور کچھ لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد یہ مسلمان ہوئے تھے' انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں' انہوں نے ۶۲ احادیث بیان کی ہیں' جن میں سے دو حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور تین احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۱۶-۳۱۵)

اس حدیث کی تخریج اور شرح' حدیث: ۱۲ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس حدیث کو امام بخاری نے قتیبہ سے روایت کیا ہے اور وہاں عمرو بن خالد سے روایت کیا تھا۔

۲۱- بَابُ كُفْرَانِ الْعَشِيْرِ، وَكُفْرٍ دُوْنَ كُفْرٍ

خاوند کی ناشکری' اللہ کی ناشکری سے کم درجہ کی ناشکری ہے

فِيهِ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس باب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

اس باب کی ابواب سابقہ کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ ابواب سابقہ امور ایمان میں تھے اور یہ باب کفر کے بیان میں ہے اور ایمان اور کفر میں تضاد ہے' سو ان میں تضاد کی مناسبت ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری کی اس حدیث کو کتاب الحیض میں روایت کیا ہے' دیکھئے صحیح البخاری: ۳۰۴۔

۲۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُ النَّارَ فَاِذَا اَكْثَرُ اَهْلِهَا النِّسَاءُ، يَكْفُرْنَ قِيْلَ اَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ، لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

(صحیح مسلم: ۸۸۴' سنن ابوداؤد: ۱۱۸۹' سنن نسائی: ۱۴۹۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دوزخ دکھائی گئی' پس اس میں زیادہ عورتیں تھیں' وہ ناشکری کرتی ہیں' کہا گیا: کیا اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں' احسان کا انکار کرتی ہیں' اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر احسان کرو' پھر وہ تم سے تھوڑی سی کمی دیکھ لے تو کہے گی: میں نے تو تم سے کبھی اچھائی نہیں دیکھی۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن مسلمہ القعنبی المدنی (۲) امام مالک بن انس' ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے (۳) ابواسامہ زید بن اسلم القرشی العدوی' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام تھے' یہ حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت جابر' حضرت انس' حضرت سلمہ بن اکوع' حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں' اور ان سے امام مالک' الزہری' معمر' ایوب اور یحییٰ وغیرہم روایت کرتے ہیں'

ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں' ۱۳۳ھ میں فوت ہو گئے' ائمہ ستہ ان سے روایت کرتے ہیں (۴) عطاء بن یسار المدنی الھلالی' یہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد شدہ غلام تھے' انہوں نے حضرت ابی بن کعب' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر سے سماع کیا ہے' اور ان سے عمرو بن دینار اور زید بن اسلم وغیرہما نے سماع کیا ہے' ابن سعد' یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے (۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۱)

خاوند کا بیوی پر عظیم حق اور حدیث کے دیگر فوائد

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعمتوں اور حقوق کی ناشکری حرام ہے کیونکہ دوزخ میں دخول' حرام کے ارتکاب سے ہوتا ہے' آپ نے خاوند کی ناشکری اور اس کے احسان کے انکار پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے' یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ منعم اور محسن کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ خاوند کا بیوی پر بہت عظیم حق ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۲' المستدرک ج ۴ ص ۱۸۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۰' شرح السنۃ ج ۵ ص ۵۸' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۶' کنز العمال: ۴۴۷۷۴)

اسی وجہ سے تمام گناہوں میں سے خاوند کی ناشکری کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور خاوند کا جو بیوی پر حق ہے' اس کو بندوں پر اللہ کے حق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ رئیس کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کو وعظ کیا کرے اور نیکی پر ابھارا کرے اور تلامذہ کو چاہیے کہ اگر ان کی سمجھ میں استاذ کی کوئی بات نہ آئے تو اس سے وضاحت طلب کر لیا کریں' نیز اس حدیث میں ناشکری پر کفر کا اطلاق ہے' نیز اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے کوئی شخص ایمان سے نکلتا ہے نہ کفر میں داخل ہوتا ہے۔

۲۲- بَابُ الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ

معاصی امر جاہلیت سے ہیں اور کسی شخص کی تکفیر صرف شرک کے ارتکاب کی وجہ سے کی جائے گی

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۱۱۶۔ ۴۸).

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم ایسے شخص ہو کہ تم میں جاہلیت کی خصلت ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم گناہ ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے" (النساء: ۱۱۶۔ ۴۸)۔

ان دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں خاوند کے کفر کا بیان تھا اور اس باب میں اللہ کے کفر کا بیان ہے۔

۳۰- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ، عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ، وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ، فَقَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واصل الاحدب از المعرور' انہوں نے کہا: میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملاقات ہوئی' ان پر بھی حلّہ تھا اور ان کے غلام

لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اَعَیَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ؟ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِیْكَ جَاهِلِیَّةٌ، اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْكُمْ، فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْكُلُ، وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا یَغْلِبُهُمْ، فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِیْنُوْهُمْ.

[اطراف الحدیث:۶۰۵۰-۲۵۴۵]

(صحیح مسلم:۱۶۶۱، مسند البزار: ۳۹۹۶، الادب المفرد:۱۸۹، مسند ابوعوانہ:۱۷۶/۱، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۱ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۱۴۳۲-ج ۳۵ ص ۱۴۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

پر بھی حلّہ تھا، میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا: میں نے ایک شخص کو بُرا کہا تھا، میں نے اس کو اس کی ماں سے عار دلایا، تو مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں سے عار دلایا ہے؟ تم ایسے شخص ہو کہ تم میں جاہلیت کی خصلت ہے، تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے، پس جس شخص کا بھائی اس کا ماتحت ہو، تو اس کو وہ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اس کو وہ پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور ان کو اس کام کا مکلف نہ کرو، جو ان پر دشوار ہو اور اگر تم ان کو ایسے کام کا مکلف کرو، جو ان پر دشوار ہو تو ان کی مدد کرو۔

معاصی، جاہلیت اور شرک کے معانی اور اس باب کی باب سابق سے مناسبت

اس باب کا عنوان معاصی ہے اور یہ معصیت کی جمع ہے، لغت میں اس کا معنی ہے: نافرمانی، اور شرع میں اس کا معنی ہے: واجب کے ترک سے یا مکروہ کے ارتکاب سے شارع کی مخالفت کرنا اور یہ کبائر اور صغائر سے عام ہے، اور اس عنوان میں جاہلیت کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: اسلام سے پہلے فترت کا زمانہ، اور اس باب میں شرک کا ذکر ہے، شرک کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب یا قدیم ماننا، یا اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا یا اس کو عبادت کا مستحق سمجھنا۔ اہل سنت کے نزدیک کوئی شخص معصیت کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا اور خوارج کے نزدیک وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے، امام بخاری کا اس باب سے مقصد خوارج اور معتزلہ کا رد کرنا ہے، اس باب میں اور باب سابق میں یہ مناسبت ہے کہ سابق باب میں خاوند کی نافرمانی کا ذکر تھا اور وہ بھی معصیت ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور خصوصاً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) ابوایوب سلیمان بن حرب الازدی البصری (۲) شعبہ بن الحجاج، ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے (۳) واصل بن حیان الاسدی الکوفی، یہ کبڑے تھے، یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں، ابوحاتم نے کہا: بہت سچے اور حدیث کی صلاحیت رکھنے والے ہیں، یہ ۱۲۷ھ میں فوت ہو گئے تھے، ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۴) المعرور بن سوید ابوامیہ الاسدی الکوفی، انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوذر سے احادیث کا سماع کیا ہے، اور ان سے واصل اور اعمش وغیرہ نے سماع کیا ہے، اعمش نے کہا: میں نے ان کو ۱۲۰ سال کی عمر میں دیکھا، ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال کالے تھے، یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں، ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۵) حضرت ابوذر، ان کا نام جندب بن جنادہ الغفاری ہے، یہ اسلام لانے والوں میں چوتھے یا پانچویں تھے، یہ مکہ میں آ کر مسلمان ہوئے، پھر اپنی قوم کے شہروں میں چلے گئے اور وہیں رہے، حتیٰ کہ بدر، اُحد اور خندق کے معرکے گزر گئے، پھر مدینہ آ گئے، پھر تاحیات نبی ﷺ کے ساتھ رہے، ان کے مناقب بہت ہیں اور ان کا زہد مشہور ہے، ان کا مذہب یہ تھا کہ انسان کے اوپر اس کی ضرورت سے زائد مال کو جمع کرنا حرام ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ۲۸۱ احادیث روایت کی ہیں، امام بخاری ان سے دو حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۱۷ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں، ان سے بہت صحابہ نے احادیث روایت کی ہیں، ان میں حضرت ابن عباس اور حضرت انس بھی ہیں اور بہ کثرت تابعین ہیں، یہ ربذہ میں ۳۲ھ میں فوت

ہو گئے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۲۵۔۲۲۴)

لغوی معانی اور بعض شرعی احکام

اس حدیث میں ربذہ کا ذکر ہے' یہ مدینہ سے تین مرحلہ دور ایک جگہ ہے' فید اور مکہ کی راہ پر ذات عرق کے قریب ایک گاؤں ہے' حضرت ابوذر غفاری اسی جگہ مدفون ہیں' اور اس حدیث میں حلّہ کا ذکر ہے' ایک قسم کی دو چادروں کو حلہ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں ذکر ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو برا کہا تھا اور اس کو اس کی ماں کے ساتھ عار دلایا تھا یعنی اس کی ماں کو عیب لگایا تھا' وہ شخص حضرت بلال تھے اور حضرت ابوذر نے ان کو کہا تھا: اے حبشیہ کے بیٹے!

اس حدیث میں نوکروں اور خادموں کو بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے اور کسی کے ماں باپ کو عیب لگانے سے بھی منع فرمایا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ اپنے باپ دادا پر فخر کرنا بھی ممنوع ہے' اور نوکروں اور خدام کو وہ کھانا کھلائیں' جو خود کھاتے ہوں اور وہ لباس پہنائیں جو خود پہنتے ہوں اور ان کو اپنا بھائی کہیں اور ان سے سخت مشکل کام نہ کرائیں۔

اسلام میں غلامی کا چلن ختم ہونے کی تفصیل

چونکہ اس حدیث میں غلام کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے ہم غلام اور باندیوں کی مختصر وضاحت کر رہے ہیں۔

ظہور اسلام سے قبل پوری دنیا میں یہ رواج تھا کہ جب دو فریقوں میں جنگ ہوتی تو جس فریق کو جنگ میں شکست ہوتی تو میدان جنگ میں مخالف فریق کے جو مرد اور عورتیں گرفتار ہوتیں تو ان مردوں کو غلام بنا لیا جاتا اور عورتوں کو باندیاں بنا لیا جاتا' چنانچہ ابتداء میں اسلام میں بھی اس طریقہ پر عمل ہوتا رہا' پھر جنگی قیدیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ. (محمد: ۴)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارنا ہے' حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو قیدیوں کو مضبوط باندھ لو' پھر ان پر خود احسان کر کے انہیں چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام بنایا ہو تو مسلمانوں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ بھی کافر قیدیوں کو غلام بنالیں اور اگر انہوں نے مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بنایا ہو بلکہ قید کر لیا ہو اور وہ ان کی رہائی کے عوض اپنے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کریں تو ہمیں تبادلہ میں جنگی قیدی چھوڑ دینا چاہیے اور جن کو غلام بنایا جا چکا ہے' ان کے ساتھ اسلام نے حسن سلوک کرنے کی بہت تاکید کی ہے' جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے' پھر ان کو آزاد کرنے کی بہت صورتیں رکھی ہیں کہ قتل خطاء کے کفارہ میں غلام کو آزاد کر دیا جائے' قسم توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کر دیا جائے' کفارہ ظہار میں غلام آزاد کر دیا جائے' روزہ توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کر دیا جائے' نیز غلام کو آزاد کرنے میں بہت اجر و ثواب رکھا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا' اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۱۷' صحیح مسلم: ۱۵۰۹' سنن ترمذی: ۱۵۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۸۷۵)

اسلام کے ان احکام کی وجہ سے اب مسلم دنیا میں غلامی کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۴۔۷۴ میں ہم نے اس مسئلہ پر بہت زیادہ تحقیق کی ہے۔

۰۰۰- بَابٌ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات:۹) فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ

''اگر مؤمنین کی دو جماعتیں آپس میں جنگ کریں تو تم ان کے درمیان صلح کراؤ'' (الحجرات:۹) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو مؤمن فرمایا

اس باب سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل قتال کو مؤمنین فرمایا ہے' حالانکہ اہل قتال مرتکب کبیرہ ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

ان دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں اللہ کے ساتھ کفر کا بیان تھا اور اس باب میں اللہ کی معصیت کا ذکر ہے۔

۳۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ وَ يُوْنُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِيْ أَبُوْ بَكْرَةَ، فَقَالَ أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قُلْتُ أَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ، قَالَ ارْجِعْ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَ الْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ ! قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ.

[اطراف الحدیث:۶۸۷۵-۷۰۸۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمان بن المبارک نے ہمیں حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ایوب اور یونس نے از حسن از الاحنف بن قیس حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ) کی مدد کے لیے گیا تو مجھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ ملے' پس مجھ سے پوچھا: تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کی مدد کروں گا' انہوں نے کہا: واپس جاؤ' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے' پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے' پس مقتول (کے دوزخی ہونے) کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح مسلم:۲۸۸۸' سنن ابوداؤد:۴۲۶۹' سنن نسائی:۴۱۳۴' سنن بیہقی ج۸ ص۱۹۰' شرح السنۃ:۲۵۴۹' الآحاد والمثانی:۱۵۶۴' صحیح ابن حبان:۵۹۴۵' حلیۃ الاولیاء ج۶ ص۲۶۲' مسند احمد ج۵ ص۴۳ طبع قدیم' مسند احمد:۲۰۴۳۹-ج۳۴ ص۸۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف' خصوصاً مشہور تابعی حسن بصری اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ کا تذکرہ

(۱) عبدالرحمان بن المبارک بن عبداللہ العیشی' یہ وہب بن خالد اور حماد بن زید وغیرہما سے روایت کرتے ہیں' اور ان سے امام بخاری' ابوزرعہ' امام ابوداؤد اور ابوحاتم روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: یہ بہت سچے ہیں' یہ ۲۲۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) حماد بن زید درہم البصری' انہوں نے ثابت بنانی' ابن سیرین اور کثیر سے سماع کیا اور ان سے ابن المبارک اور یحییٰ القطان روایت کرتے ہیں' عبدالرحمان بن مہدی نے کہا: اپنے زمانہ میں چار شخص امام تھے' سفیان ثوری کوفہ میں' مالک حجاز میں' اوزاعی شام میں اور حماد بن زید بصرہ میں' یہ ۸۱ سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے (۳) ایوب السختیانی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) یونس بن عبید بن دینار البصری' انہوں نے حضرت انس بن مالک' الحسن البصری اور محمد بن سیرین کی زیارت کی ہے' اور ان سے سفیان ثوری اور حماد نے روایت کی ہے' امام احمد اور یحییٰ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ان سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے' یہ ۱۳۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) ابوسعید الحسن بن الحسن الانصاری البصری' ان کی ماں کا نام الخیرہ تھا' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ کی

باندی تھیں' یہ اس وقت پیدا ہوئے' جب حضرت عمر رضی اللہ کی خلافت کے دو سال رہ گئے تھے ان کی ماں کبھی کہیں چلی جاتیں اور یہ ان کے پیچھے روتے تھے تو حضرت ام المؤمنین ام سلمہ ان کو بہلانے کے لیے اپنا پستان ان کے منہ میں دے دیتی تھیں' حتیٰ کہ ان کی ماں آ جاتیں لیکن حسن بصری حضرت ام المؤمنین کا دودھ پیتے رہتے تھے' ان میں جو فصاحت اور برکت تھی' وہ ان ہی کی برکت سے تھی' حسن بصری نے وادی القریٰ میں پرورش پائی' الحسن نے کہا: ہم خراسان کے جہاد میں گئے اور ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو صحابہ تھے' انہوں نے حضرت ابن عمر' حضرت انس' حضرت سمرہ اور قیس بن عاصم صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا ہے۔ الفضیل بن عیاض نے ہشام بن حسان سے پوچھا: الحسن نے کتنے صحابہ کو پایا؟ انہوں نے کہا: ۱۳۰ صحابہ کو' ابن سیرین نے کہا: تیس صحابہ کو' حسن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع صحیح نہیں ہے' ابن معین نے کہا: حسن نے حضرت ابوبکرہ سے سماع کیا ہے نہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے نہ حضرت ابو ہریرہ سے' ابوزرعہ سے سوال کیا گیا: کیا حسن نے بدری صحابہ میں سے کسی سے ملاقات کی ہے؟ انہوں نے کہا: انہوں نے ان میں سے بعض کو دیکھا ہے' حضرت عثمان اور حضرت علی کو دیکھا ہے' انہوں نے کہا: حسن نے حضرت علی کو مدینہ میں دیکھا ہے' پھر حضرت علی کوفہ اور بصرہ چلے گئے اور اس کے بعد حسن نے ان سے ملاقات نہیں کی' ابوزرعہ نے کہا: حسن نے حضرت ابو ہریرہ سے سماع کیا نہ ان کو دیکھا' اور جس نے حسن کی ابو ہریرہ سے روایت بیان کی' اس نے خطاء کی اور نہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع کیا اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے ایک حدیث سنی ہے' ابورجاء کہتے ہیں: میں نے حسن سے پوچھا: آپ مدینہ سے کب آئے؟ انہوں نے کہا: جنگ صفین میں' میں نے پوچھا: آپ بالغ کب ہوئے؟ انہوں نے کہا: جنگ صفین میں' ابن سعد نے کہا: حسن' جامع عالم' فقیہ' ثقہ' امین' عابد اور فصیح وجمیل تھے' خصوصاً جب وہ مکہ آتے تو لوگ ان کو تعظیم سے بٹھاتے اور لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے' جن میں طاؤس' عطاء' مجاہد اور عمرو بن شعیب تھے' پھر وہ ان کے سامنے احادیث بیان کرتے' پھر ان میں سے بعض کہتے: ہم نے ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا' ۱۱۶ھ میں ان کی وفات ہوئی' ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۶) الاحنف بن قیس' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کے عہد میں اسلام لائے' لیکن آپ کی زیارت نہیں کی' یہ حضرت عمر کے پاس گئے تھے' حسن اور ابن سیرین ان کے لشکر میں تھے' انہوں نے حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث سنی ہیں اور ان سے حسن نے سنی ہیں' یہ کوفہ میں ۶۷ھ میں حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے (۷) حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ ہیں' یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو جنگ طائف میں طائف کے قلعہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بکرۃ) چرخی میں آ گئے تھے' اس وجہ سے ان کی کنیت ابوبکرہ ہو گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا' ان کا شمار آپ کے آزاد کردہ غلاموں میں ہوتا ہے' یہ فضلاء صحابہ اور صالحین میں سے ہیں' عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے' ۵۲ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۳۲ احادیث روایت کی ہیں' ان میں سے آٹھ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور پانچ احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور امام مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے' اور ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۳۴-۳۳۲)

حدیث مذکور پر اعتراضات کے جوابات

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے قتال کیا' ان میں قاتل اور مقتول تھے اور وہ جنت میں ہوں گے' جیسے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شہید ہونے والے صحابہ' حالانکہ اس حدیث میں مطلقاً فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان مسلمانوں کے متعلق ہے' جن کی جنگ کسی اجتہاد پر مبنی نہ ہو محض ہوائے نفس کی بناء پر ہو اور دونوں فریقوں کا موقف شر اور باطل ہو۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب حضرت علی کی حضرت معاویہ

سے جنگ اجتہاد پر مبنی تھی تو حضرت ابوبکرہ نے حضرت علی کی مدد کے لیے جانے سے کیوں منع کیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرہ کا یہ منع کرنا بھی اجتہاد پر مبنی تھا' تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں' اس سے معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کہ قاتل اور مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں ڈالنا واجب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا محمل یہ ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخ کے عذاب کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان میں سے جس کو چاہے گا' معاف فرما دے گا' چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں آپ نے مقتول کے دوزخی ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا' حالانکہ اس کے قتل پر حرص تو گناہ کبیرہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حرام کام کی حرص اور اس کا ارادہ بھی گناہ کبیرہ ہے' اگرچہ یہ ارتکاب حرام سے کم درجہ کا ہے' جب کہ وہ مقتول بھی قاتل پر تلوار سے حملہ کر رہا تھا اور یہ بہر حال گناہ کبیرہ ہے' پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مومن فرمایا ہے اور حدیث میں آپ نے دونوں کو مسلم فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلم اور مومن واحد ہیں۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۱۲۴۔ ج ۷ ص ۷۹۶۔ ۷۸۸ میں بھی مذکور ہے اور وہاں اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) صحابہ کرام کی باہمی جنگوں کے متعلق اہل سنت کا موقف (۲) ایام فتنہ میں قتال کرنے کا شرعی حکم (۳) حضرت معاویہ پر علامہ عینی کے اعتراض کا جواب (۴) حضرت معاویہ کے فضائل۔

۲۳- بَابٌ ظُلْمٌ دُوْنَ ظُلْمٍ — ایک ظلم کا دوسرے ظلم سے کم ہونا

ظلم کا معنی ہے: دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا یا کسی چیز کو اس کی جگہ میں نہ رکھنا' سابق باب میں یہ بتایا تھا کہ دو مسلمانوں کا ناحق لڑنا دوزخ میں دخول کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ظلم ہے اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ ظلم کی کئی انواع اور اقسام ہیں۔

۳۲- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ (ح) قَالَ وَحَدَّثَنِيْ بِشْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ' عَنْ شُعْبَةَ' عَنْ سُلَيْمَانَ' عَنْ اِبْرَاهِيْمَ' عَنْ عَلْقَمَةَ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام:۸۲)' قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ؟ ! فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳).

[اطراف الحدیث: ۳۳۶۰۔ ۳۴۲۸۔ ۳۴۲۹۔ ۴۶۲۹۔ ۴۷۷۶۔ ۶۹۱۸۔ ۶۹۳۷]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی (ح) امام بخاری نے روایت کیا' اور مجھے بشر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از علقمہ از عبد اللہ' انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا'' (الانعام:۸۲) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: ہم میں سے کون اپنے آپ پر ظلم نہیں کرتا؟ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے O'' (لقمان:۱۳)۔

(صحیح مسلم: ۱۲۴' سنن ترمذی: ۳۰۶۷' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۷۴۔ ۷۳' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۸۵' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۷۰' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۶۵' مسند ابویعلیٰ: ۵۱۵۹' صحیح ابن حبان: ۲۵۳)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور مشہور تابعی علقمہ کا تعارف

اس حدیث کو امام بخاری نے دو سندوں سے روایت کیا ہے اور ان میں کل رجال آٹھ ہیں:

(۱) ابوالولید ہشام بن عبدالملک البصری (۲) شعبہ بن الحجاج' ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے (۳) بشر بن خالد العسکری' ان سے امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے احادیث روایت کی ہیں اور ان کو ثقہ کہا ہے' ۲۵۳ھ میں ان کی وفات ہوئی (۴) محمد بن جعفر الھذلی' انہوں نے سفیان ثوری اور شعبہ سے سماع کیا ہے اور ان کی مجلس میں تقریباً بیس سال رہے اور ان سے امام احمد اور علی بن مدینی اور بندار وغیرہ نے سماع کیا ہے' ابوحاتم نے کہا: یہ صدوق ہیں اور شعبہ سے روایت میں ثقہ ہیں' یہ ۱۹۳ھ میں فوت ہو گئے (۵) سلیمان بن مہران الاسدی الکاہلی' امام بخاری نے کہا: یہ ۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے' انہوں نے حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو دیکھا ہے' لیکن ان سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے' انہوں نے ابووائل' معرور اور مجاہد وغیرہ سے سماع کیا ہے' اور ان سے ابراہیم تیمی' ثوری اور شعبہ نے سماع کیا ہے (۶) ابراہیم بن یزید بن قیس الکوفی' یہ اہل کوفہ کے فقیہ تھے' حضرت عائشہ کی خدمت میں گئے تھے' لیکن ان سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے' العجلی نے کہا: انہوں نے متعدد صحابہ کو پایا لیکن کسی سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے' یہ ثقہ تھے اور اپنے زمانہ کے مفتی تھے' انہوں نے علقمہ' الاسود بن زید خالد' مسروق اور بہت سے مشائخ سے سماع کیا ہے اور ان سے شعبی' منصور اور الاعمش وغیرہ نے سماع کیا ہے' الاعمش نے کہا: ابراہیم حدیث میں صراف تھے' جن دنوں میں فوت ہوئے' ان دنوں یہ حجاج سے چھپے ہوئے تھے' ان کے جنازہ میں صرف سات نفوس تھے' ۵۸ سال کی عمر میں ۹۶ھ میں وفات پائی (۷) علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن علقمہ الکوفی' یہ الاسود اور عبدالرحمان بن یزید کے چچا تھے' انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں اور حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں' اور بھی متعدد صحابہ سے اور ان سے ابووائل' ابراہیم نخعی اور محمد بن سیرین وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں' ان کی جلالت اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے' ابراہیم نخعی نے کہا: علقمہ حضرت ابن مسعود کے مشابہ تھے' یہ ۶۴ھ یا ۷۰ھ میں فوت ہو گئے' امام ابن ماجہ کے سوا باقی ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا ذکر کتاب الایمان کے شروع میں ہو چکا ہے' صحابہ میں عبداللہ بن مسعود نام کے تین شخص ہیں' ایک یہ ہیں' دوسرے ابوعمرو الثقفی ہیں' تیسرے غفاری ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۳۹۔۳۳۷)

الانعام: ۸۲ میں ظلم سے مراد شرک ہے یا عام معصیت؟ ہر تقدیر پر دلائل اور اعتراضات کے جوابات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا''۔ (الانعام: ۸۲) صحابہ نے اس آیت میں ظلم کو اس کی تمام انواع پر محمول کیا' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس سے مراد ظلم کی خاص قسم ہے اور وہ شرک ہے' حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نفی اس چیز کی کی جاتی ہے' جس کا ثبوت ممکن ہو اور ایمان کے ساتھ تو شرک کی آمیزش ہو ہی نہیں سکتی' پھر اس کی نفی کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک جلی اور شرک خفی' شرک جلی کی تو ایمان کے ساتھ آمیزش نہیں ہو سکتی' لیکن شرک خفی کی ایمان کے ساتھ آمیزش ہو سکتی ہے کیونکہ شرک خفی کا معنی ہے: ریاکاری اور دکھاوے کے لیے عمل کرنا' اور اگر اس آیت کو ظلم کے عام معنی پر محمول کیا جائے اور وہ معصیت ہے تو پھر اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہوں گے' جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کسی قسم کی کوئی معصیت نہ کی ہو یا پھر اس سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں' جنہوں نے کسی قسم کی کوئی معصیت نہیں کی۔

اس پر پھر یہ اعتراض ہوگا کہ یہ پوری آیت اس طرح ہے: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (کسی معصیت) کے ساتھ نہیں ملایا' ان ہی کے لیے امن اور سلامتی ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں'' (الانعام: ۸۲) پھر اس سے یہ لازم

آئے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کے لیے امن اور سلامتی نہ ہو اور ان کے سوا کوئی ہدایت یافتہ نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ امن سے مراد ہے: کامل امن اور ہدایت سے مراد ہے: کامل ہدایت اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامل امن اور کامل سلامتی انبیاء علیہم السلام ہی کو حاصل ہے۔

اور اگر اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جس نے ایمان لانے کے بعد شرک نہ کیا ہو خواہ کوئی اور معصیت کی ہو تو اس کو امن اور اسلامتی حاصل ہوگی اس پر یہ اعتراض ہے کہ بعض فساق اور معصیت کرنے والوں کو دوزخ کا عذاب ہوگا تو پھر ان کو امن اور سلامتی تو حاصل نہ ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو بھی دوزخ کے دائمی عذاب سے امن اور سلامتی حاصل ہوگی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مرتکب کبیرہ کو دائمی عذاب نہیں ہوگا اور اس آیت میں معتزلہ اور خوارج کا رد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک بھی ہو سکتا ہے اور عام معصیت کا ارادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ظلم سے مراد شرک لینے پر توصیح بخاری: ۳۲ کی یہ حدیث ہے اور ظلم سے مراد عام معصیت لینے پر علامہ عینی نے "مسند عبد بن حمید" کی یہ حدیث نقل کی ہے: ابراہیم تیمی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ایک شخص آ کر مسلمان ہوا اور پھر فوراً شہید ہو گیا آپ نے فرمایا: یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۱) یعنی وہ شخص چونکہ ایمان لاتے ہی شہید ہو گیا اس لیے وہ کسی بھی معصیت سے محفوظ رہا۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۳۵۔ ج ۱ ص ۵۸۶ پر درج ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی تبیان القرآن ج ۳ ص ۵۶۹ پر الانعام: ۸۲ کی تفسیر ہے وہاں اس آیت کا مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث کی شرح جو یہاں نعمۃ الباری میں کی گئی ہے وہ زیادہ مفصل اور مدلل ہے۔ وللہ الحمد۔

۲۴- بَابُ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ — منافق کی علامات

منافق وہ شخص ہے جو ایک سبب سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے سبب سے نکل جاتا ہے اس کے دل میں کفر ہوتا ہے اور زبان سے اسلام کو ظاہر کرتا ہے علامات علامۃ کی جمع ہے علامت اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دوسری چیز پر استدلال کیا جاتا ہے جیسے دھوئیں سے آگ پر استدلال کیا جاتا ہے باب سابق اور اس باب میں مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں ظلم کی انواع کا ذکر تھا اور اس باب میں نفاق کی انواع کا ذکر ہے اور نفاق بھی ظلم کی انواع میں سے ہے۔

۳۳- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ أَبُو سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

[اطراف الحدیث: ۲۶۸۲-۲۷۴۹-۶۰۹۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سلیمان ابو الربیع نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہمیں نافع بن مالک بن ابی عامر ابو سہیل نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۵۹ سنن ترمذی: ۲۶۳۱ سنن نسائی: ۵۰۳۶ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۴۷ مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۲۱-۲۰ سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۸۸ شرح السنۃ: ۳۵ مسند ابو یعلیٰ: ۶۵۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۷ طبع قدیم مسند احمد: ۸۶۸۵- ج ۱۴ ص ۳۱۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) سلیمان ابو الربیع بن داؤد الزہرانی العتکی' انہوں نے امام مالک سے ایک حدیث سنی ہے' اور فلیح بن سلیمان اور اسماعیل بن زکریا وغیرہ سے سماع کیا ہے' ان سے امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور دیگر نے سماع کیا ہے' امام نسائی' یحییٰ بن معین' ابوحاتم اور ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ۲۳۴ھ میں یہ بصرہ میں فوت ہو گئے (۲) اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری' انہوں نے ابوسہیل' نافع اور عبد اللہ بن دینار وغیرہ سے سماع کیا ہے' یحییٰ نے کہا: یہ مامون قلیل الخطاء اور بہت سچے ہیں' ابوزرعہ' امام احمد اور ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۱۸۰ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے' ائمہ ستہ نے ان سے روایت کی ہے (۳) ابوسہیل نافع بن مالک بن ابی عامر' انہوں نے امام مالک اور عمر بن عبد العزیز سے سماع کیا ہے اور ان سے امام مالک وغیرہ نے روایت کی ہے' امام احمد اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ائمہ ستہ نے ان سے روایت کی ہے (۴) ابوانس مالک بن عامر' یہ امام مالک کے دادا ہیں' انہوں نے طلحہ بن عبید اللہ' حضرت عائشہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے' یہ ۱۱۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۴۵)

حدیث مذکور میں منافق کی تین علامتوں میں وجہ حصر' بعض الفاظ کے معنی اور وعدہ پورا کرنے اور پورا نہ کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں ''کذب'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: واقع کے خلاف خبر دینا' اور اس میں فرمایا ہے: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' حالانکہ وہ کئی مرتبہ سچ بھی بولتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہر بار جھوٹ بولتا ہے' حدیث کا منشاء یہ ہے کہ وہ بعض اوقات جھوٹ بولتا ہے' اور اس حدیث میں خیانت کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: امانت میں خلاف شرع تصرف کرنا۔

اس حدیث میں منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور اس میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ منافق کے قول' فعل اور نیت سب میں فساد ہوتا ہے' جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' اس میں اس کے قول کا فساد ہے' اور جب وہ خیانت کرتا ہے تو اس میں اس کے فعل کا فساد ہے اور جب وہ وعدہ کے خلاف کرتا ہے تو اس میں اس کی نیت کا فساد ہے۔ وعدہ کی خلاف ورزی اس وقت مذموم ہے جب اس کی ابتداءً نیت یہ ہو کہ وہ وعدہ پورا نہیں کرے گا' اور جب اس کی ابتداءً نیت وعدہ پورا کرنے کی ہو اور بعد میں کوئی رکاوٹ آ جائے یا کسی مصلحت کی وجہ سے اس کی رائے بدل جائے تو پھر وعدہ پورا نہ کرنا منافق کی علامت نہیں ہے' کیونکہ امام طبرانی کی روایت میں ہے: جب وہ وعدہ کرے اور اس کے دل میں ہو کہ وہ اس وعدہ کے خلاف کرے گا' علماء نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرنے کا وعدہ کرے تو اس کو پورا کرنا مستحب ہے اور اس کو پورا نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور مستحب یہ ہے کہ وعدہ کرنے کے ساتھ ان شاء اللہ کہے' تا کہ اس کا قول صورۃً جھوٹ نہ ہو' اور جب وہ کسی کو سزا کی خبر دے کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو میں تم کو سزا دوں گا تو اس کے خلاف کرنا مستحب ہے' بہ شرطیکہ اس میں کوئی فساد نہ ہو۔

اس اشکال کے جوابات کہ بعض مسلمان بھی جھوٹ بولتے ہیں' خیانت کرتے ہیں اور وعدہ خلافی کرتے ہیں' تو کیا وہ بھی منافق ہیں؟

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جن تین خصلتوں کو اس حدیث میں منافق کی علامت قرار دیا ہے' وہ تین خصلتیں تو مومن اور مسلم میں بھی پائی جاتی ہیں' حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مومن پر نفاق یا کفر کا حکم لگانا جائز نہیں ہے' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) علامہ نووی نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ تین خصلتیں نفاق ہیں اور ان تین خصلتوں والا منافق کے مشابہ ہے اور ان

کے اخلاق سے متخلق ہے' کیونکہ نفاق کا معنی ہے: باطن کے خلاف ظاہر کرنا اور جو شخص کسی سے جھوٹ بولتا ہے یا اس سے وعدہ کے خلاف کرتا ہے یا اس کی امانت میں خیانت کرتا ہے' وہ اس سے نفاق کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے باطن کے خلاف ظاہر کرتا ہے' پس وہ صرف اس شخص سے نفاق کر رہا ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسلام میں منافق ہے اور اسلام کے ساتھ نفاق کر رہا ہے۔

(۲) جس شخص میں ان تین خصلتوں کا غلبہ ہو وہ منافق ہوگا نہ وہ کہ جس میں کبھی کبھی یہ خصلتیں پائی جائیں۔

(۳) علامہ خطابی نے کہا: یہ حدیث زجر و توبیخ اور ڈرانے اور دھمکانے پر محمول ہے تاکہ مسلمان ان تین خصلتوں سے ڈریں اور ان کو اپنی عادت اور شعار نہ بنائیں' اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص ان خصلتوں کا حامل ہوگا وہ منافق ہوگا' جیسے حدیث میں ہے: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اس امت کے اکثر قراء منافق ہیں۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۵' مسند احمد ج ۲۸ ص ۶۲۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت) اس حدیث سے آپ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اکثر قراء حقیقۃً منافق ہیں' بلکہ اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح منافق لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتا ہے' اسی طرح اکثر قاری ریاکاری سے قرآن پڑھتے ہیں۔

(۴) نیز علامہ خطابی نے کہا: نفاق کی دو قسمیں ہیں' نفاق شرعی اور نفاق لغوی' نفاق شرعی یہ ہے کہ انسان کے دل میں کفر ہو اور زبان سے ایمان کا اظہار کرے' یہ نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھا' اور نفاق لغوی یہ ہے کہ انسان تنہائی میں احکام شرعیہ کو ترک کر دے اور لوگوں کے سامنے احکام شرعیہ پر عمل کرے' اس سے انسان حقیقی منافق اور کافر نہیں ہوتا لیکن یہ عمل نفاق ہے' اعتقادی نفاق نہیں ہے' جیسے حدیث میں ہے: مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۴) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حقیقی کافر ہے۔

(۵) سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ان کو بھی حدیث میں یہی اشکال ہوا تو انہوں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ہمیں بھی یہ اشکال ہوا تھا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا' تو آپ نے فرمایا: تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟ میں نے اس حدیث کو منافقین کے ساتھ خاص کیا ہے' میں نے جو کہا ہے کہ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' اس سے مراد ہے جب وہ مجھ پر نازل ہونے والی وحی کے متعلق بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ○ (المنافقون: ۱)

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ بے شک ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں○

اور میں نے جو کہا ہے کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے' اس سے مراد وہ منافق ہے' جس کا ان آیات میں ذکر ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ○ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ○ (التوبہ: ۷۵-۷۷)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں' جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کیا تو وہ ضرور صدقہ کریں گے اور صالحین میں سے ہو جائیں گے○ پس جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کر دیا تو انہوں نے اس مال میں بخل کیا اور منہ موڑ لیا○ سو اس کی سزا میں اللہ نے حشر تک ان کے دلوں میں نفاق

ڈال دیا کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف کیا
اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تم ایسے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں! (عام کتب حدیث' کتب تفسیر اور کتب سیرت میں مذکور ہے کہ ان آیات میں جس کا ذکر ہے' اس کا نام ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری تھا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہ ہے کہ اس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب تھا اور وہ واقعی منافق تھا' اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے: تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۰۹-۲۰۱' التوبہ: ۷۸-۷۵) پھر آپ نے فرمایا: اس آیت کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے' اور میں نے جو یہ کہا تھا کہ اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے' اس خیانت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے ساتھ ہے' جن کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْـاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْـاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاO (الاحزاب: ۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے' اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی' بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے O

پھر آپ نے فرمایا: ہر انسان اپنے دین پر امین ہے' وہ غسل جنابت کرتا ہے اور تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور منافق صرف لوگوں کے سامنے ان احکام پر عمل کرتا ہے اور تنہائی میں ان احکام پر عمل نہیں کرتا' کیا تم اس طرح ہو؟ ہم نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: پھر تم اس حکم سے بَری ہو۔ امام ابن جریر طبری اور علامہ سیوطی نے بھی منافق کی علامات کے سلسلہ میں مذکورہ تین آیات کا ذکر کیا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰ ص ۲۴۴' درالمنثور ج ۴ ص ۲۲۵)

(۲) حضرت حذیفہ نے کہا: اب نفاق جا چکا ہے' نفاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں تھا' اسلام پھیل چکا ہے اور اسلام میں لوگ پیدا ہو رہے ہیں' پس جس نے اب نفاق کیا' اسلام کو ظاہر کیا اور باطن میں کفر کیا' وہ مرتد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۵۱-۳۴۹ ملخصاً' مخرجاً و مشرحاً)

۳۴- حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ' عَنِ الْاَعْمَشِ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ' عَنْ مَسْرُوْقٍ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا' وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ' وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ' وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ' وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

[اطراف الحدیث: ۲۴۵۹-۳۱۷۸]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اعمش از عبد اللہ بن مرہ از مسروق از عبد اللہ بن عمرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار خصلتیں جس میں ہوں گی' وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان چار میں سے ایک خصلت ہو' اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی' حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے: (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) اور جب عہد کرے تو توڑ دے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے اور حد سے تجاوز کرے۔

(صحیح مسلم: ۵۸' سنن ابوداؤد: ۴۶۸۸' سنن ترمذی: ۲۶۳۲' سنن نسائی: ۵۰۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی:

۳۴۳۸۷'مسند ابوعوانہ ج ا ص ۲۰'صحیح ابن حبان:۲۵۴'حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۰۴'شعب الایمان:۵۲۴۳'سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۳۰'شرح السنۃ:۴۷'۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۹ طبع قدیم'مسند احمد:۶۷۶۸'۔ج ۱۱ ص ۳۸۰'مؤسسۃ الرسالۃ'بیروت)

تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ. اس حدیث کی شعبہ نے از الاعمش متابعت کی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) قبیصہ بن عقبہ الکوفی'انہوں نے مسعر'شعبہ اور حماد بن سلمہ سے روایت کی ہے'اور ان سے امام احمد بن حنبل'محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے'یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ہر چیز میں ثقہ ہیں سوا سفیان ثوری سے روایت کے'اس میں یہ قوی نہیں ہیں'یہ محرم ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) سفیان بن سعید بن مسروق'یہ امام کبیر ہیں'ان کی جلالت قدر'کثرت علوم اور توثیق پر اتفاق ہے'ابن عاصم نے کہا: یہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں'یہ ۱۶۰ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے تھے (۳) سلیمان الاعمش'ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عبداللہ بن مرہ الھمدانی'الکوفی التابعی'یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں'یہ ۱۰۰ھ میں فوت ہو گئے تھے'ائمہ ستہ نے ان سے روایت کی ہے (۵) ابوعائشہ مسروق بن الاجدث الھمدانی الکوفی'انہوں نے حضرت عمر'حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ اور دیگر سے سماع کیا ہے'ان کی جلالت توثیق اور امامت پر اتفاق ہے'یہ ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما'ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۳۵۲۔۳۵۱)

پہلی حدیث میں نفاق کی تین علامتیں اور دوسری حدیث میں نفاق کی چار علامتیں بیان کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں نفاق سے نفاق عملی یا نفاق عرفی مراد ہے'نفاق شرعی مراد نہیں ہے'ان چار خصلتوں کی وجہ سے خالص منافق اس لیے ہوتا ہے کہ ان چار خصلتوں کی وجہ سے اس کے ظاہر اور باطن میں مکمل مخالفت ہو جاتی ہے'یعنی وہ ان خصلتوں کی وجہ سے منافقین سے بہت زیادہ مشابہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ پہلی حدیث میں نفاق کی علامتوں کا تین میں حصر کیا گیا تھا اور دوسری حدیث میں ایک اور علامت بیان فرمائی کہ جب وہ جھگڑا کرتا ہے تو بدکلامی کرتا ہے اور حد سے بڑھتا ہے'اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث میں مجرد نفاق کی تین علامتیں بیان فرمائی تھیں اور اس حدیث میں خالص نفاق کی چار علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم:۱۱۸۔ج ا ص ۴۸۰۔۴۷۷ میں مذکور ہے'وہاں اس کی شرح کے یہ عنوانات ہیں:
(۱) تین خصلتوں میں منافق کی علامتوں کے انحصار کی وجہ (۲) ان تین خصلتوں کے منافقوں کی علامت ہونے کی وجہ'مگر یہاں نعمۃ الباری میں اس حدیث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی گئی ہے۔

۲۵- بَابُ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْاِيْمَانِ — لیلۃ القدر کا قیام اُمور ایمان سے ہے

اس باب کی ابواب سابقہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ابواب سابقہ میں یہ باب تھا کہ سلام کو پھیلانا اُمور ایمان سے ہے اور اس باب میں لیلۃ القدر کا ذکر ہے اور لیلۃ القدر میں فرشتے عبادت گزاروں پر ساری رات سلام پڑھتے رہتے ہیں۔

۳۵- حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی'انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی'انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از اعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی

[اطراف الحدیث: ۳۷-۳۸-۱۹۰۱-۲۰۰۸-۲۰۰۹-۲۰۱۴] نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا' اس کے پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔
(صحیح مسلم: ۷۶۰)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اوران کا ذکر اسی ترتیب سے باب: ۸' میں گزر چکا ہے۔

لیلۃ القدر کے قیام سے قیام کی کتنی مقدار مراد ہے اوراس رات کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں

اس حدیث میں ''احتساب'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اللہ کی رضا کی طلب کے لیے کوئی کام کرنا نہ کہ دکھاوے اور سنانے کے لیے' لیلۃ القدر کے قیام سے مراد یہ ہے کہ اس رات میں اطاعت اور عبادت کے لیے کھڑے ہونا' لیلۃ القدر میں افضل یہ ہے کہ تمام رات نماز میں قیام کیا جائے' اور اگر رات کے کچھ حصہ میں قیام کیا تو یہ بھی کافی ہے' حتیٰ کہ اگر اس نے رات کو صرف عشاء کے فرض پڑھ لیے پھر بھی لیلۃ القدر کا قیام حاصل ہو جاتا ہے' اس رات کے قیام سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں' وہ گناہ صغیرہ ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے' اور لیلۃ القدر کے قیام سے صرف وہ گناہ معاف ہوتے ہیں' جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے' وہ صرف بندوں کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں' یہ قواعد کے مطابق تفصیل ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ مالک ہے' جو گناہ چاہے معاف فرما دے۔

٢٦- بَابُ الْجِهَادُ مِنَ الْإِيْمَانِ — جہاد اُمور ایمان سے ہے

جہاد کا لغوی معنی ہے: کسی مقصد کے حصول کے لیے سخت کوشش کرنا اور اس کا شرعی معنی ہے: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار کے ساتھ قتال کرنا' اس باب میں اور باب سابق میں مناسبت یہ ہے کہ لیلۃ القدر کا قیام اس وقت حاصل ہوتا ہے' جب انسان سخت کوشش کرے اور بہت مشقت برداشت کرے اور اپنے اہل وعیال سے اختلاط کو ترک کرے' اسی طرح کفار کے ساتھ جہاد میں بھی سخت کوشش اور بہت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور اہل وعیال کو چھوڑنا پڑتا ہے' نیز لیلۃ القدر میں ہدف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس رات کو تلاش کر کے حاصل کرے' ورنہ اس کو شب بیداری اور عبادت کا ثواب بہرحال ملتا ہے' اسی طرح جہاد میں بھی بندہ کا ہدف شہادت ہوتا ہے' ورنہ اس کو اجر اور مال غنیمت بہرحال حاصل ہوتا ہے۔

٣٦- حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيْلِهِ' لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيْمَانٌ بِي وَتَصْدِيْقٌ بِرُسُلِي' أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ' أَوْ غَنِيْمَةٍ' أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ' وَلَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ' وَلَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ' ثُمَّ أُحْيَا' ثُمَّ أُقْتَلُ' ثُمَّ أُحْيَا' ثُمَّ أُقْتَلُ۔

[اطراف الحدیث: ۲۷۸۷-۲۷۹۷-۲۹۷۲-۳۱۲۳-۷۲۲۶-۷۲۲۷-۷۴۵۷-۷۴۶۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں حرمی بن حفص نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوزرعہ بن عمرو بن جریر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس کا ضامن ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا اور اس کا گھر سے نکلنا صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے تھا کہ میں اس کو اس کے حاصل کردہ اجر یا مال غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں یا اس کو جنت میں داخل کروں اور اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں کسی لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا اور میں اس کو

ضرور پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر میں زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح مسلم:۱۸۷۶' سنن نسائی:۵۰۴۵' سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳' مسند ابوعوانہ ج ۵ ص ۱۳' سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۹۱۸۷۔ ج ۱۵ ص ۱۰۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) حرمی بن حفص بن عمر العتکی البصری' ان سے امام بخاری نے روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے' یہ ۲۲۶ھ میں فوت ہوئے تھے (۲) ابوبشر عبد الواحد بن زیاد العبدی البصری' یحییٰ' ابوحاتم اور ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابن سعد نے کہا: یہ کثیر الحدیث ہیں' یہ ۱۷۷ھ میں فوت ہوئے (۳) عمارہ بن القعقاع بن بشرمہ' ان سے زہری اور اعمش نے روایت کی ہے' یحییٰ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابوحاتم نے کہا: یہ صالح الحدیث ہیں' ان سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے (۴) ابوزرعہ ان کے نام میں کئی قول ہیں' مشہور نام هرم ہے' انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور دیگر سے سماع کیا ہے (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۶۰)

جہاد' شہادت اور شہید کی فضیلت اور اس اعتراض کا جواب کہ جو مجاہد مال غنیمت کے ساتھ لوٹے۔۔۔ اس کے اجر میں کمی ہو جاتی ہے

(۱) اس حدیث میں جہاد کی اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی فضیلت ہے اور شہادت کی تمنا کرنے کا جواز ہے اور اسی طرح ہر نیک کام کی تمنا کرنے کا جواز ہے۔

(۲) جب دو مصلحتوں میں تعارض ہو تو جو راجح مصلحت ہو' اس کو اختیار کیا جائے اور جو مرجوح ہو' اس کو ترک کر دیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں کسی لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کام سے مسلمانوں کو مشقت ہو' اس کام کو ترک کرنا چاہیے' اور یہ کہ جہاد کرنا فرض عین نہیں ہے فرض کفایہ ہے۔

(۳) اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں فرمایا ہے کہ شہید کو جنت عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے' اس میں شہید کی کیا خصوصیت ہے' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو جنت عطا فرمائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام مسلمان تو قیامت کے بعد جنت میں جائیں گے اور شہداء موت کے فوراً بعد جنت میں چلے جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

أَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ (آل عمران:۱۶۹) شہداء اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں' ان کو رزق دیا جاتا ہے○

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو حشر کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل کیا جائے گا' ان سے حساب ہوگا نہ ان کو عذاب ہوگا' اور نہ ان کے گناہوں پر گرفت ہوگی اور ان کی شہادت ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ کی راہ میں شہید ہونا' قرض کے سوا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم:۱۸۸۶)

(۴) ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مجاہد کے لیے ہر صورت میں اجر کی ضمانت دی گئی ہے' خواہ وہ شہید ہو جائے' خواہ وہ سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لے کر لوٹے' حالانکہ ایک اور حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ جو سلامتی کے ساتھ مال غنیمت کے ساتھ لوٹے' اس کے اجر کے دو حصے کم ہو جاتے ہیں اور جس کو بالکل مال غنیمت نہ ملے' اس کو پورا اجر ملتا ہے' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ غازی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور مالِ غنیمت پالے' آخرت میں اس کے اجر کے دو تہائی حصے کم ہو جائیں گے اور اس کے لیے صرف ایک تہائی اجر باقی رہ جائے گا اور اگر ان کو بالکل مالِ غنیمت نہ ملا ہو تو پھر ان کو پورا اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰۶' سنن ابوداؤد: ۲۴۹۷' سنن نسائی: ۳۱۲۵' سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں مجاہد کو اجر کی ضمانت دی ہے' خواہ وہ شہید ہو یا مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹے' اس سے مراد وہ مجاہد ہے' جو اخلاص کے ساتھ جہاد کی نیت کرے اور جس حدیث میں فرمایا ہے کہ اس کے اجر سے دو تہائی کم کیا جائے گا' اس سے مراد وہ مجاہد ہے' جو مالِ غنیمت کی طلب میں جہاد کے لیے گیا ہو۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۷۴۴۔ ج ۵ ص ۸۸۰ پر ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پر جنت عطا کرنے کے وجوب کا محمل (۲) جنت کی بشارت میں شہداء کا عام مسلمانوں سے امتیاز (۳) نیکی یا بدی پر مرنے والوں کا حشر (۴) موت کی تمنا کی ممانعت کے باوجود شہادت کی تمنا کیوں جائز ہے؟

۲۷- بَابٌ تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ — رمضان میں نفلی قیام امور ایمان سے ہے

رمضان میں نفلی قیام سے مراد ہے' رمضان کی راتوں میں نفلی عبادت کے لیے کھڑا ہونا اور تہجد اور تراویح پڑھنا' رمضان کا لفظ رمضاء سے بنا ہے' اس کا معنی سخت گرمی میں جلنا ہے' پھر یہ اس معروف مہینہ کا نام ہو گیا' باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ جہاد میں بھی مشقت ہوتی ہے اور رمضان کی راتوں کے قیام میں بھی مشقت ہوتی ہے۔

۳۷- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

[اطراف الحدیث: ۳۸۔ ۱۹۰۱۔ ۲۰۰۸۔ ۲۰۰۹۔ ۲۰۱۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی' از ابن شہاب از حمید بن عبد الرحمان از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کے لیے رمضان میں قیام کیا' اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۷۵۹' سنن ابوداؤد: ۱۳۷۱' سنن ترمذی: ۸۰۸' سنن نسائی: ۱۶۰۱' مصنف عبد الرزاق: ۷۷۱۹' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۷۸۷۔ ج ۱۳ ص ۱۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسماعیل بن اویس اصبحی' امام مالک کے بھانجے (۲) امام مالک بن انس (۳) محمد بن مسلم بن شہاب زہری' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) حمید بن عبد الرحمان بن عوف الزہری المدنی' انہوں نے کبار صحابہ سے سماع کیا ہے' ان میں ان کے والد' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ ہیں رضی اللہ عنہم' اور ان سے متعدد تابعین نے سماع کیا ہے' ان میں ابن شہاب زہری بھی ہیں' امام ابوزرعہ نے ان کی توثیق کی ہے' یہ کثیر الحدیث تھے' یہ ۷۳ سال کی عمر میں ۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۶۶۔ ۳۶۵)

عبادات سے صرف صغائر کا معاف ہونا

اس سے پہلے حدیث: ۳۵ میں گزر چکا ہے کہ لیلۃ القدر کے قیام سے بھی پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ دونوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں' اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس سے صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے' لیکن علماء کے درمیان مشہور یہ ہے کہ وضو کرنے اور پانچ وقت کی نمازوں سے' یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کے روزے سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ کبائر صرف توبہ سے یا حج سے یا شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض سے معاف ہوتے ہیں اور تمام صغائر معاف ہو چکے ہوں تو پھر کبائر میں تخفیف ہو جاتی ہے' اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی نمازیں' ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں' جب تک کہ کبائر کو نہ ڈھانپ لیا جائے۔

(صحیح مسلم: ۲۳۳- ۱۴' سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۶' سنن ترمذی: ۲۱۴' صحیح ابن خزیمہ: ۳۱۴' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۰' صحیح ابن حبان: ۱۷۳۳' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۶۷' شرح السنۃ: ۳۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۰۲۸۵- ج ۱۶ ص ۱۹۶' بیروت)

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۶۷۶- ج ۲ ص ۵۰۲- ۴۹۳ پر مذکور ہے اور اس میں حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) قیام رمضان (۲) کرم رسالت (۳) عبادت سے گناہوں کی بخشش (۴) رکعات تراویح میں مذاہب (۵) بیس رکعات تراویح پر دلائل (۶) تراویح میں ختم قرآن (۷) رمضان میں ختم قرآن کا نذرانہ (۸) غیر مقلدین سے گزارش (۹) تنہا عشاء پڑھنے والا باجماعت وتر پڑھ سکتا ہے۔

۲۸- بَابٌ صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِّنَ الْإِيْمَانِ

ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھنا امور ایمان سے ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت واضح ہے' اس باب میں رمضان کے قیام کا ذکر تھا اور اس باب میں رمضان کے روزہ کا ذکر ہے۔

۳۸- حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ' عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ' عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

(اس حدیث کے اطراف اور تخریج وہی ہیں' جو حدیث: ۳۵ میں ہے)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن فضیل نے خبر دی' وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی' از ابوسلمہ از ابوہریرہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا' اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن سالم البیکندی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) محمد بن فضیل الکوفی' انہوں نے سبیعی اور الاعمش وغیرہ تابعین سے سماع کیا' اور ان سے ثوری اور امام احمد نے سماع کیا' ابوزرعہ نے کہا: یہ اہل علم میں بہت صادق تھے' یہ ۱۵۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) یحییٰ بن سعید انصاری' مدینہ کے قاضی (۴) ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالرحمان بن عوف (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۶۸)

رمضان کے روزوں سے پورے روزے مراد ہیں اور جو عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے وہ بھی مغفرت کی بشارت میں شامل ہے

ایک سوال یہ ہے کہ جس شخص نے رمضان کا صرف ایک روزہ رکھا' کیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرف میں رمضان کے روزے رکھنے سے مراد یہ ہے کہ رمضان کے تمام روزے رکھے جائیں' دوسرا سوال یہ ہے کہ جس شخص کی نیت پورے روزے رکھنے کی ہو' لیکن وہ کسی عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو کیا وہ بھی اس بشارت کا مصداق ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! جیسے کہ جب مریض بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو قیام کا ثواب ملتا ہے' ایک اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں دو لفظ ہیں' ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے' ان دو میں سے ایک لفظ ضرور زائد ہے' کیونکہ جو مومن ہوگا وہ ثواب کی نیت سے ہی روزے رکھے گا اور جو ثواب کی نیت سے روزے رکھے گا' وہ مومن ہی ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات انسان مومن تو ہوتا ہے لیکن وہ ثواب کی نیت سے کام نہیں کرتا بلکہ دکھاوے کے لیے کرتا ہے' اس لیے دونوں لفظوں کی ضرورت ہے۔

۲۹- بَابُ الدِّينُ يُسْرٌ — دین آسان ہے

اس باب کا عنوان ہے: دین آسان ہے' اور باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے اور رمضان میں آسانی یہ ہے کہ مریض اور مسافر اگر رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں تو بعد میں قضا کر سکتے ہیں اور شیخ فانی اور جس شخص کو دائمی عذر ہو' وہ روزوں کا فدیہ دے کر روزوں کو بالکلیہ ترک کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج: ۷۸)

اور (اللہ نے) تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ.

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے' جو باطل سے مجتنب ہو اور سہل ہو۔

۳۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ' عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ ' عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ' عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ هٰذَا الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ ' فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا' وَاَبْشِرُوْا' وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَ شَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبد السلام بن مطہر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی' از معن بن محمد الغفاری از سعید بن ابی سعید المقبری' از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے' اور جو شخص بھی دین پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا' اس پر دین غالب آ جائے گا' پس تم درست کام کرو اور درستی کے قریب کام کرو اور (جنت کی) خوش خبری سن لو اور صبح کے وقت اور شام کے وقت اور رات کے کچھ اندھیرے میں عبادت سے مدد حاصل کرو۔

(سنن نسائی: ۵۰۳۹' الاحاد والمثانی: ۱۱۹۰' مسند ابو یعلیٰ: ۶۸۶۳' المعجم الکبیر: ۳۰۷۲۔ ج ۱۷' صحیح ابن حبان: ۳۵۱' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۸' مسند احمد ج ۵ ص ۶۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۰۶۶۹۔ ج ۳۴ ص ۲۶۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبد السلام بن مطہر الازدی البصری انہوں نے مشہور اعلام سے روایت کی' جن میں شعبہ ہیں اور ان سے اعلام نے روایت کی' جن میں امام بخاری' امام ابوداؤد' ابوزرعہ اور ابوحاتم ہیں' ابوحاتم نے کہا: وہ بہت سچے ہیں' ان کی وفات ۲۲۴ھ میں ہو گئی (۲) عمر بن علی بن عطاء المقدمی البصری انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے سماع کیا' جن میں ہشام بن عروہ ہیں' اور ان سے بہت اعلام نے سماع کیا' جن میں عمرو بن علی ہیں' یہ مدلس تھے اور بہت تدلیس کرتے تھے' عفان نے کہا: یہ نیک آدمی تھے' تدلیس کے علاوہ ان میں اور کوئی عیب نہ تھا' یہ ۱۹۰ھ میں فوت ہو گئے (۳) معن بن محمد الغفاری' انہوں نے حمید سے سماع کیا اور ان سے ابن جریج اور دیگر نے سماع کیا' ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ ان سے روایت کرتے ہیں (۴) سعید بن ابی سعید المقبری المدنی' انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے' ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' امام احمد نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں' ابن سعد نے کہا: جب یہ بوڑھے ہو گئے تھے تو موت سے پہلے ان کا حافظہ مختلط ہو گیا تھا' ان کی ۱۲۵ھ میں وفات ہوئی (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱ ص۳۷۱۔۳۷۰)

اپنی طاقت سے زیادہ عبادت کرنے کی ممانعت اور اعتدال اور میانہ روی سے عبادت کرنے کی ترغیب

اس حدیث میں سہولت اور آسانی کے ساتھ عمل کرنے پر برانگیختہ فرمایا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جن اعمال میں زیادہ دوام ہو' خواہ وہ کم ہوں اور آپ نے فرمایا: (تم اپنے آپ کو) ان اعمال کا مکلف کرو' جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔ (صحیح البخاری: ۶۴۶۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم وصال کے روزے (جن میں نہ سحری ہو نہ افطار) نہ رکھو' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں! آپ نے فرمایا: تم میری مثل نہیں ہو' بے شک میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں' میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے' تم (خود کو) ان اعمال کا مکلف کرو' جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔
(صحیح مسلم' کتاب الصیام: ۵۸' الرقم المسلسل: ۲۵۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم (خود کو) ان اعمال کا مکلف کرو' جن کی تم میں طاقت ہو۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۲۵۲۷' مسند احمد ج۲ ص۲۳۱' ج۲ ص۳۵۰۔۳۱۶۔۲۵۷)

نبی ﷺ نے عبادات میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے اور اپنے نفس کو زیادہ مشقت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو عبادات فرض کی ہیں' وہ مسلسل اور لگاتار نہیں فرض کیں' مثلاً وقفے وقفے سے دن کے مختلف اوقات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں' یہ بندوں پر اس کی آسانی اور رحمت ہے۔

نیز فرمایا: جو شخص بھی دین پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا' دین اس پر غالب آجائے گا' یعنی تم میں سے کوئی شخص زیادہ گہرائی میں نہ جائے اور آسان عبادت کو چھوڑ کر مشکل عبادت کو نہ اختیار کرے اور جو شخص ایسا کرے گا' وہ تھک جائے گا یا اکتا جائے گا یا عاجز آجائے گا' پھر وہ بعض یا کل عبادات کے کام نہیں کر سکے گا اور پھر اس کو عمل نہ کرنے کا عذاب ہو گا' سو تم حتی الامکان درست کام کرنے کی کوشش کرو۔

نیز فرمایا: تم صبح' شام اور رات کے کچھ وقت میں عبادت کرو یعنی فرصت کے اوقات میں عبادت کرو تاکہ تم تروتازہ ہو کر خوشی

سے عبادت کرو اور بے دلی اور اکتاہٹ سے عبادت نہ کرو۔

۳۰- بَابٌ اَلصَّلٰوةُ مِنَ الْاِیْمَانِ — نماز امور ایمان سے ہے

اس باب کی باب سابق سے مناسبت اس طرح ہے کہ سابق باب میں صبح اور شام یعنی دن کے وقت میں اور رات کے کچھ وقت میں عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور پانچ نمازیں فرض ہیں' ان میں چار نمازیں یعنی فجر' ظہر' عصر اور مغرب دن کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں اور عشا کی نماز رات کے وقت میں پڑھی جاتی ہے' نیز اس سے پہلے ابواب میں روزے کا ذکر تھا اور اس باب میں نماز کا ذکر ہے اور نماز اور روزہ دونوں دین کے عظیم ارکان میں سے ہیں۔

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ (البقرۃ:۱٤۳) يَعْنِيْ صَلٰوتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ.

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں فرمائے گا'' (البقرہ: ۱۴۳) یعنی بیت اللہ کے پاس جو تم نے نماز پڑھی ہے۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز پر ایمان کا اطلاق کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ نماز ایمان کا جز ہے' امام واحدی المتوفی ۴۶۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ قبلہ تبدیل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اصحاب فوت ہو گئے تھے' ان میں حضرت سعد بن زرارہ' حضرت ابوامامہ بنو النجار سے اور حضرت البراء بن معرور بنو سلمہ سے تھے' تو ان کے قبیلہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! ہمارے بھائی قبلہ اولیٰ (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اب اللہ نے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف پھیر دیا ہے' پس ہمارے ان بھائیوں کی پڑھی ہوئی نمازوں کا اب کیا حکم ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تمہارے ایمان (یعنی نماز) کو ضائع نہیں فرمائے گا۔

(الوسیط ج ۱ ص ۲۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

٤٠- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ' عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلٰى اَجْدَادِهٖ' اَوْ قَالَ اَخْوَالِهٖ مِنَ الْاَنْصَارِ' وَاَنَّهٗ صَلّٰى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا' اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا' وَكَانَ يُعْجِبُهٗ اَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ' وَاَنَّهٗ صَلّٰى اَوَّلَ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا صَلٰوةَ الْعَصْرِ' وَصَلّٰى مَعَهٗ قَوْمٌ' فَخَرَجَ رَجُلٌ مِّمَّنْ صَلّٰى مَعَهٗ' فَمَرَّ عَلٰى اَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ' فَقَالَ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ' فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ' وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ قَدْ اَعْجَبَهُمْ اِذْ كَانَ يُصَلِّيْ قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ' وَاَهْلُ الْكِتَابِ' فَلَمَّا وَلّٰى وَجْهَهٗ قِبَلَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے حدیث بیان کی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء مدینہ میں آئے تو آپ انصار میں سے اپنے نانا یا ماموں کے ہاں ٹھہرے اور آپ نے سولہ (۱۶) مہینے یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو' اور آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز پڑھی' وہ عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی' پھر ایک شخص جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی' وہ باہر نکلا اور ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا' اس وقت وہ لوگ رکوع میں تھے' پس اس نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں' میں نے (ابھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے' تب لوگ نماز میں ہی گھوم کر بیت اللہ کی

الْبَيْتِ أَنْكَرُوا ذٰلِكَ.

طرف پھر گئے اور یہود اور اہل کتاب کو یہ پسند تھا کہ جب آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور جب آپ نے اپنا منہ بیت اللہ کی طرف کر لیا تو یہ ان کو ناگوار ہوا۔

قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ فِي حَدِيْثِهِ هٰذَا أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تَحَوَّلَ رِجَالٌ وَّقُتِلُوْا، فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُوْلُ فِيْهِمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ﴾ (البقرہ:١٤٣).

[اطراف الحدیث: ۱۸۵۶۴۔ ۱۸۷۳۲]

زہیر نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے حدیث بیان کی از البراء ان کی اس حدیث میں یہ ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے کچھ لوگ فوت ہو گئے اور کچھ لوگ شہید ہو گئے پس ہم نے از خود نہیں جانا کہ ہم ان کے متعلق کیا کہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں فرمائے گا''۔ (البقرہ:۱۴۳)

(صحیح مسلم:۵۲۵' ترمذی:۲۹۶۲۔ ۳۴۰' صحیح ابن خزیمہ:۴۳۳' صحیح ابن حبان:۱۷۱۶' سنن بیہقی ج ۲ ص ۲' ابن الجارود:۱۶۵' معرفۃ السنن والآثار:۲۸۷۶' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۳' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۳ طبع قدیم' مسند احمد:۱۸۴۹۶۔ ج ۳۰ ص ۵۴۔ ۵۳ ۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) ابوالحسن عمرو بن خالد الجزری الحرانی' یہ لیث اور ابولہیعہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام بخاری' ابوزرعہ اور امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں' ابوحاتم نے کہا: یہ صدوق ہیں' یہ ۲۲۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) زہیر بن معاویہ الجعفی الکوفی' انہوں نے حمید اور السبیعی اور دیگر تابعین سے سماع کیا ہے اور ان سے یحییٰ القطان اور کئی ائمہ نے سماع کیا ہے' ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' مگر ابواسحاق سے انہوں نے اس کے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے' یہ ۱۷۳ھ یا ۱۷۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن علی کوفی' جلیل القدر تابعی ہیں' ان کی توثیق پر سب متفق ہیں' انہوں نے حضرت علی' حضرت اسامہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے' ان سے سماع نہیں کیا' اور حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابن الزبیر' حضرت معاویہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے' اور ان سے تیمی' قتادہ اور اعمش نے سماع کیا ہے' ان سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے' یہ ۱۲۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ الانصاری الاوسی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۳۰۵' احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے ۲۲ پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' ۱۵' احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ۶' احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' جنگ احد میں یہ حضرت ابن عمر کے ساتھ گئے تھے' مگر ان کو کم سن قرار دیا گیا' پھر غزوۂ خندق اور باقی تمام مغازی میں حاضر رہے' ۲۴ھ میں انہوں نے رے (طہران) کو فتح کیا' اور حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ غزوۂ تستر میں تھے' حضرت علی کے ساتھ ان کے تمام مشاہد میں رہے' مصعب بن زبیر کے ایام میں کوفہ میں فوت ہو گئے' ان سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۷۹۔ ۳۷۸)

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کا جواز

(۱) اس حدیث کے فوائد میں سے نسخ کا ثبوت ہے اور یہودیوں کے سوا سب کا اس پر اجماع ہے کہ احکام شرعیہ کا منسوخ ہونا ثابت ہے' حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہنوں کا بھائیوں کے ساتھ نکاح جائز تھا' اسی سے نسل انسان پھیلی اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا' اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں آزاد کو غلام بنانا جائز تھا' بعد میں یہ احکام منسوخ ہو گئے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سنت کا قرآن سے نسخ جائز ہے کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا سنت سے ثابت تھا' جس کو قرآن نے منسوخ کر دیا' امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد اور اہل ظاہر اس کے قائل نہیں ہیں اور امام

ابوحنیفہ اور جمہور اس کے قائل ہیں۔

(۳) اس حدیث میں دلیل ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے' کیونکہ جس شخص نے نبی ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی تھی' اس کے خبر دینے سے مدینہ کی دوسری مسجد کے نمازیوں نے اپنا قبلہ تبدیل کر لیا۔

(۴) اس میں یہ دلیل ہے کہ ایک نماز کو دو طرف منہ کر کے پڑھنا جائز ہے' اگر کسی شخص کو نماز میں پتا چل جائے کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو وہ اس طرف مڑ جائے۔

(۵) اس حدیث میں نبی ﷺ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنے کا جواز ہے کیونکہ اس مسجد کے نمازی یہ بھی کر سکتے تھے کہ نماز توڑ کر نبی ﷺ کے پاس جاتے کہ قبلہ تبدیل ہوا ہے یا نہیں۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوال کے بغیر بیت اللہ کو آپ کے لیے قبلہ بنا دیا اور فرمایا: ''ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں'' (البقرہ: ۱۴۴)۔

۳۱- بَابُ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ — کسی شخص کے اسلام کا حسن

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں نماز قائم کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں کسی شخص کے حسن اسلام کا ذکر ہے اور کسی شخص کے اسلام میں اسی وقت حسن ہوگا' جب وہ نماز قائم کرے گا۔

۴۱- قَالَ مَالِكٌ اَخْبَرَنِىْ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِىَّ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ' يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا' وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ' وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے کہا: مجھے زید بن اسلم نے خبر دی کہ عطاء بن یسار نے ان کو خبر دی' انہوں نے کہا: ان کو حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب بندہ اسلام لائے اور اسلام پر اچھی طرح عمل پیرا ہو تو اللہ اس کے ہر سابقہ گناہ کو مٹا دیتا ہے اور اس کے بعد برابر برابر ہے' ایک نیکی کا دس مثل سے لے کر سات سو مثل تک اجر ہوتا ہے اور ایک بُرائی کی اتنی ہی سزا ہوتی ہے' سوا اس کے کہ اللہ اس بُرائی سے درگزر فرمائے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مالک بن انس رحمہ اللہ (۲) زید بن اسلم' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں (۳) عطاء بن یسار' یہ حضرت ام المؤمنین کے آزاد کردہ غلام ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) حضرت ابوسعید سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۹۱)

حسن اسلام کے معانی

اس حدیث میں فرمایا ہے: جب بندہ اسلام لائے اور اس پر اچھی طرح عمل پیرا ہو' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائے' اور اس کا یہ معنی بھی ہے' جیسا کہ حدیث جبریل میں نبی ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو' اس سے مراد یہ ہے کہ بہت زیادہ اخلاص اور خضوع اور خشوع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔
اس حدیث میں فرمایا ہے: تو اللہ اس کے ہر سابقہ گناہ کا کفارہ کر دیتا ہے' کفارہ کا معنی ہے: گناہوں کو ڈھانپ لینا' اور اس کا یہ

معنی بھی ہے کہ وہ گناہوں کی وجہ سے جس عذاب کا مستحق تھا اللہ تعالیٰ اس عذاب کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور اس حدیث میں ''زلفها'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: وہ جس گناہ کے قریب گیا تھا اور اس کا یہ معنی بھی ہے: اس نے جس گناہ کو پہلے کیا تھا۔

حسن اسلام کے سلسلہ میں مشہور حدیث یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی (غیر مقصود چیزوں کو) ترک کر دے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۱۷ 'سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۶ 'مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۱)

اسلام لانے کے بعد اگر سابقہ بُرے کام دوبارہ کیے تو پھر وہ بُرے کام معاف ہوں گے یا نہیں؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: کیا ہم سے جاہلیت کے کاموں پر گرفت کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: جو اسلام پر عمدہ طریقہ سے عمل پیرا ہوا اس سے جاہلیت کے افعال پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے اسلام میں بُرے کام کیے اس کے پہلے اور بعد کے کاموں پر گرفت کی جائے گی۔ (صحیح البخاری: ۶۹۲۱ 'صحیح مسلم: ۱۲۰ 'مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۹)

اسلام پر عمدہ طریقہ سے عمل پیرا ہونے کا معنی یہ ہے کہ اسلام کے فرائض اور واجبات پر عمل کرے اور حرام اور مکروہ تحریمی کاموں سے باز رہے اور اسلام میں برے کاموں سے مراد یہ ہے کہ اسلام میں ان ممنوع کاموں کو کرے' جن کو جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔

حضرت ابن مسعود کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان نے اسلام لانے سے پہلے جو بعض ایسے حرام کام کیے' جو زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے اور جن سے وہ اسلام لانے کے بعد اجتناب کرتا ہے' ان حرام کاموں کو اسلام لانے کے بعد مٹا دیا جاتا ہے' اور رہے وہ حرام کام جن کو اس نے زمانہ جاہلیت میں کیا اور اسلام لانے کے بعد بھی ان حرام کاموں پر اصرار کیا تو اس سے ان کاموں پر بھی گرفت کی جائے گی' کیونکہ جب اسلام لانے کے بعد اس نے ان حرام کاموں پر اصرار کیا تو وہ ان حرام کاموں سے تائب نہیں ہوا تھا' سو بغیر توبہ کے وہ گناہ نہیں مٹائے جائیں گے' اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد زمانہ کفر کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں' خواہ وہ اسلام لانے کے بعد ان گناہوں کو دوبارہ کرے یا نہ کرے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں جاگزین کر دیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' پھر میں نے کہا: آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں' آپ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا' آپ نے پوچھا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے کہا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں' آپ نے پوچھا: کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: میری مغفرت کر دی جائے' آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے' اور ہجرت پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب الایمان: ۱۹۲' رقم بلا تکرار: ۱۲۱' الرقم المسلسل: ۳۱۴)

حضرت ابن مسعود کی حدیث کی وجہ سے حضرت عمرو بن العاص کی حدیث کے عموم کو مقید کیا جائے گا یا حضرت ابن مسعود کی حدیث کی تاویل کی جائے گی' اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث بہ ظاہر اجماع امت کے خلاف ہے کہ اسلام زمانہ کفر کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ. (الانفال: ۳۸)

آپ ان کافروں سے کہیے کہ اگر یہ لوگ (کفر سے) باز آ جائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اور اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ کافر جب اسلام لے آئے تو اس کے پچھلے گناہوں پر مواخذہ نہیں کیا جاتا' پس اگر وہ اسلام لانے کے بعد انتہائی بُرا کام کرے اور وہ اسلام کی حالت میں بہت سخت گناہ پر سوار ہو تو اسلام میں اس کی اس بڑی معصیت پر گرفت کی جائے گی اور زمانۂ کفر کی معصیت اور اس کو مٹانے پر سرزنش اور زجر و توبیخ کی جائے گی' اس سے کہا جائے گا: کیا تو نے زمانۂ کفر میں یہ کام نہیں کیا تھا پھر تیرے اسلام نے تجھے اس کام کو دوبارہ کرنے سے کیوں نہیں روکا؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ کفر کی معصیت پر تو صرف سرزنش اور ملامت کی جائے گی اور زمانۂ اسلام کی معصیت پر اس کو سزا دی جائے گی۔

حضرت ابن مسعود کی حدیث کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ زمانۂ اسلام میں بُرا کام کرنے سے مراد کفر ہے' کیونکہ وہ انتہائی برا کام اور بہت سخت معصیت ہے' پس جب وہ شخص مرتد ہو گیا اور کفر پر مر گیا' پھر وہ اس شخص کی طرح ہو گیا' جو اسلام نہیں لایا اور اس کو اس کے تمام سابقہ گناہوں پر سزا دی جائے گی' اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو ابواب المرتدین میں درج کیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ جو شخص اسلام پر عمدہ طریقہ سے عمل پیرا ہو یعنی اس نے اسلام کے تمام احکام پر ان کی شرائط کے ساتھ عمل کیا تو اس کے زمانۂ جاہلیت کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے اسلام لا کر برا کام کیا یعنی توحید کے عقیدہ کو ترک کر دیا تو اس کے تمام سابقہ گناہوں پر مواخذہ کیا جائے گا' میں نے علماء کی ایک جماعت پر اس حدیث کے جواب کو پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ اس حدیث کا اور کوئی معنی نہیں ہے۔

محب طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص صحیح اسلام لایا' جس میں نفاق نہ ہو' اس کے زمانۂ جاہلیت کے برے کاموں کا کفارہ ہو جائے گا اور جس نے زمانۂ اسلام میں نفاق کیا' اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ نہیں ہو گا۔

علامہ داؤدی نے کہا: جو اسلام لانے کے بعد اسلام پر مر گیا' اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو گا اور جو غیر اسلام پر مرا' اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ نہیں ہو گا۔

علامہ قرطبی نے کہا: جو اخلاص سے اسلام لایا' اس کے زمانۂ جاہلیت کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جو ریاکاری اور دکھانے کے لیے اسلام لایا' اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ نہیں ہو گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۰۷۔۶۹' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

۴۲- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ' عَنْ هَمَّامٍ' عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ' فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ' وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا. (صحیح مسلم: ۱۲۹' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۸۴' صحیح ابن حبان: ۲۲۸' شعب الایمان: ۷۰۴۶' کتاب الاسماء والصفات ص ۱۷۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۳ ص ۵۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی' از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اسلام پر اچھی طرح سے عمل پیرا ہو' تو ہر وہ نیکی جس پر وہ عمل کرتا ہے' اس کے لیے دس گنا سے لے کر سات سو گنا لکھی جاتی ہے اور ہر وہ برائی جس پر وہ عمل کرتا ہے' اس کی وہ ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسحاق بن منصور بن بہرام نیشاپوری' امام ابوداؤد کے سوا ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' امام نسائی نے کہا: یہ

ثقہ اور ثبت ہیں' یہ ۲۵۱ھ میں نیشاپور میں فوت ہو گئے تھے (۲) عبدالرزاق بن همام بن نافع الیمانی الصنعانی' انہوں نے معمر' ثوری اور امام مالک وغیرہ سے سماع کیا ہے' معمر اور امام احمد نے ان کی توثیق کی' ابواحمد بن عدی نے کہا: یہ قوی نہیں ہیں' عباس بن عبدالعظیم نے ان کی جھوٹ کی طرف نسبت کی' اور کہا: واقدی ان سے زیادہ صادق ہیں' ان کی تشیع کی طرف نسبت کی گئی ہے' انہوں نے فضائل اہل بیت میں ایسی احادیث روایت کیں' جن میں کسی ثقہ راوی نے ان کی موافقت نہیں کی اور یہ منکر احادیث کو روایت کرنے سے زیادہ مذموم ہے' یہ ۲۱۱ھ میں فوت ہو گئے تھے' بہت بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۳) معمر بن راشد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) همام بن منبہ بن کامل الیمانی الصنعانی' یہ تابعی ہیں' انہوں نے حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ سے سماع کیا' یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور بہت بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۳۱ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' آپ کا تعارف گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۹۸۔۳۹۷)

نیک کاموں کے اجر میں اضافہ پر دلائل

اس حدیث میں فرمایا ہے: ہر وہ نیکی جس پر کوئی شخص عمل کرتا ہے' اس کے لیے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے: دس گنا کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. (الانعام:۱۶۰) جو شخص ایک نیکی کرے گا' اسے اس کی دس مثلیں ملیں گی۔

اور سات سو گنا اجر کی دلیل یہ آیت ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ. (البقرہ:۲۶۱) جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں' اس کی مثال اس دانے کی طرح ہے' جو سات خوشے اگائے اور ہر خوشہ میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں کو اور بُرے کاموں کو لکھ لیا ہے' پھر ان کا بیان فرمایا: پس جس نے نیکی کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل نہیں کیا' اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور جس نے نیکی کا منصوبہ بنایا' پھر اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی دس نیکیاں لکھ لیتا ہے' سات سو دگنی چوگنی نیکیوں سے لے کر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر' اور جس نے کسی بُرائی کا منصوبہ بنایا' پھر اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی ایک کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر اس نے بُرائی کا منصوبہ بنایا اور پھر اس بُرائی پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی صرف ایک بُرائی لکھتا ہے۔ (صحیح البخاری:۶۴۹۱' صحیح مسلم:۱۳۱' سنن دارمی:۲۷۸۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۰۔ج ۱ ص ۲۱۹ طبع قدیم)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۴۲۔ ج ۱ ص ۵۹۲ پر ہے' وہاں پر اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) ھم اور عزم کی تعریفیں اور ان کا شرعی حکم (۲) دس سے لے کر سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ اجر عطا فرمانے کی تحقیق۔

۳۲- بَابُ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهٗ
اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عبادت وہ ہے جس میں زیادہ دوام ہو

اس باب کی سابق باب کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں کسی شخص کے اسلام کا حسن بیان فرمایا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور اس باب میں نیک اعمال پر دوام مطلوب ہے اور جب بندہ نیک اعمال پر دوام

کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو خود دوام ہے' اس لیے وہ دوام کو پسند فرماتا ہے۔ اس عنوان میں ''دین'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد نیک اعمال اور عبادت ہے' امام بخاری کا مطلوب یہ ہے کہ یہاں ایمان کا اطلاق نیک اعمال پر ہے' لیکن یہ مطلوب اس وقت ثابت ہوتا' جب دین سے مراد ایمان ہوتا' لیکن یہاں دین سے مراد نیک اعمال اور عبادت ہے۔ اس باب کے عنوان اور حدیث میں ''ادوم'' کا لفظ ہے اور یہ دوام کا اسم تفضیل ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ دوام' اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ دوام کا معنی ہے: جو چیز ہمیشہ ہو اور تمام زمانوں میں ہو' پس جو چیز تمام زمانوں میں ہو' اس پر زیادتی کیسے ہو سکتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد دوام حقیقی نہیں ہے' دوام عرفی ہے اور اس میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے۔

۴۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى' حَدَّثَنَا يَحْيٰى' عَنْ هِشَامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ' عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَاَةٌ قَالَ مَنْ هٰذِهٖ؟ قَالَتْ فُلَانَةُ' تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا' قَالَ مَهْ' عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ' فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا. وَكَانَ اَحَبَّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ.

(صحیح مسلم: ۷۸۵' سنن ترمذی: ۲۸۵۶' شمائل ترمذی: ۳۰۴' سنن نسائی: ۵۰۵۰-۱۶۴' مسند اسحاق بن راھویہ: ۶۲۶' شرح السنۃ: ۹۳۳' صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۸۲' مسند ابویعلیٰ: ۴۶۵۱' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۶۶-۶۵' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۹۸' مسند احمد ج ۶ ص ۵۱-۴۶ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۴۲۴۵-۲۴۱۸۹- ج ۴۰ ص ۲۲۲- ج ۴۰ ص ۲۹۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مثنیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام' انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے' اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی' آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: یہ فلاں عورت ہے' اس کی نماز کا بہت چرچا ہے' آپ نے فرمایا: چپ کرو' تم ان عبادات کو لازم رکھو جن کی تم طاقت رکھتے ہو' پس اللہ کی قسم! اللہ اس وقت تک نہیں اکتاتا' جب تک تم نہ اکتا جاؤ' اور اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عبادت وہ ہے' جس پر عبادت کرنے والا دوام کرے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ البصری' ان کا تعارف ''باب حلاوۃ الایمان'' میں گزر چکا ہے (۲) یحییٰ بن سعید القطان' ان کا تعارف اس باب میں گزر چکا ہے: جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے (۳) ہشام بن عروہ (۴) ہشام کے والد عروہ بن الزبیر' ان کا تعارف بھی الحدیث: ۲ میں گزر چکا ہے (۵) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا' ان کا تعارف الحدیث: ۲ میں ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰۰)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عائشہ نے حولاء کے منہ پر اس کی تعریف کی حالانکہ منہ پر تعریف کرنا منع ہے

اس حدیث میں ہے' حضرت عائشہ نے کہا: اس وقت ان کے پاس ایک عورت تھی' اس عورت کا نام الحولاء تھا یا کوئی اور تھی' امام بخاری نے کہا ہے: یہ عورت بنو اسد سے تھی اور یہ عورت الحولاء بنت تویت تھی' حضرت الحولاء بہت نیک اور عابدہ مہاجرہ خاتون تھیں۔

اس حدیث میں ''مَہ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چپ کرو یا بس کرو' اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ نے اس خاتون کے سامنے کہا کہ اس عورت کی عبادت کا بہت چرچا ہے' حالانکہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرنا ممنوع ہے' اس کا ایک جواب یہ

ہے کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا' اس وقت منع ہے جب اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو' اور جب یہ خدشہ نہ ہو تو پھر منہ پر تعریف کرنا جائز ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کے سامنے ان کی تعریف کی' جیسے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: بے شک تمام لوگوں میں اپنی جان اور مال سے' میرے ساتھ سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۶۶) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم تھا کہ یہ خاتون فتنہ میں مبتلا نہیں ہوگی' دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک اور روایت میں ہے کہ اس خاتون کے جانے کے بعد حضرت عائشہ نے اس خاتون کے متعلق کہا تھا: یہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰۲)

نیز اس حدیث میں ہے: پس اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں اکتاتا' جب تک تم نہ اکتا جاؤ' حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کو اس وقت تک ملال نہیں ہوتا جب تک کہ تم کو ملال نہ ہو۔ ملال کا معنی ہے: کسی چیز کو بوجھ سمجھ کر اس کو ترک کر دینا اور اس کو ناپسند کرنا' ملال کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں' یہ مخلوق کی صفات میں سے ہے' اللہ تعالیٰ کی صفات سے نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملال کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی عمل پر ثواب عطا کرنے کو ترک کر دے' سو اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا' اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک تم عبادت کرنے کو ترک نہ کرو' اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب عطا کرنے کو ترک نہیں کرتا۔

امت پر شفقت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشکل اور دشوار عبادات سے منع فرمانا

اس حدیث میں نفلی عبادات کو دوام کے ساتھ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت کا بیان ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل کریں اور اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر طاقت سے زیادہ عمل کرنے کی کوشش نہ کریں' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مسلسل روزے رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرمایا' وہ نہیں مانے اور کہا: میں اس کی طاقت رکھتا ہوں' بڑھاپے میں ان کی صحت اس سے متاثر ہوگئی تو وہ اس پر افسوس کرتے تھے کہ کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت پر عمل کر لیتا۔

اس حدیث کا متن درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو (نماز میں) قیام کرتے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم ایسا مت کرو' ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن روزہ نہ رکھو' اور رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی کرو' کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم مہینہ میں تین روزے رکھ لو' کیونکہ تمہیں ہر نیکی کا دس گنا اجر ملے گا' اور اس طرح تمہارے دائمی روزے ہو جائیں گے' میں نے مسلسل روزے رکھنے پر اصرار کیا' آپ نے اصرار سے منع کیا' میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی قوت پاتا ہوں' آپ نے فرمایا: پھر تم اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں کی طرح روزے رکھو' اور اس سے زیادہ نہ رکھو' میں نے پوچھا: اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کس طرح روزے رکھتے تھے؟ آپ نے فرمایا: نصف الدھر (ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا) (دوسری روایت میں ہے: یہ سب سے افضل روزے ہیں' میں نے کہا: میں اس سے افضل کی طاقت رکھتا ہوں' تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس سے کوئی افضل نہیں ہے۔ صحیح البخاری: ۱۹۷۶) بوڑھے ہونے کے بعد حضرت عبداللہ یہ کہتے تھے: کاش! میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی رخصت کو قبول کر لیتا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۷۵' صحیح مسلم: ۱۱۵۹' سنن ابوداؤد: ۲۴۴۸' سنن نسائی: ۱۶۲۹' سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۲)

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۷۳۰۔ ج ۱ ص ۷۵۳ پر ہے اور اس کی شرح میں حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) اکتانے اور استہزاء وغیرہ کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق (۲) نفلی عبادات پر دوام کا معنی (۳) نفلی عبادات اور بدعات کے درمیان حد فاصل (۴) جس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ترک کیا ہو وہ علی الاطلاق بدعت نہیں ہے (۵) رسول اللہ کے کسی کام کو ترک کرنے کی وجہ سے بدعت کا ضابطہ (۶) نفلی عبادات کے ساتھ فرض یا واجب کا معاملہ کرنے کی ممانعت (۷) بدعت سیئہ کی تعریف (۸) بدعت کا شرعی معنی اور اقسام (۹) بدعت حسنہ اور مصالح مرسلہ (۱۰) بدعت حسنہ کی وجہ اختراع اور بدعت سیئہ کا مصداق (۱۱) ایک شبہ کا ازالہ (۱۲) قرون ثلثہ پر سنت و بدعت کا مدار۔

۳۳- بَابُ زِيَادَةِ الْإِيْمَانِ وَنُقْصَانِهٖ — ایمان کی زیادتی اور اس کا نقصان

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح کہ سابق باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عبادت وہ ہے جس میں زیادہ دوام ہو اور اس باب میں ایمان کی زیادتی اور نقصان کا ذکر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بندہ کسی عبادت کو دوام کے ساتھ زیادہ کرتا ہے تو اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور جب وہ اس کے دوام میں تقصیر کرتا ہے تو اس کا ایمان کم ہوتا ہے اور یہی امام بخاری کا مطلوب اور مقصود ہے اور یہ ہم احناف کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں اور اس کے امام بخاری بھی قائل ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾ (الکہف: ۱۳) ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا﴾ (المدثر: ۳۱) وَقَالَ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدہ: ۳) فَاِذَا تَرَكَ شَيْئًا مِنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ.

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اصحاب کہف کی ہدایت کو زیادہ کیا O'' (الکہف: ۱۳) ''اور ایمان والے ایمان میں زیادہ ہو جائیں'' (المدثر: ۳۱) اور فرمایا: ''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا'' (المائدہ: ۳) اور جب کمال میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا جائے تو وہ ناقص ہوتی ہے۔

٤٤- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ اَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. [طرف الحدیث: ۷۵۰۹]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: وہ شخص دوزخ سے نکل آئے گا، جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی نیکی ہو اور وہ شخص دوزخ سے نکل آئے گا، جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ایک گندم کے برابر بھی نیکی ہو اور وہ شخص دوزخ سے نکل آئے گا، جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ایک جوار (یا ذرہ) کے برابر بھی نیکی ہو۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ترمذی: ۲۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۵۱۔ ۵۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۴۳، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۷۰۶، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۸۰۔ ۱۷۹، صحیح ابن حبان: ۶۴۶۴، الشریعۃ للآجری ص ۳۴۹، کتاب الاسماء والصفات ص ۱۹۱، شرح السنۃ:

۴۴۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۶ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۱۵۳۔ ج ۱۹ ص ۱۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

قال اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا اَنَسٌ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِيْمَانٍ مَكَانَ مِنْ خَيْرٍ.

امام بخاری کہتے ہیں: ابان نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی' از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اس میں خیر کے بجائے ایمان کا لفظ ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مسلم بن ابراہیم البصری الازدی' ان سے امام بخاری اور امام ابوداؤد نے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۳۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۲ھ میں فوت ہو گئے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ مامون ہیں' ابوحاتم نے کہا: ثقہ صدوق ہیں' انہوں نے ستر (۷۰) خواتین سے احادیث سماع کی ہیں (۲) ہشام بن ابوعبداللہ الربعی البصری' وکیع نے کہا: یہ ثبت تھے' امام ابوداؤد طیالسی نے کہا: یہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں' محمد بن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت فی الحدیث تھے' مگر یہ قدری تھے' یہ ۱۴۵ھ میں فوت ہو گئے (۳) قتادہ بن دعامہ (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ان دونوں کا تعارف گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰۵)

بعض الفاظ کے معانی اور اس اشکال کا جواب کہ ایمان تو ایک کیفیت ہے' اس کا ذرہ برابر وزن کیسے ہوگا اور اس اعتراض کا جواب کہ محمد رسول اللہ پڑھے بغیر صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھنے سے کیسے نجات ہوگی؟

اس حدیث میں ''شعیرۃ'' اور ''بُرّۃ'' کا لفظ ہے' ''شعیرۃ'' کا معنی جَو ہے' اور ''بُرّۃ'' کا معنی گندم ہے اور ''الذرۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چھوٹی چیونٹی' اور اس کا معنی ہے: سوئی کے ناکے کے برابر وہ غبار جو سورج کی شعاع میں نظر آتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم اپنے ہاتھ سے گرد جھاڑو تو جو گرد جھڑے گی' وہ ذرہ ہوگا' ایک قول یہ ہے کہ چار ذروں سے مل کر ایک خردل (رائی کا دانہ) بنتا ہے' شعبہ نے اس لفظ کو بدل کر ''ذُرَة'' لکھا ہے' اس کا معنی ہے: جوار کا دانہ۔

اور اس حدیث میں ''یَخْرُجُ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: نکلتا ہے اور بعض روایات میں ''یُخْرَجُ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: نکالا جائے گا۔

اس حدیث میں ہے: جس کے دل میں ذرہ کے برابر خیر ہو' خیر سے مراد ایمان ہے' جیسا کہ امام بخاری نے ابان کی تعلیق میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ کے برابر ایمان ہو' وہ دوزخ سے نکل آئے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایمان کا وزن کس طرح کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اعمال کے جس صحیفہ میں ایمان لکھا ہوگا' اس صحیفہ کا وزن کیا جائے گا' دوسرا جواب یہ ہے کہ اب سائنسی تحقیق سے واضح ہو چکا ہے کہ کیفیات کا بھی وزن ہو جاتا ہے' جسم یا کمرہ میں یا فضاء میں جو درجہ حرارت ہو' اس کا وزن کیا جاتا ہے' اس وقت میرے کمرہ میں 28.4 درجہ حرارت ہے' کل شام میرے خون میں رینڈم گلوکوز کی مقدار 225 ملی گرام تھی اور صبح کو میرے خون میں کولیسٹرول کی مقدار 199 ملی گرام تھی' اور آج صبح میرا بلڈ پریشر 130/70 تھا' سو جب سائنسی آلات سے ان کیفیات کا وزن ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ایمان کا وزن کرنا کیا مشکل ہے اور اس میں کون سا استبعاد ہے۔

نیز اس حدیث میں ہے: جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو' وہ دوزخ سے نکل آئے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں محمد رسول اللہ کا ذکر نہیں ہے' حالانکہ نجات کے لیے آپ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے' اس کے تین جواب ہیں:

(۱) لا الٰہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور یہاں جز کا ذکر ہے اور اس سے مراد کل ہے (۲) لا الٰہ الا اللہ پورے کلمہ طیبہ کا علم ہے جیسے "قل ھو اللہ احد" سورۂ اخلاص کا علم ہے (۳) لا الٰہ الا اللہ پر ایمان کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ پر اس کی تمام صفات کے ساتھ ایمان لانا' اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو رسول بنانے والا ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بعض اہل ایمان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' اس میں مرجئہ کے عقیدہ کا رد ہے کہ کسی مومن کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا' اور اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' اس میں خوارج اور معتزلہ کا رد ہے' جو کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ کو دوزخ سے نہیں نکالا جائے گا۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۸۶۔ ج ۱ ص ۸۱۰ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۴۵- **حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ' سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْعُمَيْسِ اَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ' عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ' عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهٗ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ' اٰيَةٌ فِيْ كِتَابِكُمْ تَقْرَءُوْنَهَا' لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ' لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا' قَالَ اَيُّ اٰيَةٍ؟ قَالَ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ:۳) قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ' وَالْمَكَانَ الَّذِيْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.**

[اطراف الحدیث: ۴۴۰۷-۴۶۰۶-۷۲۶۸]

(صحیح مسلم: ۳۰۱۷' سنن ترمذی: ۳۰۴۳' سنن نسائی: ۵۰۲۷- ۳۰۰۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں الحسن بن صباح نے حدیث بیان کی' انہوں نے جعفر بن عون سے سنا' انہوں نے کہا: ہمیں ابوالعمیس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں قیس بن مسلم نے خبر دی' از طارق بن شہاب از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہ یہود میں سے ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے' جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں' اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے' حضرت عمر نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ تو اس نے کہا: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا'' (المائدہ: ۳)۔ حضرت عمر نے کہا: ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے اور مقام بھی معلوم ہے' جہاں یہ آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی تھی' اس وقت آپ جمعہ کے دن میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے تھے۔

چونکہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں المائدہ: ۳ کو ذکر کیا تھا' اس لیے یہاں اس حدیث کو روایت کیا ہے' جس میں یہ آیت ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) الحسن ابو علی بن صباح الواسطی بغدادی' امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ ثقہ اور عامل بالسنۃ ہیں' ان سے امام بخاری' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے' یہ ۲۶۰ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے (۲) جعفر بن عون بن جعفر المخزومی' ابن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں' امام احمد نے کہا: یہ نیک شخص ہیں' بہت بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے۔ یہ ۲۰۷ھ میں کوفہ میں فوت ہو گئے تھے (۳) ابوالعمیس' عتبہ بن عبد اللہ الکوفی' یحییٰ اور امام احمد نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ائمہ ستہ نے ان سے روایت کی ہے' یہ ۱۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) قیس بن مسلم ابو عمر الجدلی' انہوں نے طارق بن شہاب اور مجاہد وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے الاعمش اور مسعر وغیرہ نے سماع کیا ہے۔ یہ ۱۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت طارق بن شہاب بن عبد شمس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں' انہوں نے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے اور زمانۂ جاہلیت کو بھی پایا ہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۴۳ مغازی اور سرایا میں جہاد کیا ہے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے اور کوفہ میں رہائش کی ہے ان کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ہے یہ ۱۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۶) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۱۰۔۴۰۹)

بعض الفاظ کے معانی اور اس اشکال کا جواب کہ حضرت عمر کا جواب یہود کے سوال کے مطابق نہ تھا

اس حدیث میں ''یھود'' کا لفظ ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا نام ہے یہ ''ھادوا'' سے بنا ہے اس کا معنی ہے: مائل ہوئے یعنی یہ بچھڑے کی عبادت کی طرف مائل ہوئے یا ''ھاد'' سے بنا ہے اس کا معنی ہے: رجوع کیا یعنی انہوں نے خیر سے شر کی طرف رجوع کیا۔

اور اس حدیث میں ''عید'' کا لفظ ہے یہ ''عود'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے: لوٹنا عید کو عید اس لیے کہتے ہیں یہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے قرآن مجید میں ہے:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا. (المائدہ: ۱۱۴)

عیسیٰ بن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل فرما جو ہمارے پہلے اور بعد کے لوگوں کے لیے عید ہو جائے۔

اور عید اس دن کو کہتے ہیں جس دن کوئی فرحت اور سرور حاصل ہو اور کسی عظیم نعمت ملنے کی وجہ سے خوشی ہو۔

اس حدیث میں ہے: یہود میں سے ایک شخص نے کہا: وہ شخص کعب احبار تھے اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہاں کہا ہے کہ یہود نے کہا: اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت کعب احبار نے حضرت عمر سے یہ سوال کیا تھا ان کے ساتھ یہود کی ایک جماعت تھی گویا انہوں نے یہود کی نمائندگی کی تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کعب احبار کے سوال اور حضرت عمر کے جواب میں کوئی مناسبت نہیں ہے کعب احبار نے کہا: اس آیت کے نزول کے دن کو عید منانا چاہیے تھا حضرت عمر نے جواب دیا: یہ آیت جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ یہ دونوں عید کے دن ہیں اس لیے ہمیں الگ عید کا دن بنانے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا: میں ایسی قوم کو پہچانتا ہوں کہ اگر ان میں یہ آیت نازل ہوتی تو وہ اس دن میں غور کرتے اور اس کو عید بنا لیتے حضرت عمر نے پوچھا: کون سی آیت؟ انہوں نے کہا: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' (المائدہ: ۳) حضرت عمر نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ کون سے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ جمعہ کا دن تھا اور عرفہ کا دن تھا اور یہ دونوں ہمارے لیے عید ہیں۔ (المعجم الاوسط: ۸۳۴۔ ج ۱ ص ۲۶۰ 'مکتبۃ المعارف' ریاض ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابن عباس نے بھی یہودی سے کہا: یہ آیت عید کے دن نازل ہوئی ہے جمعہ اور عرفہ کے دن۔ (سنن ترمذی: ۳۰۴۴)

اس حدیث کی شرح میں کعب احبار کا تذکرہ آ گیا ہے اس لیے اب ہم کعب احبار کا تعارف کرانا چاہتے ہیں:

کعب احبار کا تعارف

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ان کا پورا نام کعب بن ماتع الحمیری ابواسحاق ہے یہ کعب احبار کے نام سے معروف ہیں' اہل کتاب میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں' امام بخاری' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلام لائے اور ایک قول ہے: یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلام لائے' کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت کو پایا تھا۔

امام محمد بن سعد نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے بعد اہل شام کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے' یہ دین یہود پر تھے' پھر اسلام قبول کر کے مدینہ میں آ گئے' پھر شام چلے گئے' پھر حمص چلے گئے' پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۲ھ میں فوت ہو گئے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے پوچھا: آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اسلام کیوں نہیں لائے' حتیٰ کہ اب حضرت عمر کے عہد میں اسلام لائے ہیں' تو انہوں نے کہا: میرے والد نے میرے لیے تورات کی ایک کتاب لکھ کر مجھے دی اور کہا: اس پر عمل کرنا اور باقی کتابوں پر مہر لگا دی اور مجھ سے یہ عہد لیا کہ میں ان کتابوں کی مہر کو نہ توڑوں' پھر جب میں نے اسلام کا غلبہ دیکھا تو میں نے سوچا' شاید میرے والد نے مجھ سے کچھ علم چھپایا ہے' میں اس کو پڑھوں' پھر میں نے مہر توڑ کر ان کو پڑھا تو ان میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کی صفت تھی' تو اب میں مسلمان ہو گیا' پھر ان کی حضرت ابن عباس سے دوستی ہو گئی۔

حضرت معاویہ نے کہا: سنو! ابوالدرداء حکماء میں سے ہیں اور عمرو بن العاص حکماء میں سے ہیں اور کعب احبار علماء میں سے ہیں۔

ابومعن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے پاس کعب کی حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی' انہوں نے پوچھا: اے کعب! اہل علم کون لوگ ہیں؟ کعب نے کہا: جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں' انہوں نے کہا: جب علماء علم کو حاصل کر لیں اور اس کو محفوظ کر لیں' پھر ان کے دلوں سے علوم کے نکل جانے کا کیا سبب ہے؟ کعب نے کہا: نفس کی طمع اور حرص اور لوگوں سے اپنی حاجات کو طلب کرنا' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ کعب نے کہا: اگر میں خوفِ خدا سے روؤں تو وہ میرے نزدیک اپنے وزن کے برابر سونا صدقہ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

واقدی اور ابن حبان نے کہا: کعب احبار ۱۰۴ سال کی عمر گزار کر ۳۲ھ میں فوت ہو گئے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۵ ص ۴۰۲-۳۹۹' ملخصاً' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۳۸۷-۷۳۸۶- ج ۷ ص ۱۰۲۷ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح میں حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' کی تفسیر (۲) دین' شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات (۳) آیت مذکورہ سے یوم میلاد النبی کے عرفاً عید ہونے پر استدلال۔

* اس آیت کی تفسیر ہم نے تبیان القرآن ج ۳ ص ۷۱-۶۶ میں کی ہے اور وہاں اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) اسلام کا کامل دین ہونا' ادیانِ سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں (۲) یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عید ہونا (۳) یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہِ صحابہ کا مظاہرہ (۴) عشرہ حکیم الامت منایا جائے گا' مفتی نعیم۔

شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشی میں اس دن کو عید منانے کا ذکر آ گیا ہے' اس سلسلہ میں غیر مقلدین کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ کی یہ عبارت لائق مطالعہ ہے:

سو جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول پر اس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔
(الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۱۳۰۵ھ)

۳۴- بَابٌ اَلزَّكٰوةُ مِنَ الْاِسْلَامِ
زکوٰۃ امور اسلام سے ہے

اس عنوان کا معنی ہے: اسلام کی شاخوں میں سے ایک شاخ زکوٰۃ ہے اس باب اور باب سابق میں مناسبت یہ ہے کہ باب سابق کا عنوان تھا: ایمان میں زیادتی اور کمی اور اعمال کے زیادہ یا کم ہونے سے ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے زیادہ یا کم دینے سے بھی اسلام میں زیادتی اور کمی ہو گی اسی طرح ایمان میں بھی زیادتی اور کمی ہو گی اور یہ ہم احناف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بھی ایمان کامل میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔

وقولہ تعالٰی ﴿وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البینۃ: ۵).

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں ادیانِ باطلہ سے اجتناب کرتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین مستقیم ہے O'' (البینۃ: ۵)۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب کو تورات اور انجیل میں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس آیت میں نماز اور زکوٰۃ کی باقی تمام عبادات پر فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس آیت کی اس باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس باب کا عنوان ہے: زکوٰۃ امور اسلام سے ہے اور اس آیت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔

۴٦- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ، عَنْ عَمِّهٖ اَبِيْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّاْسِ، نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ، حَتّٰى دَنَا فَاِذَا هُوَ يَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ لَا، اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ؟ قَالَ لَا، اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ لَا، اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ.

[اطراف الحدیث: ۱۸۹۱_۲٦۷۸_٦۹۵٦] [صحیح مسلم: ۱۱ سنن

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس نے حدیث بیان کی از اپنے چچا ابو سہیل بن مالک از اپنے والد کہ انہوں نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ سن رہے تھے اور اس کی بات سمجھ نہیں رہے تھے حتیٰ کہ وہ قریب ہوا تو وہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا تھا پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں اس نے کہا: کیا ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مگر یہ کہ تم نفل پڑھو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور رمضان کے روزے اس نے کہا: کیا ان کے علاوہ کچھ اور روزے بھی میرے ذمے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مگر یہ کہ تم نفلی روزے رکھو حضرت طلحہ نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے زکوٰۃ کا ذکر کیا اس نے کہا: کیا زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کچھ دینا میرے ذمے فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مگر یہ کہ تم

نفلی صدقہ دو وہ شخص یہ کہتے ہوئے پیٹھ موڑ کر چلا گیا: اللہ کی قسم! میں ان فرائض پر کچھ زیادہ کروں گا نہ کم کروں گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ کامیاب ہو گیا۔

ابوداؤد:۳۹۱'سنن نسائی:۴۵۷'مسند البزار:۹۴۳'مسند الشافعی ج ا ص ۱۲'ابن الجارود:۱۴۴'صحیح ابن حبان:۱۷۲۴'سنن بیہقی ج ا ص ۳۶۱'شرح السنۃ:۷'سنن دارمی:۱۵۷۸'مسند احمد ج ا ص ۱۶۱ طبع قدیم'مسند احمد:۱۳۹۰_ج ۳ ص ۱۳'مؤسسۃ الرسالۃ'بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) اسماعیل بن ابی اویس بن عبد اللہ الاصبحی المدنی' یہ امام مالک کے بھانجے ہیں" باب تفاضل اھل الایمان" میں ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) امام مالک بن انس (۳) ابو سہیل نافع بن مالک (۴) ابو سہیل کے والد مالک بن ابی عامر' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۵) ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ القرشی التیمی رضی اللہ عنہ' یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں' جن کو جنت کی بشارت دی گئی' یہ بدر کے سوا تمام غزوات میں حاضر رہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ رکھا تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے: یہ پورا دن حضرت طلحہ کا تھا' اور یہ ان چھ صحابہ میں سے ہیں' جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے مشورے کے لیے نامزد کیا تھا' جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے' یہ وہ ہیں جو غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قائم اور ثابت قدم رہے' غزوۂ احد میں مالک بن زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیر مارے' انہوں نے مدافعت میں اپنا ہاتھ آگے کر دیا' جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا (سوکھ کر بے کار ہو گیا)' انہوں نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ بچایا تھا' اس دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ۷۵ زخم لگے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام طلحہ الخیر اور طلحہ الجواد رکھا' ان سے ۳۳ احادیث مروی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ان میں سے دو حدیثوں پر متفق ہیں' امام بخاری ۲ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۳ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں' یہ جنگ جمل میں شہید ہو گئے' کسی نے ان کو تیر مارا' مارنے والے کا پتا نہیں چل سکا' ۶۴ سال کی عمر میں ۳۶ھ میں ان کی شہادت ہوئی' ان کی قبر بصرہ میں ہے' ابن قتیبہ نے کہا: یہ قرہ نامی پل کے نیچے مدفون ہیں' تیس سال بعد ان کی صاحب زادی نے خواب دیکھا' انہوں نے شکایت کی کہ ان کی قبر گیلی ہو گئی ہے' ان کی صاحب زادی کے حکم سے ان کو قبر سے نکالا گیا' ان کا جسم بالکل تر و تازہ تھا' پھر ان کو بصرہ میں دار الہجر تین میں دفن کیا گیا' ان کی قبر مشہور ہے رضی اللہ عنہ' بہت بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ا ص ۴۱۴)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو تیس سال بعد قبر سے تر و تازہ نکالنے کے متعلق مزید حوالہ جات

جن مشاہیر علماء نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے' ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ: الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۲۴_۲۲۳' دار صادر' بیروت

(۲) حافظ ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ: تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۷ ص ۸۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ

(۳) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ: تہذیب الاسماء واللغات ج ا ص ۲۵۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت

(۴) حافظ جمال الدین یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ: تہذیب الکمال ج ۹ ص ۲۵۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ

(۵) شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ: سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ

(۶) مشہور دیو بندی عالم شیخ سلیم اللہ خان: کشف الباری ج ۲ ص ۴۸۳' مکتبہ فاروقیہ' کراچی' ۱۴۲۶ھ

بعض الفاظ کے معانی اور بعض اعتراضات کے جوابات' خصوصاً اس اشکال کا جواب کہ آپ نے اس سائل کی فلاح کی خبر دی' حالانکہ اس نے محرمات سے اجتناب کا اقرار نہیں کیا تھا

''نجد'' سرزمین تہامہ سے لے کر ارضِ عراق تک جو بلند جگہ ہے' وہ نجد ہے' اس کا لغوی معنی ہے: زمین کی بلند جگہ۔
''ثائر الراس'' جس کے سر کے بال منتشر ہوں۔
''دوی صوته'' وہ آواز جو بلند اور متکرر ہو اور اس کا مطلب سمجھ میں نہ آئے' شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی مثل آواز۔
اس حدیث میں ذکر ہے: ایک شخص آیا' وہ شخص ضمام بن ثعلبہ تھا' جو بنو سعد بن بکر کا بھائی تھا' یہ ۵ھ میں اسلام لائے تھے۔
اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس شخص نے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ کو بہ ظاہر چاہیے تھا کہ آپ اس کو توحید اور رسالت کے متعلق بتاتے' آپ نے اس کو نماز' روزے اور زکوٰۃ کے متعلق بتایا' تو یہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے' اس کے دو جواب ہیں: (۱) اس کا سوال درحقیقت فرائض اسلام کے متعلق تھا' پھر اعتراض ہوگا کہ آپ نے حج کا ذکر نہیں کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا (۲) ممکن ہے' پہلے آپ نے اس کو توحید اور رسالت کی گواہی دینے کے متعلق بتایا ہو' لیکن حضرت طلحہ فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اس کو سن نہ سکے ہوں۔
اس شخص نے کہا: میں ان پر اضافہ نہیں کروں گا' اس پر اعتراض ہے کہ اس میں نوافل کا انکار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مراد یہ تھی کہ میں ان فرائض پر زیادتی نہیں کروں گا یعنی پانچ فرض کی بجائے چھ فرض نہیں پڑھوں گا۔
نیز اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو یہ کامیاب ہو گیا' حالانکہ اس نے واجبات ادا کرنے کا کہا تھا اور نہ حرام کاموں سے اجتناب کا کہا تھا تو ان کے بغیر اس کی فلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح البخاری کے آخر میں نمبر ۱۸۹۱ پر بھی درج ہے' اس میں یہ جملہ ہے: پس اس کو رسول اللہ ﷺ نے شرائع اسلام کی خبر دی' اور شرائع اسلام میں تمام فرائض اور واجبات اور تمام محرمات اور مکروہات بھی داخل ہیں' اس کے بعد اس شخص نے کہا: میں ان چیزوں میں کوئی زیادتی کروں گا نہ کمی' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس شخص نے سچ کہا تو یہ فلاح پا گیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص تمام فرائض اور واجبات پر عمل کرے اور تمام محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرے وہ جنتی ہی ہوگا۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۸۔ ج ۱ ص ۳۳۱ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) نفلی عبادت کو پورا کرنے کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل (۲) فرائض میں کمی اور اضافہ کرنے کی توجیہ (۳) غیر اللہ کی قسم کھانے کا شرعی حکم (۴) تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان (۵) وتر کی نماز کے وجوب میں اختلاف فقہاء اور فقہاء احناف کے موقف پر دلیل (۶) رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ کے علاوہ دیگر روزوں اور صدقات کے فرض نہ ہونے کی تحقیق۔

۳۵- بَابٌ اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الْاِيْمَانِ — جنازوں کے ساتھ جانا اُمورِ ایمان سے ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں زکوٰۃ کا ذکر تھا اور وہ بھی ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے اور اس باب میں جنازوں کے ساتھ جانے کا ذکر ہے اور وہ بھی ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

۴۷- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ الْمَنْجُوْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ ، عَنِ الْحَسَنِ وَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن عبداللہ بن علی المنجوفی نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں روح نے حدیث

مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ. [اطراف الحدیث: ۱۳۲۳-۱۳۲۵]

بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی' از حسن اور محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حالت ایمان میں اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ گیا اور اس کے ساتھ رہا' حتیٰ کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لی اور اس کی تدفین سے فارغ ہو گیا' وہ دو قیراط اجر لے کر لوٹے گا' ہر قیراط احد پہاڑ کی مثل ہو گا اور جو اس کی نمازِ جنازہ پڑھ کر تدفین سے پہلے لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط لے کر لوٹے گا۔

(صحیح مسلم: ۹۴۵-۵۲' سنن ابن ماجہ: ۱۵۳۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۲۰' سنن بیہقی ج ۳ ص ۴۱۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۱۸۸' ج ۱۲ ص ۱۱۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ان احادیث میں احد پہاڑ کی جگہ لکھا ہے: دو قیراط دو عظیم پہاڑوں کی مثل ہیں۔)

تَابَعَهُ عُثْمَانُ الْمُؤَذِّنُ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

اس حدیث میں عثمان مؤذن نے روح کی متابعت کی ہے' انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اسی حدیث کی مثل۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) احمد بن عبد اللہ بن علی المنجوفی البصری' ان سے امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام نسائی روایت کرتے ہیں' یہ ۲۵۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) روح بن عبادہ البصری' الخطیب نے کہا: یہ کثیر الحدیث ہیں اور انہوں نے سنن' احکام اور تفسیر میں تصنیف کی ہے' یہ ثقہ تھے' علی بن مدینی نے کہا: میں نے روح کی ایک لاکھ سے زیادہ احادیث دیکھی ہیں' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ بہت سچے ہیں' یہ ۲۰۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) عوف بن ابی جمیلہ بندویہ' ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام بندہ تھا یعنی عبد' انہوں نے کبار تابعین سے سماع کیا ہے' جن میں حسن بصری بھی ہیں' اور ان سے ثوری اور شعبہ وغیرہ نے سماع کیا ہے' ان کی نسبت تشیع کی طرف تھی' ان کی ۱۴۷ھ میں وفات ہو گئی (۴) الحسن البصری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) محمد بن سیرین' یہ مشہور تابعی ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے' انہوں نے تیس صحابہ کو پایا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دو سال میں پیدا ہوئے' ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں' ۱۱۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۲۲)

امام بخاری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں روح کی متابعت عثمان مؤذن نے کی ہے' ان کا تعارف یہ ہے:

یہ عثمان بھی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں' امام بخاری بہت جگہ ان سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں اور بعض جگہ محمد بن یحییٰ ذہلی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں' اگر انہوں نے عثمان سے حدیث سنی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ان کے چار واسطے ہیں' عثمان کا پورا نام ہے: عثمان بن الہیثم بن جہم' یہ بصرہ کی جامع مسجد کے مؤذن تھے' عوف اور ابن جریج وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام بخاری اور امام نسائی نے روایت کی ہے' یہ گیارہ رجب ۲۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

قیراط کا معنی اور اس سوال کا جواب کہ معصیت کی وجہ سے جو اجر میں کمی ہو گی' کیا اس سے بھی احد پہاڑ جتنا وزن مراد ہے؟

اس حدیث میں ہے: جس نے جنازہ کی اتباع کی' اتباع کا معنی ہے: کسی کے پیچھے جانا' کسی کی پیروی کرنا' کسی کے ساتھ لاحق

ہونا اور مل جانا۔

قیراط: اس کی جمع قراریط ہے' اکثر شہروں میں قیراط دینار کا بیسواں حصہ ہے' اس سے مراد کسی چیز کا چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے' قیراط کا وزن ۱۲ چاولوں کے برابر ہوتا ہے' یہاں مقصود یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے' جس کی مثال احد پہاڑ یا بہت بڑے پہاڑ کے ساتھ دی گئی ہے' ایک حدیث میں دو قیراط کے برابر اجر میں کمی کا بھی ذکر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے شکار کرنے اور کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے علاوہ کتا رکھا' اس کے اجر میں ہر روز دو قیراط کمی ہوتی رہے گی۔

(صحیح مسلم:۱۵۷۵' بخاری میں ایک قیراط کی کمی کا ذکر ہے' صحیح بخاری:۲۳۲۲)

اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ قیراط بھی احد پہاڑ کے برابر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ نیکیوں کی تعظیم کر کے ان کا اجر تو دگنا اور چوگنا کرتا ہے اور بُرائیوں کی سزا نہیں بڑھاتا اور یہ اس کا لطف و کرم اور رحمت ہے' لہٰذا جس حدیث میں ایک قیراط اجر میں کمی کا ذکر ہے' اس سے مراد قیراط کا معروف وزن بارہ چاول ہے اور جس حدیث میں اجر بڑھانے کا ذکر ہے' وہاں قیراط سے مراد احد پہاڑ جتنا وزن ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ ان کی زندگی میں اور ان کی موت کے بعد نیک سلوک کرنے کی تلقین اور ترغیب کے متعلق احادیث

اس حدیث میں مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور اس کے جنازہ کے ساتھ جانے اور تدفین تک اس کے ساتھ رہنے کی ترغیب دی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ زندگی میں بھی نیکی کرنے کی ترغیب دی ہے اور مرنے کے بعد بھی نیکی کرنے کی ترغیب دی ہے' زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرنے کی ترغیب کا ذکر ان احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو' اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔

(صحیح بخاری:۶۰۷۶' صحیح مسلم:۲۵۵۹' سنن ابوداؤد:۴۹۱۰' سنن ترمذی:۱۹۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۰' مصنف عبدالرزاق:۲۰۲۲۲' مسند حمیدی:۱۱۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھے اور جس نے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھا' وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ (سنن ابوداؤد:۴۹۱۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملا' میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یارسول اللہ! مجھے سب سے افضل اعمال کے متعلق بتایئے' تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے' اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو' اور ایک روایت میں ہے: جو تم پر ظلم کرے' اس کو معاف کردو' اور فرمایا: اے عقبہ! اپنی زبان کی حفاظت کرو اور اپنے گھر کو اپنے لیے کافی رکھو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۷۳۳۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۱۳' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۷۱۔۲۷۰' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۷۰)

اور مسلمان کی موت کے بعد اس کے ساتھ نیکی کرنے کے متعلق ایک تو اس باب کی حدیث ہے' جس میں مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جانے کی تلقین ہے اور دیگر احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت کو قبول کرنا (۵) چھینک پر جواب دینا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۴۰ 'صحیح مسلم: ۲۱۶۲ 'سنن ابوداؤد: ۵۰۳۰)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یٰسٓ کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔

(السنن الکبریٰ: ۱۰۹۱۴ 'سنن ابوداؤد: ۳۱۲۱ 'سنن ابن ماجہ: ۱۴۴۸ 'مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۔۲۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی ہر جمعہ زیارت کی اور ان کی قبر کے پاس یٰسین پڑھی تو اللہ اس کے ہر حرف کے بدلہ میں ان کی مغفرت فرما دے گا۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان پر گزرا' پھر گیارہ مرتبہ ''قل ھو اللّٰہ احد'' (سورۂ اخلاص) پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دیا تو اس کو ان مردوں کی تعداد کے برابر ثواب عطا کیا جائے گا۔ (کنز العمال: ۴۲۵۹۶)

۳۶- بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ اَنْ يَّحْبَطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

مؤمن کو اس کا خوف کہ اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اُس کو پتا بھی نہیں چلے گا

امام بخاری کے اس عنوان پر یہ اعتراض ہے کہ معصیت کے ارتکاب سے اعمال کا ضائع ہونا تو معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی انسان کے منہ سے کلمۂ کفر نکل جاتا ہے اور اس کو پتا بھی نہیں چلتا' اس لیے نکاح کے وقت کلمے پڑھوائے جاتے ہیں' اس باب کی سابق باب کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ باب سابق میں یہ بتایا تھا کہ مسلمان کے جنازے کے ساتھ جانے اور تدفین تک ساتھ رہنے سے دو قیراط اجر ملتا ہے' امام بخاری نے اس عنوان کے ساتھ یہ تنبیہ کی ہے کہ یہ اجر اس وقت ملے گا' جب اس نے کوئی کلمۂ کفر نہ کہا ہو۔

وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِيْ عَلٰى عَمَلِيْ اِلَّا خَشِيْتُ اَنْ اَكُوْنَ مُكَذَّبًا' وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَدْرَكْتُ ثَلَاثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ' مَا مِنْهُمْ اَحَدٌ يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَلٰى اِيْمَانِ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ. وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا اَمِنَهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ' وَمَا يُحْذَرُ مِنَ الْاِصْرَارِ عَلَى النِّفَاقِ وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾. (آل عمران: ۱۳۵)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابراہیم تیمی نے کہا: میں نے جب بھی (اپنے ایمان کے) قول کو اپنے عمل پر پیش کیا تو مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھے جھوٹا نہ قرار دیا جائے' اور ابن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس اصحاب کو پایا' وہ سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے' ان میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے ایمان پر ہے اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اعمال کے ضائع ہونے سے صرف مومن ڈرتا ہے اور اس سے صرف منافق بے خوف ہوتا ہے اور نفاق اور معصیت پر بغیر توبہ کے اصرار کرنے سے اس آیت میں ڈرایا گیا ہے: ''اور وہ لوگ اپنے گناہ کے کاموں پر دانستہ اصرار نہیں کرتےO'' (آل عمران: ۱۳۵)۔

صحابہ کرام کے ضیاع اعمال اور نفاق کے خوف کی توجیہ

صحابہ کرام اور اخیار تابعین اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کا خاتمہ کفر پر نہ ہو اور ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں اور بعض اوقات انہوں نے ظالم حکام کے بُرے کام دیکھے اور وہ ان برائیوں کے ردّ پر قادر نہ ہوئے تو وہ ڈرتے تھے کہ بُرے کاموں کا رد نہ کرنا کہیں نفاق اور مداہنت نہ ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۰۹ 'مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۰ھ) قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ. (المؤمنون:۶۰)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں' وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں' جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اے صدیق کی بیٹی! اس کا مصداق وہ لوگ ہیں' جو روزے رکھتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں' اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں۔

(سنن ترمذی: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۸' مسند حمیدی: ۲۷۵' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' شرح السنۃ ج ۶ ص ۲۵)

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری تمام تصانیف کو اور میری تمام نیکیوں کو قبول فرمالے اور میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ (آمین)

امام بخاری نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے' وہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○ (آل عمران: ۱۳۵)

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں' تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور فوراً مغفرت طلب کرتے ہیں' اور اللہ کے سوا کون گناہوں کی مغفرت کرے گا' اور وہ لوگ دانستہ کسی کیے ہوئے گناہ پر اصرار نہیں کرتے○

اصرار کا معنیٰ اور کسی گناہ کے بعد فوراً مغفرت طلب کرلی جائے تو وہ معاف ہو جاتا ہے

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عطاء نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت نبہان کھجور فروش کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کے پاس ایک حسین عورت کھجور خریدنے کے لیے آئی' انہوں نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا اور اس کو بوسا دیا' پھر وہ اپنے فعل پر نادم ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے' اور آپ کو یہ ماجرا سنایا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسد الغابۃ ج ۵ ص ۳۰۹)

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور کہا: اے اللہ! ہمارے گناہوں کو بخش دے' ہم نادم ہیں اور تجھ سے توبہ کرتے ہیں' اصرار نہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے دوبارہ اس گناہ کو نہیں دہرایا' اگر کوئی شخص گناہ پر صدق دل سے توبہ کرلے تو پھر وہ اصرار نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گناہ پر مغفرت طلب کرلی' اس نے اصرار نہیں کیا' خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کو دہرائے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۴' سنن ترمذی: ۳۶۳۰) اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور سچ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کوئی گناہ کر بیٹھے' پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے' پھر اس گناہ پر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ اس کو

مغفرت فرمادیتا ہے' پھر آپ نے آل عمران:۱۳۶۔۱۳۵ کی تلاوت فرمائی۔ (سنن ابوداؤد:۱۵۲۱' سنن ترمذی:۱۹۰۲)

(الوسیط ج ۱ ص ۴۹۵۔ ۴۹۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۴۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ' وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

[اطراف الحدیث: ۶۰۴۴۔ ۷۰۷۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' از زبید' انہوں نے کہا: میں نے ابووائل سے مرجئہ کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

(صحیح مسلم:۶۴' سنن ترمذی:۲۶۳۵۔ ۱۹۸۳' سنن نسائی:۴۱۲۴۔ ۴۱۲۲۔ ۴۱۲۱' سنن ابن ماجہ:۶۹' سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۰' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۵۸' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۴' صحیح ابن حبان:۵۹۳۹' مسند ابویعلیٰ:۴۹۸۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۱۵' مسند الحمیدی:۱۰۴' مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۱ طبع قدیم' مسند احمد:۳۹۰۳۔ ج ۷ ص ۱۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوعبداللہ محمد بن عرعرہ القرشی البصری' یہ ۷۵ سال کی عمر میں ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے' امام بخاری' امام مسلم اور امام ابوداؤد نے ان سے روایت کی ہے (۲) شعبہ بن الحجاج' ان کا تذکرہ ہو چکا ہے (۳) زبید بن الحارث الکوفی' یہ ابووائل اور تمام تابعین سے روایت کرتے ہیں' امام بخاری نے کہا: یہ ۱۲۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) ابووائل شقیق بن سلمہ الاسدی کوفی تابعی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آپ کی زیارت نہیں کی' یہ کہتے ہیں: میں نے سات سال جاہلیت کے پائے' میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت دس سال کا تھا اور اونٹوں کو چراتا تھا' انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم وغیرہ سے سماع کیا ہے' اور ان سے بہت تابعین نے سماع کیا ہے' ان کی جلالت' تقویٰ اور ثقاہت پر اجماع ہے' یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے' ۸۲ھ میں فوت ہوئے (۵) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۳۳۔ ۴۳۲)

''المرجئۃ' سباب' فسوق'' اور ''قتال'' کے معانی

''المرجئۃ'' یہ اسلام کا ایک فرقہ ہے' جس کا نظریہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد معصیت سے ضرر نہیں ہوتا۔

''سباب'' اس کا معنی ہے: کسی کو گالی دینا یا عیب لگانا' یا اس کو بُرا کہنا۔

''الفسوق'' فسق کا معنی ہے: حق سے خروج' جب تازہ پھل کا چھلکا اتر جائے تو کہتے ہیں: ''فسقت الرطبۃ'' معصیت کی طرف میلان' گناہ کبیرہ کرنا' اس کا اطلاق شرک اور گناہ دونوں پر ہوتا ہے۔

''قتال'' آپس میں لڑنا' اور ایک دوسرے کو قتل کرنا' مخاصمت کو بھی مقاتلہ کہتے ہیں۔

اس اعتراض کے جوابات کہ مسلمان سے قتال کرنا معصیت ہے' پھر اس پر کفر کا اطلاق کیوں فرمایا ہے اور اس سے بہ ظاہر خوارج کی تائید ہوتی ہے

اس حدیث میں مسلمان سے قتال کو کفر فرمایا ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ مسلمان سے لڑنا یا اس کو قتل کرنا معصیت ہے' اس سے

آدمی ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(١) اس حدیث میں کفر سے حقیقی کفر مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے: مسلمانوں کے حقوق کو تلف کرنا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور ان کو آپس میں قتال اور قطع تعلق سے منع فرمایا ہے' سو جس نے مسلمان سے قتال کیا' اس نے اس کے حق کا کفر کیا یعنی انکار کیا۔

(٢) مسلمان سے قتال کرنا وہ فعل ہے' جو کفر کے مشابہ ہے کیونکہ مسلمانوں سے کفار قتال کرتے ہیں۔

(٣) کفر سے لغوی کفر مراد ہے' کیونکہ مسلمان کا مسلمان پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی مدد کرے اور اس سے اذیت کو دور کرے اور جب اس نے مسلمان سے قتال کیا تو اس حق کو چھپایا اور کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے' اسی لیے کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔

(٤) جو شخص مسلمان سے قتال کرے گا' ہو سکتا ہے اس کا انجام اور خاتمہ کفر پر ہو یعنی اس کا مآل کفر ہے۔

(٥) جس نے مسلمان سے اس کے اسلام کے سبب سے قتال کیا' اس کا یہ قتال کفر ہے۔

(٦) جس نے حلال اور جائز سمجھ کر مسلمان سے قتال کیا' اس کا یہ قتال کفر ہے' جیسے خارجی اور باغی امام برحق سے قتال کریں' البتہ جو کسی تاویل کے ساتھ مسلمانوں سے قتال کریں تو وہ کافر نہیں ہیں' جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے قتال کیا۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ١٢٩۔ ج ا ص ٤٨٧ پر ہے' اس کی شرح میں فسق کی تین اقسام بیان کی ہیں اور مسلمان سے قتال کو کفر فرمانے کی تین توجیہات بیان کی ہیں۔

٤٩- اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ اِنِّيْ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ وَاِنَّهٗ تَلَاحٰى فُلَانٌ وَّ فُلَانٌ، فَرُفِعَتْ، وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ، اِلْتَمِسُوْهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ.

[اطراف الحدیث: ٢٠٢٣-٦٠٤٩]

امام بخاری روایت کرتے ہیں' ہمیں قتیبہ بن سعید نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے خبر دی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ' وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے باہر نکلے' پس دو مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے' سو آپ نے فرمایا: میں تم کو لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا' بے شک فلاں اور فلاں نے جھگڑا کیا' پس لیلۃ القدر کی تعیین کا علم اٹھا لیا گیا' اور ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہو' (اب) تم لیلۃ القدر کو ستائیسویں' انتیسویں اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) قتیبہ بن سعید' ان کا تعارف ''باب السلام من الاسلام'' میں ہو چکا ہے (٢) اسماعیل بن جعفر' ان کا تعارف ''باب علامات المنافق'' میں ہو چکا ہے (٣) حمید بن ابی حمید الخزاعی البصری' یہ پست قامت تھے' ١٤٣ھ میں فوت ہو گئے تھے (٤) حضرت انس رضی اللہ عنہ (٥) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ''باب علامت الایمان حب الانصار'' میں ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ا ص ٤٣٥)

بعض الفاظ کے معانی اور اس اعتراض کا جواب کہ دو صحابہ کے لڑنے کی وجہ سے ہم لیلۃ القدر کی تعیین کے علم سے محروم ہو گئے

اس حدیث میں ''فتلاحی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے سے لڑے اور جھگڑے۔

''التمسوھا'' لیلۃ القدر کو طلب کرو یا تلاش کرو۔

جو دو مسلمان لڑ رہے تھے' وہ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما تھے' حضرت عبداللہ نے حضرت کعب کا قرض دینا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ القدر کی معین شب کی خبر دینے آئے' ان کے جھگڑے کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی' اس حدیث میں مسلمانوں کے لڑنے کی مذمت ہے' کیونکہ ان کے لڑنے کی وجہ سے مسلمان لیلۃ القدر کی تعیین کی خبر سے محروم ہو گئے' مگر اس وجہ سے ان صحابہ کو ملامت کرنا جائز نہیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس تعیین کا علم نہ ہونا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اب تم لیلۃ القدر کی تلاش میں کئی راتوں میں جاگ کر عبادت کرو گے اور لیلۃ القدر کو تلاش کرو گے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ علم ہوتا کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے' پھر اس رات کوئی شخص گناہ کرتا تو وہ زیادہ عذاب کا مستحق ہوتا' ایک اس گناہ کی وجہ سے' دوسرے لیلۃ القدر کا احترام پامال کرنے کی وجہ سے' اور جب یہ پتا نہ ہو کہ کون سی شب لیلۃ القدر ہے تو پھر وہ شخص صرف ایک عذاب کا مستحق ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کا لڑنا کیوں مذموم ہے' جب کہ حضرت کعب' حضرت عبداللہ سے اپنا قرض طلب کر رہے تھے اور اپنا حق طلب کرنا مذموم نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو وہ مسجد میں لڑ رہے تھے' دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لڑ رہے تھے اور خصوصاً اس لیے کہ وہ رمضان کا مہینہ تھا' جس میں اللہ کے ذکر اور عبادت کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ دنیاوی معاملات میں مسجد میں آوازیں بلند کرنی چاہئیں' البتہ متوسط بلند آواز سے مسجد میں اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے لیکن گلا پھاڑ کر اور چلا چلا کر ذکر کرنا بھی مذموم ہے' اگر اعتدال کے ساتھ مسجد میں اپنا حق طلب کیا جائے تو وہ بھی جائز ہے' مگر ان کی آوازیں اعتدال سے زائد تھیں' تاہم اس وجہ سے صحابہ کو مطعون کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ صحابہ کرام کی خطائیں بھی تکمیل دین کا سبب ہیں' جن بعض صحابہ سے کبھی کبھار شراب نوشی' چوری یا زنا کے افعال سرزد ہوئے اور انہوں نے ان افعال پر توبہ کر لی اور ان پر حد جاری ہوئی تو اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حد جاری کرنے کا اُسوہ اور نمونہ متحقق ہوا' سو اسی طرح یہ معاملہ بھی ہے' اس لیے یہ نہ کہا جائے کہ ان صحابہ کے لڑنے کی وجہ سے ہم لیلۃ القدر کی برکت سے محروم ہو گئے' بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کی برکت کی وجہ سے' ہمیں جاگ کر عبادت کرنے کے لیے کئی راتیں مل گئیں۔

٣٧- بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيْلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ

حضرت جبریل کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان' اسلام' احسان اور علم قیامت کے متعلق سوال کرنا

اس باب میں اور باب سابق میں یہ مناسبت ہے کہ مؤمن کو اس کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ کس چیز سے کوئی شخص مؤمن ہوتا ہے۔

وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ ثُمَّ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ. فَجَعَلَ

نیز امام بخاری نے کہا: اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت جبریل کو یہ اُمور بیان فرمانا' پھر آپ نے فرمایا: حضرت جبریل تم کو تمہارے

ذٰلِكَ كُلَّهُ دِينًا، وَمَا بَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الْإِيمَانِ، وَقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران: ۸۵).

دین کی تعلیم دینے آئے تھے' پس نبی ﷺ نے ان تمام اُمور کو دین قرار دیا اور نبی ﷺ کا عبدالقیس کے وفد کو ایمان کے متعلق بتانا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا'' (آل عمران: ۸۵)۔

۵۰- **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ، قَالَ مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ، وَتُقِيمَ الصَّلٰوةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، قَالَ مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمِ فِي الْبُنْيَانِ، فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: ۳۴) الْآيَةَ، ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوهُ. فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں' ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوحیان التیمی نے خبر دی' از ابوزرعہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ایک دن نبی ﷺ لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے' پس آپ کے پاس حضرت جبریل آئے' سو آپ سے پوچھا: ایمان کی کیا تعریف ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ' اور اس کے فرشتوں پر اور اللہ سے ملاقات پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لاؤ' انہوں نے پوچھا: اور اسلام کی کیا تعریف ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو' انہوں نے پوچھا: احسان کی کیا تعریف ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو تم دیکھ رہے ہو' پس اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو (تو یہ یقین رکھو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جس سے اس کا سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے اور میں تم کو عنقریب اس کی علامتوں کی خبر دوں گا' جب باندی سے اس کا مالک پیدا ہو اور جب سیاہ اونٹوں کو چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں تو یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی (ازخود) نہیں جانتا' پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ''بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا (ازخود) علم ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (ازخود) جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص (ازخود) جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا' بے

شک اللہ ہی بے حد جاننے والا خوب خبر دینے والا ہے O'' (لقمان: ۳۴) پھر حضرت جبریل پیٹھ پھیر کر چلے گئے' آپ نے فرمایا: ان کو واپس بلاؤ' تو صحابہ نے کسی چیز کو نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: یہ جبریل تھے' جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ جَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ مِنَ الْاِيْمَانِ.

امام بخاری نے کہا: آپ نے ان تمام اُمور کو دین قرار دیا۔

[طرف الحدیث: ۴۷۷۷]

(سنن ابن ماجہ: ۶۴۰۔ ۴۰۴۴' یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' اس کی تخریج یہ ہے: صحیح مسلم: ۸' سنن ابوداؤد: ۴۶۹۵' سنن ترمذی: ۲۶۱۰' سنن نسائی: ۴۹۹۰' سنن ابن ماجہ: ۶۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱' سنن کبریٰ: ۱۱۷۲۱' سنن دارمی: ۳۳۱۰' مسند ابویعلیٰ: ۲۵۷' صحیح ابن خزیمہ: ۲۰۵۸' صحیح ابن حبان: ۱۷۳' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۳۵۱' مسند احمد ج ۸ ص ۱۷۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۲۔ ج ۱ ص ۳۲۳' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مسدد بن مسرھد' ان کا تعارف ''باب یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ'' میں ہو چکا ہے (۲) اسماعیل بن ابراہیم' ان کا تعارف ''باب حب الرسول من الایمان'' میں ہو چکا ہے (۳) ابوحیان یحییٰ بن حیان تیمی' امام احمد بن عبداللہ نے کہا: یہ ثقہ' صالح اور صاحب سنت ہیں' ۱۴۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) ابوزرعہ ھرم بن عمرو البجلی' ان کا تعارف ''باب الجہاد من الایمان'' میں ہو چکا ہے (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۴۴۰)

''بارز' بعث' عبادۃ' احسان'' اور باندیوں سے مالک پیدا ہونے کے معانی

اس حدیث میں ''بارزًا'' کا لفظ ہے' یہ ''بروز'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: ظہور۔

''بعث'' مردوں کا قبر سے اٹھنا' اس کا معنی انبیاء کی بعثت بھی ہے' مگر یہاں پہلا معنی مراد ہے۔

اللہ کی عبادت کرو یعنی خضوع اور خشوع اور تذلل اور عجز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

''احسان'' اس کا مادہ حسن ہے اور اس کی ضد قبیح ہے' اس کا شرعی معنی یہ ہے کہ انسان اللہ کے ہر حکم کو اس کی شرائط اور آداب کے ساتھ بجالائے' اور جب بندہ کو اس پر یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے تو وہ بُرے کاموں کو ترک کرے گا اور صفات مذمومہ کو زائل کرے گا اور اپنے باطن کو پاک اور صاف کرے گا اور صفاتِ محمودہ سے متصف ہو گا' حتیٰ کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات منعکس ہوں گی۔

گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو' ورنہ یہ یقین رکھو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے: اس میں بندہ کو عبادت میں کامل اخلاص کی ترغیب دی ہے کیونکہ انسان نیک لوگوں کے سامنے بُرے کام نہیں کرتا اور حکام کے سامنے قانون شکنی نہیں کرتا تو جس شخص کا اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر کامل ایمان ہو گا' وہ اپنی خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرے گا اور اس کے ہر حکم کی اطاعت کامل طریقہ سے کرے گا۔

اور باندی سے مالک پیدا ہو گا: اس کا معنی یہ ہے کہ آخر زمانہ میں باندیاں بہ کثرت ہوں گی' حتیٰ کہ ایک شخص کسی باندی کو خریدے گا اور وہ درحقیقت اس کی ماں ہو گی' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آخر زمانہ میں لوگ اپنی ماؤں کی عزت اور احترام نہیں کریں گے

اوران کے ساتھ وہ ایسی بدسلوکی کریں گے جیسے وہ ان کی باندیاں ہوں۔

اور جب سیاہ اونٹوں کو چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں گے: اس سے مقصود یہ خبر دینا ہے کہ آخر زمانہ میں حالات بدل جائیں گے اور دیہاتیوں کا شہریوں پر غلبہ ہو جائے گا اور وہ اپنے زور اور غلبہ سے شہریوں کی املاک پر قابض ہو جائیں گے اس کا اب مشاہدہ متحدہ عرب امارات میں ہو رہا ہے' جو صحرائی بادیہ نشین تھے' انہوں نے اونچے محلات بنا لیے اور قیمتی کاریں اور سامان عیش و عشرت ان کے تصرف میں ہے۔

یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے' جن کو اللہ کے سوا کوئی از خود نہیں جانتا: ان پانچ چیزوں سے مراد ہے: (۱) قیامت کب آئے گی؟ (۲) بارش کب ہوگی؟ (۳) ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ (۴) بندہ کل کیا کرے گا؟ (۵) بندہ کس زمین میں مرے گا؟

آیا علوم خمسہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے گئے تھے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء غیر مقلدین کا نظریہ

متقدمین جمہور علماء اس کے قائل اور معتقد تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علوم خمسہ عطا کیے گئے تھے' جیسا کہ ہم اس کے ثبوت میں ان شاء اللہ عنقریب واضح تصریحات پیش کریں گے اور متاخرین علماء میں سے غیر مقلدین اور دیو بندی علماء نے آپ کو علوم خمسہ عطا کیے جانے کا انکار کیا ہے:

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

(قیامت کے علاوہ) باقی چار باتیں یہ ہیں: ابر سے پانی برسے گا یا نہیں؟ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ کل کیا ہوگا؟ آدمی کہاں مرے گا؟ یہ باتیں حقیقی غیب کی ہیں' جن کا علم پیغمبروں کو بھی نہیں ہے۔ (الی قولہ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں: جو کوئی کہے کہ پیغمبر صاحب ان باتوں کو جانتے تھے' اس نے بڑا بہتان کیا۔ (تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۱۰' نعمانی کتب خانہ لاہور' ۱۹۹۰ء)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

ان پانچ علوم کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' پہلی تین چیزوں کے متعلق لقمان: ۳۴ میں فرمایا: ''ان کا علم اللہ ہی کے پاس ہے'' کیونکہ ان کا علم بہت عظیم ہے اور باقی دو کے متعلق فرمایا: مخلوق کو ان کا علم نہیں ہے۔

اس کے متصل بغیر حوالہ کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر کے لکھا: ان پانچ امور کو کوئی نہیں جانتا' نہ ملک مقرب نہ نبی مرسل۔ سو جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کو ان میں سے کسی چیز کا علم ہے' اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۳۱۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شیخ محمد عبد الرحمان بن عبد الرحیم مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس سے علم قیامت کے متعلق سوال کیا گیا ہے' وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کلام سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقوع قیامت میں دونوں کا علم برابر ہے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ وقوع قیامت کے عدم علم میں دونوں برابر ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو اپنے ساتھ خاص کر لیا اور یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے' جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۳۸۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آیا علوم خمسہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے گئے تھے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء دیو بند کا نظریہ

سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

نفی خمس اور علمِ غیب

فرمایا: مراد یہ ہے کہ وقتِ قیامت کا علم بھی ان ہی پانچ میں داخل ہے' پھر فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں چونکہ امور تکوین سے متعلق ہیں' امور تشریع سے ان کا کوئی تعلق نہیں' اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو ان کا علم نہیں دیا گیا' الا ماشاء اللہ' اور یہ بھی فرمایا: ''وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ'' ''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا'' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تشریع ہی ہے' جس کے لیے علوم شریعت موزوں ہیں' علوم تکوین نہیں۔

علمِ غیب سے مراد

پھر علمِ غیب سے مراد اصول کا علم ہے' علمِ جزئیات نہیں ہے' جو اولیاء کرام کو بھی عطا ہوا ہے' کیونکہ علمِ جزئیات حقیقت میں علم ہی نہیں ہے' علم تو حقیقت میں وہی ہے' جس سے ایک نوع کے تمام افراد کا علم حاصل ہو جائے اور وہ علم اصولِ شئی ہی ہو سکتا ہے۔

اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ہزاروں چیزیں یورپ سے بن کر آ رہی ہیں' ان کو ہم دیکھتے ہیں' پہچانتے ہیں' لیکن ہم ان کے اصول سے ناواقف ہیں' تو علمِ جزئیات بغیر علمِ کلی کے علم ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہے' کسی چیز کا علمِ کلی اگر ہمیں حاصل ہو جائے تو ہم اس نوع کی تمام جزئیات پر مطلع اور ان کے حقائق سے باخبر ہو سکتے ہیں' اسی کو حضرت حق جل مجدہ نے مفاتح سے تعبیر کیا ہے۔

(انوار الباری ج ۳ ص ۱۷۵' ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان' ۱۴۲۵ھ)

دراصل یہ تقریر شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے ''صحیح بخاری'' کی عربی شرح میں کی ہے' دیکھئے: فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۱' مطبع حجازی' قاہرہ' ۱۳۵۷ھ۔

پھر اسی تقریر کو شیخ سلیم اللہ خان نے زیادہ وضاحت سے لکھا ہے' وہ لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس آیت میں جن پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے' احادیث میں ان کو ''مفاتیح الغیب'' فرمایا گیا ہے' جن کا علمِ کلی بجز اللہ کے کسی کو نہیں' فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوانِ عینیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہے' جن میں جملہ غیر متناہی مغیبات شامل ہیں۔

مغیبات اوّلاً دو قسم پر ہیں:

(۱) ان کا تعلق جنسِ احکام سے ہوگا (۲) یا جنسِ اکوان سے۔

جو مغیبات جنسِ احکام سے ہیں' اُن کا علمِ کلی اور اصولی بقدرِ ضرورت تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز انبیاء سابقین کو دیا گیا تھا' اذکیاء امت نے ان کی تفصیل و تبویب کی' ان سے تو یہاں بحث نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلیۃً مختص نہیں رہے۔

یہاں بحث مغیباتِ اکوان سے ہے' کیونکہ ان کی کلیات اور اصول تو اللہ تعالیٰ نے کلیۃً اپنے ساتھ مختص رکھے' البتہ جزئیات منتشرہ پر بہت سے حضرات کو حسبِ استعداد اطلاع دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بھی اتنا عظیم الشان اور وافر حصہ ملا' جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا' اور یہ مغیباتِ اکوان ہیں تو غیر متناہی' مگر ان کی پانچ انواع ہیں: (۱) مکانی (۲) زمانی۔

اور زمانی کی پھر تین انواع ہیں:

(۱) وہ جو ماضی سے متعلق ہے (۲) وہ جو حال سے متعلق ہے (۳) وہ جو مستقبل سے متعلق ہے' مجموعی طور پر یہ چار انواع ہوئیں' پھر وقتِ ساعت کا علم اگرچہ ان چار میں مندرج تھا' کیونکہ وہ اکوانِ مستقبلیہ میں سے ہے' تاہم اس کو علیحدہ ذکر کیا کیونکہ یہ ایک بہت بڑا عظیم حادثہ ہے کہ اس جیسا حادثہ دنیا کو کبھی پیش نہیں آیا اور نہ پھر پیش آئے گا' کسی مخلوق کو اس کے وقت کا علم نہیں دیا گیا' اس لیے

خصوصیت سے اس کو مستقلاً ذکر کر دیا۔

ان اشیائے خمسہ میں سے "بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" مغیباتِ مکانیہ کی طرف اشارہ ہے "یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ" مغیباتِ زمانیہ حالیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آثارِ حمل فی الحال نمایاں ہیں "مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا" سے مغیباتِ زمانیہ مستقبلیہ کی طرف اشارہ ہے۔

(کشف الباری ج ۲ ص ۶۳۳ 'طبع مکتبہ فاروقیہ کراچی' ۱۴۲۶ھ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حقیقی علم وہ ہے کہ اس کے اصول سے آگاہی ہو لہٰذا کسی چیز کا عالم اسی وقت کہلائے گا' جب اس کے اصول سے واقف ہو۔

اس مقدمہ کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ غیب کے جزئیات بھی ہیں اور کلیات بھی' جس طرح جزئیاتِ طب کے جاننے والے کو عالمِ طب اور طبیب نہیں کہیں گے' اسی طرح جزئیاتِ غیبیہ پر مطلع ہونے والے کو عالمِ غیب نہیں کہہ سکتے۔

کلیات کے علم کا مطلب یہ ہے کہ ضابطہ بتلا دیا جائے کہ مثلاً فلاں ضابطہ سے پہچان لیں کہ فلاں جگہ فلاں وقت میں اتنے انچ بارش ہوگی اور پھر اتنی ہی بارش اسی وقت میں جس کا تعین کیا گیا ہے' ہو بھی جائے' اس میں تخلف نہ ہو' بس جو اس ضابطہ کا علم رکھتا ہے' اسے عالمِ غیب کہا جائے گا اور جو یہ ضابطہ نہیں جانتا' اُسے عالمِ غیب بھی نہیں کہہ سکتے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو عالمِ غیب نہیں کہہ سکتے کیونکہ کسی کو بھی کلیاتِ تکوینیہ کا علم نہیں ہو سکتا' صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہے' جسے تکوینیات کا علمِ محیط حاصل ہے' ہاں! بعض امور کا انکشاف ہو جاتا ہے مگر اسے علم نہیں کہتے' کسی طرح اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے' لیکن اگر کوئی پوچھ لے کہ لڑکا کیوں ہے؟ تو یقیناً ہمارے پاس اس کا جواب نہ ہوگا' تو ضوابط اور اصولِ غیب کا علم کسی نبی' کسی ولی کو نہیں ہو سکتا' یہ علم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ مخصوص ہے' ایک کلیہ کا علم اگر ہو تو وہ مفتاح بنتا ہے' بہت سی جزئیات کے علم کا' خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" (۲۷) اس سے معلوم ہوا کہ قواعد و ضوابطِ غیب کا اور تکوینیات میں کلیاتِ غیب کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں' ہاں! بعض جزئیات کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ ہاں! تشریعیات کے مد میں کلیات کا علمِ غیب انبیاء علیہم السلام کو ہے' کیونکہ اگر یہ علم انہیں نہ دیا جائے تو ان کے کام میں فرق آ جائے۔ البتہ وہ اسی قدر ملتا ہے جتنا اللہ اپنی حکمت کے موافق عطا فرما دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حوادثِ دہر پر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور جزئیات کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے' رہا کسی جزئی کے علم کا کسی پر منکشف ہو جانا تو یہ دوسری بات ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو ہوتا ہے' البتہ ان دونوں کشوف میں فرق ہوتا ہے اور وہ فرق وہی ہے' جس کو سورۂ جن میں بیان فرمایا گیا ہے: "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا" (۲۸) یعنی وہ عالمِ غیب ہے اور غیب پر کسی کو حاوی اور مسلط نہیں کرتا' ہاں انبیاء و رسل کو تشریعیات اور تکوینیات میں سے جتنے پر چاہے' مطلع کر دیتا ہے' اسی طرح کہ کوئی چیز اس میں خلل انداز نہ ہو سکے' نہ نفس کو کچھ دخل ہو' نہ شیطان کو' نہ کسی قسم کے شک و شبہ کو' غرض یہ کہ ہر شے سے محفوظ ہو' کیونکہ اس کے آگے پیچھے پہرے دار ہوتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ نبی کو جو کشف ہوتا ہے یا وحی آتی ہے' اس کے ساتھ پہرے دار ہوتے ہیں' اس لیے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا' بخلاف ولی کے کشف کے' کہ اس میں غلطی کا احتمال بھی ہے اور شبہ کی گنجائش بھی' اس لیے دونوں یکساں نہیں ہو سکتے' اب دو فرق ہوئے: نبی کا علم قطعی اور ولی کا ظنی' وہاں اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے اور یہاں نہیں' اور یہ سب جزئیاتِ علم ہیں' کلیات کا علم مختص بالباری تعالیٰ ہے' یہ علوم نہ نبی کو حاصل ہیں نہ ولی کو' انہیں جو کچھ حاصل ہوتا ہے خواہ کتنا کثیر ہو' سب جزئیات ہیں' اس لیے عالم الغیب نہیں کہہ

سکتے۔

پھر یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ''غیب'' کے معنی ہے: ''مالا یقع تحت الحواس' ولا تـقـتـضـیه بداهة العقل'' اور جس غیب کے ساتھ حق تعالیٰ متفرد ہیں' اس میں اتنی قید اور ہے: ''ولم ینصب علیه دلیل'' (۲۹) یعنی نظر و فکر اور دلیلِ عقلی سے بھی معلوم نہ ہو ورنہ پھر غیب نہیں رہے گا۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۳۵)

کیا اکوانِ غیبیہ پر اطلاع پانی ممکن نہیں؟

اس آیت کی رو سے ہونا یہ چاہیے کہ ان اشیائے خمسہ میں سے کسی ایک کی جزئی بات کا علم بھی کسی کو حاصل نہ ہو' حالانکہ ہم سینکڑوں واقعات اس کے خلاف پاتے ہیں' اولیاء کرام کی کرامتیں کثرت سے منقول ہیں' جو اس اختصاص کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رحم کی حالت معلوم ہو گئی تھی اور آپ نے انتقال سے پہلے اپنی حاملہ بیوی کے متعلق فرما دیا تھا کہ ان کے لڑکی ہو گی' اس لیے آپ نے وصیت فرمائی کہ اس حمل کو لڑکی مان کر ترکہ تقسیم کیا جائے' اسی طرح پنجاب میں ایک بزرگ تھے: عبد اللہ شاہ' یہ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے اور حضرت شاہ عبد الرحیم ولایتی کے خلیفۂ مُجاز' وہ دردزہ کا تعویذ دیتے وقت ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیتے کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی' یہ ان کی مشہور کرامت تھی۔ ایسے ہی منجمین اور کُہان پیشین گوئیاں کرتے ہیں' جو کبھی کبھی واقع کے مطابق بھی نکل آتی ہیں' اسی طرح آج کل جدید آلات کے ذریعے رحم کے اندر بچہ کی جنس کیا ہے؟ اس کا انکشاف ہو جاتا ہے' محکمۂ موسمیات کے ماہرین بارش ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں پیشگی بتا دیتے ہیں' ان کی یہ پیش گوئی بسا اوقات درست بھی ہو جاتی ہے۔

اس اشکال کے جواب سے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لیجئے' اگر ایک چیز کے کچھ اصول ہوں اور کچھ فروع' تو اصلی علم اس وقت کہیں گے جب اس کے اصول کا علم ہو' فرض کیجئے ایک شخص سو دو سو یا دو چار ہزار امراض اور ان کے نسخے رٹ لے تو کیا اس کو طبیب کہہ سکیں گے؟ نہیں! بلکہ طبیب وہ سمجھا جائے گا جو اصولِ طب اور اس کے فن سے واقف ہو' چاہے امراض اور نسخے رٹے نہ ہوں' اسی طرح عالم وہ ہو گا' جو اصولِ علم سے واقف ہو' فقیہ وہ نہیں جسے محض جزئیاتِ فقہ یاد ہوں' بلکہ فقیہ وہ کہلائے گا' جو اصول اور مآخذ پر مطلع ہو' خواہ جزئیات کم یاد ہوں۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۳۳)

نیز شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

حدیث باب کے جملے ''ما المسئول عنها باعلم من السائل'' اور ''فی خمس لا یعلمهن الا اللّٰہ'' صاف دلالت کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں' کئی ساری چیزیں ایسی ہیں' جن کا علم سوائے اللہ جل جلالہ کے اور کسی کو نہیں۔

(کشف الباری ج ۲ ص ۶۵۰' مکتبہ فاروقیہ کراچی' ۱۴۲۶ھ)

علومِ خمسہ کے مصداق کے متعلق علماء دیوبند کے موقف پر مصنف کا تبصرہ

شیخ انور شاہ کشمیری' شیخ احمد رضا بجنوری اور شیخ سلیم اللہ خان نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے مراد ہے: اصول' کلیات اور ضوابط کا علم' یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے' قدماء متکلمین' جمہور مفسرین' محدثین اور فقہاء اسلام اور اکابر علماء اسلام کی عبارات میں اس اصطلاح کا کوئی ثبوت نہیں ہے' قدیم علماء نے اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا علم ذاتی ہے' یعنی بے تعلیم غیر' اور قدیم ہے' واجب ہے' ازلی' ابدی ہے اور بس! جیسا کہ عنقریب ہمارے پیش کردہ حوالہ جات سے ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا' لیکن ''لا مشاحة فی الاصطلاح'' ہمیں ان کی اس اصطلاح پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اسی طرح ہم اہل سنت و جماعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے علم کلی مانتے ہیں' اس سے ہماری مراد کل مخلوقات سے زیادہ علم ہے' جیسا کہ شیخ سلیم اللہ خان نے بھی لکھا ہے:

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس سے بھی اتنا عظیم الشان ملا' جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۳۳)

اور شیخ تقی عثمانی نے لکھا ہے: قرآن کریم میں ہے کہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے زیادہ عطا ہوئیں۔ (انعام الباری ج ا ص ۵۴۷ 'مکتبۃ الحرا' کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کلی سے ہماری یہی مراد ہے' نہ کہ کل کائنات کا علم محیط' یا اللہ تعالیٰ کے علم کا مساوی علم' جیسا کہ ہم اس پر ان شاء اللہ عنقریب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تصریحات پیش کریں گے' سو علماء دیوبند کو بھی اس اصطلاح پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ ''لا مشاحۃ فی الاصطلاح''۔

* ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۱۱ پر عنوان ''مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے کی تحقیق'' کے تحت علم غیب کے متعلق جو بحث کی ہے' اس پر خود شیخ تقی عثمانی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس موضوع پر مفصل بحث کے بعد آخر میں فاضل مصنف لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غیب مطلق کے ساتھ منفرد ہے' جو جمیع معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اپنے رسولوں کو ان بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے' جو رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔

شیخ عثمانی نے لکھا ہے: اگر فاضل مولف کے تمام اہل مسلک اس پر متفق ہو جائیں تو اس سنگین مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ (البلاغ ص ۵۵' جمادی الاخریٰ ۱۴۱۶ھ' نومبر ۱۹۹۵ء)

واضح رہے کہ ہم نے جو بعض علوم غیبیہ کہا ہے' اس سے اللہ کے علم غیب کے مقابلہ میں بعض علوم غیبیہ مراد ہیں' جو کہ تمام مخلوق کے علوم سے زیادہ ہیں' جیسا کہ شیخ سلیم اللہ خاں اور شیخ تقی عثمانی کو بھی تسلیم ہے' اور ہمارے تمام اہل مسلک اس پر متفق ہیں' جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات پیش کریں گے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم تفصیلی محیط ثابت کرنے اور آپ کو عالم الغیب کہنے کا الزام

شیخ سلیم اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے مختلف کتابوں میں جو کچھ تحریر کیا ہے' اس کی رو سے ان کا مسلک یہ ہے کہ ابتداء آفرینش عالم سے لے کر ہنگامہ محشر (حساب و کتاب وغیرہ) کے اختتام یا بالفاظ دیگر جنت و نار تک کے تمام واقعات جزئیہ و کلیہ' دینیہ و دنیویہ کا علم تفصیلی محیط حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۳۷)

نیز شیخ سلیم اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

اگر اللہ تعالیٰ کے تمام غیوب اور جزئیات غیب پر مطلع کر دینے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں تو پھر آپ کے حضرات صحابہ کرام کے سامنے ان تمام اُمور کو بیان کر دینے سے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عالم الغیب ہونا بھی تو لازم آئے گا' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی تخصیص کیوں؟ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۴۷)

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں یا مانتے ہیں اور نہ آپ کے لیے علم تفصیلی محیط مانتے ہیں' بلکہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم سے بعض علوم عطا کیے جانے کے قائل ہیں' تاہم آپ کے یہ بعض

علوم تمام مخلوق کے علوم سے بہت زیادہ ہیں' اعلیٰ حضرت کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ' یعلم الغیب'' وارد ہے'' کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للملا علی القاری'' بلکہ خود حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے:'' کان یعلم علم الغیب'' مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے:'' المراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب'' (غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے' جس میں ابتداء صرف اللہ تعالیٰ کا علم نافذ ہوتا ہے' اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب کو جانتا ہے)۔

اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ما کان و ما یکون کے عالم ہیں' مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا' جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں' تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہوسکتا ہے' مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں' بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ غرض صدق و صورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی' امام ابن المنیر اسکندری'' کتاب الانتصاف'' میں فرماتے ہیں:'' کم من معتقد لا یطلق القول به خشیة ایهام غیره مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد والاطلاق'' '' کتنے عقائد ایسے ہیں جن کا مطلقاً قول نہیں کیا جاتا' مبادا ان کے غیر کا وہم کیا جائے' جن کا اعتقاد جائز نہیں ہے' اس لیے کسی چیز کا اعتقاد رکھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں کوئی تلازم نہیں ہے'' یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطاء کی تصریح کردی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ'' حواشی کشاف'' میں فرماتے ہیں:'' وانما لم یجز الاطلاق فی غیره تعالی لانه یتبادر منه تعلق علم به ابتداء فیکون منا قضا واما اذا قید وقیل اعلمه الله تعالی الغیب او اطلعه علیه فلا محذور فیه'' '' اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداء ہے' تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا' لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے' یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

(حاشیہ کشاف بر کشاف ج ۱ ص ۱۲۸' مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی الحلبی' ۱۰۱۱ھ' مصر' ۱۳۸۵ھ فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

علم ما فی الغد (کل کا علم) کے بارہ میں ام المؤمنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم ما فی الغد تھا (کل کا علم تھا) وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے' علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح'' حاشیہ کشاف'' پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے' یقیناً کافر ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۴۳' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لیے علم تفصیلی محیط ماننا جائز نہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

کسی علم کی حضرت عز وجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اوّل : علم کا ذاتی ہونا کہ بذاتِ خود بے عطا غیر ہو۔

دوم : علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر فکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم : علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم : علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

پنجم : علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر' تبدل' فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔

ششم : علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ' آتیہ (مستقبلہ) موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجوہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی' یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم' جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں ہے' جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں' خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے' یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام ص ۴' فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۷-۱۷۴ 'رضا فاؤنڈیشن' لاہور)

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اوّلین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی' جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے' کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۴۶' نوری کتب خانہ لاہور)

نبی ﷺ کو (اللہ تعالیٰ کے علوم سے) بعض علوم عطا کیے گئے ہیں' اس کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصریح یہ ہے:

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا علم مستقل ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی صرف بعض علوم ثابت رکھتے ہیں' لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعض علوم میں اور مخلوق کے بعض علوم میں آسمان اور زمین کی مثل فرق ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ عظیم اور کثیر ہے اور اللہ سب سے زیادہ بڑا ہے۔ (اعلیٰ حضرت کی عربی عبارت درج ذیل ہے:)

اعلیٰ حضرت کی یہ تصریح کہ رسول اللہ ﷺ کو بعض علم عطا کیا گیا ہے

"لا نقول بمساواة علم الله تعالى ولا بحصوله بالاستقلال' ولا نثبت بعطاء الله تعالى ايضا الا البعض' لكن بون بين البعض والبعض كالفرق بين السماء والارض' بل اعظم واكثر' والله اكبر"۔

(الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ص ۶۹' مرکز اہل سنت برکات رضا' ھند)

اب چونکہ ہم نے نبی ﷺ کے بعض علوم جزئیہ کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے تصریح پیش کر دی' اس لیے حسب وعدہ شیخ تقی عثمانی کو اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔

علم ذاتی اور عطائی کی بحث

شیخ سلیم اللہ خاں لکھتے ہیں:

یہاں ایک اہم بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ نصوص قطعیہ مثلاً ''لا اعلم الغیب'' وغیرہ جیسی آیتوں میں چونکہ صریحاً علم غیب کی نفی کا ذکر ہے اس لیے ایسے موقع پر منحرف لوگ ذاتی اور عطائی کی بے جا تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاں کہیں آپ کی ذات سے علم غیب کی نفی آئی ہے اس سے ذاتی علم کی نفی مراد ہے آپ کو جو علم ما کان و ما یکون حاصل تھا وہ عطائی تھا نہ کہ ذاتی' اور اس کی نفی نہیں ہے۔

لیکن ان لوگوں کا یہ کہنا بے جا اور باطل ہے:

اولاً اس لیے کہ پیچھے اشارہ گزر چکا ہے کہ وہ علم غیب جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہیں' وہ ہے'' مالا یقع تحت الحواس ولا تقتضیه بداهة العقل' ولم ینصب علیه دلیل '' جب کہ مخلوقات کو جس قدر بھی علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس پر ''غیب'' کی تعریف ہی صادق نہیں آتی' کسی کے بتانے اور خبر دینے سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو'' اخبار الغیب'' اور'' انباء الغیب'' تو کہہ سکتے ہیں' علم غیب نہیں اور دونوں میں بون بعید ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۵۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی ہے تو تقریباً سب ہی علماء نے اس کو ذاتی علم کی نفی پر محمول کیا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

وما ذكرناه في الاية صرح به النووي رحمه الله تعالى فتاواه فقال معناها لا يعلم ذالك استقلالا وعلم احاطة بكل المعلومات لله تعالى.

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۸' مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی واولادہ' مصر ۱۳۵۶ھ)

یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی' امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی' فرماتے ہیں: آیت کا معنی یہ ہے کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے' جو بذات خود ہو اور جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (النمل:۶۵)

آپ کہیے: آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں' نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے (الی قولہ) ہاں! بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ (حاشیہ عثمانی ص ۴۹۶' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

اب کیا شیخ سلیم اللہ خاں صاحب' شیخ عثمانی کو بھی منحرف قرار دیں گے' کیونکہ انہوں نے بھی ذاتی اور عطائی کا فرق کیا ہے۔

رہا مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کا دوسرا اعتراض کہ کسی کے خبر دینے سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو انباء الغیب اور اخبار الغیب تو کہہ سکتے ہیں' علم غیب نہیں اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئی ہیں' اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا' کیونکہ شرح عقائد (ص ۱۰) اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں: خبر صادق' حواس سلیمہ اور عقل' اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا' اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے' لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو اللہ کے علم سے بہت کم ماننے کو بھی غلط اور گم راہی کہنے کا جواب

شیخ تقی عثمانی لکھتے ہیں:

سوال: اگر کسی کا عقیدہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم کلی عطا کیا گیا' تو اس کو مشرک کہا جائے گا یا نہیں؟

جواب: اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا' اس لیے کہ وہ تاویل کرتے ہیں اور تاویل بھی فی الجملہ یعنی غلط سہی' لیکن وہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے علم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اللہ جل جلالہ کا علم ازلی ہے' وہ کسی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ سے نفی نہیں ہوا اور باری تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بغیر کسی واسطہ کے ہے' جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ ان کا علم ازلی نہیں ہے' جیسا کہ احمد رضا خان صاحب کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخر عمر میں عطا ہوا ہے' یعنی یہ کہ وہ علم عطا کردہ ہے۔ احمد رضا خان صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے علم کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو وہ نسبت بھی نہیں ہے' جو ایک قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مقصود اشتراک نہیں ہے' اس واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم کلی عطا ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک کہنا درست نہیں ہے اور کفر کا فتویٰ لگا کر کافر نہیں کہا جائے گا لیکن بہرحال یہ عقیدہ غلط اور گمراہی کی بات ہے۔

(انعام الباری ج ا ص ۵۴۹)

یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ماننا' جیسا ایک قطرہ بھی سمندر کے مقابلہ میں نہیں ہے' یہ بھی غلط اور گم راہی کی بات ہے! **(لا حول و لا قوة الا باللّٰه!)**

اب ہم شیخ تقی عثمانی اور مولانا سلیم اللہ خان کے انصاف اور دیانت سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے ممدوح شیخ انور شاہ کشمیری کی ایک عبارت یہ ہے:

والذی تحقق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضا اما انہ عن عمد منھم او لمغلطة.	میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید میں تحریف لفظی بھی ہے' یا تو یہ تحریف لوگوں نے عمداً کی ہے یا کسی مغالطہ کی بناء پر ہے۔

(فیض الباری ج ۳ ص ۳۹۵' مجلس علمی سورت' ہند' ۱۳۵۷ھ)

مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے کہ شیخ کشمیری کے نزدیک قرآن مجید میں تحریف لفظی ثابت ہے' اب بتائیں کہ آپ کے نزدیک یہ عین اسلام ہے؟ کفر ہے؟ گمراہی ہے؟ یا کیا ہے؟

حدیث جبریل کے ضمن میں ''فیض الباری' انوار الباری' کشف الباری اور انعام الباری'' کی عبارات پر تبصرہ کرنے کے بعد اب ہم پھر اس حدیث کی باقی شرح کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' **فنقول و باللّٰه التوفیق و به الاستعانة یلیق۔**

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی چند علامات بیان فرمائی ہیں' دیگر احادیث میں آپ نے اور بہت علامات بیان فرمائی ہیں۔ اب ہم ان احادیث کو بیان کر رہے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علاماتِ قیامت کی خبر دینا

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی' جب تک کہ ارضِ حجاز سے ایسی آگ نمودار نہ ہو' جس سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں۔

(صحیح البخاری: ۷۱۱۸' صحیح مسلم۔ کتاب الفتن: ۴۲' (۲۹۰۲) ۷۱۵۶' جامع الاصول: ۷۸۸۷۔ ج ۱۰)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کذابوں کا خروج نہ ہو ان میں سے ہر ایک یہ زعم کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ (صحیح مسلم۔کتاب الفتن: ۱۸۴ (۲۹۲۳) ۷۲۰۹' سنن ابوداؤد: ۴۳۳۴' سنن ترمذی: ۲۲۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰۔ ۷۵۲' جامع الاصول: ۷۸۹۵۔ ج ۱۰)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی' جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو پس جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے اور جو لوگ اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں' ان کا اس دن ایمان لانا مفید نہ ہوگا یا جن لوگوں نے اس سے پہلے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۶' صحیح مسلم۔کتاب الایمان: ۲۴۸ (۱۵۷) ۳۸۹' سنن ابوداؤد: ۴۰۰۲' سنن ترمذی: ۳۲۲۳۔۲۱۹۱' مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۵۔ ۱۴۵' جامع الاصول: ۷۸۹۷۔ ج ۱۰)

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی' جب تک کہ درندے انسانوں سے باتیں نہ کریں اور انسان سے اس کے کوڑے کا پھندا بات نہ کرے اور اس سے اس کی جوتی کا تسمہ بات نہ کرے۔ (سنن الترمذی: ۲۱۸۱' جامع الاصول: ۷۸۹۹۔ ج ۱۰)

(۵) حضرت سلامہ بنت حر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ اہل مسجد امامت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کہیں گے اور انہیں نماز پڑھانے کے لیے کوئی امام نہیں ملے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۵۸۱' جامع الاصول: ۷۹۰۸۔ ج ۱۰)

(۶) قیس بن ابی حازم' حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نیک لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے اور تلچھٹ (بھوسی) باقی رہ جائیں گے' جیسے جو کی بھوسی یا ردی کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۴۳۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۳' سنن الدارمی: ۲۷۲۲' جامع الاصول: ۷۹۰۹۔ ج ۱۰)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا: کاش! اس کی جگہ میں ہوتا۔ (صحیح البخاری: ۷۱۱۵' صحیح مسلم۔کتاب الفتن: ۵۳ (۲۹۰۷) ۷۱۶۸' سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۷' الموطا: ۱۶۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶' جامع الاصول: ۷۹۱۱)

(۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمانہ متقارب ہو جائے' سال ایک ماہ کی طرح گزرے گا اور مہینہ ہفتہ کی طرح گزرے گا' اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک گھنٹہ کی طرح گزرے گا اور ایک گھنٹہ آگ کی چنگاری کی طرح گزر جائے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۲۹' جامع الاصول: ۷۹۱۳)

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت صرف اشرار (بدترین لوگوں) پر قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم۔کتاب الفتن: ۱۳۱ (۲۹۴۹) ۷۲۶۹' جامع الاصول: ۷۹۱۹)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی' جب تک کہ دو عظیم جماعتوں میں جنگ نہ ہو' ان میں بہت بڑی جنگ ہوگی اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا' اور حتیٰ کہ تیس دجالوں' کذابوں کا ظہور ہوگا' ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے' اور حتیٰ کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور زلزلے بہ کثرت ہوں گے اور زمانہ

متقارب ہوگا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور بہ کثرت قتل ہوگا۔

(صحیح البخاری:۷۰۶۱ ۳۶۰۹' صحیح مسلم۔ کتاب الفتن:۱۷(۲۸۸۸۰)۷۱۲۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' جامع الاصول:۷۹۲۰' ج ۱۰)

(۱۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین کے لیے قتال کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور کسی کی مخالفت سے ان کو ضرر نہیں ہوگا' حتیٰ کہ ان پر قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حال پر ہوں گے' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا' جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی اور اس کا مس ریشم کی طرح ہوگا اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا' وہ اس کی روح قبض کر لے گی' پھر اشرار (بدترین لوگ) باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہو گی۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ:۱۷۶(۱۹۲۴)۴۸۷۴' جامع الاصول:۷۹۱۷)

(۱۲) حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے' آپ نے فرمایا: تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی' حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دھوئیں کا' دجال کا' دابۃ الارض کا' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا' حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا' یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا' ایک مرتبہ مشرق میں' ایک مرتبہ مغرب میں' ایک مرتبہ جزیرۂ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہوگی' جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الفتن:۳۹(۲۹۰۱)۷۱۵۲' سنن ابوداؤد:۴۳۱۱' سنن ترمذی:۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ:۴۰۴۱' جامع الاصول:۷۹۲۱)

(۱۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں' جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا اور میرے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا' جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کو سنا ہو' آپ نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا' اور جہل کا ظہور ہوگا اور زنا عام ہوگا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی' حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح البخاری:۸۱' صحیح مسلم۔ کتاب العلم:۹(۲۶۷۱)۶۶۶۰' سنن ترمذی:۲۲۱۲' سنن ابن ماجہ:۴۰۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰' جامع الاصول:۷۹۲۲)

(۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمانہ متقارب ہو جائے گا اور علم کم ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور قتل بہت زیادہ ہوگا۔

(صحیح البخاری:۷۰۶۲۔۷۰۶۴' صحیح مسلم۔ کتاب العلم:۱۰(۲۶۷۲)۶۶۶۲' سنن ترمذی:۲۲۰۷' سنن ابوداؤد:۴۲۵۵' سنن ابن ماجہ:۴۰۵۱۔ ۴۰۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۵' جامع الاصول:۷۹۲۴)

(۱۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کاموں کو کرے گی تو اس پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! وہ کیا کام ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے گا' اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھ لیا جائے گا' جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں گے' اور جب دوست کے ساتھ نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے' اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی' اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنا دیا جائے گا اور جب کسی شخص کے شر کے ڈر

سے اس کی عزت کی جائے گی' شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والیاں اور ساز رکھے جائیں گے' اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو بُرا کہیں گے' اس وقت تم سرخ آندھیوں' زمین کے دھنسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔

(سنن ترمذی: ۲۲۱۷' جامع الاصول: ۷۹۲۵)

(۱۶) حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے' جو ریشم کو' شراب کو اور گانے بجانے کے آلات کو حلال کہیں گے اور ضرور کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے' جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ کل آنا' اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں کو (جو ریشم' شراب اور باجوں کو حلال کہیں گے) مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۵۹۰' سنن ابوداؤد: ۴۰۳۹' جامع الاصول: ۷۹۳۴)

(۱۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی' جب تک کہ عرب کا حاکم وہ شخص نہیں ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہے' اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا (یعنی محمد) اور دوسری روایت میں ہے: اگر ایامِ دنیا میں سے صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اتنا لمبا کر دے گا حتیٰ کہ اس دن میں ایک شخص کو میرے اہل بیت سے مبعوث کرے گا' جس کا نام میرے نام کے موافق اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا' وہ زمین کو اس طرح عدل اور انصاف سے بھر دے گا' جس طرح وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۸۲' سنن ترمذی: ۲۲۳۰)

(۱۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی' جب تک کہ مال بہت زیادہ نہ ہو جائے اور حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلے تو اس کو کوئی شخص نہ ملے' جو اس کو قبول کرے۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ: ۶۰ (۱۰۱۲) ۲۳۰۲' المشکوٰۃ: ۵۴۴۰)

(۱۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' وہ حاکم عادل ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے' حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہو گا۔ (صحیح البخاری: ۲۲۲۲' صحیح مسلم۔ کتاب الایمان: ۲۴۲ (۱۵۵) ۳۸۲' المشکوٰۃ: ۵۵۰۵)

(۲۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی' جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوں گے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۹' صحیح مسلم۔ کتاب الایمان: ۲۴۴ (۱۵۵) ۳۸۵' المشکوٰۃ: ۵۵۰۶)

(۲۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف نازل ہوں گے' وہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی' اور وہ زمین میں پینتالیس سال رہیں گے' پھر فوت ہوں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن کیے جائیں گے' پس میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر سے' ابوبکر اور عمر کے درمیان سے کھڑے ہوں گے۔

(الوفا ابن الجوزی ص ۸۱۴' المشکوٰۃ: ۵۵۰۸)

(۲۲) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے درآں حالیکہ آپ کا چہرہ سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے: لا الٰہ الا اللہ اور اس کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا' آپ نے فرمایا: عرب کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو' جو

قریب آ پہنچا ہے' یاجوج ماجوج کی بندش آج کے دن کھل گئی' اس کی طرح پھر آپ نے دس کا عقد کیا' حضرت زینب نے کہا:
یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے' حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب خباثت زیادہ ہو جائے۔ (صحیح البخاری: ۳۳۴۶' صحیح مسلم: ۲۸۸۰' سنن ترمذی: ۲۱۹۴' سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳' صحیح ابن حبان: ۳۲۷' ج ۲' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۷۴۹' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۰۶۱' مسند الحمیدی: ۳۰۸' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۳' مسند احمد: ۲۷۴۸۶' ج ۱۰)

(۲۳) مجمع بن جاریہ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم' دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔ (سنن ترمذی: ۲۲۵۹' صحیح ابن حبان: ۶۸۱۱' ج ۱۵' المعجم الکبیر: ۱۰۷۷' ج ۱۹' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۳۵)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دابۃ الارض نکلے گا' اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا ہوگا' وہ مومن کے چہرے کو عصا سے روشن کرے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا' حتیٰ کہ قبیلہ کے لوگ جمع ہو جائیں گے اور وہ کہے گا: یا مومن' یا کافر۔

(سنن ترمذی: ۳۱۸۷' مسند احمد: ۷۹۴۲' ج ۳)

(۲۵) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طویل ارشاد روایت کیا ہے' جس کے آخر میں آپ نے فرمایا: یوم القیامۃ یوم عاشوراء ہے (یعنی محرم کے مہینہ کی دس تاریخ)۔

(فضائل الاوقات: ۲۴۳' ص ۴۴۱' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

(۲۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے' وہ جمعہ کا دن ہے' جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم' کتاب الجمعہ: ۱۹۴۴۔ ۸۵۴۔ ۱۸' سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۴' سنن نسائی: ۱۳۷۳)

(۲۷) حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزی پیدا کی' پھر استواء فرمایا' پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا' زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں عجلت سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

خاص وقوع قیامت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیاں بیان فرمائیں اور موخر الذکر تین حدیثوں میں یہ بھی بتادیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن' دن کی آخری ساعت میں قیامت واقع ہوگی' مہینہ' تاریخ' دن اور خاص وقت سب بتادیا' صرف سن نہیں بتایا' کیونکہ اگر سن بھی بتادیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا' کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً. (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے مکذب نہیں' مصدق تھے' اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا۔

اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح وغیرہ دیئے جانے کے متعلق علماء اسلام کے نظریات

قیامت کب واقع ہوگی؟ بارش کب ہوگی؟ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ انسان کل کیا کرے گا؟ اور کون شخص کس جگہ مرے گا؟ یہ وہ اُمور خمسہ ہیں' جن کا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' بحث اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے یا نہیں۔ بعض علماء سلف نے نیک نیتی کے ساتھ یہ کہا کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں پر مطلع نہیں فرمایا' اور اکثر اہل اسلام نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خصوصاً ان پانچ چیزوں کے علوم میں سے بھی حظ وافر عطا فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں یہ اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمائے آیا وہ روزِ اوّل سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں' جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔ بہت اہل ظاہر جانب خصوص کے گئے ہیں' کسی نے کہا: متشابہات کا' کسی نے خمس کا' کثیر نے کہا: ساعت کا اور عام علماء باطن اور ان کے اتباع سے بہ کثرت علماء ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔

(خالص الاعتقاد ص ۴۷' مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی' کراچی)

علماء دیوبند اور علماء غیر مقلدین یہ تاثر دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے علوم خمسہ کو ثابت کرنے میں صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے متبعین منفرد ہیں' ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ صرف ہمارا تفرد نہیں' بلکہ بہت علماء اسلام کا یہی مسلک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ وعلم روح وغیرہ دیئے جانے کے متعلق' جمہور علماء اسلام کی تصریحات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

فمن ادعی علم شئ منها غیر مسند الی رسول الله صلی الله علیه وسلم کان کاذبا فی دعواه.

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وساطت کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(المفہم ج ۱ ص ۱۵۶' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی' علامہ ابن حجر عسقلانی' علامہ احمد قسطلانی' ملا علی قاری اور شیخ عثمانی نے بھی اپنی شروح میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰' فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۴' ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۳۸' مرقات ج ۱ ص ۶۵' فتح الملہم ج ۱ ص ۱۰۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

قال بعضهم لیس فی الایة دلیل علی ان الله لم یطلع نبیه علی حقیقة الروح بل یحتمل ان یکون اطلعه ولم یامره انه یطلعهم وقد قالوا فی علم الساعة نحو هذا والله اعلم. (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورہ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا' بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۰۲)

علامہ زرقانی ''المواہب'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

(وقد قالوا فی علم الساعة) وباقی الخمس المذکورة فی اية ان الله عنده علم الساعة (نحو هذا) يعنی انه علمها ثم امر بکتمها.
(شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۶۵)

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے' علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الی انه صلی الله علیه وسلم اوتی علم الخمس ایضا وعلم وقت الساعة والروح وانه امر بکتم ذالك.

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور ص ۳۱۹' مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انه لم یخرج نبینا من الدنیا حتی اطلعه الله علی تلك الخمس ولکنه امره بکتمها.
(تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵)

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرما دیا' لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔

اور علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

لم یقبض رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی علم کل شی یمکن العلم به. (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا' جس کا علم دینا ممکن تھا۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ویجوز ان یکون الله تعالی قد اطلع حبیبه علیه الصلوة والسلام علی وقت قیامها علی وجه کامل لکن لاعلی وجه یحاکی علمه تعالی به الا انه سبحانه اوجب علیه صلی الله تعالی علیه وسلم کتمه لحکمة ویکون ذلك من خواصه علیه الصلوة والسلام ولیس عندی ما یفید الجزم بذلك. (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳)

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو' مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علمِ الٰہی کا اشتباہ ہو' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اس کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول ﷺ کے خواص میں سے ہو' لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔

امام رازی لکھتے ہیں:

عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه المخصوص

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت

وھو قیام القیامة احدا ثم قال بعدہ لکن من ارتضی من رسول. (تفسیر کبیر ج۱۰ص۶۷۸)

قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے' جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج۴ص۳۱۹)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

والجواب ان الغیب ھھنا لیس للعموم بل مطلق او معین ھو وقت وقوع القیمة بقرینة السیاق ولا یبعدان یطلع علیه بعض الرسل من الملئکة او البشر. (شرح المقاصد ج۵ص۶ طبع ایران)

اور جواب یہ ہے کہ یہاں غیب عموم کے لیے نہیں ہے' بلکہ مطلق ہے یا اس سے غیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت' اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے' خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وحق آنست که درآیت دلیلے نیست بر آنکه حق تعالی مطلع نگر دانیده است حبیب خود را صلے اللّٰه علیه وسلم بر ماہیت روح بلکه احتمال دارد که مطلع گردانیده باشد وامرنکرد اوراکه مطلع گرداند این قوم راوبعضی از علماء در علم ساعت نیزایں معنی گفته اندالی ان قال ولے گوید بنده مسکین خصه اللّٰه بنور العلم والیقین وچگونه جرات کند مومن عارف که نفی علم به حقیقت روح سید المرسلین وامام العارفین صلی اللّٰه علیه وسلم کند و داده است اورا حق سبحانه علم ذات وصفات خودوفتح کرده بروے فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چه باشد که درجنب حقیقت جامعه وے قطره ایست از دریانے ذره از بیضانے فافهم وباللّٰه التوفیق. (مدارج النبوة ج۲ص۴۰)

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا' بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو' اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے میں بھی یہی قول کیا ہے اور بندہ مسکین (اللہ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے' وہ جو سید مرسلین اور امام العارفین ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں' ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیت ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ عارف کامل فرماتے ہیں:

وکیف یخفی امر الخمس علیه صلی الله علیه وسلم والواحد من اهل التصرف من امته الشریفة لا یمکنه التصرف الا بمعرفة هذه الخمس.
(الابریز ص ۲۸۳)

رسول اللہ ﷺ سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہوگا' حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہو سکتا' جب تک اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

لایعلم متی تقوم الساعة الا الله الا من ارتضی من رسول فانه یطلعه علی من یشاء من غیبه والولی تابع له یاخذ عنه. (ارشاد الساری ج ۷ ص ۱۷۸)

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے' اطلاع دے دیتا ہے (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں) رہے اولیاء' وہ رسولوں کے تابع ہیں' ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

ہر چیز کا علم ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' پھر ان پانچ چیزوں کے علم کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا شمار کیا گیا ہے' حالانکہ تمام مغیبات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے' روایت ہے کہ دیہاتیوں میں سے حارث بن عمر نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا اور یہ کہ ہماری زمین خشک ہے' میں نے اس میں بیج ڈالنے ہیں' بارش کب ہوگی؟ اور میری عورت حاملہ ہے' اس کے پیٹ میں مذکر ہے یا مؤنث' اور مجھے گزشتہ کل کا تو علم ہے' لیکن آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ اور مجھے یہ علم تو ہے کہ میں کس جگہ پیدا ہوا ہوں' لیکن میں کہاں مروں گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز اہل جاہلیت نجومیوں کے پاس جا کر سوال کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ نجومیوں کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے' اور اگر کاہن غیب کی کوئی خبر دے اور کوئی شخص اس کی تصدیق کرے تو یہ کفر ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام غیب کی خبریں دیتے ہیں تو ان کا یہ خبر دینا' وحی' الہام اور کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے ہوتا ہے' لہٰذا ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا' اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان غیوب پر انبیاء' اولیاء' اور ملائکہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن: ۲۷-۲۶)

(اللہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا ۝ مگر جن کو اس نے پسند فرما لیا' جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اور بعض غیوب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا' جن کی اطلاع کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو' جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ. (الانعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں' اس کے سوا (بذاتہٖ خود) انہیں کوئی نہیں جانتا۔

قیامت کا علم بھی انہی امور میں سے ہے' اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو مخفی رکھا' لیکن صاحب شرع کی زبان سے ان کی

علامتوں کو ظاہر فرما دیا' مثلاً خروجِ دجال' نزولِ عیسیٰ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اسی طرح بعض اولیاء نے بھی الہام صحیح سے بارش ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اسی طرح ابوالعزم اصفہانی شیراز میں بیمار ہو گئے' انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے طرطوس میں موت کی دعا کی ہے' اگر بالفرض شیراز میں مرگیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دینا (یعنی ان کو یقین تھا کہ ان کی موت طرطوس میں آئے گی) وہ تندرست ہو گئے' اور بعد میں طرطوس میں ان کی وفات ہوئی اور میرے شیخ نے بیس سال پہلے اپنی موت کا وقت بتا دیا تھا اور وہ اپنے بتائے ہوئے وقت پر ہی فوت ہوئے تھے۔

(روح البیان ج ۷ ص ۱۰۵۔ ۱۰۳' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ)

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ما کان وما یکون پر شیخ سلیم اللہ اور شیخ عثمانی نے جو اعتراضات کیے ہیں' وہ ان لوگوں کے پرانے اعتراضات ہیں اور ان کے جوابات تفسیر تبیان القرآن الجن: ۲۷۔۲۶ کی تفسیر میں مذکور ہیں اور ان شاء اللہ ان کا ذکر ''نعمۃ الباری'' میں بھی حسب مقام کیا جائے گا۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم :۱۔ ج ۱ ص ۲۷۱ پر مذکور ہے اور اس کی شرح ۳۲۹۔ ۲۷۷ صفحات پر محیط ہے اور اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) تمام علماء اور صالحین کے لیے رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا جواز (۲) اللہ تعالیٰ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نام لکھنے کے آداب (۳) قضاء وقدر کے لغوی معنی کی تحقیق (۴) قضاء وقدر کے اصطلاحی معنی کی تحقیق (۵) تقدیر کی تعریف (۶) معتزلہ اور جبریہ کے نظریہ کا بطلان اور افعال کے خلق اور کسب کا بیان (۷) تقدیر کے متعلق اہل سنت اور اہل بدعت کے نظریات (۸) تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات (۹) انسان کے لیے آزادی عمل اور کسب اور اختیار کا بیان (۱۰) انسان کے کسب اور اختیار کے متعلق قرآن مجید کی آیات (۱۱) انسان کا امور سماویہ میں مجبور اور احکام شرعیہ میں مختار ہونا (۱۲) بعض کفار کے دلوں پر مہر لگا دینا' ان کے اختیار کے منافی نہیں ہے (۱۳) تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث (۱۴) تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق مفسرین کی آراء (۱۵) تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق محدثین کی آراء (۱۶) تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق متکلمین کی آراء (۱۷) کفار اور بدعقیدہ لوگوں سے تعلقات رکھنے کی تحقیق (۱۸) کفار اور بدعقیدہ لوگوں سے محبت رکھنے اور دوستی رکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات (۱۹) کفار اور بدعقیدہ لوگوں سے محبت رکھنے اور دوستی رکھنے کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار (۲۰) کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ معاشرتی معاملات اور نیکی کرنے پر احادیث سے استدلال (۲۱) کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنے کے متعلق علماء شافعیہ کا نظریہ (۲۲) کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنے کے متعلق علماء مالکیہ کا نظریہ (۲۳) کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کے متعلق علماء حنبلیہ کا نظریہ (۲۴) کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنے کے متعلق علماء احناف کی آراء (۲۵) نداء یا محمد کا جواز اور بحث ونظر (۲۶) اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء یا محمد کے ساتھ خطاب کرنا (۲۷) انبیاء علیہم السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کے ساتھ نداء اور خطاب کرنا (۲۸) ارکانِ اسلام میں جہاد کو نہ ذکر کرنے کی وجہ (۲۹) مرتبہ احسان کی تفصیل اور تحقیق (۳۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ حاصل ہونے کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات (۳۱) اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کے انحصار کی خصوصیت کا سبب (۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کی دیگر علامات کو بیان فرمانے اور سن کو بیان نہ فرمانے کا سبب۔

۳۸- بَابٌ

باب

یہ باب باب سابق کا تتمہ ہے اس لیے اس کا عنوان قائم نہیں کیا۔

۵۱- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهُ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْ سُفْيَانَ اَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ سَاَلْتُكَ هَلْ يَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ؟ فَزَعَمْتَ اَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ، وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يَتِمَّ، وَسَاَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ سَخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيْهِ؟ فَزَعَمْتَ اَنْ لَا، وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ لَا يَسْخَطُهُ اَحَدٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ ان کو حضرت عبداللہ بن عباس نے خبردی انہوں نے کہا: مجھے ابوسفیان نے خبر دی کہ ھرقل نے ان سے کہا: میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ لوگ زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تم نے کہا: وہ زیادہ ہو رہے ہیں اسی طرح ایمان ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ پورا ہو جائے اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ کیا کوئی شخص دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو ناپسند کر کے اس سے پلٹ جاتا ہے؟ تو تم نے کہا: نہیں! اور اس طرح جب ایمان کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے تو کوئی اس کو ناپسند نہیں کرتا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابراہیم بن حمزہ القرشی الاسدی' یہ کبار محدثین سے روایت کرتے ہیں' اور ان سے امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے' امام ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور صدوق ہیں' ۲۳۰ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے (۲) ابراہیم بن سعد القرشی المدنی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) صالح بن کیسان الغفاری' ان کا ذکر بھی ہو چکا ہے (۴) محمد بن مسلم بن شہاب زہری (۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود (۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۵۷)

اس حدیث کی مفصل شرح' حدیث: ۷ میں گزر چکی ہے۔

۳۹- بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ

اس شخص کی فضیلت جو اپنے دین کو بچانے کے لیے مشتبہ چیزوں سے بَری ہوا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس وجہ سے ہے کہ باب سابق میں ایمان کا ذکر ہے' اور انسان کمال ایمان کی وجہ سے مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے۔

۵۲- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى، يُوْشِكُ اَنْ يُوَاقِعَهُ، اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، اَلَا اِنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زکریا نے حدیث بیان کی از عامر' انہوں نے کہا: میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں' جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے' پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا' اس نے اپنے دین کی اور اپنی عزت کی حفاظت کر لی اور جو شخص شبہات میں

حِمَى اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ' اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ' وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ' اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

[طرف الحدیث:۲۰۵۱]

ملوث ہو گیا' وہ اس چرواہے کی طرح ہے' جو شاہی چراگاہ کے گرد اپنے مویشی چرائے' قریب ہے کہ وہ اس میں داخل ہو جائیں' سنو! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے' سنو! اس زمین میں اللہ کی مخصوص چراگاہ اس کے حرام کیے ہوئے کام ہیں' سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے' جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے' اور جب اس میں فساد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے' سنو! وہ دل ہے۔

(صحیح مسلم:۱۵۹۹' سنن ابوداؤد:۳۳۲۹' سنن ترمذی:۱۲۰۵' سنن نسائی:۴۴۵۳' ۵۷۱۰' سنن ابن ماجہ:۳۹۸۴' السنن الکبریٰ للنسائی:۵۲۱۹' صحیح ابن حبان:۷۲۱' المعجم الاوسط:۲۴۹۳' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۳۶' سنن بیہقی ج ۵ ص ۳۳۴' الکامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۲' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۷ طبع قدیم' مسند احمد:۱۸۳۴۷۔ ج ۳۰ ص ۲۸۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) ابونعیم بن دکین' یہ ان کا لقب ہے' ان کا نام عمرو بن حماد القرشی الطلحی ہے' انہوں نے اعمش وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے امام احمد وغیرہ نے سماع کیا ہے' ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے' امام بخاری نے ان سے بلاواسطہ روایت کی ہے' اور امام مسلم' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ایک واسطہ سے روایت کی ہے' ۲۱۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) زکریا بن ابی زائدہ' ان کا نام خالد بن میمون الہمدانی الکوفی ہے' انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے سماع کیا ہے' جس میں شعبی اور سبیعی بھی ہیں' اور ان سے شعبہ اور ثوری وغیرہ نے سماع کیا ہے' یہ ۱۴۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) عامر شعبی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) حضرت نعمان بن بشیر الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہما' ہجرت کے چودہ ماہ بعد پیدا ہوئے' ان سے ۱۱۴ احادیث مروی ہیں' ۶۵ھ میں واسط کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے' یہ صحابی ابن صحابی ہیں' ان کے علاوہ صحابہ میں نعمان بن بشیر کسی اور کا نام نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۵۹)

مشتبہات کے معانی اور محل عقل کے مصداق میں اختلاف فقہاء

اس حدیث میں ''مشتبہات'' کا لفظ ہے' یہ وہ چیز ہے' جو ایک جہت سے حلال ہو اور دوسری جہت سے حرام' جیسے کسی رشوت خور کے گھر کا کھانا' اگر اس کی تنخواہ کی آمدنی سے پکا ہوا ہو تو حلال ہے اور اگر رشوت کی آمدنی سے پکا ہو تو حرام ہے' یا جس چیز کی حلت اور حرمت میں اختلاف ہو' جیسے مچھلی کے علاوہ دوسرے دریائی یا سمندری جانور' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ حلال ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہیں۔

اس حدیث میں ''قلب'' کا لفظ ہے' اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عقل کا محل دل ہے یا دماغ ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے کیونکہ دماغ پر چوٹ لگنے سے عقل متاثر ہوتی ہے اور دماغ کے مرض مثلاً جنون سے بھی عقل فاسد ہو جاتی ہے اور دل کے امراض سے عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں آتا' امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تعقل کا اسناد دل کی طرف کیا گیا ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا. (الحج:۴۶) ان کے دل ایسے ہوتے ہیں جن سے وہ تعقل کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن مجید میں یہ اطلاق مجازی ہے' یہاں ذکر قلب کا ہے' اور اس سے مراد دماغ ہے۔

* شرح صحیح مسلم میں یہ حدیث: ۳۹۸۲۔ ج ۴ ص ۴۱۵۔ ۴۰۹ پر ہے وہاں اس کے عنوانات یہ ہیں:
(۱) امور مشتبہ کی تشریح میں علماء کے اقوال (۲) دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل (۳) قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کی توجیہ (۴) عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال (۵) محل عقل کے بارے میں علماء کے اقوال۔

۴۰- بَابٌ اَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِيْمَانِ — خمس کا ادا کرنا اُمور ایمان سے ہے

''خمس'' کا معنی ہے: کفار کے خلاف جہاد کرنے سے فتح کے بعد جو مال غنیمت حاصل ہو اس کے چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا ہے اور آپ کی وفات کے بعد اس کو مسلمانوں کے بیت المال کے لیے بھیج دیا جاتا ہے اور اس کے مصارف فقراء مسلمین اور قومی ضروریات ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (الانفال:۴۱)

یاد رکھو کہ تم غنیمت میں جو مال حاصل کرو' اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا ہے اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا۔

اور اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں حلال اور حرام کا بیان فرمایا تھا اور اس باب میں مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا ذکر ہے اور اس کو اپنے مصارف میں خرچ کرنا حلال ہے اور مصارف کے خلاف خرچ کرنا حرام ہے اور اس باب کی عنوانِ باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں خمس ادا کرنے کا ذکر ہے۔

۵۳- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ' عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ ' يُجْلِسُنِيْ عَلٰى سَرِيْرِهٖ' فَقَالَ اَقِمْ عِنْدِيْ حَتّٰى اَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَّالِيْ ' فَاَقَمْتُ مَعَهٗ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ ؟ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ؟ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ' اَوْ بِالْوَفْدِ' غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَاْتِيَكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ' وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ' فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ' نُخْبِرْ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَ نَا' وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ. وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ ' فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ' وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ' اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ' قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ؟ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ' قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ' وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ' وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ' وَصِيَامُ رَمَضَانَ' وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ' وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں علی بن جعد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ابی جمرہ' انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھتا تھا' وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھاتے تھے' انہوں نے کہا: تم میرے ساتھ قیام کرو حتیٰ کہ میں اپنے مال سے کچھ حصہ تمہیں دوں' میں ان کے ساتھ دو مہینہ رہا' پھر انہوں نے کہا کہ جب عبد القیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' تو آپ نے پوچھا: یہ کون سی قوم ہے؟ یا یہ کون سا وفد ہے؟ انہوں نے کہا: ربیعہ' آپ نے فرمایا: اس قوم کو یا اس وفد کو خوش آمدید! تم لوگ شرمندہ ہو گے نہ نادم! انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں آ سکتے ہیں' ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا قبیلہ مضر ہے' آپ ہمیں کوئی فیصلہ کن حکم بتائیں' جس کی خبر ہم اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کو دیں اور اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہوں' انہوں نے آپ سے مشروبات کے برتنوں کے متعلق سوال کیا' آپ نے انہیں چار برتنوں میں پینے کی اجازت دی اور چار برتنوں میں پینے سے منع فرمایا' آپ نے انہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کا

الْحَنْتَمِ، وَالدُّبَّاءِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ، وَقَالَ احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ.

[اطراف الحدیث: ۸۷-۵۲۳-۱۳۹۸-۳۰۹۵-۳۵۱۰-۴۳۶۸-۴۳۶۹-۶۱۷۶-۷۲۶۶-۷۵۵۶]

(صحیح مسلم: ۱۷' ابوداؤد: ۳۶۹۲' ترمذی: ۲۶۱۱-۱۵۹۹' نسائی: ۵۰۳۶-۵۷۰۸)

حکم دیا' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: تم یہ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور (سیدنا) محمد اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرنے' زکوٰۃ دینے' رمضان کے روزے رکھنے اور مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کو ادا کرنے کا حکم دیا اور ان کو چار قسم کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا: سبز رنگ کے گھڑے' کھوکھلا کدو' کھوکلی لکڑی اور تارکول ملا ہوا برتن' اور فرمایا: تم ان کو یاد کر لو اور اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کو ان کی خبر دو۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالحسین علی بن الجعد الہاشمی البغدادی' انہوں نے ثوری اور امام مالک وغیرہ سے سماع کیا ہے' اور ان سے امام احمد' امام بخاری' امام ابوداؤد اور دیگر نے سماع کیا ہے' موسیٰ بن داؤد نے کہا: میں نے ان سے زیادہ حافظہ والا نہیں دیکھا' یہ ۲۳۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) شعبہ بن حجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) ابوجمرہ' ان کا نام نصر بن عمران ہے' انہوں نے حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر سے سماع کیا ہے' اور ان سے ایوب اور بہت تابعین نے سماع کیا ہے' ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے' ۱۲۸ھ میں بصرہ میں ان کی وفات ہو گئی (۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۷۱-۴۷۰)

بعض مشکل الفاظ کے معانی

''وفد'' ان لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی عظیم شخصیت سے ملاقات کے لیے سوار ہو کر جائیں' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○ (مریم: ۸۵)

جس دن متقین کو رحمان کی طرف (بہ طور مہمان) لے جایا جائے گا ○

''مضر'' یہ مضر بن عدنان کا قبیلہ ہے' مضر اور ربیعہ دو بھائیوں کی اولاد ہیں' حرمت والے مہینوں یعنی رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم کے علاوہ باقی مہینوں میں ان کے درمیان جنگ رہتی تھی۔

''الحنتم'' سبز رنگ کے گھڑے یا مٹکے' ان میں نبیذ بنایا جاتا تھا۔

''الدباء'' کدو کو خشک کر کے کھوکھلا کر کے برتن بنایا جاتا تھا' یہ بھی نبیذ رکھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

''النقیر'' کھجور کے تنے کو اندر سے کھوکھلا کر کے برتن بنایا جاتا تھا' یہ بھی نبیذ رکھنے کے کام آتا تھا' اس کو ''المقیر'' بھی کہتے ہیں۔

''المزفت'' لکڑی کا پیالہ بنا کر اس پر تارکول کی لپائی کر دیتے تھے' یہ بھی نبیذ کے ظروف میں سے ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے فرمایا: میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں لیکن بیان پانچ چیزیں فرمائیں

اس حدیث میں فرمایا ہے: ان کو چار چیزوں کا حکم دیا' لیکن جو مذکور ہیں وہ پانچ ہیں: (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ جن چار

چیزوں کا حکم دیا تھا' ان میں سے ایک چیز ایمان ہے' اس کے بعد جن چیزوں کا ذکر ہے' وہ ایمان لانے کی تفسیر ہیں' اور بقیہ تین چیزوں کا ذکر کرنا راوی بھول گیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز' زکوٰۃ' روزے اور خمس' ان چار چیزوں کا حکم دینا مقصود تھا' اور اس سے پہلے اللہ اور رسول کی شہادت کا ذکر بہ طور تبرک ہے۔

دینی خدمات کا معاوضہ لینا صحابہ میں مروج تھا

اس حدیث میں ذکر ہے کہ ابوجمرہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم میرے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ میں اپنے مال سے تمہیں حصہ دوں۔ البخاری: ۸۷ میں مذکور ہے کہ ابوجمرہ سائلین کے عجمی زبان کے سوالات کا ترجمہ کر کے حضرت ابن عباس کو عربی میں سناتے تھے' پھر ان کے جوابات کا عجمی میں ترجمہ کر کے سائلین کو سناتے' حضرت ابن عباس ان کی اس خدمت کا ان کو معاوضہ دیتے تھے' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی خدمات کا معاوضہ لینا اور دینا' صحابہ میں رائج اور معمول تھا۔

ابتداء میں چار قسم کے برتنوں میں نبیذ پینے سے منع فرمانا' پھر اس کی اجازت دینا

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ چار برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا' لیکن بعد میں اس حکم کو منسوخ فرما دیا اور تمام برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو مشک کے سوا نبیذ بنانے سے منع کیا تھا' اب تم ہر مشک سے نبیذ پیو اور نشہ آور مشروب کو نہ پیو۔

(صحیح مسلم۔ رقم بلا تکرار: ۹۷۷' الرقم المسلسل: ۵۱۰۹' سنن ابوداؤد: ۳۷۰۲)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو کچھ برتنوں میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا' اور بے شک برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۵۱۱۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ برتنوں میں (نبیذ) پینے سے منع فرمایا تھا' پھر انصار نے کہا: ہمارے لیے ان برتنوں سے پینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے' آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے' آپ نے فرمایا: حلال مشروب کو پیو۔ (صحیح البخاری: ۵۵۹۲' سنن ابوداؤد: ۳۷۰۰' سنن نسائی: ۵۶۶۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو تین چیزوں سے منع کیا تھا' اب میں تم کو ان کی اجازت دیتا ہوں' میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' سو اب تم ان کی زیارت کیا کرو' کیونکہ قبروں کی زیارت آخرت کو یاد دلاتی ہے' اور میں نے تم کو چند برتنوں میں (نبیذ) پینے سے منع کیا تھا' ماسوا چمڑے کے برتنوں کے' اب تم ہر برتن میں (نبیذ) پیا کرو' سوا اس کے کہ تم نشہ آور مشروب نہ پیو' اور میں نے تم کو قربانی کے تین دن بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا' اب تم اس کو کھایا کرو اور اپنے سفروں میں اس سے استفادہ کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۹۸' صحیح مسلم: ۹۷۷' سنن نسائی: ۲۰۳۱)

ایک اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

نبیذ کا فقہی معنی اور اس کے متعلق احادیث اور آثار

کھجوروں کو پانی میں ڈال کر معمولی سا جوش دیا جائے تو اس کو نبیذ کہتے ہیں' امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس کا پینا جائز ہے' بہ شرطیکہ وہ نشہ آور نہ ہو' اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں ہے' امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف نے اس پر احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۴۷۳۔ ۴۵۸' ملخصاً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ) ان احادیث اور آثار

میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نبیذ لایا گیا' آپ نے اس کو سونگھا' پھر اس کی تیزی کی وجہ سے تیوری پر بل ڈالے' پھر پانی منگا کر اس میں ڈالا' پھر اس کو پی لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیز نبیذ پیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اونٹوں کو نحر کرتے ہیں اور ان کے گوشت کی شدت کو نبیذ کی شدت ہی کاٹ سکتی ہے۔

اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبیذ کو حلال قرار دیا ہے تو اس کے حرام کہنے سے صحابہ کو فاسق قرار دینا لازم آئے گا اور یہ بدعت ہے' اسی لیے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نبیذ کو حلال قرار دینا' اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع ج۶ ص ۴۷۳ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اگر کھجوریں زیادہ دن پانی میں پڑی رہیں یا ان کو زیادہ جوش دیا جائے تو پھر ان کا پانی نشہ آور ہو جاتا ہے اور اس نبیذ کو پینا حرام ہے۔

۴۱- بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى

اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اسی عمل کا اجر ملے گا' جس کی اس نے نیت کی ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس باب میں ان اعمال کا بیان تھا' جن سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور عمل اسی وقت شرعاً معتبر ہوتا ہے' جب اس میں اخلاص اور عبادت کی نیت ہو' اسی وجہ سے اس باب کا عنوان ہے: اعمال کا مدار نیت پر ہے' اس عنوان میں ''حسبۃ'' کا لفظ ہے' اسی سے احتساب ہے یعنی کسی کام کو ثواب کے لیے کرنا۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

فَدَخَلَ فِيهِ الْاِيْمَانُ، وَالْوُضُوْءُ، وَالصَّلٰوةُ، وَالزَّكٰوةُ، وَالْحَجُّ، وَالصَّوْمُ، وَالْاَحْكَامُ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ (الاسراء:۸۴) عَلٰى نِيَّتِهٖ، وَنَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰى اَهْلِهٖ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ.

پس اس باب میں ایمان' اور وضو اور نماز' اور زکوٰۃ' اور حج' اور روزہ' اور احکام (دیگر عبادات اور معاملات) داخل ہو گئے' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: ہر شخص اپنی سرشت کے موافق عمل کرتا ہے'' (بنی اسرائیل:۸۴) یعنی اپنی نیت کے موافق عمل کرتا ہے اور جو شخص اپنی بیوی کو ثواب کی نیت سے خرچ دے' وہ بھی صدقہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن جہاد اور نیت ہے۔

۵۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ، عَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از یحییٰ بن سعید از محمد بن ابراہیم از علقمہ بن وقاص از حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی اجر ہے' جس کی اس نے نیت کی' پس جس کی ہجرت (کی نیت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت (واقع میں) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت

(اس حدیث کے اطراف اس کی تخریج اور اس کی شرح تفصیل سے حدیث:۱ میں بیان کی جاچکی ہے۔)

(کی نیت) دنیا پانے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہے (تو واقع میں) اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

۵۵- حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَدِیُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ، عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى اَهْلِهٖ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ. [اطراف الحدیث:۴۰۰۶-۵۳۵۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے عدی بن ثابت نے خبر دی انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن یزید سے سنا از حضرت ابو مسعود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح مسلم:۱۰۰۲ سنن ترمذی:۱۹۶۵ سنن نسائی:۲۵۴۴ السنن الکبریٰ للنسائی:۹۲۰۵)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف خصوصاً حضرت عبداللہ بن یزید انصاری اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

(۱) الحجاج بن منہال الانماطی اسلمی انہوں نے اکابر میں سے شعبہ سے سماع کیا ہے اور ان سے محمد بن یحییٰ الذہلی بغوی اور امام بخاری اور دیگر نے سماع کیا ہے ان کی توثیق اور نیکی پر اتفاق ہے یہ ۲۱۷ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے تھے (۲) شعبہ بن حجاج ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عدی بن ثابت انصاری کوفی انہوں نے اپنے اخیافی دادا حضرت عبداللہ بن زید انصاری حضرت البراء بن عازب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے اور ان سے اعمش اور شعبہ وغیرہ نے سماع کیا ہے امام احمد نے کہا: یہ ثقہ ہیں ابوحاتم نے کہا: یہ صدوق ہیں یہ کوفہ میں مسجد شیعہ کے امام اور ان کے قاضی تھے ۱۱۶ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) عبداللہ بن یزید بن حصین بن عمرو بن الحارث الانصاری الصحابی یہ کوفہ کے امیر تھے ۱۷ سال کی عمر میں حدیبیہ میں حاضر ہوئے جنگ صفین جنگ جمل اور جنگ نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ان کا شمار افاضل صحابہ میں ہوتا ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۷ احادیث روایت کی ہیں امام بخاری نے ان کی دو اور امام مسلم نے ان کی ایک حدیث روایت کی ہے یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری الخزرجی البدری رضی اللہ عنہ یہ ستر (۷۰) انصار کے ساتھ عقبہ میں حاضر ہوئے اور ان میں سب سے کم سن تھے یہ وادی بدر کے رہنے والے تھے غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۰۲ احادیث روایت کی ہیں جن میں سے ۹ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۹ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں یہ ۳۱ھ یا ۴۲ھ میں کوفہ یا مدینہ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱ ص۴۹۲)

حدیث مذکور کی موید دیگر احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئیں اور اجازت طلب کی پس کہا گیا: یارسول اللہ! یہ زینب ہیں آپ نے پوچھا: کون سی زینب؟ سو بتایا گیا: حضرت ابن مسعود کی بیوی آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے اس کو اجازت دو ان کو اجازت دی گئی انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے آج صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے میرے پاس میرے زیورات ہیں میں ان کا صدقہ کرنا چاہتی ہوں اور حضرت ابن مسعود یہ کہتے ہیں کہ جن پر تم صدقہ کرو گی ان میں

ہیں اور میری اولاد صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں' نبی ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود نے سچ کہا' جن پر تم صدقہ کرو گی' ان میں تمہارا شوہر اور تمہاری اولاد زیادہ مستحق ہیں۔ (صحیح البخاری: ۱۴۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر صدقہ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر صدقہ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر صدقہ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر صدقہ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس میں تمہاری صواب دید ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۹۱' سنن نسائی: ۲۵۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے' اس کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۶۷' صحیح مسلم: ۲۵۵۷' سنن ابوداؤد: ۱۶۹۳)

* زیر بحث حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۲۱۸۔ ج ۲ ص ۹۲۷ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٥٦- حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ' عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ' عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ' اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَيْهَا' حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِيْ فَمِ امْرَاَتِكَ.

[طرف الحدیث: ۲۷۴۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری' انہوں نے کہا: مجھے عامر بن سعد نے حدیث بیان کی از حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی رضا کی طلب کے لیے جو بھی خرچ کرو گے' اس پر تم کو اجر دیا جائے گا' حتیٰ کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے' اس پر بھی۔

(صحیح مسلم: ۱۶۲۸' سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴' سنن ترمذی: ۲۱۱۶' سنن نسائی: ۳۶۲۸' سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۸' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۴۸۰۔ ج ۳ ص ۷۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس سوال کا جواب کہ صدقہ کے اجر میں بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنے کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟

اس حدیث میں بیوی پر خرچ کرنے کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ انسان اپنی بیوی پر جو خرچ کرتا ہے' اس کی منفعت اسی شخص کی طرف راجع ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی بیوی کے کپڑوں اور بناؤ سنگھار پر خرچ کرتا ہے تا کہ اس کی بیوی اسے اچھی لگے اور وہ اس سے اپنی شہوت پوری کرنے پر راغب ہو' اور اس خرچ میں اس کی دل چسپی ہوتی ہے' اس کے برخلاف جو وہ اپنے والدین پر خرچ کرتا ہے' اس میں بعض اوقات اس کو کلفت اور مشقت ہوتی ہے' اس لیے جب وہ اللہ کی رضا کے لیے اپنی محبت کے ساتھ ساتھ اس کے منہ میں لقمہ رکھے گا تو اس میں اس کو اجر ملے گا' اور اگر اس میں اس کو کلفت اور مشقت ہو تو اس کا زیادہ اجر متوقع ہے۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۱۰۲۔ ج ۴ ص ۹۳۴ پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کا ایک فقرہ ہے' شرح صحیح مسلم میں اس مکمل حدیث کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) وصیت کا لغوی اور شرعی معنی (۲) وصیت کی اقسام (۳) کیا مطلقاً وصیت کرنا فرض ہے: ثلث مال تک وصیت کی تحقیق

(۴) امور مباحہ پر اجر ملنے کی تحقیق (۵) لمبی عمر کی فضیلت۔

٤٢- بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: اللہ کی خیر خواہی کرنا' اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرنا اور ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرنا اور عام لوگوں کی خیر خواہی کرنا دین ہے

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبۃ:٩١).

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''جب وہ اللہ کی اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں''(التوبۃ:۹۱)۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر تھا کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے' یعنی جب تک انسان اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی کے لیے عمل نہ کرے' جس میں کوئی دکھاوا نہ ہو' اس کا عمل قبول نہیں ہوتا' اور یہی چیز اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر عمل کرے اور جن کاموں سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے' ان سے باز رہے' امام بخاری نے اس حدیث پر کتاب الایمان کو اس لیے ختم کیا ہے کہ یہ حدیث بہت جلیل القدر ہے اور اسی پر اسلام کے تمام احکام موقوف ہیں اور یہ حدیث ان چار حدیثوں میں سے ایک ہے' جن پر اسلام کا مدار ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: دین خیر خواہی ہے' اس کا معنی ہے: خیر خواہی کرنا دین کا معظم رکن ہے' جیسے کہا جاتا ہے: حج عرفہ ہے۔

اللہ' اس کے رسول' اس کی کتاب' ائمہ دین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا محمل

اللہ کی خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ انسان اللہ پر ایمان لائے اور اس کی صفات میں شک اور الحاد نہ کرے اور عیوب سے اس کی ذات کو پاکیزہ قرار دے' اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرے' اس کی اطاعت کرنے والوں سے محبت کرے اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے بغض رکھے' اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور ان کا شکر ادا کرے اور تمام عبادات اخلاص سے کرے اور یہ حقیقت میں انسان کی اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام خیر خواہی کرنے والوں اور تمام جہانوں سے مستغنی ہے۔

اللہ سبحانہ کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور مخلوق اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہے' تعظیم اور ادب سے اس کی تلاوت کرے' اس کے معانی پر غور کرے اور ان کی تصدیق کرے اور ان کے تقاضوں پر عمل کرے اور اس کے علوم کی تبلیغ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کی رسالت کی تصدیق کرے اور آپ کی دی ہوئی تمام خبروں پر ایمان لائے' اور آپ کے تمام احکام کی اطاعت کرے' آپ کے دین کی نصرت کرے اور آپ کی سنتوں پر عمل کرے اور آپ کے اخلاق سے متخلق ہو اور آپ کی تعظیم بجالائے اور آپ پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھے اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب سے محبت رکھے۔

ائمہ دین کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ حق بات میں ان کی معاونت کرے اور ان کی غلط باتوں پر ان کو نرمی سے ٹوکے' ان کے خلاف بغاوت نہ کرے' ان کی اقتداء میں نماز پڑھے اور جہاد کرے اور ان کو صدقات ادا کرے' یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ جب ائمہ دین سے مراد ارباب حکومت ہوں' جیسے خلفاء راشدین تھے' اور اگر اس سے مراد علماء ہوں تو ان کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے فتاویٰ کو مانے اور ان پر عمل کرے' ان کے ساتھ حسن ظن رکھے اور ان کی تعظیم کرے۔

عام لوگوں کے ساتھ نصیحت (خیر خواہی) یہ ہے کہ ان کی دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے ان کو نصیحت کرے' ان سے ایذاء کو دور کرے' جو احکام نہ جانتے ہوں ان کو بتائے' نیکی کے کاموں میں ان کی مدد کرے' ان کے عیوب پر پردہ رکھے' ان پر شفقت کرے اور ان کے لیے ان ہی چیزوں کو پسند کرے' جن کو اپنے لیے پسند کرتا ہے' اپنے ہاتھ اور زبان سے ان کو ضرر نہ پہنچائے اور ضرورت مندوں کی مدد کرے' جو بیمار ہوں ان کی عیادت کرے اور ان کی نماز جنازہ پڑھے' موت کے بعد ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا کرے۔(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۹۹' موضحاً ومزیداً)

۵۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ' وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ' وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [اطراف الحدیث: ۵۲۴-۱۴۰۱-۲۱۵۷-۲۷۱۴-۲۷۱۵-۷۲۰۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل' وہ کہتے ہیں: مجھے قیس بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از جریر بن عبد اللہ' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے' زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

(صحیح مسلم: ۵۶' سنن ترمذی: ۱۹۲۵' سنن نسائی: ۴۱۶۷' مصنف عبد الرزاق: ۹۸۱۹' مسند الشافعی ج ۱ ص ۱۳' مسند الحمیدی: ۷۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۷۷۷' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۷' المعجم الکبیر: ۲۲۹۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۱۹۹۔ ج ۳۱ ص ۵۳۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) سعد بن مسرھد (۲) یحییٰ بن سعید القطان (۳) اسماعیل بن ابی خالد البجلی التابعی' ان سب کا تعارف گزر چکا ہے (۴) قیس بن ابی حازم الکوفی البجلی المخضرم' انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا تھا' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے آئے' ابھی یہ راستے میں ہی تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا' ان کے والد صحابی ہیں' انہوں نے دس صحابہ سے سماع کیا' جن کو جنت کی بشارت دی گئی' اور بہت سے تابعین سے سماع کیا' ان کی جلالت پر اتفاق ہے' ان سے تابعین نے سماع کیا ہے' ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں ان کی وفات ہو گئی تھی (۵) حضرت جریر بن عبد اللہ بن جابر البجلی الاحمسی' ان کی رہائش کوفہ میں تھی' یہ ۵۱ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے ۱۰۰' احادیث مروی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ۸' احادیث پر متفق ہیں' امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۶' احادیث کے ساتھ منفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵۰۱-۵۰۰)

بیعت سنت اور بیعت مروجہ

اس حدیث میں مذکور ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی' بیعت کا معنی ہے: کسی کے ہاتھ پر عہد کرنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو مختلف اوقات میں مختلف وجوہ سے بیعت کرتے تھے' آج کل جو بیعت مروج ہے' اس میں کسی عالم باعمل کے ہاتھ پر یہ عہد کیا جاتا ہے کہ وہ آئندہ احکام شرعیہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور سابقہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے' یہ بیعت کرنا فرض یا واجب نہیں ہے' مستحسن اور مبارک فعل ہے۔

اس حدیث میں نماز اور زکوٰۃ پر بیعت کا ذکر ہے' روزے کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جریر کی دوسری روایت میں سماع اور اطاعت پر بیعت کا ذکر ہے (مسند احمد: ۱۹۱۹۵) اور یہ تمام احکام شرعیہ کو شامل ہے۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۰۷۔ ج ۱ ص ۴۷۳ پر بیان کی گئی ہے اور اس میں نصیحت اور خیر خواہی کے معنی کی تفصیل ہے۔

۵۸- حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالْوَقَارِ وَالسَّكِيْنَةِ حَتّٰى يَاْتِيَكُمْ اَمِيْرٌ فَاِنَّمَا يَاْتِيْكُمُ الْاٰنَ. ثُمَّ قَالَ اسْتَعْفُوْا لِاَمِيْرِكُمْ فَاِنَّهٗ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ. ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اُبَايِعُكَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهٗ عَلٰى هٰذَا وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّيْ لَنَاصِحٌ لَكُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

(مسند ابویعلیٰ:۷۵۰۹ مسند ابوداؤد الطیالسی:٦٦٠ المعجم الکبیر:۲۴۷۱ مسند احمد ج ۴ ص ۳٦۱ طبع قدیم مسند احمد:۱۹۱۹۳ ۔ ج ۳۱ ص ۱۵۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از زیاد بن علاقہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس دن انہوں نے کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کی اور کہا: تم لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ڈر اور اس کی تعظیم اور سکون کو لازم رکھو حتیٰ کہ تمہارے پاس نیا امیر آ جائے کیونکہ وہ ابھی آئے گا پھر کہا: اپنے (سابق) امیر کے لیے اللہ سے معافی طلب کرو کیونکہ وہ بھی معافی کو پسند کرتے تھے پھر کہا: حمد وصلوٰۃ کے بعد میں کہتا ہوں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا میں نے کہا: میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں آپ نے مجھ پر یہ شرط لگائی کہ میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا سو میں نے آپ سے اس پر بیعت کر لی اور اس مسجد کے رب کی قسم! میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا ہوں پھر انہوں نے حضرت مغیرہ کے لیے مغفرت طلب کی اور (منبر سے) اتر گئے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی البصری ان کا لقب عارم تھا جس کا معنی شرّی اور مفسد ہے لیکن یہ شر اور فساد سے بہت دور تھے انہوں نے ابن المبارک سے سماع کیا اور ان سے امام بخاری وغیرہ نے سماع کیا ابوحاتم نے کہا: جب تم ان سے حدیث سن لو تو پھر کافی ہے آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا ۲۲۴ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے (۲) ابوعوانہ ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) زیاد بن مالک علاقہ بن مالک الثعلبی الکوفی انہوں نے حضرت جریر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے اور ان سے متعدد تابعین نے سماع کیا ہے یہ سیاہ خضاب لگاتے تھے یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ تھے ۱۲۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) حضرت جریر رضی اللہ عنہ۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵۰۲)

''وقار'' اور ''سکینہ'' کا معنی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اور کافر کی خیر خواہی کا بیان

''وقار'': سنجیدہ ہونا پختہ رائے والا ہونا تعظیم کرنا اور ''سکینہ'' کا معنی ہے: پرسکون ہونا۔

اس حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے یہ حدیبیہ میں حاضر تھے غزوۂ خندق کے زمانے میں اسلام لائے تھے ان سے ۳٦ احادیث مروی ہیں امام بخاری اور امام مسلم نو احادیث پر متفق ہیں امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم دو احادیث کے ساتھ منفرد ہیں یہ جنگ یمامہ جنگ یرموک اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے بہت عاقل ذہین اور ادیب تھے ۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمال ج ۲۸ ص ۳٦۹ طبع قدیم تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲٦۲ تقریب التہذیب:٦۸٦۴ خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال للخزرجی ج ۳ ص ۱۴۲)

اس حدیث میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کا ذکر ہے' آیا کافر کی خیر خواہی بھی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر وہ مشورہ طلب کرے تو اس کو نیک مشورہ دینا' اس کے ساتھ عہد شکنی' دھوکا اور فراڈ نہ کرنا' اگر وہ مسلمانوں کا خادم ہو اور بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرنا' اس کی خیر خواہی ہے' اور ان سب کا اسلام میں ثبوت ہے۔

❁❁❁❁❁

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

۳- کِتَابُ الْعِلْمِ

علم کا بیان

امام بخاری نے ''کتاب العلم'' کو ''کتاب الوضوء'' اور ''کتاب الصلوٰۃ'' وغیرہا پر مقدم کیا ہے کیونکہ ان سب کا جاننا علم پر موقوف ہے' اور ''کتاب العلم'' کو ''کتاب الایمان'' سے موخر رکھا ہے' کیونکہ ایمان ان ہی چیزوں پر ہوتا ہے' جو وحی سے معلوم ہوئیں۔

علم' جہل کی ضد ہے' علم کا معنی ہے: جاننا' یعنی ذہن میں کسی چیز کا منکشف ہو جانا' متکلمین کے نزدیک علم کی تعریف یہ ہے: یہ صفت جس شخص کے ساتھ قائم ہو اس کے نزدیک ذکر کردہ چیز منکشف ہو جائے' فلاسفہ حالت ادراکیہ کو علم کہتے ہیں' علم ادراک الکلیات کے ساتھ خاص ہے اور معرفت ادراک الجزئیات کے ساتھ خاص ہے' عقل سے جو چیز معلوم ہو اس کو علم کہتے ہیں اور حواس سے جو چیز معلوم ہو اس کو شعور کہتے ہیں' حصول علم کے تین ذرائع ہیں: خبر صادق' حواسِ سلیمہ اور عقل۔

١ - بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ
علم کی فضیلت

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (المجادلة: ١١)' وَقَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ ﴿رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ (طٰهٰ: ١١٤).

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''تم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے' اللہ ان کو درجات کی بلندی عطا فرمائے گا اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو' اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہےO'' (المجادلۃ: ١١)' اور اللہ عزوجل کا یہ ارشاد: ''اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرماO'' (طٰہٰ: ١١٤)۔

امام بخاری نے علم کی فضیلت پر استدلال کرنے میں صرف ان دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اور علم کی فضیلت میں احادیث کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ علم کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز قرآن مجید سے ثابت ہو' وہ قوی ترین دلیل ہے۔

٢ - بَابُ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِيْ حَدِيْثِهٖ' فَاَتَمَّ الْحَدِيْثَ ثُمَّ اَجَابَ السَّائِلَ
جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور وہ اپنی گفتگو میں مشغول رہا' اس نے اپنی بات مکمل کی' پھر سائل کے سوال کا جواب دیا

اس عنوان کی سابق عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کے سوال کا جواب دینا' کتاب العلم کے مناسب ہے۔

۵۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ (ح) وَحَدَّثَنِي اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي قَالَ حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ؟ فَمَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ' فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَمْ يَسْمَعْ. حَتّٰى اِذَا قَضٰى حَدِيْثَهُ قَالَ اَيْنَ. اُرَاهُ. السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ هَا اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' قَالَ فَاِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. قَالَ كَيْفَ اِضَاعَتُهَا؟ قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. [طرف الحدیث:۶۴۹۶]

(سنن ترمذی:۲۳۸۵' صحیح مسلم:۱۶۱' صحیح ابن حبان:۱۰۵' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۵۹' شرح السنۃ:۴۷۷۹' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴ طبع قدیم' مسند احمد : ۱۲۰۱۳۔ ج ۱۹ ص ۱۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی' (ح) وہ کہتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: مجھے ھلال بن علی نے حدیث بیان کی' از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے' آپ صحابہ کے سامنے حدیث بیان فرمار ہے تھے کہ ایک دیہاتی آ کر کہنے لگا: قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو میں مشغول رہے' بعض صحابہ نے کہا: آپ نے اس کی بات سنی اور اس کی بات کو ناپسند فرمایا اور بعض نے کہا: بلکہ آپ نے سنا نہیں' حتیٰ کہ جب آپ نے اپنی حدیث مکمل کر لی تو فرمایا: وہ کہاں ہے؟ راوی کہتے ہیں: میرا گمان ہے' آپ نے اس کے متعلق فرمایا جس کو میں نے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہوئے دیکھا تھا' اس سائل نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہاں ہوں' آپ نے فرمایا: جب امانت کو ضائع کر دیا جائے تو تم قیامت کا انتظار کرو۔ سائل نے کہا: امانت کیسے ضائع ہو گی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔

ان تمام کتب حدیث کی احادیث میں امام بخاری کی اس روایت کے خلاف یہ مذکور ہے کہ آپ نے سائل سے پوچھا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے قیامت کے لیے بہت عمل نہیں کیے' روزے نہ نمازیں' مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے' جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ یہ حدیث مسند احمد کے ان نمبروں میں بھی ہے: ۱۲۶۷۵۔ ۱۲۷۰۳۔ ۱۲۷۱۵۔ ۱۲۷۶۲۔ ۱۲۷۶۹۔ ۱۳۰۹۲۔ ۱۳۲۲۴۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے کیونکہ آپ نے بیچ میں سوال کرنے والے کو فوراً جواب نہیں دیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن سنان الباھلی البصری' ان سے امام بخاری اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ اور مامون ہیں' یہ ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) فلیح بن سلیمان الخزاعی المدنی' یہ نافع اور دیگر سے روایت کرتے ہیں' ان سے عبداللہ بن وہب بہت روایت کرتے ہیں' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ضعیف راوی ہیں' ان کی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا' ابوحاتم اور امام نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں ہیں' ابن عدی نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں' امام بخاری نے ان پر اعتماد کیا ہے' یہ ۱۶۸ھ میں

فوت ہو گئے تھے (۳) ابراہیم بن المنذر القرشی الحزامی' ان سے امام ابوزرعہ' ابوحاتم' امام ابن ماجہ اور امام بخاری نے روایت کی ہے' یہ ۲۳۵ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے (۴) محمد بن فلیح' انہوں نے ہشام بن عروہ وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ہارون بن موسیٰ نے روایت کی ہے' ابن معین نے ان کو ضعیف قرار دیا' ابوحاتم نے کہا: یہ قوی تو نہیں ہے مگر ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' امام بخاری' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے' یہ ۱۹۷ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) محمد بن فلیح مذکور کے والد (۶) ھلال بن علی الفہری القرشی المدنی' یہ کم سن تابعین میں سے ہیں' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر سے سماع کیا ہے' ان سے بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے' یہ ہشام کی خلافت کے آخر میں فوت ہو گئے تھے (۷) عطاء بن یسار' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۷۔۶)

کسی کی بات کاٹ کر بات کرنا جائز نہیں

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے سائل کے سوال کو ناپسند کیا تھا کیونکہ اس نے آپ کی بات مکمل ہونے سے پہلے سوال کیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ گفتگو کے آداب میں سے یہ ہے کہ متکلم کی بات کو درمیان میں نہ ٹوکا جائے' اسی طرح جب تک استاذ خود کسی بات کی وضاحت نہ کرے' اس پر اعتراض نہ کیا جائے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی بات کی تلقین کی تھی۔

نااہل کو منصب پر فائز کرنے کی اجتماعی خرابیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسی نااہل کو منصب سونپ دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو' جیسے خلافت' قضاء اور افتاء کے معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کر دیے جائیں' ہمارے زمانہ میں اکثر و بیشتر ایسا ہی ہے' اور جس طرح شرعی علوم سے نابلد لوگوں کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا جج بنا دیا جاتا ہے اور وہ دینی معاملات کے فیصلے کرتے ہیں اور جس طرح دینی علوم سے بے بہرہ لوگوں کو قومی اسمبلی' صوبائی اسمبلی اور سینٹ کا رکن بنا دیا جاتا ہے اور ان کو اسلامی ریاست کی حکومت چلانے کا استحقاق دے دیا جاتا ہے اور جس طرح ناتجربہ کار لوگوں کو ڈرائیونگ لائسنس دے دیا جاتا ہے اور ان سے بسوں اور بھاری گاڑیوں کے حادثات ہوتے رہتے ہیں' اسی طرح دیگر صنعتی اداروں میں رشوت اور سفارش سے ناتجربہ کار افراد کو بھرتی کر لیا جاتا ہے اور وہ ادارے تباہ ہو رہے ہیں۔ خائن اور نااہل کو منصب پر فائز کرنے کی اجتماعی خرابیوں کی مزید تفصیل تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۰۰-۷۰۱' النساء: ۵۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس اعتراض کے جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینی سوال کے جواب میں تاخیر کی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل کے سوال کا فوراً جواب نہیں دیا' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دینی مسئلہ معلوم کرے تو کیا عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جواب میں تاخیر کرے؟ اس کے تین جواب ہیں: ایک یہ کہ وہ سائل فوری جواب کا مستحق نہیں تھا' کیونکہ اس نے کسی شرعی عملی کام کے متعلق سوال نہیں کیا تھا' اس کا سوال وقوع قیامت کے معین وقت کے متعلق تھا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب سے زیادہ اہم کام میں مشغول ہوں اور جو حدیث سنا رہے ہوں' وہ اس کے جواب سے زیادہ اہم ہو یا آپ وحی کا انتظار فرما رہے ہوں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ سائل کو اور دیگر صحابہ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ کسی کی بات کاٹنی نہیں چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سائل کو ڈانٹا اور جھڑکا نہیں اور اس میں تعلیم ہے کہ طلبہ کو پڑھاتے وقت اساتذہ کو شفقت سے کام لینا چاہیے اور ان کے ساتھ نرمی برتنا چاہیے' خصوصاً بادیہ نشینوں کے ساتھ۔

۳- بَابُ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ — بلند آواز سے علمی بات بتانا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں علمی سوال کا ذکر تھا اور عالم کو کبھی بلند آواز سے علمی جواب

دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۶۰- حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ، عَنْ یُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَاَدْرَكَنَا . وَقَدْ اَرْهَقَتْنَا الصَّلٰوةُ. وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلٰی اَرْجُلِنَا فَنَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِهٖ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا. [اطراف الحدیث:۹۶-۱۶۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالنعمان عارم بن الفضل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی' از ابی بشر از یوسف بن ماھک از عبد اللہ بن عمرو' انہوں نے بیان کیا: ہم نے ایک سفر کیا' نبی ﷺ اس سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے تھے' پھر آپ ہم سے مل گئے' اس وقت نماز ہم سے مؤخر ہوگئی تھی' اور ہم وضو کر رہے تھے' ہم اپنے پیروں پر مسح کرنے لگے تو آپ نے بلند آواز سے دو یا تین بار فرمایا: (بے دُھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

(صحیح مسلم:۲۴۲' سنن ابن ماجہ:۴۵۵' صحیح ابن حبان:۱۰۵۹-۱۰۵۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۷۰' المستدرک ج ۱ ص ۱۶۲' المعجم الکبیر:۸۱۰۹' مصنف عبد الرزاق:۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۳ طبع قدیم' مسند احمد:۶۸۰۹- ج ۱۱ ص ۴۱۲)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ جن مسلمانوں نے پیروں کو دھونے میں تقصیر کی اور پیروں کو دھونے کے بجائے' ان کے مسح پر اکتفاء کر لیا' آپ نے ان کو آگ کے عذاب کی وعید بلند آواز سے سنائی' اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) ابوعوانہ الیشکری' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۳) ابو بشر جعفر بن ایاس الیشکری' امام احمد' یحییٰ اور ابو حاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں' یہ ۱۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے (۴) یوسف بن ماھک بن بہزاد الفارسی المکی' یحییٰ نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ۱۱۳ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے۔ لفظ ماھک عُجمہ اور علمیت کی بناء پر غیر منصرف ہے' ماھک کا معنی ہے: کسی چیز کو خوب کوشش سے پیسنا' یا چڑھتی ہوئی جوانی یا زوجین کا جماع میں خوب کوشش کرنا (۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۱)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ آپ نے بلند آواز سے مسئلہ بتایا۔

پیروں کو دھونے کی فرضیت' جسم اور روح دونوں کے عذاب کا ثبوت' اور عالم پر غلط بات کو ٹوکنے کی ذمہ داری

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے' کیونکہ اگر پیروں پر مسح کر لینا کافی ہوتا تو آپ ان کو دوزخ کی آگ کی وعید نہ سناتے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقط روح کو عذاب نہیں ہوگا' بلکہ جسم کو بھی عذاب ہوگا اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے' اور جب عالم کسی شخص کو کوئی غلط کام کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو بلند آواز سے منع کرے اور سختی کرے اور کسی اہم بات کا بار بار ذکر کرے' کیونکہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا تھا: (بے دُھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

حدیث مذکور کی مؤید دیگر روایات' جن میں اس سفر اور اس نماز کا بیان ہے

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے' حتیٰ کہ جب ہم راستہ میں پانی کے پاس سے گزرے تو بعض مسلمانوں نے عصر کی نماز کے لیے عجلت کی اور انہوں نے جلدی جلدی وضو کیا' حتیٰ کہ جب ہم

ان کے پاس پہنچے تو ان کی ایڑیاں خشک تھیں، جن کو پانی نے نہیں چھوا تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (بے دُھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو وضو مکمل کیا کرو۔

(صحیح مسلم: ۲۴۱ ' کتاب الطہارۃ' باب فضل الوضوء: ۲۶ ' سنن ابوداؤد: ۹۷ ' سنن نسائی: ۱۱۱ ' سنن ابن ماجہ: ۴۵۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے تھے' پھر آپ ہم سے آ ملے' اس وقت عصر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی' ہم اپنے پاؤں پر مسح کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: (بے دُھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔ (صحیح مسلم' کتاب الطہارۃ' باب فضل الوضوء: ۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا' جس نے اپنی ایڑیوں کو نہیں دھویا تھا' آپ نے فرمایا: (بے دُھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۴۲)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحابہ نے نماز کو افضل وقت سے کیوں مؤخر کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس حرص میں نماز کو مؤخر کیا تھا کہ وہ اس نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر پڑھ لیں گے' لیکن جب دیر زیادہ ہو گئی اور ان کو نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہوا تو پھر انہوں نے جلدی کی اور عجلت سے وضو کرنے لگے۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۷۸۔ ج ۱ ص ۸۸۶ پر مذکور ہے' اور اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) وضو میں پیر دھونے کے متعلق اہل قبلہ کے مذاہب (۲) وضو میں پیروں پر مسح کرنے کے متعلق علماء شیعہ کے دلائل (۳) آیت وضو میں قراءت جر سے علماء شیعہ کے دلائل کے جوابات (۴) علماء شیعہ کی پیش کردہ روایات کے جوابات (۵) پیروں کے دھونے کے ثبوت میں احادیث اور آثار کا بیان (۶) علماء شیعہ کی عقلی دلیل کا جواب۔

٤- بَابُ قَوْلِ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا اَوْ اَخْبَرَنَا وَاَنْبَاَنَا

محدث کا یہ کہنا: ''حدثنا'' یا ''اخبرنا'' اور ''انبانا''

اس باب کو ''کتاب العلم'' میں وارد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری یہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ان احادیث کو روایت کیا ہے' جو مسندہ یعنی متصل ہیں' جن کو انہوں نے بغور اپنے اساتذہ سے سنا ہے کیونکہ ان ہی کو ''حدثنا'' یا ''اخبرنا'' یا ''انبانا'' کے صیغہ سے ذکر کیا جاتا ہے' اور اس وجہ سے بھی کہ محدث کے لیے ان الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی جاننا ضروری ہے اور باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں عالم کا بلند آواز سے مسئلہ بتانے کا ذکر تھا' تا کہ حاضرین اس مسئلہ کو خود سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں اور جب وہ اس مسئلہ کو روایت یا نقل کریں گے تو کہیں گے کہ ہم کو فلاں نے حدیث بیان کی یا فلاں نے اس مسئلہ کی خبر دی' اس لیے ضروری ہے کہ یہ جانا جائے کہ فلاں نے حدیث بیان کی یا فلاں نے خبر دی' ان الفاظ کا لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ہم سے حمیدی نے کہا: وہ اس وقت ابن عیینہ کے پاس تھے' انہوں نے کہا کہ محدث کے الفاظ ''ہم سے حدیث بیان کی' ہمیں خبر دی' ہم کو روایت حدیث کی اجازت دی اور میں نے فلاں سے حدیث سنی'' ان سب سے مراد واحد ہے۔

''حدثنا' اخبرنا''اور''انبانا'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنے شیخ سے کوئی حدیث سنے تو سننے والا اس حدیث کو نقل کرتے وقت یہ کہہ سکتا ہے: ''حدثنا' اخبرنا' انبانا'' اور ''سمعته یقول''اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے فلاں نے کہا اور مجھ سے فلاں نے ذکر کیا' امام طحاوی کا بھی اسی طرف میلان ہے اور ابن حاجب نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے' اور امام حاکم سے منقول ہے کہ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور یہی زہری' یحییٰ قطان اور جماعت محدثین کا مذہب ہے' اور حجازیین اور کوفیین کا بھی یہی مختار ہے' اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کو حمیدی اور سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے۔

دوسرے ائمہ حدیث نے یہ کہا ہے کہ جب شیخ کے سامنے حدیث پڑھی جائے تو یوں کہا جائے: ''حدثنا فلان قراءة علیه واخبرنا فلان قراءة علیه''اور یہ متکلمین کا مذہب ہے۔

ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: ''حدثنا''میں اس طرح نہ کہے اور ''اخبرنا''میں اس طرح کہہ سکتا ہے اور یہی امام شافعی' ان کے اصحاب' امام مسلم اور جمہور اہل مشرق کا مذہب ہے اور ابن جریج' اوزاعی' امام نسائی' ابن وہب اور اکثر محدثین کا مذہب ہے' ایک قول یہ ہے کہ عبد اللہ بن وہب ہی وہ شخص ہیں' جنہوں نے سب سے پہلے مصر میں یہ فرق بیان کیا کہ استاذ حدیث پڑھے تو ''حدثنا'' کہے اور شاگرد استاذ کے سامنے حدیث پڑھے تو ''اخبرنا'' کہے' پھر یہی مذہب اکثر محدثین میں شائع ہو گیا' زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ ان کی اصطلاح ہے' تاکہ ''حدثنا''اور ''اخبرنا''میں فرق کیا جا سکے' اگر تنہا سنے یا پڑھے تو ''حدثنی''اور ''اخبرنی'' کہے اور اگر اس کے ساتھ دوسرا بھی شریک ہو تو ''حدثنا''اور ''اخبرنا'' کہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۱۸۶' دارالوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بعض محدثین نے کہا: ''حدثنا' اخبرنا''اور ''انبانا''میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ لغوی اعتبار سے اہل علم کے نزدیک ان میں کوئی فرق نہیں ہے' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ ہماری گفتگو اصطلاح میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۷-۱۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۴' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور کہا ہے کہ ابن وہب نے کہا ہے کہ جب استاذ حدیث پڑھے تو ''حدثنا'' کہے اور جب استاذ کے سامنے شاگرد حدیث پڑھے تو ''اخبرنا''یا ''انبانا'' کہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۴۰' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں: اسی طرح ''انبانا'' اس وقت کہا جاتا ہے' جب استاذ پڑھے نہ شاگرد استاذ کے سامنے پڑھے بلکہ استاذ نے اس حدیث کی روایت کرنے کی شاگرد کو اجازت دی ہو۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۴' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

میرے نزدیک یہ اصطلاح بہت عمدہ ہے' کیونکہ اس سے اداء حدیث کے تینوں صیغوں کا فرق آ گیا' دراصل یہ فرق بھی پہلے قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ جب محدث اپنے شیخ یا استاذ سے حدیث سنے تو کہے: ''حدثنا''اور ''اخبرنا''اور ''سمعت''اور ''قال لنا''اور ''ذکر لنا''اور القاضی ابوبکر اور دیگر محققین کا مختار یہ ہے کہ اس میں بھی فرق کرے' جب شیخ سے حدیث سنے تو کہے: ''حدثنا''اور جب شیخ کے سامنے حدیث پڑھے تو کہے: ''اخبرنا قراءة''یا ''قراءت علیه''یا ''سمعت یقرء علیه'' تاکہ حصول

حدیث کی انواع میں اختلاط سے ابہام زائل ہو جائے' اس فرق کی اصطلاح متاخرین محدثین نے وضع کی ہے' سو امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے کہا کہ روایت حدیث میں میرا اختیار یہ ہے اور میرے زمانہ کے اکثر ائمہ اور مشائخ کا مختار بھی یہی ہے کہ جب تنہا اپنے شیخ سے حدیث سنے تو کہے: "حدثنی" اور جب دوسروں کے سامنے سنے تو کہے: "حدثنا" اور جب تنہا اپنے شیخ کے سامنے حدیث پڑھے تو کہے: "اخبرنی" اور جب دوسروں کے سامنے پڑھے تو کہے: "اخبرنا" اور جب تنہا اس کے سامنے شیخ پر حدیث پیش کی جائے اور وہ اس کی روایت کی اجازت دے دے تو کہے: "انبانی" اور شیخ اس کی طرف جو حدیث لکھ کر بھیجے اور سامنے نہ پیش کی جائے تو کہے: "کتب الی"۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۶۰)

امام اوزاعی نے بھی اسی طرح کہا' جس طرح حاکم نے لکھا ہے کہ جب شیخ سے حدیث سنے تو کہے: "حدثنا" اور جب شیخ کے سامنے حدیث پڑھے تو کہے: "اخبرنا" اور جب شیخ کے سامنے کوئی حدیث پیش کی جائے اور وہ اس کی روایت کی اجازت دے تو کہے: "انبانا"۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۱۸۹۔ ۱۸۸' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام بخاری فرماتے ہیں:

وقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ كَانَ عِنْدَ ابْنِ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا وَاَنْبَانَا وَسَمِعْتُ وَاحِداً. وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ. وَقَالَ شَقِيْقٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةً. وَقَالَ حُذَيْفَةُ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ.

اور ہم نے حمیدی نے کہا' وہ اس وقت ابن عیینہ کے پاس تھے کہ "حدثنا" اور "اخبرنا" اور "انبانا" اور "سمعت" کا اصطلاحی معنی ایک ہے' اور حضرت ابن مسعود نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیث بیان فرمائی اور آپ صادق اور مصدوق ہیں اور شقیق نے حضرت عبداللہ سے روایت کی: میں نے نبی ﷺ سے ایک بات سنی اور حضرت حذیفہ نے کہا: ہم سے رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔

امام بخاری نے یہ تین تعلیقات اس لیے وارد کی ہیں کہ صحابی روایت حدیث کے وقت کبھی "حدثنا" (ہم سے حدیث فرمائی) کہتے ہیں اور کبھی "سمعت" (میں نے سنا) کہتے ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنْ رَبِّهٖ. وَقَالَ اَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ. وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ.

اور ابو العالیہ نے کہا: از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ' آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: از نبی ﷺ' آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: از نبی ﷺ' آپ تمہارے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔

یہ دوسری تین تعلیقات ہیں' جن کو امام بخاری نے اس لیے وارد کیا ہے کہ "عنعنہ" (وہ حدیث جو عن فلاں یا از فلاں از فلاں سے مروی ہو) سے جو حدیث مروی ہو تو وہ بھی حدیث مسند اور متصل کے حکم میں ہوتی ہے' بہ شرطیکہ راوی اور مروی عنہ کی ملاقات ثابت ہو اور یہی امام بخاری کا مذہب ہے' اس کے برخلاف امام مسلم اس حدیث کے مسند ہونے کے لیے راوی اور مروی عنہ کا ہم عصر ہونا بھی کافی سمجھتے ہیں۔

٦١- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ.

[اطراف الحدیث: ۶۲-۷۲-۱۳۱-۲۲۰۹-۴۶۹۸-۵۴۴۴-۵۴۴۸-۶۱۴۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی' از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے' جس کے پتے نہیں گرتے اور بے شک وہ مسلمان کی مثل ہے" فحدثونی " (پس مجھے بتاؤ) وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا ذہن جنگل کے درختوں میں چلا گیا' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے' لیکن مجھے (بتانے سے) حیاء آئی' پھر صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! " حدثنا " (ہمیں بتائیے) وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۱' سنن ترمذی: ۲۸۶۷' صحیح ابن حبان: ۲۴۳' المعجم الکبیر: ۱۳۵۱۴' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۲۹' مسند البزار: ۶۳۰۳' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۴۵۹۹۔ ج ۸ ص ۲۰۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

عنوان باب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: محدث کا کہنا: " حدثنا " اور اس حدیث میں مذکور ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " حدثونی " اور صحابہ نے کہا: " حدثنا "۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عمر نے پہیلی کا جواب دینے سے کیوں حیاء کی؟

اس حدیث میں " البوادی " کا لفظ ہے' یہ " بادیة " کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: گاؤں' دیہات۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میرے دل میں آیا' وہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے بتانے سے حیا آئی' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر کی عمر صرف دس سال تھی اور وہ حاضرین میں سب سے چھوٹے تھے' اور حیاء کرنا اس وقت مستحب ہے' جب اس سے کوئی مصلحت فوت نہ ہو' اس وجہ سے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر تم اس وقت بتا دیتے تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ خوشی ہوتی۔

اس اعتراض کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجھارت ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے: آپ نے خود پہیلی ڈالی ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی پہیلی یا بجھارت ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۵۶)

اس حدیث کی بناء پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کو پہیلی ڈالنے سے منع فرمایا اور خود آپ نے صحابہ پر پہیلی ڈالی کہ ایک درخت مومن کی مثل ہے' بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہیلی ڈالنا' اس صورت میں ممنوع ہے' جب اس سے مقصود کسی کی لاعلمی ظاہر کرنا ہو یا اس کو لاجواب کرنا ہو یا اس کو لوگوں کے سامنے شرمندہ کرنا ہو' لیکن جب استاذ اپنے شاگردوں میں سے کسی کی ذہانت اور ذکاوت کو ظاہر کرنا چاہتا ہو یا ان کو ذہنی مشق کرانا چاہتا ہو تو پھر جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پہیلی

ڈالی تھی' وہ ایسی ہی تھی۔

مومن کی کھجور کے درخت سے تشبیہ کی وجوہ

کھجور کے درخت کو جو مومن کے ساتھ تشبیہ دی ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کھجور کے درخت میں بہت خیر ہے' اس کا سایا ہمیشہ رہتا ہے' اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے' اور یہ پھل اکثر دستیاب ہوتا ہے' اس کا تازہ پھل کھایا جاتا ہے' سوکھنے کے بعد چھوارا بن جاتا ہے' وہ بھی مختلف طریقوں سے کھایا جاتا ہے' اس کے تنے سے شہتیر کا کام لیا جاتا ہے' اس کے پتوں سے چٹائیاں' رسیاں' برتن اور پنکھے بنائے جاتے ہیں' حتیٰ کہ اس کی گٹھلیاں بھی کام آتی ہیں' ان سے تسبیح بنائی جاتی ہے' اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج سے اس کو بہت ثواب ملتا ہے' اپنے اہل وعیال کے رزق کی طلب کے لیے وہ جو کسب معاش کرتا ہے' وہ بھی کارِ ثواب ہے' دوستوں اور عزیزوں سے جو نیک سلوک کرتا ہے' اس میں بھی اس کو ثواب ملتا ہے' حصولِ سنت کی نیت سے اس کا کھانا پینا' سونا جاگنا اور اہل وعیال اور ماں باپ کے حقوق ادا کرنے سے بھی اس کو ثواب ملتا ہے' غرض اس کے ہر نیک عمل میں ثواب ہے۔

(۲) جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف جاتی ہیں' اسی طرح مومن کے ایمان کی جڑیں اس کے سینہ میں پیوست ہوتی ہیں اور اس کے نیک اعمال کی شاخیں آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے' جب آپ کے لیے منبر بنا کر مسجد میں رکھ دیا گیا اور آپ نے اس تنے کو چھوڑ دیا تو وہ آپ کی محبت کی وجہ سے آپ کے فراق میں اس طرح دھاڑیں مار کر رونے لگا' جس طرح اونٹنی اپنے گم شدہ بچے کے فراق میں روتی ہے' اسی طرح مومن کے دل میں آپ کی شدید محبت ہوتی ہے' وہ چاہتا ہے کہ اس کا تمام مال' اولاد حتیٰ کی اس کی جان بھی چلی جائے اور اس کو ایک دفعہ آپ کی زیارت ہو جائے' زائرین مدینہ جب مدینہ سے الوداع ہوتے ہیں تو دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں کہ وہ اب آپ کے روضہ کی زیارت سے محروم ہو رہے ہیں۔

٥- بَابُ طَرْحِ الْإِمَامِ الْمَسْأَلَةَ عَلٰى أَصْحَابِهٖ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

امام کا اپنے اصحاب کے علم کی آزمائش کے لیے ان سے کوئی سوال کرنا

اس باب کے تحت بھی وہی حدیث سابق روایت کی ہے اور پہلے باب کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث کو اس لیے لائے کہ اس میں ''حدثنا'' کا ذکر تھا اور اس باب میں اس حدیث کو اس لیے لائے کہ اس میں علمی آزمائش کا ذکر ہے' البتہ پہلی حدیث قتیبہ کی سند کے ساتھ مروی تھی اور یہ حدیث خالد بن مخلد کی سند سے مروی ہے۔

٦٢- حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ؟ قَالَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ أَنَّهَا النَّخْلَةُ، ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک درختوں میں ایک ایسا درخت ہے' جس کے پتے نہیں گرتے اور بے شک وہ مسلمان کی مثل ہے' پس مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ نے

هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ.

کہا: لوگوں کا ذہن جنگل کے درختوں میں چلا گیا' حضرت عبداللہ نے کہا: میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے' پھر صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں بتایئے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) خالد بن مخلد البجلی الکوفی' یہ امام مالک اور سلیمان بن بلال وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے اسحاق بن راھویہ اور محمد بن دینار وغیرہ روایت کرتے ہیں' امام احمد بن حنبل نے کہا: ان کی احادیث منکر ہیں' یحییٰ بن معین نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' یہ ۲۱۳ھ میں وفات پا گئے تھے' اس حدیث کے بقیہ رجال کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۹)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۹۷۱۔ ج ۷ ص ۶۲۸ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں کھجور کے درخت کے ساتھ مؤمن کی مشابہت کی وجوہات اور دیگر مسائل بیان کیے گئے ہیں' تقریباً ایک جیسی شرح ہے۔ علاوہ ازیں تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۸۰۔۱۷۹' ابراہیم: ۲۶۔۲۴' میں بھی اس کی شرح موجود ہے۔

٦- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِلْمِ

علم کے متعلق جو احادیث وارد ہیں

وَقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ (طٰهٰ: ١١٤)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور آپ کہیے: اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر O" (طٰہٰ: ۱۱۴)

اس باب کی پہلے ابواب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ان ابواب میں شیخ کے پڑھنے کا ذکر تھا اور اس باب میں شیخ کے سامنے پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس عنوان میں قراءت اور عرض کا لفظ ہے' اور عرض کے دو معنی ہیں: (۱) طالب شیخ کے سامنے حدیث پڑھ کر پیش کرے' اس کو عرض قراءت کہتے ہیں (۲) طالب شیخ کے سامنے اپنی لکھی ہوئی حدیثیں پیش کرے' پھر شیخ اس کا اپنی اصل کے ساتھ مقابلہ کرے' پھر وہ درست ہو تو اس کو واپس دے کر کہے: میں ان حدیثوں پر مطلع ہو گیا اور میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم ان حدیثوں کو مجھ سے روایت کرو' اس کو عرض مناولہ کہتے ہیں' اسی طرح شیخ کے سامنے قراءت کے بھی دو معنی ہیں' کیونکہ قراءت کا ایک معنی ہے: طالب کا شیخ کے سامنے شیخ کی لکھائی ہوئی حدیث کو پڑھنا' خواہ طالب پڑھے یا کوئی اور پڑھے اور شیخ اپنی اصل کو ہاتھ میں لے کر سنے اور طالب کے پڑھے ہوئے کا اپنی اصل سے مقابلہ کرے' اس قراءت علی الشیخ کو بعض محدثین عرض بھی کہتے ہیں۔

قراءت علی العالم پر دلائل

امام بخاری فرماتے ہیں:

اَلْقِرَاءَةُ وَالْعَرْضُ عَلَى الْمُحَدِّثِ.

محدث کے سامنے پڑھنا اور حدیث پیش کرنا۔

وَرَاٰى الْحَسَنُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكٌ اَلْقِرَاءَةَ جَائِزَةً.

اور حسن' سفیان ثوری اور مالک کی رائے میں قراءت جائز ہے۔

یعنی حسن بصری' سفیان ثوری اور امام مالک کے رائے میں محدث کے سامنے اس کی لکھائی ہوئی حدیثیں پڑھنا جائز ہے' تاکہ معلوم ہو جائے کہ طالب نے اپنے شیخ سے صحیح نقل کیا ہے یا نہیں' پھر امام بخاری فرماتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ سَمِعْتُ اَبَا عَاصِمٍ يَذْكُرُ عَنْ

امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا: میں نے ابوعاصم سے سنا' وہ

سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكٍ اَنَّهُمَا كَانَا يَرَيَانِ الْقِرَاءَةَ وَالسِّمَاعَ جَائِزًا.

سفیان ثوری اور امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ دونوں قراءت اور سماع کو جائز کہتے تھے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ اِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَاْسَ اَنْ يَقُوْلَ حَدَّثَنِيْ وَسَمِعْتُ وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيْثِ ضِمَامِ بْنِ ثَعْلَبَةَ ' قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تُقِيْمَ (نُصَلِّيَ) الصَّلَوَاتِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهٰذِهٖ قِرَاءَةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' اَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَهٗ بِذٰلِكَ فَاَجَازُوْهُ.

ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از سفیان انہوں نے کہا: جب محدث کے سامنے حدیث پڑھی جائے تو "حَدَّثَنِیْ" اور "سَمِعْتُ" کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض علماء نے عالم کے سامنے پڑھنے پر حضرت ضمام بن ثعلبہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے انہوں نے نبی ﷺ سے کہا: کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم نمازیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ نبی ﷺ کے سامنے قراءت ہے حضرت ضمام نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی اور ان کی قوم نے اس خبر کو قبول کر لیا۔

امام بخاری نے فرمایا: جو بعض علماء نے کہا ہے: اس سے ان کی مراد ان کے شیخ حمیدی ہیں کیونکہ انہوں نے تصحیح نقل کے لیے محدث کے سامنے حدیث پڑھنے پر حضرت ضمام بن ثعلبہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت ضمام نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے اسلام کے متعلق سوال کیا پھر آپ نے جو جواب دیا اس کو آپ کے سامنے دہرایا اور یہی قراءت علی الشیخ کی مثال ہے پھر امام بخاری فرماتے ہیں:

وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يُقْرَاُ عَلَى الْقَوْمِ فَيَقُوْلُوْنَ اَشْهَدَنَا فُلَانٌ وَيُقْرَاُ ذٰلِكَ قِرَاءَةً عَلَيْهِمْ وَيُقْرَاُ عَلَى الْمُقْرِىءِ فَيَقُوْلُ الْقَارِىءُ اَقْرَاَنِيْ فُلَانٌ.

امام مالک نے اس سے "صک" (یہ لفظ چیک کا معرب ہے جس کو فارسی میں قبالہ یا اقرار نامہ کہا جاتا ہے اس سے مراد دستاویز ہے) پر استدلال کیا ہے جس کو قوم کے سامنے پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے پر پڑھا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو فلاں شخص نے اس دستاویز (اسٹامپ پیپر وثیقہ) پر گواہ بنایا پس پڑھنے والا کہتا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص نے پڑھایا۔

اس کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْوَاسِطِيُّ ' عَنْ عَوْفٍ ' عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لَابَاْسَ بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ.

ہم سے محمد بن سلام نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہم سے محمد بن الحسن الواسطی نے حدیث بیان کی از عوف از الحسن انہوں نے کہا: عالم کے سامنے قراءت میں کوئی حرج نہیں۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ وَاَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ الْفِرَبْرِيُّ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى ' عَنْ سُفْيَانَ قَالَ اِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَاْسَ اَنْ تَقُوْلَ حَدَّثَنِيْ. قَالَ وَسَمِعْتُ اَبَا عَاصِمٍ يَقُوْلُ عَنْ مَالِكٍ وَ سُفْيَانَ اَلْقِرَاءَةُ

ہمیں عبیداللہ نے حدیث بیان کی اور ہمیں محمد بن یوسف الفربری نے خبر دی اور ہمیں محمد بن اسماعیل بخاری نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہم سے عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از سفیان انہوں نے کہا: جب محدث کے سامنے حدیث پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم کہو: اس نے مجھے حدیث بیان کی

عَلَى الْعَالِمِ وَ قِرَاءَتُهُ سَوَاءٌ.

انہوں نے کہا: میں نے ابوعاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: از مالک وسفیان کہ عالم کے سامنے پڑھنا اور عالم کا پڑھنا دونوں برابر ہیں۔

یعنی طالب کا محدث کے سامنے حدیث پڑھنا اور محدث کا خود حدیث پڑھنا' دونوں برابر ہیں اور دونوں صورتوں میں طالب اس حدیث کو''حدثنا'' کے صیغہ کے ساتھ روایت کرسکتا ہے'اس وضاحت کے بعد امام بخاری باب کے عنوان پر درج ذیل حدیث روایت کر کے استدلال کرتے ہیں:

٦٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ' عَنْ سَعِيْدٍ هُوَ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ' دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ' فَاَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ' ثُمَّ عَقَلَهُ' ثُمَّ قَالَ لَهُمْ اَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ؟ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِيءٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ' فَقُلْنَا هٰذَا الرَّجُلُ الْاَبْيَضُ الْمُتَّكِيءُ' فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَبْتُكَ' فَقَالَ الرَّجُلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْاَلَةِ' فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِكَ' فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ. فَقَالَ اَسْاَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ' اَللّٰهُ اَرْسَلَكَ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ؟ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. قَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ' اَللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ؟ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ. قَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ' اَللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تَصُوْمَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ؟ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ' قَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ' اَللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تَاْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ اَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلٰى فُقَرَائِنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ الرَّجُلُ اٰمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ وَاَنَا رَسُوْلُ مَنْ وَّرَائِيْ مِنْ قَوْمِيْ' وَاَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ اَخُوْ بَنِيْ سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از سعید جو مقبری ہے از شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے سنا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر بیٹھا ہوا آیا' اس نے اونٹ کو مسجد میں بٹھایا' پھر اس کو باندھ دیا' پھر صحابہ سے کہا: تم میں سے کون شخص (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے؟ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے' ہم نے کہا: یہ سفید رو شخص جو ٹیک لگائے ہوئے ہیں' پھر آپ سے اس شخص نے کہا: عبدالمطلب کے بیٹے ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں جواب دے چکا ہوں' پس اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں آپ سے سوال کرنے والا ہوں اور سوال میں آپ سے سختی کروں گا' آپ اپنے دل میں مجھ پر غصہ نہ کریں' آپ نے فرمایا: جو دل میں آئے سوال کرو' اس نے کہا: میں آپ کو آپ کے رب کی قسم دے کر اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں: کیا واقعی اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ہاں!' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں: کیا واقعی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھا کریں؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ہاں!' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں' کیا واقعی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال کے اس مہینہ میں روزے رکھا کریں؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ہاں!' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا واقعی آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے دولت مند لوگوں سے صدقہ لے کر اس کو

ہمارے فقراء میں تقسیم کریں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ہاں! اس شخص نے کہا: آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لے آیا اور میں اپنے پیچھے اپنی قوم کا رسول (نمائندہ) ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں' جو بنو سعد بن ابی بکر کا بھائی ہے۔

رَوَاهُ مُوْسٰى وَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ ' عَنْ سُلَيْمَانَ' عَنْ ثَابِتٍ ' عَنْ اَنَسٍ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا.

امام بخاری فرماتے ہیں: اس حدیث کو موسیٰ اور علی بن عبدالحمید نے روایت کیا ہے' از سلیمان از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(سنن ابوداؤد: ۴۸۶' سنن ابن ماجہ: ۱۴۰۲' سنن نسائی: ۳۰۱۹' مسند الشافعی ج ۱ ص ۲۱۹' صحیح ابن خزیمہ: ۲۳۵۸' صحیح ابن حبان: ۱۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۷۱۹۔ ج ۲۰ ص ۱۳۸)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے: محدث کے سامنے حدیث کو پڑھنا اور حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سن کر آپ کے سامنے اس حدیث کو پڑھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن یوسف التنیسی (۲) لیث بن سعد المصری (۳) سعید بن ابی سعید المقبری' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) شریک بن عبداللہ بن ابی نمر المدنی القرشی' ابی نمر پہلے اُحد میں مشرکین کے ساتھ مل کر لڑنے کے لیے آئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دے دی' انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب وغیرہ سے سماع کیا ہے' اور ان سے امام مالک اور سعید مقبری وغیرہ نے سماع کیا ہے' ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے' یحییٰ بن معین نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' امام ترمذی کے علاوہ محدثین کی بہت بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' ان کی وفات ۱۴۰ھ میں ہوئی ہے (۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۸)

حضرت ضمام بن ثعلبہ کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت ضمام بن ثعلبہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا ذکر ہے' اس میں اختلاف ہے کہ جب حضرت ضمام بن ثعلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے' اس وقت وہ مسلمان ہو چکے تھے یا نہیں' ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے' اور امام بخاری نے بھی یہی سمجھا ہے اور وہ اس لیے آئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیث پیش کریں' اسی لیے امام بخاری نے اس باب کا عنوان "قراءت والعرض علی المحدث" قائم کیا ہے' نیز اس حدیث میں ہے: انہوں نے کہا: آپ جو کچھ لائے ہیں' میں اس پر ایمان لایا اور میرے پیچھے جو قوم ہے' میں اس کا نمائندہ ہوں' اور قاضی عیاض اور دیگر محدثین نے کہا: وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے' وہ اس کے بعد اسلام لائے تھے اور اس وقت محض تفتیش کے لیے آئے تھے' اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو بھیجا تھا' حتیٰ کہ جب وہ مکالمہ سے فارغ ہوئے تو پھر انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا' اور اس حدیث میں جو مذکور ہے: "آپ جو کچھ لائے ہیں' میں اس پر ایمان لایا" اس سے مراد ان کا اسی وقت ایمان لانا ہے' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے پہلے ایمان کی خبر دے رہے ہیں' علامہ قرطبی نے بھی قاضی عیاض کے قول کو ترجیح دی ہے' نیز امام ابوداؤد نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے' باب: مشرک کا مسجد میں داخل ہونا' اور

امام بخاری نے جو "قراءت والعرض علی المحدث" کا عنوان قائم کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اس وقت ضمام بن ثعلبہ کو مسلمان سمجھا ہو امام ابن اسحاق نے کہا: ضمام بن ثعلبہ ۹ ھ میں آئے تھے الواقدی نے کہا: وہ ۵ ھ میں آئے تھے لیکن پہلا قول صحیح ہے کیونکہ صحیح مسلم: ۱۲ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت آئے تھے جب قرآن مجید میں مسلمانوں کو سوالات کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اور یہ ممانعت (المائدہ:۱۰۱) میں ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ آخر میں نازل ہوئی ہے ثانی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دینے والوں کو زیادہ تر فتح مکہ کے بعد بھیجا تھا ثالث اس لیے کہ بنوسعد بن بکر غزوۂ حنین کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

نیز اس حدیث میں بنوسعد بن بکر کا ذکر ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی ننھیال ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۳ فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۱ المفہم ج ۱ ص ۱۶۴۔ ۱۶۲ ملخصاً)

مقلد کے ایمان کا صحیح ہونا اور ماکول اللحم کا پیشاب اور گوبر حرام ہونا

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر حضرت ضمام بن ثعلبہ کے ایمان لانے کا ذکر ہے اور یہ ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے کوئی معجزہ طلب کیا تھا یا ازخود رسول اللہ ﷺ نے انہیں کوئی معجزہ دکھایا تھا یا کوئی دلیل پیش کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دلائل میں غور وفکر کیے بغیر بھی مقلد کا ایمان صحیح ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ خبر واحد کا قبول کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ منقول نہیں ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ کی قوم نے یہ کہا ہو کہ ہم تمہارے پیغام کو اس وقت تک قبول نہیں کریں گے حتیٰ کہ کسی اور ذریعہ سے تمہاری بات کی تصدیق ہو جائے۔

اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ نے اپنا اونٹ مسجد میں باندھ دیا اور جانوروں سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی پیشاب یا لید کر دیں گے اس سے امام احمد نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب اور ان کی لید پاک ہے۔

اسی طرح حافظ عبداللہ روپڑی (غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں:

"قضیب گاؤ" (بیل کا آلہ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر یہ مذہب صحیح نہیں بلکہ "ماکول اللحم" (جن جانوروں کا گوشت حلال ہے) کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا)

ہمارے نزدیک محض مسجد میں اونٹ باندھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا پیشاب اور گوبر پاک اور حلال ہو جائے کیونکہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ انہوں نے مسجد کے احاطہ میں اونٹ باندھ دیا اور محض احتمال سے ان کا پیشاب اور گوبر کیسے پاک ہو سکتا ہے جب کہ ان کی تحریم اور نجاست کے متعلق صریح احادیث موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر اس کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی: ۴۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکثر قبر کا عذاب پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۴۸ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱ المستدرک ج ۱ ص ۱۸۳ سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۱۲ سنن دارقطنی: ۴۵۸)

گوبر اور لید کی نجاست کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے گئے اور مجھے فرمایا کہ میں آپ کے لیے تین پتھر لے کر آؤں' مجھے دو پتھر ملے' میں نے تیسرا پتھر تلاش کیا تو وہ مجھے نہیں ملا' پس میں نے گوبر اٹھالیا اور اس کو آپ کے پاس لے گیا آپ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے۔ (صحیح البخاری:۱۵۶' سنن ترمذی:۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸)

ادنیٰ کے لیے اعلیٰ کا نام لینا اور یا محمد کہنے کا جواز اور بعض اعتراضات کے جوابات

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ نے کہا: تم میں سے کون محمد ہے؟ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے انکار نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ادنیٰ کے لیے اعلیٰ کا نام لینا جائز ہے' لیکن آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا جائز نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:۶۳) — تم رسول کو اس طرح نہ بلاؤ' جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

البتہ یا محمد کہنا جائز ہے کیونکہ اس میں آپ کو ندا ہے اور آپ کو پکارنا ہے' آپ کو نام لے کر بلانا نہیں ہے اور متعدد احادیث صحیحہ سے صحابہ کا آپ کو یا محمد کہنا ثابت ہے۔ (صحیح مسلم:۲۰۰۹)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ نے آپ کو یا نبی اللہ' یا رسول اللہ کیوں نہیں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک وہ ایمان نہیں لائے تھے نیز انہوں نے دیہاتیوں کے طریقہ سے آپ کا نام لیا اور اس پر انکار نہیں کیا گیا۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ ۹ ہجری میں اسلام لائے تھے' اس وقت تک حج فرض ہو چکا تھا' حالانکہ اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم:۱۲ میں بھی ہے' اس میں حج کا ذکر ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں اور اس حدیث میں صرف ہمارے فقراء کو زکوٰۃ دینے کا ذکر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ مصرف زیادہ مشہور ہے' اس لیے صرف اس کا ذکر کیا گیا۔

۷ - بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ وَكِتَابِ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ اِلَى الْبُلْدَانِ

مناولہ کے متعلق جو ذکر کیا جاتا ہے اور اہل علم کا علم کو شہر والوں کی طرف لکھنا

مناولہ کا لغت میں معنی ہے: کسی کا کوئی چیز دینا اور اس کا اس چیز کو لینا' اور اصطلاح میں مناولہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مناولہ مقرونہ بالاجازہ (۲) مناولہ مجردہ۔ ''مناوله مقرونة بالاجازة'' کی تعریف یہ ہے کہ شیخ اپنا مجموعہ احادیث طالب کو دے اور کہے کہ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم ان احادیث کی مجھ سے روایت کرو' امام مالک کے نزدیک یہ سماع کی حالت ہے اور اس صورت میں طالب ان احادیث کو ''حدثنا'' کے ساتھ روایت کر سکتا ہے (۲) دوسری قسم ہے: مناولہ مجردہ یعنی شیخ طالب کو اپنا مجموعہ احادیث دے اور یہ نہ کہے کہ میں تم کو اس کی روایت کی اجازت دیتا ہوں' طالب کے لیے ان احادیث کو ''حدثنا'' کے ساتھ روایت کرنا جائز نہیں ہے' امام بخاری کی یہاں مناولہ سے مراد پہلی قسم ہے۔

اس باب کی ابواب سابقہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ان ابواب میں حدیث کی ادائیگی کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے۔

''مکاتبہ'' کا معنی ہے: شیخ طالب کی طرف کوئی حدیث لکھ کر بھیج دے' اس کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) مکاتبہ مقرونہ بالاجازہ (۲) مکاتبہ مجردہ۔

مکاتبہ پر آثارِ صحابہ سے استدلال

امام بخاری فرماتے ہیں: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:
وَقَالَ اَنَسٌ نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَبَعَثَ بِهَا اِلَى الْاٰفَاقِ.
حضرت عثمان نے مصاحف لکھے اور ان کو شہروں میں بھیج دیا۔

''مصاحف''، ''مصحف'' کی جمع ہے اس کا معنی ہے: لکھی ہوئی آسمانی کتاب' قرآن مجید میں ہے:
صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰىO(الاعلیٰ:۱۹) ابراہیم اور موسیٰ پر نازل ہونے والے صحیفے O

اب ہمارے عرف میں مصحف سے مراد لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن مجید ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' اس وقت وہ آرمینیاء اور آذربائی جان کی فتح کے لیے اہل شام کے خلاف جہاد کر رہے تھے اور ان کے ساتھ اہل عراق تھے' اس وقت حضرت حذیفہ قرآن مجید کے پڑھنے میں مسلمانوں کے اختلاف سے گھبرا گئے' پھر حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المؤمنین! اس سے پہلے کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرنے لگے' آپ اس امت کو سنبھال لیں' پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا' آپ ہمارے پاس وہ مصحف بھیج دیں (جس کو صحابہ کی ایک جماعت نے تحقیق سے مرتب کیا تھا)' ہم اس کی نقل کرا کے آپ کو واپس کر دیں گے' حضرت حفصہ نے حضرت عثمان کے پاس وہ مصحف بھیج دیا' پھر حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت سعید بن العاص' حضرت عبدالرحمان بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اس کے موافق مصاحف لکھیں' پھر حضرت عثمان نے تین قرشی صحابہ سے کہا: جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن کریم ان کی لغت پر نازل ہوا ہے' انہوں نے ایسا ہی کیا' حتیٰ کہ جب انہوں نے مصاحف تیار کر لیے تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا مصحف واپس کر دیا اور ان صحابہ نے جو مصاحف تیار کیے تھے' ان کی نقول تمام شہروں میں بھیج دیں اور یہ حکم دیا کہ تمام شہروں میں ان کے علاوہ جو مصاحف ہیں (ان کی سیاہی کو دھو کر اور ان کے غسالہ اور دھوون کو تبرکاً پی کر) ان کاغذوں کو جلا دیا جائے (تاکہ کلیۃً ان کا وجود ختم ہو جائے)۔(صحیح البخاری: ۴۹۸۷)

اس مصحف کی نقول مختلف شہروں میں بھیجنے سے امام بخاری نے مکاتبہ پر استدلال کیا ہے' یعنی علم کو لکھ کر مختلف شہروں میں بھیجنا اور اس کا حجت ہونا' باقی ان مصاحف سے قرآن مجید کا ثبوت نہیں ہے' وہ تواتر سے ثابت ہے' ان مصاحف سے قرآن مجید کی لکھی ہوئی صورت مستفاد ہوئی ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے ایک اور تعلیق پیش کی:

وَرَاٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَمَالِكٌ ذٰلِكَ جَائِزًا.
اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' یحییٰ بن سعید اور امام مالک نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

روایت حدیث کے طریقے

امام بخاری نے ان ابواب میں حدیث بیان کرنے کے طریقے بیان کیے ہیں' پہلے دو بابوں میں تین طریقے بیان کیے: (۱)''حدثنا'' (۲)''اخبرنا'' (۳)''انبانا'' اس کے بعد (۴)''المناولة المقرونة بالاجازه'' بیان کیا' اس کے بعد (۵)''المناولة المجردة'' بیان کیا' اس کے بعد (۶)''الکتابة المقرونة بالاجازة'' بیان کیا' اس کے بعد (۷)''الکتابة المجردة'' بیان کیا' اس کے بعد (۸)''الاجازة'' ہے' اس کی قوی صورت یہ ہے کہ ایک معین استاذ کسی معین طالب سے یہ کہے: میں تم کو امام بخاری یا دیگر محدثین کی احادیث روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں' آج کل جو دینی مدارس میں سند حدیث دی جاتی ہے' وہ اسی آٹھویں طریقہ کے مطابق

ہے۔

وَاحْتَجَّ بَعْضُ اَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ بِحَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ كَتَبَ لِاَمِيْرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ لَا تَقْرَاْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَ كَذَا، فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ قَرَاَهُ عَلَى النَّاسِ، وَاَخْبَرَهُمْ بِاَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

امام بخاری فرماتے ہیں: اور بعض اہل حجاز نے مناولہ پر نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جب آپ نے لشکر کے امیر کو ایک مکتوب لکھا اور فرمایا: اس کو اس وقت تک نہ پڑھنا، جب تک کہ تم فلاں فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ، جب وہ اس مقام پر پہنچ گئے تو انہوں نے اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا اور انہیں نبی ﷺ کے حکم کی خبر دی۔

اسلام کے پہلے لشکر کی کارروائی

حجاز سے مراد مکہ، مدینہ اور یمامہ ہے، اور بعض اہل حجاز سے مراد امام بخاری کے استاذ حمیدی ہیں اور لشکر کے امیر حضرت عبداللہ بن جحش الاسدی ہیں، یہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، امام محمد بن اسحاق نے کہا: یہ پہلا لشکر تھا، جس میں مسلمانوں نے مال غنیمت حاصل کیا تھا، یہ رجب ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے ہوا تھا، اس میں ۸ مہاجرین تھے، واپسی میں یہ لشکر مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں قریش کی گھات میں ٹھہرا تا کہ ان کی جاسوسی کرے، یکم رجب کو انہوں نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور ان کے دو آدمی گرفتار کر لیے، نبی ﷺ نے ان کو ملامت کی اور فرمایا: میں نے تم کو حرمت والے مہینہ میں تو قتال کرنے کے لیے نہیں کہا تھا، ادھر قریش نے شور مچا دیا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے حرمت والے مہینہ کو حلال کر لیا، یہ پہلا مقتول تھا، اور پہلے قیدی تھے اور پہلا مال غنیمت تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰-۳۸ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٤- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا، وَاَمَرَهُ اَنْ يَّدْفَعَهُ إِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ، فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ إِلٰى كِسْرٰى، فَلَمَّا قَرَاَهُ مَزَّقَهُ، فَحَسِبْتُ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، از صالح از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ یہ مکتوب بحرین کے امیر کو دے، بحرین کے امیر نے وہ مکتوب کسریٰ کو دے دیا، اس نے جب اس مکتوب کو پڑھا تو اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ابن شہاب کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ ابن المسیب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف یہ دعا کی: ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، پورے پورے ٹکڑے۔

[اطراف الحدیث: ۲۹۳۹-۴۴۲۴-۷۲۶۴]

(سنن نسائی: ۶۸۸۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۵۹، الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۱۸۹، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۷۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۱۸۴- ج ۴ ص ۶۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے اس طرح مطابقت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنا مکتوب اپنے نمائندہ کو دیا اور وہ حدیث ہے، سو یہ "المناولة" کی اصل ہے اور آپ نے فرمایا: یہ مکتوب امیر البحرین کو دیا جائے، سو یہ "المكاتبة" کی اصل ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسماعیل بن عبداللہ المدنی (۲) ابراہیم بن سعد (۳) صالح بن کیسان الغفاری (۴) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (۵) عبیداللہ بن عبداللہ (۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۰)

حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دیا' امام بخاری نے کتاب المغازی میں بیان کیا ہے کہ وہ شخص حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی تھے' وہ بہت پہلے اسلام لائے تھے اور مہاجرین اوّلین میں سے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو رومیوں نے قید کر لیا تھا' ان کے بادشاہ نے کہا تھا: تم میرے سر کو بوسہ دو' میں تم کو چھوڑ دوں گا' یہ طویل قصہ ہے' جس کو ہم حدیث:۱۶ کی تشریح میں پہلے بیان کر چکے ہیں' انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور بدر میں حاضر تھے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کسریٰ کی طرف روانہ کیا تھا' ان سے احادیث بھی مروی ہیں' امام مسلم ان کی ایک حدیث کی روایت کے ساتھ منفرد ہیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہو گئے تھے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۴ ص ۱۱۴ طبع قدیم' تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۸۵' تقریب التہذیب: ۳۲۸۳' خلاصۃ الخزرجی ج ۲ ص ۵۹)

عظیم البحرین اور کسریٰ کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عظیم البحرین کو دینے کے لیے مکتوب دیا' بحرین' بصرہ اور عمان کے درمیان ایک شہر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴) خلیج فارس کے ساحل پر ایک چھوٹی سی ریاست ہے' جس کا رقبہ اڑھائی سو مربع میل ہے۔ ۱۹۷۲ء میں اس کی آبادی تقریباً دو لاکھ تھی۔ (معجم البلدان اُردو ص ۶۱)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کر لی تھی اور حضرت العلاء بن الحضرمی کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا تھا' حضرت ابوعبیدہ کو آپ نے وہاں روانہ کیا تھا اور وہ وہاں سے جزیہ لے کر آئے تھے' البحرین کا بادشاہ المنذر بن ساوی تھا' اس نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی تھی اور مسلمان ہو گیا تھا۔ آپ نے بہ راہِ راست کسریٰ کو خط نہیں بھیجا تھا بلکہ عظیم البحرین کے واسطے سے بھیجا تھا کیونکہ اس کو بہ راہِ راست مکتوب بھیجنے میں مشکلات تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

''کسریٰ'' فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے' جیسے ''قیصر'' روم کے بادشاہوں کا لقب ہے' جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی پھاڑا تھا' اس کا نام پرویز بن ہرمز بن انوشیروان تھا' جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی پھاڑا تو آپ نے فرمایا: اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' اور آپ نے فرمایا: جب کسریٰ مر جائے گا تو پھر کوئی کسریٰ نہیں ہو گا' الواقدی نے کہا ہے کہ کسریٰ پر اس کا بیٹا شیرویہ مسلط ہو گیا اور ۷ھ میں اس کو قتل کر دیا' پھر اس کے پورے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور تمام روئے زمین سے اس کی سلطنت جاتی رہی!

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے کہا ہے کہ جب کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پھاڑ دیا تو اس نے یمن کے عامل باذان کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ تم دو قوی مردوں کو اس شخص کے پاس بھیجو' جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ میرے پاس اس شخص کی خبر لے کر آئیں' باذان نے اپنا مکتوب دے کر اپنے دو آدمیوں کو بھیجا' وہ مدینہ میں آئے اور انہوں نے باذان کا مکتوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور ان کو اسلام کی دعوت دی' ان کے کندھے کپکپانے لگے' آپ نے فرمایا: تم اپنے گورنر کو یہ پیغام پہنچا دینا

کہ میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو آج رات سات گھنٹے پہلے قتل کر دیا ہے' یہ ۷ ھ' ۱۰ جمادی الاولیٰ منگل کی رات تھی' بے شک اللہ نے اس کے بیٹے شرویہ کو اس پر مسلط کیا اور اس نے پرویز کو قتل کر دیا' زہری نے کہا ہے کہ جب باذان کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء ضرر کو بد دعا سے تعبیر کرنا بے ادبی ہے

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ علم کو لکھ کر دوسرے شہروں میں بھیجنا چاہیے' اور جب کفار بے ادبی سے پیش آئیں تو ان کے خلاف دعاء ضرر کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں ''دعا علیھم'' کا لفظ ہے۔ عام اصول کے مطابق اس کا ترجمہ ہوگا' ان پر بد دعا کی' لیکن جب دعا کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں تو پھر یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل بد نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں حسین نمونہ ہے۔

(الاحزاب: ۲۱)

بخاری کے اردو شارحین نے اس حدیث میں ''فدعا علیھم'' کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے:

نواب وحید الزمان نے لکھا ہے: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایران والوں پر بد دعا کی۔ (تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۳۱)

سید احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے: ان لوگوں کے لیے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی بد دعا فرمائی۔ (انوار الباری ج ۵ ص ۵۹)

شیخ سلیم اللہ خان نے لکھا ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے بد دعا کی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۰۴)

شیخ تقی عثمانی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر بد دعا کی تھی۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۶۹)

ہمارے نزدیک یہ تمام تراجم غلط ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کے ادب کے پیش نظر یوں لکھنا چاہیے تھا: آپ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی' آپ کسی کے متعلق دعاء خیر کریں یا دعاء ضرر کریں' آپ کا ہر فعل حق' صواب اور حسن ہے اور آپ کا کوئی فعل بد نہیں ہے۔

٦٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ اَبُو الْحَسَنِ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ' عَنْ قَتَادَةَ ' عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا ' اَوْ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُوْنَ كِتَابًا اِلَّا مَخْتُوْمًا ' فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ' كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِيْ يَدِهٖ ' فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ اَنَسٌ.

[اطراف الحدیث: ۲۹۳۸-۵۸۷۰-۵۸۷۲-۵۸۷۵-۷۱۶۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مقاتل ابو الحسن نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی' از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا یا آپ نے لکھنے کا ارادہ کیا' آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں' جو مہر شدہ ہو' تب آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی' جس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا' گویا میں آپ کے ہاتھ میں اس کی سفیدی دیکھ رہا تھا' شعبہ نے کہا: میں نے قتادہ سے پوچھا: کس نے کہا کہ اس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا' انہوں نے کہا: حضرت انس نے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۹۲' سنن ترمذی: ۲۷۱۸' سنن نسائی: ۵۲۹۳-۵۲۱۶' سنن ابن ماجہ: ۳۶۴۰' مسند ابوعوانہ ج ۴ ص ۱۹۷' الطبقات الکبریٰ

۴' مسند ابویعلیٰ: ۱۷۲۳' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۴۸' شرح السنۃ: ۱۳۱۳' المعجم الاوسط: ۶۵۲۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۰۷۰' ج ۲۰ ص ۱۳۹)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ اس باب کے عنوان کا دوسرا جز ہے: شہر والوں کی طرف علم کو لکھنا اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ کی طرف مکتوب لکھ کر بھیجا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالحسن محمد بن مقاتل' المروزی' یہ امام بخاری کے شیخ ہیں' امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں' یہ ابن المبارک اور وکیع سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں' خطیب نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابو حاتم نے کہا: صدوق ہیں' یہ ۲۲۶ھ کے آخر میں فوت ہو گئے تھے (۲) عبداللہ بن المبارک (۳) شعبہ بن الحجاج (۴) قتادہ بن دعامہ السدوسی (۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھنے کا ثبوت اور کفار کے مخصوص طریقہ کو اپنانے کا جواز' بہ شرطیکہ وہ ان کی بدعقیدگی پر مبنی نہ ہو

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت انس نے انگوٹھی کی صفت میں کہا: میں آپ کے ہاتھ میں انگوٹھی کی صفت دیکھ رہا تھا' حالانکہ انگوٹھی ہاتھ میں نہیں' انگلی میں پہنی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ہاتھ سے مراد انگلی ہے اور حدیث میں جز پر کل کا اطلاق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیصر اور کسریٰ کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ آپ تو امی تھے' لکھتے نہ تھے' علامہ بدرالدین عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا ہے اور ان شاء اللہ "کتاب الجہاد" میں اس کا ذکر آئے گا اور اگر یہ ثابت ہو کہ آپ نے بالکل نہیں لکھا تو پھر آپ کی طرف لکھنے کا اسناد مجاز عقلی ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۴)

* ہم نے اپنی تفسیر تبیان القرآن' الاعراف: ۱۵۷ کی تفسیر میں بہت دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی طرف لکھنے کا اسناد حقیقت عقلی ہے۔

* اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مکتوب کے آخر میں مہر لگانا کفار کا طریقہ تھا' اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکتوب پر مہر لگانے کے لیے مہر بنوائی' اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں کفار کی مشابہت مطلقاً ممنوع نہیں ہے' صرف وہی مشابہت ممنوع ہے' جو ان کی کسی بدعقیدگی پر مبنی ہو' اس کی مفصل اور مکمل تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۳۸۳۔ ۳۷۴ میں کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۳۶۸۔ ۵۳۶۷۔ ج ۶ ص ۳۹۹ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) چاندی کی انگوٹھی پہننے اور اس پر نقش کندہ کرانے کا بیان (۲) دائیں یا بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے متعلق فقہاء شافعیہ اور فقہاء مالکیہ کے نظریات۔

٨- بَابُ مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ، وَمَنْ رَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا	جو شخص وہیں بیٹھ گیا' جہاں مجلس ختم ہوئی ہے اور جس شخص نے مجلس کے حلقہ میں خالی جگہ دیکھی تو وہ وہاں جا کر بیٹھ گیا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق مناولہ میں تھا یعنی شیخ کا طالب کو اپنا مجموعہ حدیث دینا اور ظاہر

ہے یہ مناولہ مجلس علم میں ہی ہوتا ہے اور اس باب میں جس مجلس کا ذکر ہے اس سے مراد بھی مجلس علم ہے۔

٦٦- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَخْبَرَهُ عَنْ اَبِيْ وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، اِذْ اَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَاَقْبَلَ اثْنَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ، قَالَ فَوَقَفَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَرَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا، وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَاَمَّا الثَّالِثُ فَاَدْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟ اَمَّا اَحَدُهُمْ فَاَوٰى اِلَى اللّٰهِ فَاٰوَاهُ اللّٰهُ، وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ، وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ، فَاَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ. [طرف الحدیث: ۴۷۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کہ ابومرہ عقیل بن ابی طالب کے آزاد شدہ غلام نے ان کو خبر دی از ابوواقد لیثی کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس وقت تین شخص آئے دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ کر آ گئے اور ایک چلا گیا وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک نے حلقہ میں کشادگی دیکھی وہ وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا مجلس کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا پیٹھ موڑ کر چلا گیا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں تمہیں ان تین آدمیوں کے متعلق خبر نہ دوں؟ ان میں سے ایک نے اللہ کی پناہ لی تو اللہ نے اس کو پناہ دے دی اور دوسرے نے اللہ سے حیا کی سو اللہ بھی اس سے حیا فرمائے گا اور تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ بھی اس سے اعراض فرمائے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۷۶' سنن ابوداؤد: ۴۸۳۵' سنن ترمذی: ۲۷۲۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۹۰۱' مسند ابویعلیٰ: ۱۴۴۵' تاریخ دمشق ج ۱۹ ص ۱۹۲' المعجم الکبیر: ۳۳۰۹' سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۳۴' الاحاد والمثانی: ۹۰۱' صحیح ابن حبان: ۸۶' شرح السنۃ: ۳۳۳۴' مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۱۹۰۷' ج ۳۶ ص ۲۴۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے کیونکہ اس باب کا عنوان ہے: جو شخص وہیں بیٹھ گیا' جہاں مجلس ختم ہوئی ہے اور جس شخص نے مجلس کے حلقہ میں خالی جگہ دیکھی تو وہ وہاں جا کر بیٹھ گیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسماعیل بن اویس (۲) امام مالک بن انس (۳) اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ' یہ تابعی ہیں' انہوں نے اپنے والد اور حضرت انس بن مالک سے سماع کیا ہے' ان کی توثیق پر اتفاق ہے' ان سے بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے' یہ ۱۳۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) ابومرہ عقیل بن ابی طالب کے آزاد شدہ غلام ہیں' یہ حضرت ابوالدرداء' حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں' اور ان سے ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے (۵) ابوواقد لیثی' ان کے نام میں اختلاف ہے' ابن الکلبی نے کہا: ان کا نام الحارث بن عوف ہے' الواقدی نے کہا: ان کا نام الحارث بن مالک ہے' یہ قدیم الاسلام تھے' ان کے بدری ہونے میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے' انہوں نے خود کہا: اس سے پہلے میں کافر تھا' غزوہ حنین میں تھے' جنگ یرموک میں شریک ہوئے اس کے بعد مکہ میں فوت ہو گئے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۴ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری نے صرف یہی ایک حدیث روایت کی ہے' امام مسلم نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے' انہوں نے ۶۸ھ میں ۷۵ سال کی عمر

میں وفات پائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۷)

عالم کی مجلس کی عظمت اور مجلس میں بیٹھنے کے آداب

اس حدیث میں ''نفر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: تین سے لے کر دس آدمیوں تک کی جماعت۔

اور اس حدیث میں ہے: ان میں سے ایک نے اللہ کی پناہ لی تو اللہ نے اس کو پناہ دے دی' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص علم کی مجلس میں آ جائے' وہ اللہ کی پناہ میں آ جاتا ہے' اور وہ ان لوگوں میں سے ہے' جن کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کو چاہیے کہ وہ طالب کو پناہ دے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو عالم کی مجلس میں بیٹھنے کا قصد کرے اور وہاں بے ادبی کرنے سے حیا کرے تو اللہ اس سے حیا فرماتا ہے اور امید ہے کہ اس کو عذاب نہیں دے گا اور جو شخص عالم کی مجلس سے اعراض کرے' اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آدمیوں کی تحسین فرمائی' جنہوں نے عالم کی مجلس کا ادب کیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص نیک کام کرے اس کی تحسین کرنی چاہیے اور یہ کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو مجلس میں جہاں جگہ ملے' وہیں بیٹھ جائے اور کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔

آدابِ مجلس کے متعلق احادیث

عمرو بن شعیب اپنے باپ (شعیب) اور وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۴۴' سنن ترمذی: ۲۷۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دو آدمیوں کی اجازت کے بغیر ان میں تفریق کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص مجلس سے اٹھ جائے اور پھر واپس آئے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۵۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مجلس میں چار زانو بیٹھے رہتے' حتیٰ کہ سورج اچھی طرح نکل آتا۔ (صحیح مسلم: ۶۷۰' سنن ابوداؤد: ۴۸۵۰' سنن ترمذی: ۵۸۵' سنن نسائی: ۱۳۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجلس میں دو آدمی تیسرے آدمی کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ تیسرا آدمی اس سے غمگین ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۶۲۹۰' صحیح مسلم: ۲۱۸۴' سنن ابوداؤد: ۴۸۵۱' سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے یہ ہے کہ بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرو' اور جو قرآن کا عالم ہو اور اس میں غلو اور کمی نہ کرتا ہو' اس کی تعظیم کرو اور عادل حکمران کی تعظیم کرو (یعنی ان کو مجلس میں نمایاں جگہ بٹھاؤ)۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۴۳)

* باب مذکور کی حدیث صحیح مسلم: ۵۵۶۵۔ ج ۵ ص ۵۴۲ پر ہے' اس کی شرح کا یہ عنوان ہے: علم اور ذکر کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب اور احکام۔

۹- بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: بعض اوقات جس کو حدیث پہنچائی جائے' وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں علم کی مجلس میں بیٹھنے والوں کا ذکر تھا اور علم کی مجلس میں وہ لوگ ہوتے ہیں' جو حدیث کو سنتے ہیں اور دوسروں تک اس حدیث کو پہنچاتے ہیں۔

اس باب کے عنوان پر درج ذیل حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے' جس نے ہم سے کوئی بات سنی' پھر جس طرح اس بات کو سنا' ویسے ہی اس کو دوسروں تک پہنچا دیا' کیونکہ بعض اوقات جس کو حدیث پہنچائی جائے' وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔

(سنن ترمذی: ۲۶۵۷' سنن ابن ماجہ: ۲۳۲' مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۶)

٦٧- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ' عَنِ ابْنِ سِيرِينَ' عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ' عَنْ أَبِيهِ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلٰى بَعِيرِهِ' وَأَمْسَكَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ' أَوْ بِزِمَامِهِ قَالَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ فَسَكَتْنَا حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهِ' قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا بَلٰى. قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ فَسَكَتْنَا حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ' فَقَالَ أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ؟ قُلْنَا بَلٰى. قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ' وَأَمْوَالَكُمْ' وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ' كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا' فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا' فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا' لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ' فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعٰى لَهُ مِنْهُ.

[اطراف الحدیث: ۱۰۵-۱۷۴۱-۳۱۹۷-۴۴۰۶-۴۶۶۲-۵۵۵۰-۷۰۷۸-۷۴۴۷]

(صحیح مسلم: ۱۶۷۹' سنن ترمذی: ۱۵۲۰' سنن نسائی: ۴۴۰۱' سنن دارمی: ۱۹۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۰۹۱' صحیح ابن حبان: ۳۸۴۸-۵۹۷۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۲۶' مسند البزار: ۳۶۱۶' مسند احمد ج ۵ ص ۳۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۰۳۸۷- ج ۵ ص ۲۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از ابن سیرین از عبدالرحمان بن ابی بکرہ از والد خود کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک انسان نے اس کی مہار یا لگام پکڑی ہوئی تھی' آپ نے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ ہم خاموش رہے' ہم نے گمان کیا کہ آپ عنقریب اس دن کے نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے' آپ نے فرمایا: کیا آج قربانی کرنے کا دن نہیں ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم خاموش رہے' حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ عنقریب آپ اس مہینہ کے نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے' پھر آپ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان اس طرح حرام ہیں' جس طرح یہ آج کے دن' اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہیں' حاضر کو چاہیے کہ غائب کو یہ حدیث پہنچا دے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حاضر اس شخص کو یہ حدیث پہنچائے' جو اس حدیث کو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مسور بن مسرھد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) بشر بن المفضل بن لاحق الرقاشی' انہوں نے ابن المنکدر اور عبداللہ بن عون

وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے امام احمد نے سماع کیا ہے ابوزرعہ اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں' ۱۸۶ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) عبداللہ بن عون بن ارطبان البصری' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے اور ان سے سماع نہیں کیا' قاسم بن محمد' حسن بصری اور محمد بن سیرین وغیرہ سے سماع کیا ہے' ان سے شعبہ' ثوری' ابن المبارک اور دیگر نے سماع کیا ہے' ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۶۲ سال کی عمر میں ۸۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) محمد بن سیرین' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) عبدالرحمان بن ابی بکرہ نفیع بن الحارث البصری' یہ ۱۴ھ میں بصرہ میں پہلے مسلمان پیدا ہوئے' انہوں نے اپنے والد ابو بکرہ اور حضرت علی اور دیگر سے سماع کیا ہے' یہ ۹۹ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے (۶) حضرت ابو بکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۵۳)

اس اعتراض کا جواب کہ سواری پر بیٹھ کر باتیں کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے' پھر آپ نے سواری پر خطبہ کیوں دیا؟ اور دیگر مسائل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے' یہ منیٰ میں حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی تھی۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں اور صحیح بخاری کے ایک اور باب میں بھی ہے' اس میں یہ مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون سا شہر ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ اور آج کون سا دن ہے؟ تو صحابہ نے ہر سوال کے جواب میں کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۴۰۶' صحیح مسلم: ۱۶۷۹' سنن نسائی: ۵۸۵۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم پر واجب ہے کہ جن لوگوں تک علم نہیں پہنچا ہے' ان تک علم پہنچائے اور جن کو پیغام سمجھ میں نہیں آیا' ان کو پیغام وضاحت سے بیان کرے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ. (آل عمران: ۱۸۷)

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم اس کو تمام لوگوں سے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیا' حالانکہ اس کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت سہل بن معاذ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے' جو اپنی سواریوں پر کھڑے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: اپنی سواریوں پر سلامتی کے ساتھ سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو اور راستوں اور بازاروں میں ان سواریوں کو اپنی باتوں کے لیے کرسیاں نہ بناؤ' بعض سواریاں اپنے سوار سے بہتر ہوتی ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو۔ (المعجم الکبیر: ۴۳۲' ج ۲۰' مسند احمد: ۱۵۶۲۹' ج ۳ ص ۴۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۷) تاہم ایک اور حدیث کی سند حسن ہے:

سعد بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان سواریوں پر سلامتی کے ساتھ سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو اور ان کو کرسیاں نہ بناؤ۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۸۶' صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۴۴' صحیح ابن حبان: ۵۶۱۹' المعجم الکبیر: ۴۳۱' ج ۲۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۴۴' سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۵۵' مسند احمد: ۱۵۶۳۹' ج ۳ ص ۴۴۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاضرورت سواریوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دینا ضرورت پر محمول ہے اور یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے یا پھر یہ آپ کی خصوصیت ہے' عام مسلمانوں کے لیے

جائز نہیں ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم کو اونچی جگہ پر بیٹھ کر خطاب کرنا چاہیے' اور جو چیز شدید حرام ہو' عالم پر واجب ہے کہ اس کی تحریم کو زیادہ شدت اور تاکید سے بیان کرے' جیسے نبی ﷺ نے مسلمانوں کی جانوں' مالوں اور عزتوں کو حج کے مہینہ' حج کے دن اور مکہ مکرمہ کی حرمت کے ساتھ تشبیہ دی اور اس سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کا خون' ان کا مال اور ان کی عزت حرمت میں برابر ہے۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۲۷۰۔ ج ۴ ص ۷۰۳ پر مذکور ہے اور اس کی شرح کے درج ذیل عنوان ہیں:
(۱) اشہر حرم میں ردّ و بدل کی تفصیل اور تحقیق (۲) آیا اشہر حرم میں قتال منسوخ ہو چکا ہے یا نہیں؟ (۳) حدیث الباب سے استنباط شدہ مسائل۔

۱۰- بَابٌ اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ — قول اور عمل سے پہلے علم کا حصول

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں مُبلّغ اور سامع کا حال بیان کیا گیا' اور مُبلّغ وہ شخص ہے' جس کو حدیث پہنچائی جائے اور حدیث کا پہنچانا' علم کی تعلیم اور تعلّم کے ذریعہ ہوگا' امام بخاری نے اس باب کے عنوان کے ثبوت میں اپنی سند کے ساتھ کوئی حدیث روایت نہیں کی' البتہ عنوان پر قرآن مجید کی آیات اور دیگر ائمہ کی روایت کردہ احادیث سے استدلال کیا ہے:

علم کی فضیلت میں آیات' احادیث اور آثار

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد:۱۹) فَبَدَاَ بِالْعِلْمِ.

امام بخاری کہتے ہیں: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے'' (محمد:۱۹)۔اللہ تعالیٰ نے علم سے ابتداء کی ہے۔

امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا علم حاصل کرو' پھر لا الٰہ الا اللہ کہو' اس کے بعد فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. (محمد:۱۹)

اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں پر اللہ سے مغفرت طلب کریں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔

اس آیت میں پہلے علم کے حصول کا حکم دیا ہے اور پھر مغفرت طلب کرنے کے عمل کا حکم دیا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا:

وَاَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ' وَرَّثُوا الْعِلْمَ' مَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ.

اور بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں' انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے' پس جس نے علم کو حاصل کیا' اس نے بڑے حصہ کو حاصل کیا۔

امام بخاری نے اس مکمل حدیث کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے' مکمل حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص علم کو طلب کرنے کے لیے کسی راستہ پر چلا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پَر بچھاتے ہیں اور بے شک عالم کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں مغفرت طلب کرتی ہیں' حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔الخ

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے' جیسی چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے' اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء نے دینار کا وارث کیا ہے' نہ درہم کا' انہوں نے صرف علم کا وارث کیا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۶۸۲' سنن ابوداؤد: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶)

ائمہ شیعہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(فقیہ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۲۷۷' جامع احادیث الشیعہ: ۲۶- ج ۱ ص ۱۴۲' مطبع المہر' قم' ایران' ۱۴۱۳ھ)

ائمہ شیعہ کا حوالہ ہم نے اس لیے دیا ہے تاکہ شیعہ پر حجت قائم ہو کہ انبیاء علیہم السلام مال کا وارث نہیں کرتے' علم کا وارث کرتے ہیں اور باغ فدک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ نہ تھا کہ اس میں وراثت جاری ہوتی۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ.

جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر چلا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

یہ بھی مذکور الصدر مکمل حدیث کا ایک قطعہ ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس آیت سے استدلال کیا:

وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸).

اور اللہ عزوجل نے فرمایا: '' اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں'' (فاطر: ۲۸)۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی سمرقندی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ عالم پر یہ حق ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے' کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی سلطنت' اس کی ہیبت' اس کی قدرت اور اس کے جلال کا علم ہوتا ہے' اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا علم ہو اور وہ اس پر ایمان لایا ہو' وہ اللہ کے احکام کی مخالفت کرنے اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرے گا' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی سے ناراض ہوتا ہے اور اس پر عذاب دیتا ہے' لیکن جس کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا علم نہ ہو اور وہ اس پر ایمان نہ لایا ہو' وہ اس سے نہیں ڈرے گا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۴۸۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ (العنکبوت: ۴۳).

امام بخاری نے کہا: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' قرآن مجید میں بیان کی ہوئی مثالوں کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیںO'' (العنکبوت: ۴۳)۔

یعنی عقول اشیاء کے اسباب اور ان کے دلائل کو سمجھتی ہیں کیونکہ علم اشیاء کے حقائق کی معرفت کی طرف پہنچاتا ہے' لہٰذا قرآن مجید میں بیان کی ہوئی مثالوں سے صرف علماء ہی نفع اٹھا سکتے ہیں اور بے علم شخص تو ان مثالوں کے معنی ہی کو نہیں جانے گا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۲۳۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (الملک: ۱۰)

امام بخاری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' اور کافروں نے کہا: کاش! ہم غور سے سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتےO'' (الملک: ۱۰)۔

جب کافروں نے یہ اعتراف کیا کہ ہمارے پاس اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا تو گویا انہوں نے مان لیا کہ انہوں نے

اس کی آیات کو سنا اور سمجھا' لیکن انہوں نے اپنے سننے اور سمجھنے سے فائدہ نہیں اٹھایا' کیونکہ سننے کا فائدہ یہ تھا کہ اس کو مانتے اور سمجھنے کا فائدہ یہ تھا کہ اس کے تقاضے پر عمل کرتے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱۰ ص ۱۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر:۹)

اور امام بخاری نے کہا: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ کہیے: جو لوگ علم والے ہیں اور جو لوگ بے علم ہیں' برابر ہیں؟'' (الزمر:۹)

یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علم ہے اور وہ ان کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور جو ان چیزوں کو نہیں جانتے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (تاویلات اہل السنہ ج ۸ ص ۶۶۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

امام بخاری نے کہا: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

یہ حدیث معلق ہے' اور پوری حدیث کا ایک قطعہ ہے' آگے چل کر امام بخاری نے اس حدیث کو مکمل موصول روایت کیا' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کر لیتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے' اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کو مخالفین سے ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔ (صحیح البخاری:۷۱' صحیح مسلم: ۱۰۳۷)

امام بخاری نے کہا:

وَاِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ.

اور علم صرف تعلم یعنی سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ بھی ایک مکمل حدیث کا قطعہ ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: علم صرف تعلم (سیکھنے) سے حاصل ہوتا ہے اور فقہ صرف تفقہ (سمجھنے) سے حاصل ہوتی ہے' اور جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔ امام طبرانی نے اس حدیث کو ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا' اور اس کی سند میں عتبہ بن ابی حکیم ہے' اس کی ابو حاتم اور ابو زرعہ اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۸)

وَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ. وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ. ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّيْ اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَاَنْفَذْتُهَا.

امام بخاری نے کہا: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم اس پر تلوار رکھ دو اور اپنی گدی کی طرف اشارہ کیا' پھر مجھے یہ گمان ہو کہ تمہارے گدی پر وار کرنے سے پہلے میں وہ بات کہہ سکتا ہوں' جس کو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو میں اس بات کو ضرور کہوں گا۔

یہ بھی ایک حدیث کا قطعہ ہے' مکمل حدیث اس طرح ہے:

ابو کثیر بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' وہ جمرہ وسطیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ان کے گرد لوگ جمع تھے اور ان سے فتوے طلب کر رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور ان سے کہنے لگا: کیا تم فتویٰ دینے سے باز نہیں آتے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: کیا تم میرے محاسب مقرر کیے گئے ہو؟ اور اپنی گدی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اگر تم اس پر تلوار رکھ دو' پھر مجھے یہ گمان ہو کہ تمہارے گدی پر وار کرنے سے

میں وہ بات کہہ سکتا ہوں' جس کو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے تو میں اس بات کو ضرور کہوں گا۔

(سنن دارمی: ۵۴۹۔ج ا ص ۱۵۶' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کرنے کا سبب اور سربراہِ ملک کے منع کرنے کے باوجود احادیث بیان کرنا

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر شام میں تھے تو حضرت ابوذر کا اور حضرت امیر معاویہ کا اس آیت کے مصداق میں اختلاف ہو گیا تھا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (التوبۃ: ۳۴)

جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے ۝

حضرت معاویہ کہتے تھے: یہ آیت اہل کتاب کے متعلق ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: یہ آیت ہم مسلمانوں اور اہل کتاب دونوں کے متعلق ہے' پھر حضرت معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو حضرت عثمان نے حضرت ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا اور ان کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا اور اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان ہر حال میں حضور سے سنی ہوئی حدیث پہنچائے خواہ اس کو قتل کی دھمکی دی جائے یا اس کی گدی پر تلوار رکھ دی جائے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر سربراہِ ملک کسی عالم کو فتویٰ دینے سے روک دے تو اس پر اس سربراہ کی اطاعت واجب نہیں' بلکہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی اطاعت واجب ہے کہ میری حدیث دوسروں تک پہنچاؤ۔ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عالم پر واجب ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتا رہے اور برائی کو شدت سے روکتا رہے' خواہ اس کو اس راہ میں مصائب برداشت کرنا پڑیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے' اور اگر وہ اذیت کے خوف سے خاموش رہے تو یہ بھی اس کے لیے مباح ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو قسم کے علم یاد رکھے' ایک قسم کا علم تو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور اگر علم کی دوسری قسم کو میں پھیلا دوں تو میرے حلقوم کو کاٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۰)

حسن بصری نے کہا: حضرت ابو ہریرہ نے سچ کہا' ان کی مراد ایسی احادیث تھیں' جن میں آنے والے فتنوں کی خبر تھی اور ان کی خبر دینے میں کوئی مصلحت شرعی نہ تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۴۔ ۶۳)

ربانی' حلم' حکمت اور فقہ کے معانی

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ﴾ (آل عمران: ۷۹) حُلَمَاءَ فُقَهَاءَ.

امام بخاری کہتے ہیں: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''رب والے بن جاؤ''۔ (آل عمران: ۷۹) حلم والے اور فقہ والے۔

لغت میں ''ربانی'' کا معنی ہے: جو اللہ عزوجل والا اور عارف باللہ ہو اور عرف میں عالم اور معلّم کو ربانی کہا جاتا ہے' ''حِلم'' کا معنی بردباری ہے' یعنی غضب کے وقت پُرسکون رہنا' صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ''حکماء'' کا لفظ ہے' حکمت کا معنی ہے: واقع کے مطابق اشیاء کی معرفت' اور عقیدہ' قول اور فعل کی صحت' اور فقہ کا معنی ہے: دلائل تفصیلیہ سے احکامِ شرعیہ کی معرفت یا نفس کو اپنے نفع اور ضرر کے کاموں کی معرفت۔

وَيُقَالُ الرَّبَّانِيُّ الَّذِيْ يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ

امام بخاری کہتے ہیں: ربانی اس کو کہتے ہیں' جو لوگوں کو علم کی

قَبْلَ كِبَارِهِ. بڑی کتابوں سے پہلے علم کی چھوٹی کتابیں پڑھائے۔

امام بخاری نے یہ بعض علماء کا قول نقل کیا ہے۔

١١ - بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفِرُوْا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت اور علم میں صحابہ کی حفاظت اور رعایت کرتے تھے تا کہ وہ اکتا نہ جائیں

اس عنوان میں ''تخوّل'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: حفاظت کرنا اور رعایت کرنا' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو وقفہ وقفہ سے نصیحت کرتے تھے اور مسلسل تعلیم نہیں دیتے تھے تا کہ وہ گھبرا نہ جائیں اور اکتا نہ جائیں۔ اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں علم کا ذکر تھا اور اس باب میں علم کو سکھانے کا ذکر ہے۔

٦٨- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْاَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از اعمش از ابووائل از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف ایام میں نصیحت کر کے ہماری حفاظت اور رعایت کرتے تھے' ہماری اکتاہٹ کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔

[اطراف الحدیث: ٧٠-٦٤١١]

(صحیح مسلم: ٢٨٢١' سنن ترمذی: ٢٨٥٥' المعجم الکبیر: ١٠٣٤٠' الکامل لابن عدی ج ٢ ص ٥٥٤' شرح السنۃ: ١٣٥' علل دارقطنی ج ٥ ص ١٢٩' مسند احمد ج ١ ص ٣٧٧ طبع قدیم' مسند احمد ج ٦ ص ٥٧' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے کیونکہ باب کے عنوان میں تعلیم میں رعایت کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) محمد بن یوسف فریابی' انہوں نے اعمش اور سفیان وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے امام احمد اور محمد ذہلی وغیرہ نے سماع کیا ہے' اور امام بخاری نے بھی ان کی روایات سے بہت جگہ استدلال کیا ہے' امام احمد نے کہا: یہ نیک آدمی تھے' امام نسائی اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ تھے' ٢١٢ھ میں فوت ہو گئے تھے (٢) سفیان ثوری (٣) سلیمان بن مہران الاعمش (٤) ابووائل شقیق بن سلمہ الکوفی (٥) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢ ص ٦٦)

حدیث مذکور کا معنی

اس حدیث میں ''السآمۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ملال اور اکتاہٹ ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں صحابہ کو نصیحت کرتے تھے اور تمام اوقات میں نصیحت نہیں کرتے تھے تا کہ صحابہ کو ملال نہ ہو اور وہ اکتا نہ جائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ. (التوبۃ: ١٢٨) جن کو تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں ہے۔

مسلمانوں کی مشقت سے حفاظت' ان کی رعایت اور ان پر شفقت کے متعلق دیگر احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور اسی وقت نماز کی اقامت ہو تو رات کے کھانے سے ابتداء کرو۔ (صحیح البخاری: ۶۷۱' صحیح مسلم: ۵۶۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا کھانا رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے اس کی ابتداء کرو' اور اپنے کھانے سے پہلے نماز نہ پڑھو۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲' صحیح مسلم: ۵۵۷' سنن ترمذی: ۳۵۳' سنن نسائی: ۸۵۲' سنن ابن ماجہ: ۹۳۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۰)

قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے' اس وقت ان کا کھانا لایا گیا' قاسم نماز پڑھنے لگے تو حضرت عائشہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب کھانا آ جائے تو نماز نہ پڑھے اور نہ اس وقت نماز پڑھے جب وہ پیشاب یا پاخانہ کی ضرورت کو روک رہا ہو۔ (صحیح مسلم: ۵۶۰' سنن ابوداؤد: ۸۹)

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جانے کا ارادہ کرے اور جماعت کھڑی ہو تو وہ بیت الخلاء جانے سے ابتداء کرے۔

(سنن ابوداؤد: ۸۸' سنن نسائی: ۸۵۱' سنن ابن ماجہ: ۶۱۶' مسند احمد: ۱۵۹۵۹' دار الفکر' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۲۳)

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ نافع سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک شخص کو اپنے پیٹ میں ریح (گیس) محسوس ہو رہی ہو؟ انہوں نے کہا: جس کے پیٹ میں ریح محسوس ہو رہی ہو وہ اس کو روک کر نماز نہ پڑھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۲۳)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۰۰۰۔ ج ۷ ص ۶۵۸ پر ہے' اس کی شرح کا عنوان ہے: "امت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا بیان" اس کے تحت صرف ایک حدیث کا ذکر ہے۔

۶۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا.

[طرف الحدیث: ۶۱۲۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے ابو التیاح نے حدیث بیان کی' از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: آسان احکام بیان کرو اور مشکل احکام نہ بیان کرو' اور بشارت دو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو۔

(صحیح مسلم: ۱۷۳۴' مسند ابوعوانہ ج ۴ ص ۸۳' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۰۶۶' مسند البزار: ۷۵۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۹۰' مسند ابویعلیٰ: ۴۱۷۲' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۸۴' المعجم الاوسط: ۴۱۲۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۳۳۳۔ ج ۱۹ ص ۳۴۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے دوسرے جز کے ساتھ مطابقت ہے کہ مسلمان اکتا نہ جائیں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن بشار بن عثمان بن داؤد بن کیسان البصری' امام احمد نے کہا: میں نے ان سے پچاس ہزار احادیث لکھی ہیں' ان سے ابراہیم حربی' ابوزرعہ اور ابوحاتم وغیرہ نے روایت کی ہے' یہ ۲۵۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) یحییٰ بن سعید القطان (۳) شعبہ بن الحجاج' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۴) ابو التیاح یزید بن حمید' انہوں نے حضرت انس اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے اور بہت

تابعین سے سماع کیا ہے امام احمد نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت ہیں یہ ۱۲۸ھ میں فوت ہو گئے تھے بہت بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے (۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۸)

آسان احکام کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس حدیث میں حکام اور علماء کے لیے ہدایت ہے کہ وہ عوام کو آسان احکام بیان کریں اور مشکل احکام بیان کر کے لوگوں کو عمل سے دور نہ کریں اور نیک کاموں پر جنت اور ثواب کی خبر سنائیں۔

قرآن مجید میں آسان احکام کے لیے حسب ذیل آیات ہیں:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ. (المائدہ: ۶)

اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو پس اس کو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ملو اللہ تم کو کسی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج: ۷۸)

اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ. (البقرہ: ۱۸۵)

جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں (روزوں کی) تعداد پوری کرنی چاہیے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں کرتا اور تا کہ تم گنتی پوری کرو۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ. (البقرہ: ۱۸۴)

اور جو روزہ رکھنے کی دشواری سے طاقت رکھیں (جیسے شیخ فانی اور دائمی مریض) ان کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا (دو کلو گرام گندم) ہے۔

آسان احکام کے متعلق احادیث

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کے ساتھ نماز پڑھائے کیونکہ ان (نمازیوں) میں کمزور بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے۔ (صحیح البخاری: ۷۰۳ صحیح مسلم: ۴۶۷ سنن ترمذی: ۲۳۶ مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۶)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں فجر کی نماز اس لیے تاخیر سے پڑھتا ہوں کہ فلاں شخص فجر میں بہت لمبی قراءت کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر غضب میں آئے کہ میں نے آپ کو کبھی اس قدر غضب میں نہیں دیکھا پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ دوسروں کو متنفر کرنے والے ہیں سو جو شخص لوگوں کا امام ہو وہ اختصار سے نماز پڑھائے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور بوڑھے اور کسی کام پر جانے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴ مسلم: ۴۶۶ سنن ابن ماجہ: ۹۸۴)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طائف کا امیر بنایا تو مجھے آخری نصیحت

یہ فرمائی: اے عثمان! نماز اختصار کے ساتھ پڑھانا اور جو سب سے کمزور لوگ ہوں' ان کا خیال رکھنا' کیونکہ نمازیوں میں بوڑھے' کم عمر' بیمار' دور جانے والے اور کام پر جانے والے (بھی) ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد: ۵۳۱ 'سنن نسائی: ۶۶۸ 'سنن ابن ماجہ: ۹۸۷ 'مسند احمد: ۴ ۲۱ ۱۶۲ 'دار الفکر)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے احکام میں تخفیف کر دی ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۳۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عمل کو ترک کر دیتے تھے' حالانکہ وہ عمل آپ کو محبوب ہوتا تھا' آپ کو یہ ناپسند ہوتا تھا کہ لوگ اس عمل میں آپ کی اقتداء کریں گے' پھر ان پر وہ عمل فرض کر دیا جائے گا اور آپ کو یہ پسند تھا کہ مسلمانوں پر فرائض میں تخفیف کر دی جائے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۴۰۵۶ 'مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۴۱۳۔ ج ۵ ص ۲۶۵ پر درج ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۲- بَابُ مَنْ جَعَلَ لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَيَّامًا مَّعْلُوْمَةً

جس شخص نے اہل علم کے لیے معین دن مقرر کیے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ اس طرح مناسبت ہے کہ اس باب میں علم اور نصیحت کے معاملہ میں مسلمانوں کی رعایت کرنے کا بیان تھا' تا کہ وہ اکتا نہ جائیں اور اس باب میں معین دنوں میں ان کی تعلیم کا ذکر ہے' تا کہ ہر روز تعلیم دینے سے وہ اکتا نہ جائیں۔

۷۰- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ' عَنْ مَنْصُوْرٍ' عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِیْ كُلِّ خَمِيْسٍ' فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ' لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ' قَالَ اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ' وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ' كَمَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا' مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہم کو جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل' انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہر جمعرات کے دن نصیحت کرتے تھے' ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عبدالرحمان! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز نصیحت کیا کریں' حضرت ابن مسعود نے کہا: لیکن مجھے جو چیز اس سے باز رکھتی ہے' وہ یہ ہے کہ میں تمہیں ملال اور اکتاہٹ میں مبتلا کرنے کو ناپسند کرتا ہوں اور میں نصیحت کرنے میں تمہاری اس طرح حفاظت اور رعایت کرتا ہوں' جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکتاہٹ اور ملال کے خدشہ سے ہماری حفاظت اور رعایت کرتے تھے۔

سوئم اور چہلم وغیرہ کا جواز

اس حدیث کی اطراف اور تخریج حدیث: ۶۸ میں دیکھ لی جائیں اور اس کی شرح بھی وہیں دیکھ لی جائے۔ اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت بھی ظاہر ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود ہر روز نصیحت نہیں کرتے تھے تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں اور انہوں نے وعظ اور نصیحت کے لیے جمعرات کا دن مقرر کر لیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کے لیے اپنی سہولت سے دن مقرر کرنا جائز ہے اور یہ

تعیین عرفی ہے' تعیین شرعی نہیں ہے' جیسے آج کل پانچ نمازوں کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے مقرر کر لیے جاتے ہیں' اسی طرح نفلی صدقہ اور خیرات کے لیے مسلمان اپنی سہولت کے لیے سوئم' چالیسویں اور برسی کا تعین کر لیں یا محفل میلاد کے انعقاد کے لیے یا حضرت غوث اعظم کو ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن معین کر لیں یا نکاح اور ولیمہ کے لیے یا ختم بخاری اور دستارِ فضیلت کے جلسہ کے لیے اپنی سہولت کے لیے کوئی تاریخ مقرر کر لیں تو یہ جائز ہے اور یہ تعیین عرفی ہے اور اس کو ناجائز اور بدعت کہنا خود ناجائز ہے' تاہم ان تاریخوں کو ضروری اور تعیین شرعی جاننا اور دوسری تاریخوں میں ان کاموں کو ناجائز جاننا بدعت اور حرام ہے۔

۱۳- بَابُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرلے' اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں اہل علم کو نصیحت کرنے کا ذکر تھا کہ کیا چیز ان کے دین میں مفید ہے اور کیا چیز مضر ہے اور ایسی نصیحت کرنا فقیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس باب میں فقیہ کی مدح کا ذکر ہے اور وہ کیوں کر ممدوح نہ ہوگا' جب کہ اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرما لیا ہے۔

۷۱- حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ' عَنْ يُوْنُسَ ' عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ' وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ ' وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ' لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ.

[اطراف الحدیث: ۳۱۱۶۔ ۳۶۴۱۔ ۷۳۱۲۔ ۷۴۶۰]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب' وہ کہتے ہیں کہ حمید بن عبدالرحمان نے کہا: میں نے حضرت معاویہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا' وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے' اس کو دین میں فقہ عطا فرماتا ہے اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت سے اس کو ضرر نہیں ہوگا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے (یعنی قیامت)۔

(صحیح مسلم: ۱۰۳۷' سنن ابن ماجہ: ۲۲۱' المعجم الکبیر: ۸۶۰۔ ج۱۹' مسند ابویعلی: ۷۳۸۱' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۳۲' مسند احمد ج ۴ ص ۹۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۶۸۴۴۔ ج ۲۸ ص ۴۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) سعید بن عفیر البصری' انہوں نے امام مالک' ابن وہب' لیث اور دیگر سے سماع کیا ہے' اور ان سے محمد بن یحییٰ الذہلی' امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے سماع کیا ہے' امام ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے ان سے سماع کیا ہے' لیکن یہ ثبت نہ تھے' المقدسی نے کہا: یہ انساب اور تاریخ میں سب سے بڑے عالم تھے' ۲۲۶ھ میں ان کی وفات ہوئی (۲) عبداللہ بن وہب البصری' انہوں نے امام مالک' لیث اور ثوری سے سماع کیا ہے' امام احمد نے کہا: یہ صحیح الحدیث تھے' سماع اور عرض میں فرق کرتے تھے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ تھے' ۱۹۷ھ میں مصر میں فوت ہو گئے (۳) یونس بن یزید الایلی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۵) حمید بن عبدالرحمان بن عوف' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۶) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما' یہ کاتب الوحی

تھے فتح مکہ کے سال اسلام لائے اور ۷۸ سال کی عمر گزار کر ۲۲ رجب ۶۰ ھ میں ان کی وفات ہوگئی انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ۱۶۳ احادیث روایت کی ہیں امام بخاری نے ان میں سے آٹھ احادیث روایت کی ہیں اور امام مسلم نے پانچ احادیث روایت کی ہیں اور چار احادیث کی روایت پر دونوں متفق ہیں ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۷۔ ۷۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں احادیث اور آثار

بعض لوگ حضرت معاویہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان کی تنقیص کرتے ہیں اس لیے ہم ان کے فضائل میں احادیث ذکر کر رہے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ کے لیے دعا کی: اے اللہ! ان کو ھادی اور مھدی بنا اور ان کے سبب سے ہدایت دے۔ (سنن ترمذی: ۳۸۴۲ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۶۔۲۶۵ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۵۳ التاریخ الکبیر ج ۵ ص ۲۴۰ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۵۸ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۷)

رویم بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! میرے ساتھ کشتی لڑیے حضرت معاویہ نے اس کی طرف کھڑے ہو کر کہا: اے اعرابی! میں تیرے ساتھ کشتی لڑوں گا نبی ﷺ نے فرمایا: معاویہ کبھی بھی مغلوب نہیں ہوگا حضرت معاویہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں معاویہ سے کبھی جنگ نہ کرتا۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ۱۳۳۶۵ ج ۶۲ ص ۱۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آسمان کی طرف اتنے ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے کہ آپ کی بغلیں نظر آ رہی تھیں آپ کہہ رہے تھے: اے اللہ! آگ کو معاویہ کے بدن پر حرام کر دے اے اللہ! آگ کو معاویہ کے بدن پر حرام کر دے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ۱۳۳۸۴ ج ۶۲ ص ۶۶۔۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے سامنے اس دروازہ سے ایک شخص آئے گا جو اہل جنت سے ہے تو اس دروازہ سے حضرت معاویہ آئے دوسرے دن پھر آپ نے اسی طرح فرمایا پھر حضرت معاویہ آئے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! وہ یہ ہیں آپ نے فرمایا: ہاں! وہ یہ ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم جنت کے دروازہ پر مجھ سے اس طرح ملو گے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ۱۳۵۰۰ ج ۶۲ ص ۷۰)

یزید بن الاصم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح ہوگئی تو حضرت علی اپنے لشکر کے مقتولوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: یہ جنت میں ہیں پھر حضرت معاویہ کے لشکر کے مقتولین کے پاس گئے اور فرمایا: یہ (بھی) جنت میں ہیں اور ضرور میرے اور معاویہ کے درمیان معاملہ ہوگا پھر میرے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اور معاویہ کی مغفرت کی جائے گی اسی طرح میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۹۷)

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو پس اللہ کی قسم! اگر تم نے معاویہ کو گم کر دیا تو تمہارے کندھوں سے تمہارے سر اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے گویا کہ وہ حنظل (اندرائن) ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۱۰۵)

میمون بن مہران اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جس مرض میں حضرت معاویہ کی وفات ہوئی اس میں انہوں نے بیان کیا

کہ میں رسول اللہ ﷺ کو وضو کرا رہا تھا' آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تم کو قمیص نہ پہناؤں' میں نے کہا: کیوں نہیں' آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' آپ جو قمیص پہنے ہوئے تھے' آپ نے وہ اتار کر مجھے پہنا دی' میں نے اس کو پہنا' پھر اٹھا کر رکھ لیا' آپ نے اپنے ناخن تراشے' میں نے وہ ناخن لے کر ایک شیشی میں رکھ لیے اور وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو وہ قمیص میرے جسم کے ساتھ ملا دینا اور ان ناخنوں کو میری آنکھوں پر رکھ دیا' امید ہے ان کی برکت سے اللہ مجھ پر رحم فرمائے گا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۱۵۶)

فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معانی

اس حدیث میں فرمایا ہے: جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے' خیر کا لفظ شر کی ضد ہے' اس کا معنی ہے: خالص مشقت اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا معنی ہے: دو مقدور چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو واقع کرنا۔

اس کے بعد فرمایا: ''یفقه فی الدین'' یعنی اس کو دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔ ''الفقه'' کا لغوی معنی ہے: دین کی فہم' اور اس کا عرفی معنی ہے: دلائل تفصیلیہ سے احکامِ شرعیہ پر استدلال کرنا' اور اس حدیث میں لغوی معنی ہی مناسب ہے' پھر فقہ کی حسب ذیل تعریفیں ہیں:

الحسن البصری نے کہا: فقیہ وہ شخص ہے' جو دنیا میں زاہد ہو اور آخرت میں راغب ہو' دین پر بصیرت رکھتا ہو اور دائمی عبادت کرتا ہو۔

''المحکم'' میں لکھا ہے: کسی چیز کے علم اور اس کی فہم کو فقہ کہتے ہیں اور اس کا غالب اطلاق علومِ دینیہ پر کیا جاتا ہے۔

ثعلب نے کہا: قرآن مجید ہر علم کی اصل ہے اور اسی سے علماء کو دین کی فقہ حاصل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۷۴)

نبی ﷺ کے قاسم ہونے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں فرمایا: میں تو صرف قاسم ہوں اور عطا' اللہ فرماتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اور بھی صفات ہیں' آپ نبی اور رسول ہیں' بشیر اور نذیر ہیں' پھر یہ کیوں فرمایا: میں تو صرف قاسم ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد قصر قلب ہے یعنی میں عطا نہیں کرتا۔ عطا تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے' میں تو صرف اس عطا کی تقسیم کرتا ہوں' اور کیا تقسیم کرتا ہوں یہ نہیں فرمایا' تاکہ آپ کی تقسیم صرف فقہ میں منحصر نہ ہو' اللہ تعالیٰ ہر چیز عطا کرتا ہے' خواہ وہ علم ہو یا مال اور میں ہر چیز کو تقسیم کرتا ہوں خواہ وہ علم ہو یا مال ہو' اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے اس حدیث کو ''باب العلم'' میں بھی ذکر کیا ہے اور ''باب الغنیمة'' میں بھی ذکر کیا ہے' بلکہ حق یہ ہے کہ ابتداءِ آفرینش عالم سے جس کو جو کچھ ملا' وہ آپ کی تقسیم سے ملا اور آپ کی تقسیم سے ملے گا۔

اور اس حدیث میں فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا اور کسی کی مخالفت سے اس کو ضرر نہیں ہوگا' امام احمد نے کہا: اس گروہ سے مراد محدثین ہیں' قاضی عیاض نے کہا: اس گروہ سے مراد اہل السنۃ والجماعت ہیں' علامہ نووی نے کہا: اس گروہ کی کئی شاخیں ہیں' بعض مجاہد ہیں' بعض فقہاء ہیں' بعض محدث ہیں اور بعض زاہدین ہیں۔

حجیت اجماع پر احادیث سے دلائل

اس حدیث میں فرمایا: یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی' یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے۔ حجیت اجماع پر یہ حدیثیں بھی دلیل ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت گم راہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔

(السنۃ لابی عاصم: ۸۶' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۷ ۳' سنن دارمی ج ۱ ص ۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گم راہی پر مجتمع نہیں فرمائے

گا۔(سنن ترمذی:۲۵۰۶ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۱۰ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۹۶ اللئالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۲۲۸ حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۸۶)

نیز اس حدیث میں فقہ کی تمام علوم پر فضیلت ہے اور یہ فضیلت اس وقت ہے جب فقیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور علم کے تقاضوں پر عمل کرے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے کہ یہ امت قیامت تک اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور الحمد للہ! علماء حق کی جماعت اسی طرح دین پر قائم ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۸۷۔۷۴ ملخصا وموضحا ومخرجا)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم:۲۲۸۵۔ج ۲ ص ۹۵۸ پر ہے اس کی شرح کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) سوال کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل (۲) دورِ فاروقی میں روایت حدیث میں احتیاط (۳) فقہ کی فضیلت (۴) ''انما انا قاسم'' کی تشریح۔

۱۴ - بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ — علم کی فہم

اس عنوان پر یہ اعتراض ہے کہ علم اور فہم کا ایک معنی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علم سے مراد ہے: معلوم اور اس عنوان کا خلاصہ ہے: معلومات کا ادراک اور اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں فقہ کا ذکر تھا اور ہم بتا چکے ہیں کہ فقہ کا معنی فہم ہے۔

۷۲- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ، فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا، قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَسَكَتُّ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں علی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: مجھ سے ابن ابی نجیح نے کہا از مجاہد انہوں نے کہا: میں مدینہ تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہا میں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک حدیث سنی انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس کھجور کے درخت کا گوند لایا گیا جو چربی سے مشابہ ہوتا ہے آپ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے جو مسلم کے مشابہ ہے میرے دل میں آیا کہ میں کہوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں حاضرین میں سب سے چھوٹا تھا میں خاموش رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

حدیث:۶۱ میں اس حدیث کی تخریج اور شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سمعانی نے کہا: یہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا علم رکھنے والے تھے ان سے امام احمد امام بخاری اور امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ ۲۳۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) سفیان بن عیینہ ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عبداللہ بن یسار ابونجیح یحییٰ القطان نے کہا: یہ منکر تقدیر تھے ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ اور صالح الحدیث تھے یحییٰ نے کہا: ابن ابی نجیح اپنی بدعت کے بہت بڑے مبلغ تھے یہ ۱۳۱ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) مجاہد بن جبر المخزومی یہ تابعین کے طبقہ ثانیہ میں سے ہیں اور فقہاء اہل مکہ سے ہیں ان کی امانت اور توثیق پر اتفاق ہے انہوں نے حضرت ابن عباس حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے امام بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے سماع میں اختلاف

ہے' یہ ۸۳ سال کی عمر میں ۱۰۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کا تعارف گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۸۰۔۷۹)

۱۵- بَابُ الْإِغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ — علم اور حکمت میں رشک کرنا

باب سابق اور اس باب میں یہ مناسبت ہے کہ باب سابق علم کی فہم میں تھا اور جس شخص میں جس قدر زیادہ علم کی فہم ہوتی ہے' وہ اسی قدر زیادہ قابل رشک ہوتا ہے۔

وقال عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا.

امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا: سیادت (منصب) کے حصول سے پہلے فقہ حاصل کرو۔

حضرت عمر کا یہ ارشاد اس سند سے مروی ہے:

ابن عون از ابن سیرین از احنف' انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا: سیادت کے حصول سے پہلے فقہ حاصل کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۱۰۷' ج ۵ ص ۲۸۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ سیادت حاصل کرنے کے بعد آدمی کو علم حاصل کرنے سے شرم آئے گی اور اگر بغیر علم کے منصب پر بیٹھے گا تو غلط فیصلہ کرے گا' اس لیے حصولِ منصب سے پہلے اس کا علم حاصل کرے' ہمارے ملک میں سینٹ اور قومی اسمبلی کے ممبران اسلامی قانون بناتے ہیں اور ان کو اسلام کے اصول اور فروع کا کوئی علم نہیں ہوتا' اور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج احکامِ شرعیہ کے مطابق فیصلے کرتے ہیں' حالانکہ وہ مختصر القدوری سے بھی نابلد ہوتے ہیں۔

قَال اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَبَعْدَ اَنْ تُسَوَّدُوْا وَقَدْ تَعَلَّمَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كِبَرِ سِنِّهِمْ.

امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: اور حصولِ منصب کے بعد علم حاصل کرو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بڑی عمر کے بعد بھی علم حاصل کیا۔

۷۳- حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ خَالِدٍ عَلٰى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِيْ اِثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ' وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.

[اطراف الحدیث: ۱۴۰۹۔ ۷۱۴۱۔ ۷۳۱۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابی خالد نے حدیث بیان کی' اس کے سوا جو ہم کو زہری نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے قیس بن ابی حازم سے سنا' انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا' وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد (رشک) صرف دو آدمیوں میں کیا جائے' ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو مصارف حق میں خرچ کرے' دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت عطا کی ہو اور وہ اس حکمت (علم) کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو تعلیم دے۔

(صحیح مسلم: ۸۱۶' سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۸' مسند الحمیدی: ۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۴۰' مسند ابو یعلیٰ: ۵۰۷۸' صحیح ابن حبان: ۹۰' المعجم الاوسط: ۱۷۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۶۳' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۸۸' شعب الایمان: ۷۵۲۸' شرح السنۃ: ۱۳۸' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۳۹۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵ طبع

تقدیم مسند احمد: ۱۳۶۵۱۔ج ۶ ص ۱۶۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: علم میں رشک کرنا اور حدیث میں بھی اسی کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے تمام رجال کا تعارف ہو چکا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۸۴)

حسد اور رشک کا معنی

اس حدیث میں حسد کا لفظ ہے' حسد کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی میں کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس شخص کی یہ نعمت زائل ہو جائے' خواہ اس کو وہ نعمت ملے یا نہ ملے' اس کے مقابلہ میں ''الغبطة'' (رشک کرنا ہے)' اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی میں کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت برقرار رہے اور اس کو بھی یہ نعمت مل جائے اور اس کا معنی صاحب نعمت اور صاحب کمال کی تعریف اور تحسین کرنا ہے' حسد کرنا حرام اور رشک کرنا مستحسن ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَO (الفلق:۵) میں ہر حاسد کے حسد سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوںO

حسد کی مذمت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم حسد کرنے سے بچو' کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے' جس طرح آگ لکڑیوں کو اور خشک گھاس کو کھا جاتی ہے۔(سنن ابوداؤد: ۴۹۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم سوار ہو کر مناظر سفر سے عبرت حاصل نہیں کرتے' مسلمانوں نے کہا: جی ہاں! پھر وہ سب سوار ہو کر گئے' انہوں نے ایسے مکان دیکھے' جن کے رہنے والے فنا ہو چکے تھے اور ان کے مکان ان کی چھتوں پر گرے ہوئے تھے' آپ نے پوچھا: کیا تم ان مکانوں کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: میں ان مکانوں کو اور ان کے رہنے والوں کو نہیں پہچانتا' آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ تھے' جن کو بغاوت اور حسد نے ہلاک کر دیا' بے شک حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور بغاوت اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے' اور آنکھ زنا کرتی ہے (یعنی اس پر ابھارتی ہے) اور ہاتھ پیر' جسم اور زبان اس کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب کرتے ہیں۔(سنن ابوداؤد: ۴۹۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔(صحیح البخاری: ۶۰۶۵' صحیح مسلم: ۲۵۵۹' سنن ترمذی: ۱۹۳۵' سنن ابوداؤد: ۴۹۱۰)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۷۹۳۔ج ۲ ص ۵۹۲ پر مذکور ہے اور اس کی شرح میں صرف رشک اور حسد کا معنی بیان کیا گیا ہے۔

۱۶- بَابُ مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ

اس کا ذکر کہ حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمندر میں حضرت خضر کی طرف گئے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں علم پر رشک کرنے کا ذکر کیا گیا تھا اور اس باب میں علم کے حصول کے لیے ان کی طرف جانے کا ذکر ہے۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکہف:٦٦).

امام بخاری کہتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "کیا میں آپ کی اس لیے اتباع کروں کہ آپ مجھے بھلائی کا وہ علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہےO" (الکہف:٦٦)۔

امام بخاری نے اس آیت سے علم کی فضیلت پر استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کے حصول کے لیے سمندر کے پرخطر سفر کو اختیار کیا اور علماء کی اتباع کرنے پر استدلال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عظیم الشان نبی نے بھی حصول علم کی خاطر حضرت خضر علیہ السلام کو اپنی اتباع کی پیش کش کی اور اپنی اتباع کرنے کا پہلے ذکر کیا اور طلب علم کا بعد میں ذکر کیا اور یہ نہیں کہا کہ آپ مجھے اپنا پورا علم سکھا دیں بلکہ یہ کہا کہ آپ کو جو علم دیئے گئے ہیں ان میں سے کچھ علم مجھے عطا فرما دیں اور یہ استاذ کا غایت ادب اور احترام ہے۔

٧٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَ اَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ خَضِرٌ، فَمَرَّ بِهِمَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ اِنِّيْ تَمَارَيْتُ اَنَا وَصَاحِبِيْ هٰذَا فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى، الَّذِيْ سَاَلَ مُوْسَى السَّبِيْلَ اِلٰى لُقِيِّهٖ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَاْنَهُ؟ قَالَ نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَمَا مُوْسٰى فِيْ مَلَاٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ، جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ مُوْسٰى لَا، فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى مُوْسٰى بَلٰى، عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَاَلَ مُوْسَى السَّبِيْلَ اِلَيْهِ فَجَعَلَ اللّٰهُ لَهُ الْحُوْتَ اٰيَةً، وَقِيْلَ لَهُ اِذَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَارْجِعْ فَاِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، وَكَانَ يَتَّبِعُ اَثَرَ الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوْسٰى فَتَاهُ ﴿اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن غریر الزہری نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب انہوں نے حدیث بیان کی کہ عبید اللہ بن عبداللہ نے ان کو خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ان کی حر بن قیس بن حصن الفزاری سے صاحب موسیٰ کے متعلق بحث ہوئی حضرت ابن عباس نے کہا: صاحب موسیٰ حضرت خضر تھے ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ گزرے حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا اور کہا: میرے اور میرے اس ساتھی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بحث ہوئی ہے جن سے ملاقات کے راستہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تھا کیا آپ نے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کچھ فرمایا تھا؟ حضرت ابی نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے ایک شخص نے آ کر ان سے سوال کیا: کیا آپ کو علم ہے کہ آپ سے بڑا کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا: نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی: کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر (تم سے بڑا عالم) ہے پس حضرت موسیٰ نے ان کے راستہ کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان کے لیے نشانی بنا دیا اور ان سے کہا گیا: جس جگہ آپ اس مچھلی کو

كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (الکہف: ٦٤ـ ٦٣) فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَاْنِهِمَا الَّذِيْ قَصَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ كِتَابِهٖ.

[اطراف الحدیث: ۷۸ـ ۱۲۲ـ ۲۲۶۷ـ ۲۷۲۸ـ ۳۲۷۸ـ ۳۴۰۰ـ ۳۴۰۱ـ ۴۷۲۵ـ ۴۷۲۶ـ ۴۷۲۷ـ ۶۶۷۲ـ ۷۴۷۸]

(صحیح مسلم: ۶۱۱۵' سنن ترمذی: ۳۱۴۹' سنن کبریٰ للنسائی: ۱۱۳۰۹' صحیح ابن حبان: ۱۰۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۱۱۰۹ـ ج ۳۵ ص ۳۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

گم پائیں' وہیں سے لوٹ جائیں تو عنقریب آپ کی ان سے ملاقات ہوگی' وہ سمندر میں مچھلی کے نشان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے تو حضرت موسیٰ سے ان کے شاگرد (حضرت یوشع بن نون) نے کہا: "کیا آپ نے ابھی دیکھا' جب ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے' وہیں میں مچھلی (کا ذکر کرنا) بھول گیا تھا' اور مجھے دراصل شیطان نے اس کا ذکر کرنا بھلا دیا تھاO حضرت موسیٰ نے کہا: ہم اسی کی تو تلاش میں تھے' پھر وہ اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے لوٹےO" (الکہف: ۶۴ـ ۶۳) پھر ان دونوں نے حضرت خضر کو پالیا' پھر ان کے مکالمہ کا وہ قصہ ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں حضرت موسیٰ کے سمندر کے راستہ میں حضرت خضر سے حصولِ علم کے لیے جانے کا ذکر ہے اور یہی باب کا عنوان تھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن غریر الفربری' انہوں نے یعقوب بن ابراہیم اور مطرف بن عبداللہ نیشاپوری سے سماعت کی ہے' اور ان سے امام بخاری نے روایت کی ہے' باقی کتب ستہ میں ان سے روایت کی ہے (۲) یعقوب بن ابراہیم بن سعد المدنی' یہ اپنے والد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں' اور ان سے امام احمد اور یحییٰ بن معین نے روایت کی ہے' ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور مامون ہیں' شوال ۲۰۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) یعقوب بن ابراہیم کے والد یعنی ابراہیم بن سعد (۴) ابراہیم بن کیسان (۵) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (۶) عبیداللہ بن عبداللہ (۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۸) حر بن قیس الفزاری' یہ عیینہ بن حصن کے بھائی ہیں' یہ اس وفد میں سے ایک ہیں' جو غزوہ تبوک سے واپسی کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور یہ حضرت عمر کی مجلس میں بیٹھنے والے تھے (۹) حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ' یہ اس امت میں سب سے بڑے قاری ہیں' عقبہ اور بدر کے حاضرین میں سے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ابی بن کعب سید المسلمین ہیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۶۴ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ان میں سے تین پر متفق ہیں' امام بخاری ۴ کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۷ کے ساتھ' ۱۹ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے' دوسرا قول ۲۰ھ کا اور تیسرا قول ۳۰ھ کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۳ـ ۹۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعارف

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے' ان کا تعارف حسب ذیل ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام ہے: عمران بن یصھر بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

جس وقت عمران کی عمر ۷۰ سال تھی' اس وقت حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور عمران ۱۳۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے' اور حضرت موسیٰ کی عمر ۱۲۰ سال تھی' الفربری نے کہا: وہ ۱۶۰ سال کی عمر میں میدانِ تیہ میں فوت ہوئے' طوفانِ نوح کے ۱۶۲۰ سال بعد ان کی وفات ہوئی' جب وہ بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے روانہ ہوئے تھے' اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی' ۴۰ سال میدانِ تیہ میں رہے۔

جب الریان بن الولید فوت ہو گیا' جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانوں کا امیر بنایا تھا اور ان کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا' اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ ہوا' اس کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اسلام کی دعوت دی تھی' وہ اسلام نہیں لایا' وہ ظالم بادشاہ تھا' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا' پھر وہ بادشاہ ہلاک ہو گیا' پھر اس کے بعد اس کا بھائی الولید بن مصعب بن ریان بادشاہ ہوا' اس کی حکومت کے ایام بہت طویل تھے' حتیٰ کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا' جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا' اس سے زیادہ سرکش اور اس سے زیادہ لمبی عمر والا اور کوئی بادشاہ نہیں گزرا تھا' وہ چار سو سال زندہ رہا' حضرت موسیٰ کا نام موشی کا معرّب ہے' فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے ان کا یہ نام رکھا تھا' عبرانی زبان میں ''مو'' کا معنی ہے: پانی اور ''شے'' کا معنی ہے: درخت' حضرت موسیٰ کی والدہ نے ان کو تابوت میں رکھ کر اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا تھا' پھر وہ تابوت بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا اور یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر پرورش پائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۸۹)

حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف

اس حدیث میں حضرت خضر علیہ السلام کا بھی ذکر ہے' ان کا تعارف حسب ذیل ہے:

حضرت خضر کے نام میں کئی اقوال ہیں' ابن قتیبہ نے ''المعارف'' میں لکھا ہے: ان کا نام بلیاء ہے' ابوحاتم بجستانی نے کہا: ان کا نام خضرون ہے' مقاتل نے کہا: ان کا نام ارمیاہ ہے۔

ان کا لقب خضر ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سفید چادر پر بیٹھتے تو اس کے پیچھے سبزہ اگ جاتا' مجاہد نے کہا: جب وہ نماز پڑھتے تو ان کے اردگرد کی چیزیں سبز ہو جاتیں۔

ان کے زمانہ میں بھی اختلاف ہے' ایک قول ہے کہ وہ افریدون کے زمانہ میں تھے' جو ذوالقرنین اکبر کا سپاہی تھا' ثعلبی نے کہا ہے کہ وہ ذوالقرنین کے وزیر تھے اور انہوں نے آب حیات پی لیا تھا' ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ افریدون کے زمانہ سے پہلے تھے' حتیٰ کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پا لیا۔

حضرت خضر کے ولی یا نبی ہونے میں بھی اختلاف ہے' صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں' کیونکہ انہوں نے کہا:

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ. (الکہف: ۸۲) میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے۔

یعنی جن کاموں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیے تھے' وہ سب کام انہوں نے اپنی رائے سے نہیں کیے تھے بلکہ وحی سے کیے تھے اور وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے' ورنہ الہام کی بناء پر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے یا کسی کی کشتی توڑنا جائز نہیں ہے۔

* ان کی حیات میں بھی اختلاف ہے' جمہور ان کی حیات کے قائل ہیں اور محققین کہتے ہیں: ان کی وفات ہو چکی ہے' اس کی تفصیل جاننے کے لیے شرح صحیح مسلم: ۶۰۴۲ - ج ۶ ص ۸۵۹ - ۸۵۳ کا مطالعہ فرمائیں' نیز ان تمام مباحث کی مکمل تفصیل جاننے کے لیے تبیان القرآن ج ۷ ص ۱۷۱ - ۱۵۰' الکہف: ۶۵ - ۶۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

مسائل علمیہ میں بحث کرنے اور طلب علم کے لیے سفر کرنے کے آداب اور مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل علمیہ میں بحث کرنا جائز ہے' جیسا کہ حضرت ابن عباس اور حر بن قیس الفزاری میں بحث ہوئی اور جب دو علماء میں اختلاف ہو تو کسی تیسرے بڑے عالم سے فیصلہ کرا لینا چاہیے' جیسے حضرت ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب سے فیصلہ کرایا اور کسی عالم کو اپنے موقف پر ضد نہیں کرنی چاہیے۔

انسان کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو' اس کو مزید علم کی جستجو میں رہنا چاہیے اور کسی سے علم حاصل کرنے میں تکلف اور جھجک سے کام نہیں

لینا چاہیے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے حصول علم کے لیے روانہ ہو گئے' اور سفر میں اپنے ساتھ اپنے شاگرد کو بھی لیا اور کھانے پینے کی چیزیں بھی ہمراہ لیں اور یہ تمام چیزیں توکل کے عین مطابق ہیں' خلاف نہیں ہیں۔

۱۷- بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: ''اے اللہ! اس کو کتاب کا علم سکھا''

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں حضرت ابن عباس کی حر بن قیس کے ساتھ علمی بحث کا ذکر تھا اور اس باب میں حضرت ابن عباس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کا ذکر ہے' جس کی طرف عنوان میں اشارہ کیا ہے۔

۷۵- حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ' عَنْ عِكْرِمَةَ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ. [اطراف الحدیث: ۱۴۳-۳۷۵۶-۷۲۷۰]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو کتاب کا علم سکھا۔

(صحیح مسلم: ۲۴۷۷' سنن ترمذی: ۳۸۲۴' سنن ابن ماجہ: ۱۶۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۳۷۹- ج ۵ ص ۲۷۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے کیونکہ اس حدیث میں وہی دعا مذکور ہے' جو عنوان میں ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابو معمر عبد اللہ بن عمرو البصری' یہ حافظ اور حجت ہیں' انہوں نے عبد الوارث الدراوردی وغیرہ سے سماع کیا ہے' ان سے ابو حاتم رازی اور امام بخاری وغیرہ نے سماع کیا ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ اور عاقل اور منکر تقدیر تھے' ۲۲۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) عبد الوارث بن سعید التمیمی العنبری' یہ ایوب السختیانی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں' ابن سعد نے کہا: یہ ثقہ اور حجت تھے' یہ بصرہ میں محرم ۱۸۰ھ میں فوت ہو گئے (۳) خالد بن مہران الحذاء (موچی) یہ موچیوں کے ساتھ بیٹھتے تھے' لیکن انہوں نے یہ کام نہیں کیا' یہ تابعی ہیں' انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے' ابو حاتم رازی نے کہا: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے' اس سے استدلال نہیں کیا جاتا' یحییٰ اور احمد نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۱۴۱ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں (۴) عکرمہ ابو عبد اللہ المدنی' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں' بربر اہل مغرب سے ہیں' انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور بہت سے صحابہ سے سماع کیا ہے' یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے علماء میں سے ہیں' ان سے خالد الحذاء اور بہت لوگ روایت کرتے ہیں' کہا گیا ہے کہ ان کی رائے خوارج کے موافق تھی' نافع وغیرہ نے ان کو جھوٹا کہا' امام بخاری نے ان پر اعتماد کیا ہے' ان کی احادیث روایت کرنے کی وجہ سے امام بخاری پر عیب لگایا گیا ہے' تاہم ان کی تعدیل میں بہت اقوال ہیں (۵) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۹-۹۸)

حضرت ابن عباس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجوہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ لپٹایا اور میرے لیے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے فضائل صحابہ میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے سینہ کے ساتھ لپٹایا اور یہ دعا کی: اے اللہ! اس کو حکمت کا علم عطا فرما۔ (صحیح البخاری:۳۷۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس اس وقت سمجھ دار لڑکے تھے اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ اپنے رشتہ دار بچہ کو شفقت سے سینہ کے ساتھ لگانا جائز ہے۔

اس دعا کا سبب امام بخاری نے ''کتاب الطھارۃ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: نبی ﷺ بیت الخلاء گئے تو میں نے آپ کے لیے پانی رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا: یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ آپ کو خبر دی گئی تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو دین میں سمجھ عطا فرما۔ (صحیح البخاری:۱۴۳) اور صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے: جب آپ بیت الخلاء سے باہر آئے تو آپ نے پوچھا: یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: میں نے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو سمجھ عطا فرما۔

(صحیح مسلم:۲۴۷۷)

نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تکریم جائز اور صحیح ہے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کا خوش ہونا۔۔۔۔ اور شیخ اسماعیل دہلوی کی گستاخانہ عبارت کا رد

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس دعا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے شب کے معمولات دیکھنے کے لیے ایک رات گزاری' جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب آئے گا' اس میں امام احمد نے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز میں نبی ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا سبب ہے کہ میں تمہیں اپنے آگے کرتا تھا اور تم میرے پیچھے ہو جاتے تھے؟ تو میں نے کہا: کیا کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں آپ کے آگے ہو جائے' حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں' تب آپ نے میرے لیے یہ دعا کی کہ اللہ میرے علم اور فہم میں اضافہ فرمائے۔ (فتح الباری ج۱ ص ۶۲۵' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام احمد کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے' اس کا متن اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں رات کے آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی' آپ نے مجھے (بائیں جانب سے دائیں جانب کھڑا کرنے کے لیے) میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھسیٹا اور مجھے اپنے آگے کیا' پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے لگے تو میں پیچھے آ گیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے فرمایا: اس کا کیا سبب ہے کہ میں تمہیں اپنے آگے کرتا تھا تو تم میرے پیچھے ہو جاتے تھے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں آپ سے آگے ہو جائے حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کو اللہ نے اتنا مرتبہ عطا کیا ہے! میرے اس جواب سے رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور میرے لیے یہ دعا کی کہ اللہ میرے علم اور فہم کو زیادہ فرمائے۔ الحدیث

شعیب الارنؤط نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(حاشیہ مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۸) (مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۰۶۰' ج ۵ ص ۱۷۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تکریم کرنا جائز اور صحیح ہے' اس عمل سے رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے

اور آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی اور شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ کا یہ لکھنا قطعاً باطل اور مردود ہے:
اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں' اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے' کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو' وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔ (صراط مستقیم اردو ص ۱۵۰' ملک سراج دین لاہور' صراط مستقیم فارسی ص ۸۶' المکتبۃ السلفیہ لاہور۔ ۲)

نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے' اس دوران نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن کی درخواست پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کر دی' اثناء نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے اور آپ صفوں سے گزر کر پہلی صف میں کھڑے ہو گئے' پھر لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارے اور حضرت ابوبکر نماز میں اِدھر اُدھر توجہ نہیں کرتے تھے' جب لوگوں نے بہت زیادہ ہاتھ پر ہاتھ مارے تو حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم کھڑے رہو' حضرت ابوبکر نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا' پھر حضرت ابوبکر پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی' نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! جب میں نے تم کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا' تم کو کس چیز نے منع کیا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۴' صحیح مسلم: ۴۲۱' الرقم المسلسل: ۹۲۴' سنن ابوداؤد: ۹۴۰' سنن نسائی: ۷۸۴)

اور تمام دنیا کے مسلمان جب نماز کے تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہتے ہیں تو نماز میں آپ کی تکریم کرتے ہیں' کیونکہ علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ آپ کو سلام کرنے کے قصد سے نماز میں آپ کو سلام کرے' نہ کہ حکایت معراج کے قصد سے اور سلام تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۳' داراحیاء التراث العربی بیروت)

''سنن ترمذی'' اور ''سنن ابن ماجہ'' میں حضرت ابن عباس کے لیے جو دعا کی ہے اور ''صحیح بخاری'' میں جو دعا کی ہے' ان کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے کتاب کے علم کے حصول کی دعا کی' اس کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' یعنی ان کو قرآن مجید کے معانی اور دین کے احکام کا علم عطا فرما۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے دو مرتبہ یہ دعا کی ہے کہ اللہ مجھے حکمت عطا فرمائے۔ (سنن ترمذی: ۳۸۲۳)

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات ہوں' ایک مرتبہ آپ نے ان کے لیے کتاب کے علم کی دعا فرمائی ہو اور دوسری بار دو مرتبہ حصول حکمت کے لیے دعا فرمائی' ہو اور کتاب سے مراد قرآن ہو اور حکمت سے مراد سنت ہو' یعنی جن کاموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے عمل کے لیے معین فرما دیا' قرآن مجید کے علم سے مراد یہ ہے کہ جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حلال یا حرام فرما دیا اور جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا' یا ان سے منع فرما دیا ان کا علم' اور حکمت سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا علم اور آپ نے قرآن مجید کے جن مجمل احکام کی تفصیل بیان فرمائی ہے ان کا علم۔

امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اس حدیث کواس طرح روایت کیا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینہ سے لگا کر یہ دعا کی: اے اللہ! اس کو حکمت کا اور کتاب کی تاویل کا علم عطا فرما۔ (سنن ابن ماجہ:۱۶۶)

کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس کے حق میں دعا قبول نہ ہوئی ہو؟

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول نہ ہوئی ہو؟ میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عام اللہ کے ولی کی دعا کو بھی ضرور بالضرور قبول فرماتا ہے حدیث میں ہے:

وان سئلنی لاعطینہ. اگر میرا بندہ مقرب مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور بہ ضرور عطا فرماتا ہوں۔

(صحیح البخاری:۶۵۰۲ صحیح ابن حبان:۳۴۷ کتاب الاسماء والصفات:۴۹۱ مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶ مسند ابویعلیٰ:۷۰۸۷ سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۶ المعجم الاوسط:۶۱۳ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵ صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵ مشکوٰۃ:۲۲۶۶)

اور جب اللہ تعالیٰ عام عباد مقربین کی دعا کو بھی رد نہیں فرماتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور سید الانبیاء کی دعا کو قبول نہ فرمائے جب کہ اللہ ہر نبی کی دعا کو قبول فرماتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ قسم کے لوگوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے: (۱) اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا (۳) جبر سے حکومت پر قبضہ کرنے والا تاکہ ان کو عزت دے جن کو اللہ نے ذلیل کیا اور ان کو ذلیل کرے جن کو اللہ نے عزت دی ہے (۴) اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے والا (۵) اور میری اولاد میں جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کو حلال کرنے والا (۶) اور میری سنت کو (اہانتاً) ترک کرنے والا۔ (سنن ترمذی:۲۱۵۴ المعجم الاوسط:۱۶۸۸ المعجم الکبیر:۲۸۸۳)

اور چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوگئی تھی اسی وجہ سے حضرت ابن عباس قرآن مجید کے عالم ہیں حبر الامت اور بحر علم ہیں رئیس المفسرین اور ترجمان القرآن ہیں اور قرآن اور سنت کے علماء راسخین میں سے ہیں۔

* اس باب کی حدیث مذکور شرح صحیح مسلم:۶۲۴۶۔ ج ۶ ص ۱۱۴۳ پر مذکور ہے اور وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سوانح۔

۱۸- بَابُ مَتٰى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيْرِ — کم سن کا سماع حدیث کب صحیح ہوتا ہے؟

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ذکر تھا اس وقت حضرت ابن عباس کم سن تھے اور سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور اس باب میں یہ ذکر ہے کہ جو لڑکا کم سن ہو اور وہ سن شعور کو پہنچ چکا ہو وہ حدیث کا سماع کر سکتا ہے۔

سماع حدیث کی عمر کے تعین کی تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ سماع حدیث کی مدت کم سے کم پندرہ سال ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو غزوۂ احد سے واپس کر دیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کم تھی امام احمد نے کہا: جب لڑکا سن شعور کو پہنچ جائے اور وہ سنی ہوئی بات کو سمجھ سکے تو اس کے لیے

حدیث کا سماع صحیح ہے اور حضرت ابن عمر کو اس لیے واپس کیا گیا تھا کہ وہ جہاد اور قتال کا موقع تھا اور خطیب بغدادی نے بہ کثرت ایسی احادیث کو جمع کیا ہے' جن کو صحابہ نے کم عمر میں سنا تھا۔ حضرت البراء بن عازب بھی جنگ بدر میں پندرہ برس سے کم تھے' اس لیے ان کو بھی واپس کر دیا گیا تھا' کیونکہ جنگ میں زیادہ قوت اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی حد پندرہ سال ہے' اور سماع حدیث کے لیے اتنی عمر کافی ہے' جس میں لڑکا بات کو سمجھ سکے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۲۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اہل صفہ نے ۵ سال سماع حدیث کی حد مقرر کی ہے کیونکہ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ۵ سال کی عمر میں حدیث سنی اور اس کو روایت کیا اور ابن الصلاح نے کہا: تمام محدثین کے نزدیک ۵ سال کی عمر سماع حدیث کے لیے معیار ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ سماع حدیث کے لیے کسی سن کا تعین نہ کیا جائے' جب بھی لڑکے کی عمر اتنی ہو کہ وہ بات سمجھ سکے' اس کا سماع حدیث صحیح ہے' خواہ اس کی عمر پانچ سال سے کم ہو' ابراہیم بن سعد الجوہری نے کہا: مامون کے پاس ایک چار سال کا بچہ لایا گیا' جو قرآن پڑھتا تھا اور اس کو بھوک لگتی تو وہ روتا تھا' اور ابو محمد عبداللہ بن محمد اصبہانی نے پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور ابو بکر بن المقری چار سال کی عمر میں حدیث کا سماع کرتے تھے' اور حضرت محمود بن الربیع کی حدیث سماع حدیث کے تعین کی دلیل نہیں ہے۔

۷۶- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ اُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ اَتَانٍ، وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ، فَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے کہا: میں گدھے (یا) گدھی پر سوار تھا اور اس وقت میں بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں بغیر کسی دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے' میں کسی صف کے سامنے سے گزرا اور میں نے گدھی کو چرنے چھوڑ دیا' پھر میں صف میں داخل ہو گیا تو کسی نے مجھ پر انکار نہیں کیا۔

[اطراف الحدیث: ۴۹۳-۸۶۱-۱۸۵۷-۴۴۱۲]

(صحیح مسلم: ۵۰۴' سنن ابوداؤد: ۷۱۵' سنن ترمذی: ۳۳۷' سنن نسائی: ۷۵۱' سنن ابن ماجہ: ۹۴۷' مسند الحمیدی: ۴۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۸' منتقی ابن الجارود: ۱۷۸' مسند ابویعلی: ۲۳۸۲' صحیح ابن خزیمہ: ۸۳۳' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۵۴' سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۷۶' مصنف عبدالرزاق: ۲۳۵۷' صحیح ابن خزیمہ: ۸۳۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۸۹۱' ج ۳ ص ۳۷۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت ابن عباس کی اس روایت کی وجہ سے بعض علماء نے بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے گزرنے کو جائز قرار دیا ہے اور یہ حضرت ابن عباس کے بچپن کا وقت تھا' اس سے معلوم ہوا کہ جب بچہ کسی حدیث کو بلوغ سے پہلے سنے اور بالغ ہونے کے بعد اس حدیث کو روایت کرے تو وہ روایت صحیح ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں:

(۱) اسماعیل بن عبداللہ' جو ابن ابی اویس کے نام سے مشہور ہیں (۲) امام مالک (۳) ابن شہاب (۴) عبید اللہ بن عبداللہ

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۲)

حدیث مذکور کے معانی اور مسائل

اس حدیث میں مذکور ہے: میں گدھے' گدھی پر سوار تھا' دراصل حضرت ابن عباس نے پہلے گدھے کہا' پھر ان کو خیال آیا کہ وہ گدھی تھی' اس کو اصطلاح میں ''بدل الغلط'' کہتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم سن کا حدیث کو سننا اور اس کی روایت کرنا صحیح ہے اور جس طرح بچہ کم عمر میں کوئی حدیث سنے اور بڑا ہو کر اسے بیان کر سکتا ہے' اسی طرح کافر کوئی حدیث سنے اور اسلام لانے کے بعد اس کو بیان کرے تو وہ بھی صحیح ہے' جیسے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں ھرقل سے جو مکالمہ کیا' اس کو اسلام لانے کے بعد روایت کر دیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان کوئی غلط کام کرے' اس کے بعد کوئی درست کام کرے تو اس کا تدارک ہو جاتا ہے' حضرت ابن عباس کا نمازیوں کی صف کے آگے سے گدھی پر سوار ہو کر گزرنا غلط کام تھا اور جب وہ نماز کی صف میں داخل ہو گئے تو یہ درست کام تھا اور اس سے پہلی غلطی کا تدارک ہو گیا' اسی لیے کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گدھا گزر جائے تو اس سے اس کی نماز نہیں ٹوٹتی اور اس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے' جو کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے عورت یا کتا یا گدھا گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے' اور اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ اس سے نمازی کا خشوع منقطع ہو جاتا ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہے تھے' اس صورت میں بغیر سترہ کے نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز نہیں ہے اور حضرت ابن عباس کو کسی نے اس لیے منع نہیں کیا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ پر ان کی نظر نہ پڑی ہو۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۰۲۶۔ ج ۱ ص ۱۳۱۷ پر مذکور ہے اور اس کی شرح میں سترہ کی تعریف اور اس کا حکم بیان کیا ہے۔

۷۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُسْهِرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِيْ وَجْهِيْ، وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ، مِنْ دَلْوٍ.

[اطراف الحدیث: ۱۸۹-۸۳۹-۱۱۸۵-۶۳۵۴-۶۴۲۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابومسہر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے محمد بن حرب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے الزبیدی نے حدیث بیان کی از الزہری از حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر ڈول کے پانی سے کلی کی تھی' اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۹۶۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۳۶۳۸' ج ۳۹ ص ۴۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ علماء نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے چہرے پر کلی کرنا جائز ہے اور منہ کا لعاب پاک ہوتا ہے اور اس کی دلیل صرف حضرت محمود بن الربیع کی یہ حدیث ہے جس کو انہوں نے پانچ سال کی عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن یوسف البیکندی ابواحمد' کیونکہ محمد بن یوسف الفریابی کی ابومسہر سے کوئی روایت نہیں ہے(۲) ابومسہر عبدالاعلیٰ الغسانی الدمشقی' یہ جب مسجد سے نکلتے تھے تو لوگ ان کو سلام کرتے اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے' آزمائش کے ایام میں مامون نے ان کو دربار میں بلایا اور تلوار سونت کر کہا: قرآن مجید کو مخلوق کہو ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا' اور جب انہوں نے اس کی بات نہیں مانی تو اس نے ان کو قید میں ڈال دیا' ۲۱۸ھ میں وہ بغداد میں فوت ہو گئے' امام بخاری نے ان سے ملاقات کی ہے اور ان سے بہت سی احادیث سنی ہیں(۳) محمد بن حرب الخولانی الحمصی' انہوں نے امام اوزاعی سے سماع کیا ہے' یہ ثقہ تھے' ۱۷۴ھ میں دمشق میں فوت ہو گئے (۴) ابوالھذیل محمد بن الولید الزبیدی الشامی الحمصی' یہ بہت ثقہ اور بہت بڑے مفتی تھے' مکحول اور زہری وغیرہ سے روایت کرتے تھے اور ان سے محمد بن حرب اور یحییٰ بن حمزہ نے روایت کی ہے' ۱۴۸ھ میں فوت ہو گئے' امام ترمذی کے علاوہ ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے(۵) محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری(۶) حضرت محمود بن الربیع بن سراقہ الانصاری الخزرجی' ۹۹ھ میں بیت المقدس میں فوت ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۰۷)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن کی برکتیں

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکت پہنچانے کا ذکر ہے' جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کو چبا کر نومولود بچے کے منہ میں ڈال کر گھٹی دیتے تھے' اور صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اپنے بچوں کے لیے حاصل کرنے کی حرص میں اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کرتے تھے کیونکہ انہوں نے بہت مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن کی برکتوں کا مشاہدہ کیا تھا' آپ نے حدیبیہ کے کنویں میں کلی کی تو اس کا پانی زیادہ ہو گیا۔ (صحیح البخاری: ۴۱۵۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پکتی ہوئی ہنڈیا میں لعاب دہن ڈالا تو وہ کھانا تمام لشکر کے لیے کافی ہو گیا۔ (صحیح البخاری: ۴۱۰۲) غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گئیں اور پھر کبھی خراب نہیں ہوئیں۔ (صحیح البخاری: ۴۲۱۰) حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعاب دہن چھڑکا تو وہ جڑ گئی۔ (صحیح البخاری: ۴۲۰۶)

اس وجہ سے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن کے متمنی رہا کرتے تھے اور جن کے چہرے پر آپ نے کلی فرمائی' وہ اس پر فخر کرتے تھے۔

آج کل کے جعلی پیر اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ظاہر اور ثابت کرنے کے لیے کھانا کھا کر برتن میں کلی کرتے ہیں اور ان کے غالی مرید اس کو عقیدت سے پیتے ہیں' حالانکہ ان کا منہ انواع واقسام کے جراثیم سے آلودہ رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے شر سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

۱۹- بَابُ الْخُرُوْجِ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ

طلب علم کے لیے نکلنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر تھا کہ حضرت ابن عباس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے اور وہ گدھے پر سوار ہو کر کہیں سے آ رہے تھے اور ان کا آ کر نماز میں شامل ہونا بھی طلب علم کے لیے تھا' اور اس باب میں بھی طلب علم کے لیے نکلنے کا ذکر ہے۔

وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ فِىْ حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ.

امام بخاری کہتے ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ایک حدیث کی خاطر ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے حضرت عبداللہ بن

انیس کے پاس گئے۔

اس معلق حدیث کو امام بخاری نے اس لیے وارد کیا ہے کہ اس سے حصول علم کے لیے سفر کرنے کی فضیلت ثابت ہے' خواہ اس کے لیے خشکی کا سفر کیا جائے یا سمندری' یہ حدیث چونکہ حضرت جابر سے مروی ہے' اس لیے ہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کر رہے ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما' یہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں' جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں' یہ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے والد بھی صحابی ہیں' یہ عقبہ اور بدر کے حاضرین میں سے ہیں' حضرت جابر نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اکیس غزوات ہیں اور یہ ان میں سے انیس میں آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت جابر نے کہا: جس رات اونٹ کا واقعہ ہوا' اس رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے لیے استغفار کیا تھا' اخیر عمر میں حضرت جابر کی بینائی چلی گئی تھی اور وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے کچھ بالوں پر زرد خضاب لگاتے تھے۔

حضرت جابر ۹۴ سال زندہ رہے اور ۷۳ھ میں فوت ہو گئے' حجاج بن یوسف نے ان کا جنازہ پڑھا۔

(الاصابہ: ۱۰۲۸ ' ج ۱ ص ۵۴۶ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ۱۵۴۰ ' احادیث روایت کی ہیں' ۵۸ ' احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ۲۶ ' احادیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ۱۲۶ ' احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔

(خلاصۃ تذھیب تہذیب الکمال ج ۱ ص ۱۴۷ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث معلق کو اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ طلب علم کی فضیلت کے لیے بحری اور بری سفر کی فضیلت ظاہر ہو۔

اس حدیث معلق میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے' ان کا تعارف حسب ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا تعارف

ان کا نام عبداللہ بن انیس الجھنی ہے' ان کی کنیت ابویحییٰ ہے' یہ انصار کے حلیف تھے' العقبۃ الثانیہ اور احد کے حاضرین میں سے ہیں' انہوں نے حضرت معاذ کے ساتھ مل کر بنو سلمہ کے بت توڑ ڈالے تھے' ان سے ۲۴ ' احادیث مروی ہیں' ایک حدیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں' حضرت جابر نے ان سے ایک حدیث روایت کرنے کے لیے مصر کا سفر کیا تھا' ۸۰ھ میں شام میں فوت ہو گئے تھے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۴ ص ۳۱۳ ' تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۹ ' تقریب التہذیب: ۳۲۲۷ ' خلاصۃ الخزرجی ج ۲ ص ۴۹)

اس حدیث کا بیان جس کے حصول کے لیے حضرت جابر نے ایک ماہ کا سفر کیا تھا

جس حدیث کو حاصل کرنے کے لیے حضرت جابر نے حضرت عبداللہ بن انیس کی طرف سفر کیا تھا' وہ حدیث یہ ہے:

امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر سے ذکر کیا جاتا ہے از عبداللہ بن انیس' انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ بندوں کو جمع کرے گا' پھر ان کو ایسی آواز کے ساتھ نداء کرے گا' جس کو دور والا بھی اس طرح سنے گا' جس طرح قریب والا سنے گا' فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' میں دیان (جزا دینے والا) ہوں۔

(صحیح البخاری' کتاب التوحید' ۳۲: باب قول اللہ تعالیٰ "وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ")

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے' میں نے اونٹ خریدا اور اس پر سامانِ سفر باندھا' پھر میں ایک ماہ کا سفر کر کے شام میں پہنچا تو وہاں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تھے' میں نے دربان سے کہا: ان سے کہو کہ جابر دروازہ پر ہے' انہوں نے پوچھا: ابن عبداللہ! میں نے کہا: ہاں' پھر وہ اپنے تہبند کو گھسیٹتے ہوئے آئے اور مجھے گلے لگایا' اور میں نے ان کو گلے لگایا' میں نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قصاص کے متعلق کوئی حدیث سنی ہے' مجھے خطرہ تھا کہ آپ سے اس حدیث کو سننے سے پہلے آپ فوت ہو جائیں گے یا میں فوت ہو جاؤں گا' حضرت عبداللہ بن انیس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا' یا فرمایا: بندوں کو برہنہ بدن غیر مختون جمع کیا جائے گا' ہم نے پوچھا: ان کے ساتھ کیا ہوگا؟ فرمایا: ان کے ساتھ کچھ نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایسی آواز کے ساتھ نداء فرمائے گا' جس کو دور والا بھی اس طرح سنے گا' جس طرح قریب والا سنے گا' فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' میں بہت جزا دینے والا ہوں' اور اہل دوزخ میں سے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا' جس پر اہل جنت میں سے کسی کا حق ہو' حتیٰ کہ میں جنتی کا حق دوزخی سے دلا دوں گا' اور نہ اہل دوزخ میں سے کسی کا کسی پر حق ہوگا' خواہ ایک تھپڑ ہی ہو مگر میں اس کا حق دلا دوں گا' ہم نے کہا: ہم اللہ کے پاس کیسے برہنہ بدن اور غیر مختون آئیں گے؟ آپ نے فرمایا: نیکیوں اور بُرائیوں کے ساتھ۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۵' مسند احمد: ۱۶۰۴۲' ج ۲۵ ص ۴۳۲-۴۳۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی مزید تخریج حسب ذیل ہے:

المستدرک ج ۲ ص ۴۳۷-ج ۴ ص ۵۷۴' کتاب الاسماء والصفات ص ۲۷۳-۷۸' الادب المفرد: ۹۷۰' خلق افعال العباد ص ۹۲' السنۃ لابن ابی عاصم: ۵۱۴' الاحاد والمثانی: ۲۰۳۴' المعجم الاوسط: ۸۵۸۸' مسند الشامیین: ۱۵۶

اس حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث میں اللہ تعالیٰ کی آواز کا ثبوت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی آواز اس کی شان کے لائق ہوگی اور مخلوق کی کوئی آواز اس کے مشابہ نہیں ہوگی۔

باب مذکور کی حدیث کا متن

۷۸- حَدَّثَنَا اَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ قَالَ الْاَوْزَاعِيُّ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ' عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى' فَمَرَّ بِهِمَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ' فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ اِنِّيْ تَمَارَيْتُ اَنَا وَصَاحِبِيْ هٰذَا فِيْ صَاحِبِ مُوْسٰى الَّذِيْ سَاَلَ السَّبِيْلَ اِلٰى لُقِيِّهٖ' هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَاْنَهٗ؟ فَقَالَ اُبَيٌّ نَعَمْ' سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَاْنَهٗ يَقُوْلُ بَيْنَمَا مُوْسٰى فِيْ مَلَاٍ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ' اِذْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالقاسم خالد بن خلی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حرب نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: اوزاعی نے کہا: ہمیں الزہری نے خبر دی از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی اور حر بن قیس الفزاری کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صاحب کے مصداق کے متعلق بحث ہوئی' پھر ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ گزرے' حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا' پھر کہا: میری اور میرے اس ساتھی کی حضرت موسیٰ کے اس صاحب کے متعلق بحث ہوئی ہے' جس سے ملاقات کا حضرت موسیٰ نے سوال کیا تھا' حضرت ابی نے کہا: ہاں' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے' آپ فرما رہے تھے کہ حضرت موسیٰ بنی

جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَتَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ مُوْسٰى لَا، فَاَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى مُوْسٰى بَلٰى، عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَاَلَ السَّبِيْلَ اِلٰى لُقِيِّهِ، فَجَعَلَ اللّٰهُ لَهُ الْحُوْتَ اٰيَةً وَقِيْلَ لَهُ اِذَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَارْجِعْ، فَاِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، فَكَانَ مُوْسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُ اَثَرَ الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ فَتٰى مُوْسٰى لِمُوْسٰى ﴿اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ (الکہف:٦٣) قَالَ مُوْسٰى ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (الکہف:٦٤) فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَاْنِهِمَا مَا قَصَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ.

اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آ کر کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا: نہیں! تو اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی: کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے' پھر حضرت موسیٰ نے ان سے ملاقات کے راستے کا سوال کیا' تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان کے لیے نشانی بنا دیا' اور ان سے کہا گیا کہ جس جگہ آپ مچھلی کو گم پائیں' وہیں سے لوٹ جائیں' پھر عنقریب آپ کی ان سے ملاقات ہو گی' پھر موسیٰ علیہ السلام سمندر میں مچھلی کے نشانات کا پیچھا کر رہے تھے' پھر حضرت موسیٰ کے شاگرد نے حضرت موسیٰ سے کہا' اس نے کہا: "کیا آپ نے دیکھا' جب ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے تو میں وہاں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا' اور دراصل مجھے شیطان نے اس کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا"۔ (الکہف: ۶۳) حضرت موسیٰ نے کہا: "ہم اسی کی تلاش میں تھے' پھر وہ دونوں وہیں اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے لوٹےO" (الکہف: ۶۴) پھر ان دونوں نے حضرت خضر کو پالیا' پھر ان کا وہ ماجرا ہوا' جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

اس حدیث کی تخریج' اس کے اطراف اور اس کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۰- بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَ عَلَّمَ — پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں عالم اور معلم کا ذکر تھا اور اس باب میں ان کی فضیلت کا بیان ہے۔

۷۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ، كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ اَصَابَ اَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ، اَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰى، اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً، وَلَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں حماد بن اسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبد اللہ از ابی بردہ از ابی موسیٰ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے' اس کی مثال اس زیادہ بارش کی ہے' جو کسی زمین پر برسے' پس بعض زمینیں زرخیز ہوتی ہیں' جو پانی کو قبول کرتی ہیں اور خشک اور زیادہ تر گھاس اگاتی ہیں اور بعض زمینیں بنجر ہوتی ہیں' وہ پانی کو روک لیتی ہیں' پس اللہ اس سے لوگوں کو نفع دیتا ہے' وہ اس پانی کو پیتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو پلاتے ہیں اور اس پانی سے کاشت کاری کرتے ہیں

كَلأً، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَ عَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ.

اور بارش بعض قسم کی زمینوں پر ہوتی ہے جو چکنی ہوتی ہیں نہ وہ پانی کو روکتی ہیں اور نہ سبزہ اگاتی ہیں یہ مثال اس شخص کی ہے جو دین کی فقہ (فہم) حاصل کرے اور اللہ نے مجھے جو علم اور ہدایت دے کر بھیجا ہے وہ اس کو نفع دے پس وہ پڑھے اور پڑھائے اور یہ اس شخص کی مثال ہے جو اس ہدایت کی طرف توجہ نہ دے اور اللہ کی اس ہدایت کو بالکل قبول نہ کرے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِسْحٰقُ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَاءَ.

امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: اسحاق نے کہا: بعض زمینیں پانی کو پی لیتی ہیں۔

قَاعٌ يَعْلُوْهُ الْمَاءُ، وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِيْ مِنَ الْاَرْضِ.

''قـــاع'' اس کا معنی ہے: جس پر پانی بلند ہوتا ہے' ''وَالصَّفْصَفُ'' اس کا معنی ہے: ہموار زمین۔

(صحیح مسلم: ۲۲۸۲' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۴۳' مسند ابویعلیٰ: ۷۳۱۱' صحیح ابن حبان: ۴' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۵۷۳۔ ج ۳۲ ص ۳۴۳)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن العلاء بن کریب' یہ بہت صادق ہیں' کوفہ میں انہوں نے تین لاکھ احادیث بیان کی' ۲۴۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) ابواسامہ حماد بن اسامہ الہاشمی القرشی' یہ ثقہ' ثبت اور صدوق ہیں' ۸۱ سال کی عمر میں ۲۰۱ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عامر بن ابوموسیٰ اشعری' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۱۵)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت واضح ہے' کیونکہ اس میں تعلیم کی فضیلت کا ذکر ہے۔

خلاصہ حدیث اور حدیث میں بیان کی ہوئی مثالوں کی وضاحت

اس حدیث میں زمین کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں: (۱) وہ زمین جو بارش سے نفع حاصل کرتی ہے' پہلے وہ زمین مردہ ہوتی ہے' پھر بارش سے زندہ ہو جاتی ہے' پھر سبزہ اگاتی ہے' جس سے انسان اور مویشی فائدہ حاصل کرتے ہیں' اس کے مقابلہ میں انسانوں کی وہ قسم ہے' جس کو ہدایت اور علم پہنچتا ہے تو وہ اس کو یاد کر لیتا ہے' اس سے اپنے دل کو زندہ کرتا ہے' اس پر وہ عمل کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے' پس وہ خود بھی نفع حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے (۲) زمین کی دوسری قسم وہ ہے' جو خود تو بارش سے نفع حاصل نہیں کرتی لیکن وہ اپنے اندر پانی کو جمع کر لیتی ہے اور اس جمع شدہ پانی سے انسان اور مویشی فائدہ حاصل کرتے ہیں' اور اس کے مقابلہ میں انسانوں کی وہ قسم ہے' جن کا حافظہ بہت قوی ہوتا ہے' لیکن ان میں احادیث سے مسائل مستنبط کرنے اور اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی' وہ احادیث حفظ کر لیتے ہیں اور ان سے احادیث سن کر فقہاء ان احادیث سے احکام نکالتے ہیں اور (۳) زمین کی تیسری وہ قسم ہے جو چکنی اور شور والی زمین ہوتی ہے' نہ وہ اپنے اندر پانی کو روکتی ہے اور جمع کرتی ہے اور نہ اس پانی کو قبول کر کے اس سے سبزہ اگاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں انسانوں کی وہ قسم ہے' جن میں قوتِ حافظہ ہوتی ہے اور نہ روشن فہم ہوتی ہے اور ان میں قیاس اور مسائل نکالنے کی بالکل صلاحیت نہیں ہوتی' پس جب یہ لوگ علم کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتے اور نہ اس

کو یاد رکھتے ہیں کہ اس سے کوئی اور فائدہ اٹھا سکے۔

سو پہلی قسم وہ ہے: جو خود بھی نفع اٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے اور دوسری قسم وہ ہے: جو خود تو نفع نہ اٹھا سکے لیکن دوسروں کو نفع پہنچائے اور تیسری قسم وہ ہے: جو خود نفع اٹھائے نہ دوسروں کو نفع پہنچائے' پہلی قسم سے فقہاء کی طرف اشارہ ہے' دوسری قسم سے احادیث روایت کرنے والے محدثین کی طرف اشارہ ہے اور تیسری قسم سے عوام کی طرف اشارہ ہے' آپ نے فرمایا: یہ اس شخص کی مثال ہے' جو ہدایت کے ساتھ بالکل سر نہ اٹھائے اور اللہ کی اس ہدایت کو بالکل قبول نہ کرے' جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے' اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ شخص بہت متکبر ہے اور غایت تکبر کی وجہ سے آپ کی طرف التفات نہ کرے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۸۴۳۔ ج ۶ ص ۷۱۷ پر مذکور ہے اور اس کی شرح کا یہ عنوان ہے: علم دین پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت۔

۲۱- بَابُ رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُوْرِ الْجَهْلِ — علم کا اُٹھ جانا اور جہل کا غالب ہونا

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق عالم اور متعلم کی فضیلت میں تھا اور اس سے علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور اس باب میں اس کی ضد کا بیان ہے یعنی جہل کا غالب ہونا۔

علماء کو ضائع کرنے کا معنی

وَقَالَ رَبِيْعَةُ لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ شَيْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ اَنْ يُّضَيِّعَ نَفْسَهٗ.

ربیعہ نے کہا: جس کے پاس تھوڑا سا بھی علم ہو' اسے اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

یہ ربیعہ بن ابوعبدالرحمان فروخ ہیں' امام مالک بن انس کے شیخ ہیں' ان سے امام ابوحنیفہ نے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۳۶ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے۔

اس قول کا معنی یہ ہے کہ عالم کو دنیاداروں کے پاس نہیں جانا چاہیے اور علم کی عظمت قائم رکھنے کے لیے ان کے سامنے تواضع نہیں کرنی چاہیے اور ایسا نہ کرے کہ وہ تعلیم و تعلم میں کم مشغول ہو اور نمود و نمائش کے کاموں میں زیادہ مشغول ہو اور علم کے تقاضے پر عمل کرنے کو چھوڑ نا اور ظالم حکام کے سامنے حق بیان کرنے کو ترک کرنا نہیں چاہیے' فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم شہر پر لازم ہے کہ وہ بیت المال سے علماء کا وظیفہ مقرر کرے' جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں' جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے آدھی بکری یا سالم بکری کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔

۸۰- **حَدَّثَنَا** عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ' عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ' عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ' وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ' وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ' وَيَظْهَرَ الزِّنَا.

[اطراف الحدیث: ۸۱۔ ۵۲۳۱۔ ۵۵۷۷۔ ۶۸۰۸]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از ابی التیاح از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل ثابت ہوگا اور شراب پی جائے گی اور زنا بہ کثرت ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۶۷۱' خلق افعال العباد: ۳۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۹۰۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۵۲۷۔ ج ۲۰ ص ۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے' کیونکہ باب کا عنوان ہے: علم کا اٹھ جانا اور حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عمران بن میسرہ المنقری البصری' ان سے ابوزرعہ' ابوحاتم' امام بخاری اور امام ابوداؤد نے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) عبدالوارث بن سعید بن ذکوان التیمی البصری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) ابوالتیاح یزید بن زیادہ الضبعی' یہ ثقہ' ثبت اور صالح ہیں' ۱۲۸ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۳)

ہمارے زمانہ میں جاہلوں کا غلبہ

علم کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ علماء اٹھ جائیں گے' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ علماء کے سینوں سے علم کو محو کر دیا جائے گا' لیکن جب علماء فوت ہو جائیں گے اور لوگ جاہلوں کو اپنا پیر اور پیشوا بنالیں گے اور وہ اپنی رائے سے دین میں احکام جاری کریں گے اور اپنی جہالت کے باوجود فتوے جاری کریں گے' احادیث کے غلط ترجمے کریں گے' اُردو کی کتابیں پڑھ کر اور ان میں اپنی طرف سے رنگ آمیزی کر کے وعظ کریں گے' خود بھی گم راہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گم راہ کریں گے' ہمارے زمانہ میں اس کی بہت نظائر ہیں' ہم ان جاہلوں کے غلبہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۶۶۱۔ ج ۷ ص ۴۰۲ پر مذکور ہے اور اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

① علم کے اٹھنے اور جہل کے پھیلنے کی پیش گوئی ہمارے زمانہ میں پوری ہوئی ② قیامت کی علامت میں سے مردوں کے کم ہونے اور عورتوں کے زیادہ ہونے کی وجہ ③ جاہلوں کو رئیس اور شیخ بنانے کی مذمت۔

۸۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَاُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ اَحَدٌ بَعْدِيْ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةِ الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی' از شعبہ از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: میں تم کو ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا' جس کو میرے بعد تم سے کوئی بیان نہیں کرے گا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہل کا غلبہ ہوگا اور زنا بہ کثرت ہوگا اور عورتیں زیادہ ہوں گی اور مرد کم ہوں گے' حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا ایک مرد کفیل ہوگا۔

اس حدیث کے رجال کا تعارف پہلے ہو چکا ہے اور اس کی تخریج اور بعض الفاظ کی شرح صحیح البخاری: ۸۰ میں گزر چکی ہے' اور جن الفاظ کی شرح نہیں ہوئی' وہ ہم کر رہے ہیں۔

عورتوں کے زیادہ ہونے اور مردوں کے کم ہونے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی' اس کی متعدد توجیہات ہیں:

(۱) مختلف جنگوں اور آپس کے جھگڑوں میں مرد قتل کر دیئے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی۔

(۲) آخر زمانہ میں مردوں کی پیدائش کم ہوگی اور عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی۔
(۳) کثرت فتوحات کی وجہ سے میدانِ جنگ سے بہت عورتوں کو قید کیا جائے گا اور باندیوں کی کثرت ہوگی۔
نیز اس حدیث میں ہے کہ حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا ایک مرد کفیل ہوگا' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقۃً پچاس عورتوں کا ایک مرد کفیل ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پچاس کا عدد آپ نے مبالغۃً فرمایا ہو۔

۲۲- بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ — علم کی فضیلت

اس باب اور باب سابق کی مناسبت واضح ہے' کیونکہ دونوں بابوں میں علم کا ذکر ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ''کتاب العلم'' کا پہلا باب بھی فضیلت علم میں تھا اور یہ باب بھی فضیلت علم میں ہے اور یہ تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے باب سے مقصود علماء کی فضیلت کو بیان کرنا تھا اور اس باب سے مقصود علم کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے۔

۸۲- حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ' عَنِ ابْنِ شِهَابٍ' عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ' فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ' ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ' قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الْعِلْمَ.

[اطراف الحدیث:۳۶۸۱-۷۰۰۶-۷۰۰۷-۷۰۲۷-۷۰۳۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حمزہ بن عبد اللہ بن عمر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا' میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا' میں نے اس کو پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ (دودھ سے) سیری میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے' پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) عمر بن الخطاب کو دے دیا' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: علم۔

(صحیح مسلم:۲۳۹۱' سنن ترمذی:۲۲۸۴' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵' السنۃ لابن ابی عاصم:۱۲۵۵' صحیح ابن حبان:۶۸۷۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۹' السنن الکبریٰ للنسائی:۸۱۲۳' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۸۳ طبع قدیم' مسند احمد:۵۵۵۴' ج ۹ ص ۳۸۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: علم کی فضیلت اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کو اس قدر علم دیا گیا کہ اس کی سیری آپ کے ناخنوں سے باہر آ گئی۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) سعید بن عفیر (۲) لیث بن سعد (۳) عقیل بن خالد (۴) ابن شہاب زہری' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۵) حمزہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی' انہوں نے اپنے والد حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے' احمد بن عبد اللہ نے کہا: یہ تابعی اور ثقہ ہیں' بہت بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۶) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' آپ کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۸)

دودھ سے علم کو تعبیر کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی تعبیر علم سے کی ہے' کیونکہ دودھ اور علم دونوں کثرت نفع میں مشترک ہیں

دودھ انسان کے جسم کی غذا ہے اور بدن کی اصلاح اور قوت کا سبب ہے اور علم انسان کی روح کی غذا ہے اور اس کی دنیا اور آخرت کی اصلاح کا سبب ہے۔خواب میں دودھ کو دیکھنا سنت اور فطرت پر استقامت اور علم دین کے حصول کی دلیل ہے کیونکہ دودھ وہ پہلی غذا ہے جو نومولود کو دنیا کے طعام سے دی جاتی ہے اور دودھ سے اس کے بدن کی حیات حاصل ہوتی ہے جیسے علم سے دلوں کی حیات حاصل ہوتی ہے نیز دودھ جنت کی نعمتوں سے ہے کیونکہ جنت میں دودھ کے دریا ہوں گے نبی ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمر کو دیا اور اس کی تعبیر علم سے کی یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فطرت سلیم تھی اور ان کا دین صحیح تھا اور ان کا علم رسول اللہ ﷺ کا فیض تھا نیز اس حدیث میں حضرت عمر کی فضیلت ہے اور خواب کی تعبیر بیان کرنے کا جواز ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں تو آپ کا یہ خواب حقیقت واقعیہ تھا یا محض تخیل تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقیقت واقعیہ تھا کیونکہ یہ ممکن ہے اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۰۶۸۔ ج ۶ ص ۹۰۸ پر مذکور ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۲۳- بَابُ الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا

سوال کرنا خواہ اس وقت عالم سواری پر کھڑا ہوا ہو

''الفتیا'' اور ''الفتوی'' کا معنی ہے: کسی پیش آمدہ دینی مسئلہ کے متعلق سوال کرنا اور اس میں ''دابة'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: چوپایہ اور یہ عرف میں گھوڑے گدھے خچر اور اونٹ کو کہتے ہیں یعنی عالم سے ہر حال میں سوال کرنا جائز ہے خواہ وہ سواری پر کھڑا ہو یا بیٹھا ہو اور اس باب میں اور باب سابق میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں کا تعلق علم سے ہے۔

۸۳- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ. فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

[اطراف الحدیث: ۱۲۴-۱۷۳۶-۱۷۳۷-۱۷۳۸-۶۶۶۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ از حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں کھڑے ہوئے لوگوں کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا: مجھے پتا نہیں چلا میں نے ذبح سے پہلے سر مونڈ لیا آپ نے فرمایا: اب ذبح کر لو اور کوئی حرج نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: مجھے پتا نہیں تھا اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے نحر (ذبح) کر لیا آپ نے فرمایا: تم اب کنکریاں مارلو کوئی حرج نہیں ہے پھر نبی ﷺ سے جس چیز کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ اس کو مقدم کر دیا گیا یا مؤخر کر دیا گیا تو آپ نے اس کے متعلق یہی فرمایا کہ اب کر لو کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۳۰۶ سنن ابوداؤد: ۲۰۱۴ سنن ترمذی: ۹۱۶ سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۱ السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۱۰۷ سنن ابوداؤد الطیالسی: ۲۲۸۵ صحیح ابن خزیمہ: ۲۹۵۱ سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۳ المنتقی: ۴۸۹ مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۸ طبع قدیم مسند احمد ج ۱۱ ص ۶۴۸۴-۲۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کے عنوان میں فتویٰ کا ذکر ہے اور اس حدیث میں فتویٰ

اور جواب فتویٰ دونوں کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسماعیل بن ابی اویس' امام مالک کے بھانجے (۲) امام مالک بن انس (۳) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ القرشی' یہ تابعی' ثقہ اور افاضل اہل مدینہ سے ہیں' ۱۰۰ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف بھی گزر چکا ہے۔

کنکریاں مارنے سے پہلے سر مونڈنے والے پر قربانی کے لزوم میں مذاہب فقہاء

افعال حج کی ترتیب یہ ہے کہ دس ذوالحجہ کو پہلے جمرہ کبریٰ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں' پھر تمتع یا قران کی قربانی کی جاتی ہے' اس کے بعد سر منڈایا جاتا ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ ان افعال کی یہ ترتیب سنت ہے یا واجب ہے اور اگر ان افعال میں سے کسی فعل کو مقدم یا مؤخر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' یا یہ ترتیب واجب ہے' اگر ان میں سے کسی فعل کو مقدم یا مؤخر کر دیا جائے تو اس کے تدارک کے لیے ایک دم دینا ہوگا' یعنی ایک قربانی کرنی ہوگی۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اور ان کا استدلال اس باب کی حدیث سے ہے کہ جس شخص نے اس ترتیب کے خلاف عمل کیا' آپ نے اس سے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مؤقف یہ ہے کہ یہ ترتیب واجب ہے اور جس نے اس ترتیب کے خلاف کیا' اس پر ایک دم لازم ہے یعنی ایک قربانی واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس سائل سے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ تم نے عمداً اس ترتیب کے خلاف نہیں کیا' بلکہ بھول کر کیا ہے اور بھول معاف ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۳۴)

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا استدلال حسب ذیل احادیث اور آثار سے ہے:

امام ابوحنیفہ کے مذہب پر دلائل

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا: جس نے اپنے حج میں کسی چیز کو مقدم یا مؤخر کر دیا' وہ اس کے لیے ایک جانور کا خون بہائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۹۵۴' ج ۳ ص ۲۴۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

سعید بن جبیر نے کہا: جس شخص نے اپنے حج میں کسی چیز کو کسی چیز سے پہلے کر دیا یا ذبح کرنے سے پہلے سر مونڈ لیا' اس پر ایک جانور کا خون بہانا واجب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۹۵۵' ج ۳ ص ۲۴۵)

ابراہیم نے کہا: جب کوئی شخص ذبح سے پہلے سر مونڈ لے تو وہ اس کے لیے خون بہائے گا' پھر یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ. جب تک قربانی اپنے محل میں نہ پہنچ جائے' اپنے سروں کو نہ مونڈو۔ (البقرہ: ۱۹۶)

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۹۵۶' ج ۳ ص ۲۴۵)

امام مالک کے مذہب کی تقریر

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حج کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ دس ذوالحجہ کو جمرۃ العقبہ کو کنکریاں مارے' پھر منیٰ میں سر مونڈے' پھر طواف زیارت کرے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس نے ذبح' سر مونڈنے اور کنکریاں مارنے میں کسی چیز کو مقدم یا مؤخر کر دیا۔ امام شافعی اور متقدم فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ کسی چیز کی تقدیم اور تاخیر سے کوئی حرج نہیں ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے' اور امام ابوحنیفہ نے

کہا ہے کہ جس نے کنکریاں مارنے یا ذبح سے پہلے سر مونڈ لیا' اس پر ایک قربانی ہے' اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے ان سے اختلاف کیا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے اپنے حج میں کسی چیز کو مقدم یا مؤخر کر دیا' اس پر ایک قربانی ہے اور یہ ان سے ثابت نہیں ہے اور اس کی مثل سعید بن جبیر' قتادہ' الحسن اور النخعی سے بھی مروی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۳۸۹' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا ہے: جس نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر مونڈ لیا' اس پر ایک دم (قربانی) ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ. جب تک قربانی اپنے محل میں نہ پہنچ جائے اپنے سروں کو نہ مونڈو۔ (البقرہ: ۱۹۶)

اور قربانی کا وقت جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد ہے' اور جس نے کنکریاں مارنے سے پہلے طواف زیارت کر لیا' اس میں امام مالک کے قول مختلف ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس کا یہ طواف کفایت کرے گا اور اس پر ایک قربانی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا یہ طواف کافی نہیں ہے' گویا کہ اس نے طواف نہیں کیا' اور وہ کنکریاں مارنے کے بعد دوبارہ طواف کرے اور قربانی کرے اور اس کا سبب ''وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ'' (البقرہ: ۱۹۶) کی مخالفت ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: ''کوئی حرج نہیں ہے'' آیا آپ نے اس سے گناہ کی نفی کا ارادہ کیا ہے یا گناہ کی نفی اور قربانی کی نفی دونوں کا ارادہ کیا ہے' اس میں اختلاف ہے' بہ ظاہر احادیث سے امام شافعی اور محدثین کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

(المفہم ج ۳ ص ۴۰۹' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۰۵۲- ج ۳ ص ۵۵۲ پر ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) کنکریاں مارنے' قربانی کرنے اور سر منڈانے کی ترتیب کے حکم میں مذاہب (۲) احناف کا نظریہ اور ان کے دلائل۔

۲۴- بَابُ مَنْ اَجَابَ الْفُتْيَا بِاِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّاْسِ

جس نے ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سوال کا جواب دیا

اس سے پہلے باب میں صرف سوال کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں سوال اور جواب دونوں کا ذکر ہے۔

۸۴- حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِيْ حَجَّتِهٖ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ؟ فَاَوْمَاَ بِيَدِهٖ قَالَ وَلَا حَرَجَ' قَالَ وَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ؟ فَاَوْمَاَ بِيَدِهٖ وَلَا حَرَجَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی' از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق سوال کیا گیا' ایک شخص نے کہا: میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے ذبح کر لیا' آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کوئی حرج نہیں' ایک شخص نے کہا: میں

[اطراف الحدیث: ۱۷۲۱۔ ۱۷۲۲۔ ۱۷۲۳۔ ۱۷۳۴۔ ۱۷۳۵۔ ۶۶۶۶] نے ذبح کرنے سے پہلے سر مونڈ لیا' آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے اس طرح مطابقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سوالوں کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے دیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے تمام رجال کا تعارف ہو چکا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارہ سے بھی عالم کے لیے سوال کا جواب دینا جائز ہے' باقی حج کے افعال میں تقدیم اور تاخیر سے دم (قربانی) لازم ہے یا نہیں' اس کی تفصیل گزشتہ حدیث کی شرح میں بیان کی جا چکی ہے۔

۸۵- حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ' عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ' وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ' وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ' قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهٖ فَحَرَّفَهَا' كَاَنَّهٗ يُرِيْدُ الْقَتْلَ.

[اطراف الحدیث: ۱۰۳۶۔ ۷۰۳۷۔ ۷۰۶۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حنظلہ بن ابی سفیان نے حدیث بیان کی' از سالم' انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور بہ کثرت ھرج ہوگا' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! ھرج کیا ہے؟ آپ نے اشارہ سے ہاتھ کو گردن پر پھیرا' گویا آپ نے اس لفظ سے قتل کا ارادہ کیا۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۶۴' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۷۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۱۸۶۔ ج ۱۲ ص ۱۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے اس طرح مطابقت ہے کہ اس میں ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) المکی بن ابراہیم بن بشر الخراسانی' یہ امام بخاری کے سب سے بڑے شیوخ میں سے ہیں' کیونکہ یہ تابعین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد اور یحییٰ بن معین اور امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ امام احمد نے کہا: یہ ثقہ اور ثبت ہیں' یہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۴ھ میں بلخ میں فوت ہو گئے (۲) حنظلہ بن ابی سفیان (۳) سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب (۴) حضرت ابو ہریرہ عبد الرحمان بن صخر رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۳۸)

اس حدیث میں ''ھـــرج'' کا لفظ ہے' اس کا معنی فتنہ اور اختلاط ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر قتل سے فرمائی ہے' نیز اس حدیث میں فرمایا ہے: علم کو اٹھا لیا جائے گا اور اس سے پہلے حدیث میں آ چکا ہے کہ علماء کو اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ علم کو اٹھا لیا جائے گا۔

۸۶- حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ' عَنْ فَاطِمَةَ' عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّيْ' فَقُلْتُ مَا شَاْنُ النَّاسِ؟ فَاَشَارَتْ اِلَى السَّمَاءِ' فَاِذَا النَّاسُ قِيَامٌ' فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ' قُلْتُ اٰيَةٌ؟ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِهَا اَيْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از فاطمہ از اسماء' انہوں نے کہا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں' میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں

نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِى الْغَشْىُ، فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلٰى رَاْسِى الْمَاءَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَىْءٍ لَمْ اَكُنْ اُرِيْتُهٗ اِلَّا رَاَيْتُهٗ فِىْ مَقَامِىْ، حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، فَاُوْحِىَ اِلَىَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِىْ قُبُوْرِكُمْ مِثْلَ. اَوْ قَرِيْبَ، لَا اَدْرِىْ اَىَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ. مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ. اَوِ الْمُوْقِنُ، لَا اَدْرِىْ بِاَيِّهِمَا قَالَتْ اَسْمَاءُ. فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَاَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا، هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا، فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا، قَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا بِهٖ، وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ. لَا اَدْرِىْ اَىَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ. فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِىْ، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ.

[اطراف الحدیث: ۱۸۴_۹۲۲_۱۰۵۳_۱۰۵۴_۱۰۶۱_۱۲۳۵_۱۳۷۳_۲۵۱۹_۲۵۲۰_۷۲۸۷]

(صحیح مسلم: ۹۰۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۶۹_۴۶۸' کراچی' المعجم الکبیر: ۲۴_۳۱۶_۳۰۲' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۳۸' شرح السنۃ: ۱۱۳۸' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۳۷۰' صحیح ابن حبان: ۳۱۱۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۱۸۹' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۶_۳۴۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۶۹۲۵_ ج ۴۴ ص ۴۹۳' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

نے آسمان کی طرف اشارہ کیا' پس اس وقت سب لوگ نماز کے قیام میں تھے' حضرت عائشہ نے کہا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: یہ کوئی نشانی ہے؟ حضرت عائشہ نے سر کے اشارہ سے جواب دیا: ہاں! پھر میں بھی کھڑی ہوگئی' حتیٰ کہ مجھ پر بے ہوشی چھانے لگی تو میں اپنے سر کے اوپر پانی ڈالنے لگی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کی حمد اور ثناء کی' پھر فرمایا: جس چیز کو بھی میں نے (پہلے) نہیں دیکھا تھا' اس چیز کو میں نے اس جگہ میں دیکھ لیا ہے' حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی' پس میری طرف یہ وحی کی گئی ہے: بے شک تمہاری قبروں میں تمہاری آزمائش ہوگی' جو مسیح الدجال کی آزمائش کی مثل ہوگی یا اس کے قریب ہوگی' (راوی کہتا ہے:) مجھے یاد نہیں کہ حضرت اسماء نے کیا کہا تھا' کہا جائے گا: اس شخص کے متعلق تمہیں کیا علم ہے؟ رہا ایمان لانے والا یا یقین کرنے والا (راوی کہتا ہے:) مجھے یاد نہیں کہ حضرت اسماء نے کیا کہا تھا' تو وہ کہے گا: یہ محمد رسول اللہ ہیں' ہمارے پاس معجزات اور دلائل لے کر آئے تھے' سو ہم نے ان کے پیغام پر لبیک کہا اور ان کی پیروی کی اور تین دفعہ کہا: یہ محمد ہیں' پھر اس سے کہا جائے گا: تم (اپنے اعمال سے) نفع اٹھاتے ہوئے سو جاؤ' ہمیں معلوم تھا کہ تم بے شک ان پر یقین کرنے والے ہو' اور رہا منافق یا شک زدہ (راوی کہتا ہے:) مجھے معلوم نہیں کہ حضرت اسماء نے کیا کہا تھا' سو وہ کہے گا: مجھے نہیں معلوم! میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا' سو وہ میں نے کہہ دیا۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو سر کے اشارہ سے جواب دیا' اور اس سے پہلی دو حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے جواب دینے کا ذکر ہے اور مطابقت نفس اشارہ میں ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) موسیٰ بن اسماعیل (۲) وہیب بن خالد (۳) ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر بن العوام' یہ ہشام بن عروہ کی زوجہ اور عم زاد تھیں' یہ اپنی دادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں' ان سے ان کے خاوند ہشام اور محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں' یہ تابعیہ ثقہ ہیں اور ان سے محدثین کی بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں (۵) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں' انہوں نے اپنے ازار بند کے دو ٹکڑے کیے تھے' ایک ٹکڑے سے اپنا ازار باندھا تھا اور دوسرے ٹکڑے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لایا ہوا کھانا باندھا

تھا' اس وجہ سے ان کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے' یہ ہجرت سے پہلے پیدا ہوئی تھیں' ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی اور سترہ لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائی تھیں' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ۵۶ ' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ان میں سے ۱۴ ' احادیث پر متفق ہیں اور چار چار کے ساتھ ہر دو منفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۰)

''المسیح الدجال'' کا معنی اور مسیح دجال اور جھوٹے نبی کے نکلنے کے متعلق احادیث صحیحہ

اس حدیث میں ''المسیح الدجال'' کا ذکر ہے' اس کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ بہت سرعت کے ساتھ مسافت طے کرے گا اور اس لیے کہ مسیح بہ معنی ممسوح ہے' اس کی ایک آنکھ رگڑی ہوئی ہوگی یعنی کانی ہوگی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی المسیح کہا جاتا ہے اور یہ مسیح بہ معنی ماسح ہے' یعنی وہ مادر زاد اندھوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بینا ہو جاتے اور کوڑھیوں اور برص کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ کے حکم سے تندرست ہو جاتے' اور دجال' دجل سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: حق کو باطل کے ساتھ ملانے والا' بہت جھوٹ بولنے والا اور جھوٹ کو خوش نما بنانے والا' تیل لگے ہوئے اونٹ کو اور سونے کے پانی کو بھی دجال کہتے ہیں' دجل کے معنی ڈھانپنا بھی ہیں' دریائے دجلہ کو اس لیے دجلہ کہتے ہیں کہ اس نے زمین کے بہت بڑے حصہ کو ڈھانپ لیا ہے' جھوٹے نبی کو بھی حدیث میں دجال کہا گیا ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی. الحدیث

عنقریب میری امت میں تیس بہت جھوٹے ہوں گے' ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم ہوگا کہ وہ نبی ہے' حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۵۲' صحیح مسلم: ۲۸۸۹' سنن ترمذی: ۲۲۱۹' سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۲' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلاثون دجالون کلھم یزعم انہ رسول اللہ.

اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی' حتیٰ کہ تیس دجال نکلیں گے' ہر ایک کا یہ زعم ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۳۳' سنن ترمذی: ۲۲۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اپنے طویل خطبہ میں یہ حدیث ذکر کی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

واللہ لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلثون کذابا اخرھم الاعور الدجال ممسوح العین الیسری. الحدیث

اللہ کی قسم! اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی' حتیٰ کہ تیس کذاب نکلیں گے' ان کا آخری کانا دجال ہوگا' اس کی بائیں آنکھ رگڑی ہوئی (کانی) ہوگی۔

(سنن ابوداؤد: ۱۱۸۴' سنن نسائی ج ۳ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰' بیروت' خلق افعال العباد للبخاری: ۴۱۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۶۹' کراچی' صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۹۷' صحیح ابن حبان: ۲۸۵۲' المعجم الکبیر: ۶۷۹۹' المستدرک ج ۱ ص ۳۳۱۔ ۳۲۹' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۳۹' مسند احمد: ۲۰۱۷۸' ایضاً: ۲۰۱۹۱۔ ۲۰۱۹۰۔ ۲۰۱۸۰۔ ۲۰۱۶۰' ج ۵ ص ۱۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لیکونن قبل المسیح الدجال کذابون ثلثون او اکثر.

مسیح دجال سے پہلے تیس یا زیادہ کذاب ہوں گے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۵۱۸ مسند ابویعلیٰ: ۵۷۰۶ سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۲ مسند احمد ج ۲ ص ۹۴ طبع قدیم مسند احمد: ۵۶۹۳ ایضاً: ۵۶۹۵۔ ۵۸۰۸۔۵۹۸۵ ج ۹ ص ۵۰۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون' قريبا من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله.

اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی حتیٰ کہ تیس کے قریب کذاب دجال بھیج دیئے جائیں' ہر ایک یہ زعم کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۹ صحیح مسلم: ۲۸۸۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۱)

سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنے کا حکم اور اس کی شرعی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جو لوگوں کو خلافِ معمول نماز میں کھڑے ہوئے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف اشارہ کیا (اور یہی عنوان باب سے مطابقت ہے) یعنی سورج کو گہن لگ گیا ہے' اور لوگ سورج گرہن کی نماز پڑھ رہے ہیں' حضرت اسماء نے پوچھا: کیا یہ (عذاب کی) نشانی ہے؟ حضرت عائشہ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا۝ (بنی اسرائیل: ۵۹)

اور ہم اپنی نشانیوں کو صرف (اپنے عذاب سے) ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں۝

سورج کو گہن لگنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے' کیونکہ سورج اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے' اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے' اس کے نور کو کم یا ختم کر دیتا ہے' اور اس دنیا میں سب سے عظیم اور قوی چیز سورج ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کے نور کو زائل کر دیتا ہے تو وہ ہمارے دلوں سے ایمان کے نور کو اور ہماری آنکھوں سے بصارت کے نور کو زائل کرنے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے' سو یہ اللہ کے جلال اور غضب کی نشانی ہے' سو اس وقت نماز پڑھ کر اور صدقہ و خیرات کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرنا چاہیے کہ کہیں ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب نازل نہ ہو' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھنے کا حکم دیا اور صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیا۔

حدیث میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم فوت ہو گئے' اس دن سورج کو گہن لگ گیا' لوگوں نے کہا: حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سورج اور چاند کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ حیات کی وجہ سے' پس جب تم اس کو دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو' ایک اور روایت میں ہے: لیکن یہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۳۔۱۰۶۱ صحیح مسلم: ۹۱۵۔۹۱۱ سنن نسائی: ۱۴۵۸ سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۱ مسند احمد: ۱۷۱۰ دارالفکر بیروت)

سورج گرہن اور چاند گرہن کی سائنسی توجیہ اور اس سے زمین کی حرکت پر استدلال

موجودہ سائنسی تحقیق کے مطابق سورج اور زمین کے درمیان چاند کا جتنا حصہ حائل ہو جاتا ہے' اتنے حصہ پر سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور اگر ان کے درمیان پورا چاند حائل ہو جائے تو پورے سورج کو گرہن لگ جاتا ہے' چند سال پہلے پورے سورج کو گہن لگ گیا تھا اور ہم نے کراچی میں عصر کے بعد اس کا مشاہدہ کیا' پورا شہر تاریک ہو گیا تھا اور ابھی ۲۹ مارچ ۲۰۰۶ء کو سورج کو جزوی گرہن لگا' روزنامہ جنگ ۲۸ مارچ ۲۰۰۶ء کی یہ خبر ملاحظہ کریں:

سورج گرہن کل پاکستان میں جزوی طور پر نظر آئے گا

کراچی میں آغاز 3 بج کر 53 منٹ پر ہوگا' سورج کو براہِ راست نہ دیکھنے کا مشورہ

کراچی (اسٹاف رپورٹر) کراچی میں بدھ 29 مارچ کو جزوی سورج گرہن ہوگا' جس کا دورانیہ ایک گھنٹہ 26 منٹ ہوگا' تاہم یہ سورج گرہن سہ پہر 3 بج کر 53 منٹ پر شروع ہوکر 5 بج کر 19 منٹ پر ختم ہوگا۔ ماہرین نے سورج گرہن کو براہِ راست نہ دیکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ رواں سال میں 2 سورج گرہن ہوں گے۔ ایک سورج گرہن 29 مارچ کو اور دوسرا 22 ستمبر کو ہوگا' 29 مارچ کو ہونے والا سورج گرہن پاکستان میں جزوی طور پر' جب کہ مکمل سورج گرہن برازیل کے مشرقی ساحلی علاقوں سے نظر آئے گا۔ جامعہ کراچی کے انسٹی ٹیوٹ آف اسپیس اینڈ پلانیٹری اسٹروفزکس (ISPA) کے سربراہ پروفیسر محمد شاہد قریشی کے مطابق سال 2006ء میں دو سورج گرہن ہوں گے جن میں پہلا سورج گرہن 29 مارچ کو ہوگا' جو پاکستان میں جزوی طور پر دکھائی دے گا' جب کہ دوسرا 22 ستمبر کو ہوگا' جو پاکستان میں دکھائی نہیں دے گا' کراچی میں اس کا دورانیہ ایک گھنٹہ 26 منٹ ہوگا یعنی 24 فیصد گرہن ہوگا' 29 مارچ کو ہونے والا سورج گرہن مشرقی برازیل' افریقہ' یورپ' مشرقِ وسطیٰ' پاکستان اور بھارت میں جزوی طور پر دیکھا جاسکے گا۔ پروفیسر محمد شاہد قریشی کے مطابق 29 مارچ کو پاکستان کے مختلف شہروں سے جزوی سورج گرہن اس شیڈول کے مطابق نظر آئے گا۔ گوادر میں سہ پہر 3:38 سے شروع ہوکر 5:19 منٹ پر ختم ہوگا۔ کوئٹہ میں 3:44 منٹ پر شروع ہوکر 5:31 منٹ پر ختم ہوگا۔ پشاور میں 3:47 بجے شروع ہوکر 5:38 منٹ پر ختم ہوگا۔ اسلام آباد میں 3:50 بجے شروع ہوکر 5:38 بجے تک' کراچی میں 3:53 بجے سے 5:19 بجے تک' لاہور میں 3:54 بجے سے 5:36 منٹ تک' جب کہ حیدرآباد میں 3:55 بجے سے 5:22 بجے تک دیکھا جاسکے گا۔ پروفیسر شاہد قریشی نے بتایا کہ جامعہ کراچی کے انسٹی ٹیوٹ آف اسپیس کی جانب سے سورج گرہن کو دیکھنے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں' انسٹی ٹیوٹ کے تمام طلبہ اور اساتذہ سورج گرہن کا مشاہدہ کریں گے' تصاویر اور اصل وقت ریکارڈ کریں گے۔ پروفیسر شاہد قریشی نے کہا کہ سورج گرہن کو براہِ راست دیکھنے سے پرہیز کیا جائے' اس سے آنکھوں کو نقصان ہوسکتا ہے' تاہم سیاہ ایکسرے فلم کو دوہرا کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔

سائنس دان اور ماہر فلکیات سورج کی حرکت' چاند کی حرکت اور زمین کی حرکت کا پورا پورا حساب رکھتے ہیں اور اس حساب سے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان چاند کب حائل ہوگا اور اس سے سورج کا کتنا حصہ گہنائے گا اور دنیا میں کس کس ملک میں سورج کا گہن کتنے بج کر کتنے منٹ پر نظر آئے گا اور ان کا یہ حساب اتنا قطعی ہے کہ آج تک ان کی پیش گوئی غلط نہیں ہوئی۔ اسی طرح جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے تو چاند کو گہن لگ جاتا ہے اور سائنس دان اور ماہر فلکیات اس کی بھی اسی تفصیل کے ساتھ پیش گوئی کرتے ہیں اور یہ تب ہی ممکن ہے' جب انہیں زمین کی حرکت' چاند کی حرکت اور سورج کی حرکت کا حساب معلوم اور مشاہد ہو' تب ہی انہیں معلوم ہوگا کہ زمین اس رفتار سے حرکت کرتے ہوئے کب سورج اور چاند کے درمیان حائل ہو جائے گی اور چونکہ برسوں سے سورج گرہن اور چاند گرہن کی پیش گوئیوں کا صدق ظاہر ہورہا ہے' اس لیے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے سو جو قدیم علماء زمین کی حرکت کا انکار کرتے ہیں' وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ ان سائنس دانوں اور ماہرین فلکیات کو سورج گرہن اور چاند گرہن لگنے اور تمام دنیا میں ان کے نظام الاوقات کا کیسے پتا چل جاتا ہے' کیا وہ غیب دان ہیں!

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کو حقیقۃً دیکھا تھا یا آپ کو ان کی مثال دکھائی گئی تھی؟

نیز اس حدیث میں فرمایا: جس چیز کو بھی میں نے (پہلے) نہیں دیکھا ہے' اس چیز کو میں نے اس جگہ میں دیکھ لیا ہے' حتیٰ کہ جنت

اور دوزخ کو بھی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے آپ نے اپنی آنکھ سے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہو بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو آپ کے لیے منکشف کر دیا ہو اور آپ کے اور جنت کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو زائل کر دیا ہو جیسا کہ جب مشرکین مکہ نے آپ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے لیے منکشف کر دیا' حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا' پس اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا' میں بیت المقدس کی طرف دیکھ دیکھ کر قریش کو اس کی نشانیاں بتانے لگا۔ (صحیح البخاری:۳۸۸۶' صحیح مسلم:۱۷۰' سنن ترمذی:۳۱۳۳' السنن الکبریٰ للنسائی:۱۱۲۸۲' مسند ابوعوانہ ج۱ ص۱۳۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ ص۳۵۹' صحیح ابن حبان:۵۵' شرح السنۃ:۳۷۶۲' مسند احمد ج۳ ص۳۷۷ طبع قدیم' مسند احمد:۱۵۰۳۴' ج۲۳ ص۲۸۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

● علم کلام میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ دیکھنا ایک ایسی صفت ہے' جس کو اللہ تعالیٰ دیکھنے والے میں پیدا کرتا ہے اور اس میں شرط نہیں ہے کہ جس چیز کو دیکھا جائے' وہ دیکھنے والے کے سامنے ہو اور اس کی شعاع بصری اس چیز کا احاطہ کرے' بلکہ یہ امور عادۃً شرط ہیں اور عقلاً ان کے بغیر بھی دیکھا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور دوزخ کا علم عطا کیا ہو اور وحی کے ذریعہ آپ کو جنت اور دوزخ کی تمام تفاصیل پر مطلع کر دیا' جن پر اس سے پہلے مطلع نہیں فرمایا تھا۔

(عمدۃ القاری ج۲ ص۱۴۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے فرمایا ہے: اس قول کے مطابق یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی مثالوں اور صورتوں کو دیوار میں ثبت کر دیا ہو' جیسے شفاف اجسام آئینہ میں ثبت ہوتے ہیں' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی ہے تو میں نے جنت اور دوزخ کی صورتوں کو قبلہ کی اس دیوار میں دیکھا۔ (صحیح البخاری:۷۴۹) دوسری حدیث میں ہے: ابھی میرے سامنے اس دیوار کے عرض میں جنت اور دوزخ مجھ پر پیش کی گئیں اور اس وقت میں نماز پڑھ رہا تھا۔ (صحیح البخاری:۵۴۰) اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے لیے جنت اور دوزخ کی تصویر بنائی گئی اور میں نے اس دیوار میں ان دونوں کو دیکھا۔ (صحیح مسلم:۲۳۵۹)

اور اس کو اس وجہ سے بعید نہ سمجھا جائے کہ آئینہ میں صرف شفاف اجسام ثبت ہوتے ہیں' کیونکہ یہ شرط عادی ہے' عقلی نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہو اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ شروط عقلی ہیں' تو ہو سکتا ہے کہ یہ صورتیں دیوار میں پہلے سے موجود ہوں اور اس کا ادراک کرنا صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ممکن ہو۔ (المفہم ج۲ ص۵۵۶' دارابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مصنف کے نزدیک سورج گہن کی نماز میں جنت اور دوزخ کو دیکھنے کا واقعہ کئی بار ہوا' بعض اوقات آپ نے جنت اور دوزخ کی صورتوں اور مثالوں کو دیکھا' جیسا کہ ان احادیث میں ہے اور بعض مرتبہ آپ نے حقیقۃً جنت اور دوزخ کو دیکھا' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ اپنے کھڑے ہونے کی جگہ میں کسی چیز کو پکڑ رہے تھے پھر ہم نے آپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا' آپ نے فرمایا: میں نے انگور کے خوشہ کو پکڑا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو

تم اس کو اس وقت تک کھاتے رہتے' جب تک دنیا باقی رہتی۔

(صحیح البخاری:۱۰۵۲' صحیح مسلم:۹۰۷' سنن ابوداؤد:۱۱۸۱' سنن ترمذی:۵۶۰' سنن نسائی: ج ۳ ص ۱۲۹' بیروت)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ کسوف کے موقع پر اگر جنت کی صرف مثال اور تصویر ہی دیکھی ہوتو مثال اور تصویر سے انگور کے خوشے نہیں توڑے جاتے' اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ کسوف پڑھانے کا واقعہ متعدد دفعہ ہوا' ایک موقع پر آپ کو صرف جنت کی مثال اور تصویر دکھائی گئی اور دوسرے موقع پر خود جنت اور دوزخ کو آپ کے لیے منکشف کر دیا گیا' نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت آپ کی مِلک کر دی ہے' کیونکہ اگر جنت آپ کی ملک نہ ہوتی تو غیر کی ملک میں تصرف کرنا تو گناہ کبیرہ ہے اور آپ گناہوں سے معصوم ہیں' پھر آپ جنت سے انگور کے خوشے کیسے توڑتے! اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ طاقت دی ہے کہ آپ سات آسمانوں کے پار جنت کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ صرف دیکھ سکتے ہیں بلکہ جنت میں تصرف کر کے اس کے خوشے بھی توڑ سکتے ہیں اور جب آپ کو جنت کا مالک بنا دیا گیا ہے تو آپ جس کو چاہیں مستحق سمجھیں' جنت عطا بھی فرما سکتے ہیں۔

جنت اور دوزخ کا پیدا ہو چکا ہونا اور وہ کہاں ہیں' اور عمل قلیل کا مفسد نماز نہ ہونا

نیز اس حدیث میں فرمایا ہے: اس شخص کے متعلق تمہیں کیا علم ہے؟ تو وہ کہے گا: یہ محمد رسول اللہ ہیں' ہمارے پاس دلائل اور معجزات لے کر آئے تھے' سو ہم نے ان کے پیغام پر لبیک کہا اور ان کی پیروی کی اور تین دفعہ یہ کہا کہ یہ محمد ہیں' پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم اپنے (اعمال سے) نفع اٹھاتے ہوئے سو جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قبر میں اشارہ کر کے فرشتے قبر میں مدفون شخص سے پوچھیں گے: تمہیں اس شخص کے متعلق کیا علم ہے اور یہ فرشتے منکر نکیر ہیں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جنت اور دوزخ پیدا کی جا چکی ہیں' اس کے برخلاف معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی جنت اور دوزخ نہیں پیدا کی گئیں' کیونکہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے' قیامت کے بعد جزاء اور سزا کا معاملہ پیش آئے گا تو اسی وقت جنت اور دوزخ کو پیدا کر دیا جائے گا' ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے' ان میں سے یہ آیتیں ہیں:

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ. اور آدم اور اس کی زوجہ دونوں اپنے گرد جنت کے درخت کے پتے لپیٹنے لگے۔

(الاعراف:۲۲' طٰہٰ:۱۲۱)

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى○عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى○ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس○ اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے○

(النجم:۱۵۔۱۴)

اور بہت احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جنت اور دوزخ پیدا کی جا چکی ہے' ان میں سے ایک باب مذکور کی یہ حدیث ہے۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث میں جس جنت کا ذکر ہے' وہ زمین کا کوئی باغ ہے' ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل قرآن اور حدیث سے کھیلنے کے مترادف ہے' اور جنت اور دوزخ کے سوا ہر مخلوق فنا ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے: جنت الفردوس اوسط الجنۃ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ (صحیح البخاری:۲۷۹۰) جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور دوزخ کہاں ہے' اس کی قرآن اور حدیث میں کوئی واضح تصریح نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں قبر میں مردے کو زندہ کرنے اور اس سے سوال کرنے اور اس کے جواب دینے کا ثبوت ہے اور یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور اس پر بہت دلائل ہیں۔

نیز اس حدیث میں دجال کے نکلنے کا ثبوت ہے اور منکر اور نکیر کا ثبوت ہے اور حضرت اسماء اور حضرت عائشہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا' اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے' جب نماز میں کلام سے منع نہیں کیا گیا تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بے ہوش ہونے کے باوجود اگر عقل قائم ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا اور عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی' کیونکہ نماز میں حضرت اسماء اپنے سر پر پانی ڈالتی رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلی علم غیب پر دلائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آپ نے فرمایا: جس چیز کو بھی میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا' اس چیز کو میں نے اس جگہ دیکھ لیا ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی۔

اس حدیث میں "ما من شئ" کے الفاظ ہیں اور یہ سب عام سے بڑھ کر عام ہے اور نکرہ حیز نفی میں ہے' وہ بھی عموم کا مفید ہے' اس کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو دیکھی جا سکتی تھی' اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر دیکھ لیا' یہ عقلی مخصص ہے اور عرفی مخصص یہ ہے کہ آپ نے ان چیزوں کو دیکھا' جن کا تعلق دین اور جزاء وغیرہ کے ساتھ ہے۔

مصنف کہتا ہے کہ جب علامہ عینی کے قول کے مطابق یہ الفاظ اعم العام ہیں اور نکرہ کا حیز نفی میں ہونا بھی اس کے عموم کا مؤکد ہے تو پھر کسی مخصص عرفی کی ضرورت نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس کا دیکھنا ممکن تھا' اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر دیکھ لیا۔

اس کے بعد علامہ عینی نے لکھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر اللہ سبحانہ کی ذات کو بھی دیکھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ اس مقام پر آپ نے ہر شے کو دیکھا اور شے کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی شامل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلی علم غیب کے متعلق علماء دیو بند کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

مشہور دیو بندی عالم شیخ سلیم اللہ خان حدیث کے اس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے' وہ یہ کہ اس طرح کا کلام ترقی کے لیے استعمال ہوتا ہے' کہا جاتا ہے کہ میں نے یہ دیکھا' یہ دیکھا حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا' اور یہاں ترقی کے معنی سمجھ میں نہیں آتے' اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ المعراج میں جنت وجہنم دیکھ چکے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بیان عالم سفلی کا ہو رہا ہے کہ اس عالم میں ہوتے ہوئے مجھے بہت سی غیبی اشیاء (کل غیبی اشیاء کہنا چاہیے تھا۔ سعیدی غفرلہ) حتیٰ کہ جنت وجہنم بھی دکھلائی گئیں' جب کہ لیلۃ المعراج میں آپ کو دوسرے عالم میں مشاہدہ کرایا گیا تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جنت وجہنم کا مشاہدہ آپ کو لیلۃ المعراج میں کرایا گیا ہو لیکن نمازِ کسوف میں جس مخصوص صفت کے ساتھ آپ کو دکھایا گیا ہو' اس طرح لیلۃ المعراج میں آپ نے نہ دیکھا ہو' اس صفت میں ترقی کا تعلق مخصوص صفت کے ساتھ ہوگا۔ (کشف الباری جلد ۳ ص ۴۹۲۔۴۹۱' مکتبہ فاروقیہ کراچی' مارچ ۲۰۰۵ء)

شیخ محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے:

کوئی چیز ایسی نہیں ہے' جو مجھے پہلے نہیں دکھائی تھی' مگر آج وہ اپنے اس کھڑے ہونے کی جگہ دیکھ لی ہے' یعنی وہ چیزیں پہلے نہیں دکھائی گئیں تھیں' وہ آج دکھا دی گئی ہیں' یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو بھی میں نے دیکھ لیا' نمازِ کسوف کے اندر ملاء اعلیٰ کی بہت سی باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف فرمائی گئیں۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۱۱۶ مکتبۃ الحرا کراچی)

حدیث میں ''اعم العام'' کا صیغہ ہے اور نکرہ حیز نفی میں ہونے سے اس کا عموم مؤکد ہے جس کا معنی ہے کہ آپ کو غیب کی تمام چیزیں دکھادی گئیں حتی کہ جنت اور دوزخ بھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات بھی آپ کو دکھادی جو غیب الغیب ہے پھر باقی کیا رہ گیا لیکن چونکہ شیخ سلیم اللہ اور شیخ عثمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلی علم غیب کے قائل نہیں ہیں اس لیے انہوں نے اس کے ترجمہ میں بہت سی غیبی اشیاء لکھا ہے حالانکہ یہ حدیث آپ کے کلی علم غیب پر واضح دلیل ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی' اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور آپ کا علم متناہی ہے اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے اور آپ کا علم ایک ذرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مماثل نہیں ہے جو شخص ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ اور رسول کا علم مساوی مانے وہ مشرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلی اشیاء کا علم ہے مگر متناہی وجوہ سے اور یہی آپ کے علم کلی کا معنی ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

دیوبند کے ایک اور عالم سید احمد رضا بجنوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث الباب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے پہلے سے نہیں دکھائی گئی تھی کہ میں نے اس کو اس مقام میں دیکھ لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام چیزوں کی رؤیت حاصل تھی ہی نہیں صرف بعض کی تھی مگر اس مقام میں وہ رؤیت مکمل ہوگئی لیکن پھر بھی یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سے مراد تمام غیوب ہیں یا وہ غیوب ہیں جن کے بارے میں امت کو مطلع کرنے کی ضرورت تھی یا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مکرم و معظم کے لیے بطور خاص ضروری تھے اور جن امور کی اطلاع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خصوصی اعزاز و اکرام مقصود تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ گو حدیث کے الفاظ سے دونوں کا احتمال ہے مگر بظاہر دوسری صورت ہی مراد ہے اور پہلی صورت کے ممنوع ہونے پر کتاب وسنت دونوں شاہد ہیں حق تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ'' ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان میں سوائے خدا کے غیب کو کوئی بھی نہیں جانتا'' حدیث میں ہے: ''مفاتح الغیب خمس لا یعلمھن الا اللّٰہ'' پانچ چیزیں غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی نہیں جانتا'' پھر اس کے لیے بھی جمیع غیوب مراد نہیں ہو سکتے کہ اس سے خالق و مخلوق کا برابر ہونا لازم آتا ہے جو عقلاً بھی محال ہے لہٰذا علم غیب کلی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطریق عقل و نقل مستحیل ہے۔ (بحر النواس ج ا ص ۱۲۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم غیب کلی کے ثبوت و عدم ثبوت کی بحث ہم آئندہ کسی مناسب موقع سے مکمل و مدلل لکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (انوار الباری ج ۵ ص ۱۴۵ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۲۳ھ)

شیخ بجنوری کے اپنے کلام میں تعارض ہے انہوں نے قرآن مجید کی جو دو آیتیں پیش کی ہیں ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی مطلقاً غیب کا علم نہیں ہے پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ آپ کو جمیع غیوب کا علم نہیں ہے یعنی بعض غیوب کا علم ہے؛ درحقیقت ان آیتوں کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی از خود غیب کا علم نہیں ہے اور اسی کو ذاتی علم سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں یہی لکھا ہے ہم اس سے پہلے شیخ شبیر احمد عثمانی سے بھی نقل کر چکے ہیں انہوں نے النمل: ۶۵ کی تفسیر میں لکھا ہے:

کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے۔ (الی قولہ) ہاں! بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ (حاشیہ عثمانی ص ۴۹۶ دار التصنیف کراچی)

اور کلی علم غیب کا محمل ہم بیان کر چکے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں مساوات لازم نہیں کیونکہ آپ کا تمام علم متناہی وجوہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی وجوہ سے ہے اور ایک ذرہ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی وجوہ سے ہے اور آپ کا تمام علم متناہی وجوہ سے ہے' ایک ذرہ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی وجوہ سے ہے' اس میں غیر متناہی کا تسلسل ہے اور جو آپ کے لیے ایک ذرہ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے برابر مانے' وہ مشرک ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ قبر میں تین سوال کیے جائیں گے' پھر آپ کی شناخت کے متعلق سوال پر اقتصار کیوں کیا گیا؟

اس حدیث میں مذکور ہے: کہا جائے گا: اس شخص کے متعلق تمہیں کیا علم ہے؟

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا قبر میں صرف آپ کے متعلق سوال کیا جائے گا یا اور کوئی سوال بھی کیا جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں جو سوالات کیے جائیں گے' ان کی تفصیل ان احادیث میں ہے:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ پس اللہ اس کو ان کے جوابات میں ثابت قدم رکھتا ہے' پس وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر اس کی قبر میں وسعت کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں کشادگی کی جاتی ہے' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ آیت پڑھی: ''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ''. (ابراہیم:۲۷)

(المعجم الکبیر:۹۱۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴' بیروت' الشریعہ لللآجری:۸۱۱)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم قبر تک پہنچے' جب لحد بنائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے' گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی' جس کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے تھے' آپ نے اپنا سر (اقدس) اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' اور فرمایا: جب لوگ پیٹھ پھیر کر جائیں گے تو یہ ضرور ان کی جوتیوں کی آواز سنے گا' جب اس سے یہ کہا جائے گا: اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ ھناد نے کہا: اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس کو بٹھا دیں گے' اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' پھر وہ کہیں گے: وہ شخص کون تھا' جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر وہ کہیں گے: تم کو کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب پڑھی' میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی' اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: ''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ''. (ابراہیم:۲۷) پھر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور جنت کی خوشبو آئے گی' اور اس کی منتہائے بصر تک اس کی قبر کھول دی جائے گی' پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا: اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو

بٹھائیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ کہیں گے: یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا' وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر آسمان سے ایک منادی نداء کرے گا: اس نے جھوٹ بولا' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ سے ایک دروازہ کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جائے گی' حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جائیں گی' پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کیا جائے گا' اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوگا' جس کی ضرب اگر پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے' پھر وہ گرز اس پر مارے گا' جس سے وہ کافر چیخ مارے گا' جس کو جن اور انس کے سوا سب سنیں گے اور وہ کافر مٹی ہو جائے گا اور اس میں پھر دوبارہ روح ڈال دی جائے گی۔

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ' امام احمد متوفی ۲۴۱ھ' امام آجری متوفی ۳۶۰ھ اور امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۷۵۳' مصنف عبدالرزاق: ۶۷۳۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۸۷۳۳' الشریعۃ للآجری: ۸۱۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۷)

اب یہ اعتراض ہے کہ جب قبر میں تین سوالات کیے جائیں گے تو صحیح بخاری: ۸۶ کی اس حدیث میں صرف اس سوال پر کیوں اکتفاء کیا گیا ہے کہ اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہت اہم سوال ہے' حتیٰ کہ پہلے دو سوالوں کے جوابوں کا قبول ہونا' اسی سوال کے جواب کی صحت پر موقوف ہے' اس لیے اسی سوال کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

۲۵- بَابُ تَحْرِيْضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى اَنْ يَّحْفَظُوا الْاِيْمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوْا مَنْ وَّرَاءَ هُمْ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبدالقیس کے وفد کو ایمان اور علم کی حفاظت پر برانگیختہ کرنا اور اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کو ان کی خبر دینا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں سوال اور جواب کا ذکر تھا اور سوال کے جواب میں بھی ایک قسم کے علم پر ترغیب ہوتی ہے اور اس باب میں بھی علم پر ترغیب ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں:

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ.

اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو علم سکھاؤ۔

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ' اپنی قوم کے چھ افراد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تھے' پھر اسلام لے آئے اور کافی دن آپ کے پاس رہے' پھر آپ نے ان کو ان کے گھر جانے کی اجازت دے دی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پندرہ احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے دو حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور یہ حدیث وہ ہے جس پر دونوں متفق ہیں' یہ بصرہ میں رہے اور وہیں ۹۴ھ میں فوت ہو گئے' بہت بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۴۹' خلاصۃ الخزرجی ج ۳ ص ۶۶)

امام بخاری نے یہاں جو حدیث ذکر کی ہے' وہ ایک حدیث کا قطعہ ہے' مکمل حدیث یہ ہے:

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت ہم عمر نوجوان تھے'

آپ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے پھر آپ نے یہ گمان کیا کہ ہم اپنے گھر والوں کی طرف مشتاق ہو رہے ہیں اور آپ نے ہم سے سوال کیا کہ ہم اپنے گھر میں کن کو چھوڑ کر آئے ہیں' سو ہم نے آپ کو بتایا' اور آپ بہت رفیق اور رحیم تھے' آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو تعلیم دو اور ان کو (نیکی کا) حکم دو' اور اس طرح نماز پڑھو' جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جو تم میں سے بڑا ہو' وہ نماز کی امامت کرائے۔

(صحیح البخاری: ۶۲۸-۷۰۰۸' صحیح مسلم: ۶۷۴' سنن ابوداؤد: ۵۸۹' سنن ترمذی: ۲۰۵' سنن نسائی: ۶۳۴-۶۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۶)

٨٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ' عَنْ اَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ ' فَقَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنِ الْوَفْدُ اَوْ مَنِ الْقَوْمُ؟ قَالُوْا رَبِيعَةُ ' فَقَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ' غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى' قَالُوْا اِنَّا نَاْتِيْكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيْدَةٍ ' وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ' وَلَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَاْتِيَكَ اِلَّا فِيْ شَهْرٍ حَرَامٍ' فَمُرْنَا بِاَمْرٍ نُخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَرَاءَنَا' نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ ' فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَحْدَهٗ' قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ' قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ 'وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ 'وَصَوْمُ رَمَضَانَ' وَتُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ' وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ' وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' از ابی جمرہ' وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لوگوں کے درمیان ترجمہ کرتا تھا' انہوں نے بیان کیا کہ عبد القیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے فرمایا: یہ کون سا وفد ہے؟ یا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: ربیعہ' آپ نے فرمایا: اس قوم کو خوش آمدید ہو! یا اس وفد کو! یہ نہ شرمندہ ہیں نہ نادم ہیں! انہوں نے کہا: ہم آپ کے پاس دور دراز کی مسافت سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ ہے' اور ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینہ میں آنے کی طاقت رکھتے ہیں' آپ ہمیں کوئی جامع حکم بتایئے' جس کی ہم اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کو خبر دیں اور اس وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں تو آپ نے ان کو چار کاموں کا حکم دیا اور چار کاموں سے منع فرمایا' آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اللہ عزوجل وحدہٗ پر ایمان لائیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا' اور رمضان کے روزے رکھنا اور تم مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرو' اور آپ نے ان کو کھوکھلے کدو' سبز گھڑوں اور تارکول ملے ہوئے برتنوں (میں نبیذ پینے) سے منع فرمایا۔

قَالَ شُعْبَةُ رُبَّمَا قَالَ النَّقِيْرِ. وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ. قَالَ اِحْفَظُوْهُ وَاَخْبِرُوْهُ مَنْ وَّرَاءَكُمْ.

شعبہ نے کہا: بعض اوقات آپ نے نقیر کہا اور بعض اوقات مقیر کہا (کھوکھلا)۔ آپ نے فرمایا: ان باتوں کو یاد رکھو اور اپنے

پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کو ان کی خبر دو۔

صحیح البخاری: ۵۳ میں اس حدیث کی تخریج اور شرح تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

تبلیغ اور تعلیم کے فرض عین اور فرض کفایہ ہونے کا محمل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس شخص کو کسی چیز کا علم حاصل ہو' اس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کو اس کی تعلیم دے' جن کو اس کا علم نہیں ہے اور اب یہ تعلیم دینا فرض کفایہ ہے' کیونکہ اب مکمل اسلام پھیل چکا ہے اور ابتداء اسلام میں جس شخص کو دین کی کسی بات کا علم ہوتا' اس پر دوسروں کو اس کی تعلیم دینا فرض عین تھا' حتیٰ کہ اسلام مشارق اور مغارب میں پھیل گیا اور اس کا تمام ادیان پر غلبہ ہو گیا' جس طرح نبی ﷺ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے عذاب سے ڈرایا تھا' اسی طرح ابتداء اسلام میں علماء پر فرض عین تھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔

اپنے ماتحت اور زیر اثر لوگوں کو نیک اعمال کی تلقین کا لزوم

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو تعلیم دے اور ان کو فرائض سکھائے' کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کو ان کی خبر دو اور قرآن مجید میں ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم:۶) تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور اس وجہ سے بھی کہ انسان اپنے گھر والوں کے اعمال کا محافظ ہے اور اس سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا اور اس حدیث میں خبر واحد کے حجت ہونے کا بھی ثبوت ہے۔

''کتاب الایمان'' کے آخر میں باب ''اداء الخمس من الایمان'' میں وفد عبدالقیس کی حدیث: ۵۳ میں اس حدیث کی مفصل شرح گزر چکی ہے اور اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱ ص ۱۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

۲۶- بَابُ الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْاَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيْمِ اَهْلِهٖ

کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل معلوم کرنے کے لیے سفر کرنا اور اپنے گھر والوں کو تعلیم دینا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں علم کی ترغیب کا ذکر تھا اور جس کو شدت سے علم کی ترغیب دی جائے' وہ کبھی اپنے پیش آمدہ مسئلہ کے حل کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔

۸۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ اَبُو الْحَسَنِ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ' عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِاَبِيْ اِهَابِ بْنِ عَزِيْزٍ' فَاَتَتْهُ اِمْرَاَةٌ فَقَالَتْ اِنِّيْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن سعید بن ابی حسین نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ انہوں نے ابو اہاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی'

وَالَّتِیْ تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ اَرْضَعْتِنِیْ، وَلَا اَخْبَرْتِنِیْ، فَرَكِبَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَاَلَهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ. فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهٗ.

[اطراف الحدیث: ۲۰۵۲-۲۶۴۰-۲۶۵۹-۲۶۶۰-۵۱۰۴]

پھر ان کے پاس ایک عورت نے آ کر کہا: بے شک میں نے عقبہ کو اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے حضرت عقبہ نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے (پہلے) مجھے اس کی خبر دی تھی، پھر وہ سوار ہو کر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیسے؟ (اس کو اپنے نکاح میں برقرار رکھو گے؟) حالانکہ اس کے متعلق کہا گیا ہے! پھر حضرت عقبہ اپنی بیوی سے الگ ہو گئے اور اس نے پھر کسی اور شخص سے نکاح کر لیا۔

(سنن ترمذی: ۱۱۵۱، سنن ابوداؤد: ۳۶۰۳، مسند الحمیدی: ۵۷۹، سنن دارمی: ۲۲۶۰، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۹، بیروت، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۰۲۸، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۷۶-۱۷۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۳، مصنف عبد الرزاق: ۱۳۹۶۸-۱۵۴۳۵، صحیح ابن حبان: ۴۲۱۶، المعجم الکبیر: ۹۷۴-۹۷۵، ج ۱۷، مسند احمد ج ۴ ص ۷، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۶۱۴۸، ج ۲۶ ص ۷۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے سفر کرنا، اور اس حدیث میں حضرت عقبہ کے اسی سفر کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن مقاتل المروزی (۲) عبداللہ بن المبارک المروزی، ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عمر بن سعید بن ابی حسین النوفلی المکی، یہ طاؤس، عطاء اور دیگر سے روایت کرتے ہیں، یہ ثقہ ہیں، امام ابوداؤد نے ان سے مراسیل میں روایت کی ہے (۴) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ القرشی، ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) حضرت عقبہ بن الحارث بن عامر بن عدی القرشی المکی رضی اللہ عنہ، فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور مکہ میں رہائش رکھی، امام بخاری، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے ان کی احادیث روایت کی ہیں، امام مسلم نے ان کی کوئی حدیث روایت نہیں کی، امام بخاری نے "کتاب العلم، کتاب الحدود" اور "کتاب الزکوٰۃ" میں ان کی تین احادیث روایت کی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۵۱) (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عقبہ بن الحارث نے ابواھاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی، اس عورت کا نام ام یحییٰ غنیہ تھا، اور اس خاتون نے بعد میں ضُریب بن الحارث سے نکاح کر لیا۔

رضاعت ثابت نہ ہونے کے باوجود آپ نے حضرت عقبہ کے نکاح کو کیوں ناپسند فرمایا

حضرت عقبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اپنی بیوی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم کیسے (اس کو اپنے نکاح میں برقرار رکھو گے)؟ حالانکہ اس کے متعلق کہا گیا ہے۔ حضرت عقبہ کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح صحیح تھا اور محض ایک عورت کے خبر دینے سے ان کے درمیان رضاعت (دودھ کا رشتہ) ثابت نہیں ہوتا تھا، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ حضرت عقبہ پر بہرحال یہ تہمت لگتی کہ انہوں نے اپنی دودھ شریک بہن سے نکاح کیا ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خواہ انسان کا دامن پاک ہو اور وہ حرام کام سے بری ہو پھر بھی اس کو حرام کی تہمت سے بچنا چاہیے۔

"حدیث اتقوا مواضع التھم" کی تحقیق

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ نے ذکر کیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اتقوا مواضع التھم" (تہمتوں کی جگہوں سے بچو)۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ ھ)

اس کے حاشیہ پر علامہ عراقی نے لکھا ہے: مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی۔

سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ نے "احیاء العلوم" کی شرح میں لکھا ہے:

الزبیر بن بکار نے "الوفقیات" میں اپنی سند سے روایت کیا ہے: حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: جو شخص تہمت کے درپے ہوا تو وہ اس کو ملامت نہ کرے جو اس کے ساتھ بدگمانی کرے اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے میرے بعض بھائیوں نے میرے لیے لکھا جس شخص نے اپنے نفس کو تہمتوں کے لیے پیش کیا وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۴ ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا: جو شخص بدگمانی کے راستوں پر چلا اس کو تہمت لگے گی۔

(کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۱ ص ۴۴ مکتبۃ الغزالی دمشق)

تہمت کی جگہوں سے بچنے کی اصل اس حدیث میں ہے:

حضرت علی بن الحسین رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت صفیہ رضی اللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں اعتکاف میں تھے وہ آپ کی زیارت کرنے کے لیے آئیں اور کچھ دیر آپ سے باتیں کیں پھر جانے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی ﷺ بھی ان کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ جب وہ مسجد کے دروازے پر پہنچیں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ کے دروازے کے پاس تھا تو دو انصاری مرد وہاں سے گزرے اور انہوں نے نبی ﷺ کو سلام کیا نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: تم ٹھہرو! یہ صفیہ بنت حیی ہیں ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! یارسول اللہ! اور ان پر یہ بات بہت شاق گزری تو نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک شیطان انسان کے خون کی جگہ پہنچ جاتا ہے اور مجھے خطرہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی چیز (بدگمانی) ڈال دے گا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۳۵ صحیح مسلم: ۲۱۷۵ سنن ابوداؤد: ۲۴۷۰ سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۹)

نیز حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔ (صحیح البخاری: ۵۲ صحیح مسلم: ۱۵۹۹ مسند الحمیدی: ۹۱۸ سنن ابوداؤد: ۳۳۲۹ سنن ترمذی: ۱۲۰۵ سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۴ سنن نسائی ج ۷ ص ۲۴۱ مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۹ سنن دارمی: ۲۵۳۴)

اور اس میں کوئی شک نہیں جب اس عورت نے حضرت عقبہ رضی اللہ سے کہا: میں نے تم کو اور تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے تو ان کا نکاح مشتبہ ہو گیا اور ان کے دین اور ان کی عزت کی حفاظت کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دیتے۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے نصابِ شہادت میں مذاہبِ فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے ظاہر سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دودھ پلانے والی عورت کی شہادت سے رضاعت

ثابت ہو جاتی ہے اور جو فقہاء کہتے ہیں کہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی' وہ کہتے ہیں کہ حضرت عقبہ کی حدیث احتیاط پر محمول ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک عورت کے خبر دینے سے ان پر ان کی بیوی حرام ہو گئی تھی۔ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جمہور العلماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہ سے بچنے کے لیے یہ حکم دیا ہے' اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ محل شک سے اجتناب کریں' تا کہ وہ اس خطرہ سے نکل جائیں کہ وہ اپنی رضاعی بہن سے مجامعت کر رہے ہیں' لیکن آپ نے قطعی طور پر سختی سے منع نہیں فرمایا' نیز اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی' (اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محتاط طریقہ پر عمل کرنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بہ طریقہ قضاء نہیں تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور احتیاط یہ حکم دیا' جیسے کہ امام بخاری نے "کتاب البیوع" میں تفسیر مشتبہات میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت عقبہ کی یہ حدیث وجوبی حکم پر محمول ہے اور انہوں نے کہا کہ دودھ پلانے کے ثبوت میں ایک عورت کی گواہی کو بھی قبول کیا جاتا ہے' یہ امام احمد کا قول ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب ایک عورت دودھ پلانے والی ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس کی گواہی کے ساتھ اس کے قول پر قسم بھی لی جائے گی۔

امام مالک نے کہا: دودھ پلانے والی عورت کا قول قبول کیا جائے گا' بہ شرطیکہ اس کا دودھ پلانا گھر میں اور پڑوسیوں میں مشہور ہو چکا ہو اور اگر دو عورتیں گواہی دیں تو پھر رضاعت کے ثبوت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں حضرت عقبہ پر واجب تھا کہ وہ اپنی بیوی سے الگ ہو جائیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر آپ نے تقویٰ اور احتیاط کے طور پر حضرت عقبہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے الگ ہو جائیں تو آپ پر لازم تھا کہ آپ حضرت عقبہ کو یہ حکم دیتے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تا کہ وہ دوسرے شوہر پر حلال ہو جائیں' کیونکہ اگر یہ حکم احتیاط تھا اور ان کی بیوی بدستور ان کے نکاح میں تھیں تو حضرت عقبہ کے چھوڑنے کے بعد ان کا دوسرے شخص سے نکاح جائز نہ ہوتا' اور آپ نے جو فرمایا: تم کیسے (اس کو اپنے نکاح میں برقرار رکھو گے؟) حالانکہ اس کے متعلق کہا گیا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد اس لیے تھا کہ حضرت عقبہ پر معاملہ آسان ہو جائے اور اس کی تائید آپ کے تبسم سے ہوتی ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت عقبہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے' وہ اس پر محمول ہے کہ وہ اس کو طلاق دے کر علیحدہ ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ نے رضاعت کے ثبوت میں صرف عورتوں کی شہادت کو منع فرمایا ہے' ان کے نزدیک دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

امام شافعی کے مذہب کی تفصیل یہ ہے کہ جب ایک دودھ پلانے والی شہادت دے اور اپنی شہادت کے ساتھ وہ دودھ پلانے کی اجرت کا بھی دعویٰ کرے تو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی' کیونکہ وہ اپنے فائدہ کے لیے شہادت دے رہی ہے اور اس کی شہادت متہم ہوگی اور اگر وہ اپنی اجرت کا دعویٰ نہ کرے' صرف یہ کہے کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اس کو دودھ پلایا ہے تو اس کی شہادت کو قبول کرنے میں ان کا اختلاف ہے' اور ان کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کی شہادت قبول ہوگی۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ رضاعت کی شہادت مال کی شہادت کی طرح ہے' اس میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور تنہا عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی' امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جائے

گی' امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی سے اور امام احمد کے نزدیک ایک عورت کی گواہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

۲۷- بَابُ التَّنَاوُبِ فِي الْعِلْمِ — حصولِ علم کے لیے باری باری جانا

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں حصولِ علم کے لیے سفر پر جانے کا ذکر تھا اور اس باب میں طلبِ علم کے لیے باری باری جانے کا ذکر ہے اور یہ دونوں باب علم کی حرص میں مشترک ہیں۔

۸۹- حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ (ح) قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَجَارٌ لِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ فِيْ بَنِيْ اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ. وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ. وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَنْزِلُ يَوْمًا وَاَنْزِلُ يَوْمًا فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَنَزَلَ صَاحِبِي الْاَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَضَرَبَ بَابِيْ ضَرْبًا شَدِيْدًا فَقَالَ اَثَمَّ هُوَ؟ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَدَثَ اَمْرٌ عَظِيْمٌ. قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ، فَاِذَا هِيَ تَبْكِيْ، فَقُلْتُ طَلَّقَكُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ لَا اَدْرِيْ. ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَاَنَا قَائِمٌ اَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ قَالَ لَا فَقُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ.

[اطراف الحدیث: ۲۴۶۸۔ ۴۹۱۳۔ ۴۹۱۴۔ ۴۹۱۵۔ ۵۱۱۹۔ ۵۲۱۸۔ ۵۸۴۳۔ ۷۲۵۶۔ ۷۲۶۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری (ح) امام ابوعبد اللہ بخاری کہتے ہیں: اور ابن وہب نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ثور از حضرت عبد اللہ بن عباس از حضرت عمر رضی اللہ عنہ' انہوں نے بیان کیا کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی بنی امیہ بن زید کے قبیلہ اور ان کے مواضع میں رہتے تھے' اور یہ مدینہ کے بالائی حصہ پر تھا' ہم باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا' پس جب میں جاتا تو اس دن نزولِ وحی کی خبر لے کر آتا' اور جس دن وہ جاتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا' پس ایک دن میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے دن آیا اور اس نے بہت زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: کیا وہ ہے؟ میں گھبرا کر اس کی طرف نکلا تو اس نے کہا: بہت سنگین حادثہ ہو گیا' حضرت عمر نے کہا: پس میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھی' میں نے پوچھا: کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ انہوں نے کہا: پتا نہیں' پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے کھڑے ہو کر کہا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' میں نے کہا: اللہ اکبر۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۹' سنن ترمذی: ۳۴۶۱' سنن نسائی: ۲۱۳۱۔ ۶۷۵' سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳' مسند ابویعلیٰ: ۲۲۲' صحیح ابن حبان: ۴۲۶۸' سنن بیہقی ج ۵ ص ۳۷' مسند البزار: ۲۰۶' الادب المفرد: ۸۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۲۲' ج ۱ ص ۳۵۰۔ ۳۴۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: طلبِ علم کے لیے باری باری جانا اور اس حدیث میں حضرت عمر اور ایک انصاری کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باری باری جانے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے تمام رجال کا تعارف ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے بعض الفاظ کی وضاحت

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جس انصاری پڑوسی کا ذکر ہے اس کا نام عتبان بن مالک بن عمرو بن العجلان الانصاری الخزرجی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصاری کی زوردار دستک سے حضرت عمر گھبرا گئے امام بخاری نے "کتاب التفسیر" میں حضرت عمر سے روایت کیا ہے: ہمیں یہ خطرہ تھا کہ غسان کا کوئی بادشاہ ہم پر حملہ کرے گا پس جب اس انصاری نے زوردار دروازہ کھٹکھٹایا تو میں سمجھا کہ اس غسانی نے حملہ کر دیا ہے۔

اس انصاری نے کہا: بہت سنگین حادثہ ہو گیا ہے اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور اس میں سنگینی کی وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ گمان ہوتا تھا کہ شاید آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بہت سنگین بات تھی کیونکہ ان کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں اس انصاری نے آپ کے ازواج سے علیحدہ ہونے سے یہ گمان کیا کہ آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے اس لیے اس کے گمان کے اعتبار سے حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا: کیا آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے۔

حدیث مذکور سے استنباط شدہ مسائل

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل نکالے گئے ہیں:

(۱) اس سے طلبِ علم کی حرص کا جواز معلوم ہوتا ہے اسی لیے حضرت عمر اور وہ انصاری باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

(۲) طلبِ علم کے ساتھ اپنی گزر اوقات اور اہل وعیال کی کفالت کا بھی انتظام کرنا چاہیے اسی لیے حضرت عمر ایک دن حصولِ علم کے لیے جاتے تھے اور ایک دن گزر اوقات کے انتظام میں مشغول رہتے۔

(۳) صحابہ کرام ایک دوسرے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ کی احادیث سے مطلع کرتے رہتے تھے جیسے اس انصاری نے حضرت عمر کو مطلع کیا کہ آپ اپنی ازواج سے الگ ہو گئے ہیں اور اس میں خبر واحد کو قبول کرنے کا بھی ثبوت ہے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ کا اپنی بیٹی کے گھر اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز ہے اور ان کے گھریلو معاملات کی تفتیش کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حضرت عمر نے حضرت حفصہ کے گھر جا کر ایسا ہی کیا تھا۔

(۵) اس حدیث میں پڑوسی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے اور کھڑے ہو کر سوال کرنے کا بھی ثبوت ہے۔

۲۸- بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ إِذَا رَاٰى مَا يَكْرَهُ

کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھ کر نصیحت اور تعلیم میں اظہارِ غضب کرنا

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں حصولِ علم کے لیے استاذ اور معلم کے پاس جانے کا ذکر تھا اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ استاذ تعلیم دیتے وقت کبھی اظہارِ غضب بھی کرتا ہے۔

۹۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ اَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِي حَازِمٍ عَنْ اَبِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ابن ابی خالد از

مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَا اَكَادُ اُدْرِكُ الصَّلٰوةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ، فَمَا رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِّنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ، اِنَّكُمْ مُنَفِّرُوْنَ، فَمَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَاِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَالضَّعِيْفَ وَذَا الْحَاجَةِ.

[اطراف الحدیث: ۷۰۲۔ ۷۰۴۔ ۶۱۱۰۔ ۷۱۵۹]

قیس بن ابی حازم از حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں فلاں شخص کی لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے (جماعت سے) نماز کو نہیں پا سکتا' پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی غضب ناک ہوتے ہوئے نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم (نمازیوں کو) متنفر کرتے ہو! پس جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے' وہ تخفیف کے ساتھ پڑھائے' کیونکہ نمازیوں میں بیمار' کمزور اور کسی ضروری کام پر جانے والے بھی ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۴۶۶' سنن ابن ماجہ: ۹۸۴' مصنف عبد الرزاق: ۳۷۲۶' مسند الحمیدی: ۴۵۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۵۔ ۵۴' صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۰۵' صحیح ابن حبان: ۲۱۳۷' المعجم الکبیر: ۵۵۵' ج ۱۷' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۱۵' شرح السنۃ: ۸۴۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۷۰۶۵' ج ۲۸ ص ۲۹۹' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت بالکل واضح ہے' کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی غضب ناک ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن کثیر' یہ اپنے بھائی سلیمان' شعبہ اور ثوری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام بخاری اور امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے' امام ابوحاتم نے کہا: یہ بہت سچے ہیں' یہ ۹۰ سال کی عمر میں ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) سفیان ثوری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) اسماعیل بن ابی خالد البجلی' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۴) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۵۹۔ ۱۵۸)

لمبی اور مختصر نماز پڑھانے کے محامل اور دیگر مسائل

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں فلاں شخص کی لمبی نماز کی وجہ سے جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رد نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام لمبی نماز پڑھائے تو جماعت کو ترک کرنا جائز ہے۔

(۲) اس شخص نے امام کی شکایت کی' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص غیر شرعی کام کرے' اس کی شکایت کرنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص دین میں کوئی غلط کام کرے' اس پر غضب ناک ہونا جائز ہے اور کسی مکروہ کام پر انکار کرنا جائز ہے کیونکہ اس امام کا بہت لمبی نماز پڑھانا غلط اور مکروہ کام تھا' اگرچہ حرام نہیں تھا۔

(۴) جب نمازی لمبی نماز پڑھنے پر راضی نہ ہوں اور امام حد اعتدال سے لمبی نماز پڑھائے تو مُفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کو سختی سے منع کرے۔

(۵) امام کو لمبی نماز پڑھانے سے منع کرنے کا محمل یہ ہے کہ جب نمازیوں میں بوڑھے' کمزور اور بیمار ہوں اور اگر نمازیوں میں سب صحت مند اور توانا ہوں اور وہ لمبی نماز پڑھانے سے خوش ہوں تو پھر امام کے لیے لمبی نماز پڑھانا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لمبی سورتوں مثلاً سورۂ یوسف پڑھ کر بھی نماز پڑھاتے تھے اور آپ نے مغرب کی نماز میں سورۃ الاعراف بھی پڑھی ہے' تاہم جب

آپ نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کر دیتے کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں نماز میں مضطرب ہو گی۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۰۹۷- ج۱ ص۱۲۵۹ پر ہے وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

۹۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِيْنِيُّ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ وِكَاءَهَا اَوْ قَالَ وِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ؟ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ اَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَمَا لَكَ وَلَهَا! مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ فَذَرْهَا حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا. قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ.

[اطراف الحدیث: ۲۳۷۲-۲۴۲۷-۲۴۲۸-۲۴۲۹-۲۴۳۶-۲۴۳۸-۵۲۹۲-۶۱۱۲]

(صحیح مسلم: ۱۷۲۲ سنن ابوداؤد: ۱۷۰۴ سنن ترمذی: ۱۳۷۲ السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۱۴ سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۴ مصنف عبدالرزاق: ۱۸۶۰۱ المنتقیٰ: ۶۶۹ صحیح ابن حبان: ۴۸۹۵ سنن بیہقی ج۶ ص۱۹۷-۱۸۶ مسند ابوعوانہ ج۴ ص۱۳۸ مسند الحمیدی: ۸۱۶ سنن دارقطنی ج۴ ص۲۳۶ المعجم الکبیر: ۵۲۰۵ شرح السنۃ: ۲۲۰۷ المعجم الاوسط: ۲۵۱۷ مسند احمد ج۴ ص۱۱۶ طبع قدیم مسند احمد: ۱۷۰۵۰ ج۲۸ ص۲۸۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال المدینی نے حدیث بیان کی از ربیعہ بن ابی عبدالرحمان از یزید المنبعث کے آزاد شدہ غلام از زید بن خالد الجہنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ (راستہ میں گری ہوئی چیز) کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: اس کے سربند (جس ڈوری سے تھیلی کو باندھا گیا ہو) کی پہچان رکھو یا فرمایا: اس تھیلی (بٹوے) اور اس کو بند کرنے کی چیز کی پہچان رکھو' پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو' پھر تم خود اس سے نفع حاصل کرو' پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو وہ چیز ادا کر دو' اس شخص نے پوچھا: گم شدہ اونٹ (کا کیا حکم ہے)؟ سو آپ غضب ناک ہوئے' حتیٰ کہ آپ کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے' یا راوی نے کہا: آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا' آپ نے فرمایا: تمہارا اس سے کیا تعلق ہے' اس کے ساتھ اس (کے پانی کا) مشکیزہ ہے اور اس کا جوتا ہے' وہ پانی (کے چشمہ) پر جا کر پانی پی لے گا اور درختوں کو چرتا رہے گا' اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک اس کو پا لے گا۔ اس سائل نے پوچھا کہ گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار غضب کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن محمد ابوجعفر المسندی (۲) ابو عامر عبدالملک (۳) سلیمان بن بلال المدینی (۴) ربیعہ بن عبدالرحمان' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۵) یزید المنبعث کے آزاد شدہ غلام' یہ حضرت ابو ہریرہ' حضرت زید بن خالد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں' ثقہ راوی ہیں (۶) حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ' فتح مکہ کے دن ان کے ساتھ جہینہ کا جھنڈا تھا' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸۱

احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری نے ان کی پانچ احادیث روایت کی ہیں' یہ کوفہ میں ٹھہرے اور وہیں فوت ہو گئے' ۸۵ سال کی عمر گزار کر ۸۷ھ میں فوت ہوئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۶۱)

''لُقطہ' وِکاء' وِعاء'' اور ''عِفاص'' کے معانی

اس حدیث میں ''لقطہ'' کا ذکر ہے' اس کا معنی ہے: راستہ میں پڑی ہوئی چیز' التقاط کا معنی ہے: بغیر طلب کے کسی چیز کا ملنا۔

اور اس حدیث میں ''وِکاء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ ڈوری جس سے تھیلی کا منہ باندھتے ہیں اور اس میں ''وِعاء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ظرف' برتن' تھیلی' بٹوا یا پرس اور اس میں ''عِفاص'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ظرف کا مادہ (یعنی جس چیز سے برتن یا تھیلی بنی ہوئی ہو) جیسے چمڑا یا کپڑا یا وہ ڈوری جس سے تھیلی کا منہ باندھا جائے۔

لقطہ کا معنی اور فقہاء احناف کے نزدیک لقطہ کو اٹھانے کا راجح ہونا

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ لقطہ (کسی کی گری ہوئی چیز) کو اٹھانا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا ہے اور یہ شرعاً حرام ہے اور ائمہ تابعین میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کو اٹھانا جائز ہے اور اس کو ترک کر دینا افضل ہے' کیونکہ اس کا مالک اس کو ڈھونڈتا ہوا اسی جگہ آئے گا' جہاں وہ گری تھی اور اس لیے بھی کہ وہ اپنے نفس سے مطمئن نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس کی نیت خراب ہو جائے اور وہ اس چیز پر قبضہ کر لے اور ہمارے فقہاء کا مختار یہ ہے کہ اس کو اٹھا لینا افضل ہے' کیونکہ اگر اس نے اس کو نہیں اٹھایا تو ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی خائن اور فاسق اٹھا لے اور اس کا اعلان نہ کرے۔

اگر وہ ایسی چیز ہو جس سے اس کا مالک مستغنی ہو جیسے خالی ڈبے یا ردی تو اس کو اٹھا کر اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے' اور اگر وہ ایسی چیز ہو جس کے متعلق گمان ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کرے گا تو جو شخص اس کو اٹھائے گا' اس پر اس کی حفاظت کرنا اور اس کی نشانیوں کو یاد رکھنا لازم ہے' تاکہ وہ اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا سکے' ابراہیم نخعی نے روایت کیا ہے کہ لقطہ کا ایک سال تک اعلان کرے' اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو دے دے' ورنہ اس کو صدقہ کر دے' اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کا مالک آ جائے تو اس کو اختیار ہو گا' اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو نافذ کر دے اور اگر وہ چاہے تو لقطہ اٹھانے والے کو ضامن کر دے۔

(المبسوط ج ۱۱ ص ۴-۳' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

لقطہ کا اعلان کرنے کی مدت کی تفصیل

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: ہر چیز میں ایک سال تک اعلان کرنے کی مدت لازم نہیں ہے' اتنی مدت تک اعلان کیا جائے' جتنی مدت کے متعلق یہ ظن غالب ہو کہ لقطہ کا مالک اس کو صرف اتنی مدت تک ہی تلاش کرے گا' دس درہم یا اس سے زائد مالیت کی چیز کا ایک سال تک اعلان کرے اور تین درہم سے نو درہم تک کی مالیت کی چیز کا ایک مہینہ اعلان کرے۔

(واضح رہے کہ ۲۰۰۶ء میں ایک درہم چالیس پاکستانی روپے کے برابر ہے) اور اس سے کم مالیت کی چیز میں ایک درہم تک جمعہ کو اعلان کرے اور ایک درہم سے کم مالیت کی چیز میں ایک دن اعلان کرے' اور اگر ایک پیسہ کی چیز ہو تو ادھر اُدھر دیکھ کر فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ (آج کل ایک پیسہ سے مراد پاکستانی ایک روپیہ لینا چاہیے۔ سعیدی غفرلہ) ان بیان کردہ مقادیر میں سے کوئی مقدار بھی حتمی اور لازمی نہیں ہے۔

علامہ سرخسی نے جو اعلان کی مدت کی تفصیل بیان کی ہے' اس کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو ایک درہم یا رسی یا اس کے مشابہ کوئی چیز ملے تو وہ اس کا تین دن اعلان کرے اور اگر اس سے زیادہ مالیت کی چیز ہو تو سات دن تک اعلان کرے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳ 'سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۹۵ 'مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۹)

اس حدیث کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ لقطہ کے اعلان کے لیے ایک سال یا تین سال کی مدت لازم نہیں ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ میں سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا' مجھے ایک چابک (یا کوڑا) ملا' مجھ سے سلیمان نے کہا: اس کو پھینک دو' میں نے کہا: نہیں' اگر مجھے اس کا مالک مل گیا تو میں اس کو دے دوں گا ورنہ میں خود اس سے فائدہ اٹھاؤں گا' جب ہم لوٹے تو ہم نے حج کیا' پس جب میں مدینہ منورہ سے گزرا تو میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ان کو ایک تھیلی ملی تھی' جس میں سو دینار تھے (ایک دینار بیس قیراط سونے کا ایک سکہ تھا' ایک قیراط کا وزن بارہ چاول کے برابر ہے)' میں وہ تھیلی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر گیا' آپ نے فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کرو' میں نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا' پھر آپ کے پاس گیا' آپ نے فرمایا: (مزید) ایک سال تک اعلان کرو' پس میں نے ایک سال تک (اور) اعلان کیا' میں پھر آپ کے پاس آیا' آپ نے فرمایا: (پھر) ایک سال تک اعلان کرو' میں نے (پھر) ایک سال تک اعلان کیا' پھر میں آپ کے پاس چوتھی بار آیا' آپ نے فرمایا: اس کے دیناروں کی تعداد اور اس کی ڈوری اور اس کی تھیلی کو یاد رکھو' اگر اس کا مالک آئے تو اس کو دے دو ورنہ تم خود اس سے نفع اٹھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۲۴۳۷' سنن ابوداؤد: ۱۷۰۱' صحیح مسلم: ۱۷۲۳' سنن ترمذی: ۱۳۷۴' سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۶)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: جس حدیث کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' اس سے یہ واضح ہو گیا کہ لقطہ کا ایک سال تک اعلان کرنا مدت لازمہ نہیں ہے' لیکن وہ اتنی مدت تک اس کا اعلان کرے' جتنی مدت تک اس کے گمان میں اس لقطہ کا مالک اس کو تلاش کرتا رہے گا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ سو دینار بہت عظیم مال ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سال تک اس کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔

اعلان کے بعد لقطہ سے فائدہ اٹھانے کا جواز

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلان کی مدت پوری کرنے کے بعد لقطہ کو اٹھانے والا اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے خواہ وہ غنی ہو اور امام شافعی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اگر وہ فقیر ہو' تب وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' کیونکہ حضرت ابی بن کعب غنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کی مدت کے بعد ان کو اس تھیلی سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا۔

(المبسوط ج ۱۱ ص ۷۔۳ ملخصاً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

موجودہ دور میں اعلان کرنے کا طریقہ

پہلے یہ حکم تھا کہ جمعہ کے اجتماعات اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں میں لقطہ کا اعلان کیا جائے' لیکن اب یہ بہت دشوار ہے' اب اخبارات' ریڈیو اور ٹی۔وی میں لقطہ کا اعلان کرا دینا چاہیے اور جس کے اعلان کی مدت اس کے گمان میں ایک سال یا اس سے زائد ہو' اس کا اس مدت میں وقفہ وقفہ سے اعلان کراتا رہے' اور شہر میں بہت اخبارات نکلتے ہیں' کبھی کسی اخبار میں اعلان کرا دے اور کبھی کسی اخبار میں۔ میرے ایک شاگرد کو لاہور میں پارکر پین پڑا ہوا ملا تھا' اس نے اخبار میں اعلان کرا دیا' دوسرے دن اس پین کا مالک نشانیاں بتا کر اپنا پین لے گیا۔

شاگرد کے احمقانہ سوال پر ناراض ہونے کا جواز

اس حدیث میں ہے کہ جب اس سائل نے گم شدہ اونٹ کے متعلق پوچھا تو آپ غضب ناک ہوئے' آپ کے غضب کی وجہ یہ تھی کہ اس سائل نے عقل سے کام نہیں لیا اور اس کا اونٹ کو لقطہ قرار دینا صحیح نہیں تھا' کیونکہ لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی آدمی کے ہاتھ سے گر جائے اور اس کو پتا نہ چلے کہ وہ چیز کہاں گری ہے؟ جب کہ اونٹ کا معاملہ اس طرح نہیں ہے' وہ خود درختوں کو چرتا ہوا اور چشموں کا پانی پیتا ہوا اپنے مالک تک پہنچ جائے گا اور نہ بکری اس طرح ہے' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب شاگرد اس قسم کا احمقانہ سوال کرے تو استاذ کا اس پر غضب ناک ہونا صحیح ہے۔

لقطہ کو اٹھانے میں ائمہ ثلاثہ کے مذاہب

کیا کسی شخص پر یہ ضروری ہے کہ وہ راستہ میں پڑی ہوئی چیز کو اٹھالے؟ امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے' امام شافعی کے اس میں تین قول ہیں: (۱) اس کے لیے لقطہ کو اٹھانا مستحب ہے' واجب نہیں ہے (۲) لقطہ کو اٹھانا واجب ہے (۳) اگر اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کا اٹھانا واجب ہے' اور اگر اس کے ضیاع کا خوف نہ ہو تو اس کو اٹھانا مستحب ہے' امام احمد سے یہ روایت ہے کہ اس کو ترک کرنا مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۶۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

لقطہ کو اٹھانے میں شافعی مذہب کی تفصیل

''تکملۃ المجموع شرح المہذب'' کے شافعی مصنفین اور محققین نے لکھا ہے:

المزنی نے کہا ہے کہ میں لقطہ کو ترک کرنا پسند نہیں کرتا' اور ''کتاب الام'' میں کہا ہے: اس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

ہمارے بعض اصحاب کے اس میں دو قول ہیں: (۱) اس کو اٹھانا واجب نہیں ہے کیونکہ یہ امانت ہے' سو جس طرح امانت کو لینا واجب نہیں ہے' اسی طرح اس کو اٹھانا بھی واجب نہیں ہے (۲) اس کو اٹھانا واجب ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے مال کی حرمت اس کے خون کی طرح ہے۔ (مسند البزار: ۱۶۹۹' سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۲۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۳۴) اور جب مومن کی جان کا خوف ہو تو اس کی حفاظت کرنا واجب ہے' اس طرح جب اس کے مال کے ضیاع کا خوف ہو تو اس کی حفاظت کرنا بھی واجب ہے اور ابو العباس اور ابو اسحاق وغیرہما نے کہا ہے کہ اگر لقطہ ایسی جگہ پر ہو' جہاں اس کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو اور اس جگہ کے رہنے والے امانت دار ہوں تو اس پر لقطہ کو اٹھانا واجب نہیں ہے' کیونکہ دوسرے لوگ اس کی حفاظت کرنے میں اس کے قائم مقام ہیں اور اگر وہ ایسی جگہ ہو' جہاں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ وہاں امانت دار لوگ کم ہوں تو اس پر لقطہ کو اٹھانا واجب ہے۔ (تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۱۷ ص ۱۰۔۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

لقطہ کو اٹھانے میں حنبلی مذہب کی تفصیل اور مذاہب اربعہ کے دلائل

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام رحمہ اللہ (احمد بن حنبل) نے کہا ہے کہ لقطہ کو ترک کرنا افضل ہے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے اسی طرح مروی ہے' حضرت جابر' ابن زید اور ربیع بن خثیم کا بھی یہی قول ہے اور عطا کا بھی' شریح ایک درہم کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے تعرض نہیں کیا۔

امام شافعی نے کہا: اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا اٹھانا واجب ہے' ورنہ نہیں' ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا اٹھانا واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ. (التوبہ:۷۱)　مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

اور جب مؤمن ایک دوسرے کے ولی ہیں تو ان پر واجب ہے کہ وہ لقطہ کو اٹھا کر اس کی حفاظت کریں۔

جن کی رائے میں لقطہ کو اٹھانا واجب ہے وہ سعید بن المسیب الحسن بن صالح اور امام ابوحنیفہ ہیں حضرت ابی بن کعب اور حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہما نے لقطہ کو اٹھالیا تھا امام مالک نے کہا: اگر لقطہ قیمتی چیز ہے تو اس کو اٹھانا اور اس کا اعلان کرنا مستحب ہے اور اس میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے اور یہ اس کو ضیاع کے خطرہ میں ڈالنے سے اولیٰ ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۶ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۲۵ھ)

لقطہ کو اٹھانے میں مالکی مذہب کی تفصیل

علامہ ابوالبرکات سیدی احمد الدردیر مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

اگر لقطہ کوئی قیمتی چیز ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اس کو اس جگہ سے کوئی خائن شخص اٹھا لے گا اور اس کو اپنے نفس کی امانت اور دیانت پر اعتماد ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو اٹھالے اور اگر اس کو معلوم ہو کہ اس کا اپنا نفس خائن ہے تو پھر اس کے لیے لقطہ کو اٹھانا حرام ہے خواہ کسی اور خائن کا خطرہ ہو یا نہ ہو اور جب اس جگہ کسی خائن کا خطرہ نہ ہو اور اس کو اپنے نفس کی امانت اور دیانت پر شک ہو تو پھر اس کے لیے لقطہ کو اٹھانا مکروہ ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۰۔۱۱۹ دار الفکر بیروت)

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح کے عنوانات

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۳۸۴۔ ج ۵ ص ۲۱۱ پر مذکور ہے اور اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) لقطہ کا لغوی معنی (۲) لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء (۳) لقطہ کو اٹھانے میں فقہاء احناف کا موقف (۴) لقطہ کی اقسام اور ان کے احکام (۵) لقطہ کا اعلان کرنے کے مقامات اور طریقہ کار (۶) لقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء (۷) آج کل کے دور میں لقطہ کے اعلان کا طریقہ کار (۸) اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ (۹) اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ (۱۰) اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ (۱۱) اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء احناف کا نظریہ (۱۲) امام شافعی کے دلائل کے جوابات (۱۳) لقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے بارے میں آثار صحابہ و تابعین (۱۴) حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء احناف کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح (۱۵) اونٹ پکڑنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ (۱۶) حجاج کے لقطہ کو اٹھانے میں مذاہب فقہاء اور ممانعت کی حکمت۔

ظاہر ہے کہ ہم نے شرح صحیح مسلم میں لقطہ کے تمام مباحث کا احاطہ کرلیا ہے ہم نے یہاں ''نعمۃ الباری'' میں اس حدیث کے اہم اور ضروری مباحث ذکر کیے ہیں جو حضرات تفصیلی مباحث دیکھنا چاہیں وہ شرح صحیح مسلم کا مطالعہ کریں۔

۹۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَشْيَاءَ كَرِهَهَا فَلَمَّا اُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِيْ عَمَّا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند اشیاء کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ

بُسِئْتُمْ. قَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِیْ؟ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ اَبُوْكَ سَالِمٌ مَوْلٰی شَیْبَةَ. فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ مَا فِیْ وَجْهِهٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

[طرف الحدیث:۷۲۹۱] (صحیح مسلم:۲۳۶۰)

نے ناپسند کیا' جب آپ سے زیادہ سوال کیے گئے تو آپ غضب ناک ہوئے' پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: تم مجھ سے جو چاہو سوال کرو' ایک شخص نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے' پھر دوسرے نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ سالم ہے' شیبہ کا آزاد شدہ غلام' جب حضرت عمر نے دیکھا کہ آپ کے چہرے میں (غضب کے) کیا آثار ہیں تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' ان کا ذکر'' باب فضل من علم وعلّم ''میں ہو چکا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غضب ناک ہونے کا ذکر ہے۔

اشیاء کے صیغے کی تحقیق

اس حدیث میں اشیاء کا لفظ ہے' یہ'' شیئ '' کی جمع ہے' یہ غیر منصرف ہے' خلیل نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل فعلاء ہے' شعراء کی مثل' اس کا واحد نہیں ہے' پہلے ہمزہ کو اول کلمہ کی طرف نقل کر دیا تو اشیاء ہو گیا' پس اس کا وزن امعاء ہے' اخفش اور فراء نے کہا: یہ اصل میں افعلاء ہے انبیاء کی طرح' یا اور الف کے درمیان جو ہمزہ ہے' اس کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا' پھر اس کا وزن افعاء ہے' الکسائی نے کہا: یہ اصل میں افعال ہے' افراخ کی مثل' کثرتِ استعمال کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اور اس لیے کہ یہ فعلاء کے مشابہ ہے۔

بہ کثرت سوالات کو ناپسند کرنے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں ہے: آپ سے چند اشیاء کے متعلق سوال کیا گیا' جن کو آپ نے ناپسند کیا' آپ کے ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات کسی کے سوال کی وجہ سے کوئی چیز مسلمانوں پر حرام ہو جاتی اور اس سے وہ مشقت میں پڑ جاتے یا بعض اوقات اس سوال کا جواب سائل کے لیے ناگوار یا رنج میں ڈالنے والا ہوتا یا بعض اوقات ان کا زیادہ سوال کرنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشقت اور اذیت میں ڈالتا اور یہ ان کی ہلاکت کا سبب ہو جاتا اور یہ ان کے ایسے سوالات تھے' جو غیر ضروری اور بے فائدہ تھے' ورنہ ان کے سوالات کو ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی' کیونکہ ضرورت کے لیے سوال کرنا یا واجب ہے یا مستحب ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O پس اگر تم کو علم نہ ہو تو اہل علم سے سوال کرو O

(النحل:۴۳)

زیادہ سوالات سے آپ کے غضب ناک ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں ہے کہ جب آپ سے زیادہ سوال کیے گئے تو آپ غضب ناک ہوئے' آپ کے غضب کی وجہ یہ تھی کہ وہ بلا ضرورت اور بے فائدہ سوال کر رہے تھے اور ان کے سوالات غیر ضروری تجسس اور تکلف اور آپ کو مشقت میں ڈالنے پر مبنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے' جس نے کسی چیز کے متعلق سوال کیا' جو حرام نہ تھی اور

ان کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کردی گئی۔ (صحیح البخاری:۷۲۸۹' صحیح مسلم:۲۳۸۵' سنن ابوداؤد:۴۶۱۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۹)

آپ نے فرمایا: ''تم مجھ سے جو چاہو سوال کرو' اس کی تشریح میں شراح سابقین کی تقاریر

اس حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھ سے جو چاہو سوال کرو۔ علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ نے کہا: آپ کا یہ ارشاد اس پر محمول ہے کہ آپ پر یہ وحی کی گئی تھی کہ آپ یہ کہیں' ورنہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے بتانے کے بغیر آپ سے جس غیب کے متعلق سوال کیا جاتا' آپ کو ازخود اس کا علم نہ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۱۴' طبع مصر' ۱۳۴۸ھ)

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے لکھا ہے: ہر سوال کا ازخود جواب دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن نہ تھا' آپ صرف وحی سے مطلع ہو کر بتا سکتے تھے' کیونکہ آپ کو اُمورِ مغیبات میں سے صرف ان ہی چیزوں کا علم تھا' جن کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی تھی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۳۳۲۔۳۳۱' دارالوفاء' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے: بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ کے اصحاب میں بعض ایسے اصحاب داخل ہو گئے تھے' جن کا ایمان متحقق نہیں ہوا تھا' انہوں نے سوالات کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کا قصد کیا اور آپ کو عاجز کرنے کے لیے آپ سے بہت زیادہ سوالات کیے اور یہ منافقین اور آپ کے اعداء اور دین اسلام کے دشمنوں کا وطیرہ تھا' اور وہ اس آیت کے مصداق تھے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○ (التوبہ:۳۲)

وہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اس کے سوا انکار کرتا ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا' خواہ کافروں کو بُرا لگے○

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منشاء کو سمجھ لیا تو آپ نے اسی مجلس میں ان سے فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو' مجھ سے سوال کرو' پس اللہ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تم کو اس کی خبر دوں گا۔ (المفہم ج ۶ ص ۱۶۵' دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بار بار فرمایا: مجھ سے سوال کرو' علماء نے کہا: یہ اس پر محمول ہے کہ آپ پر یہ وحی کی گئی تھی' ورنہ آپ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے خبر دینے کے بغیر غیب کی ہر اس چیز کو ازخود نہیں جانتے تھے' جس کے متعلق آپ سے سوال کیا جائے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ظاہر حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ نے جوشِ غضب میں فرمایا: مجھ سے سوال کرو اور آپ چاہتے یہ تھے کہ وہ یہ سوال نہ کرتے' لیکن آپ نے جواب میں ان کی موافقت کی' کیونکہ آپ کے لیے ان کے سوال کو رد کرنا ممکن نہ تھا۔ (میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں ہوں یا رضا میں' آپ کے منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ سنن ابوداؤد: ۳۶۴۶' سعیدی غفرلہ) (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۰ ص ۶۲۰۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

شراح سابقین کی تقاریر پر مصنف کا تبصرہ اور پھر مصنف کی تقریر

مصنف کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام متوقع سوالات کے جوابات کا پہلے ہی آپ کو علم عطا فرما دیا تھا' اور آپ نے اسی علم پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: تم مجھ سے جو چاہو سوال کرو' اور دوسری حدیث میں فرمایا: پس اللہ کی قسم! تم مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کرو گے' میں تم کو اس کا جواب دوں گا' اگر اس کا یہ محمل ہوتا جیسا کہ علامہ عینی' قاضی عیاض اور علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ آپ غیب سے متعلق ہر سوال کا جواب اس وقت وحی سے مطلع ہو کر دیتے' تو یہ اس موقع اور مقام کے مناسب نہیں

ہے کیونکہ سائلین لگاتار سوال کر رہے تھے اور نبی ﷺ کسی تردد اور وقفہ کے بغیر فی الفور ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے' بلکہ غور کیا جائے تو یہ نبی ﷺ کے علم کلی کی دلیل ہے' کیونکہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرو گے' میں تم کو اس کا جواب دوں گا' اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی آپ کو تمام چیزوں کا علم کلی نہ دیا ہوتا تو آپ اس طرح تحدّی اور للکار سے نہ فرماتے۔

آپ کے اس ارشاد پر شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی تقریر اوران کا علم غیب اور علمِ کلی کو ردّ کرنا

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی حدیث کے اس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو علم غیب کا ادعاء ہے کہ آپ فرما رہے ہیں: ''سلونی عما شئتم'' اس طرح آپ بتا رہے ہیں کہ عبداللہ کا باپ حذافہ ہے اور سعد کا باپ سالم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک طریق میں ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہے' وہ سوال کرے' پس اللہ کی قسم! تم مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کرو گے' میں تم کو اس کی خبر دوں گا' جب تک کہ میں اس مقام میں ہوں۔ (صحیح البخاری: ۷۲۹۴' صحیح مسلم: ۶۱۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تو معجزہ تھا' اس مقام میں جب تک آپ تشریف فرما تھے' اس وقت تک کے لیے آپ نے فرمایا تھا کہ تم جو سوال کرو گے' میں اس کا جواب دوں گا' لہٰذا اس کو اطلاق پر حمل کرنا اور اس سے حضور اکرم ﷺ کے لیے علمِ غیب ثابت کرنا درست نہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۵۶۷' مکتبہ فاروقیہ' کراچی' ۱۴۲۶ھ)

شیخ سلیم اللہ خان کی تقریر پر مصنف کا تبصرہ اور علم غیب اور علم کلی پر دلائل

قرآن کریم کی جن آیات اور جن احادیث صحیحہ سے نبی ﷺ کے علم غیب کی وسعت اور عموم اور علم کلی ثابت ہوتا ہے' علماء دیوبند اسی طرح آپ کے علم کی تنقیص کرتے ہیں اور ان نصوص کے عموم اور اطلاق کو خانہ زاد قیود کے ساتھ مقید کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں' شیخ سلیم اللہ خان نے نبی ﷺ کے علم کلی کی تنقیص پر جو شبہات پیش کیے ہیں' اس کے متعلق ہماری چند گزارشات ہیں' جن کو غور سے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(۱) شیخ سلیم اللہ خان نے مان لیا ہے کہ اس موقع پر اور اس مجلس میں آپ کو علم کلی عطا فرما دیا گیا تھا' چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تو معجزہ تھا' اس مقام میں جب تک آپ تشریف فرما تھے' اس وقت تک کے لیے آپ نے فرمایا تھا کہ تم جو سوال کرو گے' میں اس کا جواب دوں گا۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۵۶۷)

ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے علمِ غیب اور علمِ کلی ماننا شرک ہے اور جو چیز شرک ہو' وہ ہر وقت اور ہر جگہ شرک ہے اور جو چیز شرک ہو' اس کا ایک آن کے لیے بھی وقوع نہیں ہو سکتا' تو جب آپ کے لیے علمِ غیب اور علمِ کلی شرک ہے تو اس مجلس میں اس کا وقوع کیسے ہو گیا! شیخ سلیم اللہ خان نے اس حدیث سے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی ہے کہ یہ تو آپ کا معجزہ تھا! سوال یہ ہے کہ جو چیز شرک ہو' کیا وہ آپ کو بہ طور معجزہ عطا کی جا سکتی ہے' اور کیا شرک بھی معجزہ بن سکتا ہے۔

(۲) شیخ سلیم اللہ خان نے اسی ضمن میں مزید لکھا ہے: لہٰذا اس کو اطلاق پر حمل کرنا اور اس سے حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرنا درست نہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۵۶۷)

یعنی رسول اللہ ﷺ کو علمِ غیب اور علمِ کلی اس خاص مجلس میں عطا کیا گیا تھا' دائماً اور مطلقاً نہیں' گویا یہ علم غیب اور علم کلی

بعد میں آپ سے سلب کرلیا گیا' ہم کہتے ہیں: یہ دعویٰ چند وجوہ سے مردود ہے:

(ا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا O(طٰہٰ:۱۱۴) اور آپ کہیے: اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کردے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مطلوب اور منشاء آپ کے علم کو زیادہ کرنا ہے' لہٰذا اگر اس مجلس میں آپ کو علم غیب اور علم کلی عطا کر کے پھر اس کو سلب کرلیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے مطلوب اور منشاء کے خلاف ہوگا۔

(ب) وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى O(الضحیٰ:۴) آپ کی بعد والی ساعت پہلی ساعت سے بہتر ہے O

اگر آپ کو پہلی ساعت میں علم غیب اور علم کلی حاصل ہو اور بعد والی ساعت میں اس علم کو سلب کرلیا جائے تو آپ کی بعد والی ساعت پہلی ساعت سے بہتر نہیں ہوگی اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے منافقین کا یہ حال بیان فرمایا ہے:

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا. (البقرہ:۲۰) جب ان کے لیے بجلی نے روشنی کردی تو یہ اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کردیا تو یہ کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

ان لوگوں نے یہی حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا ہے کہ اس مجلس میں لوگوں کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے آپ کو علم غیب عطا کردیا اور جب وہ مجلس ختم ہوگئی تو پھر آپ سے اس علم کو سلب کرلیا۔

حضرت ابن عمر کی رائے تھی کہ خوارج اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں' انہوں نے کہا: جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں' خوارج ان کو مؤمنوں پر منطبق کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری' باب قتل الخوارج والملحدین)

خوارج کفار کی آیات کو مؤمنوں پر منطبق کرتے تھے اور یہ لوگ منافقین کی آیات کو سید الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کررہے ہیں۔

(د) اگر نعمت پر شکر ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت میں زیادتی فرماتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. (ابراہیم:۷) اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ (نعمت) دوں گا۔

علم سب سے بڑی نعمت ہے اور جب اس مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب اور علم کلی دیا گیا تو اب یہ مانعین اور تنقیص علم کرنے والے بتلائیں کہ آپ نے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا یا نہیں! اگر آپ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں تو پھر بعد میں یہ علم سلب نہیں ہوگا' بلکہ اس علم میں اضافہ ہوگا اور اگر یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گزار نہیں مانتے تو پھر ہمیں از خود کچھ نہیں کہنا' اس کا انجام یہ لوگ خود جانتے ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توبہ کرنے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں ہے: جب حضرت عمر نے دیکھا کہ آپ کے چہرے میں (غضب کے) کیا آثار ہیں' تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

یعنی ایسے ناپسندیدہ سوالات جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے' ان سے ہم توبہ کرتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ بعض صحابہ نے تو علم کی حرص کی وجہ سے سوال کیے تھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر منافقین نے آپ کی نبوت کو آزمانے کے لیے

اور آپ کو تنگ کرنے اور آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے سوالات کرنے شروع کر دیئے جس سے آپ ناراض ہوئے تو حضرت عمر نے سب کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۰۰۴ - ج ۶ ص ۸۲۳ پر مذکور ہے اور اس کے یہ عنوانات ہیں:
(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "مجھ سے جو چاہو سوال کرو" کی تشریح۔

۲۹- بَابُ مَنْ بَرَكَ عَلٰی رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَوِ الْمُحَدِّثِ

جو شخص امام یا محدث کے سامنے دوزانو بیٹھ جائے

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں اس سائل پر عالم کے غضب کا ذکر ہے جس نے ادب کے تقاضے کو ملحوظ نہیں رکھا اور اس باب میں عالم کے سامنے متعلم کے ادب کا ذکر ہے۔

۹۳- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِيْ؟ فَقَالَ أَبُوْكَ حُذَافَةُ. ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَبَرَكَ عُمَرُ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا فَسَكَتَ.

[اطراف الحدیث: ۵۴۰-۷۴۹-۴۶۲۱-۶۳۶۲-۷۲۹۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو گئے پس کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے پھر آپ نے بہت مرتبہ فرمایا: مجھ سے سوال کرو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گئے پھر کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہیں پھر آپ خاموش ہو گئے۔

(صحیح مسلم: ۲۳۵۹ سنن ترمذی: ۳۰۵۶ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۵۴ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۶ طبع قدیم مسند احمد: ۱۳۱۴۷ - ج ۲۰ ص ۳۹۵)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں حضرت عمر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانو بیٹھنے کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ اور دوسروں کے سوال کا فرق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تواضع کرنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن حذافہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ان کا کسی سے جھگڑا ہوتا تو وہ ان کو ان کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتا تھا اس لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نسب کے متعلق دریافت کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ تمہارے باپ حذافہ ہی ہیں۔

نیز اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم اور ان کے علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کو یہ خوف ہوا کہ آپ سے زیادہ

سوالات کرنا' آپ کو مشقت میں ڈالنے اور آپ کی نبوت میں شک کرنے کے مترادف ہے' اسی وجہ سے حضرت عمر نے کہا کہ ہم اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد ﷺ کو نبی مان کر راضی ہیں اور حضرت عمر کو یہ خطرہ ہوا کہ زیادہ سوال کر کے آپ کو مشقت میں ڈالنے کی وجہ سے کہیں مسلمانوں پر عذاب نہ آ جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ. (المائدہ:۱۰۱) ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء سوال کرتے تھے' کوئی شخص کہتا کہ بتائیں: میرا باپ کون ہے؟ اور جس شخص کی اونٹنی گم ہو جاتی وہ کہتا: بتائیں میری اونٹنی کہاں ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ" (المائدہ:۱۰۱)۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عالم سے صرف اس چیز کے متعلق سوال کیا جائے' جس کی ضرورت ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے گھٹنوں پر بیٹھے اس میں آپ کا احترام اور آپ کے سامنے تواضع ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۶۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت عمر کا اپنے کلمات سے رسول اللہ ﷺ کا ادب اور اکرام کرنا اور مسلمانوں پر شفقت کرنا۔۔۔ اور ان کی رائے کا ہمیشہ صائب ہونا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا تھا: ہم اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے پاس جو اللہ کی کتاب ہے اور ہمارے نبی کی سنت ہے' وہ ہمارے لیے کافی ہے اور ہمیں اب کسی چیز کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے' حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کے ادب اور اکرام کے لیے اور مسلمانوں پر شفقت کے لیے یہ کلمات کہے کہ کہیں ان کا شمار رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے والوں میں نہ ہو جائے اور وہ اس آیت کا مصداق نہ بن جائیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا○ (الاحزاب:۵۷) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں' ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے○

حضرت عمر کے اس قول میں دین سے مراد توحید ہے' اور دین کا اطلاق اسلام' ایمان اور احسان پر بھی حدیث میں ہے' اور دین سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام نبیوں اور رسولوں میں مشترک رہے' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر کی رائے ہمیشہ درست ہوتی ہے اور ان کی زبان سے وہی کلام صادر ہوتا ہے' جو حق اور صواب ہو۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۹۹۸۔ ج ۶ ص ۸۲۰ پر مذکور ہے اور اس کی وہی شرح ہے' جو حدیث نمبر ۶۰۰۴ کی شرح کی گئی ہے۔

۳۰- بَابُ مَنْ اَعَادَ الْحَدِيْثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ عَنْهُ

جس شخص نے حدیث کو تین بار دہرایا تا کہ اس کو سمجھ لیا جائے

یعنی جس شخص نے دین سے متعلق کلام کو تین بار دہرایا' تاکہ اس کو سمجھ لیا جائے' اس باب کی باب سابق کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ باب سابق میں سائل اور متعلم کا حال تھا اور اس باب میں تعلیم کے طریقہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات حدیث کو تین بار دہراتے تھے تاکہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

عنوان باب کی وضاحت کے لیے امام بخاری نے ایک حدیث کا یہ قطعہ ذکر کیا:

فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا.

پس آپ نے فرمایا: سنو! اور جھوٹی بات' پھر آپ مسلسل اس کی تکرار کرتے رہے۔

جس حدیث کا یہ قطعہ ہے' وہ مکمل حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ (کبیرہ) کی خبر نہ دوں! مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے' پھر فرمایا: سنو! اور جھوٹی بات! آپ مسلسل اس کی تکرار کرتے رہے' حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جاتے۔ (صحیح البخاری: ۵۹۷۶ - ۲۶۵۴' صحیح مسلم: ۸۷' سنن ترمذی: ۱۹۰۱' مسند احمد ج ۵ ص ۳۶)

اس کے بعد امام بخاری نے ایک حدیث کا یہ قطعہ ذکر کیا:

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ بَلَّغْتُ؟ ثَلَاثًا.

حضرت ابن عمر نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

جس حدیث کا یہ ایک قطعہ ہے' وہ مکمل حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: سنو! تمہارے علم میں وہ کون سا مہینہ ہے' جس کی حرمت سب سے زیادہ ہے؟ مسلمانوں نے کہا: کیا وہ ہمارا یہ مہینہ نہیں ہے! آپ نے فرمایا: سنو! تمہارے علم میں وہ کون سا شہر ہے' جس کی سب سے زیادہ حرمت ہے؟ مسلمانوں نے کہا: کیا وہ ہمارا یہ شہر نہیں ہے! آپ نے فرمایا: سنو! تمہارے علم میں وہ کون سا دن ہے' جس کی سب سے زیادہ حرمت ہے؟ مسلمانوں نے کہا: کیا وہ ہمارا یہ دن نہیں ہے! آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں کو اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے' جس طرح آج کے دن' اس شہر میں اور اس مہینہ کی حرمت ہے' یہ حرمت حقوق کے ماسوا ہے' آپ نے تین بار فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اور ہر بار مسلمان کہتے تھے: کیوں نہیں! ہاں! آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم میرے بعد کافر ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں مارنا نہ شروع کر دینا۔ (صحیح البخاری: ۶۷۸۵' کتاب الحدود باب ظهر المومن حمیٌ الا فی حد او حق)

۹۴- حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا.

[اطراف الحدیث: ۹۵ - ۶۲۴۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ثمامہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی' از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ' بے شک جب آپ سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے اور جب بات کرتے تو کسی (اہم) بات کو تین بار دہراتے۔

(سنن ترمذی: ۳۷۲۳۔ ۲۷۲۳۔ ۳۶۴۰ شمائل ترمذی: ۲۲۴ سنن ابوداؤد: ۵۱۸۵ المستدرک ج ۴ ص ۲۷۳ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۱۶ المعجم الکبیر: ۸۰۹۵ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳ طبع قدیم مسند احمد: ۱۳۲۲۱۔ ج ۲۰ ص ۴۳۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے کیونکہ اس میں تین مرتبہ بات کو دہرانے کا ذکر ہے۔

۹۵- حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ اَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ثمامہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ بات کرتے تو کسی (اہم) بات کو تین بار دہراتے تاکہ اسے سمجھ لیا جائے اور جب آپ کسی قوم کے پاس جاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

اس حدیث کے اطراف اور تخریج وہی ہیں جو حدیث سابق (:۹۴) کی ہیں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبدہ بن عبد اللہ الخزاعی البصری ان سے امام مسلم کے علاوہ باقی ائمہ نے احادیث روایت کی ہیں امام نسائی نے کہا: یہ ثقہ ہیں یہ ۲۵۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) عبد الصمد بن عبد الوارث البصری یہ ۲۰۷ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) عبد اللہ بن المثنیٰ یہ حسن بصری اور ان کے بیٹے سے روایت کرتے ہیں ابوحاتم نے کہا: یہ صالح الحدیث ہیں امام ابوداؤد نے کہا: میں ان کی احادیث روایت نہیں کرتا امام بخاری امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان کی احادیث روایت کی ہیں (۴) ثمامہ بن عبد اللہ بن انس بن مالک الانصاری البصری یہ اپنے دادا حضرت انس اور حضرت البراء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبد اللہ بن المثنیٰ اور معمر وغیرہ روایت کرتے ہیں امام احمد اور امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے ابن معین نے ان کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے (۵) پانچویں راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۵۔ ۱۷۴)

تین بار سلام کرنے کی دیگر احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی مجالس میں سے ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرت ابوموسیٰ اشعری آئے گویا کہ وہ خوف زدہ تھے انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر سے تین بار اجازت طلب کی مجھے اجازت نہیں ملی تو میں لوٹ آیا حضرت عمر نے کہا: تم کو آنے سے کس چیز نے منع کیا؟ میں نے کہا: میں نے تین بار اجازت طلب کی مجھے اجازت نہیں ملی تو میں لوٹ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی اجازت طلب کرے تو تین بار اجازت طلب کرے اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ لوٹ جائے حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! تم اس حدیث پر ضرور کوئی گواہ پیش کرو گے حضرت ابوموسیٰ نے کہا: کیا تم میں سے کسی ایک نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس کی شہادت وہ دے گا جو لوگوں میں سب سے کم عمر ہے حضرت ابوسعید نے کہا: پس میں لوگوں میں سب سے کم عمر تھا میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۵ صحیح مسلم: ۲۱۵۳ سنن ابوداؤد: ۵۱۸۰ سنن ترمذی: ۲۶۹۰ سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۶ مصنف عبد الرزاق: ۱۹۴۲۳ سنن

دارمی: ۲۶۳۲، صحیح ابن حبان: ۵۸۱۰، مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۴)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں ہم سے ملاقات کے لیے تشریف لائے پس فرمایا: "السلام علیکم ورحمة اللّٰہ" تو حضرت سعد نے بہت آہستہ آواز سے جواب دیا' قیس نے کہا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے کی اجازت نہیں دے رہے؟ حضرت سعد نے کہا: چھوڑو' ان کو ہمیں زیادہ سلام کرنے دو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "السلام علیکم ورحمة اللّٰہ" حضرت سعد نے پھر آہستہ سے جواب دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "السلام علیکم ورحمة اللّٰہ" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ کر چلے گئے' اور حضرت سعد آپ کے پیچھے گئے' پھر انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کے سلام کرنے کو سن رہا تھا اور آپ کو جواب بھی دے رہا تھا اور میں (عمداً) پست آواز سے جواب دے رہا تھا تاکہ آپ ہمیں کثرت سے سلام کریں' قیس نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ واپس آ گئے' حضرت سعد نے آپ سے عرض کیا: آپ غسل کر لیں' سو آپ نے غسل کیا' پھر انہوں نے آپ کو زعفران یا عنابی رنگ میں رنگی ہوئی چادر پیش کی' آپ نے وہ چادر اوڑھ لی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: اے اللہ! سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی صلوات اور رحمتیں نازل فرما' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا' جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت سعد نے آپ کے قریب ایک دراز گوش لا کھڑا کیا' جس کے اوپر ایک چادر ڈالی ہوئی تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو گئے' پھر حضرت سعد نے کہا: اے قیس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ' حضرت قیس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: سوار ہو جاؤ' میں نے (ادباً) انکار کیا' پھر آپ نے فرمایا: یا سوار ہو یا لوٹ جاؤ' انہوں نے بتایا: میں لوٹ گیا۔

امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کو عمر بن عبد الواحد اور ابن سماعہ نے امام اوزاعی سے مرسلاً روایت کیا ہے اور حضرت قیس بن سعد کا ذکر نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۵۱۸۵)

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اگرچہ یہ حدیث بعض طرق سے مرسلاً مروی ہے' تاہم کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً حجت ہوتی ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی کام کے تکرار کی انتہاء تین کے عدد پر ہوتی ہے۔

۹۶- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ' عَنْ یُوْسُفَ بْنِ مَاهَكٍ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ' فَاَدْرَكَنَا وَقَدْ اَرْهَقْنَا الصَّلٰوةَ' صَلٰوةَ الْعَصْرِ' وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ' فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلٰی اَرْجُلِنَا' فَنَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِهٖ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از یوسف بن ماھک از عبد اللہ بن عمرو' انہوں نے کہا: ہم نے ایک سفر کیا' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے' پھر آپ ہم سے آ کر مل گئے' اس وقت ہم نماز میں تاخیر کر چکے تھے' وہ عصر کی نماز تھی اور ہم وضو کر رہے تھے' تو ہم اپنے پیروں پر مسح کرنے لگے' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے پکار کر دو بار یا تین بار فرمایا: (بے دھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت تین مرتبہ فرمانے میں ہے' اس حدیث کی تخریج اور اس کی شرح صحیح البخاری: ۶۰ میں بیان کی جا چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

٣١- بَابُ تَعْلِيمِ الرَّجُلِ اَمَتَهُ وَاَهْلَهُ کسی شخص کا اپنی باندی اور اپنی اہلیہ کو تعلیم دینا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں عام تعلیم کا ذکر تھا اور اس باب میں خاص تعلیم کا ذکر ہے۔

٩٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ حَدَّثَنِي اَبُوْ بُرْدَةَ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهِ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحَقَّ مَوَالِيهِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ اَمَةٌ، فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ اَجْرَانِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محاربی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں صالح بن حیان نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں کہ عامر الشعبی نے کہا: مجھے ابو بردہ نے حدیث بیان کی' از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین (قسم کے) لوگوں کے لیے دو اجر ہیں: (١) وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا (٢) وہ مملوک غلام' جس نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور اپنے مالکوں کا حق ادا کیا (٣) اور وہ شخص جس کے پاس ایک باندی تھی' اس نے اس کو ادب سکھایا تو اچھا ادب سکھایا اور اس کو تعلیم دی تو اچھی تعلیم دی' پھر اس کو آزاد کر دیا' پھر اس سے نکاح کر لیا تو اس کو دو اجر ملیں گے۔

ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ اَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ، قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا اِلَى الْمَدِينَةِ. [اطراف الحدیث: ٢٥٤٤۔ ٢٥٤٧۔ ٢٥٥١۔ ٣٠١١۔ ٣٤٤٦۔ ٥٠٨٣]

پھر عامر نے کہا: ہم نے تم کو یہ حدیث بغیر کسی معاوضہ کے سنائی ہے' بے شک اس سے کم عبارت کی حدیث کے سننے کے لیے مدینہ کا سفر کیا جاتا تھا۔

(صحیح مسلم: ١٥٣' سنن ابوداؤد: ٢٠٥٣' سنن ترمذی: ١١١٦' سنن ابن ماجہ: ١٩٥٦' سنن نسائی: ٣٣٤٤' مصنف عبد الرزاق: ١٣١١٢' مسند ابوعوانہ ج ا ص ١٠٣' سنن بیہقی ج ٧ ص ١٢٨' شعب الایمان: ٨٦٠٨' مسند الحمیدی: ٧٦٨' سنن سعید بن منصور: ٩١٣۔ ٩١٤' سنن دارمی: ٢٢٤٤' الادب المفرد: ٢٠٣' السنن الکبریٰ للنسائی: ٥٥٠٢' حلیۃ الاولیاء ج ٧ ص ٣٣١' المحلی ج ٩ ص ٥٠٥' شرح السنۃ: ٢٦' المعجم الاوسط: ١٧٥٨٧۔ ٣٠٧٣۔ ١٨٨٩' المعجم الصغیر: ١١٣' تاریخ بغداد ج ٣ ص ٢٨٨' مسند ابویعلیٰ: ٧٣٠٨' الآداب للبیہقی: ١٧' مسند احمد ج ٣ ص ٣٩٥ طبع قدیم' مسند احمد: ١٩٥٣٢۔ ج ٣٢ ص ٢٩٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت باندی کو تعلیم دینے میں ہے کیونکہ اس میں بیوی کو تعلیم دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے' البتہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب باندی کو تعلیم دینا جائز ہے تو بیوی جو آزاد عورت ہے' اس کو مسائل دینیہ کی تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) محمد بن سلام' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٢) المحاربی عبد الرحمان بن محمد بن زیاد الکوفی' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابوحاتم نے کہا: جب یہ ثقات سے حدیث بیان کریں تو صدوق ہیں' یہ مجہولین سے احادیث منکرہ بیان کرتے ہیں تو ان کی حدیث میں فساد آ جاتا ہے' یہ ١٩٥ھ میں فوت ہو گئے تھے (٣) صالح بن حیان الکوفی' ان کے طبقہ میں ان کا ہم نام صالح بن حیان القرشی ہے' لیکن وہ ضعیف راوی ہے' یہ ١٣٥ھ میں فوت ہو گئے تھے (٤) عامر بن شراحیل' الشعبی (٥) ابو بردہ عامر الاشعری الکوفی (٦) حضرت عبد اللہ بن قیس

الاشعری رضی اللہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۷)

جن اہل کتاب کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے دگنا اجر ملے گا' اس سے مراد عہد رسالت کے اہل کتاب ہیں یا قیامت تک کے اہل کتاب ہیں

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ شخص جو اہل کتاب سے ہو' وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا ہو اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لایا ہو' اس کے لیے بھی دو اجر ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس کے مصداق میں اختلاف ہے' ان سے مراد وہ اہل کتاب ہیں' جو اپنے نبی کے لائے ہوئے دین پر بغیر کسی تبدیل اور تحریف کے قائم رہے' حتیٰ کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو گئے' پھر وہ آپ پر بھی ایمان لے آئے' سو ان کے لیے دو اجر ہوں گے اور جن لوگوں نے اپنے نبی کے دین کو تبدیل کر دیا یا اس میں تحریف کر دی' ان کے لیے اپنے دین کا کوئی اجر باقی نہیں رہا' ان کو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا اجر ملے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں عموم مراد ہو کیونکہ یہ بعید نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ان کے لیے دہرے اجر کا مقتضی ہو' ایک مرتبہ ان کے ان نیک اعمال پر جو انہوں نے اس نبی کے دین میں کیے' خواہ وہ تبدیل اور تحریف کرنے والے ہوں کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ کفار کے نیک اعمال اسلام لانے کے بعد مقبول ہوتے ہیں اور ایک مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۹)

حافظ ابن حجر کے نزدیک اس سے قیامت تک کے اہل کتاب مراد ہیں' اس پر ان کے دلائل

اس مسئلہ کو حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں لفظ ''کتاب'' عام ہے اور اس کا معنی خاص ہے' یعنی وہ کتاب جو اللہ کے پاس سے نازل کی گئی ہو اور اس سے مراد تورات اور انجیل ہے' جیسا کہ ظاہر کتاب اور سنت میں کتاب کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف انجیل ہے' جب کہ ہم یہ کہیں کہ نصرانیت یہودیت کے لیے ناسخ ہے' جیسا کہ ایک جماعت نے اس کو مقرر رکھا ہے اور نسخ کی شرط کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالاتفاق بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے' ان میں سے جس نے حضرت عیسیٰ کی دعوت کو قبول کر لیا' وہ حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب ہو گئے اور جنہوں نے ان کی تکذیب کی اور یہودیت پر قائم رہے' وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے والے نہ تھے اور یہ حدیث ان کو شامل نہیں ہے' کیونکہ اس میں شرط ہے کہ وہ اہل کتاب اپنے نبی پر ایمان لانے والے ہوں' ہاں! جو بنی اسرائیل کے علاوہ یہودیت میں داخل ہوا یا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اس کو آپ کی دعوت نہیں پہنچی' اس پر یہ صادق آئے گا کہ وہ یہودی مومن ہے' کیونکہ وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور اس نے کسی دوسرے نبی کی تکذیب نہیں کی' پس ان میں سے جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو پالیا اور آپ پر ایمان لے آیا' وہ بلاشبہ اس حدیث کی بشارت میں داخل ہے' اسی طرح وہ عرب ہیں' جو یمن وغیرہ میں تھے' ان میں سے لوگ یہودیت میں داخل ہوئے اور ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی کیونکہ وہ خصوصاً بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے' ہاں! ان یہودیوں کے متعلق اشکال ہوگا' جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور یہ ثابت ہے کہ جو آیت اس حدیث کے موافق ہے' وہ یہ ہے:

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا. ان کو ان کے صبر کرنے کی وجہ سے دگنا اجر دیا جائے گا۔

(القصص: ۵۴)

یہ آیت ایمان لانے والوں کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی تھی' جن میں حضرت عبداللہ بن سلام کی مثل لوگ تھے۔
امام طبرانی نے حضرت رفاعہ قرظی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان لوگوں کے متعلق جو میرے ساتھ ایمان لائے تھے۔ (المعجم الکبیر: ۴۵۶۴- ج ۵ ص ۵۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت) اور امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ علی بن رفاعہ القرظی سے روایت کیا ہے کہ دس اہل کتاب میں میرے والد رفاعہ بھی تھے' وہ نبی ﷺ کے پاس آئے' پس وہ ایمان لے آئے' پھر ان کو ایذاء دی گئی' تب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ○ (القصص: ۵۲) وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی' وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں○

سو یہ لوگ بنو اسرائیل میں سے تھے اور حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ یہودیت پر برقرار رہے تھے' حتیٰ کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لے آئے اور یہ ثابت ہے کہ ان کو دو اجر دیئے جائیں گے۔
(المعجم الکبیر: ۴۵۶۳- ج ۵ ص ۵۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ طیبی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث کو اپنے عموم پر برقرار رکھا جائے کیونکہ یہ بعید نہیں ہے کہ ان کا سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانا ان کے ادیان کے قبول ہونے کا سبب بن جائے' اگرچہ وہ دین منسوخ ہو چکے ہیں (علامہ طیبی کی عبارت ختم ہوئی)۔
(حافظ عسقلانی کہتے ہیں:) میں عنقریب اس بات کو ذکر کروں گا' جس سے اس کی تائید ہوتی ہے اور جو یہودی مدینہ میں تھے' ان کے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی' کیونکہ وہ اکثر شہروں میں نہیں گئے تھے' سو وہ اپنی یہودیت پر ثابت رہے اور اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھے رہے' یہاں تک کہ اسلام آ گیا' پھر وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے' اس تقریر سے ان شاء اللہ اشکال دور ہو جائے گا۔

فوائد

پہلا فائدہ: ابن التین وغیرہ کی شرح میں مذکور ہے کہ یہ آیت مذکور کعب الاحبار اور حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور یہ قول حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق تو صحیح ہے' لیکن کعب کے متعلق خطاء ہے کیونکہ وہ صحابی نہیں ہیں اور وہ حضرت عمر بن الخطاب کے عہد میں اسلام لائے تھے اور طبری وغیرہ کی تفسیر میں قتادہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ قول درست ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام پہلے یہودی تھے' پھر اسلام لے آئے اور حضرت سلمان فارسی پہلے عیسائی تھے' پھر مسلمان ہو گئے اور یہ دونوں مشہور صحابی ہیں۔
دوسرا فائدہ: علامہ قرطبی نے لکھا ہے: وہ اہل کتاب جس کو دو اجر دیئے جائیں گے' یہ وہ ہے جس کا ابتداء میں عقیدہ برحق تھا اور وہ اسی پر قائم رہا' حتیٰ کہ وہ ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لے آیا' سو اس کو پہلی بار حق کی اتباع پر بھی اجر دیا جائے گا اور دوسری بار بھی (علامہ قرطبی کی عبارت ختم ہوئی)۔
اس پر یہ اشکال ہے کہ نبی ﷺ نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا: تم اسلام لے آؤ' اللہ تم کو دو اجر عطا فرمائے گا' حالانکہ ہرقل نصرانیت میں اس کے تبدیل اور تحریف کے بعد داخل ہوا تھا اور میں اس سے پہلے اس کے متعلق شیخ الاسلام علامہ بلقینی کی بحث لکھ چکا ہوں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث ہرقل میں جو ہرقل کو دو اجر دینے کی توجیہ لکھی ہے' وہ یہ ہے:

ھرقل کو دو اجر عطا کیا جانا' اس وجہ سے فرمایا کہ وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا' پھر سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لاتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے دگنے اجر کا اس لیے فرمایا ہو کہ ایک اجر اس کے اپنے اسلام لانے کی وجہ سے ہوتا اور ایک اجر اس لیے ہوتا کہ اس کی اتباع میں اس کے ماتحت لوگ اور پیروکار بھی اسلام لے آتے' اور اس آیت سے ہمارے شیخ' شیخ الاسلام نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر وہ شخص جو اہل کتاب کے طریقہ پر عمل کرے' اس سے نکاح کرنا اور اس کا ذبیحہ کھانا اہل کتاب کے حکم میں ہے' کیونکہ ھرقل اور اس کی قوم بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے اور وہ تبدیل اور تحریف کے بعد نصرانیت میں داخل ہوئے تھے' اور نبی ﷺ نے اس کے اور اس کی قوم کے لیے''یا اھل الکتب'' فرمایا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے لیے اہل کتاب کا حکم ہے' اس کے برخلاف بعض علماء نے اہل کتاب کے اس حکم کو اسرائیلیوں کے ساتھ خاص رکھا ہے یا ان کے ساتھ خاص کیا ہے' جن کے متعلق معلوم ہو کہ ان کے اسلاف یہودیت یا نصرانیت میں تبدیل اور تحریف سے پہلے داخل ہوئے تھے۔(فتح الباری ج ا ص ۵۱۶' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

تیسرا فائدہ: داؤدی اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دگنے اجر کا یہ حکم سابقہ امتوں کے تمام ان لوگوں کو شامل ہو' جنہوں نے کوئی نیک کام کیا ہو' جیسا کہ حکیم بن حزام جب اسلام لائے تو آپ نے فرمایا: تم نے اپنی پچھلی خیر کو سلامت رکھا ہے' لیکن یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث اہل کتاب کے ساتھ مقید ہے' لہٰذا یہ دوسروں کو شامل نہیں ہوگی' سوا اس کے کہ خیر کو ایمان پر قیاس کیا جائے' نیز اس میں نکتہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا ہو' اس سے معلوم ہوا کہ دگنے اجر کی علت یہ ہے کہ وہ دونبیوں پر ایمان لایا ہو' اور کفار اس طرح نہیں ہیں' کفار اور اہل کتاب میں فرق یہ ہے کہ اہل کتاب سیدنا محمد ﷺ کو پہچانتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ. وہ (نبی امی کو) اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۷)

پس ان میں سے جو آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کی اتباع کی اس کو دوسروں پر فضیلت ہے' اسی طرح ان میں سے جس نے آپ کی تکذیب کی' اس کا گناہ دوسروں سے زیادہ شدید ہوگا' حدیث میں جن تین قسم کے لوگوں کے لیے دائمی اجر کا فرمایا ہے' یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے' ہمارے شیخ علامہ بلقینی کی یہی تحقیق ہے' اس کے برخلاف علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم آپ کی بعثت کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ آپ کی بعثت کے بعد صرف آپ ہی نبی ہیں' اب اگر کوئی یہودی یا عیسائی' آپ پر ایمان لے آئے تو اس کو دگنا اجر نہیں ملے گا۔(شرح الکرمانی ج ۲ ص ۸۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۱ھ) لیکن علامہ کرمانی کا یہ قول اس شخص کے متعلق کیسے صحیح ہوگا' جس تک نبی ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو' اس لیے ہمارے شیخ کی تحقیق ہی ظاہر ہے۔

(فتح الباری ج ا ص ۶۴۴-۶۴۳' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدرالدین عینی کے نزدیک اس سے مراد صرف عہد رسالت کے اہل کتاب ہیں' اس پر ان کے دلائل

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے حافظ عسقلانی کی اس تحقیق سے اختلاف کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو اب ایمان لائے گا' اس کو دو اجر نہیں ملیں گے' یہ حکم اس اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے' جو آپ کی بعثت کے وقت آپ پر ایمان لایا' اس پر یہ صادق آئے گا کہ وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور آپ پر بھی ایمان لایا اور آپ کی بعثت کے بعد تو ہر نبی کی دعوت منقطع ہو چکی ہے' اب صرف آپ ہی کی نبوت ہے اور آپ کی بعثت کے بعد اہل کتاب کے لیے ہمارے نبی کے سوا اور کوئی نبی نہیں ہے کیونکہ آپ کی بعثت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت منقطع ہو چکی ہے' اس لیے آپ کی بعثت کے بعد جو آپ پر ایمان لائے گا' وہ صرف ایک

اجر کا مستحق ہوگا اور وہ آپ پر ایمان لانے کی وجہ سے ہوگا' اور باقی دو لوگ جو ہیں یعنی جو غلام اپنے مالک کی بھی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور جو شخص اپنی باندی کو تعلیم دے کر آزاد کرے' پھر اس سے شادی کر لے' ان کے لیے دگنے اجر کا یہ حکم قیامت تک جاری رہے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸۱۔ ۱۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

دیوبندی شارحین بخاری کے نزدیک اس سے مراد قیامت تک کے اہل کتاب ہیں

شیخ سلیم اللہ خان نے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی عبارات وضاحت سے لکھنے کے بعد اس طرح محاکمہ کیا ہے:
صحیح بات وہی ہے' جو علامہ بلقینی فرما رہے ہیں کہ یہ حکم عام ہے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(کشف الباری ج ۳ ص ۶۰۷' جامعہ فاروقیہ' کراچی' ۱۴۲۶ھ)

سید احمد رضا بجنوری (دیوبندی) لکھتے ہیں:
یہ جواب شیخ الاسلام کے نظریہ پر ہی چل سکتا ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے کا معاملہ وہ قیامت تک مستمر مانتے ہیں مگر کرمانی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی زمانہ بعثت کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ بعد بعثت تو سب کے نبی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عام ہے۔
علامہ کرمانی کی یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر زمانہ بعثت کے ساتھ خاص کریں گے تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت کے بھی سب لوگوں پر پوری نہ اترے گی یعنی جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہوگی اور اگر ان لوگوں کو مراد لیں' جن کو دعوت نہ پہنچی ہو تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت اور بعد زمانہ بعثت میں کیا فرق رہا! لہٰذا شیخ الاسلام کی تحقیق زیادہ صاف ہے۔

(انوار الباری ج ۵ ص ۱۷۰' ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان)

شیخ تقی عثمانی کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے اہل کتاب کے لیے عام ہے' وہ لکھتے ہیں:
یہی صورت اہل کتاب کے ساتھ تھی کہ ان کا علم ان کے راستہ میں رکاوٹ بن رہا تھا' لیکن جب اس رکاوٹ کو خاطر میں نہ لا کر اس رکاوٹ کو عبور کر کے آدمی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا تو یہ ایمان مشقت کے ساتھ ہوا' لہٰذا اس ایمان پر دہرا اجر ملے گا۔

(انعام الباری ج ۲ ص ۱۳۵' مکتبۃ الحراء' کراچی)

مصنف کے نزدیک اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں' جو آپ کی بعثت سے پہلے قرآن مجید پر ------ اور آپ کی رسالت پر ایمان لا چکے تھے

مصنف کا یہ نظریہ ہے کہ تمام اہل کتاب کے لیے یہ حکم عام نہیں ہے' لیکن مصنف کی دلیل وہ نہیں ہے' جو علامہ کرمانی اور علامہ عینی نے قائم کی ہے' مصنف کی دلیل وہ ہے' جو "تبیان القرآن" میں قائم کی گئی ہے۔ اس دلیل کی تقریر سے پہلے قرآن مجید کی ان دو آیتوں کو پیش نظر رکھیں' جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ○ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا۔ (القصص: ۵۴۔ ۵۲)

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی' وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں○ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت شعار ہو چکے تھے○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال

کا دگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا۔

ان آیات کی تفسیر میں ہم نے لکھا ہے:

قرآن مجید میں چونکہ "من قبلہ" کی قید ہے یعنی وہ اہل کتاب جو ہمارے نبی ﷺ کی بعثت یا قرآن مجید کے نزول سے پہلے اپنی کتابوں میں ہمارے نبی اور قرآن مجید کی بشارت کا پڑھ کر آپ پر یا قرآن مجید پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا' سو دگنے اجر کی بشارت صرف ان کے لیے ہے' قیامت تک کے تمام اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے نہیں ہے۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ان کو دگنے اجر دیئے جانے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ یہ لوگ بعثت سے پہلے بھی ہمارے نبی پر ایمان لائے اور بعثت کے بعد بھی ہمارے نبی پر ایمان لائے' اس وجہ سے ان کو دگنا اجر ملے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۲' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۳۰۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۱' روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(تبیان القرآن ج ۸ ص ۸۲۶' القصص: ۵۳' فرید بک سٹال لاہور۔ ۲)

دگنے اجر کی کیفیت اور ان تین قسم کے لوگوں کو دگنا اجر عطا فرمانے کی خصوصیت

ان تین قسم کے لوگوں کو دہرے اور دگنے اجر عطا فرمانے کا محمل یہ ہے کہ جس عبادت کا اجر ہمیں دس گنا عطا کیا جائے' ان کو اس عبادت کا اجر بیس گنا عطا کیا جائے گا اور جس عبادت کا اجر ہمیں ستر گنا عطا کیا جائے گا' ان کو اس کا اجر ایک سو چالیس گنا عطا کیا جائے گا۔ وعلٰی ھٰذا القیاس.

ان تین لوگوں کو دگنا اجر اس لیے عطا کیا جائے گا کہ ان کی مشقت بھی دگنی ہے' چنانچہ جو اہل کتاب پہلے اپنے نبی پر ایمان لائے گا' پھر ہمارے نبی پر ایمان لائے گا' اس کو ان دوسرے اہل کتاب کی سخت مخالفت کا سامنا ہوگا' جو ہمارے نبی پر ایمان نہیں لائے' اور جو غلام اپنے مالک کی بھی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرے' اس کی دگنی مشقت بالکل واضح ہے' اسی طرح جو شخص اپنی باندی کو تعلیم اور تربیت دے' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے' اس کی مشقت اس طرح ہے کہ اب وہ بیوی سے باندی والی خدمات نہیں لے سکتا۔

عامر شعبی کبار تابعین میں سے ہیں' انہوں نے خراسانی کو یہ حدیث سنا کر کہا کہ علم کا مرکز چونکہ مدینہ منورہ ہے' جہاں خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ ہیں' اس لیے ہم اس سے بھی کم مسئلہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے پہلے مدینہ کا سفر کیا کرتے تھے اور تم کو بغیر مشقت اٹھائے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا۔

اس حدیث میں خواتین کو تعلیم دینے کی دلیل ہے' کیونکہ اس شخص کو دگنا اجر ملے گا' جو اپنی باندی کو تعلیم دے اور ادب سکھائے۔ صحیح البخاری: ۹۸ میں اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت آئے گی' ان شاء اللہ۔

۳۲- بَابُ عِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ وَتَعْلِيمِهِنَّ امام کا خواتین کو نصیحت کرنا اور ان کو تعلیم دینا

امام خواتین کو اخروی انجام کی یاد دلائے اور ان کو دین کے احکام اور عقائد اور مسائل کی تعلیم دے اور ادب سکھائے اور خصوصاً ان کو عورتوں کے مخصوص مسائل کی تعلیم دے۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ اس طرح مناسبت ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر تھا کہ ایک شخص اپنی باندی اور بیوی کو تعلیم دے اور اس باب میں یہ ذکر ہے کہ امام عام خواتین کو تعلیم دے' لہٰذا باب سابق میں خاص تعلیم کا ذکر تھا اور اس باب میں عام تعلیم کا

ذکر ہے اور امام سے مراد ملک یا شہر کا سربراہ ہے یا شہر کا قاضی یا مفتی یا علاقہ کا بڑا عالم دین۔

۹۸- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . أَوْقَالَ عَطَاءٌ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' از ایوب' انہوں نے کہا: میں نے عطاء سے سنا' انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا' انہوں نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق شہادت دیتا ہوں' یا عطاء نے کہا: میں حضرت ابن عباس کے متعلق شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے' آپ نے یہ گمان کیا کہ آپ نے خواتین کو وعظ نہیں سنایا ہے' تو آپ نے ان کو وعظ کیا اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا' پھر خاتون اپنے کانوں کی بالیاں اور انگوٹھی (حضرت بلال کی جھولی میں) ڈالتی اور حضرت بلال کپڑے کی ایک طرف کو پکڑے ہوئے تھے۔

وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَطَاءٍ، وَقَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور اسماعیل نے کہا از ایوب از عطاء' اور کہا: از ابن عباس' میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں۔

[اطراف الحدیث: ۸۶۳-۹۶۴-۹۷۵-۹۷۷-۹۷۹-۹۸۹-
۱۴۳۱-۱۴۴۹-۴۸۹۵-۵۲۴۹-۵۸۸۱-۵۸۸۰-۵۸۸۳-۷۳۲۵]

(صحیح مسلم: ۸۸۴' سنن ابوداؤد: ۱۱۴۳-۱۱۴۷' سنن نسائی: ۱۵۸۵-ج ۳ ص ۱۹۲' سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۴' مسند ابویعلیٰ: ۲۰۷۱' صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۵۸' مسند الحمیدی: ۴۷۶' سنن دارمی: ۱۶۱۱' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۳۵۸-ج ۵ ص ۳۵۹' مؤسسة الرسالة' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو وعظ کیا اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) سلیمان بن حرب الازدی البصری (۲) شعبہ بن الحجاج (۳) ایوب سختیانی' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عطاء بن ابی رباح مسلم المکی القرشی' حضرت عثمان کی خلافت کے آخر میں پیدا ہوئے' انہوں نے کہا: میں حضرت عثمان کی شہادت کے وقت سمجھ والا تھا' یہ کبار تابعین میں سے تھے اور مفتی تھے' ۸۰ سال کی عمر گزار کر ۱۱۵ھ میں فوت ہو گئے (۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸۴)

صدقہ کا معنیٰ' صدقہ کی اقسام' صدقہ کی فضیلت اور عورت کا اپنے مال سے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا

اس حدیث میں صدقہ کرنے کا ذکر ہے' جو مال ثوابِ آخرت کے لیے خرچ کیا جائے' وہ صدقہ ہے' زکوٰۃ' قربانی اور نذر معین صدقہ واجبہ ہے' اس کے علاوہ صدقاتِ نافلہ ہیں' اس حدیث میں صدقاتِ نافلہ کا ذکر ہے۔

نیز اس حدیث میں ''القرط'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کانوں میں پہننے والی بالیاں' خواہ سونے کی ہوں یا چاندی کی۔

نبی ﷺ نے خواتین کو صدقہ کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ نے اکثر خواتین کو دوزخ کے عذاب میں دیکھا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں عید گاہ گئے' آپ خواتین کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے خواتین کی جماعت! صدقہ کیا کرو' کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے تم میں سے اکثر اہل دوزخ ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴' صحیح مسلم: ۷۹' سنن ابوداؤد: ۴۶۷۹' سنن نسائی: ۱۵۷۲' سنن ابن ماجہ: ۱۲۸۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمان بہت تنگی اور غربت کا شکار تھے اور ان کو مدد کی ضرورت تھی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ میں ایجاب اور قبول کی ضرورت نہیں ہوتی' حضرت بلال اپنی جھولی پھیرتے جاتے تھے اور خواتین سے کچھ کہے بغیر ان کے سامنے سے گزرتے اور وہ اس میں اپنے زیورات ڈال دیتیں' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقاتِ عامہ کو سربراہِ مملکت اپنی صواب دید سے خرچ کرتا ہے اور یہ کہ صدقات دوزخ سے نجات کا سبب بن جاتے ہیں' اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ عورت اپنے مال کو شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کر سکتی ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ اس کے معارض یہ احادیث ہیں:

عورت کے اپنے مال سے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے کی ممانعت میں احادیث

عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی عورت کا شوہر اس کی عصمت اور اس کی حفاظت کا مالک ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مال میں کوئی حکم نافذ کرے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۴۶' سنن نسائی: ۳۷۶۵' سنن بیہقی ج ۶ ص ۶۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۷' کنز العمال: ۴۴۷۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۴۷' سنن نسائی: ۲۵۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۷' سنن بیہقی ج ۶ ص ۶۰' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۰' شرح السنۃ ج ۴ ص ۴۱۷' کنز العمال: ۱۴۵۷۹)

احادیث مذکورہ کے جوابات

(۱) جس حدیث سے ہم نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ عورت اپنے مال سے شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کر سکتی ہے' وہ ''صحیح بخاری'' کی حدیث ہے اور اس کے خلاف جو احادیث ہیں' وہ سنن کی احادیث ہیں اور وہ ''صحیح بخاری'' سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

(۲) سنن کی مذکورہ احادیث اگر صحیح ہوں تو وہ اس پر محمول ہیں کہ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ عورت اپنے مال میں سے بھی شوہر کی اجازت سے خرچ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا اگرچہ جائز ہے' مگر خلاف اولیٰ ہے۔

(۳) عورت اپنے مال کے تہائی حصہ کو شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کر سکتی ہے اور ''صحیح البخاری'' کی یہ حدیث اسی پر محمول ہے اور اپنے کل مال کو شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کر سکتی' جس طرح وصیت میں ہوتا ہے اور سنن کی احادیث اسی پر محمول ہیں۔

(۴) جس طرح شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے' لیکن اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو وہ روزہ ہو جائے گا' اسی طرح شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا اپنے مال سے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے' لیکن اگر اس نے صدقہ کر دیا تو وہ ادا ہو جائے گا' اسی طرح اگر وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلی اور خرید و فروخت کی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

عورت کے اپنے مال میں آزادانہ تصرف کرنے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اپنے مال میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ. (البقرہ: ۲۳۷)

اگر تم عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کا مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف ان کو دے دو' یہ اور بات ہے کہ وہ اس نصف مہر کو بھی از خود معاف کر دیں۔

یعنی عورت اپنے مال (نصف مہر) میں اپنی مرضی سے تصرف کر کے اپنے سابق شوہر کو دے سکتی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۝ (النساء: ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو' ہاں! اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کی کچھ رقم چھوڑ دیں تو اس کو خوشی خوشی کھالو۝

یعنی عورتیں اپنے مہر کے مال میں سے اپنی مرضی سے تصرف کر سکتی ہیں۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ. (البقرہ: ۲۲۹)

اگر عورت خلع حاصل کرنے کے لیے اپنے مال میں سے کچھ فدیہ دے تو شوہر اور عورت پر کچھ حرج نہیں ہے۔

ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتی ہے اور سنن کی مذکور الصدر احادیث چونکہ ان آیات کے خلاف ہیں' اس لیے وہ معلل ہیں اور حدیث معلل ضعیف ہوتی ہے' اس لیے ''صحیح بخاری'' کی حدیث صریح کے مقابلہ میں ان کو ترک کر دیا جائے گا۔

عورت کے اپنے مال میں آزادانہ تصرف کرنے کے ثبوت میں احادیث صحیحہ

اسی طرح سنن کی یہ احادیث درج ذیل احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہیں:

حضرت اسماء رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی تھیلی کو باندھ کر نہ رکھو' ورنہ تمہارے لیے بھی تھیلی کو باندھ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۳)

دوسری روایت میں فرمایا: تم گن گن کر نہ دو' ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تم جمع نہ کرو' ورنہ اللہ بھی تم پر جمع کرے گا' تم جتنا خرچ کر سکتی ہو خرچ کرو۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳۴' صحیح مسلم: ۱۰۲۹' سنن نسائی: ۲۵۴۷)

• حضرت عائشہ رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ ھند بنت عتبہ بنت ربیعہ آئیں اور کہنے لگیں: یا رسول اللہ! بے شک ابوسفیان کم خرچ ہیں' کیا مجھ پر کوئی حرج ہے اگر میں ان کے مال سے اپنے عیال (بچوں) کو کھلاؤں؟ آپ نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے' اگر تم دستور کے مطابق ان کو کھلاؤ۔ (صحیح البخاری: ۲۴۶۰' صحیح مسلم: ۱۷۱۴' سنن ابوداؤد: ۳۵۳۳' سنن نسائی: ۵۴۳۵' مسند احمد ج ۶ ص ۳۹)

جب شوہر کے مال سے بھی عورت اس کی اجازت کے بغیر خرچ کر سکتی ہے تو اپنے مال سے تو بہ طریق اولیٰ خرچ کر سکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کی دی ہوئی چیز کو حقیر نہ سمجھے' خواہ وہ بکری کے کھر کا کنارہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۶۰۱۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت اپنی پڑوسن کو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی کوئی ہدیہ دے سکتی ہے۔

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے مال میں بھی تصرف کر سکتی ہے اور اپنے مال میں

بھی تصرف کر سکتی ہے اور" سنن ابوداؤد" اور" سنن بیہقی" کی مذکور الصدر احادیث چونکہ ان احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں' اس لیے وہ معلل اور ضعیف ہیں اور وہ ان احادیث صحیحہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

* اس حدیث میں عورتوں کو تعلیم دینے کا بھی ثبوت ہے' اس مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت تفصیل سے لکھا ہے' دیکھئے: شرح صحیح مسلم: ۳۷۸۷۔ ج ۷ ص ۹۷۲۔ ۹۵۲' اس کے بعض عنوان یہ ہیں: ① تعلیم نسواں اور عورتوں کے لکھنے کے متعلق خصوصی احادیث' ② عورتوں کے لکھنے کے جواز پر فقہاء اسلام کی تصریحات ③ مانعین کے شبہات اور ان کے جوابات۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۹۴۲۔ ج ۲ ص ۲۶۲ پر مذکور ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

۳۳- بَابُ الْحِرْصِ عَلَى الْحَدِيْثِ حدیث کی حرص

یہ باب حدیث کی تحصیل کی حرص کے بیان میں ہے' لغت میں حدیث کا معنی قدیم کے مقابلہ میں ہے یعنی جدید اور نئی چیز' اور عرف میں حدیث کا معنی کلام ہے' اور عرف شرع میں حدیث کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' آپ کے افعال' آپ کی صفات اور آپ کے احوال' اور آپ کی تقریرات یعنی آپ کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور آپ اس کو رد نہ فرمائیں' بلکہ اس کو مقرر اور ثابت رکھیں۔

باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں عورتوں کو تعلیم دینے کا بیان تھا' اور وہ بھی تعلیم خاص ہے اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ کے ایک سوال کا جواب ہے اور یہ بھی تعلیم خاص ہے۔

۹۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِي عَمْرٍو، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَنْ لَّا يَسْاَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَحَدٌ اَوَّلُ مِنْكَ، لِمَا رَاَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ، اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ اَوْ نَفْسِهِ. [طرف الحدیث: ۶۵۷۰]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو از سعید بن ابی سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' انہوں نے بیان کیا: یارسول اللہ! یہ کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے حصول میں کون زیادہ کامیاب ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! بے شک میرا یہ گمان تھا کہ اس حدیث کے متعلق تم سے پہلے مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا' کیونکہ حدیث کے اوپر تمہاری حرص مجھے معلوم ہے' قیامت کے دن میری شفاعت کے حصول میں سب سے زیادہ وہ شخص کامیاب ہوگا' جس نے خلوص قلب یا اخلاص نفس کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۴۲' صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۶۹۹' الشریعۃ للآجری ص ۳۴۰' شرح السنۃ: ۴۳۳۶' السنۃ لابن ابی عاصم: ۸۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۸۸۵۸۔ ج ۱۴ ص ۳۴۶ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوہریرہ سے یہ ارشاد ہے کہ مجھے تمہاری حدیث پر حرص کا علم ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ القرشی العامری الاویسی المدنی الفقیہ' ان سے امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی

ہے ابوحاتم نے کہا: یہ مدنی صدوق ہیں (۲) سلیمان بن بلال ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عمرو بن ابی عمرو میسرہ المخزومی القرشی المدنی انہوں نے حضرت انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے امام مالک اور الدراوردی نے روایت کی ہے امام ابوزرعہ نے کہا: یہ ثقہ ہیں ابوحاتم نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ضعیف ہے قوی نہیں ہے اور حجت نہیں ہے یہ ۱۳۶ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) سعید بن ابی سعید المقبری (۵) حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمان بن صخر رضی اللہ عنہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸۹)

سعادت کا معنی اور آپ کی شفاعت کی سب سے زیادہ سعادت حاصل کرنے کی تفصیل

اس حدیث میں ''اسعد'' کا لفظ ہے یہ ''سعد'' کا اسم تفضیل ہے ''سعد'' کا معنی ہے: مبارک یہ منحوس کی ضد ہے بہت سارے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کی سعادت اور برکت حاصل ہوگی لیکن مخلص مومن کو سب سے زیادہ سعادت حاصل ہوگی۔ (۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میدانِ محشر کی ہولناکی سے چھڑانے کے لیے تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے (۲) بعض کفار کے لیے تخفیف عذاب کی شفاعت کریں گے جیسے ابوطالب کے لیے (۳) بعض مؤمنین کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا آپ ان کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کریں گے (۴) بعض مؤمنین دوزخ میں دخول کے مستحق ہوں گے ان کو دوزخ میں داخل نہ کرنے کی شفاعت کریں گے (۵) بعض مؤمنین کو جنت میں بغیر حساب کے داخل کرنے کی شفاعت کریں گے (۶) بعض کے لیے درجات میں بلندی کی شفاعت کریں گے (۷) جن کی نیکیاں اور بُرائیاں برابر ہوں گی ان کو جنت میں داخل کرنے کی سفارش کریں گے۔ یہ سب لوگ آپ کی شفاعت کی سعادت حاصل کریں گے لیکن سب سے زیادہ آپ کی شفاعت وہ حاصل کرے گا جو خلوصِ قلب سے ایمان لایا ہو۔

شفاعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی شفاعت میں مذاہب اور شفاعت میں اہل سنت کے مؤقف پر قرآن مجید اور احادیث سے دلائل

شفاعت کا لفظ شفع سے بنا ہے اس کا معنی ہے: ایک چیز کے ساتھ اس کی مثل ملانا جیسے ایک رکعت کے ساتھ اس کی مثل ملائی جائے تو اس کو شفع (دوگانہ) کہتے ہیں کوئی شخص کسی مکان کے ساتھ اس کی مثل ملائے تو اس کو ''شفعة'' کہتے ہیں اور جب مجرم اپنے ساتھ کسی معاون کو ملائے تو اس کو شفاعت کہتے ہیں اکثر شفاعت کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جب ادنیٰ شخص کسی اعلیٰ شخص کو اپنے ساتھ ملائے۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کو دوزخ سے بچانے اور ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت ہوگی اور خوارج اور معتزلہ کبیرہ گناہ کے مرتکبین کے لیے شفاعت کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ صرف صغائر کے لیے اور نیک لوگوں کے درجات میں بلندی کے لیے شفاعت ہوگی ان کی دلیل اس قسم کی آیات ہیں:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ○ (المدثر: ۴۸) ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی ○

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ○ (المومن: ۱۸) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ شفاعت کرنے والا جس کی شفاعت قبول کی جائے ○

ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات کفار کے حق میں وارد ہیں اور یہ آیات مؤمنین مرتکبین کبائر کے لیے نہیں ہیں اور مؤمنین مرتکبین کبائر کی شفاعت کا ثبوت اس قسم کی آیات سے ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصحابِ کبائر کی شفاعت کرتے ہوئے فرمایا:

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ (ابراہیم:۳۶)

جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا○ (النساء:۶۴)

اگر یہ لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول ان کی شفاعت کریں تو یہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا پائیں گے○

اور درج ذیل احادیث میں بھی شفاعت کی تصریح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور ہر نبی نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کر لیا اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جو اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم:۱۹۹ سنن ترمذی:۳۶۰۲ سنن ابن ماجہ:۴۳۰۷ مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۶)

حضرت انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (سنن ابوداؤد:۴۷۳۹ سنن ترمذی:۲۴۳۶ سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۷-۱۹۰ مشکوٰۃ:۵۵۹۸ کامل ابن عدی ج ۱ ص ۳۴۲۔ ج ۲ ص ۵۱۲۔ ج ۳ ص ۱۰۰۳ المعجم الکبیر:۱۱۴۵۴ السنۃ لابی عاصم ج ۲ ص ۳۹۹ الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۴۶ صحیح ابن حبان:۲۵۹۶ کنز العمال:۳۹۰۵۵ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

شرح صحیح مسلم میں شفاعت کی بحث

شرح صحیح مسلم:۱۰۶۶۔ ج ۲ ص ۳۸۔۶۱ میں ہم نے شفاعت پر بہت طویل بحث کی ہے اس کے حسب ذیل عنوان ہیں:
(۱) شفاعت کا لغوی معنی (۲) شفاعت کا اصطلاحی معنی (۳) اہل قبلہ کے شفاعت میں نظریات (وہابیہ دیابنہ اہل سنت) (۴) خوارج کے شبہ کا ازالہ (۵) بعض مخالفین کے شبہ کا ازالہ (۶) انبیاء علیہم السلام کی حضور الوہیت میں وجاہت (۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضور الوہیت میں وجاہت قرآن سے (۸ آیات) (۸) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت احادیث سے ۱۰ احادیث (۹) شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل ۵۱ آیات (۱۰) شفاعت پر احادیث سے دلائل ۴۰ احادیث (۱۱) اقسام شفاعت ۴۹ اقسام (۱۲) نظریہ کفارہ مسیح اور شفاعت میں فرق۔

* تبیان القرآن میں بھی ہم نے شفاعت کے موضوع پر بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ (دیکھئے: ج ۷ ص ۳۸۱-۴۳۸ طٰہٰ:۱۱۲-۱۰۹)

۳۴- بَابُ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ — علم کو کس طرح اٹھا لیا جائے گا؟

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں حدیث کی حرص کا بیان ہے اور علم حدیث تمام انواع علوم میں سب سے اشرف اور افضل علم ہے اور اس باب میں علوم کے اٹھانے کا ذکر ہے سو اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اس سے پہلے کہ علوم اٹھا لیے جائیں علم حدیث پر حرص کر کے اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کر لیا جائے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس اثر معلق کا ذکر کیا ہے:

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ، وَلَا يُقْبَلُ إِلَّا حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ، وَلْيَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا.

اور عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن حزم کی طرف مکتوب لکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حدیث بھی ہے' اس کو تلاش کر کے لکھ لو' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ علم مٹ جائے گا اور علماء (دنیا سے) چلے جائیں گے اور (پھر) صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو قبول کیا جائے گا اور علم کو پھیلاؤ' اور مجلس (تعلیم) منعقد کرو' حتیٰ کہ جس کو علم نہیں ہے اس کو تعلیم دی جائے کیونکہ علم اس وقت تک ضائع نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کو راز بنالیا جائے۔

اثر مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عمر بن عبد العزیز کا بھی خلفاء راشدین مہدیین میں شمار کیا گیا ہے' "کتاب الایمان" میں ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(۲) ابوبکر بن حزم بن محمد بن حزم الانصاری المدنی ہیں' سلیمان بن عبد الملک اور عمر بن عبد العزیز نے ان کو قضا کا منصب دیا اور حج کا امیر بنایا اور ان کو مدینہ کا گورنر بنا دیا' یہ ڈاڑھی میں عنابی رنگ کا خضاب لگاتے تھے' یہ ۸۴ سال کی عمر گزار کر ہشام بن عبد الملک کی خلافت میں ۱۲۰ھ میں فوت ہو گئے' امام ترمذی کے سوا باقی ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عمر بن عبد العزیز کا احادیث کی تدوین کا حکم دینا

اس تعلیق میں یہ بتایا ہے کہ احادیثِ نبویہ کی تدوین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہے' اس سے پہلے علماء حدیث اپنے حفظ پر اعتماد کرتے تھے' عمر بن عبد العزیز ۱۰۰ھ کی ابتداء میں خلیفہ مقرر ہوئے تھے' جب ان کو یہ خطرہ ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو لکھ کر منضبط اور مدون نہ کیا گیا تو وہ ضائع ہو جائیں گی' کیونکہ علماء کے فوت ہونے سے ان کے ساتھ ساتھ علم بھی اٹھ رہا ہے تو انہوں نے احادیث کو تلاش کر کے انہیں لکھنے اور منضبط کرنے کا حکم دیا' ابونعیم نے "تاریخ اصبہان" میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔(اس تصریح سے معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کا یہ پروپیگنڈا غلط ہے کہ اڑھائی سو سال بعد احادیث کی تدوین کی گئی۔ سعیدی غفرلہٗ)

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۴۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

اس کے بعد امام بخاری لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ بِذَلِكَ، يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، إِلَى قَوْلِهِ ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ.

ہمیں العلاء بن عبد الجبار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار' اس اثر کی یعنی عمر بن عبد العزیز کی حدیث' علماء کے (دنیا سے) جانے تک۔

اثر مذکور کے رجال کا تعارف

امام بخاری نے اس اثر کو روایت کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ اثر صرف تعلیقاً مروی نہیں ہے بلکہ موصولاً بھی مروی ہے۔

یہ اثر العلاء بن عبد الجبار سے مروی ہے' ابوحاتم نے کہا: یہ صالح الحدیث ہیں' العجلی نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۲۱۲ھ میں فوت ہو گئے تھے' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' امام مسلم نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

اس اثر کے دوسرے راوی عبدالعزیز بن مسلم ہیں' امام بخاری نے ان سے متعدد احادیث روایت کی ہیں' یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یحییٰ بن اسحاق نے کہا: یہ ابدال میں سے تھے' امام ابن ماجہ کے سوا باقی ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۶۷ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۹۶)

۱۰۰- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اَبِیْ اُوَیْسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَالِكٌ' عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ' عَنْ اَبِیْهِ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ' وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ' حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا' اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا' فَسُئِلُوْا' فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ' فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ علم کو (اس طرح) نہیں اٹھائے گا کہ علم کو بندوں (کے سینوں) سے نکال لے' لیکن علماء کے اٹھانے سے علم کو اٹھالے گا' حتیٰ کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے' ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے' پس خود بھی گم راہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گم راہ کریں گے۔

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ قَالَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ' عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهٗ. [طرف الحدیث: ۷۳۰۷]

فربری نے کہا: ہمیں عباس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از ہشام' اسی حدیث کی مثل۔

(صحیح مسلم: ۲۶۷۳' سنن ترمذی: ۲۶۵۲' سنن ابن ماجہ: ۵۲' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۹۰۷' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۴۸۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۷۷' مسند الحمیدی: ۵۸۱' الزھد لابن المبارک: ۸۱۶' صحیح ابن حبان: ۴۵۷۱' المعجم الاوسط: ۵۵' شرح السنۃ: ۱۴۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۵' تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۱۹۶' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۴۳' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۷۴' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۲۹۲' البزار: ۲۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۶۵۱۱۔ ج ۱۱ ص ۵۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں علم کے اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

علم کو سینوں سے نکالنے پر قدرت کے باوجود علم کو سینوں سے نہ نکالنا اور اس باب کی مؤید دیگر احادیث

اس حدیث میں فرمایا: بے شک اللہ علم کو نہیں اٹھائے گا کہ علم کو بندوں سے نکال لے' لیکن علماء کے اٹھانے سے علم کو اٹھالے گا۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں کو جو علم عطا فرمایا ہے' وہ ان سے واپس نہیں لے گا' جو علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کراتا ہے اور جس سے اس کے احکام شرعیہ کا پتا چلتا ہے' ہاں! اگر کوئی شخص علم کو ضائع کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ اس سے علم کو اٹھالیتا ہے' مگر اس علم کو اس کے سینہ سے نہیں نکالتا' اس حدیث کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: علم کے ختم ہونے سے پہلے اس کو حاصل کر لو'

مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! علم کیسے ختم ہوگا! حالانکہ ہم میں اللہ کی کتاب موجود ہے' پھر آپ غضب ناک ہوئے' اللہ آپ کو غضب میں نہ لائے' پھر آپ نے فرمایا: تم کو تمہاری مائیں روئیں' کیا بنی اسرائیل میں تورات اور انجیل موجود نہیں تھیں' پھر کوئی چیز ان سے کفایت نہ کر سکی' پھر آپ نے تین بار فرمایا: بے شک حاملینِ علم کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جاتا ہے۔

(المعجم الکبیر: ۷۹۰۶۔ ج ۸ ص ۲۳۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے' اس دن آپ اونٹ پر سوار تھے اور آپ نے حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا' اس وقت آپ نے فرمایا: اے لوگو! علم کو اس سے پہلے حاصل کر لو کہ اس کو اٹھا لیا جائے' اس سے پہلے قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ. (المائدہ: ۱۰۱)

اے ایمان والو! اشیاء کے متعلق سوال نہ کرو' اگر وہ تم پر ظاہر کر دی گئیں تو تم کو برا لگے گا۔

ہم کئی چیزوں کا ذکر کرتے تھے اور یہ آیت ہم کو سوال کرنے سے منع کرتی تھی' پھر ہمارے پاس ایک اعرابی آیا' مسلمانوں نے اس کو ایک چادر پہنائی' اس نے اس چادر کو بہ طور عمامہ باندھ لیا' حتیٰ کہ میں نے اس چادر کا کنارہ اس کی بائیں بھوں پر دیکھا' پھر ہم نے کہا: تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کرو' اس نے کہا: یا نبی اللہ! علم ہم سے کس طرح اٹھا لیا جائے گا' حالانکہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے' ہم نے اس کا علم حاصل کر لیا ہے اور ہم نے اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اور اپنے خدام کو قرآن مجید سکھا دیا ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور آپ کے چہرے پر غضب کی سرخی چھائی ہوئی تھی' آپ نے فرمایا: اے شخص! تیری ماں تجھے روئے' یہ یہود اور نصاریٰ ہیں' ان کے سامنے ان کی کتابیں ہیں' ان کے انبیاء جو کچھ لے کر آئے تھے' یہ اس کے ایک حرف کے ساتھ بھی متعلق نہیں ہوئے' پھر آپ نے تین بار فرمایا: سنو! اہل علم کے (دنیا سے) چلے جانے سے علم چلا جاتا ہے۔

(المعجم الکبیر: ۷۸۶۷۔ ج ۸ ص ۲۱۶۔ ۲۱۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علم کو سینوں سے نکال لینا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے' لیکن یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کا وقوع نہیں ہوگا۔

جہل کی دو قسمیں: جہل بسیط اور جہل مرکب اور دیگر مسائل

نیز اس حدیث میں جاہلوں کا ذکر ہے' اور جہل کی دو قسمیں ہیں: جہل بسیط اور جہل مرکب' جہل بسیط یہ ہے کہ آدمی کو کسی چیز کا علم نہ ہو اور وہ کہے: مجھے اس چیز کا علم نہیں ہے اور جہل مرکب یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کا علم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ اس کو اس چیز کا علم ہے' اس کی دو جہالتیں ہیں: ایک تو وہ اس چیز سے جاہل ہے اور دوسرے وہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہے۔ اس حدیث میں جن جاہلوں کو مفتی بنانے کا ذکر ہے' اس سے مراد وہ جاہل ہیں' جو جہل مرکب میں مبتلا ہوں۔

نیز اس حدیث میں جاہلوں کو رئیس اور سردار بنانے کی مذمت ہے اور علم کی حفاظت کرنے اور علم کے ساتھ مشغول رہنے کی ترغیب ہے اور یہ کہ حقیقی ریاست علماء اور مفتیوں کی ہے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۶۷۲۔ ج ۷ ص ۴۰۵ پر ہے اور اس کی شرح کا عنوان ہے: (۱) علم کے اٹھنے اور جہل کے پھیلنے کی پیش گوئی ہمارے زمانہ میں پوری ہوئی (۲) جاہلوں کو رئیس اور شیخ بنانے کی مذمت۔

۳۵- بَابُ هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلٰى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ

کیا خواتین کی تعلیم کے لیے علیحدہ دن مقرر کیا جائے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق علم کو اٹھانے کے متعلق تھا' جس کو علم کی حفاظت لازم ہے اور اس باب میں بھی علم کی حفاظت کا بیان ہے کیونکہ جب خواتین نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کی تعلیم کے لیے علیحدہ دن مقرر کر دیں تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا' جس میں آپ ان کو تعلیم دیں گے اور اس سے بھی علم کی حفاظت ہوگی۔

۱۰۱- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْاَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِّنْ نَفْسِكَ ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيْهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِيْمَا قَالَ لَهُنَّ مَا مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَّلَدِهَا، اِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ. فَقَالَتِ امْرَاَةٌ وَاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ وَاثْنَيْنِ.

[اطراف الحدیث:۱۲۴۹-۱۳۱۰-۷] [صحیح مسلم:۲۶۳۳ السنن الکبریٰ للنسائی:۵۸۹۶' مسند ابویعلیٰ: ۱۲۷۹' صحیح ابن حبان:۲۹۴۴' شرح السنۃ:۱۵۴۶' شعب الایمان: ۹۷۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴ طبع قدیم' مسند احمد:۱۱۲۹۶-ج ۱۷ ص ۳۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے ابن الاصبہانی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے ابوصالح ذکوان سے سنا' وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے تھے کہ خواتین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے اوپر مرد غالب ہو گئے ہیں' آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مقرر کر دیں' آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا جس دن میں آپ نے ان سے ملاقات کی' ان کو نصیحت کی اور ان کو (کچھ اعمال کا) حکم دیا اور آپ نے ان سے جو کچھ فرمایا' اس میں یہ ارشاد بھی تھا: تم میں سے جو عورت بھی اپنے تین بچوں کو پہلے بھیج دے گی' وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب ہو جائیں گے' ایک خاتون نے کہا: اور دو؟ آپ نے فرمایا: اور دو بھی۔

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے کیونکہ اس حدیث میں خواتین کے لیے علیحدہ دن مقرر کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) آدم بن ابی ایاس (۲) شعبہ ابن الحجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عبدالرحمان بن عبداللہ الاصبہانی الکوفی' یہ شعبہ' ابوعوانہ اور ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبداللہ بن معقل اور ابوصالح وغیرہ روایت کرتے ہیں' ابوحاتم نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' امام نسائی کے علاوہ باقی ائمہ ستہ نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے' یہ خالد کی امارت میں عراق میں فوت ہو گئے تھے (۴) ابوصالح ذکوان (۵) حضرت ابوسعید' سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۰)

آپ پر مردوں کے غالب آنے کی وضاحت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ خواتین نے کہا: آپ پر مرد غالب آ گئے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں میں مرد آپ کے ساتھ لازم رہتے ہیں' اور وہی آپ سے علم کی باتیں اور دینی مسائل کو سنتے ہیں' اور ہم خواتین جسمانی طور پر کمزور ہیں اور مردوں سے مزاحمت کی طاقت نہیں رکھتیں' تو آپ ہفتہ کے دنوں میں سے کوئی ایک دن ہمارے لیے بھی مقرر کر دیں' جس دن میں ہم آپ سے علم کی باتیں اور دینی مسائل کا سماع کریں۔

پلک جھپکنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی کا رابطہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک خاتون نے کہا: اور دو؟ آپ نے فرمایا: اور دو بھی۔

یہ خاتون حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں' ایک قول یہ ہے کہ کوئی اور خاتون تھیں۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ دو فوت شدہ بچوں کا بھی تین فوت شدہ بچوں والا حکم ہے' ہو سکتا ہے کہ اسی وقت آپ پر وحی نازل ہوئی ہو کہ آپ دو بچوں کے متعلق بھی مثبت جواب دے دیں' اور یہ محال نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس وقت سوال کیا گیا تھا' اسی وقت پلک جھپکنے میں آپ پر وحی نازل ہو گئی ہو' علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے آپ پر وحی نازل ہو گئی ہو اور علامہ ابوالحسن القابسی وغیرہ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے ''کتاب الرقاق'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے' جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک بھی دو کی مثل ہے' وہ احادیث یہ ہیں:

نابالغ بچوں کے ماں باپ کو بخشوانے کے متعلق دیگر احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندہ کے اہل دنیا میں سے (گناہوں سے) صاف بندے کی روح کو قبض کرلوں اور وہ (اس پر صبر کرنے میں) ثواب کی نیت کرے تو میرے پاس اس کی جزاء صرف جنت ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۲۴)

اور نابالغ بچے سے بڑھ کر صاف بندہ کون ہو گا! اور ''سنن ترمذی'' میں صریح حدیث ہے کہ دو اور ایک بھی تین کی طرح ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین نابالغ بچوں کو بھیجا' وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے محفوظ قلعہ بن جائیں گے' حضرت ابوذر نے کہا: میں نے تو دو کو بھیجا ہے' آپ نے فرمایا: اور دو بھی' پھر حضرت ابی بن کعب سید القراء نے کہا: میں نے تو ایک کو بھیجا ہے' آپ نے فرمایا: اور ایک بھی' لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ پہلی بار صدمہ پہنچنے کے وقت صبر کرے۔ (سنن ترمذی: ۱۰۶۱' سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵)

ایک اور حدیث میں اس سے زیادہ تصریح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے جس نے دو نابالغ بچے اپنے سے پہلے بھیج دیئے' اللہ تعالیٰ ان بچوں کے سبب سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

حضرت عائشہ نے کہا: اور آپ کی اُمت میں سے جس شخص کا پہلے بھیجا ہوا ایک بچہ ہو؟ آپ نے فرمایا: اور جس کا ایک بچہ ہو' اُسے خیر کی توفیق دی گئی!! حضرت عائشہ نے کہا: اور جس کا آپ کی امت میں سے پہلے بھیجا ہوا کوئی بچہ نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: پھر میں اپنی امت کا پیش رو ہوں! میری (وفات کی) مثل سے بڑھ کر ان کو کوئی مصیبت نہیں پہنچی۔ (سنن ترمذی: ۱۰۶۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک ناتمام بچہ اپنے رب سے جھگڑے گا' جب اس کے ماں باپ کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا' پس کہا جائے گا: اے ناتمام بچے! اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے' پس وہ اپنے ماں باپ کو اپنی ناف سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لائے گا' حتیٰ کہ ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۸' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

خواتین کا عالم سے دینی مسائل معلوم کرنے کا جواز' تعیین یوم کا جواز اور مسلمان بچوں کا جنت میں ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواتین اپنے دینی مسائل مرد عالم سے معلوم کر سکتی ہیں اور مرد ان کو جواب دے سکتا ہے' اسی طرح

اور بھی ضروری اُمور میں وہ مردوں سے بات کرسکتی ہیں۔
اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نے عورتوں کو تعلیم دینے کے لیے ایک دن معین فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم اور عبادت کے لیے اپنے اجتہاد سے دن کا تعین کرنا جائز ہے' اس پر قیاس کر کے دیگر کارہائے خیر کے لیے بھی دن کو معین کرنا جائز ہے۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی نابالغ اولاد جنت میں ہوگی' کیونکہ جب وہ اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جائیں گے تو خود تو بہ طریق اولیٰ جنت میں ہوں گے۔
* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۵۷۵۔ ج ۷ ص ۲۴۶ پر مذکور ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۰۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ' قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ' عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَصْبَهَانِيِّ' عَنْ ذَكْوَانَ' عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالرحمان ابن الاصبہانی از ذکوان از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی حدیث۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حَازِمٍ' عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ. [طرف الحدیث: ۱۲۵۰]

اور از عبدالرحمان بن الاصبہانی' انہوں نے کہا: میں نے ابوحازم سے سنا از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: تین ایسے بچے جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔

حدیث مذکور کی روایت کرنے کے مقاصد

اس حدیث کو روایت کرنے سے امام بخاری کے دو مقصد ہیں: ایک مقصد ہے ابن الاصبہانی کا نام ذکر کرنا' پہلی روایت میں انہوں نے اس کو مبہم ذکر کیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے شیخ سے اس کا نام اسی طرح سنا تھا اور یہ ان کی غایت احتیاط ہے کہ جس طرح اپنے شیخ سے کسی راوی کا نام سنا' اس کو اسی طرح ذکر کر دیا' دوسرا مقصد اس پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ تین بچے بلوغت کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔
اس حدیث میں ''حنث'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گناہ' یعنی وہ بچے ابھی گناہ کرنے کی عمر کو نہ پہنچے ہوں یعنی نابالغ ہوں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے رجال میں سے ابوحازم کے علاوہ سب کا پہلے تعارف ہو چکا ہے' ابوحازم کا نام ہے: سلمان الاشجعی الکوفی' یہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں' بہت بڑی جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۴)

۳۶- بَابُ مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَهُ حَتّٰى يَعْرِفَهُ

جس نے کسی بات کو سنا' پھر بات کرنے والے کی طرف رجوع کیا' حتیٰ کہ اس بات کو سمجھ لیا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں عورتوں کو تعلیم دینے کا ذکر تھا' اور عورتوں کی عقل میں کچھ کمی ہوتی ہے' جس کی وجہ سے بعض اوقات انہیں عالم کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس باب میں یہی بیان کیا ہے کہ

جب عالم کی بات سمجھ میں نہ آئے تو پھر اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۰۳- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي مَرْيَمَ قَالَ اَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ ' اِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتّٰى تَعْرِفَهُ ' وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ اَوَلَيْسَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾؟ (الانشقاق:۸) قَالَتْ فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ ' وَلٰكِنْ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ.

[اطراف الحدیث:۴۹۳۹-۶۵۳۶-۶۵۳۷]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ نبی ﷺ کی زوجہ جب بھی کسی بات کو سنتیں' جو ان کو سمجھ نہ آتی تو وہ اس میں رجوع کرتیں حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں اور نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا' حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا: ''پس عنقریب آسان حساب لیا جائے گا''؟ (الانشقاق: ۸) حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہ تو صرف حساب کو پیش کرنا ہے' لیکن جس سے حساب میں جرح کی گئی' وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم:۲۸۷۶' سنن ابوداؤد:۳۰۹۳' سنن ترمذی:۲۴۲۶-۳۳۳۷' السنن الکبریٰ للنسائی:۱۱۶۵۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۸' صحیح ابن حبان:۷۳۶۹-۷۳۷۱' الزھد لابن المبارک:۱۳۱۹' مسند اسحاق بن راھویہ:۱۴۴۹' شعب الایمان:۲۶۹' المستدرک ج ۴ ص ۵۸۰' المعجم الاوسط: ۸۵۹۰' مسند احمد ج ۶ ص ۴۷ طبع قدیم' مسند احمد:۲۴۲۰۰-ج ۴۰ ص ۲۳۶' موسسة الرسالة' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عائشہ کو کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس میں رجوع کرتی تھیں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) سعید بن ابی مریم المصری' انہوں نے امام مالک وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے امام بخاری وغیرہ نے سماع کیا ہے' ابوحاتم رازی نے کہا: یہ ثقہ ہیں' ابن معین نے کہا: یہ ثقۃ الثقات ہیں' یہ ۲۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) نافع بن عمر بن عبد اللہ القرشی الجمحی المکی' امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ ثبت صحیح الحدیث ہیں' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ ۱۶۹ھ میں مکہ میں فوت ہو گئے تھے' بہت بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۳) عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ (۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۵)

جس سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا' کے دو محمل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا' اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ جس دن انسان کے سامنے اس کے گناہ پیش کیے جائیں گے اور اس کو اس کے کیے ہوئے برے کاموں پر مطلع کیا جائے گا' یہ اس کے لیے سخت عذاب اور مذمت کا باعث ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کا حساب لینا' اس کے عذاب کے استحقاق کی طرف پہنچاتا ہے' کیونکہ بندہ جو بھی نیکی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کی توفیق سے کرتا ہے اور نیکی پر اس کے ہدایت دینے اور قدرت دینے سے کرتا ہے اور بندہ کے ایسے اعمال بہت کم ہیں' جو اس نے اخلاص سے اللہ کے لیے کیے ہوں۔

اور فرمایا: اس پر جو حساب پیش کیا جائے گا' وہ آسان ہے' یعنی وہ بہت سہل ہے' اس میں کوئی جرح نہیں ہوگی اور اس میں اس پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہوگا' جو اس پر دشوار ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حدیث اور آیت میں کیا تعارض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں عام حکم بیان کیا گیا ہے کہ جس سے بھی حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا اور آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان میں سے بعض کو عذاب نہیں ہوگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اصحاب الیمین ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں حساب سے مراد عرض ہے' یعنی حساب کا پیش کرنا اور اس کا اظہار کرنا' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بندہ کو اس کے گناہوں کی پہچان کرائی جائے گی' پھر اس سے درگزر کر لیا جائے گا۔

جس سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب کیسے ہوگا؟

نیز اس حدیث میں فرمایا: جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں پر تقصیر غالب ہے' پس جس سے پورا پورا حساب لیا گیا اور اس کو چھوٹ نہیں دی گئی' وہ ہلاک ہو گیا اور اس کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ شرک کے سوا باقی گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا' معاف فرما دے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ حساب میں مناقشہ کرنا بجائے خود عذاب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس سے حساب لیا جائے گا' اس کو عذاب دیا جائے گا' اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ حساب کے مطالبہ سے جو نفس کو وحشت اور اذیت ہوگی' وہ بھی ایک قسم کا عذاب ہے۔

مسائل کی تحقیق میں حدیث پر قرآن سے معارضہ کرنے اور مناظرہ کا جواز

اس حدیث میں حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ثبوت ہے اور مسائل کی تحقیق میں ان کی حرص کا بیان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر جب حضرت عائشہ نے قرآن مجید کی ایک آیت سے معارضہ کیا تو آپ اس سے ناراض نہیں ہوئے' بلکہ آپ نے قرآن مجید کی اس آیت کا محمل بیان فرمایا کہ اس آیت میں آسان حساب لینے سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جب شاگرد استاذ پر اعتراض کرے تو استاذ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے اور شاگرد کے اعتراض کو دور کرنا چاہیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حساب و کتاب ہوگا اور عذاب بھی ہوگا اور عذاب میں لوگوں کے مختلف درجات ہوں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علمی مسائل میں مناظرہ کرنا اور حدیث پر قرآن مجید سے معارضہ کرنا جائز ہے۔

* باب مذکورہ کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۰۹۷۔ ج ۷ ص ۷۰۳ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۳۷- بَابٌ لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ — شاہد (حاضر) غائب کو علم پہنچا دے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں متعلم کی عالم کی طرف مراجعت کا بیان ہے اور اس باب میں غائب تک علم پہنچانے کا ذکر ہے اور جو غائب تک علم پہنچائے گا' وہ اس کی طرف مراجعت کرے گا تو نفس مراجعت میں یہ دونوں باب متناسب ہیں۔ اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا:

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. — اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شاہد غائب کو پہنچا دے یہ حدیث معلق ہے" کتاب الحج "میں امام بخاری نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (دس ذوالحج) کو لوگوں کو خطبہ دیا' پس فرمایا: اے لوگو! یہ کون

سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ یوم حرام ہے' پھر فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ شہر حرام ہے' پھر فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ مہینہ حرام ہے (یعنی احترام والا مہینہ ہے)' آپ نے فرمایا: تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں' جس طرح تمہارے اس دن میں' تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں حرمت ہے' پھر آپ نے ان کلمات کو بار بار دہرایا' پھر اپنا سر بلند کر کے فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی! اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یہ ضرور آپ کی اپنی امت کے لیے وصیت تھی' شاہد غائب کو پہنچا دے۔ (صحیح البخاری:۱۷۳۹' سنن ابن ماجہ:۲۳۳' مسند احمد:۲۰۵۳۰۔۲۰۴۲۹۔ ج۵ ص۳۹)

١٠٤- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيْدٌ، عَنْ اَبِي شُرَيْحٍ اَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ. وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلَى مَكَّةَ. اِئْذَنْ لِيْ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ، اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ، سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ، وَاَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ، حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ، وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ، وَاِنَّمَا اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے سعید نے حدیث بیان کی از ابی شریح' انہوں نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا' جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا: اے امیر! میں آپ سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں' جس کو کل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کھڑے ہو کر فرمایا تھا' اس حدیث کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اس کو یاد رکھا اور جس وقت آپ نے وہ حدیث فرمائی' میری دونوں آنکھوں نے آپ کو دیکھا' آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی' پھر فرمایا: بے شک مکہ کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے' اس کو لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا' سو جو شخص بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہو' اس کے لیے مکہ میں خون بہانا جائز نہیں ہے اور نہ مکہ کے درخت کو کاٹنا جائز ہے پس اگر کوئی شخص مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتال کرنے سے قتال کی رخصت پر استدلال کرے تو اس سے کہو: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی ہے اور مجھے اس میں صرف دن کی ایک ساعت میں اجازت دی تھی' آج اس کی حرمت پھر لوٹ آئی ہے' جیسا کہ کل اس کی حرمت تھی اور شاہد (حاضر) کو چاہیے' غائب کو (یہ حدیث) پہنچا دے۔

فَقِيْلَ لِاَبِيْ شُرَيْحٍ مَا قَالَ عَمْرٌو؟ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ، اِنَّ مَكَّةَ لَا تُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ. [اطراف الحدیث:۱۸۳۲۔۴۲۹۵]

پھر ابو شریح سے پوچھا گیا کہ (اس کے جواب میں) عمرو بن سعید نے کیا کہا؟ اس نے کہا: اے ابو شریح! میں اس مسئلہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں' بے شک مکہ کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور نہ قتل کر کے بھاگنے والے کو اور نہ کسی کی چوری کر کے بھاگنے والے کو۔

(صحیح مسلم:۱۳۵۴' سنن ترمذی:۸۰۹' سنن نسائی:۲۸۷۶' سنن کبریٰ:۵۸۴۶' اخبار مکہ:۱۴۹۳' المعجم الکبیر:۴۸۴' ج۲۲' دلائل النبوۃ للبیہقی

ج ۵ ص ۸۳-۸۲ مسند احمد ج ۴ ص ۱۳ طبع قدیم مسند احمد: ۴۳-۱۶۳ ج ۲۶ ص ۲۹۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: شاہد غائب کو حدیث پہنچادے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن یوسف التنیسی (۲) لیث بن سعد مصری (۳) سعید بن ابی سعید المقبری ان سب کا تعارف گزر چکا ہے (۴) ابوشریح خویلد بن صخر الخزاعی الکعبی یہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اس دن انہوں نے بنوکعب بن خزاعہ کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۲۰ احادیث روایت کی ہیں امام بخاری اور امام مسلم ۲ حدیثوں پر متفق ہیں امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں الواقدی نے کہا ہے کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ عقلاء اہل مدینہ سے تھے ۶۸ھ میں فوت ہو گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۹)

بعض مشکل الفاظ کے معانی

''البعوث'' کا معنی ہے: لشکر۔ ''ان یسفك'' خون بہانا۔ ''ولا یعضد'' ''عضد'' کا معنی ہے: درخت کاٹنا۔ ''لاتعیذ عاصیا'' مکہ کسی عاصی پر حد جاری کرنے سے منع نہیں کرتا۔ ''ولا فارا بدم'' جو کسی کو قتل کر کے قصاص کے خوف سے حرم میں پناہ لے اس کو مکہ پناہ نہیں دیتا۔ ''بخربة'' ''خربة'' کا معنی ہے: چوری فساد عیب زیادہ تر اونٹوں کی چوری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کا حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرنا

اس حدیث میں عمرو بن سعید کا نام ہے یہ ابن امیہ القرشی الاموی ہے یہ صحابی تھا نہ اخیار تابعین سے تھا اس کے والد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے کہا: اس کی کنیت ابوامیہ ہے یہ مدینہ کا امیر تھا اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے جا رہا تھا پھر ۷۰ھ (صحیح ۷۳ھ ہے۔ سعیدی غفرلہ) میں حضرت ابن الزبیر کو عبدالملک بن مروان نے قتل کر دیا تھا۔

عمرو بن سعید حضرت ابن الزبیر سے قتال کے لیے مکہ کی طرف لشکر روانہ کر رہا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت معاویہ فوت ہو گئے تو یزید نے حضرت ابن الزبیر سے اپنی بیعت کو طلب کیا حضرت ابن الزبیر اس کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ چلے گئے اس پر یزید غضب ناک ہوا اور مکہ کے والی یحییٰ بن حکیم کو پیغام بھیجا کہ وہ حضرت عبداللہ بن الزبیر سے بیعت لے اس نے حضرت ابن الزبیر سے بیعت لے کر یزید کے پاس پیغام بھیج دیا یزید نے کہا: میں اس کی بیعت کو قبول نہیں کروں گا حتیٰ کہ اس کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس بھیجو وہ حضرت ابن الزبیر کے پاس گیا حضرت ابن الزبیر نے کہا: میں بیت اللہ کی پناہ میں ہوں یزید نے انکار کیا اور عمرو بن سعید کو لکھا کہ وہ مکہ کی طرف لشکر روانہ کرے سو عمرو بن سعید اس لشکر کو بھیج رہا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۲)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

عبدالملک بن مروان نے تین ہزار شامیوں کے لشکر کا حجاج بن یوسف کو امیر بنایا اور اس کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے قتال کے لیے روانہ کیا (الیٰ قولہ) اس سال جب لوگ حج سے فارغ ہو گئے تو حجاج کے منادی نے اعلان کیا کہ تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ کیونکہ ہم ابن الزبیر ملحد پر منجنیق سے سنگ باری کر رہے ہیں پھر انہوں نے منجنیق سے کعبہ پر پتھر برسانے شروع کر دیے (الیٰ قولہ) انہوں نے حضرت ابن الزبیر سے بہت زبردست قتال کیا حتیٰ کہ منگل کے دن جمادی الآخرۃ ۷۳ھ کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے (الیٰ قولہ) جس وقت حضرت ابن الزبیر کو شہید کیا گیا اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی ان کی خلافت نو سال رہی

کیونکہ ۶۴ھ میں ان کی بیعت کی گئی تھی اور ۷۳ھ میں وہ شہید کر دیئے گئے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۷-۲۲ ملخصاً وملتقطاً' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

حضرت ابوشریح نے عمرو بن سعید کو مکہ پر لشکر کشی سے منع کر کے علماء کی ذمہ داری کو پورا کیا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ دین کی تبلیغ کریں گے اور اپنی امتوں کو بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے علماء کو انبیاء کا وارث بنایا' اس لیے ان پر بھی دین کی تبلیغ کرنا اور اس کو بیان کرنا اور اس کو تمام روئے زمین پر پھیلانا واجب ہے' حتیٰ کہ اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں جس کو بھی دین کی تبلیغ کا حکم دیا' اس پر دین کی تبلیغ کرنا فرض عین ہوگی' لیکن ہمارے دور میں دین کی تبلیغ کرنا فرض کفایہ ہے کیونکہ اب دین ہر طرف پھیل چکا ہے۔

حضرت ابوشریح نے عمرو بن سعید کو مکہ پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی' کیونکہ جب امیر مملکت شریعت کے خلاف کوئی کام کرے تو عالم پر اس کو منع کرنا واجب ہے' خواہ اس نے عالم سے سوال نہ کیا ہو۔

باب کی مذکور حدیث کی تاویل میں حضرت ابوشریح اور عمرو بن سعید میں اختلاف ہوا' حضرت ابوشریح نے اس حدیث کو عموم پر محمول کیا کہ مکہ کی حرمت دائماً ثابت ہے اور کسی فتنہ کی وجہ سے مکہ کو قتال کے لیے مباح کر لینا جائز نہیں ہے اور اس میں کسی کو قتل کرنے کے لیے بھی قتال کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے مکہ میں قتال کرنا جائز تھا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لیے اس میں قتال کرنا جائز ہے' اس میں صرف ایک ساعت کے لیے آپ کا قتال کرنا جائز ہوا تھا' اس کے بعد اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی' عمرو بن سعید نے اس حدیث کی یہ تاویل کی کہ مکہ کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو نافرمان اور باغی قرار دیا کیونکہ انہوں نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔

عمرو بن سعید کے مقابلہ میں حضرت ابوشریح کی تصریح اولیٰ ہے کیونکہ وہ صحابی ہیں اور اس حدیث کے راوی ہیں' وہ اس حدیث کے مخرج اور اس کے سبب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

علماء اہل سنت کے نزدیک حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما یزید اور عبدالملک بن مروان کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ لائق اور حق دار تھے' کیونکہ ان دونوں سے پہلے حضرت ابن الزبیر کی بیعت کر لی گئی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں اور امام مالک نے کہا ہے کہ حضرت ابن الزبیر' عبدالملک بن مروان سے اولیٰ تھے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۷۱-۱۷۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما یزید کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حق دار تھے' اور ابن بطال کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۲)

عمرو بن سعید کے قول پر ابن حزم کا تبصرہ

اس حدیث میں فتح مکہ کا ذکر ہے' بیس رمضان آٹھ ہجری کو مکہ فتح ہوا تھا۔

عمرو بن سعید نے جو حضرت ابن الزبیر کے متعلق کہا تھا کہ حرم عاصی کو پناہ نہیں دیتا' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے:

اس لئیم شیطان شرطی فاسق کی کوئی کرامت نہیں ہے' اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی سے زیادہ جاننے والا ہے اور یہ فاسق ہی اللہ اور اس کے رسول اور ان کے خلفاء کا عاصی اور نافرمان تھا۔ (المحلی بہ حوالہ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۴)

صحابی نے بھی اپنی روایت میں تاویل کی ہو اور بعد کے فقہاء نے بھی تو کس کی تاویل کا اعتبار کیا جائے گا؟

علامہ بن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جب صحابی کسی حدیث کو روایت کرے اور اس حدیث کی تاویل اس صحابی نے بھی کی ہو اور بعد کے علماء نے بھی کی ہو تو کس کی تاویل کو ترجیح دی جائے گی؟

علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس صحابی کی تاویل کو ترجیح دی جائے گی' کیونکہ وہ اس حدیث کا راوی ہے' وہ اس حدیث کے مخرج اور اس کے سبب کو دوسروں سے زیادہ جاننے والا ہے' دوسروں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس کی تاویل صحیح نہ ہو تو پھر اس کی تاویل لازم نہیں ہے۔ علامہ المازری نے'' کتاب البرہان'' کی شرح میں کہا ہے کہ راوی کی مخالفت کی کئی اقسام ہیں: (۱) مخالفت بالکلیۃ (۲) مخالفت ظاہرہ بہ طور تخصیص (۳) تاویل محتمل یا مجمل' اور ان تمام اقسام میں اختلاف ہے۔

امام الحرمین نے کہا ہے: امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ راوی کی روایت پر عمل کیا جائے گا اور اس کے عمل کی اتباع نہیں کی جائے گی' امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے عمل کی اتباع کی جائے گی' اس کی روایت کی اتباع نہیں کی جائے گی' پس جب حدیث عام ہو تو کیا راوی کے عمل کی وجہ سے اس میں تخصیص کی جائے گی؟ اسی طرح جب حدیث کا لفظ مجمل ہو اور راوی اس حدیث کو اس کے کسی ایک احتمال پر محمول کرے تو کیا اس کے مذہب پر عمل کیا جائے گا؟ الخطیب نے کہا ہے کہ مذہب شافعی کا ظاہر یہ ہے کہ اگر راوی کی تاویل ظاہر حدیث کے خلاف ہو تو حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اس کے احتمالات میں سے کوئی ایک احتمال راجح ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جائے' امام الحرمین نے اس کی مثال میں یہ حدیث ذکر کی ہے: سونے کی بیع' سونے کے عوض سُود ہے' مگر جو دست بہ دست ہو۔ (صحیح البخاری: ۲۱۷۴' سنن ابوداؤد: ۳۳۴۸' سنن ترمذی: ۱۲۴۳' سنن نسائی: ۴۵۵۹' سنن ابن ماجہ: ۲۲۵۳) حضرت ابن عمر نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ اسی مجلس میں قبضہ ہونا چاہیے' اسی طرح حضرت ابن عمر سے حدیث مروی ہے کہ بائع اور مشتری کو اختیار ہوتا ہے' جب تک وہ متفرق نہ ہوں' حضرت ابن عمر نے اس حدیث کو تفرق بالابدان پر محمول کیا ہے۔

فقہاء احناف نے کتے کے جھوٹے میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن سے کتا پی لے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔ (صحیح البخاری: ۱۷۲' صحیح مسلم: ۲۷۹' سنن نسائی: ۶۶' سنن ابن ماجہ: ۳۶۳) اور حضرت ابوہریرہ کا مذہب یہ تھا کہ تین دفعہ دھونے پر اقتصار کرنا جائز ہے اور سات مرتبہ دھونا مستحب ہے۔

علامہ المازری وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو باب مخالفت سے شمار کرنا چاہیے' جو بہ معنی نسخ ہے نہ بہ معنی تخصیص' کیونکہ تین دفعہ دھونے پر اقتصار کرنا' سات دفعہ دھونے کے عدد محدود کے خلاف ہے' میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہ نے سات کے عدد کی مخالفت اس لیے کی کہ ان کے نزدیک سات دفعہ دھونا منسوخ ہو چکا تھا اور نسخ پر محمول کرنا صحابی کے حق میں حسن ظن ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب اللہ عزوجل نے نماز کو فرض کیا تو دو دو رکعت فرض کی تھیں' حضر میں اور سفر میں' پھر سفر کی نماز تو برقرار رہی' البتہ حضر کی نماز میں دو رکعت زیادہ کر دی گئیں۔ (صحیح البخاری: ۳۵۰' صحیح مسلم: ۶۸۵' سنن ابوداؤد: ۱۱۹۸' سنن نسائی: ۴۵۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں بھی پوری نماز پڑھتی تھیں' چنانچہ کوفیوں نے ان کے عمل کو ترک کر دیا اور ان کی حدیث پر عمل کیا اور کہا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا فرض ہے۔ اس کو اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے اور امام شافعی کے نزدیک قصر کرنے میں اور پوری نماز پڑھنے میں اختیار ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۷۱' عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۵ ملخصاً)

حرم میں حدود اور قصاص نافذ کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ جو شخص حرم میں کوئی جرم کرے اس کو امان نہیں دی جائے گی کیونکہ اس نے حرم کی بے حرمتی کی ہے اور امان کو رد کر دیا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جس نے حرم سے باہر کوئی جرم کیا' پھر اس نے حرم میں پناہ لے لی' اس کے متعلق ابوبکر المروزی نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ جب اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کا ہاتھ کاٹا ہو یا غیر حرم میں کوئی اور جرم کیا ہو' جو حد لگانے کا موجب ہو' پھر وہ حرم میں داخل ہو گیا ہو تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی اور نہ اس سے قصاص لیا جائے گا' لیکن اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ اس سے خریدی جائے گی اور نہ اس کو کھانا دیا جائے گا' حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے اور اگر اس نے حرم کے اندر کوئی جرم کیا ہے تو اس کو سزا دی جائے گی' اور حنبل سے روایت ہے کہ اس نے حرم سے باہر قتل کیا' پھر حرم میں داخل ہو گیا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر اس کا جرم قتل سے کم ہو تو اس پر حد قائم کی جائے گی' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ خواہ اس نے قتل کیا ہو یا قتل سے کم جرم کیا ہو' تمام صورتوں میں اس پر (حرم میں) حد قائم کی جائے گی۔ (کشف المشکل ج ۱ ص ۱۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہو' اس کے لیے حرم میں خون بہانا جائز نہیں ہے' اس حدیث سے امام ابوحنیفہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص حرم میں پناہ لے لے' اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں اور اس میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۶)

امام مالک اور امام شافعی حرم میں حد جاری کرنے کے قائل ہیں اور ان کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

ابن خطل اور دیگر افراد کو کعبہ میں قتل کرنے کے متعلق احادیث

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا تمام لوگوں کو امان دے دی' آپ نے فرمایا: ان کو قتل کر دو' خواہ تم ان کو کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھو' (۱) عکرمہ بن ابی جہل (۲) عبداللہ بن خطل (۳) مقیس بن صبابہ (۴) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح' رہا عبداللہ بن خطل تو وہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا تھا' اس کو پکڑ لیا گیا' حضرت سعید بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم دونوں اس پر جھپٹے' حضرت سعید نے حضرت عمار پر سبقت کی' وہ دو آدمیوں سے زیادہ طاقت ور تھے' سو انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور رہا مقیس بن صبابہ تو اس کو لوگوں نے مکہ کے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا' اور رہے عکرمہ تو وہ سمندر میں سوار ہو گئے اور ان کو آندھی اور طوفان نے آ لیا' کشتی والوں نے کہا: اپنے خداؤں سے خلوص کے ساتھ دعا کرو' آج تمہیں کوئی چیز بچا نہیں سکتی' عکرمہ نے کہا: آج مجھے سمندر سے صرف اخلاص بچا سکتا ہے اور نہ خشکی میں مجھے اس کے سوا کوئی بچا سکتا ہے' اے اللہ! میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس طوفان سے بچا لیا' جس میں میں مبتلا ہوں تو میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دوں گا' سو میں ان کو ضرور معاف کرنے والا' کرم کرنے والا پاؤں گا' سو وہ آ کر اسلام لے آئے اور رہا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا تھا' پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو وہ اس کو لے کر آئے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا: یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف نظر اٹھا کر تین بار دیکھا اور ہر مرتبہ

اس کو بیعت کرنے سے انکار کیا' پھر تین بار کے بعد اس کو بیعت کر لیا' پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ روک رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا! صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نہیں جانتے کہ آپ کے دل میں کیا ہے' آپ نے ہمیں آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا! آپ نے فرمایا: نبی کے لیے خیانت کرنے والی آنکھ نہیں ہونی چاہیے۔ (سنن نسائی: ۴۰۷۳' سنن ابوداؤد: ۲۶۸۳)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن خطل کا نام عبدالعزیٰ ابن خطل تھا' یہ اسلام لے آیا اور اس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ رکھا' اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات وصول کرنے کے لیے بنوخزاعہ کے ایک شخص کے ساتھ بھیجا' وہ اس کے لیے کھانا تیار کرتا تھا اور اس کی خدمت کرتا تھا' یہ دونوں مجمع نامی جگہ میں ٹھہرے' اس نے خزاعی کو کھانا پکانے کے لیے کہا اور دوپہر کو سو گیا' جب بیدار ہوا تو خزاعی سویا ہوا تھا اور اس نے کھانا نہیں پکایا تھا' اس نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اسلام سے مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا' عبداللہ بن خطل اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرتا تھا' اس کی دو فاسقہ باندیاں تھیں' ایک کا نام فرتنیٰ تھا اور دوسری کا نام قریبہ تھا' یہ دونوں ابن خطل کے حکم سے اس کے بنائے ہوئے ہجو کے اشعار کو گاتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن دو عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا' خواہ وہ کعبہ کے پردوں سے لپٹی ہوئی ہوں' وہ یہی تھیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵ ص ۲۲۵۔ ۲۲۳' ملخصاً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' فتح الباری ج ۴ ص ۳۴۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال کعبہ میں داخل ہوئے' آپ کے سر پر خود تھا' جب آپ نے اس کو اتارا تو ایک شخص نے آ کر کہا: بے شک ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے' آپ نے فرمایا: اس کو قتل کر دو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۴۶۔ ۳۰۴۴۔ ۴۲۸۶۔ ۵۸۰۸' صحیح مسلم: ۱۳۵۷' سنن ابوداؤد: ۲۶۸۵' سنن ترمذی: ۱۶۹۳' سنن نسائی: ۲۸۶۷' السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۵۸۴)

حرم میں حدود اور قصاص قائم کرنے کے جواز پر ابن خطل کی حدیث کے علامہ عسقلانی کی طرف سے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن خطل کے قصہ سے حرم مکہ میں حدود اور قصاص کے قائم کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے' علامہ ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے کہ چونکہ ابن خطل نے اس خزاعی انصاری کو قتل کر دیا تھا' اس لیے اس مسلمان کے قصاص میں ابن خطل کو قتل کر دیا گیا' علامہ سہیلی نے کہا کہ کعبہ کسی عاصی (نافرمان) کو پناہ نہیں دیتا اور نہ کسی واجب حد کو قائم کرنے سے منع کرتا ہے' علامہ نووی نے کہا: جو فقہاء کعبہ میں قصاص لینے سے منع کرتے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل کو اس ساعت میں قتل کیا گیا تھا' جس ساعت میں آپ کے لیے مکہ میں قتال کو حلال کر دیا گیا تھا' اور ہمارے اصحاب شافعیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس ساعت میں آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے' اس ساعت سے لے کر مکہ میں آپ کے غلبہ تک کی ساعت میں آپ کے لیے قتال کو مباح کیا گیا تھا' اور ابن خطل کو اس کے بعد قتل کیا گیا تھا' علامہ نووی کے اس جواب کو رد کیا گیا ہے کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اس ساعت سے مراد دن کے اوّل وقت سے لے کر دخول عصر تک کا وقت ہے اور ابن خطل کو قطعی طور پر اس سے پہلے قتل کیا گیا تھا' کیونکہ حدیث میں یہ قید ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے' جب آپ نے اپنے سر سے خود اتارا اور یہ اس وقت کی بات ہے' جب آپ مکہ میں ٹھہر گئے تھے۔ امام ابن خزیمہ نے کہا ہے: آپ نے جو فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے میرے سوا کسی کے لیے حرم میں قتال کو حلال نہیں فرمایا' اس سے مراد ان لوگوں کو قتل

کرنا ہے جو اس دن ابن خطل کے ساتھ قتل کیے گئے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے اس ساعت میں آپ کے لیے قتال اور قتل دونوں کو حلال کر دیا تھا اور ابن خطل وغیرہ کو قتال ختم ہونے کے بعد قتل کیا گیا۔ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی ذمی رسول اللہ ﷺ کو بُرا کہے تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا' علامہ ابن عبد البر نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے' کیونکہ ابن خطل ذمی نہیں حربی تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو جو امان دی تھی' وہ اس میں داخل نہیں تھا' بلکہ نبی ﷺ نے اس کے ساتھ چار مردوں اور دو عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دے کر ان کو امان سے مستثنیٰ کر لیا تھا (جیسا کہ ہم سنن نسائی کی حدیث سے بیان کر چکے ہیں اور ابن خطل نے ایسے متعدد کام کیے تھے' جو اس کو قتل کرنے کے موجب تھے' مثلاً اس کا نبی ﷺ کی ہجو کرنا' مسلمان خزاعی انصاری کو قتل کرنا' اسلام کے بعد اس کا مرتد ہونا اور اپنی فاسقہ باندیوں کو حکم دینا کہ اس کی کہی ہوئی نبی ﷺ کی ہجو اسے گا کر سنائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ علامہ خطابی نے کہا: چونکہ اس نے اسلام میں جرائم کا ارتکاب کیا' اس لیے اس کو قتل کر دیا گیا اور علامہ ابن عبد البر نے کہا: اس کو مسلمان کے قصاص میں قتل کیا گیا اور اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ کافر قیدی پر اسلام پیش کیے بغیر بھی اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۴۹' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

ابن خطل کو کعبہ میں قتل کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا تھا' اس سے امام مالک اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ کعبہ میں بھی حدود اور قصاص کو قائم کرنا جائز ہے' لیکن ان کا یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ آپ نے اس کو کعبہ میں قتل کرنے کا حکم اس وقت دیا تھا' جس وقت آپ کے لیے کعبہ میں قتال کرنا اور قتل کرنا حلال کر دیا گیا تھا' جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت سے ثابت کر دیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن خطل عام مجرم یا عام قاتل یا عام مرتد نہیں تھا بلکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کر کے اور اپنی باندیوں کو ہجو کے اشعار گا کر پڑھنے کا حکم دے کر آپ کی شدید گستاخی کی تھی' اس لیے نبی ﷺ نے اس کے لیے سنگین سزا سنائی اور فرمایا: اگر ابن خطل کعبہ کے پردوں میں لپٹا ہوا ہو' پھر بھی اس کو قتل کر دو۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی نے بھی اس حدیث سے امام شافعی کے استدلال کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

حرم میں حدود اور قصاص قائم کرنے کے جواز پر ابن خطل کی حدیث کے علامہ عینی کی طرف سے جوابات

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں' جو حسب ذیل ہیں:

(۱) وہ مرتد ہو گیا تھا' اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا تھا اور وہ نبی ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔

(۲) وہ نبی ﷺ کی دی ہوئی امان میں داخل نہیں تھا' کیونکہ آپ نے اس کو امان سے استثناء کر لیا تھا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا' خواہ وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہو۔

(۳) وہ اس ساعت میں قتل کیا گیا تھا' جس ساعت میں آپ کے لیے قتال کرنا اور قتل کرنا مباح تھا' علامہ عینی نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ ساعت آپ کے مکہ میں داخل ہونے سے لے کر مکہ پر آپ کے غلبہ تک تھی اور اس کو اس کے بعد قتل کیا گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا: جو مسجد میں داخل ہو گیا' اس کو امان ہے اور اسے اس کے بعد قتل کیا گیا تھا' نیز علامہ عینی نے یہ جواب دیا ہے کہ ابن خطل ان لوگوں میں سے تھا' جنہوں نے آپ سے قتال کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۷-۲۱۶)

مکہ مکرمہ کے جنگ سے فتح ہونے پر دلائل

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے قتال کرنے کی وجہ سے مکہ میں

قتال کی رخصت پر استدلال کرے۔ (الحدیث) اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ مکہ جنگ سے فتح ہوا ہے صلح سے فتح نہیں ہوا' یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: یہ امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام اوزاعی کا مذہب ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر احسان فرمایا اور ان کے گھروں کو اور ان کے اموال کو ان کے پاس رہنے دیا اور ان کے اموال کو فے نہیں قرار دیا' امام شافعی نے کہا ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا ہے اور اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا محمل یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قتال کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ کے لیے مکہ میں قتال کرنا جائز تھا' لیکن اس حدیث کے الفاظ امام شافعی کی تاویل کے خلاف ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: پس اگر کوئی شخص مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال کرنے سے (مکہ میں) قتال کی رخصت پر استدلال کرے تو اس سے کہو: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی۔ آپ کے اس ارشاد میں صاف تصریح ہے کہ آپ نے مکہ میں قتال کیا تھا اور مکہ قتال سے فتح ہوا ہے۔

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور فوائد

آپ نے فرمایا ہے: مکہ کے کسی درخت کو کاٹا نہیں جائے گا' اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جن درختوں کو آدمیوں نے نہیں اگایا' ان کو کاٹنا حرام ہے اور جن درختوں کو آدمیوں نے اُگایا ہے' ان میں اختلاف ہے۔

آپ نے فرمایا: شاہد (حاضر) غائب کو پہنچا دے' اس حدیث میں علم کو نقل کرنے' اور سنن اور احکام کی تبلیغ اور اشاعت کا ثبوت ہے۔

اس حدیث میں حکام کو نرمی کے ساتھ نصیحت کرنے اور ان کے غلط کاموں کی اصلاح کرنے کی کوشش کا ثبوت ہے' اور یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے مقصود پر گفتگو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ایک تابعی نے صحابی سے اپنے اجتہاد سے اختلاف کیا' اگرچہ صحابی کا موقف صحیح تھا۔

اس حدیث میں حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا اور آپ کی حدیث پہنچائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب عالم دین یہ دیکھے کہ حکامِ وقت دین میں تغیر کر رہے ہیں تو وہ ان کو برملا ٹوکے اور ان کو صحیح مسئلہ بتائے' خواہ حکام نے اس سے سوال نہ کیا ہو۔

اس حدیث میں آپ نے فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے' اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' حالانکہ اس کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لیے دعا کی اور میں مدینہ کو اس طرح حرم بناتا ہوں' جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۲۱۲۹' صحیح مسلم: ۱۳۶۰' السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۲۸۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ کو حرم بنایا تھا' از خود نہیں بنایا تھا' اس لیے فرمایا ہے: اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' لہٰذا مکہ کو حرم بنانے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت حقیقی ہے اور حضرت ابراہیم کی طرف یہ نسبت تاویل سے ہے اور مجاز عقلی ہے (یعنی انہوں نے اس کا حرم ہونا ظاہر فرمایا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ کو حرم بنایا ہے' وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا ہے۔

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم:۳۲۰۰-ج ۳ ص ۷۰۶ پر ہے اس حدیث کی شرح کے عنوانات حسب ذیل ہیں:
(۱) مکہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا بعثت ابراہیم کے بعد (۲) حرم میں حدود جاری کرنے میں مذاہب (۳) مکہ بذریعہ جنگ فتح ہونے پر دلائل۔

۱۰۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ اَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ ذُكِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَاَحْسِبُهُ قَالَ. وَاَعْرَاضَكُمْ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، اَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ، وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُوْلُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ ذٰلِكَ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از ابن ابی بکرہ از حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کہ ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہاری جانیں اور تمہارے اموال۔ (راوی) محمد نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اور تمہاری عزتیں تم پر (اس طرح) حرام ہیں جس طرح آج کے دن تمہارے اس شہر میں حرام ہیں سنو! تم میں سے شاہد (حاضر) کو چاہیے کہ غائب کو پہنچا دے اور (راوی) محمد یہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ فرمایا آپ نے دو بار فرمایا تھا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے!

اس حدیث کی تخریج اور شرح صحیح البخاری: ۶۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن عبدالوہاب ابو محمد الحجبی امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں یہ ثقہ ثبت ہیں یحییٰ اور دوسروں نے ان کی توثیق کی ہے ابو حاتم نے کہا: یہ صدوق ثقہ ہیں یہ ۲۲۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) حماد بن زید بصری (۳) ایوب سختیانی (۴) محمد بن سیرین (۵) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۱۹)

۳۸- بَابُ اِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جھوٹ باندھنے کا گناہ

جھوٹ اور سچ کی تین تعریفیں ہیں:
(۱) مذہب حق یہ ہے کہ کلام کا واقع کے مطابق نہ ہونا جھوٹ ہے اور کلام کا واقع کے مطابق ہونا سچ ہے۔
(۲) نظام معتزلی کے نزدیک کلام کا اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہونا جھوٹ ہے اور کلام کا اعتقاد مخبر کے مطابق ہونا سچ ہے۔
(۳) جاحظ کے نزدیک کلام کا واقع اور اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہونا جھوٹ ہے اور کلام کا واقع اور اعتقاد مخبر کے مطابق ہونا سچ ہے۔
(مختصر المعانی ص ۶۷-۷۲ ملخصاً المکتبۃ الفاروقیہ ملتان)

آخری تعریف کے اعتبار سے صدق اور کذب میں ایک واسطہ نکل آئے گا یعنی جو کلام اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہو خواہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو وہ کلام صادق ہوگا نہ کاذب۔

اس حدیث کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جس کو علم نہ ہو اس کو علم پہنچایا جائے اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ علم اور حدیث پہنچانے میں جھوٹ سے احتراز کیا جائے۔

۱۰٦- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی انہوں نے کہا: مجھے منصور نے خبر دی انہوں نے کہا: میں نے ربعی بن حراش کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے دوزخ میں داخل ہونا چاہیے۔

(مقدمہ صحیح مسلم: ۲ سنن ترمذی: ۲٦٦٠-۳۷۱۵ سنن ابن ماجہ: ۳۱ سنن کبریٰ للنسائی: ۵۹۱۱ مسند ابو یعلیٰ: ٦۲۷ مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۰۷ مسند البزار: ۹۰۳ مسند احمد ج ۱ ص ۸۳ طبع قدیم مسند احمد: ٦۲۹ ج ۲ ص ٦۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کے لیے دوزخ کی وعید ہے اور اس باب کا عنوان ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کا گناہ

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور ثقہ تابعی ربعی بن حراش کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) علی بن الجعد الجوہری البغدادی (۲) شعبہ بن الحجاج (۳) منصور ابن المعتمر ان سب کا تعارف گزر چکا ہے (۴) ربعی بن حراش الغطفانی العبسی الکوفی یہ بہت متقی اور عبادت گزار تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بالکل جھوٹ نہیں بولا انہوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک کہ انہیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ٹھکانا کہاں ہے جنت میں یا دوزخ میں؟ پھر موت کے بعد یہ ہنسنے لگے ان کے دو بھائی تھے: مسعود اور ربیع مسعود نے موت کے بعد کلام کیا تھا اور ربیع نے بھی یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک کہ انہیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ جنت میں ہیں یا نہیں ان کو غسل دینے والے نے بتایا کہ جب تک وہ تخت پر تھے مسلسل ہنستے رہے حتیٰ کہ ہم انہیں غسل دے کر فارغ ہو گئے ابن المدینی نے کہا: مسعود سے صرف یہ چیز مروی ہے کہ انہوں نے موت کے بعد کلام کیا ربعی کی اولاد نہیں تھی ان کے بھائی مسعود کی اولاد تھی ابوالحسن القابسی نے کہا ہے کہ ربعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صرف اسی حدیث کا سماع کیا ہے وہ شام میں آئے اور الجابیہ میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا العجلی نے کہا: وہ ثقہ تابعی ہیں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے ربعی بن حراش کا تذکرہ تفصیل سے لکھا ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ٦ ص ۱۲۱ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰٦ علامہ نووی نے بھی ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مقدمہ مسلم ج ۱ ص ۳۲۰ مکتبہ نزار مصطفیٰ ۱۴۱۷ھ)

(۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الہاشمی المکی المدنی امیر المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد آپ کی صاحب زادی حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں یہ پہلی ہاشمیہ تھیں جن سے ایک ہاشمی پیدا ہوئے یہ اسلام لائیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں فوت ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر میں اترے حضرت علی کی کنیت ابوالحسن تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کنیت ابوتراب رکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا بھائی بنایا تھا اور فرمایا تھا: تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو حضرت علی آپ کے دونوں نواسوں کے والد ہیں اور

پہلے ہاشمی مرد ہیں' جن سے دو ہاشمی پیدا ہوئے' جن دس مسلمانوں کو آپ نے جنت کی بشارت دی تھی' ان میں سے ایک ہیں اور ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں' جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے' خلفاء راشدین میں سے ایک ہیں اور علماء ربانیین اور مشہور بہادروں اور زاہدوں میں سے ایک ہیں اور اسلام میں سبقت کرنے والوں میں سے ایک ہیں' غزوۂ تبوک کے سوا تمام مغازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے' غزوۂ تبوک میں آپ نے حضرت علی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنادیا تھا' غزوۂ اُحد میں حضرت علی کو سولہ زخم لگے تھے' غزوۂ خیبر میں آپ نے ان کو جھنڈا عطا کیا تھا اور یہ بشارت دی تھی کہ فتح ان کے ہاتھوں سے ہوگی' ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں اور شجاعت میں ان کے احوال بہت مشہور ہیں' ان کا علم بھی بہت زیادہ ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۸۶ ' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری ۹ (نو) احادیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۱۵ ' احادیث کے ساتھ منفرد ہیں' پانچ سال خلیفہ رہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی بیعت کی گئی' کیونکہ اس وقت یہ سب سے افضل صحابی تھے' عبدالرحمان بن ملجم مراری نے جمعہ کی شب زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ کے دماغ پر ضرب لگائی' تریسٹھ سال کی عمر گزار کر ۱۹ رمضان ۴۰ھ اتوار کی شب آپ کا انتقال ہوگیا' آپ کا گندمی رنگ تھا' چوتھائی سر پر بال نہیں تھے' سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے' بعض اوقات ڈاڑھی میں خضاب لگاتے تھے' ڈاڑھی گھنی اور لمبی تھی' چہرہ حسین تھا' جیسے چودھویں رات کا چاند ہو' آپ کی قبر کوفہ میں ہے' لیکن خوارج کے خطرہ سے غائب کردی گئی۔ صحابہ میں علی بن ابی طالب نام کا اور کوئی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۳۔ ۲۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے آپ کی وفات کے متعلق چار تاریخیں لکھی ہیں: تیرہ رمضان' گیارہ رمضان' انیس رمضان اور اکیس رمضان اور موضع دفن کے متعلق تین قول لکھے ہیں: کوفہ کا قصر امارت' کوفہ کی کشادہ زمین اور نجف الحیرۃ۔

(تہذیب الکمال ج ۱۳ ص ۳۰۵۔ ۳۰۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: حضرت علی کو ۱۳ رمضان ۴۰ھ کو شہید کیا گیا اور ایک قول اکیس رمضان کا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۸۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ نے لکھا ہے کہ حضرت علی جمعہ کی شب ۱۹ رمضان کو شہید ہوئے۔

(خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۲ ص ۳۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرنا سنگین گناہ کبیرہ ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے' خواہ آپ کے دین کی تائید اور تقویت میں آپ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کی جائے یا آپ کے دین کو ضرر پہنچانے کے لیے آپ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کی جائے' اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں داخل ہے' کیونکہ آپ پر جھوٹ باندھنے کا معنی ہے: دین کے احکام میں جھوٹی بات گھڑ کر اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جھوٹ بولنا معصیت ہے اور ہر معصیت دوزخ میں دخول کا سبب ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا. (النساء: ۱۴)

اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی معصیت کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے' اللہ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کردے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

لہٰذا ہر شخص پر جھوٹ باندھنا معصیت ہے اور دخولِ نار کا سبب ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی کیا تخصیص ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا' دوسرے لوگوں پر جھوٹ باندھنے کی بہ نسبت بہت سنگین ہے' کیونکہ آپ کی طرف جو جھوٹی بات گھڑ کر منسوب کی جائے گا' اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ شرعی حکم ہے اور جو لوگ اس کے جھوٹے ہونے پر مطلع نہیں ہوں گے' وہ قیامت تک اس حکم پر عمل کرتے رہیں گے' عام لوگوں پر جھوٹ باندھنا بھی گناہ کبیرہ ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت سنگین گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنے کی سزا دوزخ میں داخل ہونا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اس سزا کو معاف بھی کر دیتا ہے' لہٰذا قطعی طور پر یہ نہیں کیا جائے گا کہ آپ پر جھوٹ باندھنے والا دوزخ میں داخل ہوگا' اسی طرح ہر گناہ کبیرہ کا حکم ہے' پھر اگر کسی مسلمان کو اس کبیرہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا گیا تو وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا' بلکہ سزا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل اور رحمت سے دوزخ سے نکال لے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳)

بعض زاہدوں کا ترغیب اور ترہیب کے لیے احادیث وضع کرنا

علامہ اسماعیل حقی حنفی بروسوی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیفۃ الاسانید احادیث پر عمل کرنا جائز ہے' علامہ علی بن برہان الدین حلبی نے کہا ہے: خواہ ان کی اسانید موضوعۃ ہوں' کیونکہ حاکم وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے ایک زاہد احادیث وضع کرنے کے درپے ہوا' اس سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن میں بے رغبتی کرتے ہیں تو میں نے ان کو قرآن مجید کی طرف راغب کرنے کے لیے احادیث وضع کیں' ان سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا' وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنالے' اس نے جواب دیا: اس حدیث میں لفظ "علی" ہے اور "علی" ضرر کے لیے آتا ہے یعنی جس نے آپ کے دین کو ضرر پہنچانے کے لیے آپ پر جھوٹ باندھا' وہ دوزخ میں اپنی جگہ بنا لے اور میں تو آپ کے دین کو نفع پہنچانے کے لیے احادیث وضع کر رہا ہوں' جیسا کہ "فتح القریب شرح الترغیب والترہیب" میں مذکور ہے' ان کی مراد یہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی جھوٹی بات کی نسبت کرے' جس سے قواعد اسلام منہدم ہوں اور شرعی احکام فاسد ہوں' اس پر وعید ہے' اور جو آپ کی طرف ایسے جھوٹے کلام کی نسبت کرے' جو شریعت کی اتباع پر برانگیختہ کرے اور آپ کی سیرت کی اتباع پر محرک ہو یعنی جو کذب علیہ نہ ہو بلکہ کذب لہٗ ہو' اس کے متعلق وعید نہیں ہے' خلاصہ یہ ہے کہ جو چاہے ان اکابر کی (موضوع) روایات پر عمل کرے اور ان کی برکات سے مستفید ہو اور جو چاہے ان کی روایات پر عمل نہ کرے اور ان کی برکات سے محروم ہو جائے۔

(روح البیان ج ۳ ص ۶۹۵۔ ۶۹۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ترغیب اور ترہیب کے لیے حدیث وضع کرنے والوں کا ردّ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا حرام ہے اور بہت سنگین گناہ کبیرہ ہے' لیکن اس سے وہ کافر نہیں ہوگا' ہاں! جو اس کو حلال اور جائز سمجھ کر کرے' وہ کافر ہو جائے گا (جیسا کہ علامہ اسماعیل حقی نے اس زاہد کا قول نقل کیا ہے' ہر چند کہ اس نے تاویل کی ہے لیکن ایسے واضعین کا ایمان بہر حال خطرہ میں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

شیخ ابو محمد جوینی نے کہا ہے کہ جس نے عمداً آپ پر جھوٹ باندھا' وہ کافر ہو گیا' لیکن صحیح یہ ہے کہ جو حلال سمجھ کر آپ پر جھوٹ

باندھے گا' وہ کافر ہو جائے گا' البتہ وہ شخص فاسق ہے اور اس کی کوئی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا مطلقاً حرام ہے' خواہ وہ احکام میں ہو یا ترغیب اور ترھیب میں ہو یا مواعظ میں ہو' ان میں سے ہر کذب حرام ہے اور اکبر الکبائر میں سے ہے' بعض مبتدعین نے کہا ہے کہ ترغیب اور ترھیب کے لیے احادیث وضع کرنا جائز ہے' انہوں نے کہا: یہ کذب علیہ نہیں ہے بلکہ کذب لہ ہے یعنی یہ جھوٹ دین میں ضرر کے لیے نہیں ہے بلکہ دین کے نفع کے لیے ہے اور بعض جاہل زاہدوں نے اس قول کی پیروی کی ہے اور انہوں نے ان صریح آیات کا انکار کیا ہے' جن میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً جھوٹ پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ○ (البقرہ:۱۰) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے○

لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ○ (آل عمران:۶۱) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو○

اور انہوں نے ان احادیث صریحہ متواترہ کی مخالفت کی' جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو حرام اور سنگین گناہ قرار دیا ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام وحی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى○اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى○ (النجم:۴۔۳) وہ اپنی خواہش سے نہیں کلام کرتے○ آپ صرف وہی کلام کرتے ہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے○

ان کا یہ کہنا کہ یہ کذب لہ ہے اور آپ کے حق میں جھوٹ ہے' یہ عربی زبان اور خطاب شرع سے جہالت ہے۔
جس شخص کو علم ہو یا اس کو ظن غالب ہو کہ یہ روایت موضوع ہے' اس پر لازم ہے کہ وہ اس روایت کو نہ بیان کرے اور اگر بیان کرنا پڑے تو یہ بتا کر بیان کرے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اگر اس کے بغیر بیان کرے گا تو وہ بھی آپ پر جھوٹ باندھنے والوں میں داخل ہوگا' کیونکہ حدیث میں ہے: جس نے مجھ سے روایت کر کے کوئی حدیث بیان کی اور اس کو معلوم تھا کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم)
(شرح مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۔۲۷ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۵۔۲۲۴)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
جاہلوں کی ایک قوم نے دھوکا کھایا اور انہوں نے ترغیب اور ترھیب میں احادیث وضع کیں' اور انہوں نے کہا: ہم آپ پر جھوٹ نہیں باندھ رہے بلکہ ہم آپ کی شریعت کی تائید کے لیے احادیث بنا رہے ہیں اور انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا' اس کو آپ کی طرف منسوب کر کے وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں کیونکہ ان احادیث موضوعہ کے ذریعہ وہ اپنی طرف سے شریعت کا کوئی حکم ثابت کرتا ہے' خواہ وہ واجب ہو یا مستحب ہو یا حرام ہو۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۶۵۱' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

واضعین حدیث کی اقسام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
احادیث وضع کرنے والوں کی حسب ذیل اقسام ہیں:
(۱) "الزنادقہ" جیسے المغیرہ بن سعید الکوفی اور محمد بن سعید المصلوب' انہوں نے لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کا ارادہ کیا'

انہوں نے یہ حدیث وضع کی: میں خاتم النبیین ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا مگر اگر اللہ چاہے۔

(۲) متعصب لوگ: ان میں سے بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعصب رکھتے تھے' انہوں نے حضرت علی کی تنقیص میں احادیث وضع کیں اور بعض حضرت معاویہ سے تعصب رکھتے تھے' انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں احادیث وضع کیں اور بعض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تعصب رکھتے تھے' امام ابن حبان نے کہا: الحسن بن علی بن زکریا العدوی الرازی نے یہ حدیث وضع کی کہ علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے' الخطیب نے ''الکفایہ'' میں لکھا ہے کہ مہدی نے کہا: میرے سامنے ایک زندیق نے کہا کہ میں نے چار سو احادیث وضع کر کے لوگوں میں پھیلا دی ہیں۔

(۳) بعض زاہدوں نے ترغیب اور ترہیب میں احادیث وضع کیں' ابن صلاح نے روایت کی ہے کہ ابوعصمہ نوح بن ابی مریم سے کہا گیا کہ تم نے فضائل قرآن میں ہر سورت کی فضیلت از عکرمہ از ابن عباس کہاں سے روایت کی ہے' اس نے کہا: میں نے دیکھا لوگ قرآن سے اعراض کر رہے ہیں اور ابوحنیفہ اور معاذ بن اسحاق کی فقہ میں مشغول ہو رہے ہیں تو میں نے ان احادیث کو وضع کیا۔

حدیث موضوع کی شناخت کے طریقے

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

حدیث موضوع کی شناخت واضع کے اعتراف سے ہوتی ہے یا راوی کے حال میں قرینہ سے ہوتی ہے' یا اس کی روایت رکیک الفاظ سے ہوتی ہے یا وہ اس شخص سے روایت کرتا ہے' جس کو اس نے نہیں پایا اور جو اس فن کے ماہرین ہوتے ہیں' جیسے عبداللہ بن المبارک' وہ قرآئن سے حدیث موضوع کو پہچان لیتے ہیں۔

حدیث کا واضع یا تو اپنے کلام کو حدیث بنالیتا ہے یا بعض حکماء یا بعض صحابہ کے کلام کو حدیث بنالیتا ہے' جیسا کہ احمد بن اسماعیل السہمی نے از مالک از وہب بن کیسان از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ نماز جس میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے' وہ ناقص ہے ماسوا امام کے۔ یہ حدیث موطاء میں ہے' اسی طرح اور بہت علمی قرائن ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۷-۲۲۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* شرح صحیح مسلم میں ہم نے ۳۶ قواعد ''حدیث موضوع کی معرفت کے قوائد اور ضوابط'' لکھے ہیں' جن سے حدیث موضوع کی شناخت ہوتی ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۸-۱۳۲)

۱۰۷- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ اِنِّي لَا اَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ! قَالَ اَمَا اِنِّي لَمْ اُفَارِقْهُ، وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از جامع بن شداد از عامر بن عبداللہ بن الزبیر از والد خود' انہوں نے کہا: میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر احادیث نہیں سنتا' جس طرح فلاں فلاں حدیث بیان کرتے ہیں' انہوں نے کہا: بہرحال میں آپ سے کبھی علیحدہ نہیں ہوا' لیکن میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا' وہ دوزخ کی آگ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۶۵۱' سنن ابن ماجہ: ۳۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۶۰' مسند البزار: ۹۷۰' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۹۱' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۹۱۲'
مسند ابویعلیٰ: ۶۷۴' سنن دارمی: ۲۳۳' صحیح ابن حبان: ۶۹۸۲' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۴۱۳ـ ج ۳ ص ۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت واضح ہے کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جھوٹ باندھنے کا گناہ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت ابن الزبیر اور حضرت الزبیر بن العوام کا تذکرہ

(۱) ابوالولید ہشام بن عبد الملک الطیالسی البصری (۲) شعبہ بن الحجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) جامع بن شداد المحاربی ابوصخرہ الکوفی' یہ ثقہ ہیں اور قلیل الحدیث ہیں' ان کی کل ۲۰ احادیث ہیں' یہ ۱۱۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) عامر بن عبد اللہ بن الزبیر بن العوام الاسدی القرشی المدنی' یہ عابد' فاضل اور ثقہ تھے' ۱۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت عبد اللہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہما' یہ صحابی ابن صحابی ہیں' مہاجرین میں ان کی سب سے پہلے اسلام میں پیدائش ہوئی' ان کی والدہ حضرت اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں' وہ ان کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئیں اور ان کو آپ کی گود میں رکھ دیا' آپ نے ایک کھجور منگائی' اس کو چبایا' پھر اس کو اپنے لعاب دہن کے ساتھ ان کے منہ میں ڈال دیا' اور ان کو گھٹی دی' پس سب سے پہلے جو چیز ان کے پیٹ میں پہنچی' وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لعاب دہن تھا' پھر ان کے لیے دعا کی' یہ اطلس (جس کی پیدائشی ڈاڑھی نہ ہو) تھے' ان کی ڈاڑھی نہیں آئی تھی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ۳۳ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری نے ان میں سے ۶ احادیث روایت کی ہیں' یہ دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات قیام اور سجود میں گزارتے تھے اور صبح تک عبادت کرتے رہتے تھے' یزید بن معاویہ کی موت کے بعد ۶۴ھ میں ان کو خلیفہ بنالیا گیا تھا اور اہل شام کے علاوہ ان کی خلافت پر اہل حجاز' اہل یمن' اہل عراق اور اہل خراسان سب متفق تھے' انہوں نے کعبہ کی عمارت کی تجدید کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منشاء کے مطابق حطیم کو کعبہ میں شامل کرلیا' انہوں نے لوگوں کے ساتھ آٹھ حج کیے' وہ اپنی خلافت پر قائم رہے حتیٰ کہ حجاج نے مکہ میں ان کا محاصرہ کرلیا' یہ واقعہ یکم ذوالحجہ کی شب ۷۲ھ میں ہوا' ان کا محاصرہ جاری رہا' حتیٰ کہ ان پر ایک پتھر پھینکا گیا' جس سے یہ شہید ہو گئے' ان کے جسم مبارک کو صلیب پر چڑھایا گیا اور ان کے سر کو خراسان میں بھیج دیا گیا (۶) ان کے والد حضرت الزبیر بن العوام القرشی تھے' یہ ان دس اصحاب میں سے ایک ہیں' جن کو جنت کی بشارت دی گئی اور چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں اور ان مہاجرین میں سے ایک ہیں' جنہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حواری (مددگار) ہیں' ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی ہیں' وہ چوتھی اسلام لانے والی خاتون تھیں اور یہ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام لائے' یہ پانچویں مسلمان تھے' اس وقت ان کی عمر ۱۶ سال تھی' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تمام مغازی میں شریک رہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ۳۸ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم دو حدیثوں پر متفق ہیں' امام بخاری ۷ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں' حضرت زبیر وہ پہلے شخص ہیں' جنہوں نے اسلام کی راہ میں تلوار نکالی' یوم الجمل میں یہ قتال کو ترک کر کے واپس ہو چکے تھے' پھر ان کو جنگ جوؤں کی ایک جماعت نے بصرہ کی ایک جانب وادی السباع میں شہید کر دیا' اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا' پھر ان کو بصرہ لایا گیا اور وہاں ان کی قبر مشہور ہے' ان سے ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں' ان کی چار ازواج تھیں' ہر زوجہ کو بارہ بارہ لاکھ دیئے گئے' ان کا تمام مال پانچ کروڑ ایک لاکھ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۲۸۔۲۲۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت زبیر نے حبشہ ہجرت کی تھی' پھر انہوں نے کیسے کہا: میں آپ سے جدا نہیں ہوا

اس حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر نے کہا: میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جدا نہیں ہوا' یعنی سفر اور حضر میں ہمیشہ آپ کے

ساتھ رہا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی تو آپ سے جدا تو ہوئے' اس کا جواب یہ ہے کہ غلبہ اسلام کے بعد یا اکثر احوال میں' میں آپ سے جدا نہیں ہوا۔

حضرت علی کی روایت میں اور حضرت زبیر کی روایت میں عمداً کی قید نہیں ہے' اس سے بعض لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آپ پر جھوٹ بولنا مطلقاً حرام ہے اور دخولِ نار کا سبب ہے' خواہ عمداً جھوٹ باندھے یا بھولے سے' لیکن صحیح یہ ہے کہ بھولے سے جھوٹ بولنے پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

۱۰۸- حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ' عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ قَالَ اَنَسٌ اِنَّهُ لَيَمْنَعُنِيْ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (مسند البزار: ۳۸۴' مسند احمد ج ۱ ص ۷۰ طبع قدیم' مسند احمد: ۵۰۷۔ ج ۱ ص ۵۳۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' نوٹ: مسند احمد میں یہ حدیث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تم کو بہ کثرت حدیثیں بیان کرنے سے ضرور یہ چیز منع کرتی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا' وہ دوزخ کی آگ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے۔

عنوان باب کی مطابقت میں یہ تیسری حدیث ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابو معمر عبداللہ بن عمرو المنقری البصری (۲) عبدالوارث بن سعید التیمی البصری (۳) عبدالعزیز بن صہیب الاعمٰی البصری (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ان سب کا تعارف بھی گزر چکا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ جھوٹی احادیث پر عذاب کی وعید احادیثِ صادقہ کی روایت سے تو مانع نہیں ہے

حضرت انس نے جو بہ کثرت روایت احادیث نہ کرنے کا عذر بیان کیا ہے' وہ جھوٹی اور موضوع احادیث سے احتراز ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ وہ احادیثِ صادقہ تو بہ کثرت روایت کر سکتے تھے تو پھر انہوں نے بہ کثرت احادیث روایت کرنے سے احتراز کیوں کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی شخص بہ کثرت احادیث روایت کرے گا تو عادۃً یہ خطرہ ہوگا کہ کہیں کوئی جھوٹی حدیث نہ روایت کر دے' تاہم حضرت انس رضی اللہ عنہ مکثرین روایت میں سے ہیں اور انہوں نے ۱۲۸۶ احادیث روایت کی ہیں۔

(خلاصۃ الخزرجی ج ۱ ص ۱۱۷)

۱۰۹- حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِيْ عُبَيْدٍ' عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی عبید نے حدیث بیان کی از سلمہ بن الاکوع' انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے میری طرف اس بات کی نسبت کی' جس کو میں نے نہیں کہا' وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۴' صحیح ابن حبان: ۲۸' مسند احمد ج ۴ ص ۵۰۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۶۵۴۳۔ ج ۱۶ ص ۵۰۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

نوٹ: ''مسند احمد' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان'' میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ حدیث لفظاً متواتر ہے۔
عنوان باب کی مطابقت میں یہ چوتھی حدیث ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

(۱) المکی بن ابراہیم البلخی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) یزید بن ابی عبید ابوخالد اسلمی' یہ حضرت سلمہ بن الاکوع کے آزاد شدہ غلام ہیں ۱۴۶ یا ۱۴۷ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ' یہ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین مرتبہ بیعت کی تھی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۷۷' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ان میں سے ۱۶' احادیث پر متفق ہیں' امام بخاری پانچ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ۹' احادیث کے ساتھ منفرد ہیں' یہ ۸۰ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے' ان سے ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں' یہ بہت بہادر' تیر انداز اور شہ سواری میں سبقت کرنے والے تھے' ان کے اخلاق بہت عمدہ تھے' کہا جاتا ہے کہ ان سے بھیڑیے نے کلام کیا تھا' حضرت سلمہ نے کہا: میں نے بھیڑیے کو دیکھا' اس نے ہرن کو پکڑ لیا تھا' میں نے اس سے ہرن کو طلب کیا اور اس کو اس بھیڑیے سے چھڑا لیا' بھیڑیے نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے! تمہارا اور میرا کیا تعلق ہے! میں نے اس رزق کا قصد کیا' جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے اور وہ تمہارا مال نہیں تھا' پھر تم نے کیوں اس کو مجھ سے چھینا' حضرت سلمہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے بندو! یہ بہت عجیب بات ہے کہ بھیڑیا کلام کر رہا ہے' بھیڑیے نے کہا: اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے درختوں کے درمیان تم کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور تم بتوں کی عبادت کے سوا اور کسی کی عبادت سے انکار کرتے ہو' حضرت سلمہ نے کہا: پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا ملا اور اسلام لے آیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۰)

روایت بالمعنیٰ پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے: جس نے میری طرف اس بات کی نسبت کی' جس کو میں نے نہیں کہا۔ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کے ساتھ خاص ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال بھی اس میں حکماً داخل ہیں کیونکہ آپ پر جھوٹ باندھنے کے امتناع کی علت میں دونوں مشترک ہیں' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت بالمعنیٰ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں وہ الفاظ نہیں ہوتے' جو آپ نے فرمائے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ حدیث کے معنی کو ایسے الفاظ سے نہ تعبیر کیا جائے' جس سے حدیث میں بیان کردہ حکم متغیر ہو جائے۔

۱۱۰- حَدَّثَنَا مُوْسٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ 'عَنْ اَبِیْ حَصِیْنٍ' عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ' عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ' عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمَّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْیَتِیْ' وَمَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ' فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ' وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی حصین از ابی صالح از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' آپ نے فرمایا: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو اور جس نے مجھے نیند میں دیکھا' اس نے بے شک مجھے ہی دیکھا ہے' کیونکہ شیطان میری صورت کی مثل نہیں بنا سکتا اور جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا' وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔

[اطراف الحدیث: ۳۵۳۹-۶۱۸۸-۶۱۹۷-۶۹۹۳]

(صحیح مسلم المقدمہ' باب: ۲' حدیث: ۴' صحیح مسلم: ۲۱۳۴-۲۱۳۱' سنن ابوداؤد: ۴۹۶۵' سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۵' مسند الحمیدی: ۱۱۴۴' مصنف ابن

ابی شیبہ ج۸ ص ۷۱۷ ' سنن بیہقی ج۹ ص ۳۰۸ ' شرح السنۃ: ۳۳۶۳ ' مسند احمد ج۲ ص ۲۴۸ طبع قدیم ' مسند احمد: ۷۷۴۷ ـ ج ۱۲ ص ۳۳۳ ' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

عنوان باب کی مطابقت میں یہ پانچویں حدیث ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) موسیٰ بن اسماعیل المنقری البصری التبوذکی (۲) ابوعوانہ الوضاح الیشکری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) ابوحصین عثمان بن عاصم الکوفی' انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوصالح وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ نے سماع کیا ہے' یہ ثقہ اور صاحب سنت تھے اور حفاظ کوفہ میں سے تھے' ان کے پاس چار سو احادیث تھیں' یہ ۱۲۸ھ یا ۱۲۷ھ میں فوت ہو گئے (۴) ابوصالح ذکوان السمان الزیات المدنی (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۲۳۲ ـ ۲۳۱)

کنیت کا معنی اور شیطان کا صیغہ اور معنی

کنیت کا مادہ کنایہ ہے' اس کا معنی ہے: ایک لفظ بولا جائے اور اس سے اس کے لازم کا ارادہ کیا جائے اور کنیت اسم کی ایک قسم ہے' اسم کی تین قسمیں ہیں: علم' لقب اور کنیت' جس اسم سے کسی شخص معین کا ارادہ کیا جائے' اس کو عربی میں علم اور اردو میں نام کہتے ہیں' اور اگر وہ اسم مدح یا ذم کی خبر دے تو اس کو لقب کہتے ہیں اور اگر وہ اسم اب یا ام سے شروع ہو اور اس کی کسی دوسرے اسم کی طرف اضافت ہو تو اس کو کنیت کہتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اور نام محمد ہے اور آپ کا لقب مثلاً سید المرسلین اور خاتم النبیین ہے اور آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔

نیز اس حدیث میں شیطان کا ذکر ہے' اس کا مادہ شیط ہے اور اس کا وزن فعلان ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونے والا یعنی اللہ کے غضب میں' اور یا اس کا مادہ شطن ہے اور اس کا وزن فیعال ہے اور اس کا معنی ہے: دور ہونے والا یعنی اللہ کی رحمت سے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق متعدد احادیث

نیز اس حدیث میں فرمایا گیا: جس نے مجھے نیند میں دیکھا' اس نے بے شک مجھے ہی دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری صورت کی مثل نہیں بنا سکتا۔

اسانید صحیحہ کے ساتھ اس قسم کی متعدد احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ کو دیکھا' اس نے حق دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۹۶' صحیح مسلم: ۲۲۵۷' سنن دارمی: ۲۱۴۰' مسند احمد ج۵ ص ۳۰۶)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے مجھ کو دیکھا' اس نے حق دیکھا' کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ (صحیح البخاری: ۶۹۹۷' مسند احمد ج۳ ص ۵۵)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے مجھے نیند میں دیکھا' وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بنا سکتا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۹۳' صحیح مسلم: ۲۲۶۶' سنن ابوداؤد: ۵۰۲۳' مسند احمد ج۳ ص ۲۶۹ ـ ج۵ ص ۳۰۶' تاریخ بغداد ج۱۰ ص ۲۸۴)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا' اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان مجھے خیال میں نہیں لا سکتا۔ (صحیح البخاری: ۶۹۹۴' صحیح مسلم: ۲۲۶۴' سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۳' مسند احمد ج۳ ص ۲۹۳)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے نیند میں دیکھا' گویا کہ اس نے مجھے بیداری میں دیکھا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ (المعجم الاوسط: ٦١٢' مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٨١)

(٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے نیند میں دیکھا' اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ ایک روایت میں ہے: میرے مشابہ نہیں ہو سکتا۔

(مسند احمد ج ٢ ص ٢٦١' مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٧٣)

اس کی تحقیق کہ آپ کو خواب میں دیکھنے والا' آپ کو آپ کی معروف صفات میں دیکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ یا دوسری صفات میں

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو فرمایا: جس نے مجھے نیند میں دیکھا' اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ علامہ الماوردی نے کہا: اس کی تاویل میں اختلاف ہے' قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا: اس کا معنی یہ ہے اس نے حق دیکھا اور اس کا خواب اضغاث احلام یعنی منتشر خیالات اور شوریدہ پریشان خواب نہیں ہے اور نہ شیطان کی تشبیہ ہے اور اس کا یہ خواب برحق اور صحیح ہے۔

قاضی ابوبکر نے کہا: کبھی آپ کو خواب میں دیکھنے والا ان صفات کے مطابق نہیں دیکھتا' جو ہم تک منقول ہوئی ہیں' مثلاً وہ آپ کو سفید ڈاڑھی میں دیکھتا ہے' یا آپ کا کوئی اور رنگ دیکھتا ہے اور کبھی آپ کو دو آدمی ایک وقت میں دو مختلف جگہوں سے دیکھتے ہیں' ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں اور ان میں سے ہر ایک آپ کو اپنی جگہ سے دیکھتا ہے۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ کو پالیا' اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے اور نہ عقل اس کو محال قرار دیتی ہے اور یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ کبھی آپ کو دیکھنے والا دوسری صفات میں دیکھتا ہے یا جو آپ کی معروف صفات میں نہیں دیکھتا ہے یا دو آدمی آپ کو دو مختلف جگہوں سے دیکھتے ہیں تو یہ دیکھنے والے کی غلطی ہے اور اس کا غلط تخیل ہے' اور اس نے اپنے بعض خیالات کو متشکل دیکھا ہے' اور ادراک میں آنکھوں کے پھیرنے اور قرب مسافت کی شرط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ دکھائی دینے والا زمین میں مدفون ہو یا زمین پر ظاہر ہو' اس میں صرف یہ شرط ہے کہ وہ موجود ہو اور احادیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام باقی ہیں اور زمین میں ان پر کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر آپ کو بوڑھا دیکھا گیا تو وہ کسی آفت اور مصیبت سے نجات کا سال ہے اور اگر آپ کو جوان دیکھا گیا تو وہ قحط کا سال ہے اور اگر آپ کو حسین شکل میں عمدہ اقوال اور افعال کے ساتھ دیکھا گیا تو اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والے میں خیر ہے اور اگر اس کے خلاف دیکھا تو اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والے میں شر ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان میں سے کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوگی' اور اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ آپ نے کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے تو اس شخص کے لیے قتل کرنا جائز نہیں ہے اور یہ اس کی صفات متخیلہ ہیں' اس کو اس طرح دکھائی نہیں دیا' اور اس میں تیسرا قول وہ ہے' جو قاضی عیاض اور ابوبکر ابن العربی کا ہے کہ اگر اس نے آپ کو آپ کی صفات معروفہ میں دیکھا ہے تو وہ حقیقت کا ادراک ہے اور اگر اس نے آپ کو اس کے خلاف صفت میں دیکھا ہے تو وہ مثال کا ادراک ہے اور اس خواب کی تاویل ہوگی' علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ تیسرا قول ضعیف ہے' اور صحیح دوسرا قول ہے۔

آپ کو خواب میں دیکھنے والا بعینہ آپ کو دیکھتا ہے یا آپ کی مثال کو؟

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے: اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے حقیقت میں میری مثال کو

دیکھا ہے کیونکہ خواب میں مثال ہی دکھائی دیتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے: شیطان میری مثل نہیں بن سکتا' یہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور اسی کے قریب امام غزالی نے کہا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس نے میرے جسم اور میرے بدن کو دیکھا ہے' بلکہ اس نے مثال کو دیکھا ہے اور یہ مثال اس معنی کو ادا کرنے کا آلہ ہے' جو میرے دل میں ہے بلکہ بدن بیداری میں بھی صرف نفس کا آلہ ہوتا ہے' پس حق یہ ہے کہ دیکھنے والا جو دیکھتا ہے' وہ آپ کی روح مقدسہ کی حقیقت کی مثال ہے' جو روحِ مقدسہ محلِ نبوت ہے' پس اس نے جو شکل دیکھی ہے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح ہے' نہ وہ آپ کا شخص ہے' بلکہ تحقیق میں وہ آپ کی مثال ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ خواب کی تین قسمیں ہیں (۱) اللہ کی جانب سے خواب (۲) شیطان کی جانب سے خواب (۳) انسان جو کچھ سوچتا رہتا ہے' اس کی خیالی صورتیں' اور انسان خواب میں جو آپ کو دیکھتا ہے' وہ شیطان کی طرف سے تو بہر حال نہیں ہے' پس کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے جو آپ کو دیکھا ہے' وہ اس کی سوچ اور اس کے خیال کی صورت ہو؟ میں کہتا ہوں کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ انسان خواب میں اس صورت کو دیکھتا ہے' جس کے ساتھ اس کو کوئی مناسبت ہوتی ہے' خواہ وہ مناسبت ذات میں اشتراک کی وجہ سے ہو یا صفات اور افعال میں اشتراک کی وجہ سے ہو اور انسان جو کچھ سوچتا ہے' اس میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی مناسبت پیدا کر لے' حتیٰ کہ وہ خواب میں آپ کی صورت کی مثال دکھائی دینے کا سبب بن جائے' لہٰذا خواب کی یہ قسم اللہ کی جانب سے ہے' نہ شیطان کی جانب سے ہے اور نہ اس کی سوچ اور اس کی باتوں کی خیالی صورت ہے۔ اس کے برخلاف جو فرشتہ خواب دکھانے پر مؤکل ہے' وہ لوحِ محفوظ سے مناسبت کی مثل قائم کر دیتا ہے۔

آپ کو بیداری میں دیکھنے کا معنی

بعض روایات میں ہے کہ'' وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا'' اور یہ بھی حدیث ہے کہ'' گویا کہ اس نے مجھے بیداری میں دیکھا'' اس کے معنی میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنے خواب کی تفسیر دیکھے گا کیونکہ وہ حق ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عنقریب آپ کو قیامت میں دیکھے گا' اور تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کے زمانہ کے جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور انہوں نے آپ کو خواب میں دیکھا تھا' وہ عنقریب بیداری میں بھی آپ کی زیارت کریں گے۔ (عنقریب میں اس حدیث کے متعلق اپنا موقف پیش کروں گا۔ سعیدی غفرلہٗ)

اس کی تحقیق کہ شیطان آپ کی صورت کی مثل نہیں بنا سکتا

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے: بے شک شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا' یعنی میری صورت میں نہیں آ سکتا' اس حدیث میں صورت کے معنی میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد میری صفت ہدایت ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اپنی حقیقت پر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صورت مشاہد تھی' وہ اس میں نہیں آ سکتا۔

علماء نے کہا ہے کہ دیکھنے والا آپ کو اس صورت میں دیکھے' جو آپ کی اس صورت اور اس حلیہ سے مشابہ ہے' جو نقل صحیح سے ثابت ہے' حتیٰ کہ اگر اس نے آپ کو اس کی مخالف صورت میں دیکھا تو اس نے آپ کو نہیں دیکھا' مثلاً اس نے آپ کو بہت لمبا دیکھا یا بہت چھوٹا دیکھا یا آپ کو بہت بالوں والا دیکھا یا بوڑھا دیکھا یا بہت گندمی دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا کی ہے کہ لوگ جو آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کا دیکھنا صحیح ہوتا ہے اور ان تمام کی رؤیت صادق ہے اور شیطان کو آپ کی صورت میں آنے سے منع کر دیا ہے تاکہ وہ آپ کی زبان سے لوگوں کو گم راہ نہ کرے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیداری میں شیطان کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ آپ کی صورت میں آ سکے' محی السنہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند میں دیکھنا حق ہے اور شیطان آپ کی مثل میں نہیں آ سکتا' اسی طرح وہ تمام انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کی مثل میں نہیں آ سکتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۳۴۔ ۲۳۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس زمانہ میں اور اس جہان میں آپ کو بیداری میں دیکھنے کے متعلق علماء کی تصریحات

جس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا' وہ مجھے عنقریب بیداری میں بھی دیکھے گا' علامہ بدرالدین عینی نے اس کی مکمل تحقیق نہیں کی' اکابر امت نے اس حدیث کا یہ معنی بھی کیا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا ہے' وہ عنقریب اسی دنیا میں حقیقۃً میری زیارت کرے گا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی نے ''تنویر الحوالک'' میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا' وہ مجھ کو عنقریب بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ (صحیح البخاری: ۶۹۹۳' صحیح مسلم: ۲۲۶۶' مسند احمد: ۱/ ۴۷۳)

علامہ ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے کہ متعدد عارفین نے نیند کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے سوالات کر کے دینی مسائل کی مشکلات کو سمجھا اور اس حدیث کی تصدیق کی۔

علماء کا اس میں کافی اختلاف ہے کہ آپ کو بیداری میں دیکھنے والا آپ ہی کے جسم اور بدن کو دیکھے گا یا آپ کی مثال کو دیکھے گا' علامہ جلال الدین سیوطی نے عبارات علماء کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ احادیث اور عبارات علماء سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم مبارک اور اپنی روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف عالم میں جہاں چاہتے ہیں' تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں اور آپ اسی حالت میں ہیں' جس حالت میں آپ وفات سے پہلے تھے اور اس میں سرمو فرق نہیں ہوا' اور آپ زندہ ہونے کے باوجود لوگوں کی نظروں سے اس طرح غائب ہیں' جس طرح فرشتے ان کی نظروں سے غائب ہیں' اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو آپ کی زیارت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے تو آپ کے اور اس بندہ کے درمیان جو حجابات ہیں' ان کو اٹھا دیتا ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے تو پھر آپ کی مثال کے قول کی کیا ضرورت ہے' اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی زندہ ہیں اور ان کو اپنی قبروں سے باہر جانے اور اس جہان میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور اس پر بہ کثرت احادیث ناطق اور شاہد ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت اس طرح نہیں ہوتی' جیسے عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو دنیا میں دیکھتے ہیں' یہ ایک حالت برزخیہ اور امر وجدانی ہے' اس کی حقیقت کو وہی شخص پا سکتا ہے' جس کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیکھنے والا آپ کی روح کو دیکھتا ہے اور وہ روح کسی صورت میں متمثل ہو جاتی ہے' جب کہ وہ روح اس وقت آپ کے اس جسم مبارک میں بھی ہوتی ہے' جو روضہ مبارکہ میں ہے' جس طرح حضرت جبریل آپ کے سامنے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں موجود ہوتے ہیں یا کسی اور صورت میں اور اس وقت وہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی جدا نہیں ہوتے' اور رہا آپ کا جسم مثالی تو اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قدسیہ متعلق ہوتی ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ آپ کے غیر متناہی اجسام مثالیہ ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ کی روح واحدہ متعلق ہو اور یہ اس طرح ہو جیسے روح واحدہ کا تعلق ایک جسم کے متعدد اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے' اور ہماری اس تقریر سے شیخ ابوالعباس طنجی کے اس قول کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ انہوں نے آسمان' زمین' عرش اور کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھرا ہوا دیکھا اور یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد مقربین نے ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۳-۵۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عہد صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آپ سے استفادہ کا اس قدر ظہور کیوں نہیں ہوا؟

اولیاء کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو زیارت ہوتی ہے اور وہ آپ سے دینی اور فقہی معاملات میں استفادہ کرتے ہیں اور اپنے اشکالات کو حل کراتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرام کو جو اشکالات پیش آتے تھے' مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی میراث دینے یا نہ دینے کا مسئلہ تھا' حضرت ابوبکر کی خلافت کا مسئلہ تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا معاملہ تھا' جس کی وجہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں' تو ان اکابر صحابہ کرام کو آپ کی زیارت کیوں نہیں ہوئی اور انہوں نے آپ سے ان الجھے ہوئے معاملات میں رہنمائی کیوں نہیں حاصل کی' بعد کے اولیاء کرام جن کو نیند اور بیداری میں آپ کی زیارت ہوتی رہی ہے اور وہ آپ سے اپنی مشکلات میں رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں' ان سے تو بہر حال ان صحابہ کرام کا آپ سے قرب بہت زیادہ تھا اور بعد کے عارفین اور مقربین سے ان کا مرتبہ بہت بڑھ کر تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ نیند اور بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آپ سے استفادہ اولیاء کرام کی باقی کرامات کی طرح خلاف عادت امور سے ہے اور عہد صحابہ میں ان کرامات اور خلاف عادت امور کا ظہور بہت کم تھا کیونکہ اس دور میں عہد رسالت اور آفتاب نبوت بہت قریب تھا اور جس طرح سورج کی موجودگی میں ستارے نظر نہیں آتے' اسی طرح آفتاب رسالت کے معجزات کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی کرامات کے ستارے نظر نہیں آتے تھے۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۶-۵۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

شیخ سراج الدین بن الملقن نے ''طبقات الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا: میں نے ظہر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: اے ابا جان! میں عجمی شخص ہوں' فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں! آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: لوگوں کے سامنے وعظ کرو اور حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دو' پس میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور میرے سامنے بہت خلقت جمع ہوگئی' پھر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی' پھر میں نے دیکھا کہ اس مجلس میں میرے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں' آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے میرے ابا جان! مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی ہے' آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے پوچھا: آپ نے سات مرتبہ لعاب ڈال کر مکمل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کی وجہ سے' پھر آپ مجھ سے غائب ہوگئے' پھر مجھے یوں لگا جیسے علوم و معارف کا ایک عظیم سمندر میرے سینہ میں موجزن ہے اور میں اپنی زبان سے حقائق اور دقائق کے یواقیت اور جواہر بیان کر رہا ہوں۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور علامہ سراج الدین ابن الملقن نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور وہ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت فیض حاصل کرتے تھے' انہوں نے ایک رات میں سترہ مرتبہ آپ کی زیارت کی' ایک مرتبہ آپ نے ان سے فرمایا: اے خلیفہ! تم میری زیارت کے لیے اتنے بے قرار نہ ہوا کرو' کیونکہ کتنے اولیاء

تو میرے دیدار کی حسرت میں ہی فوت ہو چکے ہیں' اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے ''لطائف المنن'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ابو العباس المرسی سے کہا: آپ نے بہت سے شہروں میں بہت سے لوگوں سے ملاقات کی ہے' آپ اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کر لیں' انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا' اور انہوں نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے اوجھل پاؤں تو میں اس ساعت میں خود کو مسلمان شمار نہیں کرتا اور اس قسم کی عبارات اولیاء کرام سے بہت منقول ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ سے سوال کیا گیا کہ:

کیا اب بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیداری میں ملاقات اور علم کا حاصل کرنا ممکن ہے؟ حافظ ابن حجر مکی نے جواب میں لکھا:

ہاں! یہ ممکن ہے اور یہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہے' علماء شافعیہ میں سے امام غزالی' بازری' تاج الدین سبکی' عفیف یافعی اور علماء مالکیہ میں سے علامہ قرطبی' ابن ابی جمرہ اور ابو جمرہ نے اس کی تصریح کی ہے' منقول ہے کہ ایک ولی اللہ کی مجلس میں ایک فقیہ آئے' پھر انہوں نے ایک حدیث بیان کی' اس ولی اللہ نے کہا: یہ حدیث باطل ہے' فقیہ نے پوچھا: آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ کہا تمہارے سر کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں' یہ بات میں نے نہیں کہی' پھر اس ولی اللہ نے فقیہ کے لیے بھی کشف کر دیا اور فقیہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لی۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۵۴' مطبعہ مصطفی البابی' مصر)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے (اس کو زیارت ہو جاتی ہے) کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی (علامہ عبد الوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر مرتبہ بیداری میں زیارت کی اور بالمشافہ ملاقات کی ہے' میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۴' لواقح الانوار القدسیہ ص ۱۷' سعیدی غفرلہٗ) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا' (الیٰ قولہ) امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے ''صحیح بخاری'' پڑھی' پھر امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا' ان میں سے ایک حنفی تھا' اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا: بیداری میں آپ کی زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبع تجازی' مصر)

(جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا' اس حدیث کی مزید شرح ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سادس میں بیان کر دی ہے۔)

ایک اور دیو بندی عالم سید احمد رضا صاحب بجنوری لکھتے ہیں:

پھر کبھی اس کا مشاہدہ خواب کی طرح بیداری میں بھی ہوتا ہے' میرے نزدیک یہ صورت بھی ممکن ہے' حق تعالیٰ جس خوش نصیب کو بھی چاہیں' یہ دولت عطا فرما دیں' جیسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ سے نقل ہے کہ انہوں نے ستر مرتبہ سے زیادہ بیداری کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور بہت سی احادیث کے بارے میں سوالات کیے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصحیح کے مطابق احادیث کی تصحیح کی' علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی سلطانِ وقت بھی بڑی عزت کرتا تھا' ایک مرتبہ شیخ عطیہ نے ان کو لکھا کہ فلاں معاملہ میں سلطان سے میری سفارش کر دیجئے! تو علامہ سیوطی نے انکار کر دیا اور جواب میں لکھا: ''میں یہ کام اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس میں میرا بھی نقصان ہے اور

امت کا بھی، کیونکہ میں نے سرورِ دوعالم ﷺ کی ستر بار سے زیادہ زیارت کی ہے اور میں اپنی بھلائی نہیں دیکھتا بجز اس کے کہ میں بادشاہوں کے دروازوں پر نہیں جاتا''۔

پس اگر میں کام آپ کی وجہ سے کروں تو ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی زیارتِ مبارکہ کی نعمت سے محروم ہو جاؤں، بعض صحابہ کو ملائکہ سلام کیا کرتے تھے، انہوں نے کسی مرض کے علاج میں داغ لگوالیا تو وہ اس کی وجہ سے ملائکہ کی رؤیت سے بھی محروم ہو گئے اس لیے میں آپ کے تھوڑے نقصان کو امت کے بڑے نقصان پر ترجیح دیتا ہوں۔ (الیواقیت والجواہر ج ا ص ۱۴۳)

غالباً امت کے نقصان سے اشارہ اس طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زیارتِ مبارکہ کے وقت علومِ نبوت کا استفادہ کر کے وہ امت کو افادہ کرتے تھے، جیسا کہ تصحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

علامہ شعرانی نے بھی لکھا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ ﷺ سے ''بخاری شریف'' پڑھی، آٹھ رفیق دوسرے بھی ان کے ساتھ تھے، جن میں ایک حنفی تھے، ان سب کے نام لکھے ہیں اور وہ دعا بھی لکھی، جو ختم پر پڑھی تھی، غرض کہ رؤیت بیداری بھی حق ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔ (انوار الباری شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۲۱۸، تالیفات اشرفیہ ملتان)

شیخ بجنوری اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

مشہور محدث وفقیہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام (استاذ حافظ قاسم بن قطلو بغا حنفی) نے ''القواعد الکبریٰ'' میں لکھا ہے کہ ابن الحجاج نے ''المدخل'' میں تحریر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی زیارتِ مبارکہ بہ حالت بیداری کا مسئلہ بہت دقیق ہے، تاہم ایسے حضرات اکابر کے لیے اس کے وقوع وثبوت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جن کے ظاہر و باطن کی حق تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے حفاظت فرمائی ہو، البتہ بعض علماء ظاہر نے اس سے انکار کیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۵۸)

حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مسئلہ رؤیت منامی پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے رسالہ لکھا ہے، آپ نے جمہور کا مذہب اختیار فرمایا اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے بھی رسالہ لکھا، جس میں دوسری رائے قلیل جماعت والی اختیار کی۔

حافظ ابن تیمیہ کا انکار رؤیت بیداری

ان منکرین ہی میں سے حافظ ابن تیمیہ بھی ہیں، جنہوں نے حسب عادت بڑی سختی وشدت سے بیداری کی رؤیت سے انکار کیا ہے، ''کتاب التوسل والوسیلہ'' میں لکھا کہ منامی رؤیت کبھی حق ہوتی ہے اور کبھی شیطان کے اثر سے، اس لیے حضور اکرم ﷺ کی منامی رؤیت تو ثابت وتسلیم ہے، مگر بیداری کی رؤیت تو کسی کے لیے ثابت نہیں ہے اور جو یہ گمان کرے کہ میں نے کسی میت کو دیکھا تو یہ بات اس کی جہالت سے ہے اور بہت سے لوگ جو یہ کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی نبی یا صالح، یا خضر کو دیکھا تو درحقیقت انہوں نے شیطان کو دیکھا ہے۔ حاوی ج ۲ ص ۱۶۳ میں ہے کہ ''ائمہ شریعت کی ایک جماعت نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کسی ولی مقرب کو یہ اکرام بھی عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی زیارتِ مبارکہ سے بہ حالت بیداری مشرف ہو، آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر بھی ہو اور آپ ﷺ کے معارف ومواہب سے حسب استعداد بہرہ ور ہو، اس کو ائمہ شافعیہ میں سے امام غزالی، بازری، تاج سبکی، یافعی نے اور ائمہ مالکیہ میں سے علامہ قرطبی، محدث ابن ابی جمرہ اور ابن الحاج ایسے حضرات اکابر ومحققین نے تسلیم کیا ہے، شیخ ابوالحسن شاذلی فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر میں بہ قدر پلک جھپکنے کے بھی حضور اکرم ﷺ کے محجوب ہو جاؤں تو اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں''۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ایسے بہت سے حضرات کا ذکر کیا' جن کو بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے' مثلاً (۱) شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میں نے ظہر سے قبل حضور ﷺ کی زیارت کی (۲) شیخ خلیفہ بن موسیٰ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کو بہ کثرت دیکھتے تھے (۳) شیخ عبدالغفار حضور ﷺ کو ہر وقت دیکھتے تھے (۴) شیخ ابوالعباس موسیٰ کو حضرت ﷺ سے خصوصی اتصال کا شرف حاصل تھا کہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے تو آپ ﷺ جواب دیتے' نیز محادثہ اور سوال و جواب سے بھی مشرف ہوتے' اسی طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اور بہت سے اولیاء کرام کے نام ذکر کیے' جو بیداری کی رؤیت سے مشرف ہوئے ہیں اور ان کے قصے بھی لکھے۔ (حاوی)

علامہ بازری شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ کے اور اس سے بھی قبل کے اور بہت سے اولیاء کرام رحمہم اللہ کے حالات میں سنا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو وفات کے بعد عالم بیداری میں زندہ دیکھا ہے' ابن عربی نے فرمایا ہے کہ ''انبیاء و ملائکہ کی رؤیت اور ان کا کلام سننا مومن و کافر دونوں کے لیے ممکن ہے' فرق اتنا ہے کہ مومن کے لیے بہ طور کرامت ہوگا اور کافر کے لیے بہ طور عقوبت''۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں یہ بھی لکھا کہ نبی کریم ﷺ کی بیداری میں رؤیت تو اکثر قلب کے ذریعہ ہوتی ہے' پھر ترقی ہو کر حاسۂ بصر سے بھی ہونے لگتی ہے' لیکن پھر بھی وہ رؤیت بصریہ' عام متعارف رؤیت کی طرح نہیں ہوتی' بلکہ وہ ایک جمعیۃ حالیہ اور حالت برزخیہ و امر وجدانی ہیں' جس کی حقیقت کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے' جس کو جمعیت حاصل ہو' شیخ عبداللہ دلاصی کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ ''جب امام نے اور میں نے احرام باندھا تو مجھے ایک پکڑنے والے نے پکڑ لیا اور میں رؤیت رسول اکرم ﷺ سے مشرف ہوا'' تو ''اخذتنی اخذۃ'' میں ''اخذہ'' (پکڑ اور کشش) سے اسی حالت مذکورہ کی طرف اشارہ ہے (جس کے ساتھ ہی شرف رؤیت بیداری میں حاصل ہو جاتا ہے)۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۲)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر اپنے رسالہ ''تنویر الحلك فی رؤیۃ النبی والملك'' میں مستقل طور پر بحث کی ہے' اس کو بھی دیکھا جائے۔

غرض اولیاء کرام کے حالات میں بڑی کثرت سے بیداری کی رؤیت کا ثبوت ملتا ہے' قریبی زمانہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ ایک روز ''تصور شیخ'' کے مسئلہ پر تقریر فرماتے ہوئے جوش میں آ کر اس امر مخفی کا اظہار بھی فرما دیا کہ ''کامل تین سال تک حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا' پھر فرمایا کہ کتنے ہی سال تک میں نے کوئی بات حضور ﷺ سے استصواب کے بغیر نہیں کی' اس کے بعد احسان کا درجہ حاصل ہو گیا''۔ (امیر الروایات ص ۳۱۸)

ایسی صورت میں حافظ ابن تیمیہ ایسے محقق عالم کا انکار حیرت ہی کا باعث ہے' سچ ہے بڑوں سے غلطی بھی بڑی ہی ہوتی ہے' اور چند مسائل میں حافظ ابن تیمیہ کے تفردات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ (انوار الباری شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۲۲۰-۲۱۹' تالیفات اشرفیہ ملتان)

ہم نے بیداری میں نبی ﷺ کی زیارت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ شیخ الاسلام علامہ بلقینی' علامہ ابن ابی جمرہ' علامہ جلال الدین سیوطی' علامہ ابن حجر ہیتمی مکی' علامہ آلوسی حنفی' شیخ سراج الدین ابن الملقن' علامہ عبدالوہاب شعرانی' اور علماء دیوبند میں سے شیخ انور شاہ کشمیری' شیخ بجنوری اور ان کے حوالہ سے شیخ گنگوہی کی تصریحات پیش کر دی ہیں کہ اولیاء اللہ کو اور علماء اور فقہاء کو بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوتی ہے' وللہ الحمد۔

آپ کا نام اور آپ کی کنیت رکھنے کی تفصیل اور تحقیق

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اور علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو' اہل ظاہر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ کی کنیت رکھنی مطلقاً جائز نہیں ہے' امام شافعی کا بھی یہی قول ہے' ربیع نے کہا: امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ کسی کے لیے ابوالقاسم کنیت رکھنی جائز نہیں ہے' خواہ اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھنا بھی منع ہے تاکہ وہ ابوالقاسم کنیت رکھنے کا سبب نہ بن جائے' حتیٰ کہ پہلے مروان کے بیٹے کا نام قاسم تھا' جب اس کو یہ حدیث پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے کا نام بدل کر عبدالملک رکھ دیا۔

دوسرے متقدمین نے یہ کہا ہے کہ صرف ابوالقاسم کنیت رکھنا' اس وقت ناجائز ہے' جب اس کا نام محمد یا احمد ہو' حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے میرا نام (محمد) رکھا' وہ میری کنیت (ابوالقاسم) نہ رکھے اور جس نے میری کنیت رکھی ہے وہ میرا نام نہ رکھے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۶۶' سنن ترمذی: ۲۸۴۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۳)

دوسرے علماء نے کہا کہ یہ ممانعت اب منسوخ ہوگئی اور اب آپ کا نام اور آپ کی کنیت رکھنے کی رخصت ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ کی وفات کے بعد میرا بیٹا ہو تو میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (سنن ابوداؤد: ۴۹۶۷' سنن ترمذی: ۲۸۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے' پس میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی ہے' پھر مجھے بتایا گیا کہ آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: کس نے میرے نام کو حلال کہا ہے اور میری کنیت کو حرام کہا ہے' یا فرمایا: کس نے میری کنیت کو حرام کہا ہے اور میرے نام کو حلال کہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۶۸)

علامہ مازری نے کہا ہے کہ آپ کی کنیت ابوالقاسم رکھنا آپ کی حیات میں ناجائز تھا' جب کہ اب جائز ہے' حدیث میں ہے:

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص بازار میں نداء کر رہا تھا: ''یا ابا القاسم'' نبی ﷺ نے مڑ کر دیکھا' تو اس نے کہا: میں نے آپ کا ارادہ نہیں کیا تھا' تب نبی ﷺ نے فرمایا: تم میری کنیت نہ رکھو۔ (سنن ترمذی: ۲۸۴۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۴)

طبری کی رائے یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے نام اور آپ کی کنیت کو جمع کرنے کی ممانعت منسوخ نہیں ہوئی' پہلے یہ ممانعت واجب تھی' اب مستحب ہے اور نام اور کنیت کو جمع کرنا مباح ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۹-۸' اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۲۸۹' معلم اکمال الاکمال ج ۷ ص ۸۹)

اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھنے کی کراہت

بعض علماء کا شاذ قول ہے کہ کنیت خواہ کوئی رکھی جائے' لیکن آپ کا نام محمد رکھنا جائز نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھتے ہو' پھر ان پر لعنت کرتے ہو۔

(مسند ابو یعلیٰ: ۳۳۸۶' مسند البزار: ۱۹۸۷' اس حدیث کی سند میں الحکم بن عطیہ ہے' امام احمد نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا اور اس کے باقی رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۸)

حضرت عمر نے اہل کوفہ کی طرف لکھا: تم کسی نبی کے نام پر اپنے بیٹوں کا نام نہ رکھو اور ایک جماعت کو حکم دیا جنہوں نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا ہے وہ اس کو بدل دیں حدیث میں ہے:

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ نے عبدالحمید کے بیٹے کی طرف دیکھا اس کا نام محمد تھا اور ایک شخص اسے کہہ رہا تھا: یا محمد! اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ایسا کرے اور ایسا کرے اور ایسا کرے اور اس کو برا کہہ رہا تھا پس اس وقت امیر المؤمنین نے کہا: اے زید کے بیٹے! میرے قریب آؤ کیا میں نہیں دیکھ رہا کہ تمہاری وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا جا رہا ہے! اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں تم کو محمد کہہ کر کوئی نہیں پکارے گا پھر حضرت عمر نے اس کا نام عبدالرحمان رکھ دیا پھر آپ نے حضرت طلحہ کے بیٹوں کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے بیٹوں کے نام بدل دیں اس وقت ان کے سات بیٹے تھے اور سب سے بڑے بیٹے کا نام محمد تھا پس محمد بن طلحہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! میرا نام محمد تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی نے نہیں رکھا حضرت عمر نے فرمایا: جاؤ! جس کا نام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا ہے میں اس کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (اسد الغابہ ج۵ ص۹۹ طبقات کبریٰ ج۵ ص۵۳ التاریخ الکبیر ج۱ ص۱۶ المعجم الاوسط ج۱ ص۱۱۰ الآحاد والمثانی: ۶۷۰ المعجم الکبیر: ۵۴۴ ج۱۹ الاصابہ ج۶ ص۱۸ مسند احمد ج۴ ص۲۱۶ طبع قدیم مسند احمد: ۱۷۸۹۶ ج۲۹ ص۴۲۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر نے سنا: کوئی شخص ان کے بھتیجے محمد بن زید بن خطاب سے کہہ رہا تھا: اے محمد! تمہارے ساتھ اللہ ایسا کرے اور ایسا کرے تو حضرت عمر نے ان کو بلایا اور کہا: کیا میں نہیں دیکھ رہا کہ تمہاری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا جا رہا ہے اللہ کی قسم! جب تک تم زندہ ہو تم کو محمد کہہ کر نہیں پکارا جائے گا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج۷ ص۹-۸ دارالوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ اکمال اکمال المعلم ج۷ ص۲۹۱-۲۹۰ مکمل اکمال الاکمال ج۷ ص۲۹۱-۲۹۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

انبیاء کا نام رکھنے اور آپ کا نام رکھنے کا جواز اور استحباب

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عمر کے نام بدلنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ محمد نام رکھنا جائز نہیں ہے اول تو یہ حدیث غیر معروف ہے اور بر تقدیر تسلیم اس کا معنی یہ ہے کہ جس کا نام محمد ہے اس کو برا نہ کہو خصوصاً اس کو محمد کہہ کر برا نہ کہو نہ یہ کہ محمد نام ہی نہ رکھو کیونکہ محمد نام رکھنے کی ترغیب میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں جیسا کہ عثمان العمری نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کو کیا ضرر ہوگا اگر اس کے گھر میں ایک محمد (نام کا ہو) یا دو محمد (نام کے ہوں) یا تین محمد (نام کے) ہوں۔

(طبقات کبریٰ ج۵ ص۳۸ کنز العمال: ۴۵۲۰۵)

حضرت علی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی مشورہ کرنے جمع ہوئے اور ان میں محمد نام کا کوئی شخص تھا اور انہوں نے اس کو مشورہ میں شامل نہیں کیا تو ان کے مشورہ میں برکت نہیں دی جائے گی۔ (کنز العمال: ۴۵۲۲۴)

درج ذیل حدیث کا اضافہ میں نے کیا ہے علامہ ابی نے جو تیسری حدیث لکھی تھی اس کا حوالہ مجھے نہیں مل سکا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں: جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام کی برکت حاصل کرنے کے لیے اس کا نام محمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔

(اکمال اکمال المعلم ج۷ ص۲۹۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ مخرجا وزائد علیہ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری: ۱۱۰ کی زیر بحث حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صراحۃً حکم ہے کہ میرا نام (محمد) رکھو پھر آپ کا نام

رکھنے کے جواز اور استحسان میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور عموماً انبیاء علیہم السلام کا نام رکھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

ابو وہب الجشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے نام رکھو اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہے اور سب سے سچا نام حارث اور ہمام ہے اور سب سے برا نام حرب اور مرہ ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۹۵۰ 'سنن نسائی: ۳۵۶۸)

* تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۹۹-۴۹۷ 'الاعراف: ۱۹۰-۱۸۹ میں ہم نے محمد نام رکھنے کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں اور ان کی اسانید کی تحقیق کی ہے۔

خواب کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کرنے والوں کو صحابی کہا جائے گا یا نہیں؟

جب کوئی شخص بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرے تو آیا اس پر صحابی کا اطلاق کیا جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر صحابی کا اطلاق نہیں کیا جائے گا' کیونکہ صحابی کی تعریف یہ ہے: جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی دنیاوی حیات ظاہرہ میں ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور اسی ایمان پر فوت ہو گیا ہو' نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے احکام کی خبر دینے والے ہیں اور آپ دنیا میں خبر دیتے تھے' نہ کہ قبر میں۔

خواب میں آپ سے سنی ہوئی حدیث حجت ہے یا نہیں اور خواب کی تحقیق

جس شخص نے خواب میں آپ سے کوئی حدیث سنی' وہ حجت ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی یہ ہے کہ وہ حدیث حجت نہیں ہے' کیونکہ استدلال کے لیے شرط یہ ہے کہ راوی نے اس حدیث کو منضبط کر لیا ہو' اور نیند کی حالت میں وہ ضبط نہیں کر سکتا۔

ایک سوال یہ ہے کہ خواب کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب وہ ادراکات ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ بندے کے ذہن میں فرشتے یا شیطان کے واسطے سے پیدا کرتا ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے بیداری میں انسان کے دل میں مختلف خیال آتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے' وہ کسی نہ کسی چیز کی مثال ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواب پر ایک فرشتہ مامور ہے' جو اس کو حکمت کی مثالیں دکھاتا ہے اور لوح محفوظ سے غیب کی باتوں پر مطلع کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۳۶-۲۳۵)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۴۷۶-ج ۶ ص ۴۹۲ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں حسب ذیل عنوان ہیں:
(۱) ابوالقاسم کنیت رکھنے کے متعلق مذاہب کی تفصیل (۲) کنیت رکھنے کی تحقیق (۳) انبیاء اور صالحین کے نام رکھنے کا جواز۔

۳۹- بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ　علم کو لکھنا

علم کی باتوں کو لکھنے کے متعلق متقدمین میں اختلاف رہا ہے' پھر ان کا لکھنے کے استحباب پر اجماع ہو گیا' بلکہ اس زمانہ میں اس کا وجوب بھی بعید نہیں ہے' کیونکہ اب لوگ علم کو حفظ کرنے اور یاد کرنے کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر اب علم کو لکھا نہ جائے تو علم مٹ جائے گا' کہا جاتا ہے: علم صید ہے اور کتابت اس کی قید ہے' نیز علم کا لکھنا عام ہے' خواہ اس کو مرد لکھیں یا خواتین لکھیں۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں روایت میں جھوٹ سے احتراز کرنے اور صحیح احادیث بیان کرنے کا حکم دیا تھا' تاکہ احادیث ضائع نہ ہوں اور اس باب میں احادیث کو لکھنے کی ترغیب ہے' تاکہ احادیث ضائع نہ ہوں۔

۱۱۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از سفیان از

جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ لَا، إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ قُلْتُ فَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ الْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ.

[اطراف الحدیث: ۱۸۷۰-۳۰۴۷-۳۱۷۲-۶۹۰۳-۶۹۱۵]

مطرف از شعبی از ابی جحیفہ' انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کچھ لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: صرف کتاب اللہ ہے یا وہ فہم ہے جو مسلمان شخص کو دی گئی ہے یا جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے' میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: دیت کے احکام (لکھے ہوئے ہیں) اور قیدیوں کو چھڑانے کے اور یہ کہ مسلمان کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۳۷۰' سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰' سنن ترمذی: ۲۱۲۷' السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۷۴۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۹۸' مسند ابویعلیٰ: ۲۶۳' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۸۴' صحیح ابن حبان: ۳۷۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۸۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۶۱۵- ج ۲ ص ۵۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: علم کو لکھنا اور اس حدیث میں صحیفہ کا ذکر ہے اور صحیفہ کا معنی ہے: لکھا ہوا ورق۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن سلام بیکندی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی الکوفی' یہ اعمش وغیرہ سے روایت کرتے ہیں' امام احمد نے کہا: ان کا حافظہ ابن مہدی سے زیادہ ہے' حماد بن زید نے کہا: اگر میں چاہوں تو یہ کہوں کہ یہ سفیان سے راجح ہیں' یہ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور دس محرم ۱۹۷ھ میں فوت ہو گئے (۳) سفیان' علامہ کرمانی نے کہا: یہ سفیان ثوری بھی ہو سکتے ہیں اور سفیان بن عیینہ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ وکیع ان دونوں سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں مطرف سے روایت کرتے ہیں (۴) مطرف ابوعبد الرحمان الکوفی الحارثی' ان کی امام احمد وغیرہ نے توثیق کی ہے' یہ ۱۳۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) عامر شعبی' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۶) ابوجحیفہ وہب بن عبد اللہ السوائی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۴۵ احادیث روایت کی ہیں' جن میں سے ۲ حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' امام بخاری ۲ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم تین حدیثوں کے ساتھ' حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی بہت تکریم کرتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے' انہوں نے ان کو کوفہ کے بیت المال پر مقرر کر دیا تھا' یہ تمام مشاہد میں حضرت علی کے ساتھ رہے اور ۷۲ھ میں فوت ہو گئے' یہ کم عمر صحابہ میں سے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یہ بالغ نہیں ہوئے تھے (۷) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۳۹)

کتاب' فہم' عقل اور ''فکاك الاسیر'' کے معانی

اس حدیث میں کتاب اور فہم کا لفظ ہے' کتاب کا معنی ہے: مکتوب اور اس سے مراد ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہوئی یا لکھوائی ہوئی کوئی چیز' فہم کا معنی ہے: ذہن کی تیزی' کسی مشکل چیز کو جلد سمجھنے کی صلاحیت۔

نیز اس حدیث میں عقل کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: رسی یا رسّی سے باندھنا' اور اس سے مراد ہے: دیت' کیونکہ عرب دیت میں اونٹ ادا کرتے تھے' جن کو اصطبل میں رسیوں سے باندھا جاتا تھا' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ دیت کا معنی خون بہا ہے یا کسی کو قتل کرنے یا اس کا عضو کاٹنے کا مالی معاوضہ اور عقل انسان کو قتل کرنے یا عضو کاٹنے سے منع کرتی ہے تا کہ بعد میں اس کا مالی معاوضہ نہ دینا پڑے۔

نیز اس میں ''فکاك الاسیر'' کا لفظ ہے' ''فکاك'' کا معنی ہے: چھڑانا اور ''اسیر'' کا معنی ہے: قیدی۔

شیعہ کے اس زعم کا رد کہ حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ نے خاص اسرار اور احکام بتائے تھے

سائل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خاص حکم لکھ کر دیا ہے جو قرآن میں نہیں ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیعہ یہ زعم کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو وحی کے خاص اسرار لکھ کر دیئے ہیں' جن کا دوسرے صحابہ کو علم نہیں ہے یا آپ کو خاص وصیت لکھ کر دی ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے پاس قرآن مجید کے سوا کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے یا آپ نے اپنی فہم سے کتاب اللہ کے جو احکام اور مسائل مستنبط کیے ہیں' وہ لکھے ہوئے ہیں یا اس صحیفہ میں جو دیت کے احکام لکھے ہوئے ہیں کہ جان کے معاوضہ میں کتنے اونٹ دیئے جائیں گے اور مختلف اعضاء کے تاوان میں کتنے کتنے اونٹ دیئے جائیں گے اور قیدیوں کو چھڑانا ایک نیک عمل ہے' اس کے متعلق لکھا ہوا ہے اور صحیفہ سے مراد وہ اوراق ہیں' جن پر حضرت علی نے ان چیزوں کو لکھا ہوا تھا' تا کہ بہ وقت ضرورت ان کو پڑھ کر ذہن میں حاضر کر لیا جائے اور یہ کاغذات اپنی تلوار کے دستہ میں یا اس کی میان میں رکھے ہوئے تھے' اور اس صحیفہ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ مسلمان کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث میں شیعہ کی اس بدعقیدگی کا رد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصی تھے یا رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخصوص احکام اور اسرار لکھ کر دیئے تھے' جو دوسرے صحابہ کرام کو نہیں بتائے تھے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم کو چاہیے کہ وہ اپنی فہم کے ساتھ قرآن مجید سے احکام اور مسائل کو نکالے اور اس حدیث میں علم کی باتوں کو لکھنے کا ثبوت ہے۔

ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کرنے کے ثبوت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: اس صحیفہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم کافر کو قتل کرنے سے مسلمان پر قصاص کو واجب نہیں کرتے' خواہ وہ کسی قسم کا کافر ہو' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے اور تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیز' عطاء' حسن بصری' عکرمہ' زہری اور ابن شبرمہ کا یہی قول ہے اور ائمہ میں سے امام مالک' امام شافعی اور اوزاعی وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

نخعی' شعبی اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) نے یہ کہا ہے کہ خصوصاً ذمی کو قتل کرنے سے مسلمان پر قصاص واجب ہوگا' شعبی اور نخعی نے یہ کہا ہے کہ مجوسی' یہودی اور نصرانی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے اور اگر مسلمان نے اس کو قتل کیا تو اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' یہ بہت عجیب بات ہے کہ مجوسی کو مسلم کی مثل قرار دیا جائے' سبحان اللہ! یہ کیسا قول ہے! اس کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۱۵' سنن ترمذی: ۲۱۴۷' سنن نسائی: ۴۷۸۰' سنن دارمی: ۲۳۵۶' سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۹' سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۸' مسند احمد ج ۱ ص ۸۱)

اور یہ فقہاء کہتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا' اس سے زیادہ سخت بات اور کیا ہوگی! ان کا استدلال اس سے ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ذمی کے بدلہ میں مسلمان سے قصاص لیا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا اور فرمایا: میں سب سے زیادہ کریم ہوں کہ اپنے ذمہ کو پورا کروں۔

(سنن دارقطنی: ۳۲۱۸۔ ج ۳ ص ۱۳۴' اس حدیث کو ابن بیلمانی نے مرسلا روایت کیا ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔)

اور اس لیے بھی کہ اس کا خون دائماً معصوم ہے لہٰذا مسلم کی طرح اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

(یہ حدیث اس سند کے علاوہ اور بہت سی سندوں سے مروی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔سعیدی غفرلہٗ)

ہمارا استدلال اس حدیث سے ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد (عبداللہ بن عمرو بن العاص) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا خون ایک جیسا ہے اور وہ اپنے ماسوا پر ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں ان میں سے ادنیٰ فرد بھی مسلمانوں کے ذمہ (قصاص یا دیت) کے لیے کوشش کرے گا' سنو! کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو اس کے جزیہ کی ادائیگی کے دوران قتل کیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰' سنن نسائی: ۴۵۴۸' سنن ابن ماجہ: ۲۶۸۵۔ ۲۶۸۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(سنن دار قطنی: ۳۲۱۶۔ ج ۳ ص ۱۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۵) (المغنی ج ۱۱ ص ۴۰۵۔ ۴۰۳' دار الحدیث' القاہرہ' ۱۴۲۵ھ)

ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے ثبوت میں فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو ہمارے نزدیک اس پر قصاص ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ O کیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق کی مثل ہو سکتا ہے وہ برابر نہیں ہیں O (السجدہ: ۱۸)

قصاص اس پر مبنی ہے کہ قاتل اور مقتول میں مساوات ہو اور مسلم اور کافر میں مساوات نہیں ہے اس لیے کافر کو قتل کرنے سے مسلمان پر قصاص واجب نہیں ہوگا' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام مسلمانوں کا خون ایک جیسا ہے اور اس حدیث کے آخر میں فرمایا: مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰)

ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

امام محمد بن حسن نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: میں اپنے عہد کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔ (کتاب الآثار لامام محمد ص ۱۲۸' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

مصنف عبد الرزاق: ۱۸۵۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۰' مراسیل ابوداؤد ص ۲۰۸' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳۵' سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۱۔ ۳۰۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک مسلمان شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا' جس نے اہل حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا' پھر آپ کو معلوم ہوا کہ وہ عرب کے گھڑ سواروں میں سے ایک گھڑ سوار ہے' پھر آپ نے لکھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اور مقتول کے اولیاء کو دیت پر راضی کیا جائے۔

امام شافعی نے جو آیات پیش کی ہیں کہ کفار اور مؤمنین میں مساوات نہیں ہے ان کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔

رہا رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تمام مسلمانوں کا خون ایک جیسا ہے' سو اس میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ غیر مسلموں کا خون مسلمانوں کے خون کی مثل نہیں ہے۔
رہا رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے' تو اس سے مراد کافر حربی ہے' کیونکہ کافر ذمی کے بدلہ میں آپ نے خود مسلمان کو قتل کیا تھا۔ (المبسوط ج ۲۶ ص ۱۶۱۔۱۵۸ ملخصاً' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ نے حسب ذیل آیات سے فقہاء احناف کے مؤقف پر استدلال کیا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى. (البقرہ:۱۷۸) تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مطلقاً مقتول کا قصاص لینا فرض کیا ہے' خواہ مقتول مسلمان ہو یا ذمی ہو' نیز جس طرح حکومت پر مسلمان کی جان اور اس کے مال کی حفاظت فرض ہے' اسی طرح جب ذمیوں نے جزیہ ادا کر دیا تو حکومت پر ان کی جان اور مال کی حفاظت بھی فرض ہے اور حکومت نے ان کی جان اور مال کی حفاظت کا عہد کر لیا' سو جس طرح مسلمان مقتول کا قصاص لیا جائے گا' اسی طرح ذمی مقتول کا بھی قصاص لیا جائے گا۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ. (المائدہ:۴۵) اور ہم نے تورات میں یہ فرض کر دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے۔

اس آیت میں بھی مطلقاً جان کا بدلہ جان ہے' خواہ وہ مسلمان کی جان ہو یا ذمی کی جان ہو۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا. (بنی اسرائیل:۳۳) اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کر دیا جائے' ہم نے اس کے ولی کو (قصاص لینے کی) قوت عطا فرمائی ہے۔

اس آیت میں بھی ظلماً قتل ہونے والا عام ہے' خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو اور جو شخص ان آیتوں میں مسلمان کی قید لگائے گا' اس پر لازم ہے کہ وہ ان آیات کی مساوی قوت کے ساتھ تقیید پر دلیل پیش کرے یعنی وہ قید قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہو۔
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ. (البقرہ:۱۷۹) تمہارے لیے قصاص (قتل کا بدلہ لینے) میں حیات ہے۔

اس آیت میں مسلمان کے قتل کا بدلہ لینے کی بہ نسبت ذمی کے قتل کا بدلہ لینا زیادہ واضح ہے' کیونکہ غضب کے وقت دینی عداوت قتل کرنے پر زیادہ اُبھارتی ہے تو اس کو رد کرنا زیادہ ضروری ہے اور اس سے حیات کا معنی زیادہ واضح ہوتا ہے۔
(بدائع الصنائع ج ۱۰ ص ۲۵۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے ثبوت میں احادیث اور آثار

عبدالرحمان بن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ذمی کو قتل کر دیا' رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں اپنے عہد کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں' پھر آپ کے حکم سے اس شخص کو قتل کر دیا گیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۸۸۳ طبع جدید' الام للشافعی: ۳۴۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۰' شرح السنہ ج ۱۰ ص ۱۷۵' معرفۃ السنن والآثار: ۴۸۱۴)
عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح الحضرمی بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے ایک کافر کے بدلہ میں ایک

مسلمان کو قتل کر دیا' اس کافر کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا' آپ نے فرمایا: میں اپنے عہد کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔ (الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ ص ۱۹۳۔ ۱۹۲' نصب الرایہ ج ۵ ص ۸۹ طبع جدید)

بکر بن وائل کے ایک شخص نے اہل حیرہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اولیاء مقتول کی طرف لکھا' اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس کو معاف کر دیں' پھر اس شخص کو ولی مقتول کے حوالہ کیا گیا' جس کا نام حنین تھا' اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا' اس کے بعد حضرت عمر کا خط ملا' اس کو قتل نہ کرو' حضرت عمر کا ارادہ یہ تھا کہ اس کو دیت سے راضی کر دو۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۴۸۱۵' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۲' کتاب الآثار لامام محمد ص ۱۲۸' مصنف عبدالرزاق: ۱۸۸۴۱۔ ۱۸۸۳۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۳۔ ۲۹۱)

زہری بیان کرتے ہیں کہ ابن شاس جذامی نے شام کے انباط سے ایک شخص کو قتل کر دیا' حضرت عثمان کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا' پھر حضرت زبیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصحاب نے منع کیا تو حضرت عثمان نے اس پر ایک ہزار دینار دیت لازم کر دی۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۴۸۱۶' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۳)

ابی الجنوب الاسدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس ایک مسلمان شخص کو لایا گیا' جس نے ایک ذمی شخص کو قتل کر دیا تھا' اس کے خلاف گواہ قائم ہو گئے تو حضرت علی نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا' پھر مقتول کے بھائی نے آ کر کہا: میں نے اس مسلمان کو معاف کر دیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید ان مسلمانوں نے تم کو ڈرایا دھمکایا ہو گا' اس نے کہا: نہیں' لیکن اس کو قتل کرنے سے میرا بھائی تو واپس نہیں آئے گا' اور انہوں نے مجھے اس کا معاوضہ دے دیا ہے' سو میں راضی ہو گیا ہوں۔

(معرفۃ السنن والآثار: ۴۸۱۷' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۴)

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان سے ایک ذمی کا قصاص لیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۲۔ ۲۹۱' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: جو شخص کسی یہودی یا نصرانی کو قتل کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۹۰)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۲۲۳۔ ج ۳ ص ۲۰۷ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۱۲- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ' عَنْ يَحْيٰى ' عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ ' عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلًا مِّنْ بَنِىْ لَيْثٍ. عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ. بِقَتِيْلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوْهُ 'فَاُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ' فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ' اَوِ الْفِيْلَ. شَكَّ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ. وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ' اَلَا وَاِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِىْ' وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ بَعْدِىْ' اَلَا وَاِنَّهَا حَلَّتْ لِىْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم الفضل بن دکین نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ فتح مکہ کے سال خزاعہ نے اپنے ایک مقتول کے بدلہ میں جس کو بنولیث نے قتل کیا تھا' ان کے ایک شخص کو قتل کر دیا' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی' آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے' پھر آپ نے خطبہ دیا' آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے مکہ سے قتل کو' یا فرمایا: ''فیل'' (ہاتھی) کو روک دیا ہے' اس میں ابوعبداللہ (امام بخاری) کو شک ہے اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو مسلط کر دیا ہے' سنو! بے شک مکہ

سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، اَلَا وَاِنَّهَا سَاعَتِیْ هٰذِهٖ حَرَامٌ لَا يُخْتَلٰی شَوْكُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَمَنْ قُتِلَ لَهٗ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِمَّا اَنْ يُّعْقَلَ، وَاِمَّا اَنْ يُّقَادَ اَهْلُ الْقَتِيْلِ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ، فَقَالَ اُكْتُبْ لِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اُكْتُبُوْا لِاَبِیْ فُلَانٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ اِلَّا الْاِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَاِنَّا نَجْعَلُهٗ فِیْ بُيُوْتِنَا وَ قُبُوْرِنَا، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاِذْخِرَ اِلَّا الْاِذْخِرَ.

(میں قتل کرنا) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا' سنو! بے شک یہ میرے لیے دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا تھا اور بے شک وہ اس ساعت میں حرام ہے' اس کے کانٹے کاٹے جائیں گے' نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے اور نہ اس کی گری ہوئی کوئی چیز اٹھائی جائے گی' اعلان کرنے والے کے سوا اور کسی کے لیے اٹھانا جائز نہیں ہے' پس جس شخص کا کوئی مقتول قتل کیا گیا ہے' اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے' یا تو اس کو دیت دی جائے یا مقتول کے اہل قصاص لے لیں' پھر اہل یمن سے ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے لیے لکھ دیں' آپ نے فرمایا: یہ ابوفلاں کے لیے لکھ دو' پھر قریش کے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! ماسوا اذخر کے' کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں اور اپنی قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا اذخر کے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يُقَالُ يُقَادُ بِالْقَافِ، فَقِيْلَ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَیُّ شَیْءٍ كَتَبَ لَهٗ؟ قَالَ كَتَبَ لَهٗ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ. [اطراف الحدیث: ۲۴۳۴-۶۸۸۰]

امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: ''یقاد'' قاف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' پھر ابوعبداللہ سے پوچھا گیا: کیا چیز لکھی گئی تھی؟ انہوں نے کہا: یہ خطبہ لکھا گیا تھا۔

(صحیح مسلم: ۱۳۵۵' سنن ابوداؤد: ۲۰۱۷' سنن ترمذی: ۱۴۰۵' سنن نسائی: ۴۷۹۹' سنن ابن ماجہ: ۲۶۲۴' مسند ابوعوانہ ج ۴ ص ۴۴-۴۳' صحیح ابن حبان: ۳۷۱۵' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۹۷-۹۶' سنن بیہقی ج ۸ ص ۵۳' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۵۵' سنن دارمی: ۲۶۰۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۲۴۲-ج ۱۲ ص ۱۸۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

عنوان باب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے' اس (خطبہ) کو ابوفلاں کے لیے لکھ دو۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابونعیم الفضل بن دکین' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) شیبان بن عبد الرحمان ابومعاویہ النحوی' انہوں نے الحسن البصری سے سماع کیا ہے' اور ان سے ابن مہدی وغیرہ نے سماع کیا ہے' ان سے امام ابوحنیفہ نے بھی روایت کی ہے' یہ ۱۶۴ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے تھے (۳) یحییٰ بن ابی کثیر صالح بن المتوکل' انہوں نے حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مرسلاً روایت کی ہے اور ابن ابی سلمہ وغیرہ سے روایت کی ہے' ایوب نے کہا: روئے زمین پر ان کی کوئی مثل نہیں ہے' یہ ۱۲۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الرحمان بن عوف' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) حضرت ابوہریرہ عبد الرحمان بن صخر' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۴۶-۲۴۵)

''بنو خزاعة' بنولیث' راحلة' یختلی'' ''یعضد'' اور ''منشد'' وغیرہ کے معانی

اس حدیث میں ''خزاعة'' اور ''بنولیث'' کے الفاظ ہیں' ''خزاعة'' ازد کا قبیلہ ہے' ان کو خزاعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ازد

مکہ سے نکلے اور مختلف شہروں میں پھیل گئے' تو خزاعہ ان سے پیچھے رہ گئے اور وہیں مکہ میں رہ گئے اور خزاعہ کا معنی پیچھے رہنا ہے' اور بنو لیث بھی قبیلہ ہے۔

اور اس میں ''راحلة'' کا لفظ ہے' ''راحلة'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر سفر کیا جا سکے اور ''راحله'' مطلقاً سواری کو بھی کہتے ہیں' خواہ اونٹ ہو یا اونٹنی۔

اس حدیث میں ''لا یختلی'' اور ''لا یعضد'' کے الفاظ ہیں' ان کے معنی ہیں: نہ کاٹے جائیں۔

اس میں ''منشد'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مُعرِّف' اعلان کرنے والا یعنی جو حکومت کی طرف سے اعلان کرنے کے لیے مقرر ہو۔

اس میں ''اما ان یعقل'' کے الفاظ ہیں' یہ عقل سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے: دیت اور ''اما ان یقاد'' کے الفاظ ہیں' یہ ''قود'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: قصاص'

اور اس میں ''الاذخر'' کا لفظ ہے' یہ ایک خوشبودار گھاس ہے' اس کا واحد ''اذخرة'' ہے۔

احادیث اور علم کی باتوں کو لکھنے کی تحقیق

اس حدیث کے بعض مسائل اور فوائد صحیح البخاری: ۱۰۴ میں گزر چکے ہیں اور باقی پر ہم یہاں گفتگو کر رہے ہیں:

اس حدیث میں علم کی باتوں کے لکھنے کا جواز ہے' کیونکہ اہل یمن کے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ (خطبہ) میرے لیے لکھ دیں تو آپ نے فرمایا: اس کو ابو فلاں کے لیے لکھ دو' بعض علماء نے لکھنے کو مکروہ کہا ہے' کیونکہ لکھنے سے حفظ کرنے کی عادت نہیں رہتی' اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے' نیز سب سے بڑی حجت اور دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کو لکھا گیا ہے' جو تمام علوم کی اصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی نازل ہونے کے بعد اس کو خود لکھواتے تھے' شعبی نے کہا: جب تم کوئی علم کی بات سنو تو اس کو لکھ لیا کرو' خواہ تم کو دیوار پر لکھنا پڑے' میں کہتا ہوں کہ اختلاف کا محل مصحف کے ماسوا میں ہے' سو مصحف کے لکھنے سے ان کے خلاف دلیل قائم نہیں ہوگی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ متقدمین صحابہ اور تابعین مصحف میں علم کی باتوں کے لکھنے کو ناپسند کرتے تھے' اسی طرح تدوین سنت کے لیے احادیث کو لکھنے کے بھی خلاف تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۵۱)

احادیث اور علم کی باتوں کو لکھنے کی ممانعت میں احادیث اور آثار

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی احادیث لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت نہیں دی۔ (سنن دارمی: ۴۵۵' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے علاوہ مجھ سے اور کوئی چیز نہ لکھو' سو جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کوئی اور چیز لکھی ہو تو وہ اس کو مٹا دے۔ (سنن دارمی: ۴۵۴' صحیح مسلم: ۳۰۰۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱)

ابراہیم کاپیوں میں حدیث لکھنے کو مکروہ کہتے تھے' وہ کہتے تھے: ان کو مصحف کے مشابہ کیا جا رہا ہے۔

(سنن دارمی: ۴۶۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۸)

ابراہیم تیمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ لوگوں کے پاس کچھ لکھی ہوئی چیزیں ہیں' جن سے وہ خوش ہوتے ہیں' حضرت ابن مسعود ان کو ملامت کرتے رہے' پھر ان کے پاس جا کر ان کو مٹا دیا' پھر کہا: تم سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہو گئے' وہ اپنے علماء کی کتابوں کو ترجیح دیتے تھے اور انہوں نے اپنے رب کی کتاب کو چھوڑ دیا تھا۔

(سنن دارمی: ۴۷۱ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۷)

ابونضرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری سے کہا: آپ ہمیں کچھ لکھواتے نہیں کیونکہ ہم یادنہیں رکھ سکتے' انہوں نے کہا: ہم تم کو ہرگز نہیں لکھوائیں گے اور ہم اس لکھے ہوئے کوقرآن نہیں بنائیں گے' لیکن تم ہم سے سن کر یادرکھو جیسے ہم رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد رکھتے تھے۔ (سنن دارمی: ۴۷۵)

ابتداء میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن اور حدیث کے خلط ملط ہونے کے اندیشہ سے احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا تھا' لیکن جب قرآن مجید کے بہت زیادہ یاد کر لینے کی وجہ سے یہ خطرہ نہیں رہا تو پھر آپ نے احادیث کو لکھنے کی اجازت دے دی' جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ لکھنے سے ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ پھر لوگ لکھنے پر اعتماد کر لیں گے اور یاد کرنا چھوڑ دیں گے۔

احادیث اور علم کو لکھنے کے جواز کے ثبوت میں احادیث اور آثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جاننے والا اور کوئی نہ تھا' ماسوا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے' کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور دل سے یاد رکھتے تھے اور میں دل سے یاد رکھتا تھا اور ہاتھ سے لکھتا نہ تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۹۲۳۱۔ ج ۱۵ ص ۱۲۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

شعیب الارنؤط نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے' اس کی سند حسن ہے' محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب صدوق ہیں اور اس سند کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ درج ذیل کتب میں ہے' جس میں مذکور ہے:

مجھ سے زیادہ کسی کے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث نہیں تھیں' سوا حضرت عبداللہ بن عمرو کے' وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۱۳' سنن ترمذی: ۲۶۶۸۔ ۳۸۴۱' سنن دارمی: ۴۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۵۳' صحیح ابن حبان: ۷۱۵۲' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۴۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۳۸۹۔ ج ۱۲ ص ۳۵۱)

درج ذیل حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو حدیث لکھنے کی اجازت دی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں ہر اس حدیث کو لکھ لیتا تھا' جس کو میں رسول اللہ ﷺ سے سنتا تھا' میرا ارادہ اس کو محفوظ کرنے کا تھا' پھر مجھے قریش نے منع کیا' انہوں نے کہا: تم ہر وہ چیز جس کو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو اس کو لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ ﷺ بشر ہیں' کبھی غضب سے بات کرتے ہیں اور کبھی خوشی سے' پھر میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم لکھا کرو' پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! مجھ سے حق کے سوا کوئی چیز نہیں نکلتی۔

شعیب الارنؤط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

(سنن ابوداؤد: ۳۶۴۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۰۔ ۴۹' جامع بیان العلم ص ۹۰۔ ۸۹' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۶۔ ۱۰۵' سنن دارمی: ۴۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۶۵۱۰۔ ج ۱۱ ص ۵۸۔ ۵۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

رسول اللہ ﷺ نے صدقات' دیات' فرائض اور سنن کے متعلق عمرو بن حزم وغیرہ کے لیے مکتوب لکھا۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۵۹' مراسیل ابوداؤد: ۹۴۔ ۹۳۔ ۹۲' مصنف عبد الرزاق: ۱۳۲۲۰' صحیح ابن حبان: ۶۵۹۳' سنن بیہقی ج ۴ ص ۹۰۔ ۸۹' المستدرک ج ۱ ص ۳۹۶۔ ۳۹۵)

محمد بن علی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے میان میں ایک صحیفہ تھا' جس میں لکھا ہوا تھا: جس شخص نے اپنے باپ کو گالی دی' وہ ملعون ہے' جس نے اپنی ماں کو گالی دی' وہ ملعون ہے' جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا' وہ ملعون ہے۔

(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۳۰۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم کو لکھنے کے ساتھ مقید کرو۔

(الناسخ والمنسوخ: ۶۲۴' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم کو لکھنے کے ساتھ مقید کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۹' سنن دارمی: ۴۹۵' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۶)

بشیر بن نہیک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سن کر لکھتا تھا اور جب اُن سے جدا ہونے کا ارادہ کرتا تو ان کے پاس اپنی لکھی ہوئی احادیث لاتا اور بتاتا کہ یہ وہ احادیث ہیں' جو میں نے آپ سے سنی ہیں' حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں: ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۰' سنن دارمی: ۴۹۸)

ابو الملیح نے کہا: تم ہمارے لکھنے کی مذمت کرتے ہو حالانکہ قرآن مجید میں ہے: '' عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ''. (طٰہٰ: ۵۲) اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے یعنی لکھا ہوا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۱' سنن دارمی: ۴۹۳)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں سے کہتے تھے: اے بیٹو! علم کو لکھ کر مقید کرلو۔

(المعجم الکبیر: ۲۴۶' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۶' سنن دارمی: ۴۹۵)

عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن محمد بن حزم کو لکھا: تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو احادیث ثابت ہیں' وہ مجھے لکھ بھیجو کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ علم چلا جائے گا اور مٹ جائے گا۔ (سنن دارمی: ۴۹۱)

عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اہل مدینہ کی طرف لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو تلاش کر کے لکھو' کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ علم مٹ جائے گا اور علماء دنیا سے چلے جائیں گے۔ (سنن دارمی: ۴۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس علم کو لکھ کر مقید کرلو۔ (سنن دارمی: ۵۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عباس نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! ماسوا اذخر کے کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں اور اپنی قبروں میں رکھتے ہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماسوا اذخر کے۔

اس کی شرح میں علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث اور اس کی مشابہ دیگر احادیث سے علماء اصول نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن مسائل میں قرآن مجید کا صریح حکم نہیں ہوتا تھا' ان میں آپ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے تھے' اور یہی ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہے اور بعض نے منع کیا ہے' امام شافعی' امام احمد اور امام ابویوسف آپ کے اجتہاد کے قائل ہیں اور آمدی کا بھی یہی مختار ہے' امام غزالی نے کہا: آپ کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور اس کے وقوع میں توقف کیا ہے' اکثر محققین نے تمام اُمور میں توقف کیا ہے اور بعض علماء نے صرف جنگ کے اُمور میں اجتہاد کو جائز کہا ہے۔

جن علماء نے کہا ہے کہ آپ نے اجتہاد کیا ہے' ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا' سو حج

کرو! ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہر سال حج کریں؟ آپ خاموش رہے' حتیٰ کہ اس نے تین بار یہ سوال کیا' پھر آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر (ہر سال حج کرنا) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے' میں تم کو جس کام میں چھوڑ دوں' اس میں تم مجھ کو چھوڑ دو' تم سے پہلی امتیں زیادہ سوال کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں' پس جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو تم اس کو اپنی طاقت کے مطابق ادا کرو اور جب میں تم کو کسی کام سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم: ۷۔۱۳۳۳' سنن نسائی: ۲۶۱۹)

اور ان کا استدلال ان آیات سے بھی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. (آل عمران: ۱۵۹)

اور ان سے کام کا مشورہ کیا کریں' پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر توکل کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ. (آل عمران: ۱۶۱)

نبی کے لیے خیانت کرنا ممکن نہیں ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (الانفال: ۶۸۔۶۷)

نبی کے لیے (کافروں کو) قیدی بنانا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ زمین میں (ان کا) خون بہادیا جائے' تم لوگ متاعِ دنیا کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ اور اگر اللہ کے پاس پہلے سے یہ لکھا ہوا نہ ہوتا (کہ اجتہادی خطاء پر گرفت نہیں ہوتی) تو تم نے جو (فدیہ) لیا تھا تو اس پر تمہیں سخت عذاب پہنچتا ○

اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں سے اللہ کے حکم سے فدیہ لیا ہوتا تو یہ عتاب نہ کیا جاتا۔

جو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کو جائز نہیں قرار دیتے' انہوں نے ان تمام دلائل کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کاموں سے پہلے اللہ کا حکم مقارن ہو' یا ان کاموں سے پہلے آپ پر وحی کی گئی ہو کہ اس صورت میں آپ اس طرح کر لیں' مثلاً جب آپ نے اذخر کا استثناء نہیں کیا تھا اور حضرت عباس نے آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ اذخر کا استثناء کر لیں' اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے ہوں اور آپ کو استثناء کرنے کا اشارہ کیا ہو' لہٰذا آپ کا استثناء کرنا وحی سے ہوگا نہ کہ اجتہاد سے اور "**وشاورهم فی الامر**" کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ جنگ کے معاملات کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۵۲)

* نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق ہم نے تفسیر تبیان القرآن' سورۃ الانعام: ۵۰ کی تفسیر میں بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے' اس بحث کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

① کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعِ وحی کرنا اجتہاد کے منافی ہے ② نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر دلائل ③ صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل ④ آپ کا اتباعِ وحی کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے ⑤ اجتہاد کی تعریف ⑥ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب ⑦ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں توقف کے قائلین ⑧ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء ⑨ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث۔ (تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۳۔۴۷۶' فرید بک سٹال' لاہور)

* نیز الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں بھی ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۹)

* التوبہ: ۴۳ میں بھی ہم نے آپ کے اجتہاد پر بحث کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۱۴۸۔۱۴۶)

* النجم: ۴ میں بھی ہم نے آپ کے اجتہاد پر مفصل بحث کی ہے' اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

① رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد کی تحقیق ② رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد میں مذاہب فقہاء ③ رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد میں فقہاء احناف کا نظریہ ④ رسول اللہ ﷺ کی خطاء اجتہادی میں مصنف کی تحقیق ⑤ نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث۔ (تبیان القرآن ج ۱۱ص ۴۸۷۔۴۸۵)

* شرح صحیح مسلم: ۵۸۔ ج ۱ص ۴۱۰ اور نمبر: ۲۷۵۶۔ ج ۳ص ۳۲۸۔۳۱۸ میں بھی اجتہاد کی بحث لائق مطالعہ ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۲۰۱۔ ج ۳ص ۷۰۶ پر ہے اس کی شرح کے عنوانات ہیں:

① مکہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا بعثت ابراہیم کے بعد ② حرم میں حدود جاری کرنے کے مذاہب ③ مکہ بذریعہ جنگ فتح ہونے پر دلائل ④ احادیث لکھنے پر دلیل۔

۱۱۳- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ اَخْبَرَنِيْ وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ، عَنْ اَخِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّيْ، اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَاِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے وہب بن منبہ نے خبر دی از برادر خود انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد نہیں تھیں سوا حضرت عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ.

وہب بن منبہ کی معمر نے متابعت کی ہے از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(سنن ترمذی: ۲۶۶۸۔۳۸۴۱ سنن دارمی: ۴۸۳ السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۵۳ صحیح ابن حبان: ۷۱۵۲ مصنف عبدالرزاق: ۲۰۴۸۹ مسند احمد ج ۲ص ۲۴۹ طبع قدیم مسند احمد: ۷۳۸۹۔ ج ۱۲ص ۳۵۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں لکھنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) علی بن عبداللہ المدینی الامام (۲) سفیان بن عیینہ ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عمرو بن دینار ابومحمد المکی یہ ائمہ مجتہدین میں سے ایک ہیں یہ ۱۲۶ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) وہب بن منبہ ابن کامل بن سیج انہوں نے حضرت جابر حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے سماع کیا ہے ابوزرعہ اور امام نسائی نے کہا: یہ ثقہ ہیں الفلاس نے کہا: ضعیف ہیں یہ گزشتہ کتابوں کی معرفت میں مشہور ہیں انہوں نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ۹۲ کتابیں پڑھیں ہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کسریٰ نے یمن بھیجا تھا ان کی اصل ہرات سے ہے ۱۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے امام ابن ماجہ کے علاوہ باقی صحاح ستہ نے ان سے روایت کی ہے (۵) وہب کے بھائی ہمام بن منبہ ہیں یہ وہب سے عمر میں بڑے تھے یہ چار بھائی تھے اور وہب سب سے آخر میں فوت ہوئے یہ ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے تھے ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں (۶) معمر کا تعارف پہلے ہو چکا ہے (۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ص ۲۵۳)

اس حدیث میں بھی لکھنے کا ثبوت ہے اس کی تفصیل اور تحقیق حدیث: ۱۱۲ میں گزر چکی ہے۔

١١٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قَالَ ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ، وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا. فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ قَالَ قُومُوا عَنِّي، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ. [اطراف الحدیث: ۳۰۵۳-۳۱۶۸-۴۴۳۱-۴۴۳۲-۵۶۶۹-۷۳۶۶]

(صحیح مسلم: ۷ ۱۶۳ الرقم المسلسل: ۴۱۵۶-۴۱۵۵-۴۱۵۴ السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۵۲-۵۸۵۴-۵۸۵۳ مسند احمد ج ا ص ۳۲۵ طبع قدیم مسند احمد: ۲۹۹۰- ج ۵ ص ۱۳۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبداللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بہت زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس کتاب (کاغذ) لاؤ میں تمہارے لیے ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس کتاب اللہ ہے جو ہمیں کافی ہے پھر صحابہ میں اختلاف ہوا اور کافی شور ہو گیا آپ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ میرے پاس اختلاف نہیں کرنا چاہیے پھر حضرت ابن عباس یہ کہتے ہوئے باہر آئے: بے شک سب سے بڑی مصیبت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لکھنے کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں لکھنے کا ذکر ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''اللغط'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: بلند آوازیں شور۔ لیث نے کہا: اس کا معنی ہے: مبہم آوازیں جن کا کوئی مطلب سمجھ میں نہ آئے ''الرزیۃ'' کا معنی ہے: مصیبت۔

اس حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بہت زیادہ ہو گیا اس درد سے مراد ہے: مرض الموت صحیح بخاری میں سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ یہ آپ کی وفات سے چار روز پہلے جمعرات کا دن تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۰۵۳-۳۱۶۸)

علامہ ابن بطال مالکی کی حضرت عمر کی طرف سے توجیہات

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس کاغذ قلم لاؤ میں تمہارے لیے ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم گم راہ نہیں ہو گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔

حضرت عمر کے اس قول سے حضرت عمر کی دین میں فقہ معلوم ہوتی ہے اور ان کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امور لکھ دیں گے جن پر عمل کرنے سے وہ عاجز ہوں گے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے پھر عذاب کے مستحق ہوں گے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ. (الانعام: ۳۸)
ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ. (المائدہ: ۳)
آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔

حضرت عمر نے جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا' جب تک آپ کے دین کو کامل نہیں کر دے گا اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اس نے اپنی کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اور دین کو کامل کر دیا ہے تو حضرت عمر نے ان آیتوں پر قناعت کر لی اور چونکہ نبی ﷺ کا مرض شدید تھا اور آپ پر درد کا غلبہ تھا' اس لیے انہوں نے آپ کو زحمت اور مشقت میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھا' پس حضرت عمر' حضرت ابن عباس سے زیادہ فقیہ تھے' کیونکہ انہوں نے اس کو کافی سمجھا کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور حضرت ابن عباس نے دین کے کامل ہونے کو کافی نہیں سمجھا' اس لیے انہوں نے کہا کہ سب سے بڑی مصیبت وہ تھی' جو آپ کے لکھنے کے درمیان حائل ہو گئی۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۹۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال مالکی کی توجیہات پر مصنف کا تبصرہ

علامہ بن بطال کی لکھی ہوئی آخری توجیہ صحیح ہے اور ان کی پہلی توجیہ صحیح نہیں ہے' جس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ نبی ﷺ ایسے امور لکھ دیں گے' جن پر عمل کرنے سے وہ عاجز ہوں گے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے پھر عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت عمر' رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ گمان کیسے کر سکتے تھے' جب کہ ان کو معلوم تھا کہ نبی ﷺ اپنی امت پر آسانی چاہتے ہیں اور امت کا مشقت میں پڑنا آپ کو ناگوار ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ: ۱۲۸)

تمہارے پاس تمہاری جنس سے ایسے عظیم رسول آ چکے ہیں جن کو تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں گزرتا ہے اور جو تمہاری آسانی پر حریص ہیں اور مؤمنوں پر بہت شفیق اور مہربان ہیں○

اسی طرح احادیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی امت کا مشکل کاموں میں پڑنا دشوار تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز میں مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (صحیح البخاری: ۸۸۷' صحیح مسلم: ۲۵۲' سنن ابن ماجہ: ۲۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں کسی لشکر کے پیچھے نہ بیٹھتا۔ (صحیح البخاری: ۳۶' صحیح مسلم: ۱۸۷۶' سنن نسائی: ۵۰۲۹' سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات تک یا آدھی رات تک مؤخر کریں۔ (سنن ترمذی: ۱۶۷' سنن ابن ماجہ: ۶۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کو نکلے اور آپ نے مسجد میں نماز پڑھی' صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی' صحابہ نے دوسروں سے یہ واقعہ بیان کیا تو اگلی رات بہت صحابہ جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی' پھر انہوں نے صبح کو یہ بیان کیا تو تیسری رات بہت زیادہ اصحاب جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور چوتھی رات اتنے اصحاب جمع ہو گئے کہ مسجد میں سا نہیں سکتے تھے' اس رات آپ نماز پڑھنے نہیں آئے' نماز فجر کے بعد آپ نے فرمایا: نماز کے لیے تمہارا شوق مجھ سے مخفی نہ تھا' لیکن مجھے یہ خطرہ ہوا کہ یہ نماز (تراویح) تم پر فرض کر دی جائے گی' پھر تم اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ گے' رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور تراویح کا معاملہ اسی طرح رہا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۱۲' مسلم: ۷۶۱' سنن ابوداؤد: ۱۳۷۳' سنن نسائی: ۱۶۰۴' سنن ابن ماجہ: ۱۳۲۷)

اسی طرح اور بہت احادیث ہیں' جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ امت کے لیے آسانی چاہتے تھے اور امت پر مشقت والی عبادات کو ناپسند کرتے تھے' پھر حضرت عمر رضی اللہ کو کیسے یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ نبی ﷺ امت کے لیے ایسے پُر مشقت کام لکھ دیں گے' جن کے ادا کرنے سے وہ عاجز ہوں گے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی کی حضرت عمر کی طرف سے توجیہات

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی ﷺ کیا لکھ کر دینا چاہتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ آپ یہ تصریح کرنا چاہتے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا' اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ان کو ایسے احکام لکھ کر دینا چاہتے تھے' جن کی وجہ سے کوئی اختلاف نہ رہتا' لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

حضرت عمر نے کہا: ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں کافی ہے۔ علامہ خطابی نے اس کی وضاحت میں کہا: حضرت عمر نے یہ اس لیے کہا تھا کہ اگر آپ نے کسی ایسی چیز کی تصریح کر دی' جس سے اختلاف زائل ہو جائے تو پھر علماء کی فضیلت نہیں رہے گی اور اجتہاد نہیں ہو سکے گا۔ علامہ خطابی کی یہ وضاحت دو وجوں سے غلط ہے: (۱) ایک تو اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عمر کی رائے رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بہتر تھی اور ایسا کہنا بداہۃً باطل ہے (۲) دوسرا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اگر کسی ایک چیز یا چند چیزوں کا تعین کر دیتے تو اس سے اجتہاد باطل نہیں ہوتا کیونکہ حوادث اتنے زیادہ ہیں ان کا حصر نہیں کیا جا سکتا' بلکہ حضرت عمر رضی اللہ کو یہ خطرہ تھا کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہے' کہیں آپ اس حالت میں کوئی ایسی بات نہ لکھوا دیں' جو عقل کے خلاف ہو اور اگر صحابہ کو یہ یقین ہوتا کہ آپ کو افاقہ ہے تو وہ سب آپ کے حکم کی تعمیل میں سبقت کرتے' اس پر قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے:

''اتراہ یھجر'' کیا تمہارے خیال میں آپ بے ربط باتیں کر رہے ہیں؟ یعنی جس طرح مریض غلبۂ مرض کی وجہ سے بے تکی اور اول فول باتیں کرتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے' یعنی آپ کا کلام بے ربط اور بے معنی نہیں ہے۔

(کشف المشکل ج ۱ ص ۱۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی کی توجیہات پر مصنف کا تبصرہ

علامہ ابن جوزی نے جو حضرت عمر کی طرف سے یہ توجیہ کی ہے کہ حضرت عمر کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں آپ بیماری کے حال میں ایسی بات نہ لکھ دیں' جو خلاف عقل ہو' یہ توجیہ علامہ خطابی کی توجیہ سے بھی زیادہ بعید ہے' حضرت عمر نے جو کہا تھا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے' انہوں نے اس قول سے نبی ﷺ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ آپ بیماری کے حال میں کوئی خلاف عقل یا غلط بات لکھ دیں گے' بلکہ وہ آپ کو اس تکلیف میں لکھنے کی مشقت سے بچانا چاہتے تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ آپ کا یہ حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ بہ طور استحباب ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے کاغذ قلم منگوانے پر اصرار نہیں کیا اور اس کے بعد آپ چار دن تک ظاہراً حیات رہے مگر آپ نے دوبارہ کاغذ اور قلم لانے کا حکم نہیں دیا' اور چونکہ آپ نے حضرت عمر کے قول کا رد نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حضرت عمر کا قول صحیح تھا۔

''اَھَجَر'' کی تحقیق

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ بعض روایات میں ''اَھَجَر'' کے الفاظ ہیں' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس نے کہا کہ جمعرات کا دن اور کیسا (اندوہ ناک) تھا جمعرات کے دن! رسول اللہ ﷺ کا درد بہت سخت ہو

گیا' آپ نے فرمایا: مجھے (کاغذ' قلم)لا کر دو' میں تمہیں ایسا مکتوب لکھ دوں' جس کے بعد تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے' پھر صحابہ میں اختلاف ہو گیا اور نبی کے پاس اختلاف نہیں کرنا چاہیے' صحابہ نے کہا: آپ کا کیا حال ہے؟ ''اَھَجَر'' کیا آپ بے ربط باتیں کر رہے ہیں' آپ سے پوچھ لو' پھر صحابہ آپ کی طرف لوٹنے لگے' آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو! میں جس حال میں ہوں' وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو! اور آپ نے ان کو تین چیزوں کی وصیت کی: (۱) مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (۲) جو وفد تمہارے پاس آئے' اس کو اسی طرح انعام دو' جس طرح میں ان کو انعام دیتا تھا' راوی نے کہا: تیسری وصیت کو میں بھول گیا۔

(صحیح البخاری: ۴۴۳۱' صحیح مسلم: ۱۶۳۷)

یہ لفظ اگر ''ھَجَر'' ہو تو اس کا معنی ھذیان ہے اور اگر ''ھِجر'' ہو تو اس کا معنی ہجرت کرنا اور جدا ہونا ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۹۷)

اس حدیث میں ''ھَجَر'' نہیں ہو سکتا' ورنہ اس کا معنی ہوگا: کیا آپ ہذیان کہہ رہے ہیں اور بے تکی باتیں کر رہے ہیں' آپ سے پوچھ لو اور جو شخص ہذیان کر رہا ہو' اس سے یہ پوچھنے کا کوئی معقول معنی نہیں ہے کہ کیا تم ہذیان کر رہے ہو؟ اور بے تکی باتیں کر رہے ہو؟

''ھَجَر'' کا معنی ہذیان ہے' جب اس کے مصدر میں ہا پر زبر ہو یعنی بیماری میں انسان جو بے ربط' بے فائدہ اور مہمل باتیں کرتا ہے' اور اس کا وقوع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محال ہے' آپ سے صحت میں ہذیان ممکن ہے نہ مرض میں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ (النجم: ۳) آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ○

نیز آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس منہ سے حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔

(سنن ابو داؤد: ۳۶۴۶)

سو جس صحابی نے یہ کہا: اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو کاغذ قلم لا کر دو' آپ کوئی ہذیان تو نہیں کہہ رہے' آپ حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے۔

''ھَجر'' کا دوسرا معنی ہے: ہجرت کرنا' الوداع ہونا' جب اس کے مصدر میں ھا کے نیچے زیر ہو' یعنی کیا آپ زندگی سے الوداع ہو رہے ہیں اور آخری وقت میں وصیت کر رہے ہیں' آپ سے پوچھ لو اور اس حدیث کے آخر میں ہے: آپ نے تین وصیتیں فرمائیں' یہ اس معنی کی تائید کرتا ہے کہ ''ھجر'' کا معنی یہاں ہذیان نہیں ہے بلکہ ہجرت کرنا ہے' اور آپ نے جو وصیتیں فرمائیں' وہ بالکل صحیح اور معقول تھیں اور اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے' جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عمر کو یہ خطرہ تھا کہ آپ بیماری کے حال میں کوئی خلاف عقل بات کہہ دیں گے' حضرت عمر آپ کے متعلق ایسی بات کب سوچ سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس الزام کا جواب کہ آپ کے تمام اقوال وحی کے موافق نہ تھے

بعض مشائخ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اعتراض دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو غیر محفوظ قرار دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ غلط بات کہہ سکتے تھے' اس لیے حضرت عمر نے آپ کو کاغذ' قلم دینے سے منع کیا' انہوں نے کہا: آں حضرت کے تمام منطوقات اور معقولات یعنی اقوال وگفتار وحی کے مطابق نہ تھے' آیت کریمہ ''وما ینطق عن الھوی'' نص قرآنی سے مخصوص ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مفسرین میں سے محققین نے لکھا ہے کہ آپ کا ہر قول وحی کے موافق تھا' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ جس کو رسول بنانے کا ارادہ کرتا ہے' اس کو بچپن میں کفر سے اور بُرے کاموں مثلاً چوری' زنا اور جھوٹ سے محفوظ رکھتا ہے' پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ اپنے بچپن میں گم راہ نہیں ہوئے کیونکہ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے

تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۴ 'داراحیاء التراث العربی بیروت'۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سنت بھی عمل میں وحی مُنزّل کی طرح ہے اور اس تفسیر کے مقدمہ میں حضرت مقدام بن معدی کرب کی حدیث گزر چکی ہے والحمد للہ۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۷۹ 'دارالفکر بیروت'۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے حضرت مقدام بن معدی کرب کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت المقدام بن معدی کرب الکندی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھے اور کئی چیزوں کو حرام کر دیا' پھر فرمایا: عنقریب ایک شخص اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے میری حدیث بیان کر کے کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان صرف کتاب اللہ ہے' ہم اس میں جو حلال پائیں' وہ حلال ہے اور ہم جو اس میں حرام پائیں' وہ حرام ہے' سنو! جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام کیا ہے' وہ بھی اسی کی مثل حرام ہے' جس کو اللہ عزوجل نے حرام کیا ہے۔ (سنن داری: ۵۹۰ 'دارالمعرفہ بیروت'۱۴۲۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی کی اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک ''وما ینطق عن الھوی'' صرف قرآن مجید کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آپ کے تمام اقوال کو شامل ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ' اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ سے قرآن کا جو نطق صادر ہوتا ہے' یا آپ جو بھی نطق کرتے ہیں' وہ صرف اللہ کی' کی ہوئی وحی سے ہے' جو علماء آپ کے لیے اجتہاد کو جائز نہیں کہتے' انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ پر وحی کی گئی کہ آپ اجتہاد کریں تو جو حکم آپ کے اجتہاد سے حاصل ہو گا' وہ بھی وحی ہو گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ وہ حکم وحی سے حاصل ہو گا' وحی نہیں ہو گا۔

(تفسیر البیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ ج ۸ ص ۵ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت'۱۴۱۹ھ)

آپ کے ہر کلام کے برحق ہونے کے ثبوت میں احادیث

نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کا ہر کلام حق ہوتا تھا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس منہ سے حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۴۶ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۹ 'المستدرک ج ۱ ص ۱۰۵ 'سنن داری: ۴۸۹ 'مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا' آپ کے بعض اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہم سے مذاق (بھی تو) کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند محمد بن عجلان کی وجہ سے قوی ہے اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں' شیخین کے رجال ہیں۔)

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۰ طبع قدیم 'مسند احمد: ۸۴۸۱' ج ۱۴ ص ۱۸۵ 'سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۴۸ 'الادب المفرد للبخاری: ۲۶۵ 'المعجم الاوسط: ۹۱۹)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبریل امین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سنت بھی اس طرح نازل کرتے تھے' جس طرح قرآن نازل کرتے تھے۔ (سنن داری: ۵۹۲ 'دارالمعرفہ بیروت'۱۴۲۱ھ)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا: کتاب اللہ میں اس کے خلاف ہے' انہوں نے کہا: کیا میں نہیں دیکھ رہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر کتاب اللہ سے معارضہ کر رہے ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب اللہ کو تم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (سنن داری: ۵۹۴)

"عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ" سے معارضہ کا جواب

اسی طرح ان بعض مشائخ نے یہ معارضہ کیا ہے کہ اگر آں حضرت کے تمام اقوال وگفتار وحی کے موافق ہوتے تو حق تعالیٰ کی طرف سے بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ. (التوبۃ:۴۳) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے ان منافقین کو (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) اجازت کیوں دی۔

میں کہتا ہوں: اگر اللہ نے پہلے آپ کو منافقین کو اجازت دینے سے لازماً منع کیا ہوتا تو آپ کا ان کو اجازت دینا فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہوتا اور اگر ترجیحاً منع کیا ہوتا تو پھر آپ کا اجازت دینا' خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہوتا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو اس سے منع کیا ہی نہیں تو پھر آپ کا منافقین کو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دینا' کس قسم کا گناہ ہے نہ یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے' بلکہ آپ کے لیے ان کو اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعل مباح تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت کیوں دے دی' حالانکہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو یہ پھر بھی جہاد میں شامل ہونے والے نہ تھے' یعنی ان کے حق میں آپ کا اجازت دینا اور نہ دینا دونوں برابر تھے۔

(تبیان القرآن ج ۵ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷' التوبہ: ۴۳' فرید بک سٹال' لاہور' ۱۴۲۲ھ)

علاوہ ازیں میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ. (الاعراف:۲۰۳) آپ کہیے: میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں' جس کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ. (الانعام:۵۰' یونس:۱۵) میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں' جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

لہٰذا آپ کا منافقین کو اجازت دینا بھی وحی کی بنیاد پر تھا اور یہ وحی خفی تھی' قرآن مجید نے حصر کر دیا ہے کہ آپ کا ہر قول وحی کے موافق ہے اور آپ کا ہر فعل وحی کے موافق ہے' نمازوں میں جو آپ کو سہو ہوئے' وہ بھی وحی خفی کے موافق تھے' تاکہ امت کے لیے ان کے سہو میں اسوہ اور نمونہ ہو جائے اور آپ کو جو نسیان ہوا' وہ بھی وحی خفی کے موافق تھا' جیسا کہ حدیث میں ہے:

امام مالک نے فرمایا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ کوئی فعل سنت ہو جائے۔ (موطأ امام مالک' کتاب السہو' حدیث:۲' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے آپ کی خطا ثابت کرنا اور اس کا جواب

بدر کے قیدیوں سے آپ کا فدیہ لینا بھی اتباع وحی میں تھا اور فدیہ لینے میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب نہیں فرمایا' بلکہ ان بعض نو مسلم صحابہ پر عتاب فرمایا' جنہوں نے مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے کو ترجیح دی تھی' رہے آپ تو آپ نے فدیہ لینے کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ آپ کو علم تھا کہ ان قیدیوں میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے' سو آپ نے ان کے اسلام کی وجہ سے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کی رائے کو پسند کیا تھا۔

* بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی تحقیق الانفال: ۶۸۔ ۶۷ کی تفسیر میں تبیان القرآن ج ۴ ص ۶۹۷۔ ۶۹۲ میں مطالعہ فرمائیں۔

اس ضمنی بحث کے بعد ہم اب پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کر رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس وجہ سے کاغذ اور قلم

لانے سے منع کیا تھا۔

حافظ عسقلانی کی طرف سے حضرت عمر کی توجیہات اور اس کا بیان کہ رسول اللہ ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ آپ کے لیے از خود لکھنا یا لکھوانا' دشواری اور مشقت کا باعث ہوگا' لہٰذا آپ کو اس کی زحمت نہ دی جائے' علامہ قرطبی وغیرہ نے کہا ہے: آپ نے فرمایا: میرے پاس کاغذ اور قلم لاؤ' یہ آپ کا حکم تھا اور حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے' لیکن حضرت عمر کی دوسرے اصحاب کے ساتھ رائے یہ تھی کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے' بلکہ آپ نے زیادہ بہتر کام کی طرف متوجہ فرمایا ہے' لہٰذا ان اصحاب نے آپ کو اس حالت میں اس مشقت میں ڈالنے کو ناپسند کیا اور جب کہ ان کے ذہنوں میں قرآن مجید کی یہ آیات بھی تھیں:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ. (الانعام:۳۸) ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ. (النحل:۸۹) قرآن مجید ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے۔

اس لیے حضرت عمر نے کہا: ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔

صحابہ کی دوسری جماعت کی رائے یہ تھی کہ افضل یہ ہے کہ آپ کو لکھنے دیا جائے' کیونکہ اس طرح آپ کے حکم پر عمل ہوگا اور چونکہ آپ نے بعد میں سب کو وہاں سے اٹھنے کا حکم دیا' اس سے واضح ہو گیا کہ آپ کا پہلا حکم اختیاری تھا' واجبی نہ تھا' یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد آپ کئی روز تک زندہ رہے' لیکن آپ نے دوبارہ کاغذ اور قلم لانے کا حکم نہیں دیا' اگر آپ کا یہ حکم واجبی ہوتا تو صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے آپ اپنے حکم کو ترک نہ فرماتے' کیونکہ آپ نے کفار کی شدید مخالفت کے باوجود تبلیغ کو ترک نہیں فرمایا' اور صحابہ بعض کاموں میں آپ سے اختلاف کرتے تھے' لیکن جب آپ کسی کام کا عزم فرما لیتے تو پھر آپ کے حکم پر عمل کرتے تھے' ان شاء اللہ اس کو ہم بسط اور تفصیل سے ''کتاب الاعتصام'' میں لکھیں گے (حافظ ابن حجر ''کتاب الاعتصام'' میں تفصیل سے لکھنا بھول گئے' وہاں صرف دو سطریں لکھی ہیں' دیکھئے فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۴' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ) حضرت عمر کے اس قول کو ان کی موافقات میں سے شمار کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے' اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ ایسی تحریر لکھنا چاہتے تھے' جس میں احکام کی صاف تصریح کر دی جاتی اور اختلاف نہ رہتا' دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اپنے بعد ہونے والے خلفاء کے نام لکھنا چاہتے تھے تا کہ ان کے درمیان اختلاف نہ ہوتا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ جب اپنے مرض کی ابتداء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے تو آپ نے ان سے فرمایا' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے مرض میں مجھ سے فرمایا: میرے لیے ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ایک مکتوب لکھ دوں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ اور مؤمنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح البخاری:۷۲۱۷۔۵۶۶۶' صحیح مسلم:۲۳۸۷' طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۱۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی:۷۰۸۱' صحیح ابن حبان:۶۵۹۸' سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۵۳' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۴۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۸۵' المعجم الاوسط:۴۵۶۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴ طبع قدیم' مسند احمد:۲۵۱۱۳۔ ج ۴۲ ص ۵۰)

اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھا نہیں اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حضرت عمر نے کہا: ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور میرے پاس اختلاف کرنا نہیں چاہیے۔
آپ کے اس ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحابی کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ وہ آپ کے حکم پر عمل کرتے' اگرچہ حضرت عمر کی اختیار کی ہوئی تاویل صحیح تھی' کیونکہ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم پر عمل کرنے کے لیے نہیں فرمایا' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ صحابہ کے اس اختلاف کی نظیر یہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: تم میں سے کوئی شخص بنی قریظہ میں پہنچے بغیر نماز نہ پڑھے۔

(صحیح البخاری: ۹۴۶' صحیح مسلم: ۱۷۷۰)

بعض صحابہ نے کہا: اگر ہم نے بنو قریظہ میں پہنچ کر نماز پڑھی تو وقت نکل جائے گا اور آپ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ ضرور بنی قریظہ میں عصر پڑھنا' سوانہوں نے راستہ میں نماز پڑھ لی اور بعض نے اس حکم کے ظاہر پر عمل کیا اور بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی اور آپ نے کسی فریق کو ملامت نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۹ - ۲۵۸' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے حضرت عمر پر شیعہ علماء کے اعتراض کے جوابات اور دیگر مسائل

شیعہ علماء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ اور قلم لانے کے لیے کہا تو حضرت عمر نے یہ جواب دیا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے' ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی ایسا ہی اعتراض ہوتا ہے' حدیث میں ہے:
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا: تم دونوں نماز نہیں پڑھتے' میں نے کہا: یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں' پس جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں' جب ہم نے یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا' پھر میں نے سنا' آپ پیٹھ موڑ کر اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے جا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا. (الکہف: ۵۴) اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۷' صحیح مسلم: ۷۷۵' سنن نسائی: ۱۶۰۸-۱۶۰۷' مسند احمد ج ۱ ص ۹۱' مسند احمد: ۷۰۵- ج ۲ ص ۱۱۳)

اور اس کے علاوہ یہ حدیث ہے:
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو طبق (بڑی پلیٹ) لا کر دوں' آپ اس میں ایسی چیزیں لکھ دیں' جس کے بعد آپ کی امت گم راہ نہیں ہوگی' حضرت علی نے کہا: مجھے یہ خطرہ ہوا کہ شاید آپ کی روح قبض ہو جائے' میں نے کہا: میں یاد رکھوں گا اور محفوظ رکھوں گا (یعنی طبق لا کر نہیں دیا)' آپ نے فرمایا: میں نماز کی' زکوٰۃ کی اور تمہاری باندیوں کے معاملہ میں وصیت کرتا ہوں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۹۰' طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۴۳' الادب المفرد للبخاری: ۱۵۶)
پہلی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تہجد کے لیے اٹھانے گئے تو حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلٹ کر ایسا جواب دیا' جس سے آپ کو سخت افسوس ہوا اور دوسری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کے لیے طبق منگایا اور حضرت علی نے لا کر نہیں دیا اور کہا: میں یاد کر لوں گا' علماء شیعہ ان حدیثوں کا جواب دیں۔
حضرت عمر کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فیصلہ فرماتے اور صحابہ کو اس میں تردد ہوتا تو وہ آپ کے سامنے اپنی رائے اور اپنے اختلاف کو ظاہر کرتے اور جب وہ دیکھتے کہ اس فیصلہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جزم اور یقین ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شبہات کو دلائل سے رد فرما دیا ہے تو پھر وہ آپ کے فیصلہ کو تسلیم کر لیتے اور آپ کے حکم پر عمل کرتے' جیسے مشرکین کے ساتھ حدیبیہ میں

جن شرائط پر صلح ہوئی تھی' حضرت عمر اور دیگر صحابہ کو ان شرائط سے اختلاف تھا' لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شبہات کا جواب دے دیا تو وہ مطمئن ہو گئے اور صلح کی ان شرائط کو مان لیا' اسی طرح جب آپ نے عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا فیصلہ کیا تو حضرت عمر کو اس سے اختلاف تھا' لیکن جب آپ نے ان کے شبہات کا جواب دے دیا تو حضرت عمر نے آپ کے اس فیصلہ کو مان لیا' لیکن مرض الموت کے اس موقع پر جب آپ نے کاغذ اور قلم لانے کا حکم دیا اور اس پر حضرت عمر نے اپنا یہ شبہ پیش کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے' جو ہمیں کافی ہے تو آپ نے حضرت عمر کے اس قول کو رد نہیں فرمایا اور کاغذ اور قلم منگوانے پر اصرار نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور صائب تھا' ورنہ آپ کسی کے اختلاف کی وجہ سے حق بات کو کبھی بھی ترک نہیں فرماتے تھے۔

آپ نے جو کاغذ اور قلم لانے کا حکم دیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ ملک عوام کی مصلحت کی وجہ سے موت کے وقت ان کے لیے کوئی وصیت کر سکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق لکھوانا چاہتے ہوں' جیسا کہ صحیح مسلم: ۲۳۸۷ اور صحیح بخاری: ۵۶۶۶ میں ہے' لیکن آپ نے اس کو اس لیے ترک کر دیا کہ آپ مختلف قرائن سے اس امر کا اظہار کر چکے ہیں' مثلاً آپ نے نمازوں میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا اور کسی اور کو امام بنانے پر راضی نہیں ہوئے اور حضرت ابوبکر کی امارت میں مسلمانوں کو حج کے لیے بھیجا' سفر ہجرت میں اپنی رفاقت کے لیے حضرت ابوبکر کو منتخب کیا' سو آپ چاہتے تھے کہ مسلمان ان قرائن میں غور و فکر کر کے از خود اپنے اجتہاد اور اپنے انتخاب سے میرے بعد حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنائیں۔

اس حدیث میں علم کی باتوں کو لکھنے کا ثبوت ہے اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھنے کا ثبوت ہے' کیونکہ آپ نے فرمایا: کاغذ اور قلم لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایسا مکتوب لکھ دوں' جس کے بعد تم کبھی گم راہ نہیں ہو گے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا اُمی ہونا' آپ کے لکھنے اور پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۱۱۹۔ ج ۴ ص ۵۱۷ پر مذکور ہے اور اس کی شرح میں حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) اھجر کی تحقیق (۲) حدیث قرطاس میں حضرت عمر پر حضور کا کہنا نہ ماننے کا اعتراض اور اس کے جوابات (۳) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی کی خلافت کے بارے میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے۔

۴۰- بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ — رات کو علم کی بات اور نصیحت کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں علم کی باتوں کو لکھنے کا بیان تھا' جو علم کو منضبط کرنے اور اس میں کوشش کرنے پر دلالت کرتا ہے اور یہ باب رات کو علم کی تعلیم اور تعلم پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لیے بھی منضبط کرنے اور کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۱۵- حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ' عَنْ مَعْمَرٍ' عَنِ الزُّهْرِيِّ' عَنْ هِنْدٍ' عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ' وَعَمْرٍو وَيَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ' عَنِ الزُّهْرِيِّ' عَنْ هِنْدٍ' عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی از معمر از زہری از ہند از ام سلمہ و عمرو و یحییٰ بن سعید از زہری از ھند از ام سلمہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے

فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ، اَیْقِظُوْا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ، فَرُبَّ کَاسِیَةٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَةٌ فِی الْاٰخِرَةِ.

فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کیا کیا فتنے نازل کیے گئے ہیں! اور کیا کیا خزانے کھولے گئے ہیں' حجروں والیوں کو بیدار کرو' بہت سی عورتیں جو دنیا میں ملبوس ہوتی ہیں' آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

[اطراف الحدیث: ۱۱۲۶۔ ۳۵۹۹۔ ۵۸۴۴۔ ۶۲۱۸۔ ۷۰۶۹] (سنن ترمذی: ۲۱۹۶' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۷۴۸' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۸۳۶' شعب الایمان: ۱۰۳۸۹' مسند ابویعلیٰ: ۶۹۸۸' المعجم الاوسط: ۹۲۰۰' مسند الشامیین: ۳۲۲۵' شرح السنۃ: ۹۲۱' مسند الحمیدی: ۲۹۲' صحیح ابن حبان: ۶۹۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۶۵۴۴۔ ج ۴۴ ص ۱۶۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس باب کے عنوان میں دو اُمور ذکر کیے گئے ہیں: (۱) علم اور نصیحت کرنا۔ اس کی مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: آج رات کیا کیا فتنے نازل کیے گئے ہیں (۲) رات کو نصیحت کرنا۔ اس کی مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: حجروں والیوں کو بیدار کرو۔

حدیث مذکور کے رِجال کا تعارف اور حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

(۱) صدقہ بن فضل المروزی ابوالفضل ائمہ ستہ میں سے صرف امام بخاری نے ان سے احادیث روایت کی ہیں' یہ حافظ اور امام تھے' ۲۲۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) سفیان بن عیینہ (۳) معمر بن راشد (۴) محمد بن مسلم الزہری (۵) عمرو بن دینار (۶) یحییٰ بن سعید انصاری' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۷) ھند بنت الحارث الفراسیہ' یہ معبد بن المقداد کی زوجہ تھیں' امام مسلم کے علاوہ باقی ائمہ ستہ نے ان سے روایت کی ہے (۸) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کا نام ھند ہے' ایک قول ہے: ان کا نام رملہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ اور ابوامیہ حذیفہ کی بیٹی ہیں' یہ پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' وہ فوت ہو گئے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۳۷۸' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ان سے ۱۳' احادیث پر متفق ہیں' انہوں نے حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے' ابوسلمہ کے نکاح میں ان سے زینب پیدا ہوئیں' پھر ان کے بعد سلمہ' عمر اور درہ کی ولادت ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال ۴ھ میں ان سے نکاح کیا' یہ ۵۹ھ میں فوت ہو گئیں' وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی' حضرت ابوہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' البقیع میں ان کو دفن کیا گیا' ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۶۰)

اس امت میں واقع ہونے والے بعض فتنے

اس حدیث میں فرمایا ہے: آج رات کیا کیا فتنے نازل کیے گئے ہیں اور کیا کیا خزانے کھولے گئے ہیں! اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رات خواب دیکھا اور اس میں آپ نے وہ فتنے دیکھے' جو آپ کے بعد واقع ہوں گے اور آپ نے وہ خزانے دیکھے' جو آپ کی امت کے لیے کھولے جائیں گے اور بیدار ہونے کے بعد آپ پر اس کی حقیقت منکشف ہوئی' آپ کے بعد جو فتنے ہوئے' وہ مشہور ہیں' جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل' جنگ جمل اور جنگ صفین اور جنگ نہروان' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی شہادت' اس کے بعد کعبہ کو جلایا جانا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت' اس کے بعد ۳۳۹ھ میں قرامطہ کعبہ پر حملہ آور ہوئے اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے' جو ۲۲ سال تک ان کے پاس رہا' اور انہوں نے بہ کثرت حجاج کو شہید کیا' ۶۴۳ھ میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا' اس کے بعد اب تک مسلمان فتنوں کی زد میں ہیں۔

نیز اس حدیث میں فرمایا: حجروں والیوں کو جگاؤ' اس سے مراد ازواج مطہرات ہیں' نیز اس میں فرمایا: جو دنیا میں ملبوس ہوں گی وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی' اس کا معنی یہ ہے کہ جو دکھاوے کے اعمال کریں گی' وہ آخرت میں بے عمل ہوں گی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر کو چاہیے کہ وہ عبادت کے لیے رات کو اپنی بیوی کو اٹھائے۔

٤١- بَابُ السَّمَرِ فِي الْعِلْمِ — رات کو علم کی باتیں کرنا

اس باب کے عنوان میں ''سمر'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: رات کو باتیں کرنا' اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں رات کو علم کی باتیں کرنے اور نصیحت کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں مطلقاً رات کو باتیں کرنے کا ذکر ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد جو باتیں کرنے کی ممانعت ہے اس سے مراد دنیاوی باتیں اور قصے کہانیاں ہیں' نیکی' خیر اور فقہ کی باتیں عشاء کی نماز کے بعد بھی کرنا جائز ہیں۔

١١٦- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي اٰخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِئَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ.

[اطراف الحدیث: ٥٦٤-٦٠١]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمان بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سالم وابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر حیات میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی' پس جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا: مجھے بتاؤ یہ کون سی رات ہے' کیونکہ اس کے ٹھیک ایک سو سال بعد جو لوگ اب روئے زمین پر ہیں' ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔

(صحیح مسلم: ٢٥٣٧' سنن ابوداؤد: ٤٣٤٨' سنن ترمذی: ٢٢٥١' سنن کبریٰ للنسائی: ٥٨٧١' سنن بیہقی ج ١ ص ٤٥٣' دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٥٠٠' مسند احمد ج ٢ ص ١٢١ طبع قدیم' مسند احمد: ٦٠٢٨۔ ج ١٠ ص ٢٢٢)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد صحابہ سے علم کی باتیں کیں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) سعید بن عفیر (٢) لیث بن سعد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٣) عبدالرحمان بن خالد' یہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے مصر کے امیر تھے' ١١٨ھ میں ان کی مصر پر حکومت تھی' ان کے پاس الزہری کی کتاب تھی' جس میں دوسو یا تین سو احادیث تھیں' ابوحاتم نے کہا: یہ صالح ہیں' ابن یونس نے کہا: یہ ثبت فی الحدیث ہیں' یہ ١٢٧ھ میں فوت ہوگئے تھے' امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (٤) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (٥) سالم بن عبداللہ بن عمر (٦) ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ' ان کا نام عبداللہ بن حذیفہ ہے' امام بخاری نے ان کی صرف زیر بحث حدیث کو روایت کیا ہے' یہ علماء قریش میں سے تھے' انہوں نے حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کی ہیں' امام مسلم اور امام ترمذی نے ان سے احادیث روایت نہیں کیں (٧) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ان کا تعارف گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢ ص ٢٦٥۔ ٢٦٤)

عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کے جواز اور عدم جواز کے محامل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال المالکی المتوفی ٤٤٩ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کے بعد یہ خبر دی کہ جو لوگ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں' ایک سو سال کے بعد ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا' آپ نے ان کو یہ نصیحت کی کہ ان کی عمریں کم ہیں اور پچھلی امتوں کی طرح ان کی لمبی عمریں نہیں ہیں' اس لیے ان کو عبادت کرنے میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے' سلف صالحین رات کو علم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کسی کام سے عشاء کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' حضرت عمر نے کہا: اس وقت؟ میں نے کہا: میں نے فقہ کی بات کرنی ہے' انہوں نے کہا: اچھا!' میں نے ان سے باتیں کی' پھر میں جانے لگا تو حضرت عمر نے کہا: بیٹھو' میں نے کہا: نماز (تہجد)! انہوں نے کہا: ہم نماز میں ہیں' پھر ہم بیٹھ کر باتیں کرتے رہے' حتیٰ کہ فجر طلوع ہو گئی۔

اس مسئلہ میں امام مالک کے مختلف اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ علم کے مذاکرہ سے نماز پڑھنا افضل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ علم کا مذاکرہ افضل ہے' جب نیت درست ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۸۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت عیسیٰ' حضرت خضر اور ابلیس کے زندہ رہنے سے اس حدیث پر اعتراض اور اس کے جوابات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری اور جو علماء حضرت خضر علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں' انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر بالفرض حضرت خضر زندہ بھی تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ایک سو سال پورے ہونے سے پہلے وہ فوت ہو گئے' اور جمہور اس کے خلاف ہیں اور جو علماء حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں' وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت خضر سمندر میں رہنے والے تھے اور یہ حدیث زمین پر رہنے والوں کے متعلق ہے' لہٰذا حضرت خضر اس حدیث میں داخل نہیں ہیں' بعض علماء نے اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کو تم جانتے ہو اور ان کو پہچانتے ہو' ان میں سے کوئی ایک سو سال بعد زندہ نہیں رہے گا' پس حدیث کے الفاظ عام ہیں' لیکن اس سے مخصوص لوگوں کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''جو لوگ روئے زمین پر ہیں'' اس قید سے فرشتوں سے احتراز کیا گیا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو زندہ ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روئے زمین پر نہیں ہیں بلکہ آسمان میں ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ابلیس بھی تو زندہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روئے زمین پر نہیں ہے' بلکہ ہوا میں ہے یا آگ میں ہے یا حدیث سے مراد یہ ہے کہ روئے زمین پر اب جو انسان زندہ ہیں' وہ سو سال کے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ سب کمزور باتیں ہیں' اس حدیث پر نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعتراض ہوتا ہے نہ ابلیس سے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ اس وقت جو روئے زمین پر آپ کی امت ہے' وہ اب سے سو سال بعد زندہ نہیں رہے گی اور روئے زمین پر جو مسلمان یا کفار ہیں' وہ سب آپ کی امت ہیں' مسلمان آپ کی امت اجابت ہیں اور کفار آپ کی امت دعوت ہیں۔

اور رہے حضرت عیسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام' تو وہ آپ کی امت میں داخل نہیں ہیں اور رہا شیطان! تو وہ بنی آدم میں سے نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۶۷-۲۶۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* حدیث مذکور شرح صحیح مسلم: ۶۳۶۳- ج ۶ ص ۱۲۱۲ پر مذکور ہے' وہاں اس کی بہت مختصر شرح کی گئی ہے۔

۱۱۷- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا:

قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، ثُمَّ قَالَ نَامَ الْغُلَيِّمُ؟ أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا، ثُمَّ قَامَ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ، حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ.

[اطراف الحدیث: ۱۳۸- ۱۸۳- ۶۹۷- ۶۹۸- ۶۹۹- ۷۲۶- ۷۲۸- ۸۵۹- ۹۹۲- ۱۱۹۸- ۴۵۶۹- ۴۵۷۰- ۴۵۷۱- ۴۵۷۲- ۵۹۱۹- ۶۲۱۵- ۶۳۱۶- ۷۴۵۲]

ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے کہا: میں ایک رات اپنی خالہ کے پاس رہا' جن کا نام حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہے' جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں اور اس رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تھے' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی' پھر آپ اپنے گھر آ گئے' پھر آپ نے چار رکعات نماز پڑھی' پھر آپ سو گئے' پھر آپ کھڑے ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا: چھوٹا لڑکا سو گیا؟ یا کوئی اور کلمہ اس کے مشابہ فرمایا' پھر آپ (نماز کے لیے) کھڑے ہو گئے' سو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا' پس آپ نے مجھے دائیں جانب کر دیا' آپ نے پانچ رکعات نماز پڑھی' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ سو گئے' حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹے لینے کی آواز سنی' پھر آپ نماز کے لیے باہر آ گئے۔

(صحیح مسلم: ۷۶۳' سنن ابوداؤد: ۶۱۰' شمائل ترمذی: ۵' سنن نسائی: ۱۶۲۰' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۳۴۱- ۱۳۴۷' سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۱۷۵- ج ۵ ص ۲۵۸)

اس حدیث کی عنوان باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کے بعد فرمایا: لڑکا سو گیا؟ اور اس حدیث کا عنوان ہے: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے تمام رجال کا پہلے تعارف ہو چکا ہے' سوائے الحکم بن عتیبہ کے' ان کا نام عبد الکندی ہے اور ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے' یحییٰ بن معین' عبدالرحمان بن مہدی اور ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ ہیں' یہ حماد کے ساتھ کوفہ کے فقیہ تھے' انہوں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے شعبہ وغیرہ نے روایت کی ہے' یہ عابد اور عامل بالسنۃ تھے' ۱۱۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۶۹)

حضرت ام المؤمنین میمونہ بنت الحارث کا تذکرہ

حضرت ام المؤمنین میمونہ بنت الحارث الہلالیہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ۶ھ یا ۷ھ میں نکاح کیا' یہ ۵۱ھ میں مقامِ سرف میں فوت ہو گئی تھیں' ایک قول ۶۶ھ کا ہے' مقامِ سرف میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی' کہا گیا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زوجہ تھیں' کیونکہ ان کے بعد آپ نے اور کسی سے نکاح نہیں کیا' یہ حضرت لبابہ بنت الحارث کی بہن ہیں' جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں اور یہ حضرت عبداللہ اور حضرت الفضل وغیرہما کی ماں تھیں' یہ پہلی خاتون ہیں' جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ملاقات کیا کرتے تھے' یہ لبابہ کبریٰ ہیں' ان کی بہن لبابہ صغریٰ تھیں' جو حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۷۰)

مختلف اوقات میں تہجد کی مختلف رکعات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار رکعات پڑھیں۔اس حدیث میں پہلے چار رکعات نماز پڑھنے کا ذکر ہے' پھر پانچ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے' پھر دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے'اس طرح آپ نے گیارہ رکعات نماز پڑھیں اور صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر ہے کہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعات تھی۔

(صحیح البخاری:۱۱۳۸'صحیح مسلم:۷۶۴'سنن ترمذی:۴۴۲'مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۸)

اور یہ بھی حدیث ہے کہ صبح کی دو رکعت سنت کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کو تیرہ رکعات پڑھیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے' پھر جب آپ صبح کی اذان سنتے تو دو خفیف رکعات پڑھتے۔(صحیح البخاری:۱۱۷۰)

اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی' پھر دو رکعت پڑھی' پھر دو رکعت پڑھی' پھر دو رکعت پڑھی' پھر دو رکعت پڑھی' پھر دو رکعت پڑھی' پھر آپ نے وتر پڑھے' پھر آپ لیٹ گئے' حتیٰ کہ آپ کے پاس مؤذن آ گیا' پھر آپ نے دو خفیف رکعات پڑھیں' پھر آپ نے صبح کی نماز پڑھائی۔(صحیح البخاری:۱۸۳'صحیح مسلم:۷۶۳'سنن ابوداؤد:۱۳۶۷)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مختلف اوقات میں تہجد کی مختلف رکعات پڑھی ہیں تاکہ امت کے لیے آسانی ہو'اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ''کتاب التھجد'' میں آئے گی۔

حدیث مذکور سے مسائل کا استخراج

(۱) اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے کہ وہ بچپن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے معمولات جاننے کے لیے ساری رات جاگتے رہے'ایک قول یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے اعمال کا مشاہدہ کریں۔

(۲) اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضرت ابن عباس بھی آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے' اس میں نوافل کی جماعت کا ثبوت ہے'اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے نماز پڑھ رہے تھے'اس سے معلوم ہوا کہ امام کے لیے مقتدی کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے' حضرت ابن عباس آپ کی بائیں طرف کھڑے ہوئے تھے' آپ نے ان کو کان سے پکڑ کر دائیں طرف کر دیا'اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی ایک ہو تو اس کو امام کی دائیں طرف کھڑے ہونا چاہیے'اور امام نماز میں بھی غلط کام کی اصلاح کر سکتا ہے اور عمل قلیل مفسد نماز نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس ساری رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے'اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ اپنے محارم کے ساتھ ساری رات گزار سکتا ہے'خواہ اس کی خالہ کے ساتھ اس کا شوہر بھی ہو۔

(۴) اس رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت میمونہ کے گھر تھے'اس سے معلوم ہوا کہ آپ باری باری اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے تھے' آپ پر یہ تقسیم واجب نہ تھی'لیکن آپ نے اپنے فضل سے اپنے اوپر یہ معمول لازم کر لیا تھا۔

(۵) آپ نے فرمایا:''نَامَ الْغُلَيِّمُ'' کیا چھوٹا لڑکا سو گیا؟اس ارشاد میں محبت کی وجہ سے نام کے بجائے صفت کے ذکر کرنے کا ثبوت

ہے اور تصغیر کا بھی ثبوت ہے۔

(۶) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ نابالغ بچے کی نماز صحیح ہے اور اگر وہ اکیلا ہو تو اس کے ساتھ بھی جماعت ہو جاتی ہے۔

(۷) اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے کل گیارہ رکعات پڑھیں' جن میں دو رکعت سنت فجر تھیں' تین رکعت وتر اور چھ رکعت آپ نے تہجد کی نماز پڑھی' تہجد کی رکعات آپ نے کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات پڑھی ہیں۔

(۸) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ محرم کی موجودگی میں بغیر جماع کے سو سکتا ہے' بعض روایات میں ہے کہ حضرت میمونہ اس رات حائضہ تھیں' ورنہ حضرت ابن عباس اس رات آپ کے معمولات کا مشاہدہ کرنے کے لیے جاگ کر رات نہ گزارتے۔

(۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ کر سو جائیں تو اس سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا' آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں اور آپ کا دل جاگتا رہتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہوتا ہے' اور لیلۃ التعریس میں جب آپ سوئے تھے اور سورج طلوع ہو گیا تھا' تو وہ اس کے منافی نہیں ہے' کیونکہ سورج کے طلوع کو دیکھنا' آنکھوں کا کام ہے اور وہ سوئی ہوئی تھیں۔

احادیث مکررہ میں ہر بار نئے مسائل کا استخراج

اس حدیث کو امام بخاری نے انیس جگہ ذکر کیا ہے اور ہر جگہ اس سے ایک نیا مسئلہ مستنبط کیا ہے' مثلاً یہاں اس حدیث کو عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کے ثبوت میں ذکر کیا ہے' کیونکہ آپ نے فرمایا تھا: کیا چھوٹا لڑکا سو گیا؟ حدیث:۱۳۸ میں اس کو ''تخفیف فی الوضوء'' کے باب میں ذکر کیا ہے' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نے کم پانی کے ساتھ تخفیف سے وضو کیا' پھر نماز پڑھی' حدیث:۱۸۳ میں اس کو ''باب قراءۃ القرآن بعد الحدث'' میں ذکر کیا' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ جب آپ سو کر اٹھے تو آپ نے سورۂ آل عمران کی دس آیات تلاوت کیں' اس کے بعد وضو کیا۔ حدیث:۶۹۷ میں اس کو اس باب کے تحت ذکر کیا کہ جب ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے' حدیث:۶۹۸ میں اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا کہ اگر مقتدی بائیں جانب کھڑا ہو جائے اور امام اس کو نماز میں دائیں جانب کھڑا کر دے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی' حدیث:۶۹۹ میں اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا کہ امام نے کسی کو نماز پڑھانے کی نیت نہ کی ہو' پھر کوئی آ کر نماز میں شامل ہو جائے تو جماعت کی نماز صحیح ہے' حدیث:۷۲۶ میں اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا کہ اگر ایک آدمی امام کی بائیں طرف کھڑا ہو جائے اور امام اس کو نماز میں دائیں طرف کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی' حدیث:۷۲۸ میں اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا: امام اور مسجد کی دائیں جانب' اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے' آپ نے ان کو دائیں جانب کر دیا۔ حدیث:۸۵۹ میں اس حدیث کو بچوں کے وضو کرنے کے باب میں ذکر کیا' کیونکہ اس حدیث میں حضرت ابن عباس کے وضو کرنے کا ذکر ہے۔ حدیث:۹۹۲ میں اس حدیث کو ''باب الوتر'' کے تحت ذکر کیا ہے' کیونکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا ذکر ہے۔ حدیث:۱۱۹۸ میں اس حدیث کو نماز میں نماز کے کام میں ہاتھ سے استعانت کے باب میں ذکر کیا' کیونکہ اس حدیث میں ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر سے اٹھ کر ہاتھ کو آنکھوں پر ملا' پھر ایک لٹکی ہوئی مشک سے پانی لے کر وضو کیا۔ حدیث:۴۵۶۹ میں اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا' جس میں ''اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ''. (آل عمران:۱۹۰) پڑھنے کا ذکر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر سے اٹھ کر یہ آیت پڑھی تھی' حدیث:۴۵۷۰ میں اس حدیث کو ''بَابُ: اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِھِمۡ. (آل عمران:۱۹۱)'' میں ذکر کیا ہے' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے' آپ نے آل عمران کی دس آیتیں پڑھیں' ان میں یہ آیت بھی ہے۔

حدیث:۴۵۷۱ میں اس حدیث کو ''بَابٌ: رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ. (آل عمران:۱۹۲)'' میں ذکر کیا ہے' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نے بستر سے اٹھ کر آل عمران کی آخری دس آیتوں کو پڑھا' ان میں یہ آیت بھی ہے۔حدیث:۴۵۷۲ کو ''بَابٌ: رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ. (آل عمران:۱۹۳)'' میں ذکر کیا ہے' کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ آپ نے بستر سے اٹھ کر آل عمران کی آخری دس آیتوں کو پڑھا' جن میں یہ آیت بھی ہے۔حدیث:۵۹۱۹ میں اس حدیث کو ''باب الذوائب'' (مینڈھیاں) میں ذکر کیا ہے' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نے میری مینڈھیوں یا میرے سر کو پکڑ کر بائیں جانب سے دائیں جانب کر دیا' حدیث:۶۲۱۵ کو اس باب میں ذکر کیا ہے' جس میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا ذکر ہے' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ تہائی رات گزرنے کے بعد نبی ﷺ نے بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھا' پھر آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں۔حدیث:۶۳۱۶ میں اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے' جس میں بیدار ہونے کے بعد دعا کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ تہجد کی تیرہ رکعت پڑھنے کے بعد آپ سو گئے اور جب دوبارہ بیدار ہوئے تو آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے' میری آنکھ میں نور کر دے' میرے کان میں نور کر دے اور میرے دائیں نور کر دے اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور کر دے (یعنی مجھے مجسم نور کر دے)۔حدیث:۷۴۵۲ کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے' آسمانوں اور زمینوں اور دیگر مخلوقات کی تخلیق کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نے ''إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ. (آل عمران:۱۹۰)'' پڑھی' جس میں آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا ذکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے ۱۹ بار مکرر ذکر کیا ہے اور ہر بار اس حدیث سے ایک نیا مسئلہ نکالا ہے اور جس حدیث کو بھی امام بخاری جتنی بار مکرر ذکر کرتے ہیں' اس سے امام بخاری اتنے ہی مسائل کا استنباط اور استخراج کرتے ہیں۔

احادیث مکررہ میں سند کے تکرار کا تجزیہ

اسی طرح امام بخاری جس حدیث کو مکرر ذکر کرتے ہیں تو عموماً ہر مرتبہ اس کو نئی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں' مثلاً اس حدیث کو نمبر ۱۱۷ میں آدم سے روایت کیا' نمبر ۱۳۸ میں علی بن عبداللہ سے' نمبر ۱۸۳ میں اسماعیل سے' نمبر ۶۹۷ میں سلیمان بن حرب سے' نمبر ۶۹۸ میں احمد سے' نمبر ۶۹۹ میں مسدد سے' نمبر ۷۲۶ میں قتیبہ بن سعید سے' نمبر ۷۲۸ میں موسیٰ سے' نمبر ۸۵۹ میں علی بن عبد اللہ سے' نمبر ۱۳۸ میں علی بن عبداللہ سے روایت تھی' نمبر ۹۹۲ عبداللہ بن مسلمہ سے' نمبر ۱۱۹۸ میں عبداللہ بن یوسف سے' نمبر ۴۵۶۹ میں سعید بن ابی مریم سے' نمبر ۴۵۷۰ میں پھر علی بن عبداللہ سے' یہ ان سے تیسری بار مکرر روایت ہے' نمبر ۴۵۷۱ میں پھر علی بن عبد اللہ سے' یہ ان سے چوتھی روایت ہے' نمبر ۴۵۷۲ میں قتیبہ بن سعید سے' نمبر ۷۲۶ بھی ان ہی سے تھی' نمبر ۵۹۱۹ میں علی بن عبداللہ سے' یہ ان سے پانچویں روایت ہے' نمبر ۶۲۱۵ میں ابن ابی مریم سے' نمبر ۴۵۶۹ بھی ان سے روایت تھی' نمبر ۶۳۱۶ میں پھر علی بن عبداللہ سے' یہ ان سے چھٹی مکرر روایت ہے' نمبر ۷۴۵۲ میں سعید بن ابی مریم سے' یہ ان سے تیسری مکرر روایت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۹' احادیث میں سے علی بن عبداللہ سے چھ مرتبہ' سعید بن ابی مریم سے تین مرتبہ' قتیبہ بن سعید سے دو مرتبہ مکرر روایت کی ہے اور یہ گیارہ مکرر اسانید ہیں اور آٹھ بار نئی اسانید سے روایت کی ہے۔

مکرر روایت کی یہ تفصیل اور تجزیہ صرف ہماری شرح کی خصوصیت ہے اور کسی شارح نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم:۱۷۰۵۔۱۶۸۵۔ج ۲ ص ۵۱۱ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) حدیث ابن عباس سے مستفاد انہتر (۶۹) احکامِ شرعیہ (۲) دعاء نور (۳) لفظ رب کی تحقیق۔

۴۲- بَابُ حِفْظِ الْعِلْمِ — علم کی حفاظت کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ بابِ سابق میں عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کا ذکر تھا اور اس سے مقصود بھی علم کی حفاظت تھی اور یہ باب بھی علم کی حفاظت میں ہے۔

۱۱۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ، وَلَوْ لَا اٰيَتَانِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا، ثُمَّ يَتْلُوْا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرہ: ۱۶۰۔ ۱۵۹) اِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ، وَاِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِيْ اَمْوَالِهِمْ، وَاِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهِ، وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ، وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُوْنَ.

[اطراف الحدیث: ۲۰۴۷۔ ۲۳۵۰۔ ۳۶۴۸۔ ۷۳۵۴] (صحیح مسلم: ۲۴۹۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۰ طبع قدیم، مسند احمد: ۷۲۷۶۔ ج ۱۲ ص ۲۲۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از اعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت احادیث بیان کرتے ہیں اور اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا، پھر انہوں نے ان آیتوں کی تلاوت کی: "بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو اس کے بعد چھپاتے ہیں، جب کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا ہے، ان لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ۝ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (ان کا) بیان کر دیا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہوں ۝" (البقرہ: ۱۶۰۔ ۱۵۹) بے شک مہاجرین میں سے ہمارے بھائی بازاروں میں سودا کرنے میں مصروف رہتے تھے اور انصار میں سے ہمارے بھائی کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے اور بے شک ابوہریرہ بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لازم رہتا تھا اور ان مواقع پر حاضر ہوتا تھا، جب وہ حاضر نہیں ہوتے تھے اور ان احادیث کو یاد رکھتا تھا، جن کو وہ یاد نہیں رکھتے تھے۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس کی مطابقت میں یہ الفاظ ہیں: اور ان احادیث کو یاد رکھتا تھا، جن کو وہ یاد نہیں رکھتے تھے۔

اس حدیث کے کل پانچ رجال ہیں، ان کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

"الصفق" کا معنی اور علم کے اظہار اور تبلیغ کا بیان

اس حدیث میں "الصفق" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ہاتھ پر ہاتھ مارنا، جب کوئی شخص بازار میں کوئی چیز خریدتا ہے تو سودا ہو جانے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ نے جو البقرہ کی دو آیتیں پڑھی تھیں، ان میں علم کو چھپانے کی مذمت ہے، حضرت ابوہریرہ کا مطلب یہ تھا کہ اگر علم کو چھپانا حرام نہ ہوتا تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا، لیکن جب کہ علم کو چھپانا حرام ہے اور اس کا اظہار کرنا اور اس کی تبلیغ کرنا فرض

ہے تو اس وجہ سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی تمام احادیث بیان کر دیں۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی احادیث کا تقابل

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہیں تھیں' سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے' کیونکہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس احادیث زیادہ محفوظ اور لکھی ہوئی تھیں اور حضرت ابوہریرہ نے احادیث زیادہ روایت کی ہیں' حضرت ابوہریرہ نے ۵۳۷۴ 'احادیث روایت کی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے ۷۰۰ 'احادیث روایت کی ہیں۔

علم کو دائماً طلب کرنے کی فضیلت' ضرورت کے وقت اپنے کمال کا اظہار اور کسب معاش کی فرضیت

اس حدیث میں علم کی حفاظت کرنے اور دائماً علم کو طلب کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ حضرت ابوہریرہ احادیث کی طلب میں ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے طلب علم کو طلب مال پر ترجیح دی تھی اور حضرت ابوہریرہ نے اپنی اس فضیلت کو ظاہر کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی فضیلت اور اپنے کمال کا اظہار کرنا جائز ہے' یہاں ضرورت یہ تھی کہ لوگوں کے اس اعتراض کا جواب دیا جائے کہ حضرت ابوہریرہ بہت زیادہ احادیث روایت کرتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ روایت کرنا بھی جائز ہے اور تجارت کرنا بھی جائز' جیسا کہ مہاجرین تجارت کرتے تھے اور کاشت کاری کرنا بھی جائز ہے' جیسا کہ انصار کاشت کاری کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کرنے کے لیے اس قسم کے کسب کرنا مستحب ہیں اور اگر اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہ ہو تو پھر اپنی اور اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کی کفالت کے لیے کسب معاش کرنا فرض ہے۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۲۷۵۔ ج ۶ ص ۱۱۶۲ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سوانح بیان کی گئی ہے۔

۱۱۹- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ اَبُوْ مُصْعَبٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ دِيْنَارٍ' عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ' عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنْسَاهُ؟ قَالَ اُبْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهٗ' قَالَ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهٗ. فَضَمَمْتُهٗ' فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدَهٗ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی بکر ابومصعب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن ابراہیم بن دینار نے حدیث بیان کی از ابن ابی ذئب از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ سے بہ کثرت احادیث سنتا ہوں' جن کو میں بھول جاتا ہوں' آپ نے فرمایا: تم اپنی چادر پھیلاؤ' پس میں نے اپنی چادر پھیلائی' آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بنایا (اور اس کو میری چادر میں ڈال دیا)' پھر فرمایا: اس چادر کو اپنے جسم کے ساتھ چمٹا لو' سو میں نے اس چادر کو اپنے جسم کے ساتھ چمٹا لیا' پھر اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ فُدَيْكٍ بِهٰذَا' اَوْ قَالَ غَرَفَ بِيَدِهٖ فِيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی فدیک نے یہی

حدیث بیان کی' یا کہا: آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں چلّو بنایا۔ [طرف الحدیث: ۳۶۴۸] (سنن ترمذی: ۳۸۳۵)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: علم کی حفاظت کرنا اور حضرت ابوہریرہ نے اپنے حافظہ کی شکایت کر کے جو حافظہ کی کمی کا تدارک کیا تھا' وہ علم کی حفاظت کے لیے ہی کیا تھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) احمد بن ابوبکر' ان کا نام القاسم ہے' یہ مدینہ کے عالم اور قاضی ہیں' ابوحاتم نے کہا: یہ صدوق ہیں' یہ ۹۲ سال کی عمر میں ۲۴۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) محمد بن ابراہیم بن دینار المدنی الانصاری' یہ امام مالک کے ساتھ اہل مدینہ کے مفتی تھے' امام بخاری نے کہا: یہ حدیث میں معروف تھے' ابوحاتم نے کہا: ثقہ تھے (۳) محمد بن عبد الرحمان بن المغیرہ بن ابی ذئب القرشی العامری' یہ ثقہ اور کبیر الشان تھے' امام احمد نے کہا: ابن ابی الذئب' امام مالک سے افضل تھے' یہ ۵۹ھ میں کوفہ میں فوت ہو گئے (۴) سعید بن ابی سعید المقبری المدنی (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۷۵)

نسیان' سہو اور خطاء میں فرق اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفا دینا اور ہر درد کا درماں ہونا

اس حدیث میں ''نسیان'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بھولنا اور علم کے بعد جہل۔ سہو اور نسیان میں یہ فرق ہے کہ نسیان میں علم کی صورت حافظہ اور مُدرِکہ دونوں سے نکل جاتی ہے اور سہو میں علم کی صورت صرف مدرکہ سے نکل جاتی ہے اور حافظہ میں موجود ہوتی ہے' اور سہو اور خطاء میں یہ فرق ہے کہ سہو میں معمولی تنبیہ سے انسان سمجھ جاتا ہے اور خطا میں معمولی تنبیہ کافی نہیں ہوتی' نسیان وہ حالت ہے' جو انسان پر غیر اختیاری طور پر طاری ہوتی ہے اور اس کا سبب حفظ کے اسباب سے غفلت برتنا ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ سے نسیان کو دور کر دیا اور چادر پھیلانے اور اس کو سینہ کے ساتھ چمٹانے سے نسیان کا دور کرنا' ایک اور طرح سے معجزہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسیان کی شکایت کی تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ نسیان کے ازالہ کے لیے کسی طبیب یا معالج کے پاس جاؤ' میرا منصب تو صرف احکام شرعیہ بتانا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف احکام شرعیہ بتانے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے' بلکہ آپ ہر درد کے درماں تھے اور آپ کے پاس ہر مشکل کا حل تھا اور آپ نے حضرت ابوہریرہ کا حافظہ قوی کر کے اس کو ثابت کر دیا۔

۱۲۰- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَخِيْ، عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از ابن ابی ذئب از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (علم کے) دو برتن یاد رکھے ہیں' ایک برتن کو تو میں نے پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر میں پھیلاتا تو میرا یہ حلقوم کاٹ دیا جاتا۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ اَلْبُلْعُوْمُ مَجْرَى الطَّعَامِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: ''البلعوم'' وہ نالی ہے' جس سے طعام گزرتا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے' کیونکہ حضرت ابوہریرہ نے علم کی حفاظت کے لیے علم کے

ایک برتن کو لوگوں میں انڈیل دیا اور اپنی جان کی بقاء کے لیے دوسرے برتن کو نہیں انڈیلا۔

اس حدیث کے رجال کا تعارف ہو چکا ہے' اسماعیل بن ابی اویس کے بھائی کا نام عبدالحمید بن ابی اویس ہے' یہ ۲۰۲ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

علم کے دو برتنوں کی تفصیل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال المالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

''وِعاء'' اس ظرف کو کہتے ہیں' جس میں کوئی چیز جمع کی جائے۔ اس حدیث میں علم کے دو ''وعاء'' سے مراد علم کی دو قسمیں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے علم کی ایک قسم وہ جمع کی' جس میں سنن اور احکام شرعیہ سے متعلق احادیث تھیں اور دوسری قسم وہ جمع کی' جس میں مستقبل میں واقع ہونے والے فتنوں کی خبریں تھیں' اول الذکر کو لوگوں میں پھیلا دیا اور ثانی الذکر کو بیان نہیں کیا۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ علم کا چھپانا تو جائز نہیں ہے' پھر حضرت ابو ہریرہ نے دوسری قسم کی احادیث کو کیوں بیان نہیں کیا؟

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو چھپا لیں' حالانکہ آپ نے فرمایا ہے: میری احادیث کی تبلیغ کرو' اور رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ آپ ایسی احادیث بیان کریں' جن کی روایت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں اور صحابہ اور اخیار تابعین کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کر دیں' جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث روایت کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے جن احادیث کو چھپایا تھا' ان کا تعلق احکام شرعیہ سے نہیں تھا' کیونکہ ان کا چھپانا جائز نہیں ہے اور خود حضرت ابو ہریرہ نے کہا تھا کہ اگر قرآن مجید کی دو آیتیں نہ ہوتیں (البقرہ: ۱۶۰۔۱۵۹) تو میں کوئی حدیث نہ بیان کرتا' پس حضرت ابو ہریرہ کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جائے گا کہ وہ احکام شرعیہ میں سے کوئی حکم چھپا لیں گے' جب کہ رسول اللہ ﷺ یہ فرما چکے ہیں: تم میں جو یہاں حاضر ہے' وہ غائب کو پہنچا دے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۵) جن احادیث کو انہوں نے چھپایا تھا' وہ ایسی احادیث ہیں' جن میں آپ نے فرمایا تھا: فلاں شخص منافق ہے' اور عنقریب تم عثمان کو قتل کرو گے اور میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہو گی' جو بنو فلاں ہیں۔ (صحیح البخاری: ۷۰۵۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۴) اگر حضرت ابو ہریرہ قریش کے ان لڑکوں کے ناموں کی تصریح کرتے تو وہ ان کی تکذیب کرتے اور ان کو قتل کر دیتے۔

(کشف المشکل ج ۱ ص ۱۱۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علم کے جس برتن کو حضرت ابو ہریرہ نے نہیں پھیلایا' اس میں وہ احادیث ہیں' جن میں ظالم حکام کے اسماء' ان کے احوال اور ان کے زمانہ کی تصریح ہے' حضرت ابو ہریرہ ان میں سے بعض کا اشارۃً ذکر کرتے تھے اور ان کی صراحت نہیں کرتے تھے کیونکہ اس سے ان کی جان کو خطرہ تھا' جیسے انہوں نے کہا: میں ۶۰ھ کی امارت سے اور بچوں کی امارت سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اور اس میں یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا' جو کہ ۶۰ھ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور وہ ۶۰ھ سے پہلے فوت ہو گئے اور اس کا کچھ ذکر ''کتاب الفتن'' میں آئے گا۔ ''کتاب الفتن'' میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: بچوں کی امارت

میں پہلا امیر یزید بن معاویہ تھا' جو ۶۰ ھ میں خلیفہ ہوا اور ۶۴ ھ میں مر گیا' پھر اس کا بیٹا خلیفہ ہوا اور وہ چند مہینوں بعد مر گیا اور اس سے مراد بعض حکام ہیں' جو کم عمری میں حکمران بنا دیئے گئے۔(فتح الباری ج ۸ ص ۲۲۳۔۲۲۲' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۶ ھ)

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ اس حدیث کو فرقۂ باطنیہ نے اپنے باطل عقائد کی تصحیح کا ذریعہ بنالیا ہے' ان کا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت کا ایک باطن ہے اور ایک ظاہر ہے اور باطن سے ان کی مراد ہے: احکامِ شرعیہ کی قید سے آزاد ہونا ہے' اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد وہ احادیث ہیں' جن کا تعلق قیامت کی علامات سے ہے اور لوگوں کے احوال کے تغیر اور آخری زمانہ کی جنگوں سے ہے' پس جس کو ان کا شعور نہیں ہو گا' وہ ان کا انکار کرے گا۔(فتح الباری ج ۱ ص ۶۶۵' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۶ ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ نے بھی یہی کچھ لکھا ہے' اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

متصوفین نے کہا ہے کہ پہلے ظرف سے مراد ہے: احکام اور اخلاق کا علم اور دوسرے ظرف سے مراد ہے: اسرار اور حکمتوں کا علم' جو علماء اور عرفاء کے ساتھ خاص ہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد مخفی علم ہے اور وہ راز ہے جو محفوظ ہے' اور یہ خدمت کا نتیجہ اور حکمت کا ثمرہ ہوتا ہے' یہ ان ہی کو حاصل ہوتا ہے جو مجاہدات کے سمندروں میں تیرا کی کرتے ہیں اور یہ ان ہی پر منکشف ہوتا ہے' جن کے دل مشاہدات کے انوار سے روشن ہوتے ہیں' کیونکہ یہ وہ اسرار ہیں جو دلوں میں جاگزین ہوتے ہیں اور یہ ریاضت کرنے والے نفوس کو حاصل ہوتے ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

۴۳- بَابُ الْاِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ — علماء کے لیے لوگوں کو خاموش کرنا

اس سے پہلا باب علم کی حفاظت کرنے میں تھا' اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب علماء کے لیے لوگوں کو خاموش کیا جائے اور یہ ان دونوں بابوں میں مناسبت ہے۔

۱۲۱- حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَلِیُّ بْنُ مُدْرِكٍ' عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ' عَنْ جَرِيْرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا' يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے علی بن مدرک نے خبر دی از ابی زرعہ از جریر کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگوں کو خاموش کرو' پھر آپ نے فرمایا: میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔

[اطراف الحدیث: ۴۴۰۵۔۶۸۶۹۔۷۰۸۰]

(صحیح مسلم: ۶۵' سنن ابوداؤد: ۴۶۸۶' سنن نسائی: ۴۱۳۶' سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۳' السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۸۲' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۶۶۴' سنن دارمی: ۱۹۲۱' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۵' صحیح ابن حبان: ۵۹۴۰' المعجم الکبیر: ۲۴۰۲' شرح السنۃ: ۲۵۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۱۶۷۔ج ۳۱ ص ۵۰۴)

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: لوگوں کو خاموش کرو۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) حجاج بن منہال الانماطی (۲) شعبہ بن الحجاج' ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے (۳) علی بن مدرک النخعی الکوفی' یہ صالح' صدوق اور ثقہ ہیں' ۱۲۰ ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں (۴) ابو زرعہ' ان کا نام ہرم بن جریر بن عبد اللہ البجلی ہے' آپ سید اور مطاع تھے اور بہت حسین و جمیل اور بلند قامت تھے۔(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۸۰)

"ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ ہو جانا" اس حدیث کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں لوگ کافر نہیں ہوں گے' اس لیے آپ نے اپنی وفات کے بعد اس سے منع فرمایا یعنی جب میں دنیا سے چلا جاؤں تو میرے بعد تم اپنے ایمان اور تقویٰ پر برقرار رہنا اور مسلمانوں سے جنگ نہ کرنا اور ان کے اموال کو باطل تاویل سے نہ حاصل کرنا یعنی تمہارے افعال کفار کے افعال کے مشابہ نہ ہوں اور تم ان کی طرح مسلمانوں کی گردنیں نہ مارنا۔

اس حدیث کے مزید محامل حسب ذیل ہیں:

(۱) جائز اور حلال سمجھ کر مسلمانوں کی گردنیں مارنا کفر ہے۔
(۲) مسلمانوں کی گردنیں مارنا' نعمت اسلام کی ناشکری ہے۔
(۳) مسلمانوں کی گردنیں مارنا کفر کے قریب ہے اور کفر تک پہنچاتا ہے۔
(۴) مسلمانوں کی گردنیں مارنا حقیقت میں کفر ہے' لہٰذا تم دائماً مسلمان رہو۔
(۵) میرے بعد تم ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنا۔
(۶) تم ایک دوسرے کو کافر قرار دے کر ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔

علماء کی تکریم کی وجوہ

نبی ﷺ نے حکم دیا کہ لوگوں کو خاموش کرو' اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان کا کلام سننے کے لیے لوگوں کو چپ کرانا متعلمین پر لازم ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. (الحجرات:۲)
نبی ﷺ کی آواز کے اوپر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔

جس طرح نبی ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے' اسی طرح جب علماء حدیث پڑھ رہے ہوں تو ان کی آواز پر آواز بلند کرنا بھی منع ہے' کیونکہ وہ بھی نبی ﷺ کی آواز کے حکم میں ہے اور علماء کی تکریم اس لیے واجب ہے کہ وہ نبی ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں اور آپ کی شریعت پر عمل کرتے ہیں اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۳۱۔ ج ۱ ص ۴۸۹ پر بیان کی گئی ہے' اس کی شرح میں ایک دوسرے کے قتل پر کفر کے اطلاق کی ۷ توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

٤٤- بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ اِذَا سُئِلَ اَيُّ النَّاسِ اَعْلَمُ؟ فَيَكِلُ الْعِلْمَ اِلَى اللّٰهِ

جب عالم سے سوال کیا جائے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق عالم کی تعظیم کے بیان میں تھا اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ وہ تعظیم کا اس وقت مستحق ہے' جب وہ یہ کہے کہ سب سے زیادہ علم اللہ کا ہے۔

۱۲۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا - امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے

سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ اَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ اَنَّ مُوْسٰى لَيْسَ بِمُوْسٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِنَّمَا هُوَ مُوْسٰى اٰخَرُ. فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ ' حَدَّثَنَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوْسَى النَّبِيُّ خَطِيْبًا فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ' فَسُئِلَ اَيُّ النَّاسِ اَعْلَمُ؟ فَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ ' فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ' اِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ ' فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِيْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ. قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ لِيْ بِهٖ؟ فَقِيْلَ لَهُ احْمِلْ حُوْتًا فِيْ مِكْتَلٍ ' فَاِذَا فَقَدْتَهُ ' فَهُوَ ثَمَّ ' فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَحَمَلَا حُوْتًا فِيْ مِكْتَلٍ ' حَتّٰى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوْسَهُمَا وَ نَامَا ' فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِكْتَلِ ' ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ (الکہف:٦١) وَكَانَ لِمُوْسٰى وَفَتَاهُ عَجَبًا ' فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا ' فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مُوْسٰى لِفَتَاهُ ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ (الکہف:٦٢) وَلَمْ يَجِدْ مُوْسٰى مَسًّا مِّنَ النَّصَبِ حَتّٰى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِيْ اُمِرَ بِهٖ . فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ ﴿اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ﴾ (الکہف:٦٣) قَالَ مُوْسٰى ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (الکہف:٦٤) فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَى الصَّخْرَةِ ' اِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ ' اَوْ قَالَ تَسَجّٰى بِثَوْبِهٖ ' فَسَلَّمَ مُوْسٰى ' فَقَالَ الْخَضِرُ وَاَنّٰى بِاَرْضِكَ السَّلَامُ؟ فَقَالَ اَنَا مُوْسٰى ' فَقَالَ مُوْسٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ؟ قَالَ نَعَمْ ' قَالَ ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ (الکہف:٦٧-٦٦) يَامُوْسٰى ' اِنِّيْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ ' وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ. ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ

حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی' انہوں نے بیان کیا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ بے شک نوف بکالی یہ زعم کرتا ہے کہ (قرآن میں حضرت خضر کے ساتھ) جس موسیٰ کا ذکر ہے' وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں' وہ کوئی اور موسیٰ ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے' ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے' ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں سب سے بڑا عالم ہوں' اللہ عزوجل نے ان پر عتاب فرمایا' کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف نہیں لوٹایا' تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ بے شک میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے' وہ آپ سے بڑا عالم ہے' حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں اس تک کیسے واصل ہوں گا؟ ان سے کہا گیا کہ آپ ایک ٹوکری میں (بھنی ہوئی) مچھلی رکھ لیں' جس جگہ اس مچھلی کو گم پائیں گے' وہیں خضر ہوں گے' حضرت موسیٰ روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون بھی روانہ ہوئے اور انہوں نے ایک ٹوکری میں (بھنی ہوئی) مچھلی رکھ لی' حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک چٹان کے پاس پہنچے تو ان دونوں نے اس پر اپنے سر رکھے اور سو گئے' پس وہ مچھلی ٹوکری سے نکلی' "اور اس نے سمندر میں سرنگ کی مثل اپنا راستہ بنا لیاO" (الکہف:٦١) اور موسیٰ اور ان کے شاگرد کے لیے یہ بہت عجیب بات تھی' پھر وہ دونوں بقیہ رات اور دن تک چلتے رہے' جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا: "ہمارا ناشتا لاؤ' ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ ہوئی ہےO" (الکہف:٦٢) اور موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اسی وقت محسوس ہوئی تھی' جب انہوں نے اس جگہ سے تجاوز کیا تھا' جس جگہ انہیں جانے کا حکم دیا گیا تھا' پھر ان کے شاگرد نے ان سے کہا: "کیا آپ نے نہیں دیکھا جب ہم چٹان سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے

شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ (الکہف:٦٩) فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ، لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ، فَكَلَّمُوْهُمْ اَنْ يَحْمِلُوْهُمَا، فَعُرِفَ الْخَضِرُ، فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَجَآءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ، فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوْسٰى مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ، فَعَمَدَ الْخَضِرُ اِلٰى لَوْحٍ مِّنْ اَلْوَاحِ السَّفِيْنَةِ فَنَزَعَهُ، فَقَالَ مُوْسٰى قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ، عَمَدْتَ اِلٰى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا؟ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا. قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ﴾ (الکہف:٧٣_٧٢) فَكَانَتِ الْاُوْلٰى مِنْ مُّوْسٰى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَاِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَاَخَذَ الْخَضِرُ بِرَاْسِهٖ مِنْ اَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ، فَقَالَ مُوْسٰى ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ (الکہف:٧٤) ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ (الکہف:٧٥). قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَهٰذَا اَوْكَدُ ﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ ۨاسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ﴾ (الکہف: ٧٧) قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهٖ فَاَقَامَهٗ، فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰى ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا. قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ﴾ (الکہف:٧٨_٧٧). قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى، لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا.

[اطراف الحدیث:٧٤]

(صحیح مسلم:٢٣٨٠، سنن ترمذی:٣١٤٩، السنن الکبریٰ للنسائی:١١٣٠٦)

تھے وہاں میں مچھلی بھول گیا تھا'' (الکہف: ٦٣) حضرت موسیٰ نے کہا: ''ہم اسی کو تلاش کر رہے تھے' پس وہ اپنے قدموں کے نشان تلاش کرتے ہوئے لوٹےO'' (الکہف: ٦٤) جب وہ اس چٹان تک پہنچے تو وہاں ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے تھے یا کہا: اس نے چادر سے اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا' حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا' پس حضرت خضر نے کہا: تمہاری زمین میں سلامتی کہاں ہے؟ پس انہوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں! انہوں نے کہا: بنواسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! کہا: ''کیا میں اس پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے وہ سکھا دیں جو نیک علم آپ کو سکھایا گیا ہےO خضر نے کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گےO'' (الکہف:٦٧_٦٦) اے موسیٰ! میرے پاس اللہ کے علم میں سے وہ علم ہے' جس کی اللہ نے مجھے تعلیم دی ہے' جس کا آپ کو علم نہیں ہے اور آپ کے پاس اللہ کا وہ علم ہے' جس کی اللہ نے آپ کو تعلیم دی ہے' جس کا مجھے علم نہیں ہے'' حضرت موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گاO'' (الکہف:٦٩) پھر وہ دونوں روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ساحل سمندر پر پہنچے' وہاں ان دونوں کے لیے کوئی کشتی نہیں تھی' پھر ان دونوں کے پاس سے ایک کشتی گزری' انہوں نے ان سے بات کی کہ وہ ان کو سوار کر لیں' انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا' پس انہوں نے بغیر کسی معاوضہ کے ان دونوں کو سوار کر لیا' پھر ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے بیٹھ گئی' اس نے سمندر میں ایک چونچ یا دو چونچیں ماریں' حضرت خضر نے کہا: اے موسیٰ! میرا علم اور آپ کا علم' اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے سمندر میں اس چڑیا کی ایک چونچ ہے' پھر حضرت خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ کا ارادہ کیا اور اس کو اکھاڑ دیا' حضرت موسیٰ نے کہا: ان لوگوں نے بغیر معاوضہ کے ہمیں کشتی میں سوار کیا اور آپ نے اس کا تختہ اکھاڑ دیا تا کہ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں!'' حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گےO موسیٰ نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کیجئے''

(الکہف: ۷۳-۷۲) سو پہلی بار حضرت موسیٰ سے بھول ہو گئی' پھر وہ دونوں روانہ ہو گئے' پس وہاں ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا' حضرت خضر نے اس لڑکے کا سر اوپر کی طرف سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا' پھر حضرت موسیٰ نے کہا: "کیا آپ نے ایک بے قصور جان کو بغیر کسی جان کے عوض کے قتل کر ڈالا" (الکہف: ۷۴) "خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں صبر کر سکیں گے O" (الکہف: ۷۵)۔ ابن عیینہ نے کہا: اس میں زیادہ تاکید ہے "پھر وہ دونوں روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب وہ ایک دیہات والوں کے پاس پہنچے تو دیہات والوں سے کھانا مانگا' انہوں نے ان دونوں کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا' پھر ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی' جو گرا چاہتی تھی' انہوں نے اس کی مرمت کر دی" (الکہف: ۷۷) خضر نے اپنے ہاتھ سے اس کی مرمت کی' تب حضرت موسیٰ نے ان سے کہا: "اگر آپ چاہتے تو اس پر کوئی معاوضہ لے لیتے! O حضرت خضر نے کہا: بس! یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے" (الکہف: ۷۸-۷۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے' ہم چاہتے تھے اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ ان دونوں کے مزید واقعات ہم پر بیان کیے جاتے۔

حدیث: ۷۴ میں اس حدیث کی مکمل تخریج اور شرح گزر چکی ہے' باقی امور کی شرح ہم یہاں ذکر کریں گے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے کیونکہ عنوان میں ہے: جب عالم سے پوچھا جائے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اس علم کو اللہ کے سپرد کرے' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: سب سے بڑا عالم میں ہوں' پھر اس کے نتیجہ میں ان کو حضرت خضر علیہ السلام تک سفر کرنا پڑا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن محمد الجعفی المسندی (۲) سفیان بن عیینہ (۳) عمرو بن دینار (۴) سعید بن جبیر (۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۶) نوف بن فضالہ ابویزید البکالی' وہ عالم فاضل اور دمشق والوں کے امام تھے' ابن التین نے کہا: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربان تھے اور قصہ گو تھے' مشہور یہ ہے کہ وہ کعب احبار کی بیوی کے بیٹے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے' البکالی میں بنی بکال کی طرف نسبت ہے' اکثر محدثین اس لفظ کو بکالی پڑھتے ہیں (۷) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' مشہور صحابی ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۸۴)

علَم کے مضاف ہونے کی توجیہ' عتاب کا معنی اور حضرت موسیٰ پر عتاب کی توجیہ' مجمع البحرین کا مصداق اور پکی ہوئی مچھلی کے زندہ ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس جملہ میں موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مضاف ہے' حالانکہ موسیٰ علَم ہے اور علَم کی اضافت نہیں کی جاتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس لفظ کو نکرہ بنایا گیا' پھر اس کی اضافت کی گئی اور نکرہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: ان میں سے ایک جن کا نام موسیٰ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں سب سے بڑا عالم ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا' عتاب کا معنی ہے: شفقت اور محبت سے کسی کو ملامت کرنا یا اس کے کسی نامناسب کام پر محبت سے ٹوکنا یا اس کی گرفت کرنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا تھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اور سائل کا منشاء یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اور واقع میں بنی اسرائیل میں سب سے بڑے عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تھے' اس لیے حضرت موسیٰ کا جواب صحیح تھا' لیکن چونکہ سوال مطلقاً تھا' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تنبیہ کی گئی کہ آپ کو چاہیے تھا' آپ کہتے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے' مجمع البحرین کا معنی ہے: بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ' ثعلبی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ یہ جگہ افریقہ میں ہے۔

جس چٹان پر حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع بن نون سر رکھ کر سوئے تھے' اس چٹان میں آب حیات کا چشمہ تھا' اس کا پانی جس کو بھی لگ جاتا' وہ زندہ ہو جاتا' وہ مچھلی پکی ہوئی تھی' اس کو پانی نے چھوا تو وہ زندہ ہو گئی اور حرکت کرنے لگی اور ان کی ٹوکری سے نکل کر سمندر میں داخل ہو گئی۔

جس لڑکے کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا' اس کا تعارف

جس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔

الضحاک نے کہا: وہ لڑکا عمداً فساد کرتا تھا اور اپنے ماں باپ کو ایذاء پہنچاتا تھا' کلبی نے کہا: وہ لڑکا رات کو لوگوں کی چیزیں چرا لیتا تھا اور صبح کو اپنے ماں باپ کے پاس چلا جاتا اور وہ اس پر شفقت کی وجہ سے قسم کھا کر کہتے کہ یہ تو رات بھر ہمارے پاس رہا تھا' اس کے نام میں اختلاف ہے' الضحاک نے کہا: اس کا نام جیسون تھا' شعبہ نے کہا: اس کا نام جیسور تھا' ابن وھب نے کہا: اس کے باپ کا نام ملاس اور اس کی ماں کا نام رحمیٰ تھا۔

عالم یا شیخ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے' حضرت خضر کی نبوت پر دلیل اور دیگر مسائل

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ علم کی طلب کے لیے سفر کرنا چاہیے اور سفر میں ناشتہ اور کھانے کی چیزیں ساتھ رکھنی چاہئیں اور عالم یا شیخ کا ادب اور احترام کرنا چاہیے اور ان کے اقوال اور افعال میں سے اگر کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے اور یہ کہ ضرورت کے وقت کھانے کا سوال کرنا جائز ہے اور یہ کہ جب کسی کام میں دو خرابیاں ہوں تو بڑی خرابی کے مقابلہ میں چھوٹی خرابی کو برداشت کر لینا چاہیے' کیونکہ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دینا چھوٹی خرابی ہے اور ظالم بادشاہ کا اس سالم کشتی کو غصب کر لینا بڑی خرابی ہے' حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس کو عیب دار کر دیا' تاکہ ظالم بادشاہ اس کو غصب نہ کر سکے' نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے ہر حکم کو تسلیم کرنا چاہیے' خواہ اس کی حکمت معلوم نہ ہو یا سمجھ میں نہ آئے' جیسے خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا اور اس لڑکے کو قتل کر دیا' بہ ظاہر یہ کام خراب اور فاسد تھے' لیکن یہ کام واقع میں صحیح تھے' جیسا کہ بعد میں ان

کاموں کی حکمت معلوم ہوگئی' اسی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ. (الکہف:۸۲) میں نے اپنی رائے سے یہ کام نہیں کیے۔

حضرت خضر کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ انہوں نے یہ کام وحی سے کیے تھے اور وحی نبی پر نازل ہوتی ہے' سو اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے' صرف ولی نہ تھے' بعض ملحدین اور مبتدعین یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ولی تھے اور ولی نبی سے افضل ہوتا ہے' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود ولی سے علم حاصل کرنے گئے' یہ عقیدہ باطل ہے' حضرت خضر علیہ السلام نبی اور رسول تھے اور ایک نبی کا دوسرے نبی سے علم حاصل کرنا جائز ہے۔

حضرت خضر نے جو چڑیا کی چونچ میں پانی اور سمندر کے پانی کی مثال دی' اس پر اعتراض کا جواب

ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت خضر نے کہا: میرے اور تمہارے علم کی مثال اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہے' جیسے چڑیا کی چونچ میں پانی' سمندر کے پانی کے مقابلہ میں ہے' حالانکہ چڑیا کی چونچ میں جو پانی ہے' وہ بھی متناہی ہے اور سمندر کا پانی بھی متناہی ہے اور یہ متناہی کا متناہی کے ساتھ تقابل ہے اور حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کی' اللہ کے علم کے مقابلہ میں جو نسبت ہے' وہ متناہی کا غیر متناہی کے ساتھ تقابل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس مثال سے مقصود علم کی قلت اور عظمت میں تشبیہ دینا ہے اور اس سے من کل الوجوہ تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ واقعہ کس جگہ پر ہوا تھا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام میدانِ تیہ میں تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکلنے سے پہلے یہ واقعہ ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۹۶ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

✻ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس واقعہ کی پوری تفصیل جاننے کے لیے تبیان القرآن ج ۷ ص ۱۹۲۔۱۶۰' الکہف: ۸۲۔ ۶۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

۴۵- بَابُ مَنْ سَاَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا

جس نے کھڑے ہوئے سوال کیا اور عالم بیٹھا ہوا تھا

باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت اس طرح ہے کہ اس میں بھی عالم سے سوال کا ذکر تھا اور اس میں بھی عالم سے سوال کا ذکر ہے۔

۱۲۳- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ جَرِیْرٌ' عَنْ مَنْصُوْرٍ' عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ' عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' مَا الْقِتَالُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَاِنَّ اَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا' وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً' فَرَفَعَ اِلَيْهِ رَاْسَهٗ. قَالَ وَمَا رَفَعَ اِلَيْهِ رَاْسَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ قَائِمًا. فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْيَا' فَهُوَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے جریر نے خبر دی ہے از منصور از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' انہوں نے بیان کیا: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! اللہ کی راہ میں قتال کرنے کی کیا تعریف ہے؟ کیونکہ ہم میں سے ایک شخص غضب میں قتال کرتا ہے اور ایک شخص حمیت (زبان یا قبیلہ کے تعصب) میں قتال کرتا ہے' آپ نے اپنا سر اٹھایا' آپ نے جس وقت سر اٹھایا تو

[اطراف الحدیث: ۲۸۱۰-۳۱۲۶-۷۴۵۸] اس وقت وہ سائل کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: جس نے اس لیے قتال کیا کہ اللہ کا دین سر بلند ہو' وہ اللہ عزوجل کی راہ میں قتال ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰۴' سنن ابوداؤد: ۲۵۱۷' سنن ترمذی: ۱۶۴۶' سنن نسائی: ۳۱۳۶' سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۳' مسند ابوعوانہ ج ۵ ص ۷۷-۷۶' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۴۸۸' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۷۳۹- ج ۳۲ ص ۵۱۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ جس وقت سائل نے یہ سوال کیا' اس وقت وہ کھڑا ہوا تھا اور اس باب سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جب عالم بیٹھا ہوا ہو اور کوئی شخص اس سے کھڑے ہوئے سوال کرے تو یہ اس باب سے نہیں ہے کہ جب لوگوں کے لیے کھڑے ہونے سے آپ نے منع فرمایا ہے اور جب کسی شخص میں اپنی تعظیم اور بڑائی کا خیال نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث کی سند میں عثمان کا ذکر ہے' اس سے مراد عثمان بن ابی شیبہ ہے اور جریر سے مراد جریر بن عبدالحمید ہے اور منصور سے مراد منصور بن المعتمر ہے اور ابووائل سے مراد شقیق بن ابی سلمہ ہے اور ابوموسیٰ سے مراد عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ ہیں' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

نیک اعمال کا انسان کی نیت صالحہ پر موقوف ہونا

انسان کی تین قوتیں ہیں: قوتِ عقلیہ' قوتِ غضبیہ اور قوت شہوانیہ' اللہ کی راہ میں قتال اس وقت ہوگا' جب وہ قوتِ عقلیہ کے تقاضے سے قتال کرے گا اور اس وقت اس کا یہ قتال اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہوگا یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوگا یا اجر آخرت کے لیے ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال انسان کی نیت صالحہ پر موقوف ہیں اور یہ کہ عبادت کے لیے اخلاص شرط ہے' جس عبادت کا محرک اور باعث کوئی دنیاوی امر ہو' اس کی وہ عبادت رائیگاں جائے گی اور مجاہدین کی فضیلت میں جو احادیث وارد ہیں' وہ ان مجاہدین کے متعلق ہیں جو دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مستفتی کسی سبب یا عذر سے کھڑا ہوا ہو اور مفتی بیٹھا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اخلاص سے جہاد کی فضیلت اور دکھانے اور سنانے کے لیے جہاد کی مذمت میں احادیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر پوچھا: ایک شخص مالِ غنیمت کے حصول کے لیے قتال کرتا ہے' ایک شخص اپنے ذکر اور شہرت کے لیے قتال کرتا ہے اور ایک شخص اس لیے قتال کرتا ہے کہ اس کا مقام دکھایا جائے' ان میں سے اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اس لیے قتال کرے کہ اللہ کا دین سربلند ہو' وہ اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۸۱۰' صحیح مسلم: ۱۹۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو نے کہا: یارسول اللہ! مجھے جہاد اور غزوہ کے متعلق بتایئے' آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! اگر تم صبر کرتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے قتال کرو گے تو تم صابر اور محتسب اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم دکھاوے کے لیے اور مال کی کثرت کے لیے قتال کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس حال میں اٹھائے گا کہ تم ریاکار اور کثرت کے طالب ہو گے' اے عبداللہ بن عمرو! تم جس حال میں قتال کرو گے یا قتل کیے جاؤ گے' اللہ عزوجل تم کو اسی حال میں اٹھائے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۵۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! ایک آدمی جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دنیا کی متاع کو طلب کرتا ہے' آپ نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے' لوگوں پر یہ حدیث بہت گراں گزری اور انہوں نے اس شخص سے کہا: تم اپنا سوال دوبارہ دہراؤ' اس نے دوبارہ کہا: یارسول اللہ! ایک آدمی جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دنیا کی متاع کو طلب کرتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے' اس نے تیسری بار سوال دہرایا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۵۱۶' صحیح ابن حبان: ۴۶۳۷' المستدرک ج ۲ ص ۸۵' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۹۰۱۔ ج ۱۳ ص ۲۷۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیے ایک شخص جہاد کرتا ہے' وہ اجر کو بھی طلب کرتا ہے اور شہرت کو بھی' اس کو کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کو کچھ نہیں ملے گا' اس نے تین بار سوال دہرایا' آپ نے ہر بار یہی فرمایا: اس کو کچھ نہیں ملے گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس عمل کو قبول فرماتا ہے' جو خالص اس کے لیے ہو اور اس سے اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ (سنن نسائی: ۳۱۴۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد کی دو قسمیں ہیں: جس نے اللہ کی رضا کے لیے جہاد کیا اور امام کی اطاعت کی اور اپنے پاک مال کو خرچ کیا اور اپنے شریک کے ساتھ آسانی کی اور فساد سے پرہیز کیا' اس کی نیند اور بیداری سب کی سب اجر ہے' اور جس نے فخر کرتے ہوئے اور دکھانے اور سنانے کے لیے جہاد کیا اور امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا' اس کا معاملہ برابر برابر نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۵۱۵' المعجم الکبیر: ۱۷۶۔ ج ۲۰' مسند الشامیین: ۱۱۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۸۵' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۸' سنن دارمی: ۲۴۱۷' سنن نسائی: ۳۱۸۸' السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۳۰۸' شعب الایمان: ۴۲۶۵' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۲۰۴۲۔ ج ۳۶ ص ۳۶۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۸۰۴۔ ج ۵ ص ۹۱۳ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٤٦- بَابُ السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ
شیطان کو کنکریاں مارتے وقت سوال کرنا

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں بھی عالم سے سوال کا ذکر تھا اور اس باب میں بھی عالم سے سوال کا ذکر ہے۔

۱۲٤- حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عِيْسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْئَلُ، فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ؟ قَالَ انْحَرْ وَلَا حَرَجَ، فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی' از زہری از عیسیٰ بن طلحہ از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرہ کے پاس دیکھا' آپ سے سوال کیا جا رہا تھا' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے نحر (ذبح) کر لیا' آپ نے فرمایا: اب کنکریاں مار لو' کوئی حرج نہیں! دوسرے شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں نے نحر کرنے سے پہلے سر مونڈ لیا' آپ نے فرمایا: اب نحر کر لو کوئی حرج

نہیں' آپ سے جس چیز کے بھی مقدم یا مؤخر کرنے کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: اب کرلو کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' حدیث: ۸۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۷- بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (الاسراء:۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اور تم کو جو بھی علم دیا گیا ہے وہ کم ہے O'' (بنی اسرائیل:۸۵)

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں بھی عالم سے سوال کا ذکر تھا اور اس باب میں بھی عالم سے سوال کا ذکر ہے' لیکن باب سابق میں عالم کے جواب کا ذکر تھا اور اس باب میں عالم نے سوال کا جواب نہیں دیا' کیونکہ اس جواب کی سائل کو اپنے کسی عمل میں ضرورت نہیں تھی اور جواب نہ دینے میں آپ کی نبوت کی تصدیق تھی' اس کی تفصیل یہ ہے:

اس باب کے عنوان میں آیت کا ایک حصہ ذکر کیا گیا ہے' پوری آیت اس طرح ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًاO (بنی اسرائیل:۸۵)

اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو جو بھی علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے O

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ' اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہودیوں نے آپ سے اس معروف روح کے متعلق سوال کیا تھا' جس کے سبب سے بدن میں حیات ہوتی ہے' لیکن آپ نے اس کا جواب نہیں دیا اور روح کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۷ ص ۱۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' اس کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک کھیت میں تھا' آپ کے پاس ایک لاٹھی تھی' جس سے آپ ٹیک لگاتے تھے' آپ کے پاس سے یہودیوں کا ایک گروہ گزرا' ان میں سے بعض نے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو' اور بعض نے کہا: ان سے سوال نہ کرو' آپ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے' میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا' انہوں نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا' میں نے جان لیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًاO'' (بنی اسرائیل:۸۵)۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۷۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

۱۲۵- حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ سُلَيْمَانُ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خِرَبِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّاُ عَلٰى عَسِيْبٍ مَّعَهُ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْاَلُوْهُ، لَا يَجِيْءُ فِيْهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُوْنَهُ، فَقَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش سلیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے کھنڈرات میں جا رہا تھا اور آپ جس لاٹھی پر ٹیک لگاتے تھے' وہ آپ کے ساتھ تھی' آپ یہود کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ان

بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ؟ فَسَكَتَ، فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ، فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ فَقَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) قَالَ الْأَعْمَشُ هٰكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا.

[اطراف الحدیث:۴۷۲۱۔۷۲۹۷۔۷۴۵۶۔۷۴۶۲] (صحیح مسلم:۲۷۹۴'سنن ترمذی:۳۱۴۱'السنن الکبریٰ للنسائی:۱۱۲۹۹'مسند ابویعلیٰ:۵۳۹۰'صحیح ابن حبان:۹۸'المعجم الصغیر:۳۔۱'مسند احمد ج۱ ص۳۸۹ طبع قدیم'مسند احمد:۳۶۸۸۔ج۶ص۲۱۴'مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

سے روح کے متعلق سوال کرو' ان میں سے بعض نے کہا: سوال نہ کرو' یہ کوئی ایسا جواب نہ دیں جس کو تم ناپسند کرو' دوسروں نے کہا: ہم ان سے ضرور سوال کریں گے' پھر ان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا ابا القاسم! روح کی کیا حقیقت ہے؟ پس آپ خاموش رہے' میں نے (دل میں) کہا: آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے' پس میں کھڑا ہو گیا' جب آپ سے نزولِ وحی کی کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے پڑھا: ''اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو جو بھی علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہےO'' (بنی اسرائیل:۸۵)۔ الاعمش نے کہا: ہماری قراءت میں اسی طرح ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی اس آیت کا ذکر ہے' جس کا عنوان میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) قیس بن حفص بن القعقاع الدارمی ابومحمد البصری' ان سے احمد بن سعید الدارمی' ابوزرعہ اور ابوحاتم نے روایت کی ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں' احمد بن عبداللہ نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' یہ ۲۲۷ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) عبدالواحد بن زیاد البصری (۳) سلیمان بن مہران الاعمش الکوفی (۴) ابراہیم بن یزید النخعی (۵) علقمہ بن قیس النخعی (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج۲ ص۳۰۰)

آیاتِ قرآنیہ میں رُوح کے اطلاقات

قرآن مجید میں روح کا اطلاق کئی معانی پر کیا گیا ہے' روح کا اطلاق حضرت جبریل پر ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُO (الشعراء:۱۹۳) قرآن کو روح امین (حضرت جبریل) نے نازل کیا ہےO

روح کا اطلاق قرآن مجید پر ہے:

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا. (الشوریٰ:۵۲) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ پر قرآن مجید کو نازل کیا ہے۔

روح کا اطلاق بنو آدم یا ان کی ارواح پر ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا. (النبا:۳۸) جس دن ملائکہ اور بنو آدم صف بہ صف کھڑے ہوں گے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص۳۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

روح کے مباحث میں شارحین بخاری کی تقاریر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ یہود نے آپ سے اس روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا' جو جان داروں میں ہوتی ہے' ایک قول

ہے کہ ان کا سوال حضرت جبریل کے متعلق تھا' دوسرا قول ہے کہ ان کا سوال حضرت عیسیٰ کے متعلق تھا' تیسرا قول ہے: ان کا سوال قرآن مجید کے متعلق تھا' چوتھا قول ہے: ان کا سوال عظیم روحانی مخلوق کے متعلق تھا' اس کے متعلق اور بھی اقوال ہیں' اس کی تفصیل ان شاءاللہ ''کتاب التفسیر'' میں آئے گی اور وہاں پر ہم یہ اشارہ کریں گے کہ روح حیوانی میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کی حقیقت ان چیزوں میں سے ہے' جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ (فتح الباری ج ا ص ۱۷۱' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بعض چیزوں کے علم پر اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مطلع فرمایا ہے نہ کسی اور کو۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اپنی مخلوق کا روح کے علم سے امتحان لے' پھر ان کو اس پر واقف کرے کہ وہ روح کے علم سے عاجز ہیں' حتیٰ کہ وہ عاجز ہو کر روح کے علم کو اللہ کی طرف لوٹا دیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ. (البقرہ: ۲۵۵)

اور وہ اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے' مگر جتنا وہ چاہے۔

اور روح کا علم ان چیزوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کے علم پر مطلع کرنا نہیں چاہا۔

(شرح ابن بطال ج ا ص ۱۹۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

روح کے علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے' اس نے اس علم کی کسی کو خبر نہیں دی۔ لوگوں نے روح کی ماہیت کے بارہ میں بہت زیادہ کلام کیا ہے' حالانکہ قرآن نے اس کی خبر نہیں دی اور رسول سے اس کے متعلق سوال کیا گیا' مگر انہوں نے اس کو نہیں بیان کیا' اور مجھے فلاسفہ پر اتنا تعجب نہیں ہے' جتنا علماء اسلام پر تعجب ہے' جب ان کو علم ہے کہ قرآن نے روح کی حقیقت نہیں بتائی اور نہ رسول نے جن سے روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا' اس کے باوجود بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ روح جسم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ روح ایک چیز ہے اور نفس دوسری چیز ہے' انہوں نے ان اقوال کو فلاسفہ اور اطباء کے کلام سے اخذ کیا ہے اور روح تو اللہ عزوجل کے امر میں سے ایک امر ہے' روح کا علم صرف اس کے تصرفات سے ہوتا ہے' جیسے اللہ کے وجود پر صرف اس کے افعال سے استدلال کیا جاتا ہے' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى''. (البقرہ: ۲۶۰) اے رب! تو مجھے دکھا کہ مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا' پس جب زندہ کرنے کا ادراک حضرت ابراہیم کی قدرت میں نہیں تھا تو اللہ سبحانہ نے ان کو چند مردے دکھائے جن کو زندہ کر دیا گیا۔ (کشف المشکل ج ا ص ۱۳۵۔ ۱۳۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کی ماہیت نہیں بتائی' کیونکہ اس کی ماہیت کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس لیے کہ اس کے بیان نہ کرنے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہے اور اکثر متقدمین اور متاخرین علماء اور حکماء کا روح کی تعریف میں اختلاف ہے اور جس تعریف پر عام متکلمین کا اعتماد ہے' وہ یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے' جس کا بدن میں اس طرح حلول ہوتا ہے' جس طرح پانی کا گلاب کے پھول میں حلول ہوتا ہے اور اشعری سے یہ منقول ہے کہ انسان کے جسم میں جو سانس داخل اور خارج ہو رہا ہے' وہ روح ہے۔ (ارشاد الساری ج ا ص ۳۸۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بنو آدم کی روح کے متعلق امام اشعری نے کہا ہے کہ وہ سانس ہے' دوسری تعریف یہ ہے کہ وہ ایک جسم ہے' جو اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ کا شریک ہے' تیسری تعریف یہ ہے کہ روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کی ہے کہ اس کے بغیر حیات نہیں ہوتی' بعض علماء نے خون کو روح کہا ہے اور روح میں ستر (۷۰) اقوال ہیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہیں یا الگ الگ ہیں' زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں متغائر ہیں اور نفس انسانیہ وہ چیز ہے' جس کو ہر شخص اپنے آپ سے تعبیر کرتا ہے' امام غزالی نے کہا: نفس مجردہ ہے' نہ وہ جسم ہے نہ جسمانی ہے' اور امام غزالی نے کہا کہ روح ایسا جوہر ہے جو قائم بنفسہ ہے اور غیر متحیز ہے' نہ وہ جسم میں داخل ہے اور نہ جسم سے خارج ہے' نہ اس سے متصل ہے اور نہ منفصل ہے۔

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے علم کو مخلوق سے مبہم رکھا ہے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے' حتیٰ کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روح کا علم نہیں تھا' میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور تمام مخلوق کے سردار ہیں' سو آپ کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو اور آپ کو روح کا علم کیسے نہیں ہوگا' جب آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان ذکر فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۱۳)

آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے' اللہ نے آپ کو اس کا علم دے دیا اور یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے ۝

اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں دلیل نہیں ہے کہ روح کو جانا نہیں جا سکتا اور نہ اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۹۳۔۷۸۶' بنی اسرائیل: ۸۵ میں ہم نے روح پر بہت طویل بحث کی ہے اور اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

① روح کا لغوی اور اصطلاحی معنی ② روح کی موت کی تحقیق ③ جسم کی موت کے بعد روح کا مستقر ④ روح کا حادث اور مخلوق ہونا ⑤ نفس اور روح ایک چیز ہیں یا الگ الگ ⑥ نفس امارہ' نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی تعریفات ⑦ عالم خلق اور عالم امر ⑧ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح کا علم تھا یا نہیں۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۹۳۲ پر ہے اور اس کی شرح ص ۶۱۷۔ ۶۱۳ پر ہے اور شرح کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

① روح کی بحث ② یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کون سی روح کے متعلق سوال کیا تھا ③ روح کی تعریف ④ روح کی حقیقت مخفی رکھنے کی حکمت ⑤ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح کا علم دیئے جانے کے متعلق اکابر علماء اسلام کی تصریحات۔

۴۸- بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ اَنْ يَّقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقَعُوْا فِيْ اَشَدَّ مِنْهُ

جس نے بعض اختیاری چیزوں کو اس خوف سے ترک کر دیا کہ بعض لوگوں کی عقلیں اس کو سمجھنے سے قاصر ہوں گی تو وہ کسی بڑے شر میں مبتلا ہو جائیں گے

باب سابق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ کبھی عالم کسی حکمت کی وجہ سے کسی سوال کا جواب نہیں دیتا اور اس باب میں بھی یہ بیان کیا

گیا ہے کہ کبھی عالم کسی اختیاری چیز کو کسی حکمت کی وجہ سے ترک کر دیتا ہے جیسے کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کرنا جائز تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکمت کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا کہ بعض نو مسلم جو زمانۂ کفر کے قریب ہیں' ان کے دلوں میں یہ چیز ناگوار ہو گی' سو دونوں بابوں میں قدرِ مشترک حکمت ہے' یعنی بابِ سابق میں حکمت کی وجہ سے جواب ترک کرنے کا ذکر ہے اور اس باب میں حکمت کی وجہ سے ایک اختیاری کام کو ترک کرنے کا ذکر ہے۔

۱۲۶- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى' عَنْ إِسْرَائِيلَ' عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ' عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِيَ ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيْرًا' فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ؟ قُلْتُ قَالَتْ لِيْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْ لَا قَوْمُكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ. قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ. بِكُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ' فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُوْنَ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ. [اطراف الحدیث: ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵۸۶۔ ۳۳۶۸۔ ۴۴۸۴۔ ۷۲۴۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از اسود' انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو بہت راز کی باتیں بتاتی تھیں تو کعبہ کے بارے میں انہوں نے تم کو کیا بتایا ہے؟ حضرت عائشہ نے یہ بتایا کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: اے عائشہ! اگر تمہاری قوم دورِ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی' حضرت ابن الزبیر نے کہا: (یعنی) دورِ کفر کے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کر کے از سرِ نو تعمیر کرتا اور اس کے دو دروازے بنا دیتا' ایک دروازے سے لوگ کعبہ میں داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے باہر نکلتے' پھر حضرت ابن الزبیر نے کعبہ کو اسی طرح بنا دیا۔

(صحیح مسلم: ۱۳۳۳' سنن نسائی: ۲۹۰۰' مسند الشافعی ج ۱ ص ۲۴۸' کتاب الام ج ۲ ص ۱۵۰' السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۸۸۴' مسند ابو یعلیٰ: ۴۳۶۳' صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۲۶' صحیح ابن حبان: ۳۸۱۵' سنن بیہقی ج ۵ ص ۷۷' معرفۃ السنن والآثار: ۹۹۱۷' شرح السنۃ: ۱۹۰۳' مصنف عبد الرزاق: ۸۹۴۱' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۵۴۴۰۔ ج ۴۲ ص ۲۷۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس وجہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ اس وجہ سے ترک کر دیا کہ قریش کعبہ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے تو اگر آپ یہ اختیاری کام کر لیتے تو ان کے بدظن ہونے کا اندیشہ تھا' اس وجہ سے آپ نے اس کام کو ترک کر دیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے چھ رجال ہیں' ان میں سے اسرائیل اور اسود کے سوا باقی سب کا تعارف ہو چکا ہے' ان دونوں کا تعارف درج ذیل ہے:

(۱) اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الہمدانی الکوفی' امام احمد نے کہا: یہ شیخ ثقہ ہے' اور وہ ان کے حافظہ پر تعجب کرتے تھے' انہوں نے اپنے دادا ابو اسحاق سے احادیث کا سماع کیا' یہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ میں فوت ہو گئے (۲) اسود بن یزید بن قیس النخعی' یہ ابراہیم کے ماموں ہیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آپ کی زیارت نہیں کی' یہ ۷۵ھ میں کوفہ میں فوت ہو گئے تھے' انہوں نے اسی (۸۰) حج اور عمرے کیے' یہ ہر روز ۷۰۰ رکعات نماز پڑھتے تھے' ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث کی روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۵)

حطیم کے باہر سے طواف کرنا اتفاقی ہے اور حطیم کے اندر سے طواف کرنا اختلافی ہے

امام مازری نے کہا ہے کہ قریش قواعد ابراہیم پر مکمل بیت اللہ نہ بنا سکے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حطیم بیت اللہ کا جز ہے' اور امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جس نے حطیم کے اندر سے طواف کیا' گویا اس نے طواف نہیں کیا' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ طواف دہرائے گا اور اگر وہ اپنے شہر چلا گیا ہے تو اس پر قربانی لازم ہے۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

''صحیح مسلم'' کی اس حدیث اور دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا جز ہے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ طواف حطیم کے باہر سے کریں' اختلاف اس میں ہے کہ اگر کسی نے حطیم کے اندر سے طواف کر لیا تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا یا نہیں' جمہور کا قول یہ ہے کہ اس کے لیے یہ طواف کافی نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اگر صحیح کام کرنے سے ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش کے باوجود کعبہ کی از سر نو تعمیر نہیں کی اور حطیم کو کعبہ میں داخل نہیں کیا اور اس کے دو دروازے نہیں بنائے۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جب کوئی کام کرنا صحیح ہو لیکن اس کام کے کرنے سے زیادہ ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کام کو ترک کر دینا چاہیے اور لوگوں کو متنفر کرنے سے احتراز کرنا چاہیے' خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک سے ذکر کیا کہ وہ دوبارہ کعبہ کو منہدم کر کے اس طرح بنانا چاہتا ہے' جس طرح حضرت ابن الزبیر نے بنایا تھا' کیونکہ حضرت ابن الزبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق کعبہ کو بنا دیا تھا' جس کو حجاج بن یوسف نے منہدم کر کے دوبارہ قریش کی تعمیر کے مطابق بنا دیا تھا' جب ہارون رشید نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو امام مالک نے اس سے کہا: اے امیر المومنین! میں آپ کو قسم دیتا ہوں' آپ ایسا نہ کریں ورنہ ہر بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے کعبہ کو منہدم کر کے از سر نو بناتا رہے گا اور لوگوں کے دلوں سے کعبہ کی ہیبت نکل جائے گی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۴۲۸-۴۲۷' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۱۳۶- ج ۳ ص ۵۹۲ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) فائدہ کے مقابلہ میں نقصان سے بچنا زیادہ اہم ہے (۲) تعمیر کعبہ کی تفصیل وار تاریخ (۳) یزید کے دورِ حکومت میں کعبہ کو جلانے کا پس منظر و پیش منظر (۴) بیعت یزید کے سلسلہ میں حضرت حسین کا موقف (۵) بیعت یزید کے سلسلہ میں جمہور صحابہ کا موقف (۶) واقعۂ حرہ کی تفصیلات (۷) مسلم بن عقبہ صحابی نہیں تھے (۸) مسلم بن عقبہ کی عبرت ناک موت (۹) واقعۂ حرہ کی وجہ سے یزید پر لعنت کی بحث (۱۰) مصنف کا موقف (۱۱) یزیدی فوجوں کا کعبہ کو جلانا (۱۲) یزیدی فوجوں کے خانہ کعبہ کو جلانے کی وجہ سے یزید کی تکفیر (۱۳) حضرت حسین کو شہید کرنے کی وجہ سے یزید پر لعنت کی بحث (۱۴) شہادتِ حسین پر حافظ ابن کثیر کا تبصرہ (۱۵) یزید پر لعنت کے سلسلہ میں امام غزالی کی رائے (۱۶) علامہ زبیدی کی رائے (۱۷) علامہ حلبی کی رائے اور مصنف کا مؤقف (۱۸) یزید کے کفریہ اشعار کی تحقیق (۱۹) جہاد مدینہ قیصر کی بشارت میں یزید کے دخول کی تحقیق (۲۰) حدیث مدینہ قیصر کی تحقیق (۲۱) حضرت حسین اور یزید کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ کے نظریات (۲۲) لعن یزید کے بارے میں ابن جوزی کا نظریہ (۲۳) لعن یزید کے بارے میں محدث دہلوی کا نظریہ (۲۴) یزید کے متعلق حافظ ابن کثیر کی رائے (۲۵) لعن یزید کے بارے میں علامہ ابن حجر مکی کی رائے (۲۶) لعن یزید کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی رائے (۲۷) یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کے سلسلہ میں مصنف کا موقف۔

یہ بحث شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۳۸ - ۵۹۲ پر مذکور ہے۔

۴۹- بَابُ مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةَ اَنْ لَّا يَفْهَمُوْا

کسی ایک قوم کو کسی چیز کے علم کے ساتھ خاص کرنا اور اس خطرہ سے دوسروں کو نہ بتانا کہ وہ نہیں سمجھیں گے

اس باب میں اور باب سابق میں یہ مناسبت ہے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا تھا کہ جب یہ خطرہ ہو کہ کسی صحیح کام سے لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے شر میں مبتلا ہوں گے تو اس کام کو ترک کر دیا جائے اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ کوئی مسئلہ صرف خاص سمجھ دار لوگوں کو بتایا جائے اور نا سمجھ لوگوں کو نہ بتایا جائے البتہ پہلا باب افعال میں تھا اور یہ باب اقوال میں ہے۔

وَقَالَ عَلِيٌّ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ؟

اور حضرت علی نے فرمایا: لوگوں سے ایسی احادیث بیان کرو، جن کو وہ سمجھ لیں، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟

اس سے حضرت علی کی مراد یہ ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کرو، اس کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ جو چیز ان کے نزدیک غیر معروف ہو اس کو چھوڑ دو، امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ تم کسی قوم کو ایسی حدیث نہ بیان کرو، جس کی ان کی عقلوں تک رسائی نہ ہو، ورنہ وہ حدیث ان لوگوں کے لیے فتنہ ہو جائے گی۔

۱۲۷- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى، عَنْ مَعْرُوْفِ بْنِ خَرَّبُوْذٍ، عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ بِذٰلِكَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از معروف بن خربوذ از حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ یہی اثر روایت کیا۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو اثر پہلے بیان کیا گیا ہے، وہ مذکور الصدر سند سے بھی مروی ہے۔

اثر مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

یہ اثر عبید اللہ بن موسیٰ بن باذام نے خربوذ سے روایت کیا ہے، یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ضعیف ہے، ابو حاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس کے سوا بخاری میں ان کی کوئی اور حدیث نہیں ہے۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کا نام عامر بن واثلہ ہے، یہ غزوۂ احد کے سال پیدا ہوئے اور کوفہ میں رہائش اختیار کی، پھر مکہ میں منتقل ہو گئے، انہوں نے سعید الجریری سے کہا: آج میرے سوا تمہیں روئے زمین پر کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محبین میں سے تھے اور ان کے ساتھ تمام مشاہد میں حاضر رہے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نو احادیث روایت کی ہیں، یہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے سب سے آخر میں فوت ہو گئے تھے، امام بخاری نے ان کے صرف اس اثر کو روایت کیا ہے، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی ان کی احادیث روایت کی ہیں، یہ ۱۱۰ھ میں مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۹)

۱۲۸- حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ہشام نے حدیث

أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ. قَالَ يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ، قَالَ يَا مُعَاذُ. قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا، قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهِ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا؟ قَالَ إِذًا يَتَّكِلُوا وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا.

[اطراف الحدیث:۱۲۹۔۶۲۶۷]

(صحیح مسلم:۳۲'الادب المفرد للبخاری:۹۴۳'السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۰۱۴'شرح السنۃ:۴۹'المعجم الکبیر:۲۵۵۔ج ۲۰'مسند ابوداؤد والطیالسی: ۵۶۵'الاحاد والمثانی:۱۸۳۲'مسند البزار:۲۶۲۷'حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۲' مسند ج ۵ ص ۲۲۸۔۲۴۲ طبع قدیم'مسند احمد:۲۱۹۹۳۔۲۲۰۹۶۔ج ۳۶ ص ۳۱۹۔۴۱۴'مؤسسۃ الرسالۃ'بیروت)

بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از قتادہ' انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (سواری کے) پالان پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت معاذ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: یا معاذ بن جبل! انہوں نے کہا: میں حاضر ہوں' یارسول اللہ! آپ کی اطاعت کے لیے موجود ہوں' آپ نے (دوبارہ کہا:) یا معاذ! انہوں نے کہا: میں حاضر ہوں' یارسول اللہ! اور آپ کی اطاعت کے لیے موجود ہوں! یہ تین بار مکالمہ ہوا' آپ نے فرمایا: جو شخص بھی صدقِ دل سے یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں' اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا' حضرت معاذ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں' آپ نے فرمایا: پھر وہ اسی پر تکیہ کر لیں گے' اور حضرت معاذ نے اپنی موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے اس کی خبر دے دی۔

اس باب کا عنوان ہے: کسی ایک قوم کو کسی چیز کے علم کے ساتھ خاص کرنا اور اس حدیث میں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم بشارت کے ساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو خاص کر لیا اور انہیں منع فرمادیا کہ وہ دوسرے لوگوں کو یہ خبر نہ بتائیں' ورنہ وہ اسی پر اعتماد کر لیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عنوان میں تو ایک قوم کو کسی چیز کے ساتھ خاص کر لینے کا ذکر ہے' جب کہ حدیث میں ایک فرد کو خاص کر لینے کا ذکر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قوم سے مراد عام ہے' ایک شخص ہو یا کئی اشخاص ہوں' نیز یہاں پر حضرت معاذ کے ساتھ حضرت انس بھی تھے اور کبھی ایک شخص پر امت کا اطلاق بھی ہو جاتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا. (النحل:۱۲۰) بے شک ابراہیم اللہ کے مخلص اور مطیع بندے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسحٰق بن ابراہیم ابن راھویہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) معاذ بن ہشام الدستوائی' یہ اپنے والد اور ابن عون سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہے' ابن معین نے کہا: یہ صدوق ہیں اور حجت نہیں ہیں' ابن عدی نے کہا: یہ بعض اوقات غلطی کرتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ یہ صدوق ہیں' یہ ۲۰۰ ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے تھے (۳) ابوہشام (۴) قتادہ بن دعامہ (۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۱۰)

''ردیف' رحل' لبیك' سعدیك' یتكلوا'' اور ''تاثما'' کے معانی

اس حدیث میں ''ردیف'' کا لفظ ہے' جو شخص سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھا ہو اس کو ''ردیف'' کہتے ہیں' جو چیز دوسری چیز کے تابع ہو اس کو بھی ''ردیف'' کہتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھنے والے مختلف اوقات میں تیس سے زائد صحابہ تھے۔

رحل: اونٹ پر جو پالان ہوتا ہے' اس کو ''رحل'' کہتے ہیں' لیکن اس حدیث میں جس سواری کا ذکر ہے' وہ دراز گوش تھا' جیسا

کہ "کتاب الجهاد" میں اس کا ذکر آئے گا۔

لبیك: یہ "لبّ" سے بنا ہے' یہ اصل میں تھا: "اُلِبُّ لَكَ اِلْبَابًا بَعْدَ اِلْبَابٍ" اس کا معنی ہے: میں آپ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے حاضر ہوں۔

سعدیك: یہ اصل میں تھا: "اُسْعِدُكَ لَكَ اِسْعَادًا بَعْدَ اِسْعَادٍ" یہ بھی لبیک کے معنی میں ہے' اس کا معنی بھی "لبیك" کی مثل ہے' تاکید کے لیے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یتکلوا: اس کا مصدر "اِتِّکَال" ہے' اس کا معنی ہے: اعتماد کرنا' یعنی پھر لوگ صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے پر اعتماد کرلیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

تاثمًا: "تَاَثَّمَ فُلَانٌ" کا معنی ہے: اس نے ایسا فعل کیا' جس سے وہ گناہ سے نکل گیا' اگر حضرت معاذ اس کی کسی کو کبھی بھی خبر نہ دیتے تو وہ علم کو چھپانے کی وعید میں داخل ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ضرور علم کو بیان کریں گے اور چھپائیں گے نہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ. (آل عمران:۱۸۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پکا عہد لیا کہ وہ اس کو ضرور لوگوں سے بیان کریں گے اور چھپائیں گے نہیں۔

اس لیے حضرت معاذ نے اس آیت کے حکم پر عمل کرنے کے لیے اس بشارت کی خبر دے دی۔

حدیث مذکور کی بشارت کو مخفی رکھنے کی وجوہ

نبی ﷺ نے اس بشارت کو مخفی رکھنے کا جو حکم دیا تھا' اس میں اس بشارت پر اعتماد کر کے ترک عمل کے علاوہ اور کیا حکمت تھی؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس بشارت کے ظاہر کا یہ تقاضا تھا کہ جس نے بھی توحید و رسالت کی گواہی دے دی' وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا' جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ جن موحدین نے گناہ کیے ہیں' ان میں سے بعض کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے یا شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال لے گا اور چونکہ یہ معنی مخفی تھا' اس لیے آپ نے حضرت معاذ کو اس بشارت کا اعلانِ عام کرنے کا حکم نہیں دیا۔

(۲) اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو اپنے تمام گناہوں پر توبہ کرنے کے بعد توحید اور رسالت کی گواہی دے اور اسی پر مر جائے' وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

(۳) یہ بشارت اکثر مسلمانوں کے لیے ہے کہ جو توحید اور رسالت کی صدقِ دل سے گواہی دیتا ہے' وہ نیک عمل کرتا ہے اور گناہوں سے مجتنب رہتا ہے' وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

(۴) اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے توحید اور رسالت کی گواہی دی' وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اصلاً دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوگا۔

(۵) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کے پورے جسم کو دوزخ کا عذاب نہیں ہوگا' کیونکہ مسلمان کے جسم کے مواضع سجود کو اور کلمہ پڑھنے والی زبان کو عذاب نہیں ہوگا۔

(۶) اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس نے صدقِ دل سے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا' اس کو دوزخ کا عذاب نہیں

ہوگا۔

حدیث مذکور کے دیگر مسائل

(۱) جولوگ مسائل کے حفظ اور ضبط کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں ان کو لطیف معانی اور اسرار پر مطلع کرنا چاہیے اور جن لوگوں میں یہ خصوصیت نہ ہو ان کو ایسی باتیں نہیں بتانی چاہئیں تاکہ وہ اپنی کم فہمی کی بناء پر ان اسرار و رموز کو افشاء نہ کردیں۔

(۲) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ایک سواری پر دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں تردد ہو کہ عام لوگوں کو اس کی خبر دی جائے یا نہیں اس کے متعلق امام سے استفسار کرلینا چاہیے۔

(۴) جب کوئی امیر یا امام نام لے کر نداء کرے تو لبیک کہہ کر جواب دینا چاہیے۔

(۵) اس حدیث میں مسلمانوں کے لیے مغفرت کی عظیم بشارت ہے۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم :۵۱۔ج ۱ص ۴۰۱ پر ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۲۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ ذُكِرَ لِيْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمُعَاذٍ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ . قَالَ اَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ لَا، اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّتَّكِلُوْا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے کہا: مجھ سے یہ ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو شخص اللہ سے اس حال میں ملا کہ اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا حضرت معاذ نے کہا: کیا میں اس کی لوگوں کو بشارت نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مجھے خطرہ ہے کہ لوگ پھر اسی پر اعتماد کرلیں گے۔

اس حدیث کی تخریج حدیث :۱۲۸ کی مثل ہے اور اس کی باب کے عنوان سے مطابقت بھی واضح ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مسدد بن مسرہد ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) معتمر بن سلیمان بن طرخان التیمی البصری یہ اپنے والد اور منصور وغیرہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن مہدی وغیرہ نے روایت کی ہے یہ ثقہ اور صدوق ہیں اور علم اور عمل میں اپنے والد کی مثل تھے یہ ۱۰۶ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۸۷ھ میں فوت ہو گئے تھے ان سے محدثین کی ایک بڑی جماعت نے احادیث کی روایت کی ہے (۳) معتمر کے والد سلیمان تیمی یہ بنو مرہ میں گئے اور وہاں لوگوں سے تقدیر کے مسئلہ پر بحث کی انہوں نے ان کو نکال دیا پھر ان کو بنو تمیم نے قبول کرلیا اور یہ ان کے امام ہو گئے شعبہ نے کہا: میں نے سلیمان سے زیادہ صادق کسی کو نہیں پایا جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا یہ بہت زیادہ عبادت گزار تھے عشاء کے وضو سے ساری رات نماز پڑھتے رہتے تھے یہ اور ان کا بیٹا ساری رات مساجد میں گشت کرتے رہتے تھے کبھی ایک مسجد میں نماز پڑھتے اور کبھی دوسری مسجد میں یہ ۱۴۳ھ میں فوت ہو گئے تھے ان کا میلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۱۵)

اس اعتراض کا جواب کہ کیا رسالت پر ایمان اور عمل کے بغیر بھی انسان جنت میں چلا جائے گا؟

اس حدیث میں یہ ذکر ہے: جس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا' وہ جنت میں داخل ہو جائے گا' اس میں صرف توحید کا ذکر ہے' رسالت کا ذکر نہیں ہے' حالانکہ رسالت پر ایمان کے بغیر توحید پر ایمان سے نفع نہیں ہوتا' اس لیے لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے: جس نے وضو کر لیا' اس کی نماز صحیح ہے یعنی جب کہ صحت نماز کی بقیہ شرائط بھی پوری کی جائیں' اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص توحید پر ایمان لایا اور باقی ان چیزوں پر ایمان لایا' جن پر ایمان لانا واجب ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں اعمال کا ذکر نہیں ہے' کیا بغیر عمل کے بھی مومن جنت میں چلا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہ بغیر عمل کے بھی جنت میں ابتداء چلا جائے گا اور اگر اللہ چاہے گا تو عمل نہ کرنے کی سزا کے بعد اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

٥٠- بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ — علم میں حیاء کا بیان

حیاء کا معنی اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کسی کام پر مذمت کے خوف سے انسان پر تغیر کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے' اس کو حیاء کہتے ہیں' اگر یہ سوال کیا جائے کہ علم میں حیاء سے کیا مراد ہے؟ حصول علم میں حیاء کرنی چاہیے یا حصول علم میں حیاء کو ترک کرنا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں مراد ہیں' بعض مواقع پر حصولِ علم میں حیاء مطلوب ہوتی ہے اور بعض مواقع پر حیاء کو ترک کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

علم میں حیاء کی مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ ایک درخت مومن کی مثل ہے' بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ تو حضرت ابن عمر کے ذہن میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے' لیکن چونکہ وہاں پر اکابر صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے تو ان کے سامنے زبان کھولنے سے حضرت ابن عمر نے حیاء کی۔ (صحیح البخاری:٦١)

اور بعض مواقع پر حیاء کو ترک کرنا مطلوب ہوتا ہے' اس کی مثال مجاہد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال میں آ رہی ہے۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ بتایا تھا کہ لطائف اور اسرار کو صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے' جو اس کے اہل ہوں' اب اس باب میں یہ بتایا ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی مسئلہ معلوم کرنے کی حاجت ہو تو وہ اس وجہ سے اس کے معلوم کرنے کو ترک نہ کرے کہ ممکن ہے میں اس کے علم کا اہل نہ ہوں اور سوال کرنے سے حیاء کرے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ. — اور مجاہد نے کہا: حیاء کرنے والا اور تکبر کرنے والا علم حاصل نہیں کر سکتا۔

یعنی جو شخص سوال کرنے سے حیاء کرے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس کو اس بات کا بھی علم نہیں' یا جو آدمی اپنے آپ کو بہت بڑا عالم سمجھتا ہو اور وہ سوال کرنے کو اپنی بڑائی کے خلاف سمجھتا ہو' امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: آپ نے اتنا عظیم علم کیسے حاصل کیا؟ تو امام اعظم نے فرمایا: میں نے کسی کو فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل نہیں کیا اور کسی سے فائدہ حاصل کرنے میں کبھی عار نہیں سمجھا۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ. — اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انصار کی خواتین کیا خوب خواتین ہیں' انہیں دین کو سمجھنے سے کبھی حیاء منع نہیں کرتی۔

امام بخاری نے یہ حدیث کا ایک فقرہ روایت کیا ہے اور جس حدیث کا یہ فقرہ روایت کیا ہے' وہ مکمل حدیث اس طرح ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک عورت اپنے پانی اور بیری کے پتوں کو لے کر اچھی طرح وضو کرے' پھر اپنے سر پر پانی ڈالے پھر اس کو اچھی طرح رگڑے' حتیٰ کہ اس کے سر کے تمام حصوں میں پانی پہنچ جائے' پھر اپنے سر پر پانی بہائے' پھر مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکیزگی حاصل کرے' حضرت اسماء نے کہا: اس سے کیسے پاکیزگی حاصل کرے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس سے پاکیزگی حاصل کرے' حضرت عائشہ نے چپکے سے ان سے کہا: اس مشک کے ٹکڑے سے خون کے نشانوں کو صاف کرے' پھر میں نے آپ سے غسل جنابت کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: پانی لے کر اس سے طہارت کرے' پھر اچھی طرح وضو کرے' پھر اپنے سر پر پانی بہائے' پھر سر کو اچھی طرح ملے حتیٰ کہ سر کے تمام حصوں میں پانی پہنچ جائے' پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہائے' حضرت عائشہ نے کہا: کیا خوب عورتیں ہیں' انصار کی عورتیں' انہیں دین کو سمجھنے سے حیا منع نہیں کرتی۔

(صحیح مسلم: ٣٣٢' الرقم المسلسل: ٧٣٤' سنن ابوداؤد: ٣١٦۔٣١٥۔٣١٤' سنن ابن ماجہ: ٦٤٢)

انصار کی خواتین سے مراد اہل مدینہ کی خواتین ہیں۔

١٣٠- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ اُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىْ مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ. تَعْنِىْ وَجْهَهَا. وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ؟ قَالَ نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا؟

[اطراف الحدیث: ٢٨٢۔٣٣٢٨۔٦٠٩١۔٦١٢١]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از زینب بنت ام سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا انہوں نے کہا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: یا رسول اللہ! اللہ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا' کیا عورت پر بھی غسل (واجب) ہوتا ہے' جب اسے احتلام ہو جائے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ پانی دیکھ لے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور کہا: یا رسول اللہ! عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! پس اس کا بچہ کس چیز سے اس کے مشابہ ہوتا ہے؟

(صحیح مسلم: ٣١٣' سنن ترمذی: ١٢٢' سنن نسائی: ١٩٧' سنن ابوداؤد: ٢٣٧' سنن ابن ماجہ: ٦٠٠' السنن الکبریٰ للنسائی: ١٠٩' سنن بیہقی ج ١ ص ٢٦٥' سنن دارمی: ٧٦٣' مسند ابوعوانہ ج ١ ص ٢٩٢' صحیح ابن حبان: ١١٦٦' مسند الشامیین: ١٧٤٩' مسند احمد ج ٦ ص ٩٢ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٤٦١٠۔ ج ٤١ ص ١٥٦' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں حیاء کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) محمد بن سلام البیکندی (٢) ابومعاویہ محمد بن حازم التمیمی (٣) ہشام بن عروہ (٤) عروہ بن الزبیر بن العوام' ان کا تعارف گزر چکا ہے (٥) زینب بنت ام سلمہ' یہ زینب بنت عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی ہیں' ان کی نسبت ان کی اُس ماں کی طرف ہے جو ام المؤمنین ہیں' ان کے اس شرف کو بیان کرنے کے لیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ (لے پالک) ہیں' اور یہ بتانے کے لیے کہ ان

کی روایت ان کی ماں سے ہے' جن کا نام پہلے برّہ تھا' پھر نبی ﷺ نے اس نام کو بدل کر ان کا نام زینب رکھ دیا' یہ اپنے زمانہ کی خواتین میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں' ان کی والدہ حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئیں اور وہاں سے ان کو لے کر آئیں' یہ عمر' سلمہ اور ذرّہ کی بہن تھیں' امام بخاری نے صرف ان کی یہی ایک حدیث روایت کی ہے اور امام مسلم نے دوسری حدیث روایت کی ہے' یہ ۷۳ھ میں فوت ہو گئی تھیں' ان سے بہت بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں (۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' یہ نبی ﷺ کی زوجہ تھیں' ان کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۳۱۸)

اللہ تعالیٰ کے حیاء کرنے کا معنی ہے: کسی کام کو ترک کرنا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں فرماتا' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے کو ترک نہیں فرماتا' اسی طرح میں بھی اپنی حاجت کے سوال کو ترک نہیں کرتی' جس کا سوال کرنے میں عموماً عورتیں حیاء کرتی ہیں' کیونکہ عورتوں کی منی کا نازل ہونا' اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو مردوں کی شدید خواہش ہے' حیاء کی تاویل ہم نے ترک کرنے سے اس لیے کی ہے کہ حیاء انسان کی اس کیفیت کو کہتے ہیں' جو کسی عیب یا مذمت کے خوف سے طاری ہوتی ہے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارا رب تبارک و تعالیٰ حیاء فرمانے والا کریم ہے' جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸' سنن ترمذی: ۳۵۵۶' سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۶)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بندہ کی دعا قبول نہ کرنے اور اس کے ہاتھوں کے خالی لوٹانے کو حیاء سے تعبیر فرمایا ہے' پس اللہ تعالیٰ کا ہاتھوں کے خالی لوٹانے کو ترک فرمانا' اس کا حیاء فرمانا ہے' جیسے کریم کا کسی محتاج کے لوٹانے کو ترک کرنا' اس کا حیاء کرنا ہے۔

بچہ ماں یا باپ کے کس وجہ سے مشابہ ہوتا ہے؟

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے عورت کی منی پر اس کے بچہ کی اس کے ساتھ مشابہت سے استدلال فرمایا ہے' جیسا کہ ایک اور حدیث میں حضرت ام سلیم کے جواب میں فرمایا:

پس مشابہت کس وجہ سے ہوتی ہے؟ مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے' پس ان میں سے جس کا پانی بھی غالب ہو اور سابق ہو' اسی کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۱۱' سنن نسائی: ۲۰۰۔۱۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۰۲' سنن ابن ماجہ: ۶۰۱)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: جب عورت کو احتلام ہو اور وہ پانی دیکھ لے تو کیا وہ غسل کرے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عائشہ نے اس عورت سے کہا: تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں اور جنگ زدہ ہوں' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو چھوڑ دو' عورت کی اپنے بچے کے ساتھ مشابہت اس پانی کی وجہ سے ہوتی ہے' جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو جائے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو جائے تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۱۴' الرقم المسلسل: ۷۰۰)

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور فوائد

(۱) پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق عالم سے سوال کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے۔

(۲) عورت یا مرد جس کو بھی احتلام ہو اور اس کے کپڑوں پر پانی لگ جائے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۳) مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور اس کی بو گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوتی ہے اور جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو اس کی بو انڈے کی طرح ہوتی ہے مرد کا پانی اچھل کر نکلتا ہے اور اس کے بعد جسم پر نقاہت اور کمزوری طاری ہوتی ہے اور اس پانی کے خروج کے وقت جسم کو لذت آتی ہے اور اس کے آلہ میں شہوت ہوتی ہے اور شہوت اور لذت سے خروج منی کے بعد غسل واجب ہوتا ہے اور عورت کی منی کے خروج کے بعد اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ اس کو شہوت ہو یا نہ ہو اور شہوت سے مراد یہ ہے کہ عورت کو مرد سے اور مرد کو عورت سے جماع کی خواہش ہو۔

(۴) اس حدیث میں قیاس کا ثبوت ہے اور ایک چیز کے لیے اس کی نظیر کا حکم ثابت کرنا ہے اور اس میں عورت کی منی کا ثبوت ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۱۸-۷۱۷۔ ج ۱ ص ۱۰۰۹ پر ہے وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۳۱- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَادِيَةِ وَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَحَدَّثْتُ اَبِيْ بِمَا وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ قُلْتَهَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثل ہے مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ پس لوگوں کے ذہن جنگل کے درختوں میں چلے گئے اور میرے ذہن میں یہ آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے پھر مجھے (بتانے سے) حیاء آئی صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں بتائیے وہ کون سا درخت ہے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: میں نے اپنے والد کو بتایا جو میرے ذہن میں آیا تھا انہوں نے کہا: اگر تم اس وقت بتا دیتے تو میرے لیے یہ اس سے زیادہ محبوب تھا کہ مجھے اتنا اور اتنا مال جاتا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح صحیح البخاری: ۶۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱- بَابُ مَنِ اسْتَحْيَا فَاَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ

جس شخص نے حیاء کی اور دوسرے شخص کو سوال کرنے کا حکم دیا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت واضح ہے کیونکہ دونوں بابوں میں حیاء کا ذکر ہے۔

۱۳۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاَمَرْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن داؤد نے حدیث بیان کی از الاعمش از منذر الثوری از محمد بن الحنفیہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بیان

الْمِقْدَادَ اَنْ يَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ. [اطراف الحدیث:۱۷۸-۲۶۹]

کرتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا' جس کو مذی بہت آتی تھی' میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں' انہوں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اس میں وضو کرنا ہے۔

(صحیح مسلم:۳۰۳' الرقم المسلسل:۶۸۱' سنن نسائی:۱۵۲' السنن الکبریٰ للنسائی:۵۸۸۸' مسند البزار:۶۵۰-۶۵۹' مسند احمد ج ۱ ص ۸۰ طبع قدیم' مسند احمد:۶۰۶-ج ۲ ص ۴۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت واضح ہے' کیونکہ باب کا عنوان ہے: حیاء کی وجہ سے دوسرے کو سوال کرنے کا حکم دینا' اور مذی عورت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے نکلتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کرتے ہوئے حیاء آتی تھی کیونکہ آپ کی صاحبزادی ان کے نکاح میں تھیں' اس لیے انہوں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ آپ سے یہ سوال کریں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مسدد بن مسرھد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) عبداللہ بن داؤد بن عامر الخریبی' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ مامون ہیں' ابوزرعہ اور محمد بن سعد نے کہا: یہ ثقہ' ناسک ہیں' انہوں نے کہا: میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' سوا ایک مرتبہ کے کم عمری میں' ابوحاتم نے کہا: یہ اپنی رائے پر عمل کرتے تھے اور صادق تھے' سوائے امام مسلم کے ان سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے' یہ ۲۱۳ ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) سلیمان الاعمش' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) منذر بن یعلیٰ' ابویعلی الثوری' ان کی احمد بن عبداللہ اور عبدالرحمان نے توثیق کی ہے اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے (۵) محمد بن حنفیہ' یہ محمد بن علی بن ابی طالب الہاشمی ہیں' الحنفیہ ان کی ماں تھیں' ان کا نام خولہ بنت جعفر الحنفی الیمامی ہے' یہ بنوحنیفہ کے قیدیوں میں سے تھیں' محمد بن حنفیہ اس وقت پیدا ہوئے' جب حضرت عمر کی خلافت کے دو سال رہ گئے تھے' یہ ۸۰ یا ۸۱ سال کی عمر میں ۱۱۴ ھ میں فوت ہو گئے تھے اور بقیع میں دفن کیے گئے' ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے (۶) حضرت علی بن ابی طالب الہاشمی رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۲۳)

مذی' ودی اور منی کی تعریفات

اس حدیث میں مذی کا ذکر ہے' ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ یہ وہ چکنی تری ہے' جو عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کے وقت مرد کے آلہ سے نکلتی ہے' اور اس کے نکلنے کے بعد جسم میں کمزوری طاری نہیں ہوتی اور نہ اس کے نکلنے کا احساس ہوتا ہے اور یہ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی زیادہ نکلتی ہے اور ودی وہ چکنی تری ہے' جو پیشاب کے بعد آلہ سے نکلتی ہے اور منی وہ سفید پانی ہے' جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے' اس کے خروج کے بعد جسم پر نقاہت اور کمزوری طاری ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۲۴)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت مقداد کا ذکر ہے:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ہیں' اسود بن عبد یغوث نے ان کی پرورش کی تھی یا ان کو بیٹا بنا لیا تھا' اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا' یہ بدری صحابی ہیں' یہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۴۲ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم ایک حدیث پر متفق ہیں اور امام مسلم ۳ احادیث کے ساتھ منفرد ہیں' مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر جرف کے مقام پر ان کی وفات ہوئی' اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی' ۳۳ ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی' ائمہ کی ایک جماعت نے ان سے احادیث

روایت کی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۲۵)

خروج مذی پر وضو کا وجوب اور بیوی کے والد کا احترام

اس حدیث میں آپ نے بتایا کہ مذی میں وضو ہے یعنی مذی کے خروج سے غسل واجب نہیں ہوتا' بلکہ وضو واجب ہوتا ہے کیونکہ یہ نجس ہے' اسی لیے اس کے خروج کے بعد آلہ کو دھونا واجب ہے۔

حضرت علی نے حضرت مقداد سے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کرو' اس سے معلوم ہوا کہ استفتاء میں نیابت جائز ہے' نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے والد کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے سامنے ایسی بات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے' جو ان کی بیٹی کے ساتھ جماع یا بوس و کنار کے ساتھ متعلق ہو' کیونکہ مذی کا خروج بیوی کے ساتھ بوس و کنار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۰۳۔ ج ۱ ص ۱۰۰۰ پر مذکور ہے' اس کی شرح کا عنوان ہے: باب مذکور کی حدیث کے مسائل۔

۵۲- بَابُ ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ

علم اور فتویٰ کا مسجد میں ذکر کرنا

فتویٰ کا معنی ہے: کسی پیش آمدہ مسئلہ کا شرعی جواب' جو عموماً مستند فقہاء سے حاصل کیا جاتا ہے' بابِ سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خروج مذی کے متعلق سوال کیا تھا اور اس باب کی حدیث میں ہے: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج کے احرام کے متعلق سوال کیا' یعنی دونوں بابوں میں ایک امر دینی کے متعلق سوال کا ذکر ہے۔

۱۳۳- حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللَّهِ مِنْ اَيْنَ تَامُرُنَا اَنْ نُّهِلَّ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَيُهِلُّ اَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَيُهِلُّ اَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَيَزْعُمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيُهِلُّ اَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ لَمْ اَفْقَهْ هٰذِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[اطراف الحدیث: ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۷۳۴۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث بن سعد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی' جو حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام ہیں از حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں کس جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل مدینہ ذوالحلیفۃ سے احرام باندھیں اور اہل شام جحفہ سے احرام باندھیں اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں' اور حضرت عمر نے کہا: لوگوں کا یہ زعم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل یمن' یلملم سے احرام باندھیں اور حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو نہیں سمجھا۔

(صحیح مسلم: ۱۱۸۱' الرقم المسلسل: ۲۷۵۷' سنن ابوداؤد: ۱۷۳۷' سنن نسائی: ۲۶۵۸' سنن ابن ماجہ: ۲۹۱۴' سنن ترمذی: ۸۳۱' سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۶' مسند ابوحنیفہ: ۲۲۴' صحیح ابن حبان: ۳۷۶۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۴۴۵۵۔ ج ۸ ص ۲۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج میں احرام

پاندھنے کا مسئلہ معلوم کیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) قتیبہ بن سعید (۲) لیث بن سعد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) نافع بن سرجس' ایک قول یہ ہے کہ یہ مغرب کے رہنے والے تھے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے' تیسرا قول ہے: یہ کابل کے رہنے والے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو بعض غزوات میں حاصل کیا تھا' اور عمر بن عبدالعزیز نے ان کو مصر بھیج دیا تھا تا کہ یہ سنت کا علم حاصل کریں۔ یہ ۱۱۷ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے (۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۲۸۔۳۲۷)

"اھلال" کا معنی اور مواقیت کا جغرافیائی مواضع وقوع

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں "نُہِلُّ" کا لفظ ہے' یہ "اِھْلَال" سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: احرام باندھ کر بلند آواز سے تلبیہ کہنا۔ جب بچہ پیدا ہونے کے بعد بلند آواز سے روتا ہے تو اس کو "اِسْتَھَلَّ" کہتے ہیں۔

"ذوالحلیفۃ" علامہ نووی نے کہا: یہ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے' قاضی عیاض نے کہا: یہ مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر ہے' ابن حزم نے کہا: یہ مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے اور مکہ سے ۱۹۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (مدینہ سے چھ یا سات میل پر ایک گاؤں ہے' جہاں سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں۔ معجم البلدان ص ۱۱۹)

"الجحفۃ" یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے' جو شام کی جانب ہے۔ یہ مکہ سے چھ یا سات مراحل پر واقع ہے' یہ سمندر کے قریب ایک شہر ہے۔ (مدینہ اور مکہ کی راہ پر چوتھی منزل پر ایک گاؤں ہے) یہ اہل شام اور مصر کی میقات ہے۔
(معجم البلدان اُردو' ص ۹۴)

"اھل نجد"' "نجد" کا معنی ہے: زمین کا جو حصہ زمین کے اوپر ہو' اس کو "نجد" اس لیے کہتے ہیں کہ یہ پتھریلی زمین ہے اور یہاں جانا بہت صعوبت کا باعث ہے" نجد" حجاز اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے۔ (عرب کا وسطی علاقہ' اس کا مرکزی شہر الریاض ہے' اس کی حدود بدلتی رہتی ہیں' اب اس کے مشرق میں بحرین ہے' مغرب میں حجاز ہے' شمال میں عراق اور جنوب میں صحراء ہے۔ معجم البلدان اُردو ص ۳۳۹)

"قرن" یہ گول اور چکنا پہاڑ ہے' جو شخص نجد کے راستہ سے آئے' اس کا میقات قرن المنازل ہے' یہ مکہ سے مشرق کی طرف ہے' یہاں سے مکہ ۲۷ میل ہے۔ (یہ مکہ سے اکیاون میل اور طائف سے چھتیس میل دور ہے۔ معجم البلدان اُردو ص ۲۷۲)

"یلملم" یہ تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے اور مکہ سے دو مرحلوں کے فاصلہ پر ہے' ابن حزم نے کہا: یہ مکہ کے جنوب میں ہے اور اس سے مکہ ۳۰ میل ہے' البکری نے کہا: اس کی وادیاں سمندر میں گرتی ہیں' یہ یمن کے راستہ میں ہے اور یہ تہامہ کے بڑے راستہ میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۳۰۔۳۲۸ ملخصاً)

"یلملم" مکہ کے جنوب میں دو شب کی مسافت پر اہل یمن کی میقات' جہاں حضرت معاذ بن جبل کی مسجد بھی ہے یا طائف کے قریب ایک پہاڑ۔ (معجم البلدان اُردو ص ۳۶۴)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۶۹۹۔ ج ۳ ص ۲۷۹۔۲۷۸ پر ہے' اس کی شرح میں حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) میقات کا لغوی اور شرعی معنی (۲) میقات سے گزرنے میں مذاہب اربعہ (۳) احناف کا موقف (۴) احرام کا فلسفہ۔

۵۳- بَابُ مَنْ اَجَابَ السَّائِلَ بِاَكْثَرَ مِمَّا سَاَلَهُ

جس نے سائل کے سوال سے زیادہ جواب دیئے

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں بھی سوال اور جواب تھے اور اس باب میں بھی سوال اور جواب کا ذکر ہے۔

۱۳٤- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ، وَلَا الْعِمَامَةَ، وَلَا السَّرَاوِيْلَ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ، اَوِ الزَّعْفَرَانُ، فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور از الزہری از سالم از ابن عمر از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایک شخص نے آپ سے سوال کیا: محرم کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا: وہ قمیص نہ پہنے اور عمامہ نہ پہنے اور شلوار نہ پہنے اور نہ ٹوپی پہنے اور نہ ایسا کپڑا پہنے جس کو زعفران یا ورس سے رنگا ہوا ہو، پس اگر اس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں (ورس سے مراد خوشبودار گھاس ہے)۔

[اطراف الحدیث: ۳۶۶-۱۵۴۲-۱۸۳۸-۱۸۴۲-۵۷۹۴-۵۸۰۳-۵۸۰۵-۵۸۰۶-۵۸۴۷-۵۸۵۲] (صحیح مسلم: ۱۱۷۷، الرقم المسلسل: ۲۷۴۵، سنن ابوداؤد: ۱۸۲۴، سنن نسائی: ۲۶۶۹-۲۶۷۴، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲۹-۲۹۳۲، مسند الشافعی ج ۱ ص ۳۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۶۴۹، مسند ابویعلیٰ: ۵۸۰۵، صحیح ابن حبان: ۳۷۸۴، سنن بیہقی ج ۵ ص ۴۹، شرح السنۃ: ۱۹۷۶، مسند احمد ج ۲ ص ۶۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۵۳۰۸- ج ۹ ص ۲۲۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: پس اگر اس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے، کیونکہ یہ جملہ اس کے سوال سے زائد ہے۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں، ان سب کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، آدم کا پورا نام آدم بن ابی ایاس ہے، اور ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبد الرحمان مدنی ہے، اور نافع حضرت ابن عمر کے آزاد کیے ہوئے غلام ہیں اور الزہری محمد بن مسلم بن شہاب ہیں اور سالم وہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے بیٹے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

''الکعبین'' کی تفسیر علامہ بدر الدین عینی سے

''الکعبین'' کے متعلق علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ نے صحیح البخاری کی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

یہ ''کعب'' کا تثنیہ ہے اور یہاں اس سے مراد وسط قدم کی وہ جگہ (ہڈی یا جوڑ) ہے جہاں جوتی کا تسمہ باندھتے ہیں نہ کہ وہ اُبھری ہوئی ہڈی جو پنڈلی کے جوڑ کی جگہ ہوتی ہے، کیونکہ ''کعب'' سے مراد وہ اُبھری ہوئی ہڈی وضو کے باب میں ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

علامہ عینی کا مطلب یہ ہے کہ حج میں ''کعب'' سے مراد ٹخنہ نہیں ہے' پنڈلی کے جوڑ پر جو اُبھری ہوئی ہڈی ہوتی ہے' اس کو عرف عام میں ٹخنہ کہتے ہیں' بلکہ اس سے وسط قدم مراد ہے' یعنی موزوں کو وسط قدم تک کاٹا جائے نہ کہ صرف ٹخنوں تک لیکن اس پر قوی اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ''کعبین'' کا لفظ ہے جو کہ تثنیہ کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: دو ہڈیاں اور وسط قدم میں تو صرف ایک ہڈی ہے' اس پر ''کعبین'' کا لفظ صادق نہیں آئے گا' ''کعبین'' کا لفظ تو صرف ٹخنوں پر صادق آئے گا' جو ہر پیر میں دو ہوتے ہیں' اس پر دوسرا قوی اشکال یہ ہے کہ موزوں کو ''کعبین'' تک کاٹنے کا مقصد تو یہ ہے کہ جوتوں کی بجائے ان کٹے ہوئے موزوں کو پہن کر چلا جائے' اگر ''کعبین'' سے مراد ٹخنے لیے جائیں تو پھر ٹخنوں تک موزوں کو کاٹ کر ان کو جوتوں کی جگہ پہن کر چلا جا سکتا ہے' لیکن اگر ''کعبین'' سے مراد وسط قدم کی ہڈی لی جائے اور وہاں تک موزوں کو کاٹ دیا جائے تو ان کٹے ہوئے موزوں کو پہن کر چلا نہیں جا سکتا' کیونکہ اب ان موزوں کے ٹھہرنے اور نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور مُحرم کی عجیب صورتِ حال ہوگی' اس کا آدھا پیر تو موزے کے اندر ہوگا اور آدھا پیر موزے سے باہر ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو اس مضحکہ خیز صورتِ حال پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر کا ''کعب'' کی تفسیر میں ہشام کے قول کو کتب لغت سے ردّ کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ' اس حدیث (۱۵۴۲) کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن حسن اور فقہاء احناف میں سے ان کے متبعین نے کہا ہے کہ ''کعب'' سے مراد یہاں وہ ہڈی ہے' جو قدم کے وسط میں ہوتی ہے' جس جگہ جوتی کا تسمہ باندھتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ''کعب'' کا یہ معنی اہل لغت کے نزدیک معروف نہیں ہے' اور اس پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ امام محمد کا یہ قول ثابت نہیں ہے' اور اس قول کو ان سے نقل کرنے کا سبب یہ ہے کہ ہشام بن عبید اللہ الرازی نے مُحرم کے مسئلہ میں ان سے یہ سنا کہ مُحرم کو جب جوتے نہ ملیں تو وہ اپنے موزوں کو کاٹ لے' پھر امام محمد نے اپنے ہاتھ سے کاٹنے کی جگہ کی طرف اشارہ کیا اور اس کو ہشام نے وضو میں پیر دھونے کی طرف نقل کر دیا' اسی وجہ سے علامہ ابن بطال اور دوسرے ان علماء پر ردّ کیا گیا ہے' جنہوں نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ''کعب'' سے مراد وہ معین ہڈی ہے' جو قدم کی پشت پر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ''کعب'' کا یہ معنی امام محمد سے منقول ہے اور اگر بالفرض یہ نقل صحیح ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہو اور اصمعی نے امامیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''کعب'' وہ گول ہڈی ہے' جو پنڈلی کی ہڈی کے نیچے پنڈلی اور قدم کے جوڑ پر ہوتی ہے اور جمہور اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ ہر قدم میں دو ''کعب'' ہوتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۹' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ ''کعب'' سے مراد وسط قدم کی ہڈی لینا' امام ابوحنیفہ کا قول ہے' نہ اس کو امام محمد بن حسن شیبانی نے کہیں لکھا ہے' یہ صرف علامہ ابوالحسن مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ اور شارحین ''ہدایہ'' نے ہشام بن عبد اللہ الرازی کے قول سے مستنبط کیا ہے' ''ہدایہ'' کی شرح میں علامہ عینی نے اس کے بالکل برخلاف لکھا ہے' جو انہوں نے بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں لکھا ہے۔

علامہ عینی کا ''کعب'' کی تفسیر میں ہشام کے قول کو کتب لغت' قواعد نحو اور احادیث سے ردّ کرنا

علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ نے ''ہدایہ'' میں لکھا: ''الکعب'' سے مراد وہ اُبھری ہوئی بلند ہڈی ہے۔

اس کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

''الکعب'' وہ ہڈی ہے' جو قدم کے جوڑ میں ہوتی ہے' جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ پر بلند ہوتی ہے (یعنی ٹخنے) اور الاصمعی نے

ان لوگوں کے قول کا انکار کیا ہے' جنہوں نے کہا: یہ ہڈی قدم کی پشت پر ہوتی ہے' انہوں نے جوہری سے یہ نقل کیا ہے کہ زجاج نے کہا ہے کہ'' الکعبان '' دو بلند ہڈیاں ہیں' جو پنڈلی کے آخر میں قدم کے ساتھ ہوتی ہیں (یعنی ٹخنے) اور ہڈیوں کا ہر جوڑ'' کعب '' ہے مگر یہ دونوں'' کعب '' دائیں اور بائیں قدم میں ظاہر ہوتے ہیں' اس وجہ سے اس کی ضرورت نہیں پڑتی کہ کہا جائے دو'' کعب '' وہ ہیں جن کی یہ اور یہ صفت ہے۔ (الصحاح للجوہری ج ۱ ص ۲۱۳' دار العلم للملایین' بیروت' ۱۴۰۷ھ) علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے اس عبارت پر یہ اضافہ کیا ہے کہ'' کعب '' سے مراد وہ ہڈی لینا جو قدم کی پشت پر ہوتی ہے' یہ شیعہ کا قول ہے اور اصمعی نے اس قول کا رد کیا ہے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۴۵۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت) علامہ ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (النہایہ ج ۴ ص ۱۵۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ) علامہ طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۴۱۶' مکتبہ دار الایمان' مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور'' المختصر'' میں لکھا ہوا ہے: ہر پیر میں دو'' کعب '' ٹخنے ہوتے ہیں اور پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ پر دو طرفوں کی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ (مختصر القدوری ص ۳۰' ادارۃ القرآن' ۱۴۲۲ھ) ابن جنی نے کہا: ابوکبیر کا قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ'' الکعبین '' وہ بلند ہڈیاں ہیں' جو ہر پنڈلی کے نیچے اس کی کروٹوں میں ہوتی ہیں اور وہ معین ہڈی' جو قدم کی پشت میں ہوتی ہے' وہ کعب نہیں ہے' اور الازہری نے'' التہذیب'' میں ثعلب سے نقل کیا ہے کہ'' الکعبان '' دو بلند ہڈیاں ہیں' انہوں نے کہا: یہ ابو عمرو بن العلاء اور الاصمعی کا قول ہے اور'' کتاب المنتہیٰ'' اور'' جامع القزاز'' میں مذکور ہے:'' الکعب '' وہ بلند ہڈی ہے' جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ پر ہوتی ہے اور ہر پیر میں دو'' کعب '' (ٹخنے) ہوتے ہیں اور اس کی جمع'' کعوب '' اور'' کعاب '' ہے۔

امامیہ اور تمام وہ لوگ جو پیروں پر مسح کے قائل ہیں' انہوں نے کہا: یہ گول ہڈی ہے جیسی بکریوں اور گایوں کی ہڈی ہوتی ہے' جو پنڈلی کے نیچے وہاں رکھی ہوئی ہے' جہاں پنڈلی اور قدم کا جوڑ ہے' جو تسمہ باندھنے کی جگہ ہے' اور فخر الدین ابن الخطیب نے کہا: الاصمعی نے'' الکعب '' میں امامیہ کے قول کو اختیار کیا ہے اور کہا: دو بلند طرفوں کو'' نجمان '' کہا جاتا ہے' اور یہ نقل اس کے خلاف ہے کہ'' کعب '' وسط قدم کی ہڈی ہے اور اگر'' کعب '' وہ ہوتا' جس کو انہوں نے ذکر کیا ہے تو ہر پیر میں ایک'' کعب '' ہوتا' پھر مناسب یہ تھا کہ یوں کہا جاتا کہ پیروں کو'' کعاب '' تک دھویا جائے' کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ انسان کی خلقت میں جو عضو واحد ہے' اس کا تثنیہ جمع کے صیغہ سے آتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا. (التحریم: ۴) پس بے شک تم دونوں کے دل راہِ اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے'' الی الکعبین '' کی جگہ'' الی الکعاب '' کیوں نہیں فرمایا' اور'' کعب '' سے قدم کے پشت کی ہڈی کو مراد لینا ایک مخفی چیز ہے' جس کو شارحین کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ہم نے جو'' کعبین '' کا معنی ذکر کیا ہے (یعنی ٹخنے) یہ معنی ہر ایک کو معلوم ہے اور مکلف کرنے کا مدار ظاہر معنی پر ہوتا ہے نہ کہ مخفی معنی پر' نیز حضرت عثمان کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنے دائیں پیر کو'' الکعبین '' تک دھویا' پھر اسی طرح بائیں پیر کو دھویا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۹' صحیح مسلم: ۲۲۶' الرقم المسلسل: ۵۲۷' سنن ابوداؤد: ۱۰۶' سنن نسائی: ۸۴)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر پیر میں دو'' کعب '' (ٹخنے) ہیں' اور اسی طرح یہ حدیث ہے:

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھا رکھو' اللہ کی قسم! تم اپنی

صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دے گا' حضرت نعمان نے کہا: میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کندھے کو اپنے صاحب کے کندھے کے ساتھ چمٹاتا تھا اور اپنے گھٹنے کو اس کے گھٹنے کے ساتھ اور اپنے ''کعب'' کو اس کے ''کعب'' کے ساتھ۔ (سنن ابوداؤد: ۶۶۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک شخص اپنے ''کعب'' کو اپنے صاحب کے ''کعب'' کے ساتھ چمٹاتا تھا' اگر ''کعب'' کا معنی وسط قدم کی ہڈی ہو تو پھر کوئی شخص اپنے ''کعب'' کو نماز میں اپنے صاحب کے ''کعب'' کے ساتھ نہیں ملا سکتا' یہ اسی وقت ہو سکتا ہے' جب ''کعب'' کا معنی ٹخنے ہو۔

درج ذیل حدیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ ''کعب'' کا معنی وسط قدم کی ہڈی نہیں ہو سکتا' بلکہ اس کا معنی ٹخنہ ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت طارق بن عبد اللہ المحاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذو المجاز کے بازار میں دیکھا' آپ کے اوپر سرخ جبہ تھا اور آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! کہو لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) تم فلاح پالو گے' اور ایک آدمی آپ کے پیچھے آپ کو پتھر مار رہا تھا اور آپ کی کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) اور آپ کے ''کعبین'' (ٹخنوں) سے خون بہ رہا تھا' اور وہ آدمی یہ کہہ رہا تھا: اے لوگو! اس کی بات نہ ماننا' یہ بہت بڑا جھوٹا ہے' میں نے پوچھا: یہ شخص کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ عبد المطلب کے بیٹے ہیں' پھر میں نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے' جو ان کا پیچھا کر رہا ہے اور ان کو پتھر مار رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ عبد العزیٰ ابولہب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۰۰' ادارۃ القرآن' ۱۴۰۶ھ' صحیح ابن حبان: ۶۵۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' سنن دار قطنی: ۲۹۴۴' ج ۳ ص ۴۴' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ' المستدرک: ۴۲۱۹' ج ۲ ص ۶۱۲' ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۲۰ھ' جمع الجوامع للسیوطی: ۱۱۴۵۱' سنن بیہقی ج ۱ ص ۷۶)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ''کعب'' سے مراد وہ بلند اُبھری ہوئی ہڈی ہے' جو قدم کی جانب میں ہوتی ہے' یعنی ٹخنہ' جب کوئی شخص کسی چلنے والے کو پیچھے سے پتھر مارے گا تو وہ اس کے وسط قدم کی پشت پر نہیں لگے گا' وہ اس کے ٹخنے پر ہی لگ سکتا ہے۔

صاحب ''ہدایہ'' نے کہا: ''کعب'' کا یہی معنی صحیح ہے' علامہ عینی فرماتے ہیں: صاحب ''ہدایہ'' نے اس قول کو صحیح کہہ کر ہشام بن عبد اللہ رازی کی روایت سے احتراز کیا ہے کہ ''کعب'' قدم کی پشت پر اس جگہ کو کہتے ہیں' جہاں تسمہ باندھا جاتا ہے' فقہاء نے کہا ہے کہ ہشام کو امام محمد بن حسن رحمہ اللہ سے نقل کرنے میں سہو ہوا ہے' کیونکہ امام محمد نے مُحرِم کے مسئلہ میں یہ کہا ہے کہ اگر اس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزوں کو ''کعبین'' (ٹخنوں) کے نیچے سے کاٹ لے اور امام محمد نے اپنے ہاتھ سے کاٹنے کی جگہ کی طرف اشارہ کیا' پس ہشام نے اس قول کو ''باب طہارت'' میں نقل کر دیا۔

علامہ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ ''کعب'' وہ ہڈی ہے' جو قدم کی پشت میں اُبھری ہوئی ہوتی ہے اور اس پر اعتراض کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جو کہا ہے اس کو اہل لغت نہیں پہچانتے' علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ ابن حجر کی امام ابوحنیفہ کے مذہب سے جہالت ہے' کیونکہ ابن حجر نے جو نقل کیا ہے' وہ امام ابوحنیفہ کا قول نہیں ہے اور نہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے کسی نے اس قول کو نقل کیا ہے' پس اس نے یہ کیسے کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہ نے ایسے ایسے کہا ہے اور یہ ان کی ائمہ کے خلاف بہت بڑی جرأت ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ ج ۱ ص ۷۱۔ ۶۹' مکتبہ حقانیہ' ملتان' ۱۴۰۸ھ)

''کعب'' کی تفسیر میں علامہ ابن حجر اور علامہ عینی کی عبارات پر مصنف کا محاکمہ

دراصل علامہ عینی خود بھول گئے کہ وہ ''عمدۃ القاری شرح بخاری'' میں کیا لکھ چکے ہیں' انہوں نے وہاں لکھا ہے کہ ''کعب'' سے مراد وسط قدم کی وہ ہڈی ہے' جس پر جوتی کا تسمہ باندھتے ہیں' نہ کہ وہ اُبھری ہوئی ہڈی' جو پنڈلی کے جوڑ کی جگہ ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۳۵) اور علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو یہ عتاب کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ ''کعب'' وسط قدم کی ہڈی ہے اور یہ اہل لغت کے نزدیک ثابت نہیں' سو یہ بھی علامہ عینی کا بے جا عتاب ہے' علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ بعض فقہاء احناف نے اس طرح کہا ہے اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے نہ امام محمد کا' ہم علامہ عینی کی طرف سے علامہ ابن حجر کی روح سے معذرت خواہ ہیں اور ہم اس پر شرمندہ ہیں کہ ہمارے بہت بڑے حنفی عالم نے علامہ ابن حجر کی شان میں نازیبا کلمات کہے' جب کہ وہ ان کلمات کے مصداق نہیں ہیں اور جو کچھ علامہ عینی نے ان کے خلاف کہا' وہ ان سے بَری ہیں' اللہ تعالیٰ ان دونوں محققین پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور ان کے درجات بلند کرے' بے شک علامہ ابن حجر نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ ''کعب'' سے مراد وسط قدم کی ہڈی نہیں ہے' بلکہ ٹخنے کی ہڈی ہے' لیکن انہوں نے صرف اہل لغت کے مبہم اقوال سے استدلال کیا ہے' اس پر انہوں نے ایک بھی حدیث نہیں پیش کی' جب کہ علامہ عینی نے اس پر متعدد کتب لغت کے حوالے دیئے ہیں' نحوی قواعد سے استدلال کیا ہے اور حضرت عثمان' حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہم کی صحیح اور صریح احادیث سے استدلال کیا ہے' جس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابن حجر کی بہ نسبت علامہ عینی کی احادیث پر بہت گہری نظر ہے اور علم میں ان کا مرتبہ حافظ ابن حجر سے کہیں زیادہ ہے' لیکن انسانی کمزوریوں سے کوئی بشر خالی نہیں ہے اور معاصرانہ تعصب بھی انسانی کمزوری ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم اور علامہ شامی کا ''کعب'' کی تفسیر میں ہشام کے قول کو ردّ کرنا

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ نے علامہ عینی کی طرف سے لکھا ہے' وہ لکھتے ہیں:

ہشام نے جو امام محمد سے روایت کی ہے کہ ''کعب'' کا معنی وسط قدم کی پشت ہے' یہ ان کا سہو ہے' کیونکہ انسان کے جن اعضاء کا تثنیہ (دو' دو) لکھنا ہو تو ان کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لکھا جاتا ہے' جیسے ''فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔'' (التحریم: ۴) میں ہے' یعنی تم دونوں کے دل قدرے کج ہو گئے اور اگر ہشام کی روایت صحیح ہوتی تو قرآن مجید میں ''الی الکعبین'' کی بجائے ''الی الکعاب'' ہوتا جیسے ''الی المرافق'' ہے۔ اسی طرح ''المبسوط'' میں ہے' لیکن بہتر یہ ہے کہ اس روایت پر لغت اور سنت سے ردّ کیا جائے' رہی لغت تو صحاح میں یہ تصریح ہے کہ ''کعب'' ابھری ہوئی بلند ہڈی کو کہتے ہیں اور الاصمعی نے اس قول کو ردّ کر دیا ہے کہ ''کعب'' کا معنی وسط قدم کی پشت ہے' انہوں نے کہا کہ ''کعب'' کلام عرب میں علو (بلندی) سے ماخوذ ہے' اسی وجہ سے ''کعبۃ'' کہتے ہیں' کیونکہ وہ بلند ہے اور رہی سنت تو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ٹیڑھا کر دے گا' حضرت نعمان بن بشیر نے کہا: میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کندھے کو اپنے صاحب کے کندھے سے ملاتا اور اپنے ''کعب'' کو اپنے صاحب کے ''کعب'' سے ملاتا (اور یہ اسی وقت ہوگا' جب ''کعب'' کا معنی ٹخنہ ہو نہ کہ وسط قدم کی پشت کی ہڈی)۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۴۔ ۱۳' المکتبۃ الماجدیہ' کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

''الکعبین'' قدم کی دونوں جانبوں میں دو اُبھری ہوئی ہڈیاں ہیں (یعنی ٹخنے) پھر انہوں نے ''البحر الرائق'' کے دلائل کے حوالے سے ہشام کی اس روایت کا ردّ کیا ہے کہ ''الکعب'' وسط قدم کی پشت کی ہڈی ہے۔

(ردالمحتار ج ا ص ۱۹۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

''کعب'' کی تفسیر میں ''صحیح البخاری'' کے دیوبندی شارحین کی لغزش

''صحیح بخاری'' کے دیوبندی شارحین اس تحقیق پر مطلع نہیں ہو سکے اور انہوں نے زیر بحث حدیث البخاری: ۱۳۴ کی شرح میں لکھا ہے کہ ''کعب'' کا معنی وسط قدم کی پشت کی ہڈی ہے۔

سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

اگر جوتے کو اوپر سے اس طرح چاروں طرف سے کاٹ دیا جائے کہ پاؤں کا اوپر کا حصہ اور بیچ کی ہڈی کھلی رہی تو وہ بھی جائز ہے۔(انوار الباری ج ۶ ص ۳۱۲ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

اس عبارت میں دوسری غلطی یہ ہے کہ حدیث میں تو جوتے نہ ملنے کی صورت میں موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹنے کا حکم ہے اور انہوں نے اس کی شرح میں جوتے کو چاروں طرف سے کاٹنے کو لکھا ہے۔

شیخ تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''کعبین'' سے وسط قدم کی ہڈی مراد ہے یعنی اس طرح کاٹ لیں کہ اس سے نیچے ہو جائیں۔

(انعام الباری ج ۲ ص ۲۲۶ مکتبۃ الحراء کراچی)

''کعب'' سے وسط قدم مراد لینے کی تاویل کا ابطال

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ وضو کی بحث میں ''کعب'' سے مراد ٹخنہ ہے اور محرم کی بحث میں ''کعب'' سے مراد وسط قدم کی ہڈی ہے' سو یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ جب کتب لغت' نحوی قواعد اور احادیث سے ثابت ہو گیا کہ ''کعب'' کا معنی ٹخنہ ہے تو اس کو محرم کی بحث میں وسط قدم کی ہڈی پر محمول کرنے کا کیا جواز ہے! نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے متعلق ہی فرمایا ہے کہ وہ موزے کو ''کعبین'' کے نیچے سے کاٹ لے' اور ''کعبین'' تثنیہ کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: دو ''کعب'' اور ہر پیر میں دو کعب ٹخنے ہی ہوتے ہیں' وسط قدم کی ہڈی تو ایک ہے' دو نہیں ہے' اس پر ''کعبین'' کا اطلاق کیسے درست ہو گا! دوسرے یہ کہ اگر موزے کو وسط قدم سے کاٹ دیا جائے تو آدھا پیر موزے کے اندر ہو گا اور آدھا پیر موزے سے باہر ہو گا اور آدھے پیر کا موزہ پہن کر نہ صرف یہ کہ چلنا بہت مشکل ہو گا بلکہ یہ صورت انتہائی مضحکہ خیز ہو گی اور حدیث رسول کو ایسے مضحکہ خیز معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام محمد ''کعب'' کے اس معنی سے بری ہیں۔

امام محمد کی ''المبسوط'' میں ہشام کی عبارت کی تحقیق

ہم نے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کے لیے امام محمد کی ''المبسوط'' (کتاب الاصل) کا مطالعہ کیا' اس میں امام محمد کی یہ عبارت نہیں ہے' جس کو فقہاء احناف نے نقل کیا ہے' البتہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ نے اس طرح لکھا ہے:

ہشام نے امام محمد رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب محرم کو جوتے نہ ملیں تو وہ اپنے موزوں کو ''کعبین'' کے نیچے سے کاٹ دے تاکہ وہ موزے جوتوں کے حکم میں ہو جائیں اور ہشام نے امام محمد کی طرف سے یہ تفسیر کی ہے کہ اس جگہ ''کعب'' سے مراد وہ جوڑ ہے جو وسط قدم میں تسمہ باندھنے کی جگہ پر ہوتا ہے' اسی وجہ سے ہمارے متاخرین مشائخ نے کہا ہے کہ محرم کے ''المشك'' پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ ''کعب'' کو نہیں چھپاتا تو وہ جوتوں کے حکم میں ہے۔(المبسوط ج ۴ ص ۱۳۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

ہشام کی یہ تفسیر اس لیے غلط ہے کہ وسط قدم میں کوئی جوڑ نہیں ہے' انسان کے قدم یا پیر کا عضو ایک سیدھا اور سپاٹ جسم ہے' اس

میں کوئی جوڑ نہیں ہے' جوڑ صرف پیر کی دونوں جانبوں میں ہے' جہاں پنڈلی ختم ہوتی ہے اور اس کی دونوں جانبوں میں ٹخنے ہیں اور یہی ''کعبین'' کا مصداق ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شمس الائمہ سرخسی کا جو قدیم نسخہ ہمارے پاس ہے' اس میں ہشام کی منقولہ عبارت نہیں ہے' اس کی عبارت اس طرح ہے:

امام محمد نے کہا: محرم نہ قباء (اچکن) پہنے' نہ قمیص نہ شلوار' نہ ٹوپی کیونکہ حضرت ابن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ محرم نہ قباء پہنے' نہ قمیص نہ شلوار اور نہ ٹوپی اور نہ موزے' البتہ اگر اس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزوں کو ''کعبین'' (ٹخنوں) کے نیچے سے کاٹ دے۔ (المبسوط ج ۴ ص ۷' دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

محرم کے لیے چمڑے اور ریگزین کی چپل پہننے کا جواز

ہم اس مسئلہ کی گہرائی اور گیرائی میں اس لیے گئے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ناواقف عوام میں یہ مسئلہ مشہور ہو گیا ہے کہ مُحرم کے لیے اسفنج یا ربڑ کی ایسی چپل پہننا ضروری ہے' جس میں پیر کی پوری پشت کھلی رہتی ہے اور چمڑے یا ریگزین کی ایسی چپل یا ایسا جوتا پہننا جائز نہیں ہے' جس میں پیر کی پشت ڈھکی ہوئی ہو' خواہ ٹخنے کھلے ہوئے ہوں' جب کہ ایسی چپل یا ایسے جوتے پہننا بالکل جائز ہیں' جیسا کہ ہماری تفصیل اور تحقیق سے ظاہر ہو چکا ہے۔

* ہم نے شرح صحیح مسلم: ۲۶۸۹ ج ۳ ص ۲۴۶ میں بھی یہ مسئلہ لکھا تھا' لیکن وہاں اختصار سے صرف چار سطریں لکھی تھیں' جب کہ یہاں ''نعمۃ الباری'' میں اس مسئلہ کو بالکل ''الم نشرح'' کر دیا ہے۔ الحمد للّٰہ علٰی ذلك.

اس اعتراض کا جواب کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ مُحرم کیا پہنے؟ تو آپ نے جواب میں وہ کپڑے ذکر کیے' جن کا پہننا ان کے لیے جائز نہیں

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ مُحرم کیا پہنے؟ تو آپ نے جواب میں ان کپڑوں کا ذکر فرمایا' جن کا پہننا محرم کے لیے جائز نہیں ہے' بہ ظاہر جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ محرم فلاں فلاں کپڑے پہنے تو اس خلاف ظاہر جواب کی کیا توجیہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس خلاف ظاہر جواب کے حسب ذیل فوائد اور حکمتیں ہیں:

(۱) محرم کے لیے جن کپڑوں کا پہننا ناجائز ہے' وہ منحصر اور منضبط ہیں اور جن کپڑوں کا پہننا اس کے لیے جائز ہے' وہ غیر منضبط اور غیر منحصر ہیں۔

(۲) اصل اشیاء میں اباحت ہے' مُحرم کے لیے جن کپڑوں کا پہننا ناجائز تھا' ان کو آپ نے بتا دیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کے ماسوا کپڑوں کا پہننا جائز ہے۔

(۳) اگر بالفرض آپ یہ فرماتے کہ مُحرم فلاں فلاں کپڑے پہنے تو ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص مفہوم مخالف سے یہ سمجھ لیتا کہ غیر محرم ان کپڑوں کے علاوہ کپڑوں کو نہیں پہن سکتا۔

(۴) آپ نے اس جواب سے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ دراصل سائل کو چاہیے تھا کہ وہ یہ پوچھتا کہ محرم کون سا لباس نہیں پہن سکتا اور اس کے لیے کون سا لباس پہننا حرام ہے کیونکہ حرام سے بچنا زیادہ اہم ہے' باقی رہا جواز تو اس کا جاننا زیادہ اہم نہیں ہے' کیونکہ وہ قیاس سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جزوی ملبوسات کو پہننے سے منع فرمایا ہے' وہ اپنے ضمن میں کلیات کے حامل ہیں' مثلاً آپ نے قمیص اور شلوار

کو پہننے سے منع فرمایا' اس سے یہ کلیہ نکلتا ہے کہ محرم کے لیے سلا ہوا کوئی کپڑا پہننا جائز نہیں ہے' شلوار کے لفظ سے اس پر متنبہ فرمایا کہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے کوئی سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں' عمامہ اور ٹوپی کے لفظ سے اس پر متنبہ فرمایا کہ احرام میں سر کو ڈھانپنا جائز نہیں' خواہ سلے ہوئے کپڑے سے' خواہ اَن سلے کپڑے سے اور موزوں کے ذکر سے پیروں کو ڈھانپنے کی حدود کا ذکر فرمایا اور زعفران اور ورس کے ذکر سے یہ بتایا کہ محرم کے لیے کسی قسم کی خوشبو لگانا جائز نہیں اور آپ نے مذکر کے صیغے ذکر فرمائے' اس میں یہ تنبیہ فرمائی کہ لباس کے یہ احکام خصوصاً مردوں کے لیے ہیں' عورت کے لیے اپنے تمام جسم کو چھپانا جائز ہے' خواہ لباس سلا ہوا ہو یا اَن سلا البتہ اس کے لیے منہ کو ڈھانپنا حرام ہے۔

(٦) احرام میں آپ نے جس قسم کے لباس سے منع فرمایا ہے' اس میں یہ حکمت ہے کہ محرم کو خوش نما لباس سے احتراز کرنا چاہیے اور سادہ لباس میں رہنا چاہیے' ممنوع کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے اور عبادت میں دل لگانا چاہیے اور کفن کے مشابہ لباس پہنے' تا کہ اس کو موت اور آخرت کی یاد آتی رہے اور خوشبو سے منع کرنے کی حکمت یہ ہے' تا کہ وہ دنیا کی زینت اور دنیا کی مرغوبات سے دور رہے۔

موزوں کو نیچے سے کاٹے بغیر پہننے میں مذاہب ائمہ

اس حدیث میں اس شخص کو موزے پہننے کی اجازت دی ہے' جس کو جوتے نہ ملیں' لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے' ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے' اس کے برخلاف امام احمد کا یہ مسلک ہے کہ محرم ٹخنوں کے نیچے سے موزوں کو کاٹے بغیر بھی ان کو پہن سکتا ہے' ان کا استدلال ان احادیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس محرم کو تہ بند نہ ملے' وہ شلوار پہن لے اور جس کو جوتے نہ ملیں' وہ موزے پہن لے۔

(صحیح البخاری: ١٨٠٤' صحیح مسلم: ١١٧٨' الرقم المسلسل: ٢٧٤٨' سنن ترمذی: ٨٣٤' سنن نسائی: ٢٦٧١' سنن ابن ماجہ: ٢٩٣١)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو جوتے نہ ملیں' وہ موزے پہن لے اور جس شخص کو تہ بند نہ ملے' وہ شلوار پہن لے۔ (صحیح مسلم: ١١٧٩' الرقم المسلسل: ٢٧٥١)

چونکہ ان احادیث میں موزوں کو کاٹنے کی شرط نہیں ہے' اس لیے امام احمد نے کہا ہے کہ موزوں کو کاٹے بغیر بھی پہننا جائز ہے' اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی جس حدیث میں موزوں کو کاٹنے کا حکم دیا ہے' وہ ان احادیث سے منسوخ ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ موزوں کو کاٹنا مال کو ضائع کرنا ہے۔

امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹے بغیر ان کا پہننا جائز نہیں ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر کی احادیث جو مطلق ہیں' ان کو ان احادیث پر محمول کرنا واجب ہے' جن میں موزوں کو کاٹنے کا حکم دیا ہے' کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے اور ثقہ راوی کی حدیث میں جو الفاظ زائد ہوں' ان کو قبول کر لیا جاتا ہے' اور ان کا موزوں کے کاٹنے کو مال کا ضائع کرنا قرار دینا صحیح نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام کیا جائے' اس کو تضییع مال کہنا جائز نہیں ہے۔

امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جس نے ضرورت کی بناء پر موزے پہنے' اس پر فدیہ واجب نہیں ہے کیونکہ اگر اس پر فدیہ

واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیتے' اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اس پر فدیہ واجب ہے' جیسے اس محرم پر فدیہ واجب ہوتا ہے' جو سر میں جوؤں کے عذر کی وجہ سے سر منڈائے۔

حضرت جابر اور حضرت ابن عباس کی حدیثوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس کو تہ بند نہ ملے' وہ شلوار پہن سکتا ہے' امام شافعی اور جمہور کا یہی مسلک ہے' البتہ امام مالک اس کو منع کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ عذر کی حالت میں محرم شلوار پہن سکتا ہے۔ (شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم ج ۵ ص ۳۱۷۲۔۳۱۶۷ ملخصا' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جس محرم کو تہ بند نہ ملے' وہ شلوار پہن سکتا ہے' لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کو فدیہ دینا ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۳۸)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۶۸۷۔ ج ۳ ص ۲۳۷ پر ہے' اس کی شرح میں مذاہب اربعہ میں احرام کی کیفیت کا بیان ہے۔

''کتاب العلم'' کا اختتام

صحیح البخاری: ۱۳۴ پر ''کتاب العلم'' ختم ہوگئی' ''کتاب العلم'' میں ۱۰۲' احادیث اور ۱۸' متابعات اور تعلیقات وغیرہ ہیں اور اس میں ۱۶ مکرر احادیث ہیں اور ان میں ۱۶' احادیث ایسی ہیں' جن کو امام مسلم نے روایت نہیں کیا اور اس میں ۲۲ صحابہ کے آثار ہیں۔

ابن رشد نے کہا ہے کہ امام بخاری نے ''کتاب العلم'' کو اس باب پر ختم کیا ہے: **''باب من اجاب السائل باکثر مما سئل عنه''** جس نے سائل کے سوال سے زیادہ جواب دیئے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ امام بخاری خیر خواہی کے جذبہ اور نیت صحیحہ پر اعتماد کرتے ہوئے انتہا پر پہنچ گئے ہیں اور اس سے کچھ پہلے انہوں نے یہ باب ذکر کیا تھا: **''من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیة ان لا یفھموا''** جس نے علم کی بات کسی ایک قوم کو بتائی' نہ کہ دوسروں کو ان کی ناسمجھی کو ناپسند کرتے ہوئے' تو امام بخاری نے بھی ایسا کیا ہے اور بعض مقامات پر اس وجہ سے ان احادیث کو روایت نہیں کیا' جو ان کے نزدیک صحیح الاسناد تھیں۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۷۷ ملخصا' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

آج ۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ/ ۶ مئی ۲۰۰۶ء بہ روز ہفتہ' ''صحیح البخاری'' کی ''کتاب العلم'' کی شرح مکمل ہوگئی۔ **الحمدللّٰہ حمدا کثیرا طیباً مبارکا فیه کما یحب ربنا و یرضی۔** الٰہ العٰلمین! ''صحیح البخاری'' کی باقی کتب کی شرح بھی مکمل فرمادے!

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم○ ربنا واجعلنا مسلمین لك وتب علینا انك انت التواب الرحیم○

❁❁❁❁❁

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

٤- کِتَابُ الْوُضُوْءِ [اَلطَّهَارَةِ]

وضوء کا بیان

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو "باب الوحی" سے شروع کیا' پھر "کتاب الایمان" کو ذکر کیا' اس کے بعد "کتاب العلم" کو ذکر کیا اور اب اس کے بعد "کتاب الوضوء" کو ذکر کیا' صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں "کتاب الوضوء" کے بجائے "کتاب الطھارۃ" لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ طہارت زیادہ اعم لفظ ہے وضو' غسل اور تیمم سب کو شامل ہے اور طہارت کا معنی نجاست کو زائل کرنا ہے' خواہ نجاست حقیقی اور حسی ہو یا حکمی ہو' اس لیے "کتاب الوضوء" کے بجائے "کتاب الطھارۃ" زیادہ موزوں لفظ ہے۔

"وضوء" کا لغوی اور شرعی معنی

"الوضوء" "الوضاءۃ" سے ماخوذ ہے' اس کا معنی حسن اور صفائی ہے' اگر یہ لفظ "وَضوء" ہو تو اس کا معنی وہ پانی ہے' جس سے وضو کیا جائے' اور اگر یہ لفظ "وُضوء" ہو تو اس کا معنی وضو کرنے کا فعل ہے' "طَھور" اور "طُھور" کے بھی اسی طرح دو معنی ہیں' "وضوء" کا شرعی معنی عنقریب وضوء کی احادیث سے معلوم ہو جائے گا اور اس آیت (المائدہ:٦) سے جس کو امام بخاری باب:١ کے عنوان میں ذکر کر رہے ہیں۔

١- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْوُضُوْءِ

وضوء کے متعلق جو احادیث وارد ہیں

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدہ:٦).

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "جب تم نماز کے قیام (کا ارادہ کرو) تو تم اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤO" (المائدہ:٦)۔

"صلٰوۃ" کا لغوی اور شرعی معنی

امام بخاری نے "کتاب الوضوء" کو اس آیت سے اس لیے شروع کیا ہے کہ وضوء کے مسائل کو مستنبط کرنے میں اصل یہ آیت ہے اور قرآن مجید کی آیت سے افتتاح کر کے تبرک حاصل کرنا بھی مقصود ہے۔

اس آیت میں "صلٰوۃ" کا لفظ ہے' یہ لفظ "صلا" سے بنا ہے' جس کا معنی وہ ہڈی ہے' جس پر دو کولہے ہیں' کیونکہ نماز کے رکوع اور سجود میں نمازی کے دونوں کولہے ملتے ہیں' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "صلٰوۃ" کا معنی دعا ہے اور نماز کے آخر میں دعا ہوتی ہے' اس لیے اس کو "صلٰوۃ" کہتے ہیں اور "صلٰوۃ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کو بھی کہتے ہیں اور نماز کے آخری تشہد میں آپ پر درود

پڑھا جاتا ہے اس لیے نماز کو ''صلٰوۃ'' کہتے ہیں اور ''صلٰوۃ'' کا شرعی معنی عبادت کے افعال مخصوصہ اور اذکار معلومہ ہیں اس آیت میں چہروں کو دھونے اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے اور سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے مسح کا معنی ہے: گیلا ہاتھ پھیرنا اور اس آیت میں ٹخنوں تک پیروں کو دھونے کا حکم ہے ''الکعبین'' کا معنی ٹخنے ہیں جس کی تفصیل اور تحقیق البخاری: ١٣٤ میں گزر چکی ہے اور یہی وضوء کا شرعی معنی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ آیت وضوء سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قیام کے بعد وضوء کیا جائے

بہ ظاہر اس آیت کا معنی ہے: جب تم نماز میں قیام کا ارادہ کرو تو وضوء کرو جب کہ نماز میں قیام سے پہلے وضوء کیا جاتا ہے اس لیے یہاں پر مراد یہ ہے کہ جب تم نماز میں قیام کا ارادہ کرو تو وضوء کرو اس پر پھر اعتراض ہوگا کہ اگر نمازی نے پہلے سے وضوء کیا ہو تو کیا پھر بھی اس پر وضوء کرنا واجب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد ہے: جب تم بے وضوء ہو اور نماز میں قیام کا ارادہ کرو تو پھر وضوء کرو۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ (النحل: ٩٨)

پس جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو ○

بہ ظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم قرآن پڑھ چکو تو پھر ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھو حالانکہ تعوذ کو قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے پڑھنا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ جب تم قرآن کریم پڑھنے کا ارادہ کرو تو پھر تعوذ پڑھو۔

اس اعتراض کا جواب کہ وضوء کا معروف اور مسنون طریقہ آیت وضوء کے خلاف ہے

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں پہلے چہروں کو دھونے کا حکم ہے حالانکہ وضوء کا معروف اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں پھر کلی کی جائے پھر ناک میں پانی ڈالا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ پاک پانی سے وضوء کیا جائے اور پانی کے پاک ہونے کا تین اوصاف سے پتا چلتا ہے پانی میں نجاست کا رنگ نہ ہو اور اس میں نجاست کا ذائقہ نہ ہو اور اس میں نجاست کی بُو نہ ہو جب پانی سے ہاتھ دھوئے تو معلوم ہو گیا اس میں نجاست کا رنگ نہیں ہے جب کلی کی تو معلوم ہو گیا کہ اس میں نجاست کا ذائقہ نہیں ہے اور جب ناک میں پانی ڈالا تو معلوم ہو گیا کہ اس میں نجاست کی بو نہیں ہے اور جب پانی کے اوصاف ثلاثہ سے اس کی طہارت کا یقین حاصل ہو گیا تو پھر وضوء کرنا شروع کر دیا۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ بَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ فَرْضَ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً وَتَوَضَّاَ اَيْضًا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَكَرِهَ اَهْلُ الْعِلْمِ الْاِسْرَافَ فِيْهِ وَاَنْ يُّجَاوِزُوْا فِعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

امام ابوعبداللہ نے کہا: اور نبی ﷺ نے یہ بیان کیا ہے کہ وضوء کا فرض ایک ایک بار دھونا ہے اور آپ نے دو دو بار بھی دھویا ہے اور تین تین بار بھی اور تین بار سے زیادہ نہیں دھویا اور اہل علم نے وضوء میں اسراف کو مکروہ کہا ہے اور نبی ﷺ کے فعل سے تجاوز کرنے کو بھی مکروہ کہا ہے۔

یہاں امام بخاری نے ایک ایک بار دو دو بار اور تین تین بار دھونے کے متعلق احادیث معلقہ ذکر کی ہیں اس کے بعد ان کے متعلق احادیث موصولہ بھی ذکر کی ہیں البخاری: ١٥٧ میں ایک ایک بار دھونے کی حدیث ہے البخاری: ١٥٨ میں دو دو بار دھونے کی حدیث ہے اور البخاری: ١٥٩ میں تین تین بار دھونے کی حدیث ہے۔

''وضـو''میں اسراف کرنے کو امام بخاری نے مکروہ کہا ہے' اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے' مکروہ تحریمی نہیں ہے' امام احمد نے تین بار سے زیادہ دھونے کو ناجائز کہا ہے اور ابن المبارک نے کہا: مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص گناہ گار ہوگا۔

اعضاءِ وضوء کو تین تین بار سے زیادہ دھونے کی کراہت کی دلیل

تین بار سے زیادہ دھونا' اس حدیث کی وجہ سے مکروہ ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد (عبداللہ بن عمرو) سے' اپنے دادا (عمرو بن العاص) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! وضوء کس طرح ہوتا ہے' آپ نے ایک پانی کا برتن منگایا' پھر اس میں سے پانی لے کر تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھویا' پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا' پھر تین مرتبہ اپنی کلائیوں کو دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا' پھر شہادت کی دو انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا' پھر اپنے انگوٹھوں سے اپنی کانوں کے ظاہر پر مسح کیا اور شہادت کی دو انگلیوں سے کانوں کے باطن پر مسح کیا' پھر اپنے دونوں پیروں کو تین تین بار دھویا' پھر فرمایا: اس طرح وضوء ہوتا ہے' جس نے اس پر زیادتی کی یا اس سے کمی کی تو اس نے بُرا کام کیا اور ظلم کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۳۵' سنن نسائی: ۱۴۰' سنن ابن ماجہ: ۴۲۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰)

آپ نے تین دفعہ سے کم دھونے یا تین دفعہ سے زیادہ دھونے کو جو بُرا کام اور ظلم فرمایا ہے' یہ اس شخص کے لیے ہے' جو تین دفعہ دھونے کو صحیح اور سنّت نہ سمجھے اور جو شخص تین دفعہ سے کم ایک بار یا دو بار دھوئے اور اس کی یہ نیت ہو کہ آپ نے بھی ایک ایک بار اور دو دو بار دھویا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے' اسی طرح جو شخص اپنا شک دور کرنے کے لیے یا زیادہ صفائی حاصل کرنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین تین بار سے زیادہ دھوئے' وہ بھی اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

٢- بَابٌ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ — بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی

اس عنوان میں طہارت سے مراد عام ہے' جو غسل اور وضوء دونوں کو شامل ہے' اس باب کو بعد کے ابواب پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ یہ کتاب وضوء اور غسل کے احکام میں ہے اور نماز ان میں سے کسی ایک کے بغیر مقبول نہیں ہوتی۔ اس عنوان کی صحت پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ قبول ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۴' الرقم المسلسل: ۵۲۴' سنن ترمذی: ۱' سنن ابن ماجہ: ۲۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹)

١٣٥- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ قَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ. [طرف الحدیث: ٦٩٥٤]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی' از ہمام بن منبہ' بے شک انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے وضوء توڑ دیا' اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک کہ وہ وضوء نہ کر لے' حضر موت کے ایک شخص نے کہا: اے ابوہریرہ! حدث کیا ہے؟ انہوں نے کہا: بغیر آواز کے ہوا کا خارج ہونا یا آواز سے ہوا کا خارج ہونا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۵' الرقم المسلسل: ۵۲۶' سنن ابوداؤد: ۶۰' سنن ترمذی: ۷۶' سنن ابن ماجہ: ۵۱۵' صحیح ابن خزیمہ: ۲۷' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۱۷-۲۲۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۰ طبع قدیم' مسند احمد: ۹۲۱۳-ج ۱۵ ص ۱۸۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کلیۃً مطابقت نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان عام ہے: طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور حدیث خاص ہے کہ وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف ہو چکا ہے اور ان کی احادیث کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے' ماسوا اسحق بن راھویہ کے' کیونکہ امام ابن ماجہ نے ان کی احادیث کو روایت نہیں کیا' اسحاق بن ابراہیم الحنظلی' اسحاق بن راھویہ کے نام سے مشہور ہیں اور عبد الرزاق بن ہمام ہیں اور معمر بن راشد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۷۰)

''اَحْدَثَ' حَضرَمَوْت' فُساءٌ'' اور ''ضُرَاطٌ'' کے معانی

اس حدیث میں ''احدث'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جس شخص نے اپنا وضوء توڑ دیا۔

''حضرموت'' یہ یمن کے ایک شہر یا اس کے ایک قبیلہ کا نام ہے' یہ اصل میں دو نام تھے' جن کو ملا کر ایک نام بنا دیا گیا۔

''فساء او ضراط'' یہ دونوں اس معنی میں مشترک ہیں کہ جو ہوا دُبر سے خارج ہو' اگر وہ ہوا بغیر آواز کے ہو تو اس کو ''فساء'' کہتے ہیں اور اگر وہ ہوا آواز کے ساتھ خارج ہو تو اس کو ''ضراط'' کہتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوہریرہ نے صرف ہوا خارج ہونے کو وضوء ٹوٹنے کا سبب بیان کیا ہے' حالانکہ وضوء ٹوٹنے کے اور بھی اسباب ہیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری المالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے وضوء ٹوٹنے کے صرف دو سبب بیان کیے ہیں' حالانکہ وضوء ٹوٹنے کے اور بھی اسباب ہیں: پیشاب اور پاخانہ کرنے' مذی اور ودی کے نکلنے' مباشرت کرنے' ٹیک لگا کر سونے اور خون نکلنے سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک عورت کو چھونے اور مسِ ذکر سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے وضوء ٹوٹنے کا وہ سبب بیان کیا ہے' جو سبب غالب ہے اور جس کا اکثر وقوع ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

نمازِ جنازہ' نمازِ عید اور سجدۂ تلاوت کے لیے وضوء کرنے کا وجوب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے وضوء توڑ دیا' اس کی نماز قبول نہیں ہو گی' حتیٰ کہ وہ وضوء کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازوں کے لیے وضوء کرنا ضروری ہے اور اس میں نمازِ جنازہ اور نمازِ عیدین وغیرہما داخل ہیں' شعبی اور محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ نمازِ جنازہ بغیر وضوء کے پڑھنا جائز ہے' ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ ان کا یہ قول اس باب کی حدیث اور اجماع کے خلاف ہے' فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے عمداً بغیر عذر کے بے وضوء نماز پڑھی تو وہ گنہ گار ہو گا' کافر نہیں ہو گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا' کیونکہ اس نے نماز کو کھیل بنا لیا۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ سجدۂ تلاوت نماز نہیں ہے' اس لیے بغیر وضوء کے سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے' اسی طرح جنبی اور حائض کے لیے بھی سجدۂ تلاوت ادا کرنا جائز ہے اور اس میں قبلہ کی طرف منہ کرنا بھی شرط نہیں

ہے۔(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۹۷ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ نے بھی لکھا ہے:

سجدۂ تلاوت کی احادیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے' جو اس پر دلالت کرے کہ سجدۂ تلاوت کرنے والے کو باوضوء ہونا چاہیے۔(نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۸۰ 'دارالوفاء' ۱۴۲۱ھ)

ہمارے نزدیک یہ دونوں قول باطل ہیں' سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے بھی باوضوء ہونا ضروری ہے' حدیث میں ہے:

عن ابن عمر لا یسجد الرجل الا وھو طاھر. حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ کوئی شخص بغیر وضوء کے سجدہ نہ کرے۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۵ 'مطبوعہ ملتان)

امام ابن ابی شیبہ نے حماد اور سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جب جنبی شخص آیت سجدہ کو سنے تو غسل کرے' اس کے بعد سجدہ کرے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۳ 'ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

* اس مسئلہ کو ہم نے زیادہ تفصیل اور تحقیق سے تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۹۶۔ ۶۹۴ 'الواقعہ: ۷۹ میں لکھا ہے۔

نماز کے دوران ازخود وضوء ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضوء کر کے اسی نماز پر بناء کر سکتا ہے یا نہیں؟

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضوء ٹوٹنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے' خواہ وضوء ٹوٹنا اختیاری ہو یا اضطراری۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۸۰ 'دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

دراصل علامہ ابن حجر نے یہ فقہاء احناف پر تعریض کی ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر نماز میں انسان کا وضوء ازخود بلا قصد ٹوٹ گیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی' وہ دوبارہ وضوء کر کے اسی نماز پر بنا کر سکتا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا نماز میں وضوء ٹوٹ جائے' وہ واپس جائے' اگر امام ہے تو کسی کو خلیفہ بنا دے اور وضوء کرے اور اسی نماز پر بناء کرے اور قیاس یہ ہے کہ دوبارہ نماز پڑھے اور یہی امام شافعی کا قول ہے کیونکہ وضوء ٹوٹنا نماز کے منافی ہے اور وضوء کے لیے چل کر جانا اور قبلہ سے منحرف ہونا' نماز کو فاسد کر دیتے ہیں' لہٰذا یہ عمداً وضوء توڑنے کے مشابہ ہو گیا۔(ہدایہ اولین ص ۱۲۸ ' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

ہمارا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو (نماز میں) قے آ جائے یا نکسیر آ جائے یا مذی نکل آئے تو وہ واپس جائے اور وضوء کرے' پھر اس کی جو نماز گزر چکی ہے' اس نماز پر بناء کرے اور وہ اس درمیان میں بات نہ کرے۔(سنن ابن ماجہ: ۱۲۲۱ 'سنن دار قطنی: ۵۵۴ ' کامل ابن عدی ج ۱ ص ۲۹۶)

ابن جریج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں قے آ جائے یا تھوڑی سی قے ہو تو وہ لوٹ جائے اور وضوء کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے' جب تک اس نے کلام نہ کیا ہو۔

(سنن دار قطنی: ۵۵۵ 'سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۴۲ 'سنن دار قطنی: ۵۶۰)

ابن جریج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو قے آ جائے یا تھوڑی سی قے یا اس کی مذی نکل آئے اور وہ نماز میں ہو تو وہ واپس جائے اور وضوء کرے' پھر واپس آ کر اپنی نماز پر بناء کرے' جب تک اس نے

کلام نہ کیا ہو۔ (سنن دار قطنی: ۵٦۱ 'سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۴۳-۱۴۲)

ان احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ جس شخص نے نماز میں وضوء ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضوء کر کے اسی نماز پر بناء کی ہے' اس کا یہ عمل اس باب کی حدیث کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس نے بہر حال وضوء کر کے نماز پڑھی ہے' اگر چہ قیاس یہ ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے اور اس مسئلہ میں حدیث بھی وارد ہے' اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت علی بن طلق الحنفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو وہ لوٹ جائے' پھر وضوء کرے اور اپنی نماز کو دہرائے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۰۵ 'سنن ترمذی: ۱۱٦۴ 'سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۵۵ 'شرح السنۃ: ۷۵۳ 'صحیح ابن حبان: ۲۲۳۷ 'سنن دار قطنی: ۵۵۳ 'مسند احمد ج ۱ ص ۸٦)

ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنے کا جواز

قرآن مجید میں ہے: جب تم میں سے کوئی نماز میں قیام کا ارادہ کرے تو اپنے چہروں کو دھوئے اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے (الخ) یعنی مکمل وضوء کرے۔ آیا ہر نماز کے لیے اس پر وضوء کرنا ضروری ہے یا ایک نماز سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا' حضرت عمر نے کہا: آج آپ نے وہ کام کیا ہے' جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے' آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے عمداً یہ کام کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۷۷ 'الرقم المسلسل: ۶۳۰ 'سنن ابوداؤد: ۱۷۲ 'سنن ترمذی: ٦۱ 'سنن نسائی: ۱۳۳ 'سنن ابن ماجہ: ۵۱۰)

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۴۵۔ ج ۱ ص ۸٦۳ پر مذکور ہے اور اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

① موجب طہارت کی تحقیق ② فاقد الطہورین پر نماز کے وجوب میں فقہاء شافعیہ کے اقوال ③ فاقد الطہورین پر نماز کے وجوب میں فقہاء احناف کا نظریہ ④ بلا طہارت نماز پڑھنے والے کو کافر قرار دینے کی تحقیق ⑤ فاسقوں کے لیے زجراً دعا نہ کی جائے ⑥ مال حرام سے استبراء کا طریقہ۔

٣- بَابُ فَضْلِ الْوُضُوْءِ وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ

وضوء کی فضیلت اور آثارِ وضوء سے جن مسلمانوں کے چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور چمک دار ہوں گے

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ وضوء کرنے کی وجہ سے وضوء کرنے والے مسلمانوں کو دوسروں پر فضیلت دی جائے گی اور اس باب کی پہلے باب سے مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں یہ بتایا تھا کہ وضوء کے بغیر نماز جائز نہیں ہے اور اس باب میں وضوء کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

١٣٦- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ هِلَالٍ، عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِيْتُ مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّاَ، فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی' از خالد از سعید بن ابی ہلال از نعیم المجمر' انہوں نے کہا: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا' حضرت ابوہریرہ نے وضوء

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ. (صحیح مسلم:۲۴۶ الرقم المسلسل:۵٦۸ سنن ابن ماجہ:۴۲۸۲ سنن نسائی:۱۵۰ مسند ابوعوانہ ج۱ ص۲۴۳ صحیح ابن خزیمہ:۱۰٦ مسند احمد ج۲ ص۳۳۴ طبع قدیم مسند احمد:۸۴۱۳۔ ج۱۴ ص۱۳٦ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

کیا' پھر کہا: بے شک میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک میری امت کو وضوء کے آثار کی وجہ سے قیامت کے دن "غُرّ مُحجّل" (جن کے چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا' پس تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی کو طول دینا چاہے' سو وہ ایسا کرے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی آثارِ وضوء سے غر محجل ہونے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) یحییٰ بن بکیر (۲) لیث بن سعد مصری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) خالد بن یزید البربری' فقیہ' مفتی تابعی ہیں' ثقہ ہیں' ۱۳۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) سعید بن ابی ہلال اللیثی' یہ مصر میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں پرورش پائی' پھر ہشام کی خلافت میں دوبارہ مصر لوٹ آئے اور ۱۳۵ھ میں فوت ہو گئے (۵) نعیم بن عبد اللہ المجمر' یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کرتے ہیں' اور ان سے ان کے بیٹے محمد اور امام مالک روایت کرتے ہیں' امام ابو حاتم اور دوسروں نے ان کی توثیق کی ہے' یہ بیس سال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں رہے ہیں' المجمر ان کے والد کی صفت ہے' اس کا معنی ہے: لوبان کی دھونی دینے والا' یہ مسجد میں لوبان کو سلگا کر اس کی خوشبو پھیلاتے تھے' صحابہ میں بھی نعیم بن عبد اللہ النحام نام کے لوگ تھے۔ (عمدۃ القاری ج۲ ص۳۷۴)

"غرّ محجّل" کا معنی

اس حدیث میں "غرّ محجل" کا لفظ ہے۔ "غُرّۃ" اس گھوڑے کو کہتے ہیں' جس کا ماتھا سفید ہو اور "مُحجّل" اس گھوڑے کو کہتے ہیں' جس کے تین پیر سفید ہوں' قیامت کے دن وضوء کرنے والے مسلمانوں کے آثارِ وضوء سے ان کے چہرے اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے۔

امت دعوت اور امت اجابت

اس میں آپ نے فرمایا ہے: میری امت غر محجل ہو گی' آپ کی امت کی دو قسمیں ہیں: امت دعوت اور امت اجابت' امت اجابت وہ لوگ ہیں' جو آپ پر ایمان لائے اور امت دعوت وہ لوگ جن کو آپ نے اسلام کی دعوت دی اور وہ آپ پر ایمان نہیں لائے' یہاں اُمت اجابت کی فضیلت مراد ہے۔

آثارِ وضوء سے چہرے' ہاتھوں اور پاؤں کا سفید ہونا' اس امت کی خصوصیت ہے

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

ابو محمد اصیلی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ وضوء کرنا آپ کی امت کی خصوصیت ہے' دوسری امتیں وضوء نہیں کرتی تھیں۔ (شرح ابن بطال ج۱ ص۲۱٦' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

مصنف کے نزدیک آپ کی امت کی خصوصیت آثارِ وضوء سے غر محجل ہونا ہے' وضوء کرنا آپ کی امت کی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ پہلی امتیں بھی وضوء کرتی تھیں:

حضرت سارہ کو جب ایک کافر بادشاہ نے گرفتار کرالیا اور وہ بُری نیت سے ان کی طرف کھڑا ہوا تو انہوں نے کھڑے ہو کر وضوء

کیا اور نماز پڑھی اور یہ دعا کی: اے اللہ! بے شک میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے علاوہ اپنی عصمت کی حفاظت کی ہے سو تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ کر' پھر اس کافر کا پیر زمین میں دھنس گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۷ ' صحیح مسلم ۲۳۷۱ ' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۳)

بنی اسرائیل کا ایک عابد تھا جریج' اس کو اس کی ماں نے نماز میں آواز دی' وہ سوچنے لگا: ایک طرف ماں بلا رہی ہے' دوسری طرف نماز ہے' وہ نماز میں مشغول رہا۔ ماں نے تین دفعہ آواز دی' وہ نہیں گیا تو ماں نے اس کو بددعا دی: اے اللہ! یہ اس وقت تک نہ مرے جب تک کہ فاحشہ عورت کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے' ایک چرواہی نے جریج کو دعوتِ گناہ دی' اس نے انکار کیا' اس نے کسی چرواہے سے اپنی خواہش پوری کر لی اور اس کے ہاں ناجائز بچہ پیدا ہو گیا اور اس نے جُریج پر اس کا الزام لگا دیا' لوگوں نے جریج کو مارا اور اس کا گرجا منہدم کر دیا' جُریج نے وضوء کیا اور نماز پڑھی' پھر اس نوزائیدہ بچے سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نومولود بچے نے کہا: میرا باپ چرواہا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۸۲ ' صحیح مسلم: ۲۵۵۰)

ہاتھوں کو کہنیوں سے اوپر اور پیروں کو ٹخنوں سے اوپر دھونے کی ممانعت پر علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض کے دلائل

اس حدیث میں ہے: پس تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی کو طول دینا چاہے' وہ ایسا کرے۔

علامہ ابن بطال مالکی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ نے حدیث کے اس جملہ کی یہ تاویل کی ہے کہ وضوء کی حد سے زیادہ وضوء کرنا چاہیے' پس وہ آدھی پنڈلیوں تک وضوء کرتے تھے اور آدھے بازو تک وضوء کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری سفیدی طویل ہو جائے اور اس فعل میں حضرت ابو ہریرہ کی کسی نے موافقت نہیں کی اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وضوء میں اللہ اور رسول کی معین کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور رسول اللہ ﷺ فضیلت کے حصول میں تمام لوگوں پر سبقت کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ رغبت کرنے والے تھے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے' آپ نے کبھی وضوء کی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔

اور حضرت ابو ہریرہ کے خلاف اس آیت میں دلیل ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ. (الطلاق:۱) اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے' اپنے دادا سے یہ روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے وضوء کے متعلق سوال کیا تو آپ نے پانی کا برتن منگایا اور تین تین مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا: اسی طرح وضوء کرنا چاہیے جس نے اس سے زیادہ بار وضوء کیا' اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۳۵ ' سنن نسائی: ۱۴۰ ' سنن ابن ماجہ: ۴۲۲ ' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰)

اور نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے: تم میں سے جو شخص طاقت رکھتا ہو وہ اپنی سفیدی کو لمبا کرے' اس کا محمل یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص ہر نماز کے لیے دائماً وضوء کر سکتا ہو تو وہ ایسا کرے کیونکہ اس سے غرہ لمبا ہوتا ہے یعنی اس کا نور قوی ہوتا ہے اور اس کی رونق دگنی چوگنی ہوتی ہے' پس غرہ قیامت کے دن چہرے کے نور سے کنایہ ہے اور طول اور دوام کا معنی متقارب ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۱۶ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ نے بھی وضوء کو لمبا کرنے کی ممانعت پر یہی دلائل دیئے ہیں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ٢ ص ٤٤ ' دار الوفاء' بیروت' ١٤١٩ھ)

علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض کے دلائل پر علامہ نووی شافعی اور علامہ عینی کا تبصرہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی اور قاضی عیاض مالکی نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ کہنیوں اور ٹخنوں سے اوپر دھونا مستحب نہیں ہے' سو ان کا یہ دعویٰ باطل ہے اور ان کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے' اور اگر کوئی مخالف اس کی مخالفت کرے تو اس کو ان دلائل سے رد کر دیا جائے گا' اور علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''جس نے تین دفعہ سے زیادہ دھویا یا کم دھویا تو اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا'' ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد عدد میں زیادتی اور کمی ہے' یعنی تین بار سے زیادہ دھوئے یا تین بار سے کم دھوئے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم ج ٢ ص ١١٨٧' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علامہ ابن بطال پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ فعل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے' جس کو آپ نے نہیں دیکھا؟ فرمایا: وہ وضوء کے آثار سے غر محجل ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٤٠)

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وضوء کو کتنی مقدار تک لمبا کرنا مستحب ہے' پس کہا گیا ہے کہ ہاتھوں کو کندھوں تک دھوئے اور پیروں کو گھٹنوں تک دھوئے' ایک قول ہے: نصف بازو اور نصف پنڈلی تک دھوئے اور ایک قول اس سے اوپر تک ہے۔ اسی طرح علامہ ابن بطال کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ سفیدی کو لمبا کرنے کا معنی اس پر دوام کرنا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢ ص ٣٧٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

علامہ نووی اور علامہ عینی نے علامہ ابن بطال کی اس دلیل کا جواب نہیں دیا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ. (الطلاق:١) اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا' اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

یعنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس طہر میں طلاق دے' جس میں جماع نہ کیا ہو اور دورانِ عدت اس کو گھر سے نہ نکالے' اگر اس نے بیوی کو زمانۂ حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی' جس میں جماع کر چکا تھا' یا دورانِ عدت اس کو گھر سے نکال دیا تو اس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا یا اس نے تین طلاقیں دینے کے بعد بھی بیوی کو اپنے اوپر حلال سمجھا' پھر بھی اس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور اپنی جان پر ظلم کیا۔

سورۂ طلاق کی یہ آیت کہنیوں اور ٹخنوں سے اوپر ہاتھوں اور پیروں کے دھونے پر صادق نہیں آتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھوں کو دھونے کے لیے کہنیاں حد ہیں' اس کے اوپر نہ دھونا' اور پیروں کو دھونے کے لیے ٹخنے حد ہیں' ان کے اوپر نہ دھونا' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہنیوں اور ٹخنوں کے اوپر دھونے کی ترغیب دی ہے کہ ''پس تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی کو طول دینا چاہے' وہ ایسا کرے''۔

نیز علامہ ابن بطال نے زیر بحث حدیث کا یہ محمل بتایا ہے کہ ''تم میں سے جو شخص ہر نماز کے لیے دائماً وضوء کر سکتا ہو تو وہ ایسا کرے'' ظاہر ہے' یہ مستحب حکم ہے اور اس محمل کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جو شخص ہر نماز کے لیے وضوء کر سکتا ہو تو افضل ہے' ورنہ اس کے بغیر بھی درست ہے' حالانکہ وضوء کے بغیر تو نماز جائز ہی نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضوء کرنے والوں کو قیامت کے دن یہ عزت اور کرامت حاصل ہوگی کہ ان کے چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہوں گے۔

(۲) قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو اس علامت سے پہچان لیں گے اور جس حدیث میں یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن مرتدین کو بھی ''اصیحابی'' (میرے صحابی) فرمائیں گے' اس میں تاویل کرنا واجب ہے کہ آپ بے توجہی سے ایسا فرمائیں گے' یا آپ کا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ میرے صحابی ہیں' جن کے چہرے کالے ہیں اور جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہے! یعنی یہ میرے صحابی نہیں ہو سکتے' اور یہ استفہام انکاری ہے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے' ہاتھوں اور پیروں کی سفیدی کو لمبا کرنے کے لیے ان کی حدود سے کس قدر زیادہ دھونا مستحب ہے۔

(۴) اس حدیث کی اس پر قطعی دلالت ہے کہ پیروں کو دھونا فرض ہے اور ان پر مسح کرنا کافی نہیں ہے۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت میں ہونے والے مغیبات پر مطلع فرمایا ہے۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو قیامت کے دن ان خصوصی نعمتوں سے نوازے گا' جو کسی اور امت کو عطا نہیں فرمائیں۔

(۷) اس حدیث میں اس کا بیان ہے کہ مسجد کی چھت پر وضوء کرنا جائز ہے' بعض علماء نے اس کو مکروہ تنزیہی کہا ہے اور بعض نے اس کو بلا کراہت جائز کہا ہے' تاہم مسجد کو تھوک اور ناک کی رطوبت سے منزہ رکھنا چاہیے اور اگر مسجد میں وضوء کرنا پڑے تو وضوء کے غسالہ کے لیے ایک برتن رکھنا چاہیے۔

(۸) بعض علماء نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ وضوء کرنا اس امت کی خصوصیت ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں حضرت سارہ اور بنی اسرائیل کے عابد جریج کے وضوء کرنے کا بھی ذکر ہے' جیسا کہ اس سے پہلے ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں' علامہ ابن بطال نے اس کے خلاف درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۱۶)

از زید عمی از معاویہ بن قرہ از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگا کر اس سے ایک ایک بار وضوء کیا' پھر فرمایا: یہ وہ وضوء ہے' جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا' پھر پانی منگا کر دو دو بار وضوء کیا' پھر فرمایا: یہ وہ وضوء ہے جس پر دگنا اجر ملے گا' پھر کچھ دیر کے بعد پانی منگایا اور تین تین بار وضوء کیا' پھر فرمایا: یہ میرا وضوء ہے اور مجھ سے پہلے نبیوں کا وضوء ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۰' سنن ابوداؤد الطیالسی: ۱۸۱۱' سنن دار قطنی: ۲۵۳' سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۰' المستدرک ج ۱ ص ۵۰' مسند ج ۲ ص ۹۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ سے پہلے نبی بھی وضوء کرتے تھے' اس لیے وضوء کرنا آپ کی امت کی خصوصیت نہیں ہے لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے' علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ یہ حدیث زید عمی سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس کا بیٹا کذاب ہے اور معاویہ بن قرہ کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (زوائد ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۷۱)

امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا' جس کو عبد الرحیم بن زید العمی نے اپنے والد سے' انہوں نے معاویہ بن قرہ سے' انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے' جس میں مذکور ہے کہ آپ نے ایک ایک بار وضوء کر کے فرمایا' الحدیث۔ میرے والد نے کہا: عبد الرحیم بن زید متروک الحدیث ہے' زید العمی ضعیف الحدیث ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی روایت صحیح نہیں ہے' امام ابوزرعہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میرے نزدیک اس کی سند واہی (ضعیف) ہے اور معاویہ بن قرہ حضرت ابن عمر سے نہیں ملے۔ (علل دارقطنی ج ۱ص ۴۵)

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۸۷۔ ج ۱ص ۸۹۶ پر ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) غرّہ اور تحجیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ (۲) غرہ اور تحجیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ (۳) غرہ اور تحجیل میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ (۴) غرّہ اور تحجیل میں فقہاء احناف کا نظریہ (۵) حوض سے دور کیے جانے والوں کی تعیین میں مختلف اقوال (۶) بعض مرتدین کو حوض پر اصحابی کہنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کے جوابات (۷) مستقبل کے یقینی امور کے متعلق ان شاء اللہ کہنے کا بیان (۸) بعد میں آنے والے امتیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے کی تحقیق (۹) عوام کے سامنے شرعی رخصتوں پر عمل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

٤- بَابُ لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتّٰى يَسْتَيْقِنَ

شک کی وجہ سے وضوء نہ کرے حتیٰ کہ وضوء (ٹوٹنے کا یقین) ہو جائے

فقہاء کی اصطلاح میں شک اس کو کہتے ہیں کہ علم اور جہل کی دونوں جانبیں برابر ہوں اور آدمی کو کسی چیز پر حکم لگانے میں تردد اور توقف ہو اور اس کا کسی طرف میلان نہ ہو' تو پھر یہ شک ہے اور اگر ایک جانب راجح اور دوسری جانب مرجوح ہو تو راجح جانب ظن ہے اور مرجوح جانب وہم ہے' اور جب شک اور وہم دونوں زائل ہو جائیں تو پھر وہ یقین ہے۔ اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں وضوء کے احکام ہیں' باب سابق میں وضوء کی فضیلت کا حکم تھا اور اس باب میں وضوء کا یہ حکم ہے کہ اگر وضوء ٹوٹنے میں شک ہو تو اس سے وضوء کرنا لازم نہیں ہے' حتیٰ کہ وضوء ٹوٹنے کا یقین ہو جائے۔

۱۳۷- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ' عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ' عَنْ عَمِّهِ اَنَّهُ شَكَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِيْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَا يَنْفَتِلْ اَوْ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا. [اطراف الحدیث: ۱۷۷۔ ۲۰۵۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از سعید بن المسیب اور از عبّاد بن تمیم از عم خود' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے یہ شکایت کی کہ اس کو نماز میں یہ خیال آتا ہے کہ نماز میں کچھ ہو گیا ہے (ہوا خارج ہو گئی ہے)' آپ نے فرمایا: وہ نماز سے اس وقت تک نہ مڑے' حتیٰ کہ وہ آواز سنے یا اس کو بدبو آئے۔

(صحیح مسلم: ۳۶۱' الرقم المسلسل: ۷۸۲' سنن ابوداؤد: ۱۷۶' سنن نسائی: ۱۶۰' سنن ابن ماجہ: ۵۱۳' سنن ابوداؤد: ۱۷۷' سنن ترمذی: ۷۵' سنن دارمی: ۷۲۱' صحیح ابن خزیمہ: ۲۸۔ ۲۴' سنن بیہقی ج ۱ص ۱۷۷۔ ۱۶۱' مسند احمد ج ۲ص ۴۱۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۹۳۵۵۔ ج ۱۵ص ۲۰۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ وہ اس وقت تک نماز سے نہ

مڑے حتیٰ کہ وہ آواز سنے یا اس کو بدبو آئے' اس کا مفاد یہ ہے کہ وہ اس وقت تک وضوء نہ کرے' حتیٰ کہ اس کو وضوء ٹوٹنے کا یقین ہو جائے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) علی بن عبداللہ ابن المدینی (۲) سفیان بن عیینہ (۳) محمد بن مسلم الزہری (۴) سعید بن المسیب' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) عباد بن تمیم ابن تمیم بن زید الانصاری المدنی' یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے غزوۂ خندق یاد ہے' اس وقت میری عمر پانچ سال تھی' لہٰذا ان کو صحابہ میں شمار کرنا چاہیے' لیکن ابن الاثیر وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ تابعی ہیں' صحابی نہیں ہیں اور یہی مشہور ہے' جس قول کے مطابق یہ صحابی ہیں' تو صحابہ میں ان کے سوا اور کسی کا نام عباد بن تمیم نہیں ہے (۶) عباد بن تمیم کے چچا' ان کا نام حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم الانصاری رضی اللہ عنہ ہے' ان کے ماں باپ صحابی ہیں اور ان کے بھائی حبیب بن زید وہ شخص ہیں' جن کو مسیلمہ کذاب نے قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا' حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر مسیلمہ کذاب کو قتل کیا' حضرت عبداللہ بن زید نے ۴۸ احادیث کو روایت کیا ہے' جن میں سے ۸ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' اس نام کے ایک اور صحابی ہیں: حضرت عبداللہ بن زید' جنہوں نے خواب میں اذان کے کلمات سنے تھے' ان کی صرف ایک حدیث مشہور ہے' جو اذان کی حدیث ہے' امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے' لیکن انہوں نے اس کے علاوہ بھی دو حدیثیں روایت کی ہیں' حضرت عبداللہ بن زید جو اس حدیث کے راوی ہیں' وہ ستر سال کی عمر میں واقعۂ حرہ میں قتل کر دیئے گئے تھے' واقعۂ حرہ ۶۳ھ کے آخر میں ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۸۱۔۳۸۰)

باب مذکور کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اس کو یہ اشکال ہو کہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے نہ نکلے حتیٰ کہ وہ آواز سنے یا بدبو محسوس کرے۔

(صحیح مسلم: ۳۶۲' الرقم المسلسل: ۷۸۳' سنن ابوداؤد: ۱۷۷)

سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وضوء صرف آواز سے واجب ہوتا ہے یا بدبو سے۔ (سنن ترمذی: ۷۴' سنن ابن ماجہ: ۵۱۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی شخص کے پاس شیطان آئے اور کہے: تمہارا وضوء ٹوٹ گیا تو تم (دل میں) کہو: تو نے جھوٹ بولا' سوا اس کے کہ اس کو ناک میں بدبو آئے یا وہ اپنے کان سے آواز سنے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲' ص ۵۴۔۵۱۔۵۰)

اگر وضوء میں شک ہو جائے تو وضوء کرنے یا نہ کرنے میں مذاہب ائمہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ شک یقین کو زائل نہیں کرتا اور یقین کے بعد اگر شک ہو جائے تو اس کو لغو قرار دیا جائے گا' اور اس میں اختلاف بھی ہے' ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جس کو طہارت کے یقین کے بعد وضوء ٹوٹنے کا شک ہو جائے' اس پر وضوء کرنا واجب ہے اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کے لیے وضوء کرنا مستحب ہے اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس پر وضوء نہیں ہے۔

ثوری امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے یقین پر بنا کرے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا وضوء ہے اسی طرح وہ بے وضوء ہونے اور باوضوء ہونے میں یقین پر بنا کرے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز سے نہ مڑے حتی کہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کو پہلی بار یہ معاملہ پیش آیا ہو یا وہ اس کا عادی ہو انہوں نے کہا ہے کہ اصول یقین پر مبنی ہوتے ہیں اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار رکعات پڑھی ہیں تو وہ اپنے شک کو چھوڑ دے اور ان رکعات پر بنا کرے جو یقینی ہیں پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سہو کے سجدے کرے۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم: ۵۷۱ الرقم المسلسل: ۱۲۴۹ سنن ابوداؤد: ۱۰۲۴-۱۰۲۶ ۱۰۲۴ سنن نسائی: ۱۲۳۸ سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۰)

اسی طرح اگر اس کو شک ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں؟ تو اس کو طلاق دینا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کو اپنے نکاح کا یقین ہے اسی طرح اگر اس کو شک ہو گیا کہ اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہے یا نہیں؟ تو چونکہ اس کو پہلے طہارت کا یقین تھا وہ اس طہارت پر بناء کرے۔

مصنف کے نزدیک لانڈری اور ڈرائی کلینرز میں دیئے ہوئے کپڑوں کا بھی یہی حکم ہے اگر وہ ناپاک کپڑے دیئے تھے تو وہ دھلائی کرانے کے بعد بھی ناپاک ہیں کیونکہ لانڈری میں سب کپڑے ملے جلے دھوئے جاتے ہیں الگ الگ ہر کپڑے کو نہیں دھویا جاتا لہٰذا جیسے کپڑے دیئے تھے وہ دھلائی کرانے کے بعد بھی ویسے ہی ہیں اگر پاک کپڑے دیئے تھے تو پہلے ان کے پاک ہونے کا یقین تھا اب ان کے ناپاک ہونے کا شک ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اگر ناپاک کپڑے دیئے تھے تو پہلے ان کے ناپاک ہونے کا یقین تھا اور اب ان کے پاک ہونے کا شک ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ جس کو اپنے وضوء میں شک ہو جائے وہ نماز سے نہ مڑے حتی کہ وہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے کہ جس کو اپنی نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ ایک رکعت اور پڑھ لے اور کم رکعات پر بنا کرے پہلی حدیث میں آپ نے یقین پر عمل کرنے اور شک کو لغو قرار دینے کا حکم دیا اور دوسری حدیث میں یقین کو لغو قرار دیا اور اس کو ایک رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

لیکن یہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح ان علماء نے گمان کیا ہے بلکہ یہ دونوں حدیثیں شک کو لغو قرار دینے میں اور یقین پر عمل کرنے میں متفق ہیں اور جس حدیث کو انہوں نے اس باب کی حدیث کے معارض سمجھا ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ جس کو اپنی نماز میں شک ہو اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں اس کو تین رکعات پر تو یقین ہے اور چوتھی رکعت میں شک ہے تو وہ اس شک کو لغو قرار دے اور تین رکعت جو یقینی ہیں اس پر عمل کرے اور ایک رکعت اور پڑھ لے۔ والحمد للہ۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۱۹-۲۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس شخص کو نماز میں خیال آتا تھا کہ شاید اس کی ہوا خارج ہو گئی ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو جو عوارض پیش آئیں ان کے متعلق علماء سے سوال کرنا چاہیے۔

(۲) کسی مسئلہ کا حل معلوم کرنے کے لیے حیا نہیں کرنی چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہر چیز کی تعلیم دیتے تھے اور جب تک

وضوء نہ ٹوٹے' ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔

(۳) صحابہ کرام اپنے ہر حال کی نبی ﷺ کو خبر دیتے تھے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۰۸۔ ج ا ص ۱۰۴۳ پر ہے' اس کی شرح کا یہ عنوان ہے: شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔

٥- بَابُ التَّخْفِيفِ فِي الْوُضُوْءِ — وضوء میں تخفیف

باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں شک کی صورت میں وضوء کو برقرار رکھنے کا حکم دیا تھا اور یہ وضوء کے معاملہ میں مشقت سے بچانا ہے اور اس باب میں وضوء میں تخفیف کا بیان ہے اور یہ بھی وضوء میں مشقت سے بچانا ہے۔

۱۳۸- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ' عَنْ عَمْرٍو قَالَ اَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ' ثُمَّ صَلّٰى' وَرُبَّمَا قَالَ اِضْطَجَعَ حَتّٰى نَفَخَ' ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو' انہوں نے کہا: مجھے کریب نے خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی ﷺ سو گئے' حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے' پھر آپ نے نماز پڑھی اور بعض دفعہ یہ کہا کہ آپ لیٹ گئے' حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے' پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهٖ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ' عَنْ عَمْرٍو عَنْ كُرَيْبٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً' فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ' فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ' قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّاَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءًا خَفِيفًا. يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ. وَقَامَ يُصَلِّي' فَتَوَضَّاْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّاَ' ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ. وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ عَنْ شِمَالِهٖ. فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهٖ' ثُمَّ صَلّٰى مَاشَاءَ اللّٰهُ' ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ' ثُمَّ اَتَاهُ الْمُنَادِيْ فَاٰذَنَهٗ بِالصَّلٰوةِ' فَقَامَ مَعَهٗ اِلَى الصَّلٰوةِ' فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ. قُلْنَا لِعَمْرٍو اِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهٗ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ؟ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ وَحْيٌ' ثُمَّ قَرَاَ ﴿اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ﴾ (الصافات:۱۰۲).

پھر ہمیں سفیان نے ایک مرتبہ کے بعد دوسری بار حدیث بیان کی از عمرو از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے کہا: میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزاری' پھر نبی ﷺ رات کو اٹھے' پھر جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو نبی ﷺ نے اٹھ کر مشک سے پانی لے کر وضوء کیا' عمرو نے کہا: خفیف اور قلیل وضوء کیا اور آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے' پھر میں نے بھی اسی طرح وضوء کیا' جس طرح آپ نے وضوء کیا تھا' پھر میں آ کر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا' اور کبھی سفیان نے ''یسار'' کے بجائے ''شمال'' کا لفظ استعمال کیا' دونوں کا معنی بائیں جانب ہے' پھر آپ نے مجھے پھیر کر اپنی دائیں جانب کر لیا' پھر جتنی اللہ نے چاہا' آپ نے نماز پڑھی' پھر آپ لیٹ کر سو گئے' حتیٰ کہ آپ خراٹے لینے لگے' پھر مؤذن آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ کو نماز کی اطلاع دی' آپ اس کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز کی طرف گئے' پھر آپ نے نماز پڑھائی اور آپ نے وضوء نہیں کیا' ہم نے عمرو سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا' عمرو نے کہا: میں نے عبید بن عمیر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے' پھر

انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں'' (الصّٰفّٰت: ١٠٢)۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١١٧ میں گزر چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث مذکور کے بعض اہم مسائل اور فوائد

(١) اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ لیٹ کر سو گئے' اور آپ کا وضوء نہیں ٹوٹا' اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کا بھی حکم ہے' اسی وجہ سے عبید بن عمیر نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے' علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نیند آپ کے قلب کو اس لیے بیدار رکھتی ہے کہ آپ خواب میں ہونے والی وحی کو محفوظ رکھ سکیں۔

(٢) اس حدیث میں نابالغ لڑکے کا اپنے محرم کے گھر میں رات کو رہنے کا ثبوت ہے' خواہ اس کی اہلیہ بھی ساتھ ہو۔

(٣) اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے شب کے معمولات کو دیکھنے کے لیے جاگتے رہے اور آپ کے افعال کی اقتداء کی' نیز اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ نے تخفیف سے وضوء کیا' یعنی ایک ایک بار اعضاء وضوء کو دھویا اور باب کا عنوان بھی یہی ہے۔

(٤) اس میں نفل کی جماعت کا ثبوت ہے اور یہ کہ ایک فرد کے ساتھ بھی جماعت ہو جاتی ہے' خواہ اس کو نماز پڑھانے کی پہلے نیت نہ کی ہو اور اگر ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی دائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے' اور امام نماز میں عمل قلیل سے کسی غلطی کی اصلاح کر سکتا ہے' جیسے آپ نے حضرت ابن عباس کو بائیں جانب سے دائیں جانب پھیر دیا' اور مؤذن کو چاہیے کہ امام کو نماز کی اطلاع دے اور اس میں یہ ثبوت بھی ہے کہ چھوٹے بچے کے کان کو مروڑنا جائز ہے۔

٦- بَابُ إِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ — مکمل وضوء کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں وضوء کی تخفیف کا ذکر تھا اور اس باب میں وضوء کی تکمیل کا ذکر ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ اَلْإِنْقَاءُ.

حضرت ابن عمر نے کہا: وضوء کا اسباغ اور تکمیل یہ ہے کہ اعضاء وضوء کو صاف کیا جائے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ' اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں سند صحیح کے ساتھ موصولاً روایت کیا ہے اور یہ کسی چیز کی اس کے لازم کے ساتھ تفسیر کرنا ہے' کیونکہ جب مکمل اور تام وضوء کیا جائے تو اس سے عادۃً اعضاء وضوء صاف ہو جاتے ہیں اور امام ابن منذر نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر وضوء میں اپنے پیروں کو سات بار دھوتے تھے اور وہ پیروں کو دھونے میں اس لیے مبالغہ کرتے تھے کہ عموماً وہ لوگ ننگے پیر چلتے تھے اور اس سے پیروں پر دھول اور مٹی لگ جاتی تھی۔

(فتح الباری ج ١ ص ٦٨٤' دار المعرفہ بیروت' ١٤٢٦ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار سے زیادہ دھونے کو ظلم اور برائی فرمایا ہے تو حضرت ابن عمر سات بار کیوں دھوتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم اور برائی اس وقت ہے' جب طہارت کے لیے تین بار دھونے کو ناکافی قرار دے کر تین بار سے زیادہ دھویا جائے' لیکن اگر جسم سے میل کچیل اتارنے اور اعضاء وضوء کو صاف کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا جائے تو

پھر یہ جائز ہے اور جو شخص تین بار دھونے کو وضوء کے لیے کافی سمجھتا ہو تو پھر اس کا تین بار سے زیادہ دھونا نورٌ علیٰ نور ہے۔

١٣٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ، فَقُلْتُ الصَّلٰوةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ اَلصَّلٰوةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ، فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ، فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ فِيْ مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلّٰى، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا.

[اطراف الحدیث: ١٨١-١٦٦٧-١٦٦٩-١٦٧٢]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از موسیٰ بن عقبہ از کریب مولیٰ حضرت ابن عباس از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم انہوں نے حضرت اسامہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب آپ ایک گھاٹی پر پہنچے تو آپ نے اتر کر پیشاب کیا اور کامل وضوء نہیں کیا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نماز؟ آپ نے فرمایا: نماز تمہارے آگے (پڑھنی) ہے' پھر آپ سوار ہوئے' پس جب آپ مزدلفہ پہنچ گئے' تو آپ نے اتر کر وضوء کیا' سو کامل وضوء کیا' پھر نماز کی اقامت کہی گئی' پس آپ نے مغرب کی نماز پڑھی' پھر ہر انسان نے اپنے اونٹ کو اپنے ٹھکانے پر بٹھا دیا' پھر عشاء کی نماز کی اقامت کہی گئی' پس آپ نے نماز پڑھی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی (نفل) نماز نہیں پڑھی۔

(صحیح مسلم: ١٢٨٠' الرقم المسلسل: ٣٠٣٤' سنن ابوداؤد: ١٩٢١' سنن نسائی: ٣٠٣١' سنن کبریٰ للنسائی: ٤٠٦١' سنن ابن ماجہ: ٣٠١٩' سنن دارمی: ١٨٨١' مسند ابوعوانہ: ٣٤٨٠' شرح السنۃ: ٢٦' سنن بیہقی ج ٥ ص ١٢٢' مسند احمد ج ٥ ص ٢٠٠ طبع قدیم' مسند احمد: ٢١٨٣٢-٢١٨٣١-٢١٨١٤-٢١٧٦١-٢١٧٤٢ ج ٣٦ ص ٦٨' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: آپ نے وضوء کیا اور کامل وضوء نہیں کیا' یعنی اعضاء وضوء کو تین تین بار نہیں دھویا' صرف ایک ایک بار دھویا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) عبداللہ بن مسلمہ (٢) امام مالک رحمہ اللہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٣) موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش المدنی' انہوں نے کریب اور ام خالد صحابیہ رضی اللہ عنہا وغیرہما سے روایت کی ہے' اور ان سے امام مالک' سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری نے روایت کی ہے' یہ مفتی اور ثقہ تھے' یہ ١٤١ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان کے مغازی تمام مغازی سے زیادہ صحیح ہیں (٤) کریب' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٥) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ابن محبوب ہیں' یہ آپ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ کی باندی ام ایمن کے بیٹے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھارہ سال کی عمر میں عامل بنا دیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی' انہوں نے ١٢٨ احادیث روایت کی ہیں' پندرہ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور دو دو حدیثوں کے ساتھ امام بخاری اور امام مسلم منفرد ہیں' یہ ٥٥ سال کی عمر میں ٥٤ھ میں وادی القریٰ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ٢ ص ٣٩٢)

"عَرَفَات، شِعْب" اور "مُزْدَلِفَة" کے معانی

اس حدیث میں "عرفة" کا لفظ ہے' یہ اسم زمان ہے اور اس سے مراد ٩ ذوالحجہ کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ عرفۃ اور عرفات یہ

دونوں لفظ ایک مخصوص جگہ کے اسم ہیں' عرفات اس جگہ کو کہتے ہیں: جہاں حاجی نو ذوالحج کو وقوف کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ. (البقرہ:۱۹۸) پس جب تم عرفات سے واپس روانہ ہو۔

اس جگہ کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس جگہ حضرت آدم نے حضرت حواء کو پہچان لیا تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ہند میں اتارا تھا اور حضرت حواء کو جدہ میں اتارا تھا اور ان دونوں نے اس جگہ (موقف) میں ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا' اس جگہ کو عرفات کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جگہ حج کی تمام عبادات کی تعلیم دی تھی یا اس وجہ سے کہ اس جگہ کے پہاڑوں کا نام اعراف ہے' یا اس لیے کہ یہاں آ کر تمام لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔

شِعب: دو پہاڑوں کے درمیان جو راستہ ہوتا ہے' اس کو ''شِعب'' اور گھاٹی کہتے ہیں۔

المزدلفة: یہ عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مخصوص جگہ ہے' اس جگہ کو مزدلفہ اس لیے کہتے ہیں کہ حجاج اس جگہ وقوف کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں' وقوف کا معنی ہے: کھڑے ہو کر دعا کرنا' اس جگہ کو جمع بھی کہتے ہیں کیونکہ حضرت آدم اور حضرت حواء اس جگہ جمع ہوئے تھے' ''ازدلاف'' کا معنی ہے: قریب ہونا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ''. (ہود:۱۱۴) رات کے قریب' اور اس جگہ حضرت آدم اور حضرت حواء ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے' اس وجہ سے اس جگہ کو مزدلفہ کہتے ہیں' قتادہ نے کہا: اس جگہ کو مزدلفہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس جگہ دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جاتا ہے اور ''ازدلاف'' کا معنی تقرب اور اجتماع ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ○ (الشعراء:۹۰' ق:۳۱) اور جنت متقین کے قریب کر دی گئی○

عرفات اور مزدلفہ کے درمیان آپ کے کامل وضوء نہ کرنے کی توجیہ اور ان شارحین کا رد جنہوں نے اس وضوء کو استنجاء پر محمول کیا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ جاتے ہوئے ایک گھاٹی میں اترے' آپ نے پیشاب کیا اور کامل وضوء نہیں کیا' یعنی صرف ایک ایک بار اعضاء وضوء کو دھویا۔

واللہ اعلم! آپ نے یہ اس وجہ سے کیا کہ حجاج کو مزدلفہ کی طرف جلدی روانہ ہونا چاہیے' پس آپ نے اتنی مقدار وضوء کیا' جس سے حدث (بے وضوئی) مرتفع ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وضوء کے نہیں رہتے تھے' بعض شارحین نے کہا ہے کہ کامل وضوء نہ کرنے سے ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ آپ نے صرف استنجاء کیا ہو' میں کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت اسامہ نے آپ کو وضوء کرایا تھا:

حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے گھاٹی میں قضاء حاجت کی' حضرت اسامہ بن زید نے کہا: پھر میں آپ پر پانی ڈال رہا تھا اور آپ وضوء کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری:۱۸۱)

اور ظاہر ہے کہ یہاں پانی ڈالنے سے مراد نماز کے وضوء کے لیے پانی ڈالنا ہے' نہ کہ استنجاء مراد ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی آپ کو استنجاء کرائے اور اس حال میں آپ کے قریب جائے اور اس تاویل کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اسامہ بن زید نے وضوء کرانے کے بعد کہا: یا رسول اللہ! نماز؟ تو آپ نے بتایا: نماز آگے پڑھنی ہے' اور یہ محال ہے کہ آپ نے نماز کا وضوء نہ کیا ہو اور حضرت اسامہ آپ سے نماز پڑھنے کے لیے کہیں۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا اور حضرت اسامہ کے نماز یاد دلانے کی توجیہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز تمہارے آگے ہے' اس ارشاد میں آپ نے یہ بتایا کہ جو شخص عرفہ سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہو تو وہ مغرب اور عشاء مزدلفہ میں پڑھے اور مغرب کی نماز کو اس کے معروف وقت میں نہ پڑھے' اور حضرت اسامہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھی جائے گی' کیونکہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور یہ پہلی نماز تھی' جس میں رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اور جب آپ مزدلفہ پہنچے تو پھر آپ نے کامل وضوء کیا یعنی تمام اعضاء وضوء پر تین تین بار پانی ڈالا۔

آپ نے گھاٹی میں جو کامل وضوء نہیں کیا تھا' اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مزدلفہ کی طرف جاتے ہوئے بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ بغیر وضوء کے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

حضرت اسامہ نے جو آپ سے کہا تھا: یارسول اللہ! نماز؟ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ادنیٰ' اعلیٰ کو نماز یاد دلا سکتا ہے' حضرت اسامہ کو یہ اندیشہ تھا کہ افعالِ حج کی کثرت اور ذکر اللہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ نماز کو بھول نہ جائیں' تب رسول اللہ ﷺ نے یہ بتایا کہ مغرب کی نماز مزدلفہ پہنچ کر عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھنی ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے مغرب اور عشاء میں نفل نہیں پڑھے' اس میں یہ دلیل ہے کہ سفر میں نفل نہ پڑھے جائیں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں سفر میں نفل نماز پڑھوں تو فرض پورے نہ پڑھ لوں اور قصر نہ کروں۔

حضرت ابن عمر کے اس قول کی کسی نے موافقت نہیں کی اور سفر میں نفل نماز پڑھنا اور اس کو ترک کرنا دونوں جائز ہیں' البتہ مزدلفہ میں یہ خصوصیت ہے کہ وہاں جب مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جائے گا تو ان کے درمیان نفل نماز نہیں پڑھی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ نے سفر میں پیادہ اور سواری پر نفل پڑھے ہیں۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۲۷۔۲۲۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان نفل نہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

علامہ قرطبی اور ابن وہب نے کہا ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان نفل پڑھنا جائز ہے' میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ان نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے' ہوسکتا ہے کہ علامہ قرطبی نے مغرب کی نماز کے بعد نفل پڑھنے کو اس لیے جائز کہا ہو کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اپنے ٹھکانے پر بٹھا دیا اور جب مغرب کی نماز کے بعد اونٹوں کو بٹھا سکتے ہیں تو نماز بھی پڑھ سکتے ہیں اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جمع تاخیر جیسا کہ مزدلفہ میں ہے' اس میں دو نمازوں کے درمیان نفل پڑھ سکتے ہیں اور جمع تقدیم جیسا کہ عرفات میں ہے' اس میں دو نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھ سکتے' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان نمازوں کے درمیان نفل پڑھنا منع ہے' کیونکہ ان نمازوں کے درمیان نفل پڑھنا ان کو جمع کرنے کے منافی ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کا وقت مشترک ہے اور یہ صرف مزدلفہ میں ہے' اسی طرح عرفات میں ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے اور یہ صرف عرفات میں ہے اور کسی جگہ نہیں ہے۔

امام شافعی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قضاء نماز کے لیے اذان نہیں دی جاتی' کیونکہ مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی گئی اور اس کے لیے اذان نہیں دی گئی' لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ مزدلفہ میں جو مغرب کی نماز

عشاء کے وقت میں پڑھی گئی تھی' وہ قضاء نہیں تھی' بلکہ مغرب کی نماز کا وقت مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں منتقل ہو گیا تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اپنے ٹھکانے پر بٹھا دیا' اس سے معلوم ہوا کہ ان دو نمازوں کے درمیان کوئی کام کر لیا جائے یا کوئی بات کر لی جائے تو وہ ان دو نمازوں کے جمع کرنے کے منافی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۹۷۔۳۹۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۹۸۳۔ج ۳ ص ۵۱۰ پر ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) مزدلفہ میں نمازِ مغرب پڑھنے کا طریقہ (۲) احناف کے نزدیک مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کا طریقہ (۳) تلبیہ کہنے کی مدت میں مذاہب ائمہ۔

٧- بَابُ غَسْلِ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غُرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ

ایک ہاتھ سے چلّو بنا کر دونوں ہاتھوں سے چہرے کو دھونا

باب کے اس عنوان میں ''غرفۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چلّو بھرنا' اس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ. (البقرہ: ۲۴۹) مگر جو اپنے ایک ہاتھ سے چلّو بھر لے۔

اس عنوان سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے چلّو بنانا ضروری نہیں ہے' کیونکہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کی طرح وضوء کر کے دکھایا تو اپنے ایک ہاتھ سے چلّو بنا کر پانی لیا' پھر اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملایا' پھر اس کے ساتھ اپنا چہرہ دھویا' جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کی صفت اور کیفیت بیان کی گئی تھی کہ آپ نے مکمل وضوء نہیں کیا تھا اور اعضاء وضوء کو صرف ایک ایک بار دھویا تھا اور اس باب میں بھی آپ کے وضوء کی صفت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے کس طرح چلّو میں پانی لے کر دونوں ہاتھوں سے چہرے کو دھویا۔

١٤٠- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ مَنْصُوْرُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ بِلَالٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ' عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ' عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ تَوَضَّاَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ' اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ' ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هٰكَذَا' اَضَافَهَا اِلٰى يَدِهِ الْاُخْرٰى' فَغَسَلَ بِهَا وَجْهَهُ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى' ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى' ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ' ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى حَتّٰى غَسَلَهَا' ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً اُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهُ يَعْنِي الْيُسْرٰى' ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابو سلمہ الخزاعی منصور بن سلمہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن بلال یعنی سلیمان نے خبر دی از زید بن اسلم از عطا بن یسار از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ انہوں نے وضوء کیا' پھر اپنے چہرے کو دھویا' پھر ایک چلّو میں پانی لیا' اس سے کُلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پھر ایک چلّو میں پانی لیا' پھر اس سے اسی طرح کیا' پھر اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملایا' پھر اس سے چہرے کو دھویا' پھر ایک چلّو میں پانی لیا' پس اس کے ساتھ دایاں ہاتھ دھویا' پھر ایک چلّو میں پانی لیا اور اس کے ساتھ بایاں ہاتھ دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا' پھر ایک چلّو میں پانی لے کر اپنے دائیں پیر پر پانی ڈالا' حتیٰ کہ اس کو دھو لیا' پھر دوسرے چلّو میں پانی لیا' سو اس کے ساتھ بایاں پیر دھویا' پھر کہا: میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضوء

يَتَوَضَّأُ. کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۳۷، سنن ترمذی: ۲۸، سنن نسائی: ۱۰۱، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳، مسند احمد ج ۴ ص ۴۲ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۶ ص ۳۹۴، مؤسسة الرسالة، سنن ترمذی اور مسند احمد میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے ایک چلو سے پانی لے کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: پھر ایک چلو میں پانی لیا' پھر اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملایا' پھر اس سے چہرے کو دھویا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن عبد الرحیم بن ابی زبیر البغدادی' یہ یزید بن ہارون اور روح سے روایت کرتے ہیں' اور ان سے امام بخاری' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور دیگر روایت کرتے ہیں' یہ بزاز تھے اور ۲۵۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) ابوسلمہ منصور بن سلمہ الخزاعی البغدادی' انہوں نے امام مالک وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے الصغانی وغیرہ نے روایت کی ہے' یہ ۲۲۰ھ میں المصیصہ میں فوت ہو گئے تھے (۳) سلیمان بن بلال المدنی (۴) زید بن اسلم' ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے (۵) عطاء بن یسار (۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۹۸)

''مضمضة'' اور ''استنشاق'' کا معنی

اس حدیث میں ''تمضمض'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: منہ میں پانی ڈال کر اس پانی کو منہ میں گھمانا' پھر اس پانی کی کلی کر دینا۔

''استنشاق'' ناک میں پانی داخل کرنا' پھر ناک صاف کرنا اور اس پانی کو نکال دینا۔

نیا پانی لے کر سر کا مسح کرنا اور کانوں کے مسح کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس نے دونوں ہاتھ دھونے کے بعد سر کا مسح کیا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں سر پر مسح کرنے کے لیے نیا پانی لینے کا ذکر نہیں ہے' بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں پر جو تری تھی' اسی سے سر کا مسح کر لیا' حالانکہ وہ تری تو مستعمل پانی کے حکم میں ہے اور اس سے مسح کرنا صحیح نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''سنن ابوداؤد'' میں نیا پانی لینے کا ذکر ہے اور بعض احادیث دوسری بعض احادیث کی تفسیر کرتی ہیں' ''سنن ابوداؤد'' کی وہ حدیث یہ ہے:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح وضوء کرتے تھے؟ پھر انہوں نے پانی کا ایک برتن منگایا اور دائیں ہاتھ سے ایک چلو میں پانی لیا' پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پھر دوسرے چلو میں پانی لیا اور دونوں ہاتھ ملا کر ان سے اپنے چہرے کو دھویا' پھر چلو میں پانی لیا اور اس سے اپنے دائیں ہاتھ کو دھویا' پھر چلو مین پانی لیا اور اس سے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا' پھر اپنے ہاتھ میں پانی لے کر اس پانی کو جھاڑا' پھر اس پانی کی تری کے ساتھ اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۳۷، سنن ترمذی: ۳۵)

اور سنن نسائی میں کانوں کا مسح کرنے کی تفصیل ہے' اس میں مذکور ہے کہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے سر کا اور کانوں کا مسح کیا' کانوں کے باطن کا شہادت کی انگلی سے مسح کیا اور کانوں کے ظاہر کا انگوٹھوں سے مسح کیا۔ (سنن نسائی: ۱۰۲، سنن ترمذی: ۳۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۸)

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت میں مذاہب ائمہ

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس نے ایک چلو میں پانی لیا' اس سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔
ایک چلو پانی سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا' یہ امام شافعی کا مذہب ہے' اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے:
اس حدیث سے ایک چلو پانی سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو جمع کرنے کی دلیل ہے۔
(فتح الباری ج ا ص ۶۸۵' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:
کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت میں دو قول ہیں:
(۱) اس قول کو المزنی اور الربیع نے نقل کیا ہے کہ ایک چلو میں پانی لے کر کلی کرے اور اسی سے ناک میں پانی ڈالے اور یہ عمل تین بار کرے۔
(۲) اس قول کو البویطی نے روایت کیا ہے کہ وہ دو چلوؤں میں پانی لے' ایک چلو پانی سے کلی کرے اور دوسرے چلو سے ناک میں پانی ڈالے اور یہ عمل تین بار کرے' پہلے کلی کرے اور پھر ناک میں پانی ڈالے۔
(الحاوی الکبیر ج ا ص ۱۲۵۔ ۱۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ ''باب المضمضۃ والاستنشاق من کف واحد'' کے تحت لکھتے ہیں:
بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ایک ہاتھ میں پانی لے کر اس سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا کافی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ الگ الگ پانی کے چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا زیادہ پسندیدہ ہے' امام شافعی نے کہا: اگر ان دونوں کو ایک چلو میں جمع کر لیا تو یہ جائز ہے اور اگر ان کو الگ الگ چلو سے کیا تو یہ ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (سنن ترمذی ص ۳۰' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)
علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:
کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر دوام کیا ہے اور ان کی کیفیت یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے' پھر اسی طرح تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح وضوء کرنا منقول ہے۔
(ہدایہ اوّلین ص ۱۸' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

الگ الگ پانی کے چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے متعلق احادیث سے دلائل

طلحہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا' اس وقت آپ وضوء کر رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور آپ کی ڈاڑھی سے آپ کے سینہ پر بہ رہا تھا' میں نے دیکھا' آپ الگ الگ پانی سے کلی کر رہے تھے اور ناک میں پانی ڈال رہے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۳۹)
طلحہ بن مصرف اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا' آپ ہر بار کے لیے نیا پانی لیتے تھے۔ الحدیث (المعجم الکبیر: ۴۰۹۔ ج ۱۹ ص ۱۸۱۔ ۱۸۰)
حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوء کیا' پس آپ نے کلی کی' پھر ناک میں پانی ڈالا' پھر تین بار چہرہ دھویا' پھر تین بار دایاں ہاتھ دھویا' پھر تین بار دوسرا ہاتھ دھویا اور اس پانی سے سر کا مسح کیا' جو ہاتھوں سے بچا ہوا نہیں تھا اور پیروں کو دھویا' حتیٰ کہ ان کو صاف کر لیا۔ (صحیح مسلم: ۲۳۶' الرقم المسلسل: ۵۴۸)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں ذکر ہے کہ پہلے تین بار کلی کی اور پھر تین بار ناک میں پانی ڈالا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے' جب ان دونوں کے لیے الگ الگ پانی لیا ہو اور ایک چلو میں دونوں کو جمع نہ کیا ہو۔

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ وضوء کرے' پس کلی کرے تو اس سے اس کے منہ کے گناہ نکل جاتے ہیں' پس جب وہ ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کی ناک کے گناہ نکل جاتے ہیں' پھر جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے گناہ نکل جاتے ہیں' حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں' پس جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ نکل جاتے ہیں' حتیٰ کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب وہ سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ نکل جاتے ہیں' حتیٰ کہ اس کے کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں' پس جب وہ پیر دھوتا ہے تو اس کے پیروں کے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ پیروں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔

(المستدرک: ٤٤٦۔ ج١ص ١٣٠' یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اور اس میں کوئی علت نہیں ہے' علامہ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے' الترغیب والترہیب للمنذری ج١ص ١٥٣' دار الحدیث' قاہرہ' المشکوٰۃ: ٢٩٧)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ نے کلی کرنے سے گناہوں کے نکلنے کا الگ ذکر کیا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے گناہوں کے نکلنے کا الگ ذکر فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے لیے الگ الگ پانی لیا گیا ہے۔

الامام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ لکھتے ہیں:

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: ان کو ایک چلو پانی میں جمع کرے اور بعض نے کہا: پہلے ایک چلو سے کلی کرے' پھر اس کے بعد دوسرے چلو سے ناک میں پانی ڈالے۔ طلحہ بن مصرف نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا' اس وقت آپ وضوء کر رہے تھے' میں نے دیکھا: آپ جدا جدا چلو سے کلی کرتے تھے اور ناک میں پانی ڈالتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ١٣٩) حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے' اور شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا' انہوں نے الگ الگ پانی سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور انہوں نے کہا: اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوء کیا ہے اور میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا' انہوں نے تین تین بار وضوء کیا اور الگ الگ پانی سے وضوء کیا اور ناک میں پانی ڈالا' اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح وضوء کیا ہے۔

(شرح السنۃ ج١ص ٤٣٧۔٤٣٦' المکتب الاسلامی' بیروت' ١٤٠٣ھ)

حضرت عثمان اور حضرت علی کی حدیثوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ''تلخیص الحبیر'' ج١ص ١١٥' (مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ) میں ثابت کیا ہے۔

اکثر روایات میں یہ ذکر ہے کہ ایک چلو پانی سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں پانی بھی ڈالا جائے' لیکن یہ تمام روایات بیان جواز پر محمول ہیں اور افضل یہ ہے کہ الگ الگ چلو سے کلی کی جائے اور ناک میں پانی ڈالا جائے' جیسا کہ ہر عضو کو دھونے کے لیے الگ الگ چلو سے پانی لیا جاتا ہے اور منہ اور ناک بھی الگ الگ عضو ہیں' اس لیے ان کو دھونے کے لیے الگ الگ چلو سے پانی لیا جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں ہاتھوں سے منہ کو دھونا چاہیے کیونکہ حضرت ابن عباس نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر منہ دھویا تھا' اور دائیں عضو سے دھونے کی ابتداء کرنی چاہیے اور دھونے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دایاں ہاتھ وضوء کرنے اور طعام کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ قضاء حاجت اور اس قسم کے دوسرے کاموں کے لیے تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۶۸ صحیح مسلم: ۲۶۸ سنن ابوداؤد: ۳۳ سنن ترمذی: ۶۰۸ سنن نسائی: ۱۱۲)

٨- بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الْوِقَاعِ

ہر حال میں بسم اللہ پڑھنا' اور جماع کے وقت بھی

امام بخاری نے پہلے سات ابواب وضوء کے اوصاف سے متعلق ذکر کیے اور اب استنجاء کے ابواب شروع کر رہے ہیں اور درمیان میں اس باب کو ذکر کیا' جس میں ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے' اگرچہ ان کو یہ چاہیے تھا کہ پہلے بسم اللہ پڑھنے کا باب ذکر کرتے' پھر استنجاء کے متعلق ابواب کا ذکر کرتے' پھر وضوء کے اوصاف کے ابواب ذکر کرتے' لیکن چونکہ اہم مقصود وضوء کے اوصاف کو ذکر کرنا تھا' اس لیے پہلے انہوں نے وضوء کے اوصاف کے ابواب کا ذکر کیا' پھر بسم اللہ پڑھنے کے باب کو ذکر کیا اور اس کے بعد استنجاء کے ابواب کا ذکر کیا۔

١٤١- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ' عَنْ مَنْصُوْرٍ' عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ' عَنْ كُرَيْبٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَتٰى اَهْلَهٗ قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ' اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ' وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا' فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهٗ.

[اطراف الحدیث: ۳۲۷۱_۳۲۸۳_۵۱۶۵_۶۳۸۸_۷۳۹۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس جائے اور یہ دعا کرے: اللہ کے نام سے (ابتداء کرتا ہوں) اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھ اور ہم کو جو عطاء فرمائے' اس سے بھی شیطان کو دور رکھ' پھر ان کے درمیان جو اولاد مقدر کی جائے' اس کو شیطان ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۳۴ الرقم المسلسل: ۳۴۰۷ سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱ سنن ترمذی: ۱۰۹۲ السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۰۳۰ سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۹ عمل الیوم واللیلۃ: ۲۶۶ مصنف عبد الرزاق: ۱۰۴۶۶ مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۳۱۱ سنن دارمی: ۲۰۱۲ صحیح ابن حبان: ۹۸۳ المعجم الکبیر: ۱۲۱۹۵ کتاب الدعاء: ۹۴۱ شرح السنۃ: ۱۳۳۰ مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۷۰۵ مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۱۲۱۔ ج ۳ ص ۳۶۱ موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: ہر حال میں بسم اللہ پڑھنا اور جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا اور اس حدیث کی مطابقت باب کے جزء ثانی کے اعتبار سے ہے۔

وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا وضوء نہ ہو' اس کی نماز نہیں ہوتی اور جو بسم اللہ نہ پڑھے' اس کا وضوء (کامل) نہیں ہوتا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۱ سنن ترمذی: ۲۵ سنن ابن ماجہ: ۳۹۹ مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۱)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسانید غیر قوی ہیں' امام احمد نے کہا: ان میں سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے' پھر امام احمد نے روایت کیا ہے:

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں ہاتھ رکھا اور آپ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح ابلنے لگا تو آپ نے فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر وضوء کرو (یہ حدیث ثابت ہے) اس وقت آپ کے ساتھ تقریباً ستر (۷۰) اصحاب تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار: ۵۳۔ج اص ۱۵۴ 'السنن الکبریٰ للبیہقی ج اص ۴۳' مصنف عبد الرزاق: ۲۰۵۳' مسند ابویعلیٰ: ۳۰۳۶' صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۴' صحیح ابن حبان: ۶۵۴۴' سنن نسائی: ۷۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۶۹۴۔ج ۲۰ ص ۱۲۱۔۱۲۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے' امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

باب مذکور کی حدیث کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے چھ رجال ہیں:

(۱) علی بن عبد اللہ المدینی (۲) جریر بن عبد الحمید (۳) منصور بن المعتمر' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) سالم بن ابی الجعد الاشجعی الکوفی التابعی' یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے منصور اور اعمش روایت کرتے ہیں' ۱۰۰ھ میں فوت ہو گئے تھے' یہ ثقہ راویوں میں سے ہیں' لیکن یہ ارسال اور تدلیس کرتے تھے (۵) کریب' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام (۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۰۵)

شیطان' رزق' قضا اور دیگر مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''اھل'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بیوی' اس کی جمع ''اھلات'' اور ''اھالی'' ہے۔

جَنِّبْنَا: ''جَنَّبَ' یُجَنِّبُ'' کا معنی ہے: دور کرنا' قرآن مجید میں ہے:

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ (ابراہیم: ۳۵) مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے دور رکھ ○

''شیطان'' اگر اس کا مادہ ''شطن'' ہو تو اس کا وزن ''فیعال'' ہے اور اس کا معنی ہے: دور ہونا' یعنی شیطان نیکی اور خیر سے دور ہے' اور اگر اس کا مادہ ''شیط'' ہو تو اس کا وزن ''فعلان'' ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا' یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک ہو گیا' نیز اس کا معنی باطل ہے' جن اور انس میں سے ہر وہ جو سرکش اور متکبر ہو' اس کو شیطان کہتے ہیں' عرب سانپ کو بھی شیطان کہتے ہیں۔

''مَا رَزَقْتَنَا'' اس کا مادہ رزق ہے' جس سے نفع حاصل ہو وہ رزق ہے' اس کی جمع ارزاق ہے' قرآن مجید میں بارش پر بھی رزق کا اطلاق کیا ہے:

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ. (الجاثیہ: ۵) اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے۔

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ. (الذاریات: ۲۲) اور آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

اور رزق کا معنی حصہ اور نصیب ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الواقعہ: ۸۲) اور تم نے جھٹلانے کو اپنا حصہ بنا لیا ○

معتزلہ نے کہا: رزق کا شرعی معنی ہے: جاندار کو کسی چیز سے نفع اٹھانے پر قادر کرنا' اور اس کا دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے سے روکنا' اس لیے انہوں نے کہا: حرام چیز رزق نہیں ہے' اہل السنۃ نے کہا: حرام چیز بھی رزق ہے کیونکہ رزق کا لغت میں معنی حصہ اور نصیب ہے' پس جس شخص نے حرام چیز سے نفع اٹھایا' سو وہی اس کا حصہ اور نصیب ہے اور وہی اس کا رزق ہے' اگر حرام چیز رزق نہ ہو تو جس شخص نے ساری عمر سود اور چوری کا مال کھایا تو اس تفسیر کی بناء پر لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رزق نہیں دیا' حالانکہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. زمین پر چلنے والے جتنے جان دار ہیں' ان سب کا رزق اللہ کے (ھود:٦) ذمہ ہے۔

''فقضی'' یہ لفظ ''قضا'' سے بنا ہے'اس کے متعدد معانی ہیں' ''قضا'' کا معنی ہے: حکم دینا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (بنی اسرائیل:٢٣) اور آپ کے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔

''قضی حاجته'' کا معنی ہے: اس کی ضرورت پوری کر کے فارغ ہو گیا' ''قضی دینه'' کا معنی ہے: اس کا قرض ادا کر دیا' ''قضی نحبه'' کا معنی ہے: اس کی روح قبض کر لی وہ مر گیا' ''قضی الیه الامر'' کا معنی ہے: اس تک معاملہ پہنچا دیا' ''قضاهٗ'' کا معنی ہے: اس کو مقدر کر دیا' اس حدیث میں قضاء کا معنی حکم دینا یا مقدر کرنا ہے۔

شیطان کے ضرر پہنچانے کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب انسان اپنی بیوی سے جماع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور یہ دعا کرے کہ اللہ مجھ کو اور میری اولاد کو شیطان سے دور رکھے تو شیطان اس کی اولاد کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا' یعنی اللہ کے نام کی برکت سے اس بچہ پر شیطان کا تسلط نہیں ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان محفوظ بندوں میں سے ہو جائے گا' جن کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ. (الحجر:٤٢) میرے (خاص) بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہ ہو سکے گا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان اس کو دینی ضرر نہ پہنچا سکے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان اس کو بدنی ضرر نہ پہنچا سکے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ شیطان اس کی عقل کو اور اس کے بدن کو خراب نہ کر سکے' ہر چند کہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے کہ شیطان اس کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا' لیکن یہ تخصیص ضروری ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ وہ گناہوں سے بالکل معصوم ہو جائے' حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے' اس کا وقوع ضروری ہے اور جب ہم اس ضرر کو عقل اور بدن کے ضرر پر محمول کریں گے تو پھر اس کا وقوع ممتنع نہیں ہو گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ شیطان اس کو مرگی میں مبتلا نہیں کر سکے گا' بعض نے کہا: شیطان اس کی ولادت کے وقت اس کو انگلی نہیں چبھوئے گا' جب کہ دوسروں کو وہ انگلی چبھوتا ہے' جس کی وجہ سے بچہ روتا ہے اور ہم اس حدیث کو ضرر کی تمام اقسام پر محمول نہیں کرتے' کیونکہ شیطان سب کو وسوسہ بھی ڈالتا ہے اور گناہوں پر ابھارتا بھی ہے' داؤدی نے کہا ہے: وہ اس بچہ کو فتنۂ کفر میں مبتلا نہیں کر سکے گا۔

علامہ سندی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو کسی نے بھی عموم ضرر پر محمول نہیں کیا' کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ بنو آدم کے ہر بچہ کو شیطان اپنی انگلی سے مس کرتا ہے' سوائے حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے۔ (مسند احمد ج ٢ ص ٢٢٨۔ ٢٩٢۔ ٣١٩ طبع قدیم)

ایک قول یہ ہے کہ شیطان اس کو کفر کے ساتھ گم راہ نہیں کر سکے گا' ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کو گناہ کبیرہ میں مبتلا نہیں کر سکے گا' ایک قول یہ ہے کہ جب وہ گناہ کے بعد توبہ کرنا چاہے گا تو وہ اس کو توبہ سے روک نہیں سکے گا' ایک قول یہ ہے کہ جنات اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ٣ ص ٣٦١' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کی پناہ میں رہنا اور پاکیزہ اولاد کی دعا کرنا اور ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کی پناہ میں رکھے اور اس کے نام سے برکت حاصل کرتا رہے اور یہ یقین رکھے کہ ہر نیک عمل میں اللہ تعالیٰ ہی اس کا معین اور مددگار ہے۔

جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور حدیث میں مذکور دعا مانگے' امام غزالی نے کہا: بسم اللہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور یہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو نے میرے لیے اولاد مقدر کی ہے تو مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب جماع سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے تو ہر نیک کام سے پہلے خصوصاً وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

انسان کی تمام زندگی میں شیطان کا اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا

اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لازم رہتا ہے' جب وہ اپنی ماں کے رحم سے باہر آتا ہے' اس وقت سے موت تک انسان کے ساتھ لازم رہتا ہے' حتیٰ کی اس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے اور جب انسان سو جاتا ہے تو اس کے نتھنوں میں رات گزارتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو اس کو وسوسے ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی گدی میں تین گرہیں لگا دیتا ہے کہ رات بہت لمبی ہے اور جب انسان بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے اور وضوء کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو یہ تینوں گرہیں کھل جاتی ہیں' غرض شیطان ہر وقت انسان کو دینی ضرر پہنچانے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ ہم کو ہمیشہ شیطان کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۴۲۹۔ ج ۳ ص ۸۶۳ پر ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

٩- بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الْخَلَاءِ — بیت الخلاء میں دخول کے وقت کیا کہے؟

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں جماع سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بیان تھا اور اس باب میں بیت الخلاء جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بیان ہے' سو دونوں بابوں میں قدر مشترک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے۔

١٤٢- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ' عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

تَابَعَهُ ابْنُ عَرْعَرَةَ 'عَنْ شُعْبَةَ. وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ. وَقَالَ مُوْسٰى عَنْ حَمَّادٍ اِذَا دَخَلَ. وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّدْخُلَ. [طرف الحدیث: ٦٣٢٢]

شعبہ سے اس حدیث کی روایت میں محمد بن عرعرہ نے آدم کی متابعت کی ہے' اور غندر نے کہا: جب آپ بیت الخلاء میں جاتے اور موسیٰ نے حماد سے روایت کیا ہے: جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور سعید بن زید نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث

بیان کی: جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے۔

(صحیح مسلم:۳۷۵ الرقم المسلسل:۸۰۹ سنن ابوداؤد:۴ سنن نسائی:۱۹ السنن الکبریٰ للنسائی:۱۹ سنن ابن ماجہ:۲۹۸ سنن ترمذی:۵ المنتقی:۲۸ مسند ابویعلیٰ:۳۹۱۴ صحیح ابن حبان:۱۴۰۷ کتاب الدعاء:۳۵۹ عمل الیوم واللیلۃ:۱۷ شرح السنۃ:۱۸۶ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۲ طبع قدیم مسند احمد: ۱۳۹۹۹ ج ۲۱ ص ۴۱۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس دعا میں ہے: اے اللہ! میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اس حدیث کے چار رجال ہیں:

(۱) آدم (۲) شعبہ (۳) عبدالعزیز بن صہیب (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

''خبث'' اور ''خبائث'' کا معنی اور اٹیچ باتھ میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت

اس حدیث میں ''خبث'' اور ''خبائث'' سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے' اس سے مراد شیاطین اور ان کی مؤنثات ہیں' کیونکہ شیاطین بیت الخلاء میں حاضر ہوتے ہیں' یہ وہ مقامات ہیں' جہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا' اس لیے ان سے احتراز کرنے کے لیے آپ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

''خبث'' سے مراد کفر یا شر ہے اور ''خبائث'' سے مراد شیاطین ہیں' ابن الاعرابی نے کہا کہ کلام عرب میں خبث مکروہ چیز کو کہتے ہیں' اگر وہ مکروہ کلام ہو تو وہ سب و شتم ہے' اگر وہ مکروہ طعام ہو تو وہ حرام ہے اور ''خبائث'' ''خبیثۃ'' کی جمع ہے یعنی جو نیک اور محمود فعل نہ ہو یعنی افعال مذمومہ اور خصال ردیئہ۔

آپ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے' کیونکہ یہ جگہ اللہ تعالیٰ کا پاک نام لیے جانے کے قابل نہیں ہے اور بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا دل میں ذکر کرنا چاہیے' نہ کہ زبان سے۔

آج کل گھروں میں اٹیچ باتھ روم بنے ہوئے ہوتے ہیں' جن میں ایک طرف قضاء حاجت کی جگہ ہوتی ہے اور دوسری طرف وضوء کرنے کی جگہ ہوتی ہے اور درمیان میں کوئی آڑ یا حجاب نہیں ہوتا' سو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام لینا صحیح نہیں ہے اور وضوء کرنے سے پہلے باتھ روم سے باہر آ کر بسم اللہ پڑھنی چاہیے اور وضوء کی دعائیں اس جگہ نہیں مانگنی چاہئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیطان کے شر سے پناہ کی دعا کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیاطین سے پناہ طلب کرنا عبودیت کے اظہار اور تعلیم امت کے لیے ہے' ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ ہیں۔

بیت الخلاء میں دعا اور اذکار کی ممانعت اور جو تعویذ غلاف میں ہو' اس کو بیت الخلاء میں لے جانے کا جواز

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد زبان سے یہ دعا کرتے تھے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا کرتے تھے' جس طرح قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ (النحل:۹۸)

پس جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں○

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ قرآن پڑھنے کے بعد شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ

قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں اسی طرح اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ پیشاب کررہے تھے' اس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمم کیا' پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

(صحیح مسلم: ۳۷۰' سنن ترمذی: ۹۰' سنن ابوداؤد: ۱۶' سنن نسائی: ۳۷' سنن ابن ماجہ: ۳۵۳)

دوسری حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیر سے سلام کا جواب دینے کا عذر بیان فرمایا ہے:

المہاجر بن قنفذ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے' اس وقت آپ پیشاب کررہے تھے' انہوں نے آپ کو سلام کیا' آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا' حتیٰ کہ آپ نے وضوء کرلیا' پھر آپ نے اُن کے سامنے عذر بیان کیا اور فرمایا: میں نے بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کو ناپسند کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۷' سنن نسائی: ۳۸' سنن ابن ماجہ: ۳۵۰)

بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تو دور کی بات ہے' آپ تو بیت الخلاء جانے سے پہلے اپنی انگوٹھی بھی اتار لیتے تھے' کیونکہ اس میں اللہ کا نام لکھا ہوا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہونے (کا ارادہ) کرتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر رکھ دیتے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۹' سنن ترمذی: ۱۷۴۶' سنن نسائی: ۵۲۲۸' سنن ابن ماجہ: ۳۰۲)

انگوٹھی پر کوئی غلاف نہیں ہوتا' اس لیے آپ انگوٹھی کو اتار دیتے تھے' لیکن جس ذکر پر کوئی غلاف ہو' اس کو بیت الخلاء میں لے جانا جائز ہے جیسے تعویذ چمڑے یا چاندی کے غلاف میں ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بعض علماء نے بیت الخلاء میں دعا کرنے اور ذکر کرنے کو جائز کہا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت (یا تمام اوقات میں) اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۸' سنن ترمذی: ۳۳۸۴' سنن ابن ماجہ: ۳۰۲)

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ہر وقت زبان سے اللہ کا ذکر کرتے تھے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ بعض اوقات زبان سے اللہ کا ذکر کرتے تھے اور بعض اوقات دل سے اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۶۵ ج ۱ ص ۱۰۵۹ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۱۰- بَابُ وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ — بیت الخلاء کے پاس پانی رکھنا

باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت واضح ہے کیونکہ دونوں بابوں میں بیت الخلاء کے متعلق احکام ہیں۔

۱۴۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءًا قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟ فَأُخْبِرَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہاشم بن القاسم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی یزید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو میں نے آپ کے وضوء کے لیے پانی رکھا' آپ نے پوچھا: یہ کس نے رکھا ہے؟ پس آپ کو خبر دی گئی تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو دین میں فقہ عطا فرما!

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۵۷ میں گزر چکی ہے اور اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: نبی ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو میں نے آپ کے وضوء کے لیے پانی رکھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن محمد الجعفی المسندی" باب امور الایمان" میں ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) ہاشم بن القاسم ابوالنضر الخراسانی' یہ حافظ' ثقہ' صاحب سنت تھے' اہل بغداد ان پر فخر کرتے تھے' ۲۰۷ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں فوت ہو گئے (۳) ورقاء بن عمر الیشکری الکوفی' یہ خوارزم کے تھے' مدائن میں سکونت رکھی' انہوں نے عبداللہ بن محمد اور دیگر سے روایت کی ہے' اور ان سے الفریابی نے روایت کی ہے' یہ ۱۶۷ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) عبید اللہ بن ابی یزید المکی' یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے' ۱۲۶ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۱۶۔ ۴۱۵)

بعض علماء کا پانی سے استنجاء کا انکار کرنا اور ان کے رد میں احادیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں پانی رکھنا حدث سے استنجاء کے لیے ہے' اس میں ان علماء کا رد ہے' جنہوں نے پانی سے استنجاء کرنے کا انکار کیا ہے' انہوں نے کہا: پانی سے استنجاء کرنا صرف عورتوں کے لیے مشروع ہے اور مرد صرف پتھر سے استنجاء کرتے تھے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۴۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ پانی سے استنجاء کرتے تھے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے باہر آتے تو پانی سے استنجاء کر کے آتے تھے۔

(صحیح ابن حبان: ۱۴۴۱' موسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو پانی سے استنجاء کرتے تھے یا وضوء کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۳' ادارۃ القرآن' کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی قضاء حاجت کر کے آتے تو میں اور انصار کا ایک اور لڑکا مشکیزہ میں پانی لاتے' جس سے آپ استنجاء کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۱۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۳' صحیح مسلم: ۲۷۱' شرح السنۃ: ۱۹۵' صحیح ابن خزیمہ: ۸۵' صحیح ابن حبان: ۱۴۴۲)

معاذہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ پانی سے استنجاء کیا کریں' کیونکہ مجھے ان سے یہ کہتے ہوئے حیاء آتی ہے' بے شک رسول اللہ ﷺ پانی سے استنجاء کرتے تھے۔

(سنن ترمذی: ۱۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۲' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۴۔ ۱۱۳' صحیح ابن حبان: ۱۴۴۳)

۱۱- بَابٌ لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ' اِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ' جِدَارٍ اَوْ نَحْوِهٖ

پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے' لیکن جب عمارت میں ہو یا کسی دیوار یا اس طرح کی کسی چیز کی آڑ ہو تو کوئی حرج نہیں

بعض علماء نے کہا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اس وقت متحقق ہوگا' جب کھلے میدان یا جنگل میں قضاء حاجت کی جائے' لیکن

جب انسان کسی عمارت مثلاً بیت الخلاء میں ہو یا کسی دیوار کی آڑ میں بیٹھا ہو تو پھر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا قبلہ کی طرف منہ ہے' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ جب انسان کا قبلہ کی طرف منہ ہوگا تو یہی صادق آئے گا کہ اس کا قبلہ کی طرف منہ ہے' خواہ وہ صحراء میں ہو یا میدان میں یا کسی عمارت میں ہو یا کسی دیوار کے پیچھے ہو' اور جس طرح بیت الخلاء میں اس کے اور قبلہ کے درمیان بیت الخلاء کی دیوار حائل ہوتی ہے' اسی طرح کھلے میدان اور صحراء کے آگے بھی پہاڑ اور ٹیلے اور شہر کی عمارتیں حائل ہوتی ہیں' اس لیے ان میں شرعی حکم کے لحاظ سے فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب قضاء حاجت اور بیت الخلاء کے ذکر میں مشترک ہیں۔

١٤٤- حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ، شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا.

[طرف الحدیث: ۳۹۴]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے زہری نے حدیث بیان کی از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پاخانہ کرنے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرے' مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

(صحیح مسلم: ۲۶۴' الرقم المسلسل: ۵۹۸' سنن ابوداؤد: ۹' سنن نسائی: ۲۲-۲۱' سنن ابن ماجہ: ۳۱۸' موطأ امام مالک: ۴۶۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۰' المعجم الکبیر: ۳۹۳۱' مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۳۵۱۴- ج ۳۸ ص ۴۹۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: جب تم میں سے کوئی شخص پاخانہ کرنے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرے' لیکن امام بخاری نے عنوان میں عمارت یا دیوار وغیرہ کی آڑ کا جو استثناء ذکر کیا ہے' اس کا اس حدیث میں بالکل ذکر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت ایوب انصاری کا تذکرہ اور ان کی قبر کے پاس دعا کا قبول ہونا

(۱) آدم بن ابی ایاس (۲) محمد بن عبد الرحمٰن بن مغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب (۳) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) ابو یزید عطاء بن یزید اللیثی' یہ تابعی ہیں' ۱۸۲ھ یا ۱۸۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ' ان کا نام خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ الانصاری البخاری ہے' یہ غزوۂ بدر اور عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان کے پاس ایک مہینہ ٹھہرے تھے' یہ معزز صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں' انہوں نے ۱۵۰' احادیث روایت کی ہیں' ان میں سے سات احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں' یہ جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' ۵۰ھ میں قسطنطنیہ میں جہاد کرتے ہوئے فوت ہو گئے' اس جہاد میں یہ یزید بن معاویہ کے ساتھ تھے' یہ اس کے ساتھ نکلے' پھر بیمار ہو گئے' جب ان کا مرض زیادہ ہو گیا تو انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا: جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اٹھا لینا اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو مجھے تم اپنے قدموں کے نیچے دفن کر دینا' سو انہوں نے ایسا ہی کیا' ان کی قبر قسطنطنیہ کی سرحد کے قریب معروف ہے' اس کی آج تک تعظیم کی جاتی ہے' لوگ وہاں بارش کی طلب کے لیے دعا کرتے ہیں تو وہاں بارش ہو جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۷۰)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

یہ عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان کے پاس ٹھہرے تھے' یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدر' احد اور تمام مشاہد میں حاضر تھے' ان کا گھر مدینہ میں تھا' خوارج کے ساتھ جنگ نہروان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' اور ان کے بعد ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہے اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت میں روم کے شہر میں جہاد کرتے ہوئے فوت ہوئے' القسطنطنیہ کی سرحد میں ان کی قبر ہے۔

سعید بن المسیب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوایوب نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں کوئی مکروہ چیز لگی دیکھی' انہوں نے اس کو نکال کر آپ کو دکھائی' آپ نے ان کو دعا دی کہ ابوایوب میں جو مکروہ چیز ہو' اللہ اس کو نکال لے۔ (مجمع الزوائد ج۹ ص ۳۲۳)

حضرت ابوایوب کے آزاد کردہ غلام افلح بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ام ایوب نے حضرت ابوایوب سے کہا: کیا آپ سن رہے ہیں کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت ابوایوب نے کہا: کیوں نہیں! یہ جھوٹ ہے' اے ام ایوب! کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! ' حضرت ابوایوب نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت عائشہ تم سے بہت افضل ہیں' پھر جب قرآن نازل ہوا اور اس میں تہمت لگانے والوں کا ذکر ہوا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی:

لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ○ (النور: ۱۲)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اس بات کو سنا تو وہ ان کے متعلق نیک گمان کرتے اور کہتے: یہ صریح بہتان ہے ○

یعنی جس طرح حضرت ابوایوب نے حضرت ام ایوب سے بات کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نیک گمان کیا۔

ابوزبید بیان کرتے ہیں کہ میں اور نوف بکالی' حضرت ابوایوب کی عیادت کے لیے گئے' نوف نے کہا: اے اللہ! ان کو عافیت میں رکھ اور شفا دے' حضرت ابوایوب نے کہا: یہ نہ کہو' بلکہ یہ کہو: اے اللہ! اگر اس کی زندگی پوری ہو گئی ہے تو اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اگر اس کی زندگی باقی ہے تو اس کو شفا دے اور اجر عطا فرما۔

حضرت ابوایوب ۵۰ھ میں فوت ہو گئے تھے' ۵۱ھ اور ۵۲ھ کے بھی قول ہیں۔

(تہذیب الکمال ج۵ ص ۵۳-۳۵۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوایوب جس لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ جہاد کے لیے گئے تھے' اس کا امیر یزید بن معاویہ تھا' حضرت ابوایوب بیمار ہو گئے تو یزید عیادت کے لیے آیا اور پوچھا: آپ کی کوئی خواہش ہو تو بتائیں' حضرت ابوایوب نے بتایا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے دشمن کے علاقہ میں دور تک لے جانا' پھر مجھے وہاں دفن کر کے لوٹ آنا' جب حضرت ابوایوب فوت ہو گئے تو ان کو القسطنطنیہ کے قریب دفن کر دیا' وہاں ان کی قبر ہے اور لوگ ان کی قبر کے پاس بارش کی طلب کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوایوب اس سال فوت ہوئے جب یزید بن معاویہ نے القسطنطنیہ پر حملہ کیا' یہ ۵۲ھ کا واقع ہے' یزید بن معاویہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی' ان کی قبر سرزمین روم میں قسطنطنیہ کے قلعہ کی بنیاد کے پاس ہے اور مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اہل روم ان کی قبر کی

حفاظت کرتے ہیں اور اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور جب ان پر قحط آئے تو ان کی قبر کے پاس بارش کے لیے دعا کرتے ہیں۔

نیز لکھا ہے: جب بارش نہ ہو تو اہل روم ان کی قبر کو کھول دیتے ہیں' پھر ان پر بارش ہوتی ہے۔

نیز لکھا ہے کہ ابو سعید المعیطی نے کہا ہے کہ اہل روم نے ان کی قبر پر سفید گنبد بنا دیا ہے اور اس پر قندیل روشن کرتے ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۸ ص ۴۵۔ ۴۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

الواقدی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اہل روم ان کی قبر کی حفاظت کرتے ہیں اور وہاں بارش کے حصول کی دعا کرتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۶۵۔ ۶۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے میں امام ابوحنیفہ کا مذہب

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا جائز نہیں ہے' خواہ صحراء میں قضاء حاجت کی جائے یا کسی عمارت میں' انہوں نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے' اور مجاہد' ابراہیم نخعی' سفیان ثوری' ابوثور اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں' ان کا بھی یہی مسلک ہے' نیز اس ممانعت کی وجہ قبلہ کی تعظیم ہے اور وہ صحرا اور عمارت دونوں میں موجود ہے' اگر عمارت میں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا اس لیے جائز ہو کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان عمارت کی دیواریں حائل ہیں تو صحرا میں بھی اس کے اور قبلہ کے درمیان ٹیلے اور پہاڑ اور دوسرے شہروں کی عمارتیں حائل ہوتی ہیں اور اس سلسلہ میں اور بھی احادیث ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۲۲)

امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید میں احادیث

حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ کرے' خواہ پیشاب کرے یا پاخانہ' لیکن مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف' حضرت ابوایوب نے کہا: جب ہم شام گئے تو وہاں کے بیت الخلاء قبلہ کی طرف بنے ہوئے تھے تو ہم منحرف ہو کر بیٹھتے تھے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۹' سنن ترمذی: ۸' مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۷۔ ۴۱۶' مسند الحمیدی: ۳۸۷' المعجم الکبیر: ۳۹۳۷' سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۱' شرح السنۃ: ۱۷۴' صحیح ابن حبان: ۱۴۱۶)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے کہا گیا کہ تمہارے نبی تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں' حتیٰ کہ قضاء حاجت کی بھی تعلیم دیتے ہیں' حضرت سلمان نے کہا: ہاں! آپ نے ہمیں پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے منع کیا ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع کیا ہے اور تین پتھروں سے کم سے استنجاء کرنے سے منع کیا ہے اور لید یا ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۲' سنن ابوداؤد: ۷' سنن ترمذی: ۱۶' سنن ابن ماجہ: ۳۱۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے باپ کی جگہ ہوں' تمہیں تعلیم دیتا ہوں' پس جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے' نہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور آپ تین پتھروں کا حکم دیتے تھے اور لید اور ہڈی سے منع کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵، سنن ابوداؤد: ۸، سنن نسائی: ۴۰، سنن ابن ماجہ: ۳۱۳)

حضرت معقل بن ابی معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت ہمیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے سے منع کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹، مسند احمد: ۱۷۸۵۵، دارالفکر)

قضاءِ حاجت کے وقت داؤد ظاہری کے نزدیک مطلقاً قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کا جواز

داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا مطلقاً جائز ہے اور حضرت ابوایوب انصاری کی حدیث منسوخ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۲۳)

داؤد ظاہری کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے منع کیا' پھر میں نے آپ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا' آپ قبلہ کی طرف منہ کر رہے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۳، سنن ترمذی: ۹، سنن ابن ماجہ: ۳۲۵، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰)

داؤد ظاہری کی دلیل کا ردّ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے استدلال کرنا ضعیف ہے' کیونکہ یہ آپ کے فعل کی حکایت ہے' اس میں عموم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا یہ فعل کسی عذر کی وجہ سے ہو اور یا آپ کا یہ فعل کسی عمارت یا بیت الخلاء میں ہو۔

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۵۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کا یہ فعل کسی عمارت میں یا بیت الخلاء میں ہوتا تو حضرت جابر اس کو کیسے دیکھ سکتے تھے' اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے آپ کا منع فرمانا' آپ کا قول ہے اور اس حدیث میں آپ کا فعل ہے اور قول اور فعل میں جب تعارض ہو تو آپ کا قول آپ کے فعل پر راجح ہوتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی ممانعت تحریم پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث سے اس کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور جب تحریم اور اباحت میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح ہوتی ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ممانعت میں عموم کا صیغہ ہے اور اس حدیث میں تخصیص ہے اور عام حکم خاص فعل پر راجح ہوتا ہے۔

حضرت جابر کی اس حدیث پر شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے جرح کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

رہی حضرت جابر کی حدیث تو وہ ابان بن صالح کی روایت ہے اور وہ مشہور نہیں ہے' اور نیز اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کرنے کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت جابر اس کو بتاتے' اور اگر یہ استدلال صحیح ہو تو اس میں صرف قبلہ کی طرف منہ کرنے کا جواز ہے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے کا جواز بالکل نہیں ہے' اور یہ جائز نہیں ہے کہ جس بات کا حدیث میں ذکر نہ ہو' اس کا از خود اضافہ کیا جائے اور یہ بات نہیں ہے کہ آپ نے دو چیزوں سے منع کیا ہو اور ایک کی ممانعت منسوخ ہو جائے تو اس سے دوسری ممانعت بھی منسوخ ہو جائے' لہٰذا اس حدیث سے ان کا یہ ثابت کرنا باطل ہو گیا کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے کی ممانعت منسوخ ہو گئی ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کی توجیہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف منہ کرو' یہ

خطاب اہل مدینہ کے لیے ہے یا ان لوگوں کے لیے ہے' جن کا قبلہ مدینہ کی سمت پر ہے اور جن کا قبلہ مشرق یا مغرب کی سمت پر ہو وہ قضاء حاجت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ نہیں کریں گے' بلکہ وہ مشرق یا مغرب کی دائیں یا بائیں جانب منہ کریں گے۔

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۱۷۔ ج ۱ ص ۹۳۵ پر ہے اور اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ (۲) قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ (۳) قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ (۴) قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے میں فقہاء احناف کا نظریہ۔

۱۲- بَابُ مَنْ تَبَرَّزَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ جو شخص قضاء حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھا

بابِ سابق میں بالعموم قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی ممانعت تھی اور اس باب میں ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری کی رائے کے مطابق بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کا جواز ہے' یعنی پہلے باب میں عام ممانعت تھی' خواہ صحرا میں قضاء حاجت کرے یا بیت الخلاء میں اور اس باب میں خاص ممانعت ہے صرف صحرا میں' بہ ظاہر یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف ہے' اس حدیث کی شرح میں ان شاء اللہ ہم اس حدیث کی توجیہات بیان کریں گے۔

۱۴۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ' عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ' عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ اِذَا قَعَدْتَ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا' فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ. وَقَالَ لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَوْرَاكِهِمْ؟ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ وَاللّٰهِ. قَالَ مَالِكٌ يَعْنِي الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْاَرْضِ' يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْاَرْضِ.

[اطراف الحدیث: ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۳۱۰۲] (صحیح مسلم: ۲۶۶' الرقم المسلسل: ۶۰۰' سنن ابوداؤد: ۱۲' سنن ترمذی: ۱۱' سنن نسائی: ۲۳' سنن ابن ماجہ: ۳۲۲' موطأ امام مالک: ۴۶۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۲' صحیح ابن خزیمہ: ۵۹' صحیح ابن حبان: ۱۴۲۱' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۶۱' سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۲' شرح السنۃ: ۱۷۶' المعجم الکبیر: ۱۳۳۱۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۹ ص ۴۳۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از یحییٰ بن سعید از محمد بن یحییٰ بن حبان از عم خود واسع بن حبان از عبداللہ بن عمر' وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تم اپنی قضاء حاجت کے لیے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو' نہ بیت المقدس کی طرف' پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: بے شک میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے قضاء حاجت کر رہے تھے' آپ کا منہ بیت المقدس کی طرف تھا' حضرت ابن عمر نے (واسع بن حبان سے) کہا: شاید تم ان لوگوں میں سے ہو' جو اپنے کولہوں کو بچھا کر نماز پڑھتے ہیں؟ واسع بن حبان نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کی بات نہیں سمجھا' امام مالک نے حضرت ابن عمر کے قول کا مطلب بتایا یعنی جو شخص اس طرح نماز پڑھے کہ زمین سے اوپر نہ اٹھے' وہ زمین سے چپکا ہوا سجدہ کرے (مردوں کا اس طرح نماز پڑھنا خلاف سنت ہے' اس طرح عورتیں نماز پڑھتی ہیں' حضرت ابن عمر کا مطلب یہ تھا کہ شاید جس طرح تم خلاف سنت طریقہ سے نماز پڑھتے ہو اسی طرح تم خلاف سنت طریقہ سے قضاء حاجت کرتے

ہو یعنی بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف منہ نہیں کرتے)۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: میں نے دیکھا' رسول اللہ ﷺ دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے قضاء حاجت کر رہے تھے' آپ کا منہ بیت المقدس کی طرف تھا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن یوسف التنیسی (۲) امام مالک بن انس (۳) یحییٰ بن سعید الانصاری المدنی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) محمد بن یحییٰ بن حبان الانصاری البخاری' ان کا رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں حلقہ تھا' یہ مفتی' ثقہ اور کثیر الحدیث تھے' ۱۲۱ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے (۵) محمد بن یحییٰ کے عم محترم یہ واسع بن حبان الانصاری البخاری المازنی ہیں' یہ ثقہ تھے' ایک قول ہے: ان کی ایک روایت ہے' اس وجہ سے ان کا صحابہ میں شمار ہوتا ہے' ان کے والد حبان بن منقذ بن عمر ہیں اور وہ صحابی ہیں (۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور سے بیت الخلاء میں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کا جواز ------ اور اس میں مذاہب ائمہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری المالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

فقہاء میں سے ابراہیم النخعی' ابن سیرین اور مجاہد نے یہ کہا ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا مکروہ ہے' اور ان لوگوں کی نظر سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث غائب تھی' جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ممانعت صحرا اور میدانوں میں ہے' گھروں میں نہیں ہے اور کسی نے یہ روایت نہیں کیا کہ نبی ﷺ نے قضاء حاجت کے وقت صحرا میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کی' آپ سے صرف یہ مروی ہے کہ آپ نے گھر میں ایسا کیا۔

امام احمد بن حنبل نے کہا: قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی ممانعت کی حدیث کے لیے حضرت ابن عمر کی یہ حدیث ناسخ ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

مروان الاصفر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا' حضرت ابن عمر نے اپنی اونٹنی کو قبلہ کی طرف بٹھایا' پھر بیٹھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کیا' میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمان! کیا اس فعل سے منع نہیں کیا گیا؟ حضرت ابن عمر نے کہا: کیوں نہیں! اس فعل سے صرف کھلی جگہ میں منع کیا گیا ہے' لیکن جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی آڑ یا حجاب ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۱' امام ابوداؤد اس روایت کے ساتھ منفرد ہیں۔)

وکیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے شعبی سے کہا کہ حضرت ابوہریرہ یہ کہتے ہیں کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ اچانک میری نظر اٹھ گئی تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اپنے بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے تھے' شعبی نے کہا: حضرت ابن عمر بھی صادق ہیں اور حضرت ابوہریرہ بھی صادق ہیں' حضرت ابوہریرہ کا قول جنگلوں اور صحراؤں کے متعلق ہے اور حضرت ابن عمر کا قول بیوت الخلاء کے متعلق ہے اور رہے تمہارے بیت الخلاء تو ان کے لیے کوئی قبلہ نہیں ہے۔

یہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری کی حدیث کو حضرت ابن عمر کی حدیث سے صحرا اور میدان کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے۔

رہا حضرت ابن عمر کا یہ کہنا کہ لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ جب تم قضاء حاجت کے لیے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ بیت

المقدس کی طرف تو ان کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام سنتوں سے معانی حاصل کرنے میں مختلف تھے اور ان میں سے ہر ایک اس پر بالعموم عمل کرتا تھا' جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔

علامہ ابن القصار نے کہا: حضرت ابن عمر کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم گاہ کی طرف دیکھیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی اچانک نظر پڑ گئی تو انہوں نے دیکھ لیا اور انہوں نے قصداً نہیں دیکھا' پھر جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا' اس کو نقل کر دیا۔

حافظ یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبر المالکی القرطبی المتوفی ٤٦٣ھ مذکور الصدر دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حضرت ابوایوب کی مطلقاً ممانعت والی حدیث کو صحراء پر محمول کرنا اور حضرت ابن عمر کی رخصت والی حدیث کو بیت الخلاء پر محمول کرنا جیسا کہ شعبی نے کہا ہے' یہ امام مالک کا اور ان کے اصحاب کا اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے اور یہی ابن المبارک اور اسحاق بن راھویہ کا قول ہے۔

اور ثوری اور کوفیوں (فقہاء احناف) کا مذہب یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا جائز نہیں ہے' صحراء میں نہ بیت الخلاء میں' امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے اور ان کا استدلال حضرت ابوایوب انصاری' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت سہل بن حنیف' حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کی احادیث سے ہے' جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔

(تمہید ج ا ص ٢٥٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٩ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ لکھتے ہیں:

امام احمد سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے' خواہ وہ صحراء میں ہو یا بیت الخلاء میں اور یہی ثوری اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے' کیونکہ احادیث میں بالعموم ممانعت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا جائز ہے اور یہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے اور یہی امام مالک' امام شافعی اور ابن المنذر کا قول ہے۔ (المغنی ج ا ص ٢٠٦' دار الحدیث' قاہرہ' ١٤٢٥ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر کا یہ نظریہ تھا کہ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی ممانعت صرف صحراء میں ہے' جب کہ وہاں کوئی حجاب نہ ہو' جیسا کہ اس پر امام ابوداؤد اور امام حاکم کی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ (فتح الباری ج ا ص ٦٩١' دار المعرفہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)

امام ابوحنیفہ کی طرف سے حدیث مذکور سے استدلال کے جوابات

حضرت ابن عمر کی اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے بیت الخلاء میں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے' امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس حدیث سے استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(١) ممانعت کی حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے' جن میں حضرت ابوایوب انصاری' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت سہل بن حنیف' حضرت عبداللہ بن الحارث اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم ہیں' اور رخصت کی حدیث صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور جو حدیث چھ صحابہ سے مروی ہو' وہ اس حدیث پر راجح ہے' جو صرف ایک صحابی سے مروی ہو۔

(٢) حضرت ابن عمر نے قصداً اور بہ غور نہیں دیکھا تھا کہ بیت الخلاء میں قضاء حاجت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ بیت المقدس کی طرف تھا' اتفاقاً ان کی نظر پڑ گئی تھی' اس حالت میں عام آدمی کی طرف بھی دیکھنا جائز نہیں ہے' چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف سو ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر کو دیکھنے میں خطاء واقع ہوئی ہو اس لیے اس حالت میں ان کی روایت قابل اعتماد نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس کے خلاف متعدد احادیث صحیحہ ہیں۔

(۳) ممانعت کی احادیث عام ہیں اور رخصت کی حدیث خاص ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے لہٰذا ممانعت کی احادیث راجح ہیں۔

(۴) ممانعت کی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اور رخصت کی حدیث میں آپ کا فعل ہے اور آپ کا قول آپ کے فعل پر راجح ہوتا ہے لہٰذا ممانعت کی احادیث راجح ہیں۔

(۵) ممانعت کی احادیث تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور رخصت کی حدیث اباحت پر دلالت کرتی ہے اور جب تحریم اور اباحت میں تعارض ہو تو تحریم راجح ہوتی ہے لہٰذا ممانعت کی احادیث راجح ہیں۔

(۶) ممانعت کی احادیث میں کعبہ کا زیادہ احترام ہے اس لیے وہ راجح ہیں۔

(۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل ہیں اس لیے قضاء حاجت کے وقت بیت الخلاء میں آپ کی پیٹھ کعبہ کی طرف ہو تو کوئی حرج نہیں اس کے برخلاف ہمارا یہ مقام نہیں ہم پر کعبہ کا احترام لازم ہے اور ہمارا اس حالت میں کعبہ کی طرف پیٹھ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸) **بعض علماء** نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عین کعبہ کی طرف منہ کرنے کے مکلف تھے اور ہم سمت کعبہ کی طرف منہ کرنے کے مکلف ہیں اسی طرح آپ قضاء حاجت کے وقت عین کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہ کرنے کے مکلف تھے سو جب حضرت ابن عمر نے آپ کو دیکھا تو آپ کی پیٹھ سمت کعبہ کی طرف تھی نہ کہ عین کعبہ کی طرف اور یہ غور تحقیق کرنے کا موقع نہ تھا۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۱۹۔ ج ۱ ص ۹۳۶ پر ہے اس کی شرح میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ بیان کیا گیا ہے۔

۱۳ - بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ اِلَى الْبَرَازِ

خواتین کا کھلے میدان میں (قضاء حاجت کے لیے) نکلنا

''براز'' کا معنی وسیع میدان ہے اور یہ قضاء حاجت سے کنایہ ہے حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لعنت کی جگہوں سے بچو پانی کے گھاٹ پر عام راستہ پر اور سائے کی جگہوں پر براز (قضاء حاجت) کرنے سے (اس حدیث میں آپ نے قضاء حاجت کے لیے ''براز'' کا لفظ فرمایا ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۲٦ سنن ابن ماجہ: ۳۲۸)

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں بیت الخلاء میں قضاء حاجت کا ذکر تھا اور اس باب میں کھلے میدان میں قضاء حاجت کا ذکر ہے۔

١٤٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ اِذَا تَبَرَّزْنَ اِلَى الْمَنَاصِعِ وَهُوَ صَعِيْدٌ اَفْيَحُ فَكَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْجُبْ نِسَاءَكَ فَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رات کو قضاء حاجت کے لیے المناصع کی طرف جاتی تھیں المناصع کا معنی ہے: وسیع میدان۔ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہیں کرتے تھے پس نبی

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً مِّنَ اللَّیَالِیْ عِشَاءً، وَکَانَتِ امْرَاَةً طَوِیْلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ اَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ یَا سَوْدَةُ، حِرْصًا عَلٰی اَنْ یَّنْزِلَ الْحِجَابُ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰیَةَ الْحِجَابِ.

[اطراف الحدیث:٧ ١۴٧_٤٧٩٥_٥٢٣٧_٦٢٤٠]

کی زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ایک رات کو عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لیے نکلیں، وہ دراز قد خاتون تھیں، ان کو حضرت عمر نے آواز دے کر کہا: اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے، حضرت عمر کو یہ حرص تھی کہ پردہ کے احکام نازل ہو جائیں، پھر اللہ نے حجاب کی آیت نازل کر دی۔

(صحیح مسلم:٢١٧٠، الرقم المسلسل:٥٥٦٧، سنن بیہقی ج ٧ ص ٨٨، مسند احمد ج ٦ ص ٢٢٣ طبع قدیم، مسند احمد:٢٥٨٦٦۔ج ٤٣ ص ٥٤، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: رات کو ازواج قضاء حاجت کے لیے "المناصع" یعنی وسیع میدان کی طرف جاتی تھیں، امام بخاری نے اس باب سے یہ اشارہ کیا ہے کہ پہلے گھروں میں بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے اس لیے ازواج قضاء حاجت کے لیے کھلے میدانوں میں جاتی تھیں اور یہ ان کے لیے رخصت تھی، پھر جب گھروں میں بیت الخلاء بن گئے تو ان کو ضروری کام کے سوا گھروں سے نکلنے سے منع کر دیا گیا، جس کی تصریح اگلے باب میں آ رہی ہے۔

اس حدیث کے تمام رجال کا اسی ترتیب کے ساتھ "کتاب الوحی" میں تعارف ہو چکا ہے۔

"المناصع" اور "افیح" کا معنی

اس حدیث میں "المناصع" کا لفظ ہے، یہ "منصع" کی جمع ہے "ناصع" کا معنی ہے: خالص، الازہری نے کہا ہے: یہ وہ جگہیں ہیں، جو مدینہ سے باہر تھیں اور اس میں "افیح" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: واسع۔ (التنقیح علی الجامع الصحیح ج ١ ص ١٣٦)

حجاب کے تین مراتب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے: آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں۔

قرآن مجید میں حجاب کے متعلق تین حکم ہیں:

(١) یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ. (الاحزاب:٥٩)

اے نبی! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔

اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنے چہروں کو اجنبی مردوں سے حجاب میں رکھیں اور عورتوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو چھپا کر رکھیں۔

(٢) اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. (الاحزاب:٥٣)

جب تم نبی کی ازواج سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ازواج مطہرات اور مسلمانوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا جائے۔

(٣) وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی. (الاحزاب:٣٣)

اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ازواجِ مطہرات اپنے گھروں میں لازم رہیں اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر جانا

پڑے تو بناؤ سنگھار کر کے گھر سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ ایک رات کو عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لیے باہر نکلیں۔

حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس القرشیہ العامریہ بہت پہلے اسلام لائی تھیں اور بیعت کر چکی تھیں وہ پہلے اپنے عم زاد کے نکاح میں تھیں جن کا نام السکر ان بن عمرو تھا وہ ان کے ساتھ اسلام لائے تھے اور ان دونوں نے ایک ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی پھر جب یہ مکہ میں آئیں تو ان کے خاوند فوت ہو گئے پھر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کر لیا یہ واقعہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے پہلے ہوا پھر انہوں نے مدینہ ہجرت کی جب ان کی عمر زیادہ ہو گئی تو آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا حضرت سودہ نے کہا: آپ مجھے طلاق نہ دیں اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کے لیے کر دی پھر آپ نے ان کو رکھ لیا ان سے پانچ احادیث مروی ہیں امام بخاری نے ان سے دو احادیث روایت کی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ان کی وفات ہوئی ایک قول ہے کہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ)

علامہ عز الدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ سے علامہ عینی نے یہ احوال نقل کیے ہیں ان کے علاوہ علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے:

حضرت سودہ کا بدن بھاری تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ان کی عمر زیادہ ہو گئی اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حتیٰ کہ آپ فوت ہو گئے۔

محمد بن علی بن الحسین نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کل پندرہ عورتوں سے نکاح کیا تھا اور حضرت خدیجہ بنت خویلد کے بعد آپ نے جس خاتون سے سب سے پہلے نکاح کیا تھا وہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا تھیں حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا! آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تمہارے باپ پر قرض ہوتا پس تم اس کی طرف سے قرض ادا کرتے تو کیا تمہاری طرف سے وہ قرض قبول کیا جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۹)

حضرت سودہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو گئی تھیں۔

(اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۵۸۔ ۱۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ اور ان کی رائے کی فضیلت

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کرتے رہتے تھے کہ آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں اس سے معلوم ہوا کہ ادنیٰ کے لیے اعلیٰ کو مشورہ دینا جائز ہے اور اس میں مشورہ دینے کی فضیلت ہے بہ شرطیکہ مشورہ دینے سے کسی کو مشکل اور دشواری میں ڈالنا مقصود نہ ہو اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ ان کے مشورہ کے بعد حجاب کے احکام نازل ہوئے اور سورۃ الاحزاب کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں حسب ذیل آیات نازل ہوئی ہیں:

حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں آیات حجاب کا نازل ہونا

(۱) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ. (الاحزاب:۵۹)

اے نبی! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں' جیسا کہ اس حدیث میں ہے' سو حضرت عمر کی رائے کے موافق یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں ازواجِ مطہرات کو تنبیہ فرمانا

(۲) عَسٰی رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ. (التحریم:۵)

اگر وہ (نبی) تم کو طلاق دے دیں تو ان کا رب عنقریب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج غیرت میں جمع ہوگئیں تو میں نے ان سے کہا: اگر وہ (نبی) تم کو طلاق دے دیں تو ان کا رب عنقریب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا' تب التحریم:۵ نازل ہوگئی۔ (جامع البیان جز۲۹ ص۱۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانا

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کاش! آپ مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں' تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی. (البقرہ:۱۲۵)

اور تم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو۔

(جامع البیان ج۱ ص۶۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان آیات کا ذکر اس حدیث میں بھی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا: میں نے اپنے رب کی موافقت تین آیات میں کی ہے: میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں' تو یہ آیت نازل ہوگئی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی". (البقرہ:۱۲۵) اور آیت حجاب میں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ اپنی ازواج کو یہ حکم دیں کہ وہ حجاب میں رہیں' کیونکہ ان سے نیک اور بد ہر قسم کے آدمی بات کرتے ہیں تو آیت حجاب نازل ہوگئی (الاحزاب:۵۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج آپ کے خلاف غیرت میں جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا: اگر وہ (نبی) تم کو طلاق دے دیں تو ان کا رب عنقریب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا تو التحریم: ۵ نازل ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲' سنن ترمذی: ۲۹۶۰' سنن ابن ماجہ: ۱۰۰۹' سنن داری: ۱۸۴۹' مسند البزار: ۲۲۱۔۲۲۰' صحیح ابن حبان: ۶۸۹۶' المعجم الصغیر: ۸۶۸' سنن بیہقی ج۷ ص۸۸' شرح السنۃ: ۳۸۸۷' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۴۱' مسند احمد ج۱ ص۲۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۵۷۔ ج۱ ص۲۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث میں صرف تین آیات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کا ذکر ہے' حالانکہ حضرت عمر کی موافقت کی آیات کی تعداد بہت زیادہ ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تین آیات زیادہ مشہور تھیں' باقی آیات حسب ذیل ہیں:

حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں ان مسلمانوں پر عتاب جنہوں نے غزوۂ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (الانفال:٦٧)

نبی کے پاس اس وقت تک قیدی نہیں ہونے چاہئیں جب تک کہ (کافروں کا) خون نہ بہایا جائے‘ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے اور اللہ بہت غالب‘ بے حد حکمت والا ہے○

حضرت عمر بن الخطاب کی روایت کے آخر میں ہے:

ابوزمیل نے کہا: غزوۂ بدر کے دن تیسرے آسمان سے مدد آئی‘ پس ستر کفار قتل کر دیئے گئے اور ستر کفار قید کر لیے گئے‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قیدیوں کو گرفتار کر لیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کہا: ان قیدیوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: اے نبی اللہ! یہ چچا اور رشتہ داروں کی اولاد ہیں‘ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں‘ اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہو جائے گی‘ پھر ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کو اسلام کے لیے ہدایت دے دے‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اے ابن الخطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ (حضرت عمر نے کہا:) نہیں! اللہ کی قسم! یارسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے‘ جو ابوبکر کی رائے ہے‘ لیکن میری رائے یہ ہے کہ ہم ان پر قدرت پا چکے ہیں‘ سو ہم ان کی گردنیں اڑا دیں‘ آپ حضرت علی کو موقع دیں‘ وہ عقیل کی گردن اڑا دیں‘ اور مجھے فلاں پر موقع دیں‘ میں اس کی گردن اڑا دوں‘ یہ لوگ کفر کے ائمہ اور صنادید ہیں‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘ حضرت ابوبکر کے قول کی طرف مائل ہوئے اور میرے قول کی طرف مائل نہیں ہوئے‘ دوسرے دن صبح کو جب میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر دونوں بیٹھے ہوئے رو رہے تھے‘ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے بتایئے آپ اور آپ کے یہ صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ پس اگر مجھے بھی ازخود رونا آیا تو میں روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے زبردستی روؤں گا‘ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ تمہارے اصحاب کے فدیہ لینے کی وجہ سے میرے اوپر ان کا عذاب پیش کیا گیا‘ جو اس درخت کے قریب آ چکا تھا‘ وہ درخت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھا‘ اور اللہ عزوجل نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الانفال:٦٧-٦٩)

نبی کے پاس اس وقت تک قیدی نہیں ہونے چاہئیں‘ جب تک کہ کافروں کا خون نہ بہایا جائے‘ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے‘ اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے○ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی یہ حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے فدیہ لیا ہے‘ اس پر تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا○ پس تم نے جو حلال اور پاکیزہ غنیمت حاصل کی ہے اس کو خوب کھاؤ پیو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○

پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ (صحیح مسلم: ١٧٦٣‘ الرقم المسلسل: ٤٥٠٧‘ سنن ابوداؤد: ٢٦٩٠‘ سنن ترمذی: ٣٠٨١‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ ص ٣٥٠-٣٥٠‘ ج ١٤ ص ٣٦٦-٣٦٥‘ مسند البزار: ١٩٦‘ صحیح ابن حبان: ٤٧٩٣‘ سنن بیہقی ج ٦ ص ٣٢١‘ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٣ ص ٥٢-٥١‘ دلائل النبوۃ لابی نعیم: ٤٠٨‘ مسند احمد ج ١ ص ٣٠ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ١ ص ٣٣٤ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت)

فدیہ لینے پر عتاب کی توجیہ

الانفال:٦٩ میں ہے: ''اگر اللہ کی طرف سے یہ حکم پہلے ہی لکھا ہوا نہ ہوتا''۔ اس کی تفسیر میں امام محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس امت کو مالِ غنیمت کھلانے والا ہے اور انہوں نے اللہ کے حکم سے پہلے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا تھا' اس وجہ سے ان پر عتاب کیا گیا۔ (جامع البیان جز١٠ص ٥٣' دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی متوفی ٦١٥ھ نے لکھا ہے کہ فدیہ کی رقم چالیس اوقیہ تھی اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا تھا۔

(معالم التنزیل ج ٢ص ٣١٠' دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢٠ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے الانفال:٦٨ کی تفسیر میں اس آیت کی چار وجوہ بیان کی ہیں:

(١) اس امت سے پہلے مالِ غنیمت کو کھانا حرام تھا اور اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس امت کے لیے مالِ غنیمت حلال ہے' اگر پہلے سے یہ حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان کے فدیہ لینے کی وجہ سے ان پر عذاب آتا۔

(٢) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہلے فدیہ لینے سے منع نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ جس کام کو مسلمان کریں' جس سے ان کو پہلے منع نہ کیا ہو تو اس پر ان کو عذاب نہیں ہوگا' اگر یہ پہلے لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان پر عذاب آتا۔

(٣) اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ دیا تھا کہ اہل بدر کو عذاب نہیں ہوگا' اگر یہ لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان پر عذاب آتا۔

(٤) اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھ دیا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آئے گا' اگر یہ حکم پہلے سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان پر عذاب آتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٧ص ٤٠٧۔٤٠٦' دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

* ان آیات کی مزید تفصیل اور تحقیق کے لیے تبیان القرآن ج ٤ص ٧٠٠۔٦٩٩ کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت

(٥) وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا. (التوبہ:٨٤) ان (منافقین) میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی بھی نہ پڑھیں۔

یہ آیت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوگیا تو اس کا بیٹا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ! مجھے اپنی قمیص عطا کیجئے' میں اس میں اس کو کفن دوں گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کے لیے استغفار کریں' پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی قمیص عطا کر دی' اور فرمایا: مجھے مطلع کرنا' میں اس کی نماز پڑھوں گا' جب آپ نے اس کی نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھینچا اور کہا: کیا اللہ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے دو چیزوں کا اختیار ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. (التوبہ:٨٠) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں' اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) استغفار کریں تو اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوگئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا. (التوبہ:۸۴) ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ (آئندہ) اس کی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھیں۔

(صحیح البخاری:۱۲۶۹، صحیح مسلم:۲۷۷۴، سنن ترمذی:۳۰۹۸، سنن نسائی:۱۸۹۶، سنن ابن ماجہ:۱۵۲۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸)

حضرت عمر کے قول کے موافق ''فتبارك الله احسن الخالقين'' کا نازل ہونا

(٦) فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المومنون:۱۴) پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے ○

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے چار آیتوں میں اپنے رب کی موافقت کی ہے اور تیسری آیت یہ بیان کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ (المومنون:۱۲) بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ○

جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے کہا: ''تبارك الله احسن الخالقين'' تو یہ آیت نازل ہوئی: ''فتبارك الله احسن الخالقين'' (المومنون:۱۴)۔ (مسند ابوداؤد والطیالسی:۴۱، المعجم الکبیر:۱۲۲۴۴، الدر المنثور ج ۶ ص ۹۸، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں شراب کی تحریم کا نازل ہونا

(٧) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ (المائدہ:۹۱۔۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ہیں پس تم ان سے بچو تاکہ کامیاب ہو جاؤ ○ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ عداوت اور بغض پیدا کردے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ ○

شراب کی تحریم کی یہ آیتیں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہیں حدیث میں ہے:

ابومیسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے متعلق شافی بیان کردے تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا. (البقرہ:۲۱۹) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے: ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے اس میں دنیاوی فائدہ ہے اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

حضرت عمر نے پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے متعلق شافی بیان کردے تو یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى. (النساء:۴۳) اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

حضرت عمر نے پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے متعلق شافی بیان کردے تو پھر المائدہ:۹۱۔۹۰ نازل ہوئی جس

کے آخر میں ہے: کیا تم باز آنے والے ہو؟ حضرت عمر نے کہا: ہم باز آ گئے' ہم باز آ گئے۔

(سنن ترمذی: ۳۰۴۹' سنن ابوداؤد: ۳۶۷۰' سنن نسائی: ۵۵۵۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۱۲' المستدرک ج ۴ ص ۱۴۳' سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۸۵' مسند احمد ج ۱ ص ۵۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۷۸۔ ج ۱ ص ۴۴۳۔ ۴۴۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت عمر کا حضرت جبریل کی حمایت کرنا اور اس پر البقرۃ: ۹۷ کا نازل ہونا

(۸) قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (البقرہ: ۹۷) آپ کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو (تو ہوا کرے) بے شک اس نے تو آپ کے دل پر اللہ کے اذن سے قرآن نازل کیا ہے۔

یہ آیت بھی حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہے' حدیث میں ہے:

عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر یہود کی طرف گئے اور ان سے کہا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں' جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر نازل کیا! کیا تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی کتاب میں لکھا ہوا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: پھر ان کی پیروی کرنے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو بھی بھیجا' اس کا فرشتوں سے کوئی کفیل ہوتا ہے اور بے شک جبریل (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کفیل ہے اور وہ فرشتوں میں سے ہمارا دشمن ہے اور میکائل ہمارا دوست ہے' وہ ہم پر سلامتی لاتا ہے' اگر ان کے پاس میکائل آتا ہوتا تو ہم ان پر ایمان لے آتے' حضرت عمر نے کہا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں' جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو نازل کیا ہے! ان دونوں فرشتوں کا اللہ کی جناب میں کیا مرتبہ ہے؟ انہوں نے کہا: جبریل اللہ کی دائیں جانب ہے اور میکائل اللہ کی بائیں جانب ہے' حضرت عمر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دونوں اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں' میکائل جبریل کے دشمن پر سلامتی نہیں لاتے اور نہ جبریل میکائل کے دشمن پر سلامتی لاتے ہیں' ابھی ان میں یہ بات ہو رہی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے' یہودیوں نے کہا: اے ابن الخطاب! یہ تمہارے پیغمبر ہیں' حضرت عمر آپ کی طرف کھڑے ہو گئے اور اس وقت آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ" (البقرہ: ۹۷) آپ کہیے جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے)۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۸۵' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت عمر کی رائے کے موافق قرآن مجید کی آیات کے نازل ہونے کا سبب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق یہ آیات اس لیے نازل ہوئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی زبان کو اظہارِ حق کا ذریعہ بنا دیا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے حق کو عمر کی زبان اور اس کے دل میں رکھ دیا ہے اور حضرت ابن عمر نے کہا: جب بھی لوگوں کو کوئی امر پیش آیا اور لوگوں نے اس کے متعلق کوئی بات کہی اور حضرت عمر نے اس کے متعلق کوئی اور بات کہی تو قرآن حضرت عمر کے قول کے موافق نازل ہو جاتا۔ (سنن ترمذی: ۳۶۸۲)

راستہ میں خواتین سے باتیں کرنے کا اور اپنی ماں کو نیکی کی نصیحت کرنے کا جواز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمر کے مشورہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے آواز دے کر کہا: اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرد راستے میں عورتوں سے بات کر سکتے ہیں' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی ماں کو نیکی کی نصیحت کر سکتا ہے' کیونکہ اس کلام سے حضرت عمر کی غرض یہ تھی کہ حضرت سودہ حجاب میں رہا کریں' اسی طرح

حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کو جو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں' وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی کی وجہ سے کہا تھا' اور رسول اللہ ﷺ کو بھی علم تھا کہ آپ کی ازواج کا پردہ میں رہنا بہتر ہے' لیکن آپ اس معاملہ میں وحی کا انتظار کر رہے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے گا تو پھر آپ اس پر عمل کرائیں گے' اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے مشورہ پر عمل کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں زیادہ فضیلت تھی' اس لیے رسول اللہ ﷺ حضرت عمر کے مشورہ پر عمل نہیں کر رہے تھے۔

١٤٧- حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اُذِنَ اَنْ تَخْرُجْنَ فِيْ حَاجَتِكُنَّ. قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي الْبَرَازَ.

(صحیح مسلم: ۲۱۷۰' الرقم المسلسل: ۵۵۶۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی' از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ' آپ نے فرمایا: بے شک تمہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ ہشام نے کہا: یعنی قضاء حاجت کے لیے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے' کیونکہ اس باب کا عنوان ہے: عورتوں کا قضاء حاجت کے لیے کھلے میدان میں نکلنا' اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ قضاء حاجت کے لیے اپنے گھروں سے نکل سکتی ہیں' حضرت سودہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد قضاء حاجت کے لیے نکلیں اور ان کا جسم بہت بڑا تھا تو حضرت عمر نے ان کو پہچان لیا اور کہا: اے سودہ! اللہ کی قسم! آپ ہم سے نہیں چھپ سکی ہیں' آپ غور کریں کہ آپ کس طرح باہر نکل رہی ہیں' حضرت سودہ نے واپس آ کر نبی ﷺ سے اس واقعہ کی شکایت کی' آپ اس وقت رات کا کھانا کھا رہے تھے' اسی وقت آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: بے شک تمہیں قضاء حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۷۰' الرقم المسلسل: ۵۵۶۴)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' ان میں سے پہلے زکریا بن یحییٰ بن صالح اللؤلؤی ہیں' ان کی کنیت ابو یحییٰ' بلخی ہے' یہ حافظ' فقیہ اور مصنف فی السنۃ تھے' یہ ۲۳۰ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے تھے اور وہیں مدفون ہوئے۔

دوسرے راوی ابواسامہ حماد بن اسامہ کوفی ہیں' ان کا تعارف ہو چکا ہے' تیسرے راوی ہشام بن عروہ ہیں' چوتھے راوی عروہ کے والد الزبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہیں اور پانچویں راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۳۳)

خواتین کے لیے اپنی ضروریات میں گھر سے نکلنے کی اجازت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواتین اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد ان کو قضاء حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی اور جب ان کے لیے قضاء حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے تو دیگر ضروریات کے لیے بھی گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور نبی ﷺ نے عیدین کی نماز کے لیے ان کو جانے کا حکم دیا ہے بلکہ پانچ وقت کی نمازوں کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت دی ہے' اور مردوں سے فرمایا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے منع نہ کریں اور حج اور عمرہ کے لیے آپ خود ازواجِ مطہرات کو اپنے ساتھ لے کر گئے اور حضرت ام المؤمنین کو

آپ نے ان کے والدین سے ملنے کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی' اس سے معلوم ہوا کہ خواتین اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گھر سے نکل سکتی ہیں اور جب آپ بیمار ہو گئے تو دیگر ازواج آپ کی عیادت کے لیے آتی تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کا اپنے بیمار رشتہ داروں کی عیادت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے پر اعتراض کا جواب

اس تفصیل سے شیعہ کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ نے گھر سے باہر نکل کر '' وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ''. (الاحزاب: ٣٣) کے حکم کی مخالفت کی' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئی تھیں اور یہ جائز تھا' اس دوران باغیوں نے مدینہ منورہ پر قبضہ کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا تو حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور ان کے رفقاء مکہ میں حضرت عائشہ سے ملے اور آپ کو مدینہ واپس جانے سے منع کیا اور ان سے درخواست کی کہ بصرہ میں ہمارے موافقین ہیں' آپ وہاں چلیں' مدینہ جانے میں یہ خطرہ ہے کہ باغی آپ کے ساتھ بھی بے ادبی سے پیش نہ آئیں' سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے ہمراہ بصرہ چلی گئیں' ادھر باغیوں نے حضرت علی سے کہا: یہ لوگ آپ کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے بصرہ میں جمع ہو رہے ہیں' اس سے پہلے کہ یہ لوگ پہل کریں' آپ ان پر حملہ کر کے ان کی قوت کو ختم کر دیں تو حضرت علی بھی بصرہ روانہ ہو گئے' وہاں دونوں طرف سے اکابرین میں مذاکرات ہوئے اور اس پر اتفاق ہو گیا کہ خونِ عثمان کا قصاص لیا جائے گا' اس پر باغیوں نے محسوس کیا کہ اب ان کی بقاء کو خطرہ ہے' پس رات کے اندھیرے میں چند باغیوں نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کر دیا اور یہ کہا کہ علی نے معاہدہ شکنی کی اور کچھ نے حضرت علی کے لشکر پر حملہ کر دیا اور کہا کہ طلحہ اور زبیر نے عہد شکنی کی اور یوں باغیوں کی سازش کامیاب ہو گئی اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی اور جو ہونا تھا وہ ہوا' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی لاشوں کو دیکھ کر بہت روئے اور کہا: کاش! میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا' انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی محمد بن ابوبکر کے ہمراہ عزت اور احترام کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا' حضرت ام المومنین جب بھی '' وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ''. (الاحزاب: ٣٣) کی تلاوت کرتیں تو اس واقعہ کو یاد کر کے بہت روتی تھیں۔

* اس واقعہ کو زیادہ تفصیل اور تحقیق سے جاننے کے لیے تبیان القرآن ج ٩ ص ٤٣٦۔ ٤٢٤' الاحزاب: ٣٢ کا مطالعہ فرمائیں۔

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٥٥٥٣۔ ج ٦ ص ٥٣٦ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے عنوانات حسب ذیل ہیں:
(١) حجاب کے تین مراحل (٢) قضاء حاجت کے لیے ازواج مطہرات کے گھر سے باہر نکلنے کے تین احوال (٣) حدیث الباب کے مسائل۔

١٤ - بَابُ التَّبَرُّزِ فِي الْبُيُوْتِ — گھروں میں قضاء حاجت کرنا

پہلے گھروں میں بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں تھے' اس لیے خواتین قضاء حاجت کے لیے صحراء اور میدان میں جاتی تھیں' جیسا کہ اس سے پہلے باب میں ذکر ہے' بعد میں گھروں میں بیت الخلاء بنا دیئے گئے تو پھر خواتین گھروں کے بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتی تھیں اور سوائے شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں اور باب سابق اور اس باب میں مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں قضاء حاجت کے لیے میدان میں جانے کا ذکر تھا اور اس باب میں گھروں میں قضاء حاجت کا ذکر ہے اور قدر مشترک قضاء حاجت ہے۔

١٤٨- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ عَيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ ارْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِيْ، فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهٗ، مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ، مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از محمد بن یحییٰ بن حبان از واسع بن حبان از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت کے اوپر اپنے کسی کام سے چڑھا تو میں نے دیکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کر رہے تھے' آپ کی پیٹھ قبلہ کی طرف تھی اور منہ شام کی طرف تھا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' حدیث: ١٤٥ میں گزر چکی ہے۔

حدیث: ١٤٥ میں یہ ذکر نہیں تھا کہ آپ کی پیٹھ قبلہ کی طرف تھی' وہاں صرف یہ ذکر تھا کہ آپ کا منہ بیت المقدس کی طرف تھا' لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا لازم ہے۔

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ آپ حضرت حفصہ کے گھر کی چھت پر بیت الخلاء میں قضاء حاجت کر رہے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) ابراہیم بن المنذر' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٢) انس بن عیاض ابوضمرہ اللیثی المدنی' یہ ثقہ عالم ہیں' شعبہ اور متعدد ائمہ سے روایت کرتے ہیں' ان سے امام احمد روایت کرتے ہیں' ٢٩٦ھ میں فوت ہو گئے تھے' کتب ستہ میں انس بن عیاض نام کا اور کوئی راوی نہیں ہے (٣) عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب' ابوعثمان القرشی المدنی' یہ اپنے والد' القاسم' سالم اور متعدد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبد الرزاق اور دیگر روایت کرتے ہیں' یہ ١٤٧ھ میں فوت ہو گئے تھے (٤) محمد بن یحییٰ بن حبان (٥) واسع بن حبان (٦) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢ ص ٤٣٤)

٠٠٠- بَابٌ

باب

١٤٩- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيٰى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى بْنِ حَبَّانَ اَنَّ عَمَّهٗ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ قَالَ لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتِنَا، فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا عَلٰى لَبِنَتَيْنِ، مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی از محمد بن یحییٰ بن حبان کہ ان کے چچا واسع بن حبان نے ان کو خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ بے شک میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' حدیث: ١٤٥ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) یعقوب بن ابراہیم' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٢) یزید بن ہارون' یہ حافظ اور متقن تھے' ان سے ذہلی اور دیگر نے روایت کی

ہے' یہ نابینا ہو گئے تھے' ۸۸ سال کی عمر میں ۲۰۶ھ میں واسط شہر میں فوت ہو گئے تھے (۳)(۴)(۵)(٦) یحییٰ بن سعید انصاری المدنی' ان کا ذکر کئی بار ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۴۴۔ ۴۴۳)

۱۵- بَابُ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ — پانی کے ساتھ استنجاء کرنا

یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا شرعی حکم' استنجاء کا لغوی معنی ہے: مخرج کے منہ پر باقی نجاست کو زائل کرنا اور اس کا شرعی معنی ہے: قبل یا دبر پر لگی ہوئی نجاست کو مٹی کے ڈھیلوں یا پانی سے زائل کرنا' اس سے پہلے باب میں قضاء حاجت کا ذکر تھا اور اس باب میں قضاء حاجت کے اثر کو زائل کرنے کا ذکر ہے۔

۱۵۰- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ' عَنْ اَبِيْ مُعَاذٍ' وَاسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ اَبِيْ مَيْمُوْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ' اَجِيْءُ اَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا اِدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ' يَعْنِيْ يَسْتَنْجِيْ بِهٖ.

[اطراف الحدیث: ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۲۱۷۔ ۵۰۰]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی معاذ' ان کا نام عطاء ابن ابی میمونہ ہے' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ایک لڑکا آتا' ہمارے ساتھ پانی کا برتن ہوتا' آپ اس سے استنجاء کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰' الرقم المسلسل: ٦۰۸' سنن ابوداؤد: ۴۳' سنن نسائی: ۴۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۸)

عنوان باب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: آپ اس (پانی) سے استنجاء کرتے۔ امام بخاری نے اس باب سے ان لوگوں پر رد کرنے کا قصد کیا ہے' جو کہتے ہیں: پانی کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کے ساتھ استنجاء نہیں کیا' ہم عنقریب ان شاء اللہ اس سلسلہ میں مفصل احادیث بیان کریں گے' صحیح البخاری: ۱۴۳ کی شرح میں بھی اس کی کافی وضاحت ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالولید ہشام بن عبدالملک البصری (۲) شعبہ بن الحجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) ابومعاذ عطا بن میمونہ البصری التابعی' یہ ۱۳۰ھ میں فوت ہو گئے تھے' یہ تقدیر کا انکار کرتے تھے (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۳۹)

''غلام'' اور ''اداوۃ'' کا معنی

اس حدیث میں ''غلام'' کا لفظ ہے' ''غلام'' اس نوعمر لڑکے کو کہتے ہیں' جس کی مسیں بھیگ چکی ہوں' زمخشری نے کہا ہے کہ غلام اس نوعمر لڑکے کو کہتے ہیں' جس کی ڈاڑھی آنے والی ہو۔

''اداوۃ'' چمڑے کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں' جس میں پانی رکھا جاتا ہے۔

پانی سے استنجاء کرنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمام بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پانی سے استنجاء کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: پھر ہمیشہ میرے

ہاتھ سے بدبو آتی رہے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۵ ج ۱ ص ۱۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

قضاء حاجت کے بعد ہاتھوں کو صابن سے دھولینا چاہیے خصوصاً جراثیم کش صابن مثلاً ڈیٹول کے صابن سے اس سے بدبو بھی زائل ہوگی اور پیلیا (یرقان) کا خطرہ بھی نہیں رہے گا اگر استنجاء کرنے کے بعد صابن سے ہاتھ دھوئے بغیر کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ لگایا جائے اور ان کو کھایا جائے تو اس سے پیلیا کا خطرہ ہے گٹر کے پانی سے یہ بیماری پھیلتی ہے پاکستان کے شہروں میں سیوریج سسٹم کی خرابی کی وجہ سے سڑکوں پر گٹر کا پانی بہتا رہتا ہے پھر دھوپ لگنے سے اس کے بخارات فضا میں اٹھتے ہیں اور گزرنے والوں کے سانس کے ذریعہ ان کے جسم میں اس کے جراثیم داخل ہو جاتے ہیں اسی طرح لوگ سڑک پر بلغم تھوک دیتے ہیں اور دھوپ لگنے سے اس سے بخارات اٹھتے ہیں اور سانس کے ذریعہ تھوکنے والے کی بیماریاں دوسروں میں منتقل ہو جاتی ہیں ہمارے ملک کے لوگوں میں اجتماعی شعور اور احساسِ ذمہ داری نہیں ہے۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ اسود اور عبدالرحمان بن یزید بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور پتھروں سے استنجاء کرتے اور اس پر اضافہ نہیں کرتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۶)

یہ تابعین کا عمل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے مقابلہ میں مرجوح ہے پتھروں سے استنجاء کرنے سے کھال چھل جانے کا خطرہ ہے آج کل گھروں میں جو بیت الخلاء بنے ہوئے ہوتے ہیں وہاں استنجاء کرنے کے بعد ان پتھروں کو رکھنا بہت دشوار ہے مساجد میں جو استنجاء خانے بنے ہوتے ہیں بعض لوگ استنجاء کرنے کے بعد ان پتھروں کو بیت الخلاء کے اندر اس کی نالی میں ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے سیوریج سسٹم خراب ہو جاتا ہے اور بیت الخلاء کی نالی سے پانی نہیں گزرتا اور وہ بند ہو جاتا ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین پتھروں سے استنجاء کیا جائے جن میں لید نہ ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۸)

اس حدیث میں پتھروں سے مراد مٹی کے ڈھیلے ہیں اور اس کا محل گاؤں اور دیہات ہیں یا چھوٹے شہر ہیں جہاں شہر کے باہر جنگل اور کھلے میدان ہوتے ہیں وہاں مٹی کے ڈھیلوں سے استنجاء کر کے ان ڈھیلوں کو وہیں پھینک دیا جاتا ہے اس سے گھروں کے اندر بنے ہوئے بیت الخلاء میں ڈھیلوں سے استنجاء کرنا مراد نہیں ہے علاوہ ازیں اس حدیث میں بیانِ جواز مراد ہے استحباب نہیں ہے۔

بشر کہتے ہیں کہ طاؤس نے کہا: تین پتھروں سے استنجاء کرو میں نے کہا: اگر مجھے تین پتھر نہ ملیں؟ انہوں نے کہا: پھر تین لکڑیوں سے استنجاء کرو میں نے کہا: اگر مجھے تین لکڑیاں نہ ملیں؟ انہوں نے کہا: پھر خاک کی تین مٹھیوں سے استنجاء کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۹)

تین پتھروں کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے نیز یہ طاؤس کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں ہے تین لکڑیوں سے استنجاء کرنے سے خراش پڑنے کا خطرہ ہے اور خاک کی مٹھی کے لیپ سے صفائی حاصل نہ ہونے کا امکان ہے۔

پانی سے استنجاء کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

معاذہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ پیشاب اور پاخانے کے اثر کو پانی سے دھولیا کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عمل کرتے تھے اور میں لوگوں سے حیاء کرتی ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۱۸)

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ خواتین سے فرماتی تھیں: اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد (یعنی قضائے حاجت کے بعد) استنجاء کیا کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۱۹)

فریعہ' حضرت حذیفہ کی زوجہ تھیں' وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت حذیفہ پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ (مصنف:١٦٢٠)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور میرا ہم عمر ایک اور لڑکا پانی کا مشکیزہ اور نیزہ اٹھا کر لے جاتے تھے' سو آپ پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ (مصنف:١٦٢١)
ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو وضوء کرتے یا پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ (مصنف:١٦٢٤)
ابوالنحاس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا' وہ پانی سے استنجاء کرتے تھے۔
(المصنف:١٦٢٢)
یحیٰی بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حوض سے پانی لے کر استنجاء کرتے تھے۔ (مصنف:١٦٢٨)
یعقوب بن مجمع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویم بن ساعدہ سے پوچھا: تمہاری وہ کون سی طہارت ہے' جس کی وجہ سے اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے' انہوں نے کہا: ہم پچھلے حصہ کو پانی سے دھوتے ہیں۔ (مصنف:١٦٢٩)
محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس قباء میں آئے تو فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کی تعریف اور تحسین کی ہے:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝ (التوبہ:١٠٨)
اس بستی میں ایسے لوگ ہیں' جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۝

کیا تم مجھے اس کی خبر نہیں دو گے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے تورات میں پڑھا تھا کہ پانی سے استنجاء کرنا چاہیے۔
(مصنف:١٦٣٠)
شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝'' (التوبہ:١٠٨) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل قباء! اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف اور تحسین کس وجہ سے فرمائی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم میں سے ہر شخص بیت الخلاء سے نکل کر پانی سے استنجاء کرتا ہے۔ (المصنف:١٦٣١)
عبدالملک بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ مینگنیاں کرتے تھے اور تم پتلا پاخانہ کرتے ہو' اس لیے تم ڈھیلوں کے بعد پانی سے استنجاء کیا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٦٣٤' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

کسی بڑے عالم کو چھوٹوں سے ایسی خدمت لینی چاہیے؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس اور ایک اور لڑکا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استنجاء کے لیے پانی لے جاتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ صالحین اور اہل فضل کی اس قسم کی خدمت کرنی چاہیے اور ان سے برکت حاصل کرنی چاہیے۔
کسی نیک شخص اور بڑے عالم کو لڑکوں سے اس قسم کی خدمت لینی چاہیے۔

١٦- بَابُ مَنْ حُمِلَ مَعَهُ الْمَاءُ لِطُهُوْرِهٖ — جس شخص کی طہارت کے لیے پانی لے جایا گیا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں بابوں میں پانی سے استنجاء کرنے کا ذکر ہے۔ امام بخاری نے کہا:

وَقَالَ اَبُو الدَّرْدَآءِ اَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُوْرِ وَالْوِسَادِ؟
اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم میں جوتے اٹھانے والے اور وضوء کرانے والے اور تکیہ اٹھانے والے نہیں ہیں؟

حضرت ابو الدرداء کا نام عویمر بن مالک بن عبد اللہ بن قیس ہے' یہ افاضل صحابہ میں سے ہیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یہ دمشق کے قاضی تھے' ۳۲ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان کی قبر دمشق میں ہے۔

امام بخاری نے جو حضرت ابو الدرداء کے قول کا ذکر کیا ہے' یہ ایک حدیث کا قطعہ ہے' پوری حدیث اس طرح ہے:

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام میں داخل ہوا' پس میں نے دو رکعت نماز پڑھی' پھر میں نے دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی ہم نشین میسر کر! پس میں نے ایک بوڑھے شخص کو آتے ہوئے دیکھا' جب وہ قریب ہوا تو میں نے دل میں کہا: مجھے امید ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی' اس نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: میں اہل کوفہ سے ہوں' اس نے کہا: کیا تم میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جوتے اٹھانے والے اور تکیہ اٹھانے والے اور پانی کا برتن لانے والے نہیں ہیں؟ کیا تم میں وہ نہیں ہیں' جن کو شیطان سے پناہ دی گئی ہے' کیا تم میں وہ نہیں ہیں' جو راز رکھنے والے ہیں' جن کے سوا اس راز کو کوئی نہیں جانتا؟ ابن ام عبد نے ''واللیل'' کی کیسے قراءت کی ہے؟ میں نے کہا: ''وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ○ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ○'' (اللیل: ۳-۱) اس نے کہا: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سورت پڑھائی ہے اور آپ کا منہ میرے منہ کی طرف تھا' اب شام کے لوگ مجھے اس قراءت سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۷۶۱' سنن ترمذی: ۳۹۳۹' صحیح مسلم: ۸۲۴' الرقم المسلسل: ۱۹۱۳)

۱۵۱- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ' عَنْ أَبِي مُعَاذٍ هُوَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ' تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ مِّنَّا مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' از ابی معاذ اور وہ عطاء بن ابی میمونہ ہیں' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضاء حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ہم میں سے ایک اور لڑکا آپ کے پیچھے جاتا اور ہمارے ساتھ پانی کا مشکیزہ ہوتا تھا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۱۵۰ کا مطالعہ کریں۔

باب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ہمارے ساتھ پانی کا مشکیزہ ہوتا تھا۔

اس حدیث کے تمام رجال کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

۱۷- بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ

استنجاء کے لیے پانی کے ساتھ نیزہ کو اٹھانا

اس باب کے عنوان میں ''العنزة'' کا لفظ ہے' یہ لاٹھی سے لمبا ہوتا ہے اور جنگ میں استعمال ہونے والے نیزہ یا بھالے سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کی نچلی طرف لوہے کا نوک دار پھل ہوتا ہے اور اس کو بوڑھے لوگ سہارے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

''مفتاح العلوم'' میں مذکور ہے کہ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیزہ ہدیہ میں پیش کیا تھا' جب آپ عیدہ گاہ میں نماز پڑھانے کے لیے جاتے تو وہ آپ کے سامنے زمین میں گاڑ دیا جاتا' آپ کے بعد وہ نیزہ آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم کے پاس رہا اور ''طبقات کبریٰ'' میں مذکور ہے کہ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین نیزے ہدیہ کیے تھے' ایک نیزہ آپ نے اپنے پاس رکھ لیا' ایک نیزہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا اور ایک نیزہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۴۴' فتح الباری ج ۱ ص ۶۹۴)

ان دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں بابوں میں پانی سے استنجاء کرنے کا ذکر ہے۔

١٥٢- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي مَيْمُونَةَ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ، فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً، يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عطاء بن ابی میمونہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور ایک اور لڑکا پانی کا مشکیزہ اور نیزہ اٹھا کر لے جاتے' آپ پانی سے استنجاء کرتے۔

تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ. اَلْعَنَزَةُ عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ.

محمد جعفر کی متابعت النضر اور شاذان نے کی ہے از شعبہ۔ ''العنزہ'' اس لاٹھی کو کہتے ہیں: جس پر نوک دار لوہے کا پھل ہو۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ١٥٠ کا مطالعہ کریں۔

نیزہ ساتھ رکھنے کی حکمتیں

(١) نماز کے وقت سامنے نیزہ گاڑ کر اس کو سترہ بنا دیا جائے تا کہ کھلی فضاء میں لوگ اس کے سامنے سے گزر سکیں۔
(٢) اس نیزہ سے منافقوں اور یہودیوں کی سازشوں کا توڑ کیا جا سکے' وہ آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کرتے رہتے تھے' اس لیے آپ اپنی مدافعت کے لیے اپنے پاس نیزہ رکھتے تھے۔
(٣) موذی جانوروں اور حشرات الارض اور سانپ اور بچھو سے بچاؤ کے لیے آپ نیزہ رکھتے تھے۔
(٤) قضاء حاجت کے وقت نرم جگہ بنانے کے لیے نیزہ کی ضرورت پڑتی ہے۔
(٥) بعض اوقات اس پر کوئی چیز ٹانگی ہوتی ہے اور بعض اوقات نیزہ سے سہارا لیا جاتا ہے اور اس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔

١٨- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ — دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت

جمہور فقہاء کے نزدیک دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اس کی وجہ دائیں ہاتھ کا شرف اور اس کی فضیلت ہے۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں استنجاء کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

١٥٣- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ هُوَ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْاِنَاءِ، وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ. [اطراف الحدیث: ١٥٤-٥٦٣٠]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی' جو کہ الدستوائی ہیں از یحییٰ بن ابی کثیر از عبد اللہ بن ابی قتادہ از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کچھ پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب وہ بیت الخلاء میں جائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے آلہ کو نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔

(صحیح مسلم: ٢٦٧' الرقم المسلسل: ٦٠٢' سنن ابوداؤد: ٣١' سنن ترمذی: ١٥' سنن نسائی: ٢٥-٢٤' سنن ابن ماجہ: ٣١٠' السنن الکبریٰ للنسائی: ٦٨٨٣' صحیح ابن خزیمہ: ٧٩' مصنف عبد الرزاق: ١٩٥٨٤' مسند الحمیدی: ٤٢٨' مسند احمد ج ٤ ص ٣٨٣ طبع قدیم' مسند احمد: ١٩٤١٩-ج ٣٢ ص ١٩١)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) معاذ بن فضالۃ البصری' یہ ثوری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام بخاری اور دیگر روایت کرتے ہیں (۲) ہشام بن ابی عبد اللہ الدستوائی (۳) یحیٰ بن ابی کثیر' ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عبد اللہ بن ابی قتادہ ابوابراہیم بلخی' یہ ۹۵ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے (۵) ابوقتادہ الحارث یا نعمان یا عمرو بن ربعی المدنی' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھڑ سوار تھے' یہ اُحد' خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر تھے' مشہور یہ ہے کہ یہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے' انہوں نے ۱۷۰' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم گیارہ حدیثوں پر متفق ہیں' امام بخاری دو حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم آٹھ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں' ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں' یہ ۵۴ھ میں ستر سال کی عمر میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے' ایک قول یہ ہے کہ کوفہ میں فوت ہو گئے تھے' ان کے علاوہ اور کسی صحابی کی کنیت ابوقتادہ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۴۷)

پانی میں پھونک مارنے کی ممانعت

اس حدیث میں فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص کچھ پئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ منہ کو برتن سے الگ کیے بغیر سانس لینا مکروہ ہے' برتن سے پانی وغیرہ کو پیتے وقت تین مرتبہ سانس لینا چاہیے اور ہر مرتبہ منہ برتن سے الگ کرے' منہ سے جو آدمی سانس لیتا ہے' اس کو تنفس کہتے ہیں' اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ پانی میں پھونک نہیں مارنی چاہیے' کیونکہ انسان کے جسم میں جو بیماریاں ہوتی ہیں' ان کے جراثیم سانس کے ذریعہ اس پانی میں منتقل ہو جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا' ایک شخص نے کہا: میں پانی کے برتن میں تنکا دیکھتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس پانی کو گرادو' اس شخص نے کہا: میں ایک سانس میں پینے سے سیر نہیں ہوتا' آپ نے فرمایا: پھر تم اپنے منہ کو پانی کے برتن سے الگ کرو۔ (سنن ترمذی: ۱۸۸۷' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

جن احادیث میں مذکور ہے کہ تین سانس میں پانی پینا چاہیے' ان کا بھی یہی محمل ہے کہ منہ کو پانی کے برتن سے الگ کر کے سانس لے۔

باب مذکور کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث

اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے پیشاب کے آلہ کو چھونے سے منع کیا ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث بھی ہیں:

عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اپنے آلہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور جب بیت الخلاء میں جائے تو دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے اور جب پانی پئے تو ایک سانس میں پانی نہ پئے۔ (سنن ابوداود: ۳۱' سنن ترمذی: ۱۵' سنن نسائی: ۲۴)

اس حدیث میں پیشاب کے طریقہ کے ساتھ پانی پینے کا طریقہ بھی بتایا ہے کیونکہ پیشاب کا سبب پانی پینا ہے تو جب آپ نے مسبب کا طریقہ اور ادب بتایا تو سبب کا طریقہ اور ادب بھی بتا دیا۔

پانی پینے کے آداب میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی نہ پیؤ بلکہ تم دو یا تین سانس میں پانی پیؤ اور جب تم پانی پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب تم پانی پی چکو تو الحمد للہ پڑھو۔ (سنن ترمذی: ۱۸۸۵)

اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت میں یہ حدیث بھی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ کھانے' پینے اور کپڑوں کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس کے ماسوا کے لیے بایاں ہاتھ مخصوص کیا ہوا تھا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۲۱۔ ج ا ص ۹۳۶ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

١٩- بَابُ لَا يُمْسِكُ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ إِذَا بَالَ

پیشاب کرتے وقت اپنے آلہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے

اس سے پہلے باب میں پیشاب کے وقت آلہ کو چھونے سے منع فرمایا تھا اور اس باب میں آلہ کو پکڑنے سے منع فرمایا ہے اور دونوں بابوں میں قدر مشترک آلہ کو دایاں ہاتھ نہ لگانا ہے۔

١٥٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اوزاعی نے حدیث بیان کی' از یحییٰ بن ابی کثیر از عبداللہ بن ابی قتادہ از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اپنے آلہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۱۵۳ میں گزر چکی ہے۔

٢٠- بَابُ الْإِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

پتھروں سے استنجاء کرنا

اس باب کے عنوان میں اور حدیث میں جو پتھروں کا لفظ ہے' ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مٹی کے ڈھیلے ہوں کیونکہ پتھر بہت سخت ہوتے ہیں اور ان سے کھال کے چھلنے یا اس سے خراش پڑنے کا خطرہ ہے' اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں استنجاء کرنے کے احکام ہیں۔

١٥٥- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقَالَ ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا. أَوْ نَحْوَهُ. وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ، وَلَا رَوْثٍ. فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ، فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ. [اطراف الحدیث: ۳۸۶۰' اس حدیث کو ائمہ ستہ میں سے بقیہ نے روایت نہیں کیا اور نہ امام احمد نے۔]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد مکی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو المکی نے حدیث بیان کی از جد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے نکلے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے گیا' آپ ادھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے' میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے فرمایا: مجھے پتھر تلاش کر کے لا کر دو' میں ان سے استنجاء کروں گا اور میرے پاس ہڈی اور گوبر نہ لانا' میں کپڑے کی ایک طرف میں پتھر لے کر آیا' پس وہ میں نے آپ کے پہلو میں لا کر رکھ دیئے اور آپ سے منہ پھیر لیا' جب آپ قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان پتھروں سے استنجاء کیا۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: مجھے پتھر تلاش کر کے لا کر دو' میں ان سے استنجاء کروں گا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) احمد بن محمد بن عون ابو الولید الغسانی الازرقی المکی' یہ صاحب ''تاریخ مکہ'' کے دادا ہیں' ابو الولید مذکور نے امام مالک سے روایت کی ہے اور ان سے امام بخاری نے روایت کی ہے' ان کے پوتے ابو الولید محمد بن عبد اللہ نے ''تاریخ مکہ'' لکھی ہے' یہ ۲۲۲ھ میں فوت ہو گئے تھے (۲) عمرو بن یحییٰ بن سعید' ابو امیہ القریشی المکی الاموی' عمرو مذکور عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں دمشق پر غالب ہو گئے تھے' عبد الملک بن مروان نے ان کو قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو مدینہ بھیج دیا' عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کی ہے اور ان سے امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے (۳) عمرو بن یحییٰ کے دادا' سعید بن عمرو بن سعید بن العاص' التابعی الثقہ' انہوں نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں اسحاق اور خالد اور ان کے پوتے عمرو بن یحییٰ نے روایت کی ہے' امام ترمذی کے علاوہ باقی ائمہ ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۴) حضرت ابو ہریرہ' عبد الرحمان رضی اللہ عنہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۵۳)

ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے کی ممانعت کی وجہ

امام بخاری نے ''مناقب الانصار'' میں اس حدیث کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے وضوء اور آپ کے استنجاء کے لیے مشکیزہ میں پانی لے کر جا رہے تھے' پس جس وقت وہ آپ کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے' آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ابو ہریرہ ہوں' آپ نے فرمایا: میرے لیے پتھر تلاش کر کے لاؤ' جن سے میں استنجاء کروں اور ہڈی اور گوبر لے کر نہ آنا' میں اپنے کپڑے کے پلو میں چند پتھر لپیٹ کر لایا' حتیٰ کہ میں نے وہ آپ کے پہلو میں رکھ دیئے' پھر میں واپس چلا گیا' حتیٰ کہ جب آپ فارغ ہو گئے تو میں پھر آ گیا اور میں نے پوچھا: ہڈی اور گوبر کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا: وہ جنات کے طعام کا حصہ ہیں اور بے شک میرے پاس نصیبین کے جنات کا وفد آیا تھا اور وہ بہت اچھے جنات تھے' انہوں نے مجھ سے زاد (خوراک) کا سوال کیا تو میں نے ان کے لیے اللہ سے دعا کی: اے اللہ! یہ جس ہڈی یا گوبر کے پاس سے گزریں' یہ اس کے اوپر طعام پائیں۔ (صحیح البخاری: ۳۸۶۰)

اس حدیث میں مذکور ہے: میرے پاس نصیبین کے جنات کا وفد آیا' ہو سکتا ہے کہ یہ اسی رات کا واقعہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسی رات کے واقعہ کی خبر دی ہو اور نصیبین الجزیرہ کا مشہور شہر ہے' ابن التین نے کہا: وہ شام میں ہے' اور اس میں مجاز ہے کیونکہ الجزیرہ شام اور عراق کے درمیان ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ جس ہڈی یا گوبر کے پاس سے گزریں' اس پر طعام پالیں' ابن التین نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے طعام کو چکھ لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اس پر طعام کو پیدا کر دے' ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ گوبر ان کے جانوروں کی خوراک ہے اور یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں یہ مراد ہو کہ ان کے جانور گوبر کے اوپر اپنی خوراک پالیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۶' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود کی روایت کا متن اس طرح ہے:

جنات نے آپ سے زاد کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو' جب وہ تمہارے ہاتھ میں آئے گی تو اس پر تمہارے لیے پہلے سے زیادہ گوشت بھرا ہوا ہو گا' اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کا چارا ہو گی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان

سے استنجاء نہ کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں کا طعام ہے۔ (صحیح مسلم: ۴۵۰' الرقم المسلسل: ۹۹۰)

حضرت سواد بن قارب کو ایک جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر دینا اور ان کا یہ خبر سن کر اسلام لانا

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ شافعی دمشقی نے لیلۃ الجن میں جنات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کی بحث میں حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا مفصل واقعہ ذکر کیا ہے' وہ لکھتے ہیں: حضرت سواد بن قارب زمانۂ جاہلیت میں کاہن تھے' حضرت سواد بن قارب بیان کرتے ہیں کہ ایک جن میرے پاس آ کر کہتا تھا کہ لوئی بن غالب میں سے اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں' جب کئی راتوں کو بار بار آ کر اس جن نے مجھ سے یہ کہا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: مرحبا! اے سواد بن قارب! ہمیں معلوم ہے تم کس لیے آئے ہو؟ حضرت سواد نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے چند اشعار کہے ہیں' وہ آپ مجھ سے سن لیں' آپ نے فرمایا: اے سواد! کہو' پھر میں نے وہ اشعار پڑھے:

اتـانـی رئـی بـعـد لیـل وھـجـعـة ولـم یك فـیـمـا قـد بـلـوت بـكـاذب

رات کو سونے کے بعد میرے پاس ایک جن آیا میں جس میں مبتلا ہوا ہوں وہ اس میں جھوٹا نہیں ہے

ثـلاث لیـال قـولـه كـل لیـلـة اتـاك رسـول مـن لـوی بـن غـالـب

وہ مسلسل تین راتیں آیا اور ہر رات اس کا کہنا تھا تمہارے پاس لوئی بن غالب سے رسول آ چکے ہیں

فـاشـهـد ان الـلّـه لا رب غیـره وانـك مـامـون عـلـی كـل غـائـب

پس میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں اور بے شک آپ ہر غیب پر امین ہیں

وانـك ادنـی الـمـرسـلیـن وسیـلـة الـی الـلّـه یا ابن الاكـرمین الاطـایـب

اور بے شک آپ تمام رسولوں سے زیادہ قریب وسیلہ ہیں اللہ کی طرف اے مکرم اور پاک لوگوں کے بیٹے!

وكـن لـی شـفـیـعـا یوم لا ذو شـفـاعـة سـواك بـمـغـن عـن سـواد بـن قـارب

آپ میری شفاعت کرنے والے ہو جائیں' جس دن آپ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا' جو سواد بن قارب کو (عذاب سے) بچا سکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اشعار سن کر ہنسے' حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں اور آپ نے فرمایا: اے سواد! تم نے فلاح پالی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سے نقل کیا ہے' دیکھئے:

دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۱۔ ۲۵۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ

اس کے مزید حوالہ جات درج ذیل ہیں:

المعجم الکبیر للطبرانی التوفی ۳۶۰ھ' رقم: ۶۴۷۵۔ ج ۷ ص ۹۴۔ دار احیاء التراث العربی' بیروت' المستدرک للحاکم التوفی ۴۰۵ھ' ج ۳ ص ۶۰۹۔ دار الباز' مکہ مکرمہ' دلائل النبوۃ لابی نعیم متوفی ۴۳۰ھ' ج ۱ ص ۱۱۴۔ ۱۱۳۔ دار النفائس' بیروت' الاستیعاب لابن عبد البر التوفی ۴۶۳ھ' ج ۲ ص ۲۳۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ' الوفا لابن الجوزی التوفی ۵۹۷ھ' ص ۱۴۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ' عمدۃ القاری للعینی التوفی ۸۵۵ھ' ج ۱۷ ص ۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' فتح الباری ج ۵ ص ۶۳' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ' سبل الہدیٰ والرشاد لمحمد بن یوسف الصالحی التوفی ۹۴۲ھ' ج ۲ ص ۲۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' مختصر سیرۃ الرسول'

للشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی المتوفی ۱۲۴۲ھ ص ۶۹ المکتبۃ السلفیۃ لاہور۔

محترم اشیاء سے استنجاء کرنے کا عدم جواز اور دیگر مسائل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ کو استنجاء کے لیے پتھر لانے کا حکم دیا' اور فرمایا: ہڈی اور گوبر نہ لانا' اس سے معلوم ہوا کہ پتھروں اور مٹی کے ڈھیلوں سے استنجاء کرنا جائز ہے اور ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ان میں جنات کی اور ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی تمام چیزوں کے ساتھ استنجاء کرنا ممنوع ہے اور دیگر تمام محترم اشیاء سے استنجاء کرنا ممنوع ہے' مثلاً علمی کتابوں کے اوراق کے ساتھ' البتہ ٹوائلٹ پیپر رول کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہے' کیونکہ اس کاغذ میں لکھے جانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور اس کی وضع ہی استنجاء کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ ازخود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اجازت کے بغیر بھی ان کے پیچھے پیچھے جانا جائز ہے اور بزرگوں کا اپنے متبعین سے خدمت لینا جائز ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت میں مشغول ہوئے تو حضرت ابوہریرہ وہاں سے چلے گئے' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قضاء حاجت کر رہا ہو' اس کے پاس نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

٢١- بَابُ لَا يُسْتَنْجٰى بِرَوْثٍ — گوبر سے استنجاء نہ کرے

باب سابق میں یہ حدیث تھی کہ استنجاء کے لیے گوبر نہ لانا اور اس باب میں یہ بیان ہے کہ گوبر سے استنجاء نہ کرے اور اس سے ان دونوں بابوں کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

١٥٦- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالَ لَيْسَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ، وَلٰكِنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ، عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَتَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اٰتِيَهُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ، فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ، وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ اَجِدْهُ، فَاَخَذْتُ رَوْثَةً فَاَتَيْتُهُ بِهَا، فَاَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَاَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ هٰذَا رِكْسٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ابواسحاق' انہوں نے کہا: اس حدیث کو ابوعبیدہ نے ذکر نہیں کیا' لیکن عبدالرحمان بن الاسود نے اپنے والد سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لیے آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو تین پتھر (یا مٹی کے ڈھیلے) لاکر دوں' پس مجھے دو پتھر مل گئے' میں نے تیسرے پتھر کو تلاش کیا تو وہ مجھے نہیں ملا تو میں نے گوبر (کا ٹکڑا) اٹھالیا' پس وہ آپ کے پاس لے آیا' آپ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے۔

وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِىْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ.

اور ابراہیم بن یوسف نے اپنے والد سے' انہوں نے ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ مجھے عبدالرحمن نے حدیث بیان کی ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۷' سنن نسائی: ۴۲' سنن ابن ماجہ: ۳۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۲۳' المعجم الکبیر: ۹۹۵۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۶۸۵۔ ج ۶ ص ۲۱۰' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام بخاری نے اس تعلیق کو اس لیے وارد کیا ہے کہ ابواسحاق اس روایت میں مدلس نہیں ہیں' بلکہ انہوں نے عبدالرحمن بن اسود

سے اس حدیث کو خود سنا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابونعیم الفضل بن دکین (۲) زہیر بن معاویہ الجعفی الکوفی (۳) ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی 'ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عبدالرحمان بن الاسود ابوحفص النخعی کوفی 'عالم کامل' یہ اپنے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ان سے الاعمش وغیرہ روایت کرتے ہیں' یہ ہر روز سات سو رکعات پڑھا کرتے تھے اور عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھتے تھے' یہ ۹۹ھ میں فوت ہو گئے تھے (۵) الاسود بن یزید الکوفی النخعی (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۵۹)

ابوعبیدہ کے اپنے والد حضرت ابن مسعود سے سماع پر دلائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے ابواسحاق کی از ابوعبیدہ از ابن مسعود کی روایت سے عدول کیا ہے' حالانکہ یہ سند اعلیٰ تھی' کیونکہ ابوعبیدہ کا اپنے والد حضرت ابن مسعود سے سماع ثابت نہیں ہے' سو یہ روایت منقطع ہو جاتی بلکہ انہوں نے ابواسحاق کی از عبدالرحمان الاسود از والد خود از ابن مسعود کی روایت کو ذکر کیا ہے' کیونکہ یہ روایت متصل ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۹۸' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ محمود بن احمد عینی حنفی کے نزدیک ابوعبیدہ کا حضرت ابن مسعود سے سماع ثابت ہے' سو وہ حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس قائل کا یہ قول مردود ہے کیونکہ امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں اس سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کی ہے: زیاد بن سعد از ابی الزبیر' انہوں نے کہا: مجھے یونس بن عتاب الکوفی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے ابوعبیدہ بن عبداللہ سے سنا' وہ بیان کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ الحدیث (میرے پاس ''المعجم الاوسط'' کے دو نسخے ہیں اور ان دونوں میں یہ سند نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ علامہ عینی کے پاس کوئی اور نسخہ ہو' جس میں یہ سند مذکور ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اس کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں: ابوعبیدہ کے حضرت ابن مسعود سے سماع پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حاکم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں اس سند سے ایک حدیث ذکر کی ہے: ابواسحاق' ابوعبیدہ سے اور وہ اپنے والد (حضرت ابن مسعود) سے روایت کرتے ہیں' حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور حافظ ذہبی نے بھی کہا: یہ سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۷۰ طبع قدیم' المستدرک: ۴۰۹۱ طبع جدید) اور امام ترمذی نے متعدد احادیث کو حسن قرار دیا ہے' جن میں ابوعبیدہ کی اپنے والد حضرت ابن مسعود سے روایت ہے:

(۱) جب یوم بدر میں قیدیوں کو لایا گیا۔ (سنن ترمذی: ۱۷۱۴)

(۲) جب آپ دو رکعت میں بیٹھتے تو گویا آپ گرم پتھر پر تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۶)

(۳) ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''. (آل عمران: ۱۶۹) کی تفسیر میں۔ (سنن ترمذی: ۳۰۱۱)

میں کہتا ہوں کہ اس استدلال پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پہلی دو سندوں کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی نے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' لیکن ابوعبیدہ کا اپنے والد سے سماع نہیں ہے' تاہم تیسری حدیث کو ذکر کرنے کے بعد انہوں نے صرف اتنا کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک حدیث حسن کی شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل ہو' اگر

ابوعبیدہ کا اپنے والد حضرت ابن مسعود سے سماع نہ ہو تو پھر یہ احادیث منقطع ہوں گی اور پھر ان کو حسن قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۶۰ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد حضرت ابن مسعود سے حدیث کا سماع نہ کیا ہو کیونکہ جب حضرت ابن مسعود فوت ہو گئے تو ابوعبیدہ کی عمر سات سال تھی' اور متعدد اہل نقل نے تصریح کی ہے کہ سات سال کی عمر میں مسافر محدثین سے بھی سماع صحیح ہے تو ان محدثین سے سماع کیوں کر صحیح نہیں ہوگا' جو مقیم اور متوطن ہوں اور سننے والے کے والد بھی ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۶۱- دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

استنجاء کی مشروعیت میں مذاہب ائمہ

استنجاء کی مشروعیت میں اختلاف ہے' امام شافعی' امام احمد اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک استنجاء کرنا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ' ان کے اصحاب اور ایک قول کے مطابق امام مالک کے نزدیک استنجاء کرنا سنت ہے' مزنی شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۵۶)

ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سرمہ لگایا تو طاق مرتبہ لگائے' جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں اور جس نے استنجاء کیا تو طاق مرتبہ کرے' جس نے ایسا کیا تو اچھا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ الحدیث (سنن ابوداؤد: ۳۵' سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۸)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے طاق مرتبہ استنجاء نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں' اس میں یہ دلیل ہے کہ استنجاء واجب نہیں ہے۔

آیا تین پتھروں سے استنجاء کرنا ضروری ہے یا دو پتھر بھی کافی ہیں؟

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک تین پتھروں سے استنجاء کرنا واجب ہے اور ہماری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے' جس سے استنجاء کرے' یہ تین پتھر اس سے کفایت کریں گے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰' سنن نسائی: ۴۴' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۵۵)

علامہ الماوردی نے کہا ہے: جب آپ نے تین پتھر لے جانے کا حکم دیا اور کفایت کو تین پتھروں پر معلق کیا تو معلوم ہوا کہ تین پتھروں سے استنجاء کرنا واجب ہے اور اس سے کم پتھر کافی نہیں ہیں۔ (الحاوی الکبیر ج ۱ ص ۱۹۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کمال پر محمول ہے یعنی کامل استنجاء تین پتھروں سے ہوگا اور تین پتھروں سے کم سے بھی استنجاء صحیح ہے کیونکہ باب مذکور کی اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب حضرت ابن مسعود دو پتھر اور گوبر لے کر آئے تو آپ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر کو پھینک دیا' اگر تین پتھر واجب ہوتے تو آپ حضرت ابن مسعود سے فرماتے: جاؤ تیسرا پتھر بھی تلاش کر کے لاؤ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "مسند احمد" میں یہی حدیث اس سند سے ہے: معمر از ابی اسحاق از علقمہ از ابن مسعود اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے' میرے پاس پتھر لاؤ۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ تین پتھر ضروری ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور حافظ ابن حجر کو مغالطہ ہوا ہے' یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ " مسند احمد" میں دو جگہ مذکور ہے' رقم:٣٦٨٥' ج١ص٣٨٨' اور رقم:٤٤٣٥' ج١ص٤٦٥' اور دونوں جگہ حافظ کے نقل کردہ اضافی الفاظ نہیں ہیں' البتہ" مسند احمد" رقم:٤٢٩٩' ج١ص٤٥٠ میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا: میرے پاس پتھر لاؤ۔

علامہ شعیب الارنؤوط نے کہا ہے: ان اضافی الفاظ کے بغیر یہ حدیث صحیح ہے' الفاظ کی یہ زیادتی اس وقت صحیح ہوتی' جب یہ ثابت ہوتا کہ ابواسحاق السبیعی نے اس حدیث کو علقمہ بن قیس سے سنا ہے۔ (حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی یہی سند ذکر کی ہے از ابی اسحاق از علقمہ از ابن مسعود۔ (فتح الباری ج١ص٦٩٨)) اور ابوحاتم اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ ابواسحاق نے علقمہ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ (حاشیہ مسند احمد :٤٢٩٩۔ ج١ص٤٥٠' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا اعتراض باطل ہے اور استنجاء کے لیے تین پتھر شرط نہیں ہیں اور یہی احناف کثرہم اللہ کا مذہب ہے' والحمد للہ۔

حافظ ابن حجر کا حدیث منقطع کو مرسل قرار دینا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابواسحاق کا علقمہ سے سماع نہیں ہے' لیکن کرابیسی نے اس حدیث کا ان سے سماع ثابت کیا ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہاں کوئی راوی چھوٹا ہوا ہے تو حدیث مرسل ہمارے مخالفین کے نزدیک حجت ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک بھی حجت ہوتی ہے' اگر اس کی قوت پر قرینہ ہو۔ (فتح الباری ج١ص٦٩٨)

میں کہتا ہوں کہ کرابیسی کی کیا اہمیت ہے؟ جب امام ابوحاتم اور حافظ ابوزرعہ ایسے اکابر ائمہ یہ تصریح کر چکے ہیں کہ ابواسحاق نے علقمہ سے کوئی حدیث نہیں سنی' رہا علامہ ابن حجر کا اس حدیث کو مرسل کہنا' سو یہ بہت عجیب ہے' حدیث مرسل تو وہ ہوتی ہے جس میں تابعی درمیان سے صحابی کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے' خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث مرسل کی یہ تعریف کی ہے:

هو ما سقط من آخره من بعد التابعي هو المرسل وصورته ان يقول التابعي سواء كان كبيرا او صغيرا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا.

جس حدیث کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی ساقط ہو' وہ حدیث مرسل ہے' اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی خواہ کم عمر ہو یا بزرگ' وہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔

(شرح نخبۃ الفکر مع شرحہ لعلی القاری ص٤٠٠۔٣٩٩' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

اور یہاں صورت یہ ہے کہ ابواسحاق نے علقمہ سے روایت کی اور علقمہ نے حضرت ابن مسعود سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابواسحاق اور علقمہ کے درمیان راوی چھوٹا ہوا ہے تو یہ حدیث منقطع ہوئی' مرسل کیسے ہوگئی اور حافظ ابن حجر ایسے ماہر فن حدیث کا اس کو مرسل کہنا بہت عجیب اور باعث حیرت ہے!

تین سے کم پتھروں سے استنجاء کے جواز پر مزید دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ لکھتے ہیں:

پتھروں کے عدد میں ائمہ کا اختلاف ہے' امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ تین پتھروں سے کم سے بھی استنجاء کرنا جائز ہے' بہ شرطیکہ ان سے صفائی حاصل ہو جائے اور امام شافعی نے کہا: تین پتھروں سے کم سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے' خواہ صفائی حاصل ہو جائے۔

جن احادیث میں تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم دیا ہے' ان کی توجیہ کرتے ہوئے علامہ ابن بطال لکھتے ہیں:

اور جائز ہے کہ تین پتھروں کو استحسان پر محمول کیا جائے' خواہ تین سے کم پتھروں سے صفائی حاصل ہو جائے' اس لیے کہ استنجاء پتھر سے مسح کرنا ہے اور شریعت میں مسح میں تکرار واجب نہیں ہے' اس کی دلیل سر اور موزوں کا مسح ہے' نیز یہ وہ نجاست ہے' جس کا اثر معاف ہے' پس ضروری ہے کہ اس میں مسح کا تکرار واجب نہ ہو' نیز اگر پتھر کی تین اطراف ہوں تو وہ تین پتھروں کے قائم مقام ہے' اسی طرح جب ایک یا دو پتھروں سے بھی نجاست زائل ہو جائے تو وہ بھی تین پتھروں کے قائم مقام ہیں۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

شیخ محمد بن ابوبکر ابن قیم جوزی حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰' سنن نسائی: ۴۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۸) اگر کوئی شخص اپنے ساتھ کپڑے کا ٹکڑا لے گیا' جو پتھروں سے زیادہ صفائی کرتا ہو تو وہ بھی جائز ہے یا اُون یا روئی یا ریشم کا ٹکڑا لے گیا یا اس کی مثل کوئی اور چیز لے گیا تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ شارع کی غرض صرف یہ ہے کہ نجاست زائل ہو جائے اور صفائی حاصل ہو جائے تو جس چیز سے پتھروں سے زیادہ صفائی حاصل ہو' اس سے استنجاء کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے۔ (جامع الفقہ ج ۱ ص ۱۳۸' دار الوفاء' ریاض' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پتھروں کے بجائے ٹوائلٹ پیپر رول سے استنجاء کرنا چاہیے' اوّل اس لیے کہ آج کل شہروں میں جو ٹوائلٹ بنے ہوتے ہیں' ان میں پتھروں کے استعمال سے حرج ہوگا' اگر ٹوائلٹ میں وہ پتھر ڈال دیئے جائیں تو ٹوائلٹ بند ہو جائیں گے' نیز اس سے ہاتھ نجاست سے آلودہ بھی نہیں ہوں گے اور اس کے بعد پانی سے استنجاء کر لیا جائے۔

گوبر کے نجس ہونے میں مذاہب فقہاء اور ابن حزم' داؤد اور دیگر غیر مقلدین کا ردّ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود' دو پتھروں کے ساتھ تیسرا گوبر کا ٹکڑا لائے تھے' آپ نے گوبر کے ٹکڑے کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے۔ ''صحیح بخاری' سنن نسائی' مصنف ابن ابی شیبہ'' اور ''المعجم الکبیر'' وغیرہ میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ ''رِکس'' ہے اور سنن ابن ماجہ: ۳۱۴ میں ہے: آپ نے فرمایا: یہ ''رجس'' ہے' اور ''رکس'' اور ''رجس'' ان دونوں لفظوں کا معنی نجس ہے اور اس حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ گوبر نجس ہے۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے تحت مذاہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گوبر کی نجاست کی صفت میں علماء کا اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نجاست غلیظہ ہے' یہی امام زفر کا قول ہے' امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ نجاست خفیفہ ہے اور امام مالک کے نزدیک گوبر طاہر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۴۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابن وہب بیان کرتے ہیں: ہم نے امام مالک سے کہا کہ راستوں میں جانوروں کا گوبر اور ان کا پیشاب اور ان کا پاخانہ ہوتا ہے' امام مالک نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے' یہ چیزیں ہمیشہ سے راستوں میں ہوتی تھیں اور مسلمان بارش اور کیچڑ میں داخل ہوتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور کپڑوں کو نہیں دھوتے تھے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

غیر مقلدین کے نزدیک بھی گوبر پاک ہے' شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

داؤد نے کہا: ہر حیوان کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے' خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو' ہوا انسان کے پیشاب اور پاخانے کے' وہ نجس ہیں۔

شیخ ابن حزم نے کہا: امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ نجاست غلیظہ ہے' ان کا یہ قول فاسد ہے' اس کی اصل سنت صحیحہ میں ہے' نہ ضعیفہ میں' نہ قرآن میں' نہ قیاس میں' نہ اجماع میں' نہ یہ کسی ایسے شخص کا قول ہے' جس کی رائے صحیح ہو۔

(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۱۷۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

مشہور غیر مقلد عالم حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:

گوبر حنفی مذہب میں پاک نہیں' مگر حدیث سے اس کی طہارت ثابت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو' اس سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم چار پایہ کا گوبر' پیشاب پاک ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال فاسد ہے' بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کے پیشاب اور گوبر پر نماز پڑھی جائے' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باڑے میں کسی صاف جگہ پر مصلّٰی بچھا کر اس پر نماز پڑھی جائے۔ سعیدی غفرلہٗ) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند آدمیوں کو جو مدینہ میں آ کر بیمار ہو گئے' فرمایا: تم اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پیو' وہ شفایاب ہو گئے' اس سے بھی معلوم ہوا کہ ماکول اللحم چار پایہ کا بول (پیشاب)' گوبر پاک ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۴۲' ادارہ احیاء السنۃ النبویہ' سرگودھا)

دوسری حدیث سے استدلال میں حافظ روپڑی نے کئی غلطیاں کی ہیں' ایک یہ ہے کہ اس حدیث میں کہیں گوبر کا ذکر نہیں ہے اور انہوں نے اس حدیث سے گوبر کے پاک ہونے کو بھی کشید کر لیا' دوسری غلطی یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ چند بیمار آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنیوں کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی' نہ کہ تمام امت مسلمہ کو' لہٰذا اونٹنیوں کا پیشاب مطلقاً پاک نہ ہوا' تیسری غلطی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے: پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذابِ قبر اس سے ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۸' سنن ابن ماجہ: ۳۴۸) اور اس حدیث میں جوان بیماروں کو اونٹنیوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی بیماری کا علاج اسی سے ہو سکتا ہے' سو یہ حدیث ان کے ساتھ مخصوص ہے' پیشاب پینے کے جواز میں عام نہیں ہے۔

غیر مقلدین نے گوبر کے نجس ہونے کے قول کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے' حالانکہ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ یحییٰ بن زکریا نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

ابن حزم نے اپنی کتاب "محلی" میں داؤد سے یہ نقل کیا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ آدمی کے سوا ہر حیوان کا پیشاب اور گوبر پاک ہے' اس کا یہ قول انتہائی فاسد ہے۔

جن حیوانات کا گوشت کھایا جاتا ہے' ان کا پیشاب اور گوبر ہمارے نزدیک نجس ہے اور امام ابوحنیفہ اور ابویوسف وغیرہما کے نزدیک بھی اور امام مالک اور امام احمد نے ان کو پاک کہا ہے' امام محمد کے نزدیک بھی ان کا گوبر نجس ہے۔

(شرح المہذب ج ۳ ص ۵۷۸۔۵۷۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

اس باب کی حدیث میں صحیح بخاری: ۱۵۶ اور سنن ابوداؤد وغیرہ کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوبر کے ٹکڑے کو نجس فرمایا' اس کے علاوہ صحیح البخاری: ۱۵۵ میں یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا: مجھے پتھر تلاش کر کے لا کر دو' میں ان سے استنجاء کروں گا اور میرے پاس ہڈی اور گوبر نہ لانا۔

ان صحیح اور صریح احادیث کے بعد گوبر کے نجاست غلیظہ ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے!

۲۲- بَابُ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً — ایک ایک بار وضو کرنا

اس باب کی ابواب سابقہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ سابقہ ابواب میں استنجاء کے مسائل بیان کیے گئے تھے اور اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعضاء وضوء میں سے ہر عضو کو ایک ایک بار دھونا' اور ظاہر ہے کہ استنجاء کے بعد وضو کیا جاتا ہے' اس لیے امام بخاری نے استنجاء کے ابواب کے بعد وضوء کے ابواب شروع کیے۔

١٥٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ' عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ' عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضوء کیا۔

(سنن ابوداؤد: ١٣٨' سنن ترمذی: ٤٢' سنن نسائی: ٨٠' مسند عبد بن حمید: ٧٠٢' سنن دارمی: ٦٩٦۔ ٧١١' صحیح ابن حبان: ١٠٩٥' شرح السنۃ: ٢٢٦' مسند ابوداؤد الطیالسی: ٢٦٦٠' صحیح ابن خزیمہ: ١٧١' سنن بیہقی ج ١ ص ٨٠۔ ٧٣' مسند احمد ج ١ ص ٣٣٢ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٠٧٢۔ ج ٣ ص ٤٩٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت بالکل ظاہر ہے' کیونکہ اس حدیث میں ایک ایک بار وضوء کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) محمد بن یوسف بیکندی (٢) سفیان' ہوسکتا ہے کہ یہ سفیان بن عیینہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سفیان ثوری ہو اور یہی راجح ہے' کیونکہ ابونعیم نے اپنی کتاب میں اس کی تصریح کی ہے (٣) زید بن اسلم تابعی مدنی (٤) عطاء بن یسار (٥) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ آپ اعضاء وضوء کو تین تین بار دھوتے تھے' لیکن آپ نے بیانِ جواز کے لیے ایک ایک مرتبہ بھی اعضاء وضوء کو دھویا' تاکہ اگر کبھی پانی کم ہو یا وقت کم ہو تو ایک ایک مرتبہ بھی اعضاء وضوء کے دھونے سے وضوء ہو جائے اور یہ وضوء بھی آپ کی سنت ہو۔

٢٣- بَابُ الْوُضُوْءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

دو دو مرتبہ وضوء کرنا

اس حدیث کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

١٥٨- حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ' عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حسین بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم از عباد بن تمیم از حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مرتبہ وضوء کیا۔

(سنن ابوداؤد: ١٣٦' سنن ترمذی: ٤٣' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ١١' صحیح ابن حبان: ١٠٩٤' المستدرک ج ١ ص ١٥٠' سنن بیہقی ج ١ ص ٧٩' ابن الجارود: ٧١' مسند احمد ج ٢ ص ٢٨٨ طبع قدیم' مسند احمد: ٧٧٨٧۔ ١٧٨٧٧۔ ایضاً ٨٧٢٢۔ ج ١٣ ص ٢٦١' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت۔ ان کتب حدیث میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اور صحیح بخاری: ١٥٨ میں یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن زید سے مروی ہے۔)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت بالکل واضح ہے کیونکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دو مرتبہ وضوء کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) الحسین بن عیسیٰ بن حمران البسطامی الدامغانی یہ ائمہ عربیہ میں سے ثقہ تھے انہوں نے امام بخاری امام مسلم امام ابوداؤد امام نسائی اور امام ابن خزیمہ سے احادیث روایت کی ہیں انہوں نے نیشاپور میں رہائش رکھی اور وہیں ۲۴۷ھ میں فوت ہو گئے (۲) یونس بن محمد بن مسلم بغدادی یہ حافظ تھے ۲۰۷ یا ۲۰۸ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) فلیح بن سلیمان ان کا لقب فلیح ہے اور ان کا نام عبد الملک ہے ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) عبداللہ بن ابی بکر المدنی الانصاری یہ تابعی تھے ۱۳۵ھ میں فوت ہو گئے (۵) عباد بن تمیم بن زید بن عاصم انصاری ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے (۶) حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے ماسوا ہیں جنہوں نے اذان کا خواب دیکھا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۔۵)

اس حدیث سے بھی مقصودامت کے لیے سہولت فراہم کرنا ہے۔

٢٤- بَابُ الْوُضُوْءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا — تین تین مرتبہ وضوء کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے۔

١٥٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْاُوَيْسِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيْدَ اَخْبَرَهُ اَنَّ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ رَاٰى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِاِنَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ اَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِي الْاِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

[اطراف الحدیث: ١٦٠۔ ١٦٤۔ ١٩٣٤۔ ٦٤٣٣]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب کہ ان کو عطاء بن یزید نے خبر دی کہ ان کو حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام حمران نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے پانی کا برتن منگایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی انڈیلا پھر ان دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا پھر اس سے کُلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک تین بار دھویا پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھی جس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کی (اپنے اختیار سے کوئی بات نہ سوچی) تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم: ۲۲۶ الرقم المسلسل: ۵۲۷ سنن ابوداؤد: ۱۰۶ سنن نسائی: ۸۴ سنن ابن ماجہ: ۲۸۵ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۷۶ صحیح ابن حبان: ۳۶۰ مسند احمد ج ۱ ص ۶۸ طبع قدیم مسند احمد: ۴۸۹۔ ج ۱ ص ۵۲۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

عنوان باب کے ساتھ مطابقت اس چیز میں ہے کہ اس حدیث میں اعضاء وضوء کو تین تین بار دھونے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) عبدالعزیز الاویسی (٢) ابراہیم بن سعد (٣) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (٤) عطاء بن یزید التابعی' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (٥) حمران بن ابان بن خالد بن عمرو' یہ عین التمر کے قیدیوں میں سے تھے' ان کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ نے قید کیا تھا' اور ان کو بہت ذہین پایا' پھر ان کو حضرت عثمان کی خدمت میں پیش کر دیا' انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور یہ ان کے منشی اور دربان تھے' امام بخاری نے ان کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان کی روایت سے استدلال کیا ہے' ابن سعد نے کہا: یہ کثیر الحدیث تھے اور میں نے نہیں دیکھا کہ ان کی احادیث سے استدلال کیا جاتا ہو' یہ ٧٥ھ میں فوت ہو گئے تھے' حجاج نے ان پر ایک لاکھ (درہم) کا جرمانہ کیا تھا' بعد میں عبدالملک کی سفارش سے وہ درہم واپس کر دیئے تھے (٦) حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ' ان کا لقب ذوالنورین ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ ان کے عقد میں دی تھیں' وہ ان کے پاس فوت ہو گئیں' پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ ان کے عقد میں دیں' حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ١٤٦ حدیثیں روایت کی ہیں' امام بخاری نے ان میں سے ١١ حدیثیں روایت کی ہیں' یکم محرم ٢٤ھ کو انہیں خلیفہ بنایا گیا اور ١٨ ذوالحجہ ٣٥ھ کو انہیں شہید کر دیا گیا' الاسود التجیبی نے ان کو قتل کیا تھا۔ (حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ الاسود نے حضرت عثمان کا گلا گھونٹ دیا تھا' اور ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ سودان بن حمران نے آپ کو تلوار سے قتل کیا تھا' ایک روایت ذکر کی ہے کہ رومان بن سودان نے تلوار کے وار سے آپ کو قتل کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ٥ ص ٢٧٨-٢٧٦' دارالفکر' بیروت' ١٤١٩ھ)) ہفتہ کی شب بقیع میں حضرت عثمان کو دفن کر دیا گیا' ان کی عمر اس وقت ٨٢ سال تھی' حکیم بن حزام نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی' ان کے دورِ خلافت میں بیت المال میں بہت اموال جمع ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ٣ ص ٧)

اس حدیث میں تین تین بار کلی کرنے' ناک میں پانی ڈالنے اور چہرہ' ہاتھوں اور پیروں کو تین تین بار دھونے کا ذکر ہے' ان کی تفصیل اور بیانِ مذاہب ہم صحیح البخاری: ١٤٠ میں ذکر کر چکے ہیں' اس حدیث میں سر پر ایک بار مسح کرنے کا ذکر ہے۔

سر پر مسح کی کیفیت اور سر پر مسح کی تعداد میں مذاہب

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی مالکی متوفی ٥٤٤ھ لکھتے ہیں:

چہرے' ہاتھوں اور پیروں کو تین تین بار دھونے کا بہ کثرت احادیث میں ذکر ہے اور سر پر صرف ایک بار مسح کرنے کا ذکر ہے' پس امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سر کے مسح میں تکرار نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک سر کے مسح میں بھی تکرار سنت ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ٢ ص ١٤-١٣' دارالوفاء' ١٤١٩ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی متوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: پھر سر کا مسح تین بار کرے اور مستحب یہ ہے کہ پورے سر کا مسح کرے اور کنپٹیوں کا مسح کرے' سر کے اگلے حصہ سے مسح کی ابتداء کرے پھر ہاتھوں کو گدی تک لے جائے' پھر ہاتھوں کو لوٹا کر اسی جگہ لائے' جہاں سے ابتداء کی تھی۔

(مختصر المزنی ص ٢)

سر پر تین بار مسح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ نے وضوء کیا' پھر سابقہ روایت کی طرح بیان کیا اور اس حدیث میں کہا کہ انہوں نے سر پر تین بار مسح کیا اور تین بار پیروں کو دھویا۔ (سنن ابوداؤد: ١٠٧)

اس کے بعد امام ابوداؤد نے حدیث:۱۰۸' حدیث:۱۰۶ کی مثل بیان کی' پھر فرمایا:
حضرت عثمان رضی اللہ کی تمام صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انہوں نے صرف ایک بار سر کا مسح کیا' کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان نے اعضاء وضوء کو تین تین بار دھویا اور سر کا مسح صرف ایک بار کیا اور سر کے مسح میں تعداد کا ذکر نہیں کیا' جس طرح دیگر اعضاء وضوء میں تعداد کا ذکر کیا تھا۔ (سنن ابوداؤد ص ۳۳' دارالفکر' بیروت)
علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: امام شافعی نے جو تین بار مسح کرنے کی روایت کی ہے' وہ ایک پانی سے تین بار مسح کرنے پر محمول ہے' اور وہ بھی جائز ہے' جیسا کہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے' کیونکہ فرض مسح کرنا ہے اور تین بار نئے پانی سے مسح کرنے سے مسح نہیں رہے گا' بلکہ وہ سر کا دھونا ہو جائے گا۔ (ہدایہ اولین ص ۲۲' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

نماز میں بُرے کاموں کا منصوبہ بنانا مذموم ہے اور نیک کاموں کا منصوبہ بنانا مستحسن ہے

اس حدیث کے آخر میں فرمایا: جس شخص نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا' پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کی تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔
انسان کے دماغ میں جو خیالات آتے ہیں' ان کی پانچ قسمیں ہیں:
(۱) ھاجس: کسی چیز کا اچانک خیال آ جائے۔
(۲) خاطر: کسی چیز کا بار بار خیال آئے۔
(۳) حدیث نفس: جس چیز کا خیال آئے' نفس یا ذہن اس چیز کی طرف راغب ہو اور اس کے حصول کا منصوبہ بنائے۔
(۴) ھم: غالب جانب اس چیز کو حاصل کرنے کی ہو اور مغلوب جانب اس کو ترک کرنے کی ہو' مبادا اس میں کوئی ضرر ہو۔
(۵) عزم: مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے اور وہ اس کے حصول کا پختہ ارادہ اور نیت کر لے۔
اگر انسان کے ذہن میں گناہ کا خیال آ جائے تو پہلے تین مرتبوں میں اس سے مواخذہ نہیں ہوگا' نہ پچھلی امتوں میں مواخذہ تھا' نہ اس امت میں ہے اور چوتھے مرتبہ میں پچھلی امتوں پر مواخذہ تھا' اس امت میں نہیں ہے اور جب گناہ کا عزم کر لے گا تو پھر اس سے مواخذہ ہوگا' خواہ وہ اس کے بعد گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ نماز میں انسان اگر کسی بُرے کام کے متعلق حدیث نفس کرے یعنی کسی بُرائی اور گناہ کا منصوبہ بنائے تو وہ مذموم ہے اور اگر کسی نیکی کا منصوبہ بنائے تو وہ محمود اور مستحب ہے' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا: میں نماز کی حالت میں بھی لشکر کی صفیں مرتب کرتا رہتا ہوں۔ (صحیح البخاری۔العمل فی الصلوۃ:۱۸)
نماز میں خود بہ خود خیالات آتے رہتے ہیں' انہیں آنے دیں از خود کسی کام کے متعلق نہ سوچیں' خصوصاً کسی بُرے کام کے متعلق۔

وضوء کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے کن گناہوں کی بخشش ہوگی

اس حدیث میں فرمایا ہے: اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے' حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کے گناہ کبیرہ اور صغیرہ سب معاف کر دیئے جائیں گے' لیکن علماء نے اس کو صغائر کے ساتھ خاص کیا ہے' کیونکہ دوسری روایت میں کبائر کا استثناء فرمایا ہے' پس جس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہوں' اس کے صغائر معاف کر دیئے جائیں گے' اور جس کے صرف صغائر ہوں' وہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس کے صرف کبائر ہوں' ان میں تخفیف کر دی جائے گی' اور جس کے نہ صغائر ہوں نہ کبائر' اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۷' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

وضوء کے بعد دو رکعت نماز ''سنت وضوء'' ہے نہ کہ تحیۃ الوضوء

وضوء کے بعد جو دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے اس کو فقہاء سنتِ وضوء سے تعبیر کرتے ہیں' جیسا کہ رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۴ میں مذکور ہے۔

بعض علماء دیو بند نے اس کو ''تحیۃ الوضوء'' کہا ہے۔ (انوار الباری ج ۷ ص ۴۰۸' انعام الباری ج ۲ ص ۲۶۹) یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ''تحیۃ الوضوء'' کا معنی ہے: وضوء کا شکرانہ یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر وضوء کرنے کا شکر ادا کیا جائے' حالانکہ نماز مقصود ہے اور وضوء اس کا ذریعہ ہے اور نماز اعلیٰ عبادت ہے اور وضوء ادنیٰ عبادت ہے اور ادنیٰ کے لیے اعلیٰ کو شکرانہ بنانا صحیح نہیں ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے لکھا ہے کہ ''تحیۃ الوضوء'' اور شکر وضوء کوئی چیز نہیں ہے۔ (الی قولہ) کیونکہ نماز اصل اور مقصود لذاتہ ہے' جب کہ وضوء اس کی فرع اور اس کے طفیل ہے۔ وضوء نماز کے لیے ہے نہ کہ نماز وضوء کے لیے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۹۸' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ تحیۃ المسجد اور شکر وضوء کے لیے کوئی علیحدہ نماز نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۴) نیز انہوں نے لکھا ہے کہ تحیۃ المسجد بھی اصل میں ''تحیۃ رب المسجد'' ہے' کیونکہ جب انسان بادشاہ کے گھر جاتا ہے تو گھر کے بجائے بادشاہ کو سلام کرتا ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۹' دار احیاء التراث العربی بیروت)

وضوء کے بعد جو دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے اس کو سنت وضوء دو وجہوں سے کہا جاتا ہے' ایک وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے: جس شخص نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا' پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کی تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان نے اچھی طرح وضوء کیا' پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور وہ اپنے قلب اور اپنے چہرے سے اس نماز ہی کی طرف متوجہ تھا تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۳۴' الرقم المسلسل: ۵۴۲' سنن ابوداؤد: ۱۶۹' سنن نسائی: ۱۵۱)

وضوء کے بعد دو رکعت نماز کو سنت وضوء اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ ہر وضوء کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سنت ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال سے کہا: اے بلال! تم نے اسلام میں کون سا ایسا عمل کیا ہے' جس کے اجر کی تم کو زیادہ توقع ہے؟ کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے نعلین کی آواز کو سنا' حضرت بلال نے کہا: میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا' جس کے اجر کی مجھے زیادہ توقع ہو' بے شک میں دن یا رات میں' جب بھی وضوء کرتا ہوں تو میں اس وضوء کے ساتھ وہ نماز پڑھتا ہوں' جس کا پڑھنا میرے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۱۴۹' صحیح مسلم: ۲۴۵۸) سو اس حدیث کے اعتبار سے وضوء کے بعد دو رکعت نماز حضرت بلال کی سنت بھی ہے۔

١٦٠- وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ' فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا لَوْ لَا آيَةٌ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ؟ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ يُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ وَيُصَلِّي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: از ابراہیم انہوں نے کہا: صالح بن کیسان نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے کہا: لیکن عروہ حدیث بیان کرتے ہیں: از حمران کہ جب حضرت عثمان نے وضوء کیا تو کہا: کیا میں تم کو ایک حدیث بیان نہ کروں' اگر ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو وہ حدیث بیان نہ کرتا؟ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

الصَّلٰوةَ، اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا. قَالَ عُرْوَةُ الْاٰيَةُ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ (البقرہ:١٥٩).

ہوئے سنا ہے: جو شخص بھی اچھی طرح وضوء کر کے نماز پڑھے گا' اللہ اس کے اور اس نماز کے درمیان کے گناہوں کو بخش دے گا' حتیٰ کہ وہ اس نماز کو پڑھ لے۔ عروہ نے کہا: وہ آیت یہ ہے: "بے شک جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں' باوجود اس کے کہ ہم ان کو اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں' ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے" (البقرہ:١٥٩)۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری:١٥٩ میں گزر چکی ہے اور اس کے رجال کا بھی پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

عالم دین پر تبلیغ کا واجب ہونا اور دیگر مسائل

(١) البقرۃ:١٥٩' ہر چند کہ اہل کتاب کے علماء کے متعلق نازل ہوئی ہے' لیکن اس کی خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہے اور عالم پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم کے موافق تبلیغ کرے کیونکہ علم کے چھپانے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

(٢) جب انسان اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ اس کی عبادت کو قبول فرماتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے۔

(٣) اس سے پہلی حدیث میں متبادر یہ تھا کہ جو شخص وضوء کرنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھے گا' جس کو سنت وضوء کہتے ہیں' اس کو یہ مغفرت حاصل ہوگی اور اس حدیث سے عموم مراد ہے' جو شخص بھی وضوء کر کے نماز پڑھے گا' خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو۔

٢٥- بَابُ الْاِسْتِنْثَارِ فِي الْوُضُوْءِ — وضوء میں ناک میں پانی ڈالنا

باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں ناک میں پانی ڈالنے اور وضوء کے تمام اُمور کا ذکر تھا اور اس باب میں صرف ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر ہے تو یہ باب بہ منزلہ جزء ہے اور بابِ سابق بہ منزلہ کل ہے اور ان دونوں بابوں میں جزء اور کل کی مناسبت ہے' امام بخاری فرماتے ہیں:

ذَكَرَهٗ عُثْمَانُ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ، وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عثمان' حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان صحابہ نے وضوء میں ناک میں پانی ڈالنے کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث تو ابھی صحیح البخاری:١٥٩ میں گزری ہے اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث عنقریب صحیح البخاری:١٨٥ میں آئے گی اور حضرت ابن عباس کی حدیث صحیح البخاری:١٤٠ میں گزر چکی ہے۔

١٦١- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ اِدْرِيْسَ، اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ.

[طرف الحدیث:١٦٢]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری' انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا' از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' آپ نے فرمایا: جس نے وضوء کیا' وہ ناک میں پانی ڈالے

اور جس نے پتھر سے استنجاء کیا' وہ طاق مرتبہ کرے۔

(صحیح مسلم: ٢٣٧' الرقم المسلسل: ٥٤٩' سنن نسائی: ٨٦' سنن ابن ماجہ: ٤٠٩' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٧' صحیح ابن خزیمہ: ٧٥' مسند ابوعوانہ ج ١ ص ٢٤٧' سنن بیہقی ج ١ ص ١٠٣' معرفۃ السنن والآثار: ٥٧' شرح السنۃ: ٢١١' سنن دارمی: ٧٠٣' المعجم الصغیر: ١٢٧' مسند البزار: ٩٢٣٩' مسند احمد ج ٢ ص ٢٣٦ طبع قدیم' مسند احمد: ٧٢٢١۔ ج ١٢ ص ١٥٥' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: جس نے وضوء کیا وہ ناک میں پانی ڈالے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) عبدان بن عبداللہ المروزی (٢) عبداللہ بن المبارک (٣) یونس بن یزید الایلی (٤) محمد بن مسلم الزہری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٥) ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ الخولانی' یہ جلیل القدر تابعی تھے' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں دمشق میں قاضی تھے ٨٠ھ میں فوت ہو گئے تھے (٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٢١)

ناک میں پانی ڈالنے کی تفصیل ہم صحیح البخاری: ١٤٠ میں کر چکے ہیں' اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے پتھر سے استنجاء کیا' وہ طاق مرتبہ کرے اور طاق کا لفظ ایک پر بھی صادق آتا ہے' سو یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے موقف پر واضح دلیل ہے کہ تین پتھروں سے استنجاء کرنا ضروری نہیں ہے اور اس میں فقہاء شافعیہ کا رد ہے اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے' اس پر مفصل بحث صحیح البخاری: ١٥٦ میں ہے۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ٤٦٨۔ ج ١ ص ٨٨٣ پر ہے۔

٢٦- بَابُ الْاِسْتِجْمَارِ وِتْرًا — پتھروں سے طاق مرتبہ استنجاء کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں بھی پتھروں سے طاق مرتبہ استنجاء کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں بھی اس کا ذکر ہے۔

١٦٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ اَبِي الزِّنَادِ' عَنِ الْاَعْرَجِ' عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِيْ اَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْثُرْ' وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ' وَاِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِّنْ نَوْمِهٖ فَلْيَغْسِلْ يَدَهٗ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهَا فِيْ وَضُوْئِهٖ' فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی الزناد از اعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص وضوء کرے تو اپنی ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرے اور جو پتھر سے استنجاء کرے تو طاق مرتبہ کرے اور جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ وضوء کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لے کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١٦١ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس حدیث کے رجال کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

بیدار ہونے کے بعد پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کو دھونے کا سنت ہونا اور اس کے ضمن میں متعدد مسائل

اس حدیث میں فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لے کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟ اس حدیث کے مسائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان دن میں پاخانہ اور پیشاب کرتے ہیں اور پتھر سے استنجاء کرتے تھے اس کے باوجود پاخانہ کی جگہ کی گردنوں میں کچھ نجاست رہ جاتی تھی اور اتنی مقدار معاف تھی پھر پسینہ آنے سے وہ نجاست گیلی ہو جاتی اور رات کو سوتے میں اس جگہ ہاتھ لگ جاتا تو ہاتھ بھی نجس ہو جاتا' اس لیے فرمایا: پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولیا جائے تاکہ وضوء کرنے کا پانی نجس نہ ہو جائے۔

(۲) وضوء سے پہلے ہاتھوں کا دھونا سنت ہے' اس کو واجب اس لیے نہیں قرار دیا کہ ہاتھوں پر لگنے والی نجاست یقینی نہیں' محتمل ہے۔

(۳) عام اہل علم نے کہا ہے کہ ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے' کیونکہ پہلے پانی کی طہارت کا یقین تھا اور اب یہ شک ہو گیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ہاتھوں پر نجاست لگ گئی ہو اور اس پانی میں ہاتھ ڈالنے سے وہ پانی نجس ہو گیا ہو' لیکن یقین شک سے زائل نہیں ہوتا' اس لیے ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے اور چونکہ اس پانی کی طہارت کا پہلے یقین تھا' اس لیے اس میں اگر ہاتھ ڈال بھی دیئے گئے' پھر بھی وہ پانی پاک ہی قرار دیا جائے گا'۔

(۴) اس حدیث میں فرمایا ہے: کیونکہ اس کو پتا نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟ رات کا ذکر غالب احوال کے اعتبار سے ہے' ورنہ دن میں بھی سو کر اٹھے تو اس کا یہی حکم ہے کہ وہ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولے۔

(۵) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کم پانی میں نجاست مؤثر ہو جاتی ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی کا دو مٹکوں کی مقدار ہونا پانی کی طہارت کا معیار نہیں ہے' ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما دیتے کہ اگر دو مٹکوں کی مقدار پانی ہو تو اس میں ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے اور فقہاء شافعیہ کا دو مٹکوں کی مقدار پانی کو طہارت کا معیار قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے' اسی لیے آپ نے نجاست کے وہم کی بناء پر ہاتھ دھونے کا حکم دیا۔

(۷) نجاست متوہمہ میں آپ نے دھونے کا حکم دیا ہے اور پانی کے چھڑکنے کو کافی نہیں قرار دیا تو نجاست محققہ مثلاً شیر خوار بچے کے پیشاب میں تو پانی کا چھڑکنا بہ طریق اولیٰ کافی نہیں ہوگا' بلکہ اس کا بھی دھونا ضروری ہوگا' جب کہ فقہاء شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب' اگر کپڑے پر لگ جائے تو اس پر پانی کا چھڑک دینا کافی ہے' دھونا ضروری نہیں ہے۔

(۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے اور یقینی طہارت پر عمل کرنا چاہیے' اس طرح تین دن قربانی کے لیے یقینی ہیں اور چوتھے دن قربانی کرنا مشکوک ہے' پس احتیاط یہ ہے کہ تین دنوں میں قربانی کی جائے اور چوتھے دن قربانی نہ کی جائے۔

٢٧- بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ

پیروں کو دھویا جائے اور قدموں پر مسح نہ کیا جائے

یعنی جب قدموں پر چمڑے کے موزے پہنے ہوئے نہ ہوں تو ان پر مسح نہیں کیا جائے گا' اس باب کی باب سابق کے ساتھ

مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب احکامِ وضوء پر مشتمل ہیں۔

١٦٣- حَدَّثَنَا مُوْسٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ یُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِیْ سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَاَدْرَكَنَا وَقَدْ اَرْهَقَنَا الْعَصْرُ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّاُ وَنَمْسَحُ عَلٰی اَرْجُلِنَا فَنَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِهٖ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از یوسف بن ماہک از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے ایک سفر کیا تھا اس سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے پس آپ نے ہم کو پالیا اس وقت ہم عصر کی نماز میں تاخیر کر چکے تھے پس ہم وضوء کرنے لگے اور ہم اپنے پیروں پر مسح کر رہے تھے پس آپ نے بہ آوازِ بلند دو یا تین بار فرمایا: (بے دھلی) ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہو۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح صحیح البخاری: ٦٠ میں گزر چکی ہے۔

٢٨- بَابُ الْمَضْمَضَةِ فِی الْوُضُوْءِ
وضوء میں کلی کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب احکامِ وضوء پر مشتمل ہیں۔

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

وضوء میں کلی کرنے کی حدیث کو حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے ان دو حدیثوں کی یہاں تعلیق ذکر کی ہے اور ان کی سند متصل کے ساتھ تفصیل سے روایت بھی کی ہے حضرت ابن عباس کی حدیث صحیح البخاری: ١٤٠ میں گزر چکی ہے اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث عنقریب صحیح البخاری: ١٨٦ میں آئے گی۔ان شاء اللہ

١٦٤- حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَطَاءُ بْنُ یَزِیْدَ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّهٗ رَاٰی عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰی یَدَیْهِ مِنْ اِنَائِهٖ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ یَمِیْنَهٗ فِی الْوَضُوْءِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا وَیَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّاُ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا وَقَالَ مَنْ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰی رَكْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ فِیْهِمَا نَفْسَهٗ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید نے خبر دی از حمران جو حضرت عثمان بن عفان کے آزاد کردہ غلام ہیں انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضوء کا پانی منگایا پھر اس پانی کو برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر انڈیلا پھر انہیں تین بار دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا پھر کلی کی پھر ناک میں پانی ڈالا پھر ناک صاف کی پھر تین بار اپنے چہرے کو دھویا اور تین بار اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے ہر پیر کو تین بار دھویا پھر کہا: میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا اور فرمایا: جس نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی جس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہیں کی اللہ تعالیٰ اس کے

گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

اس حدیث کی تشریح اور شرح' صحیح البخاری: ۱۶۴ میں گزر چکی ہے۔

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: پھر کلی کی۔

٢٩- بَابُ غَسْلِ الْأَعْقَابِ — ایڑیوں کو دھونا

یہ باب ایڑیوں کو دھونے کے بیان میں ہے' اور ان دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب وضوء کے احکام میں ہیں۔

وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ.

اور ابن سیرین جب وضوء کرتے تھے تو انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے تھے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے' اور امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو سند صحیح متصل کے ساتھ روایت کیا ہے:

ہشیم خالد سے' وہ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ وضوء کرتے تھے تو اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۲۴۔ ج ۱ ص ۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اگر انگوٹھی تنگ ہو تو اس کو حرکت دینا اور گھمانا وضوء کی سنت ہے' کیونکہ یہ انگلیوں میں خلال کرنے کے قائم مقام ہے اور اگر انگوٹھی ڈھیلی اور کھلی ہو تو اس کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ہے' امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک ہے۔

١٦٥- حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّؤُوْنَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ. قَالَ أَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ، فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن زیاد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اور لوگ لوٹے سے وضوء کر رہے تھے' حضرت ابوہریرہ نے کہا: مکمل وضوء کرو' کیونکہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (بے دھلی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۶۰ میں گزر چکی ہے۔

٣٠- بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ، وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ — پیروں کو جوتوں میں دھونا اور جوتوں پر مسح نہ کرے

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ جب پیر جوتوں میں ہوں تو ان کو دھونے کا کیا حکم ہے؟ باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں ایڑیوں کے دھونے کا حکم ہے اور اس باب میں پیروں کے دھونے کا حکم ہے اور ایڑیاں پیروں کی جز ہیں' تو ان بابوں میں جز اور کل کی مناسبت ہے۔

١٦٦- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، رَأَيْتُكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از سعید مقبری از عبید بن جریج' انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

تَصْنَعُ اَرْبَعًا لَمْ اَرَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا؟ قَالَ وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ؟ قَالَ رَاَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْاَرْكَانِ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَرَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَاَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَاَيْتُكَ اِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ اَهَلَّ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ اَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَمَّا الْاَرْكَانُ فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَاَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ، فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ، وَيَتَوَضَّاُ فِيْهَا، فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا، وَاَمَّا الصُّفْرَةُ فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا، فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَصْبُغَ بِهَا، وَاَمَّا الْاِهْلَالُ، فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

[اطراف الحدیث: ١٥١٤-١٥٥٢-١٦٠٩-٢٨٦٥-٥٨٥١]

(صحیح مسلم: ١١٨٧، الرقم المسلسل: ٢٧٧٣، سنن ابوداؤد: ١٧٧٢، سنن نسائی: ١١٧، سنن ابن ماجہ: ٣٦٢٦، شمائل ترمذی: ٧٤، صحیح ابن حبان: ٣٧٦٣، سنن بیہقی ج ٥ ص ٣١-٧٦، شرح السنۃ: ١٨٧٠، مسند الحمیدی: ٦٥١، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٣٤٣، مسند احمد ج ٢ ص ١٧-١٨ طبع قدیم، مسند احمد: ٤٦٧٢- ج ٨ ص ٢٩٨)

کہا: اے ابوعبد الرحمان! میں نے آپ کو چار ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے کوئی ایک بھی ان کاموں کو نہیں کرتا؟ حضرت ابن عمر نے کہا: اے ابن جریج! وہ کون سے کام ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ آپ (کعبہ کے) ارکان میں سے صرف دو رکن یمانی کو مَس کرتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ بغیر بالوں کے چمڑے کے جوتے پہنتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ زرد رنگ کے ساتھ رنگتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں ہوتے ہیں تو لوگ جب چاند دیکھ لیتے ہیں تو احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ احرام نہیں باندھتے حتیٰ کہ آٹھ ذوالحجہ ہو جائے' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: رہے ارکان (کعبہ کے کونے) تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف دو رکن یمانی کو مَس کرتے ہوئے دیکھا ہے اور رہی بغیر بالوں کے چمڑے کی بات تو میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے چمڑے کے جوتے پہنتے تھے' جن پر بال نہیں ہوتے تھے اور ان ہی جوتوں میں وضو کرتے تھے' پس میں بھی محبت کرتا ہوں کہ ان جوتوں کو پہنوں اور رہا زرد رنگ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو زرد رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے اور رہا احرام باندھنا تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اسی وقت احرام باندھتے تھے' جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر چل پڑتی تھی۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: اور آپ جوتوں میں وضوء کرتے تھے' کیونکہ اس حدیث سے متبادر یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے پیروں کو جوتوں میں ہی دھوتے تھے اور وہ جوتے بند نہیں ہوں گے' وہ جوتے ایسے ہوں گے' جیسے ہماری کھلی ہوئی یا اسفنج (SPONGE) کی چپل ہوتی ہے' جس میں پیر کو آسانی سے دھویا جا سکے۔

امام بخاری کے عنوان میں جوتوں پر مسح کی ممانعت کی توجیہ

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا ہے: اور جوتوں پر مسح نہ کرے' اس سے ان کا مقصود اس حدیث کو رد کرنا ہے:

عباد نے کہا: مجھے اوس بن ابی اوس الثقفی نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا' اور اپنے جوتوں اور قدموں پر مسح کیا' عباد نے کہا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے وضوء کی جگہ آئے' پس آپ نے وضوء کیا اور اپنے جوتوں اور قدموں پر مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد: ١٦٠' امام ابوداؤد اس روایت میں منفرد ہیں۔)

اس طرح یہ حدیث ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد:۱۵۹' سنن ترمذی:۹۹' سنن ابن ماجہ:۵۵۹)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابوداؤد فرماتے ہیں: عبدالرحمان بن مہدی اس حدیث کو روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ حضرت مغیرہ سے معروف یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ص ۴۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور عبید بن جریج کے سوا باقی سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے' اور وہ مدنی اور ثقہ ہیں' ابن تمیم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۶)

صرف حجر اسود اور رکن یمانی کی تعظیم کی وجہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ (کعبہ کے) ارکان میں سے صرف دو رکن یمانی کو مَس کرتے ہیں۔ کعبہ کے ارکانِ اربعہ کعبہ کے چار کونے ہیں' دو رکن یمانی ہیں' جو شمال کی سمت میں واقع ہیں' ایک کونے میں حجر اسود ہے اور دوسرے کونے میں رکن یمانی ہے' ان کی تعظیم اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ یہ دو کونے قواعد ابراہیم پر ہیں' اس کے مقابل جو دو کونے ہیں' ان کو رکن عراقی اور رکن شامی کہا جاتا ہے' یہ حقیقت میں کونے نہیں ہیں' نہ قواعد ابراہیم پر ہیں' ان کے بعد جو کعبہ کا حصہ تھا' اس کو قریش نے بناء کعبہ میں شامل نہیں کیا اور اس کو خارج کر دیا' جو اب حطیم کہلاتا ہے' اس لیے یہ ارکان درحقیقت کعبہ کے وسط میں ہیں اور کعبہ کے کونے نہیں ہیں' اسی لیے ان کی تعظیم نہیں کی جاتی۔

سائل کا مقصد یہ تھا کہ باقی صحابہ تو کعبہ کے چاروں کونوں کو مَس کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور آپ صرف حجر اسود اور رکن یمانی کی تعظیم کرتے' جن کو سائل نے تغلیباً دو رکن یمانی کہا۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو رکن یمانی کے مقابل جو دو رکن شامی ہیں' اب ان کی تعظیم نہیں کی جاتی کیونکہ وہ قواعد ابراہیم پر نہیں ہیں' اس کے برخلاف ان کے مقابل جو دو کونے ہیں' یعنی حجر اسود اور رکن یمانی' وہ چونکہ قواعد ابراہیم پر ہیں' اس لیے ان کی تعظیم کی جاتی ہے' حجر اسود کو بوسہ بھی دیا جاتا ہے اور اس کو مَس بھی کیا جاتا ہے اور رکن یمانی کو صرف مَس کیا جاتا ہے' علامہ حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے: امام محمد نے کہا ہے کہ رکن یمانی کو بوسہ دے' علامہ شامی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کو بوسہ نہ دے' امام محمد کا قول بہت ضعیف ہے۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار ج ۳ ص ۴۵۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

کپڑوں اور ڈاڑھی کو زرد رنگ سے رنگنا

اس حدیث میں زرد رنگ سے رنگنے کے متعلق سوال ہے' حدیث کے الفاظ کپڑوں کو رنگنے اور بالوں کو رنگنے دونوں کو شامل ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دونوں کا رنگنا ثابت ہے۔ کپڑوں کو رنگنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ڈاڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے' حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ سے بھر جاتے تھے' ان سے کہا گیا کہ آپ زرد رنگ کے ساتھ کیوں رنگتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرد رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے اور مجھے اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے' اور وہ اپنے تمام کپڑوں کو حتیٰ کہ اپنے عمامہ کو بھی زرد رنگ سے رنگتے تھے (آپ نے زیادہ تر سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۶۴' سنن نسائی: ۵۱۰۰)

بالوں کو رنگنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے اور اپنی ڈاڑھی کو ورس اور زعفران (زرد رنگ) کے ساتھ رنگتے تھے اور حضرت ابن عمر بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۲۱۰، سنن نسائی: ۵۲۵۹)

احرام باندھنے کے وقت میں اختلافِ ائمہ اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر دلیل

احرام باندھنے کے وقت میں بھی اختلاف ہے' بعض کے نزدیک ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی اس کے استقبال کے لیے حج کا احرام باندھ لیا جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھتے تھے اور جب ان کو لے کر سواری چل پڑتی تھی' اس وقت تلبیہ پڑھتے تھے کیونکہ قبل از وقت احرام باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے: اس وقت احرام باندھے جب سواری اس کو لے کر چل پڑے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز پڑھنے کے بعد سواری پر بیٹھنے سے پہلے احرام باندھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ صحابہ کا احرام باندھنے کے وقت میں کیوں اختلاف ہے؟ تو حضرت ابن عباس نے اس کی وجہ بتائی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنے کے لیے نکلے' جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھ لی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حج کا احرام باندھ لیا اور تلبیہ پڑھا' جس کو لوگوں نے سنا' پھر آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور جب آپ کو لے کر اونٹنی چل پڑی تو آپ نے تلبیہ پڑھا اور جب لوگوں نے آپ سے تلبیہ سنا تو انہوں نے کہا: آپ نے احرام اس وقت باندھا' جب اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور جب آپ شرف البیداء پر پہنچے تو آپ نے تلبیہ پڑھا اور لوگوں نے اس کو سنا تو انہوں نے کہا: آپ نے احرام اس وقت باندھا' جب آپ شرف البیداء کی بلندی پر چڑھے اور اللہ کی قسم! آپ نے احرام اس وقت باندھا تھا' جب آپ مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے' پھر اس کے بعد آپ سواری پر بیٹھے اور جب وہ چل پڑی تو آپ نے تلبیہ پڑھا اور جب آپ شرف البیداء کی بلندی پر چڑھے تو پھر آپ نے تلبیہ پڑھا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۷۷۰)

سعید بن جبیر نے کہا: جس نے حضرت ابن عباس کے قول پر عمل کیا' وہ حج کے لیے جس جگہ دو رکعت نماز پڑھے تو وہیں نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھ لے اور جب روانہ ہو تو تلبیہ پڑھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۰-۳۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۷۱۴- ج ۳ ص ۴۹۰ پر ہے' وہاں اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے کی جگہ میں اختلاف روایات (۲) رکن یمانی کی تعظیم کی وجہ (۳) احرام کے لباس کو رنگنے کا جواز (۴) خضاب کا حکم۔

۳۱- بَابُ التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ
وضو اور غسل میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا

یعنی وضوء میں جن دو اعضاء کو دھویا جائے' ان میں دھونے کی ابتداء دائیں عضو سے کی جائے' اس سے پہلے باب میں پیروں کو دھونے کا ذکر تھا' اس میں بھی دائیں پیر کو پہلے دھویا جاتا ہے۔

۱۶۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِيْنَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُنَّ فِي غُسْلِ ابْنَتِهِ ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از حفصہ بنت سیرین از ام عطیہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی کو

غسل دینے کے متعلق ان سے فرمایا: ان کی دائیں طرف اور وضوء کی جگہوں سے غسل کی ابتداء کرنا۔

[اطراف الحدیث: ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳]

(صحیح مسلم: ۹۳۹' الرقم المسلسل: ۲۱۴۰' سنن ابوداؤد: ۳۱۴۵' سنن ترمذی: ۹۹۰' سنن نسائی: ۱۸۸۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۰۱۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۴۱' المعجم الکبیر: ۱۶۰۔ ج ۲۵' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۸۸' معرفۃ السنن والآثار ج ۵ ص ۲۲۴' المنتقی: ۵۱۹' مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۰۳۰۲۔ ج ۳۴ ص ۲۸۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: ان کو غسل دینے کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف اور حضرت ام عطیہ کا تذکرہ

(۱) مسدد بن مسرھد (۲) اسماعیل بن علیہ (۳) خالد الحذاء (۴) حفصہ بنت سیرین انصاریہ' محمد بن سیرین کی بہن' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) حضرت ام عطیہ بنت کعب انصاریہ رضی اللہ عنہا' ان کا نام نسیبہ ہے' یہ صحابیہ ہیں' یہ مُردہ عورتوں کو غسل دیتی تھیں اور بیمار عورتوں کا علاج کرتی تھیں اور زخمی عورتوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتی تھیں' انہوں نے آپ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی ہے اور غزوۂ خیبر میں شرکت کی ہے' انہوں نے ۴۰ احادیث کی روایت کی ہے' جن میں سے چھ یا سات حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں' وہ دونوں ایک ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں' ان سے بہت سے محدثین نے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۲)

حدیث مذکور میں آپ کی جس صاحب زادی کو غسل دینے کا ذکر ہے' وہ حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔۔۔ یا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا؟ اور دیگر مسائل

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحب زادی کو غسل دینے کے متعلق ان سے فرمایا۔

آپ کی اس صاحب زادی کا نام ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھا' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں' ان کو حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا اور حضرت ام عطیہ بھی ان کو غسل دینے کے موقع پر موجود تھیں اور انہوں نے غسل دینے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو روایت کیا ہے۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ یہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ (صحیح مسلم: ۹۳۹' الرقم المسلسل: ۲۱۳۸) یہ ۸ھ کے اوائل میں فوت ہوگئی تھیں' لیکن قاضی عیاض نے بعض اہل سیر سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت ام کلثوم تھیں اور کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سیدہ حضرت زینب تھیں' جیسا کہ امام مسلم کی روایت میں تصریح ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۳۸۸) اور ان میں تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت ام عطیہ نے حضرت سیدہ زینب کو غسل دیا تھا اور وہ سیدہ ام کلثوم کو غسل دینے کے موقع پر حاضر تھیں اور امام منذری نے اپنے حواشی میں ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ام کلثوم فوت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر میں مشغول تھے' لیکن یہ غلط ہے' وہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں اور جب حضرت ام کلثوم کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عزت مآب صاحب زادیاں مدفون ہوگئیں' علامہ نووی نے بھی یہی کہا ہے کہ جن کو غسل دیا گیا' وہ حضرت سیدہ زینب تھیں۔

چونکہ اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ''وضو کی جگہوں سے ابتداء کرنا'' اس سے معلوم ہوا کہ میت کو غسل دینے سے پہلے اس کو وضوء کرانا چاہیے اور یہ کہ اس کی دائیں طرف کے اعضاء کو پہلے دھونا چاہیے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۰۷۰۔ ج ۲ ص ۷۵۷ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

١٦٨- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَشْعَثُ بْنُ سُلَیْمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُهُ التَّیَمُّنُ فِیْ تَنَعُّلِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَطُهُوْرِهٖ وَفِیْ شَاْنِهٖ كُلِّهٖ.

[اطراف الحدیث: ٤٢٦_٥٣٨٠_٥٨٥٤_٥٩٢٦]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے اشعث بن سلیم نے خبر دی' انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا پسند تھا' جوتی پہننے میں اور کنگھی کرنے میں اور وضوء کرنے میں اور اپنے تمام کاموں میں۔

(صحیح مسلم: ٢٦٨' الرقم المسلسل: ٦٠٥' سنن ابوداؤد: ٤١٤٠' سنن ترمذی: ٦٠٨' سنن نسائی: ١١٢_٥٢٤٠' السنن الکبریٰ للنسائی: ٩٣٢٠' سنن ابن ماجہ: ٤٠١' مسند ابوداؤد الطیالسی: ١٤١٠' صحیح ابن خزیمہ: ١٧٩' مسند ابوعوانہ ج ١ ص ٢٢٢' صحیح ابن حبان: ١٠٩١' سنن کبریٰ ج ١ ص ٨٦' شعب الایمان: ٦٢٨٠' معرفۃ السنن والآثار: ٧٥٦' شرح السنۃ: ٢١٦' مسند احمد ج ٦ ص ٩٤ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٤٦٢٧_ج ٤١ ص ١٧٤' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے کہ آپ ہر کام میں دائیں طرف سے ابتداء کو پسند کرتے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) حفص بن عمر الحوضی البصری' یہ ثبت اور حجت ہیں' امام احمد نے کہا: ان پر ایک حرف کی بھی گرفت نہیں ہے' ٢٢٥ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے تھے (٢) شعبہ بن الحجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٣) اشعث بن سلیم' کوفہ کے ثقات میں سے ہیں (٤) سلیم بن الاسود المحاربی ابوالشعثاء' ان کی کنیت زیادہ مشہور ہے (٥) مسروق بن الاجدع الکوفی ابو عائشہ' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے' انہوں نے صحابہ کے ابتدائی دور کو پایا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بیٹا بنالیا تھا' پس انہوں نے اپنی بیٹی کا نام عائشہ رکھ دیا اور ان کی کنیت ابو عائشہ ہوگئی (٦) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٣)

حدیث مذکور کے بعض مسائل

اس حدیث میں ''تیمن'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دائیں طرف سے ابتداء کرنا' کسی چیز کو دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں جانب کا قصد کرنا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت حاصل ہے اور یہ کہ ہر کام میں دائیں جانب کو فضیلت حاصل ہے۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا: مسجد میں بہترین جگہ مسجد کی دائیں جانب ہے' سعید بن المسیب نے کہا: مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھے' ابراہیم کو یہ پسند تھا کہ مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھے' حضرت انس' حسن بصری اور ابن سیرین مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٧)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٥٣٧_ ج ١ ص ٩٣٧ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٣٢- بَابُ الْتِمَاسِ الْوَضُوْءِ اِذَا حَانَتِ الصَّلٰوةُ

جب نماز کا وقت آئے تو پانی کو طلب کرنا

باب سابق میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ وضوء میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا اور اس باب میں وضوء کے لیے پانی طلب کرنے کا

بیان ہے اور دونوں بابوں میں قدر مشترک وضوء ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَضَرَتِ الصُّبْحُ ، فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوْجَدْ ، فَنَزَلَ التَّيَمُّمُ.

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: صبح ہو گئی، پانی کو طلب کیا گیا تو پانی نہیں ملا، پھر تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

یہ تعلیق صحیح ہے اور یہ ایک حدیث کا قطعہ ہے، جس کو امام بخاری نے "کتاب التیمم" میں آیت تیمم کے نزول کے قصہ میں بیان کیا ہے اس کا مفصل ذکر صحیح البخاری: ۳۳۴ میں ہے۔

١٦٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوْءَ ، فَلَمْ يَجِدُوْهُ ، فَأُوْتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ ، فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ ، وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّؤُوْا مِنْهُ ، قَالَ فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ ، حَتّٰى تَوَضَّؤُوْا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِهِمْ. [اطراف الحدیث: ١٩٥۔ ٢٠٠۔ ٣٥٧٢۔ ٣٥٧٣۔ ٣٥٧٤۔ ٣٥٧٥]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا، پس لوگوں نے وضوء کے لیے پانی کو طلب کیا تو ان کو پانی نہیں ملا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برتن میں پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس برتن کے پانی سے وضوء کریں، حضرت انس نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی اُبل رہا تھا، حتیٰ کہ تمام لوگوں نے وضوء کر لیا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۷۹، الرقم المسلسل: ۵۸۳۲، سنن ترمذی: ۳۶۳۱، سنن نسائی: ۷۶، مسند الشافعی ج ۲ ص ۱۸۶، صحیح ابن حبان: ۶۵۳۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۲۳۴۸۔ ج ۱۹ ص ۳۵۲، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: پس لوگوں نے وضوء کے لیے پانی طلب کیا۔

اس حدیث کے رجال کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کے متعدد واقعات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کے پاس برتن میں پانی لایا گیا، بعض احادیث میں ہے: وسیع پیالہ لایا گیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۴) بعض احادیث میں ہے: شیشہ کا برتن لایا گیا، بعض احادیث میں ہے: آپ کے پاس ٹب لایا گیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے لوگوں کو وضوء کرنے کا حکم دیا، بعض روایات میں ہے کہ اس پانی سے ۷۰ صحابہ نے وضوء کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۴) بعض روایات میں ہے: ۸۰ صحابہ نے وضوء کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۵) بعض روایات میں ہے: پندرہ سو اصحاب نے وضوء کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۶) بعض روایات میں ہے: تین سو اصحاب نے وضوء کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۲) صحابہ کی تعداد میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کئی مواقع پر وضوء کے لیے پانی کم تھا اور آپ نے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی اُبلنے لگا، کسی موقع پر ستر صحابہ تھے، کسی موقع پر اسی صحابہ تھے، کسی موقع پر پندرہ سو صحابہ تھے، حضرت انس نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۶) اور کسی موقع پر تین سو صحابہ تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۲)

نبی ﷺ کے معجزات کا تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے زیادہ عظیم ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری تو اس کی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' وہ بھی بہت عظیم معجزہ تھا' لیکن رسول اللہ ﷺ کا معجزہ سب سے عظیم ہے' کیونکہ پتھر اور زمین کی تہہ میں عادۃً پانی موجود ہوتا ہے اور اگر معروف آلات سے زمین کو پانی تک کھودا جائے تو وہاں پانی نکل آتا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ آپ نے معروف آلات کے بغیر محض لاٹھی کی ضرب سے پانی نکال لیا' اور نبی ﷺ نے انگلیوں سے پانی نکالا' جہاں پر پانی عادۃً ہوتا نہیں ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وضوء کے لیے پانی کو طلب کرنا اس وقت واجب ہے' جب نماز کا وقت آ جائے کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کو اس پر ملامت نہیں کی کہ تم نے پہلے پانی کو کیوں تلاش نہیں کیا' اور اس حدیث میں معجزہ کا ثبوت ہے اور اس پر دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا معجزہ ہر نبی کے معجزہ کی جنس سے افضل ہوتا ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہا نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے زرہ بنا لیتے تھے اور نبی ﷺ کے لیے پتھروں کو نرم کر دیا گیا' احد پہاڑ آپ سے محبت کرتا تھا' آپ نے فرمایا: احد پہاڑ ہے' یہ ہم سے محبت کرتا ہے' ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (البخاری: ۱۴۸۲) جب کہ لوہا تو معروف اسباب سے پگھل کر نرم ہو جاتا ہے اور پتھر ٹوٹ تو جاتا ہے' نرم نہیں ہوتا' سو جس کی طبیعت میں نرمی نہیں ہوتی' وہ بھی آپ کے لیے نرم ہو گیا' حضرت سلیمان علیہ السلام سے پرندے کلام کرتے تھے تو آپ سے پتھروں نے کلام کیا' اور پرندوں کا کلام کرنا' اتنا باعث حیرت نہیں' کیونکہ ان کی زبان ہوتی ہے اور وہ بولتے ہیں' کمال تو آپ کا ہے کہ آپ سے پتھروں نے کلام کیا' جن کی زبان نہیں ہوتی۔

آپ نے فرمایا: بعثت کی راتوں میں مکہ کا ایک پتھر مجھ کو سلام کرتا تھا' میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۲۷۷' سنن ترمذی: ۳۶۲۴' مسند احمد ج ۵ ص ۸۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا' یہ بھی اتنا باعث حیرت نہیں' کیونکہ وہ مردے انسان تھے اور ان میں پہلے حیات تھی' لیکن آپ سے آپ کے منہ میں رکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑے نے کلام کیا اور اس میں حیات آ گئی اور علم آ گیا' اس نے آپ سے کہا: مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۱۲) درختوں میں حیات آ گئی' جن میں عادۃً حیات نہیں ہوتی اور وہ آپ کے بلانے پر اپنی جڑوں کو کھینچتے ہوئے چلے آئے' بلکہ کوئی ان کو پیغام دیتا کہ تم کو (سیدنا) محمد (ﷺ) بلاتے ہیں تو وہ السلام علیک یا رسول اللہ کہتے ہوئے چلے آتے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۲۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳) ان میں حیات آ گئی' قوت سماع آ گئی' قوت کلام آ گئی۔ حضرت علی بیان کرتے ہیں: آپ کے سامنے مکہ کا جو پہاڑ آتا یا درخت آتا' وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ۔ (سنن ترمذی: ۳۶۲۶)

غور کیجئے! درختوں کو آپ کا پیغام ملے تو وہ آپ کی اطاعت کرتے ہیں' اگر ہم کو آپ کا پیغام ملے اور ہم آپ کی اطاعت نہ کریں تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن درخت آگے ہوں اور ہم پیچھے ہوں' پتھر اور درخت بھی آپ پر سلام پڑھتے ہیں تو جو اپنے آپ کو مسلمان کہلا کر آپ پر سلام نہ پڑھے' وہ پتھروں اور درختوں سے بھی گیا گزرا ہے!

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۸۲۴۔ ج ۶ ص ۷۰۶ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) معجزہ کی تعریف (۲) رسول اللہ ﷺ کے معجزہ سے کم چیز زیادہ ہوئی' معدوم چیز موجود کیوں نہ ہوئی؟ (۳) جس چیز میں برکت ہو' اس کا حساب کرنے سے اس کی برکت کیوں ختم ہو جاتی ہے؟ (۴) نبی ﷺ کا غیب کی خبریں دینا۔

٣٣- بَابُ الْمَاءِ الَّذِیْ یُغْسَلُ بِهٖ شَعْرُ الْاِنْسَانِ

جس پانی سے انسان کا بال دھویا گیا ہو (اس کا شرعی حکم)

یہ باب اس پانی کے بیان میں ہے' جس سے بنو آدم کے بال دھوئے گئے ہوں اور اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں وضوء کے لیے پانی کو طلب کرنے کا ذکر تھا اور وضوء کے لیے پاک پانی کو طلب کیا جاتا ہے اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے بال پاک ہیں' پس جس پانی سے انسان کے بال دھوئے گئے ہوں' وہ بھی پاک ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں باب پاک پانی کے حکم پر مشتمل ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَرٰى بِهٖ بَاْسًا اَنْ يُّتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوْطُ وَالْحِبَالُ.

اور عطاء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں تھا کہ انسان کے بالوں سے دھاگے اور رسیاں بنائی جائیں۔

اس تعلیق کو امام محمد بن اسحاق الفاکہی نے "اخبارِ مکہ" میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عطاء بن ابی رباح اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ منیٰ میں انسانوں کے جو بال مونڈے جاتے ہیں' ان سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

عطاء بن ابی رباح کے قول سے معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہیں' تکریم بنو آدم کی وجہ سے ان بالوں سے رسیاں بنانا جائز نہیں ہے۔

جب انسان کے بال اس کے سر میں ہوں تو وہ بالاتفاق پاک ہیں' لیکن جب وہ بال کٹ کر یا مونڈ کر سر سے الگ ہو جائیں تو اختلاف ہے' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ پاک ہیں اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں' تاہم انہوں نے بھی نجاست کے قول سے رجوع کر لیا ہے۔

انسان کے بالوں کی طہارت یا نجاست میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ حسن بصری' عطاء اور اوزاعی نے کہا ہے کہ موت سے بال نجس ہو جاتے ہیں' لیکن دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں اور قاضی ابوالطیب نے کہا ہے کہ بال' اون اور ہڈی اور کھر میں حیات جاری ہوتی ہے اور یہ موت سے نجس ہو جاتے ہیں' یہی وہ مذہب ہے جس کو المزنی' البویطی' الربیع اور حرملہ نے امام شافعی سے روایت کیا ہے اور الکبری نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے آدمی کے بالوں کے نجس ہونے کے قول سے رجوع کر لیا۔

(شرح المہذب ج ٢ ص ٢٢٣' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٣ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مونڈے ہوئے بالوں میں مذاہب فقہاء

الماوردی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کے متعلق صحیح اور قطعی مذہب یہ ہے کہ وہ پاک ہیں' علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ الماوردی کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بالوں کے متعلق کوئی اور قول بھی ہے' ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور بعض شافعیہ نے تو یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے بالوں کے متعلق دو قول ہیں' اس قول کا قائل دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور اس شخص نے یہ کیسے کہا' جب کہ آپ کے فضلات کو بھی طاہر کہا گیا ہے تو آپ کے بالوں کے متعلق دو قول کیسے ہو سکتے ہیں۔

الماوردی نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے بال تبرک کے لیے تقسیم فرمائے تھے اور کسی چیز کا تبرک ہونا' پاک ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ علامہ عینی نے کہا: میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے بدتر قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٥٢' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کے متعلق علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تو اگر ہم یہ کہیں کہ آپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کے بال پاک ہیں تو آپ کے بال بہ طریق اولیٰ پاک ہیں اور اگر ہم کہیں کہ دوسروں کے بال نجس ہیں تو آپ کے بال کے متعلق دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ نجس ہیں کیونکہ جو چیز دوسروں کی نجس ہے' وہ آپ کی بھی نجس ہے' جیسے خون (معاذ اللہ۔ سعیدی غفرلہ) اور ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ آپ کے بال پاک ہیں' کیونکہ آپ نے حضرت ابوطلحہ کو اپنے بال دیئے' پس انہوں نے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ (المہذب ج ۱ ص ۱۱' دار الفکر بیروت)

اس عبارت کی شرح میں علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

مذہب صحیح قطعی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پاک ہیں اور جس نے کہا: آپ کے بال نجس ہیں' اس نے کہا: آپ نے بال تبرک کے لیے تقسیم کیے تھے اور تبرک نجس چیز کے ساتھ بھی ہوتا ہے' جس طرح پاک چیز کے ساتھ ہوتا ہے' اسی طرح یہ بات الماوردی اور دوسرے فقہاء نے کہی ہے اور بالوں کی جتنی مقدار صحابہ نے لی تھی' اتنی مقدار معاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ آپ کے بالوں کی طہارت قطعی ہے' جیسا کہ ابو جعفر ترمذی وغیرہ نے کہا ہے۔ (شرح المہذب ج ۲ ص ۲۲۷۔۲۲۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ)

الماوردی کے نزدیک آپ کے بالوں اور آپ کے فضلات کا نجس ہونا

علامہ بدر الدین عینی اور علامہ نووی نے جو قول الماوردی کی طرف منسوب کیا ہے' وہ بہر حال ان کی کتاب میں نہیں ہے' لیکن ان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں اور آپ کے فضلات کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب میں سے ابو جعفر ترمذی کا یہ زعم ہے کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال طاہر ہیں اور دوسرے لوگوں کے بال نجس ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جب اپنے بال منڈوائے تو ان کو اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا' اگر وہ بال نجس ہوتے تو آپ ان کو منع فرما دیتے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فضیلت کے ساتھ مختص ہونا متنازع نہیں ہے' الماوردی نے کہا: اور اگر یہ آپ کے بالوں کی طہارت کی دلیل ہے تو ابوطیبہ نے آپ کو فصد لگا کر آپ کا خون آپ کے سامنے پی لیا تھا۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲' اتحاف السنن ج ۲ ص ۳۱۷) تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آپ کا خون بھی پاک ہے؟ ابو جعفر نے کہا: آپ کا خون بھی پاک ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ آپ کسی شخص کو ناجائز کام پر برقرار رکھیں اور آپ نے ابوطیبہ کو خون پینے پر برقرار رکھا تھا۔

اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اب کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔ (دلائل النبوۃ: ۱۵۹' اتحاف السنن ج ۷ ص ۱۱' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱' کنز العمال: ۳۲۲۵۶)

تو کیا اب آپ کے پیشاب کو بھی پاک کہیں' ابو جعفر نے کہا: کیونکہ پیشاب طعام اور مشروب سے منقلب (بدلہ) ہوتا ہے اور بال اور خون اس طرح نہیں ہیں' وہ اصل خلقت سے ہیں' کسی چیز کا بدل نہیں ہیں۔

ابو جعفر پر یہ رد کیا گیا ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کو طاہر کہنے پر تمہاری یہ دلیل باطل ہو گئی کہ آپ نے ابوطیبہ کو خون پینے پر برقرار رکھا تھا' کیونکہ آپ نے اس عورت کو بھی پیشاب پینے پر برقرار رکھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت اور نجاست میں باقی امت کی طرح ہیں' جو چیز باقی امت کی پاک ہے' وہ آپ کی بھی پاک ہے اور جو چیز باقی امت کی نجس ہے' وہ آپ کی بھی نجس ہے (العیاذ باللہ! باقی امت کے بلغم سے گھن آتی ہے اور صحابہ آپ کے بلغم کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے' اپنے ہاتھوں پر لے کر اپنے چہرے اور جسم پر ملتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۲۔۲۷۳۱) سعیدی غفرلہ) اور آپ نے جو بال تقسیم کیے تھے' اس سے جو استدلال کیا ہے' اس پر یہ

اعتراض ہے کہ کئی مرتبہ آپ نے بالوں کو گرادیا اور ان کو تقسیم نہیں کیا' صرف ایک مرتبہ منٰی میں بالوں کو تقسیم کیا اور اس کے دو سبب تھے:
ایک اپنے اصحاب کو برکت پہنچانا اور دوسرا سبب تھا کہ جن کو بال عطا کیے' ان کو شرف اور فضیلت عطا کرنا' تا کہ وہ اس پر فخر کریں اور
بعض روایات میں ہے: آپ نے دوبارہ خون پینے سے ابوطیبہ کو منع کیا اور فرمایا: تمہارے جسم کو اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔

(الحاوی الکبیرج ا ص ٣٠۔٢٠١ دار الفکر بیروت' ١٤١٤ھ)

الماوردی نے صراحۃ یہ نہیں کہا کہ تبرک کے لیے کسی چیز کا پاک ہونا ضروری نہیں ہے' لیکن ان کی بحث سے لازم یہی آتا ہے'
اسی لیے علامہ نووی نے اور علامہ عینی نے کہا ہے کہ الماوردی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منڈائے ہوئے بال نجس ہیں اور آپ
نے جو اپنے اصحاب میں بال تقسیم کیے تھے' وہ برکت پہنچانے کے لیے تھے اور برکت پہنچانے کے لیے اس چیز کا پاک ہونا شرط نہیں
ہے اور الماوردی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون اور پیشاب بھی نجس ہے۔ (العیاذ باللہ!)

شیخ تھانوی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

اسی طرح شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ١٣٦٢ھ نے بھی اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے:

بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے: میں نے پیا اور مجھے
پتا نہیں تھا اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی'
پھر خون نگل لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور دوسری روایت میں دوبارہ نہ پینا' کیونکہ ہر خون
حرام ہے' پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (بوادر النوادر ص ٤٤٩' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور)

شیخ تھانوی نے اس پر غور نہیں کیا کہ کسی چیز کا حرام ہونا' اس کی نجاست کو مستلزم نہیں ہے' انسان کا گوشت کھانا بھی حرام ہے' لیکن
وہ نجاست کی بناء پر حرام نہیں ہے' کرامت کی بناء پر حرام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا پینا تو بہ طریق اولیٰ کرامت کی وجہ سے
حرام ہو گا نہ کہ نجاست کی بناء پر۔

الماوردی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منڈائے ہوئے بال اور آپ کے فضلات نجس ہیں (العیاذ باللہ) لیکن بہ کثرت علماء
شافعیہ کے نزدیک آپ کے بال مبارک اور آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

بعض غیر مقلد علماء کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

معروف غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی متوفی ١٣٨٤ھ لکھتے ہیں:

ام ایمن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مٹی کا پیالہ تھا' جس میں آپ رات کو (عذر کی بناء پر) پیشاب کیا
کرتے تھے۔ ایک رات میں پیاسی ہو گئی پس غلطی سے وہ پیشاب پی لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس میں نے اس کا ذکر کیا۔
فرمایا: اس دن کے بعد تجھے کبھی پیٹ کا درد نہیں ہو گا۔ اس روایت سے آپ کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا' کیونکہ غلطی سے
پیا گیا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ تیرے پیٹ میں درد نہیں ہو گا' یہ علاج ہے۔ بعض نجس چیز بھی علاج بن جاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ چونکہ یہ غلطی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہوئی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس نجس چیز کو
اس کے لیے شفاء بنا دیا' بہر صورت اس غلط فعل کو طہارت کی دلیل بنانا غلط ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ا ص ٢٥١۔٢٥٠' مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ' سرگودھا)

حیرت ہے کہ یہی صاحب جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب کو نجس لکھا ہے یہی مصنف نہیں بلکہ ہر وہ جانور جس کا گوشت کھایا

جاتا ہو اُس کے پیشاب کو نہ صرف پاک بلکہ حلال قرار دیتے ہیں۔ اُن کی عبارت درج ذیل ہے:

قضیب گاؤ (بیل کا آلۂ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے' مگر یہ مذہب صحیح نہیں۔ بلکہ ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو) کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶)

تاہم بعض غیر مقلد علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کو پاک لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

آنحضرت کے تو تمام فضلات تک پاک اور طاہر تھے' آپ پر دوسرے آدمیوں کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے۔

(تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۷۹' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ' لاہور' ۱۹۹۰ء)

اکثر شافعیہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلاتِ مبارکہ طاہر ہیں

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا' تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال مکرم ہے' اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا' علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں' کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا' اور حق یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے' جو تمام مکلفین کا ہے' ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون' منی' بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے' اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے' اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۷' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کر دیں۔ فنقول و باللہ التوفیق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے' پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی' آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے' اس کو ڈھانپ لے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۷۰ طبع قدیم المستدرک: ۶۹۵۰ طبع جدید المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ' کنز العمال: ۳۲۲۵۳' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۵ طبع جدید' ۱۴۱۸ھ' علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا: اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے' نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۱ طبع جدید' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے اس کو نگل لے۔ (الفردوس بماثور الخطاب: ۱۴۳' جمع الجوامع: ۶۹۰۳' کنز العمال: ۳۲۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا' آپ رات کو اٹھ کر

اس میں پیشاب کرتے تھے ایک رات میں اٹھی مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے اس کو میں نے پی لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے' حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں' پھر آپ نے فرمایا: سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہو گا۔[1] (المستدرک ج ۴ ص ۶۴۔ ۶۳ طبع قدیم' المستدرک: ۶۹۱۲ طبع جدید' المعجم الکبیر: ۲۳۰۔ ج ۲۵ ص ۸۹' کنز العمال: ۳۲۲۵۶' جمع الجوامع: ۲۷۵۴۹' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۲۰۷۔ ۱۰۸۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۲۱' الطبع الجدید' ۱۴۱۸ھ)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا' جس میں آپ پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے' آپ نے اس میں پیشاب کیا' پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی' ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا' جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھی' آپ نے ان سے پوچھا: وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا' آپ نے فرمایا: تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔ (المعجم الکبیر: ۴۷۷۔ ج ۲۴ ص ۱۸۹' المعجم الکبیر: ۵۲۷۔ ج ۲۴ ص ۲۰۶۔ ۲۰۵' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷' تاریخ دمشق الکبیر: ۵۲۰۰۔ ج ۷۳ ص ۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲۔ ۳۲۱ طبع جدید' ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی' آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے اس کو غائب کر دیا' آپ نے فرمایا: شاید تم نے پی لیا' میں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۴۳۶' حافظ الہیثمی نے کہا: بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی' آپ نے فرمایا: یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں' پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو' میں نے اس کو چھپ کر پی لیا' پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنسے۔ (المعجم الکبیر: ۶۴۳۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰' التاریخ الکبیر للبخاری: ۵۳۱۸۔ ۲۵۲۴۔ ج ۴ ص ۱۸۰' المطالب العالیہ: ۳۸۴۸' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبدالرحمن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا' ان سے کہا گیا: کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا' اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ (المعجم الاوسط: ۹۰۹۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴) (حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے' جس کے ضعف پر اجماع ہو' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابوسعید خدری کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا' حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا' ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو' انہوں نے کہا: نہیں! خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی

[1] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا' ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی' جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا: تم صحت مند رہو گی' سو وہ تاحیات بیمار نہیں ہوئیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴)

آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کو دیکھ لے پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳ رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبد اللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فصد لگائی جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبد اللہ! اس خون کو ایسی جگہ گرا دو جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے حضرت ابن الزبیر کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا! دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا: میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو! آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ (حلیۃ الاولیاء' ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم حلیۃ الاولیاء: ۱۱۶۷-۱۱۶۶ طبع جدید' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم' سنن دار قطنی: ۸۷۱ طبع جدید' المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم' المستدرک: ۶۳۴۳ طبع جدید' تاریخ دمشق الکبیر: ۶۲۲۵-۶۲۲۴- ۶۲۲۳-۶۲۲۲' ج ۳۰ ص ۱۲۵-۱۲۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷' تلخیص الحبیر: ۱۸- ج ۱ ص ۴۳- ۴۲' کنز العمال: ۳۷۲۲۴-۳۳۵۹۱' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹-۹۸' الطبع الجدید ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا' اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے' حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کر دی تھی' بنو امیہ کو اس پر افسوس ہوا' یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا' پھر عبد الملک بن مروان نے اپنے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا' بالآخر سترہ جمادی الاولیٰ ۷۲ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنو امیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے یہ جو فرمایا کہ تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی' اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○ (مریم: ۷۲-۷۱)

اور بے شک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا' یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ○

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی' اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دوہرا عذاب ہو' ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہوگا اور دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا' حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جز یا مومن فقد اطفأ نورك لهبي.

اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ٢٢ ص ٢٥٨، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں، مجمع الزوائد: ١٨٤٤٦)

حضرت ابو سمینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں "ورود" کا معنی دخول ہے، پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور مؤمنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی، پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ٣ ص ١٥٩، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: ١٨٤٤٧)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ٧٢-٧١ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ٣ ص ١١٨، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢١ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں، اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (رد المحتار ج ١ ص ٥٣٤، دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٩ھ)

ہم نے اس سے پہلے علامہ عینی کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک آپ کے فضلات طاہر ہیں، لیکن حیرت ہے کہ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ١٣٥٢ھ نے لکھا ہے: مجھے عینی میں یہ عبارت نہیں ملی۔ (فیض الباری ج ١ ص ٢٥١، مطبع حجازی قاہرہ)

اسی طرح شیخ کشمیری کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

فرمایا: یہ مسئلہ تو سب کتابوں میں پایا جاتا ہے، مگر خود ائمہ مذاہب سے نقول نہیں ملتیں، البتہ "مواہب" میں امام ابو حنیفہ سے ایک قول نقل ہوا ہے، جو عینی کے حوالے سے ہے، مگر مجھے ابھی تک عینی میں وہ عبارت نہیں ملی ہے۔

(انوار الباری ج ٦ ص ٣٥٠، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

... - وَسُؤْرِ الْكِلَابِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ

کتوں کا جھوٹا اور ان کا مسجد میں گزرنا

اس کا عطف بھی عنوان پر ہے، اس باب کے دو جز ہیں، یعنی جس پانی سے انسان کا بال دھویا گیا ہو اس کا حکم اور کتے کے جھوٹے پانی اور ان کے مسجد میں گزرنے کا حکم۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ. وَقَالَ سُفْيَانُ هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهِ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ (النساء: ٤٣). وَهٰذَا مَاءٌ. وَفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ. يَتَوَضَّأُ

اور زہری نے کہا: جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے اور انسان کے پاس کوئی اور پانی نہ ہو، جس سے وہ وضوء کرے تو وہ اس پانی سے وضوء کرے، سفیان نے کہا: یہ بعینہ فقہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "پس تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو" (النساء: ٤٣) اور یہ پانی

به ویتیمم‘ ہے اوراس سے دل میں کچھ تردد ہے تو اس پانی سے وضوء کرے اور تیمم کرے۔

یہاں سفیان سے مراد سفیان ثوری ہے انہوں نے کہا: جب کتے کے جھوٹے کے سوا اور کوئی پانی نہ ہو تو اس سے وضوء کرے اور چونکہ دل میں اس سے کچھ تردد ہے تو اس کے بعد تیمم بھی کرے۔

١٧٠- حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ، أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ، فَقَالَ لَأَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از عاصم از ابن سیرین انہوں نے کہا: میں نے عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال ہے جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یا حضرت انس کے گھر والوں کی طرف سے ملا تھا تو انہوں نے کہا: میرے پاس آپ کا ایک بال ہو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

اس حدیث کو صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) مالک بن اسماعیل ابوغسان النہدی‘ یہ حجت اور عابد تھے‘ ان سے امام مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین نے روایت کی ہے‘ ٢١٩ھ میں فوت ہو گئے تھے (٢) اسرائیل بن یونس‘ ان کا تعارف ہو چکا ہے (٣) عاصم بن سلیمان البصری‘ یہ ثقہ اور حافظ ہیں‘ ١٤٢ھ میں فوت ہو گئے تھے (٤) محمد بن سیرین‘ ان کا تعارف ہو چکا ہے (٥) عبیدہ بن عمرو السلمانی‘ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان لے آئے تھے اور آپ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی‘ ان سے بہت سے محدثین نے روایت کی ہے‘ یہ ٧٢ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ٣ ص ٥٥)

امام بخاری نے اس باب کے دو عنوان قائم کیے تھے: ایک اس پانی کا حکم بیان کرنا‘ جس سے انسان کے بال کو دھویا گیا ہو‘ دوسرا کتے کے جھوٹے کا حکم بیان کرنا‘ زہری کے قول سے انہوں نے کتے کے جھوٹے کا حکم بیان کیا اور حدیث: ١٧٠ سے انسان کے بال کا حکم بیان کیا۔

انسان کے سر سے بال الگ ہونے کے بعد ان کے طاہر ہونے پر دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے امام شافعی کے اس قول کو رد کرنے کا اشارہ کیا ہے کہ انسان کا بال جب اس کے جسم سے الگ ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور اگر وہ پانی میں گر جائے تو وہ پانی بھی نجس ہو جاتا ہے‘ پھر عطا کے قول اور حدیث: ١٧٠ سے یہ استدلال کیا کہ انسان کا بال طاہر ہے‘ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں کو بہ طور تبرک صحابہ میں تقسیم کیا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کے بال اور اس کے ناخن اس کے جسم سے الگ ہو جائیں تو وہ طاہر ہیں‘ کیونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال سی کر رکھا ہوا تھا‘ جنگ یمامہ میں ان کے سر سے ٹوپی گر گئی تو ان کو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے عین حالت جنگ میں وہ ٹوپی اٹھائی ان کے اصحاب کو یہ بہت ناگوار ہوا‘ کیونکہ اس وقفہ میں کئی مسلمان شہید ہو گئے‘ حضرت

خالد نے کہا: میں نے اس ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے اس کو نہیں اٹھایا' بلکہ میں نے اس وجہ سے اس ٹوپی کو اٹھایا ہے کہ مبادا یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھوں میں آ جائے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال مبارک ہو۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۶۹۔ دارالکتب العلمیہ 'بیروت' ۱۴۲۴ھ)

١٧١- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ، كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن سلیمان نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں عباد نے حدیث بیان کی' از ابن عون از ابن سیرین از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر منڈایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص تھے' جنہوں نے آپ کے بال لیے۔

(صحیح مسلم: ۱۳۰۵' الرقم المسلسل: ۳۰۹۷-۳۰۹۶' سنن ابوداؤد: ۱۹۸۲-۱۹۸۱' سنن ترمذی: ۹۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۱۱۶' مسند الحمیدی: ۱۲۲۰' صحیح ابن خزیمہ: ۲۹۲۸' صحیح ابن حبان: ۳۸۷۹' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۲۰۹۲- ج ۱۹ ص ۱۴۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث میں انسان کے بال کے طاہر ہونے پر دوسری دلیل ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن عبد الرحیم صاعقہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) سعید بن سلیمان الضبی البزار الواسطی' ان سے امام بخاری اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے' انہوں نے ۶۰ حج کیے تھے' یہ ایک سو سال کی عمر گزار کر ۲۲۵ھ میں فوت ہو گئے (۳) عباد بن عوام الواسطی ابوسہل' یہ ثقہ اور صدوق تھے' امام احمد نے کہا: یہ مضطرب الحدیث تھے اور محمد بن سعد نے کہا: یہ متشیع تھے' ہارون نے ان کو گرفتار کر کے پھر رہا کر دیا تھا' یہ ۱۸۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) عبداللہ بن عون' یہ تابعی تھے اور اپنے زمانہ میں سید القراء تھے' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) محمد بن سیرین (۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۷) حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ' یہ حضرت ام سلیم جو حضرت انس کی والدہ تھیں' ان کے خاوند تھے' حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل بن الاسود البخاری تھا' یہ بدر' احد اور تمام مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے' ۳۳ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے۔ حضرت عثمان بن عفان نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۵)

یہ انصار کے نقباء میں سے تھے' انہوں نے ۹۲' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور امام مسلم دو حدیثوں پر متفق ہیں' امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم دوسری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں' حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین میں حضرت ابوطلحہ نے بیس کافروں کو قتل کیا تھا' جنگ احد میں وہ بہت بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے ان کا ایک ہاتھ شل ہو گیا تھا' حضرت انس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد یہ چالیس سال زندہ رہے (اور جنگ جمل میں شہید کیے گئے۔ سعیدی غفرلہ)۔ (خلاصۃ تذہیب الکمال ج ۱ ص ۳۸۷' دارالکتب العلمیہ 'بیروت' ۱۴۲۲ھ)

احباب کو عطیات عطاء کرنا اور دیگر مسائل

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں اپنے سر کے بال تقسیم کیے' اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اصحاب کو عطیات دے کر انہیں خوش رکھنا چاہیے۔

(۲) جب اپنے اصحاب کو خوش کرنے کے لیے عطیات دیئے جائیں تو اس میں مساوات لازم نہیں ہے۔
(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کی وجہ سے سر کا منڈانا سنت یا مستحب ہے۔
(۴) حدیبیہ میں آپ کا سر خراش نے مونڈا تھا اور اس موقع پر معمر بن عبد اللہ نے آپ کا سر مونڈا تھا۔
(۵) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں کی تعظیم ہے اور تبرک عطا کرنے کا جواز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال سے تبرک حاصل کرنے اور اس کو حفاظت سے رکھنے کا ثبوت ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۱ دار المعرفہ بیروت)

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم میں

باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۳۰۴۹۔ ج ۳ ص ۵۴۴ پر مذکور ہے اور اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
① یوم نحر کو افعال حج کی ترتیب ② علماء احناف کی موافقت حدیث ③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم اور تکریم ④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک سے تبرک کے ثبوت میں فقہاء اسلام کی عبارات ⑤ موئے مبارک اور فضلات شریفہ کی طہارت اور بعض علماء کے تسامح اور علمی غلطیوں کا بیان ⑥ فضلات شریفہ کی طہارت پر دلائل۔

۔۔۔ بَابُ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا

جب تم میں سے کسی ایک کے برتن سے کتا پی لے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھوئے

۱۷۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی الزناد از اعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی ایک کے برتن سے (پانی) پی لے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھوئے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۹، الرقم المسلسل: ۶۲۳، سنن نسائی: ۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۶۳، موطأ امام مالک ج ۱ ص ۳۴، مسند الشافعی ج ۱ ص ۲۳، المنتقیٰ: ۵۰، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۰۷، سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۴۰، شرح السنۃ: ۲۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۰ طبع قدیم، مسند احمد: ۹۹۲۹۔ ج ۱۶ ص ۲۳، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو سات مرتبہ دھویا جائے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف کیا جا چکا ہے۔

کتے کے جھوٹے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:
جس پانی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے:

زہری' امام مالک اور امام اوزاعی کا یہ قول ہے کہ یہ پانی طاہر ہے' اس سے وضوء اور غسل کرنا جائز ہے' جب اس کے سوا کوئی اور پانی نہ ملے اور سفیان ثوری' ابن الماجشون اور امام مالک کے اصحاب میں سے ابن مسلمہ نے یہ کہا ہے کہ اس پانی سے وضوء بھی کرے اور تیمم بھی کرے' انہوں نے اس پانی کو مشکوک قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ' ان کے اصحاب' لیث ' امام شافعی اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ جس پانی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے' وہ پانی نجس ہے۔ ابن القصار مالکی نے کہا کہ کتے کے جھوٹے کے پاک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آپ نے اس کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے اور اگر اس میں نجاست ہوتی تو آپ اس کو ایک مرتبہ دھونے کا حکم دیتے کیونکہ نجاست کو دھونے میں عبادت یہ ہے کہ اس کو زائل کیا جائے نہ یہ کہ اس کو کئی مرتبہ دھویا جائے اور یہ جائز ہے کہ کسی پاک چیز کو کسی وجہ سے کئی مرتبہ دھویا جائے' جیسے اعضاء وضوء کو دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ دھویا جاتا ہے' حالانکہ غرض ایک مرتبہ دھونے سے پوری ہو جاتی ہے اور امام مالک نے کہا ہے کہ جب کتا کھانے میں منہ ڈال دے تو وہ کھانا کھایا جائے گا اور حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا۔

نیز ابن القصار مالکی نے کہا ہے کہ کتوں کے طاہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ شریعت میں یہ ثابت ہے کہ طاہر وہ چیز ہے' جس سے نفع اٹھانے کو بغیر کسی ضرورت کے ہمارے لیے مباح کر دیا گیا ہو' جب کہ اس سے نفع نہ اٹھانا بھی ہماری قدرت میں ہو اور نجس وہ چیز ہے' جس سے نفع اٹھانے سے ہمیں منع کر دیا گیا ہو' جب کہ اس سے نفع اٹھانا ہماری قدرت میں ہو اور اس پر دلائل قائم ہیں کہ بغیر کسی ضرورت کے کتوں سے نفع اٹھانا جائز ہے' جیسے شکاری کتے ہیں اور کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتے ہیں' اور کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم تغلیظاً ہے کیونکہ مہمانوں اور گزرنے والوں کے خوف کی وجہ سے انہیں کتوں کو رکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۷۶۔ ۲۷۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

کتے کے جھوٹے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کتے نجس ہیں کیونکہ طہارت یا تو حدث سے حاصل ہوتی ہے یا نجس سے' یہاں پر حدث تو ہے نہیں' اس لیے یہ متعین ہو گیا کہ کتے کے منہ ڈالنے سے برتن نجس ہو جائے گا' اسی لیے اس کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے' کیونکہ کتا جب پانی کے برتن میں منہ ڈالے گا تو اس کا لعاب اس برتن میں لگے گا اور لعاب اس کے گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ اس کا گوشت نجس ہے اور اس کا جھوٹا بھی نجس ہے' امام مالک اور امام بخاری جو کتے کو پاک کہتے ہیں' ان کے نزدیک کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم تعبدی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

کتے کے منہ ڈالنے سے برتن کے نجس ہو جانے پر ہماری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھوئے اور پہلی بار مٹی سے دھوئے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۹' الرقم المسلسل: ۶۳۹' سنن دارقطنی: ۱۸۱۔ ۱۸۰' ابن عدی فی الکامل ج ۳ ص ۸۸۲)

اس حدیث میں آپ نے کتے کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کا طریقہ بتایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا برتن نجس ہے اور اس کو سات مرتبہ دھونا تعبدی حکم نہیں ہے' بلکہ حصول طہارت کا حکم ہے' اور سات مرتبہ دھونا استحباب کے لیے ہے' ورنہ طہارت تین مرتبہ دھونے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ نے فرمایا: جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس چیز کو گرا دو اور اس برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔
(سنن دار قطنی: ۱۹۳۔ ۱۹۲' ابن عدی فی الکامل ج ۲ ص ۱۷۷' شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۴)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۵۸۔ ج ۱ ص ۹۵۷ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) کتے کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کا نظریہ (۲) کتے کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کا نظریہ۔

۱۷۳- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعْتُ أَبِيْ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتّٰى أَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ.
[اطراف الحدیث: ۲۳۶۳-۲۴۶۶-۶۰۰۹]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمان بن عبد اللہ بن دینار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے کیچڑ کھا رہا تھا' پھر اس شخص نے اپنے موزہ کو پکڑا اور اس کتے کے لیے چلو میں پانی لیا' حتیٰ کہ (خوب پانی پلا کر) اس کتے کو سیراب کر دیا' اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی قدر افزائی کی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۴۴' الرقم المسلسل: ۵۷۵۱' سنن ابوداؤد: ۲۵۵۰' الادب المفرد: ۳۷۸' صحیح ابن حبان: ۵۴۴' مسند الشہاب: ۱۱۳' سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۸۶-۱۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۶۱ ۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسحاق بن منصور الکوسج نیشاپوری' امام مسلم نے کہا: یہ ثقہ مامون ہیں' ائمہ میں سے ایک ہیں' ۲۵۱ ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان سے امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے (۲) عبد الصمد بن عبد الوارث' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) عبد الرحمان بن عبد اللہ بن دینار المدنی العدوی' یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے' ان میں کلام کیا گیا ہے لیکن یہ صدوق ہیں' ان سے امام بخاری نے روایت کی ہے' امام مسلم نے نہیں کی اور امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے (۴) ان کے والد عبد اللہ بن دینار' یہ بھی حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے' یہ تابعی ہیں' یہ قوی نہیں ہیں (۵) ابو صالح الزیات ذکوان' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۳-۶۲)

اللہ تعالیٰ کے شکر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کا شکر کیا' شکر کا معنی ہے: احسان اور انعام کرنے والے نے جو نعمت عطا کی ہے' اس پر اس کی تعریف کرنا' اور یہاں اس سے مراد صرف تعریف اور تحسین ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے اس نیک کام کو سراہا اور اس کی قدر افزائی کی' یا اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے اس نیک کام کی جزا دی اور کسی کا شکر ادا کرنا بھی درحقیقت اس کی نیکی کی جزا دینا ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کب ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا واقعہ ہے' اسی لیے اس شخص کا نام نہیں لیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی نیکی کرنی چاہیے اس شخص نے ایک کتے کے ساتھ نیکی کی اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا' ایک عورت نے ایک بلی کو باندھ کر رکھا' نہ اس کو کچھ کھانے کو دیا' نہ اس کو آزاد کیا کہ وہ باہر جا کر کچھ کھالیتی' وہ بھوک سے مرگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو دوزخ میں داخل کر دیا۔ (صحیح مسلم:۹۰۴) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے' ایک کتے کو پانی پلانے پر جنت عطا کر دیتا ہے اور ایک بلی پر ظلم کرنے سے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

حدیث مذکور سے کتے کی طہارت پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں کہ مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھرا اور اس موزہ سے کتے کو پانی پلایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس موزہ میں اس کتے کا جھوٹا پانی باقی رہا اور چونکہ اس حدیث میں اس موزہ کو دھونے کا ذکر نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس نے اس موزہ کو پہنا اور اس سے نماز پڑھی' پس معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ (شرح ابن بطال ج۱ ص ۲۶۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس آدمی نے اپنے موزہ سے کتے کو پانی پلایا' حتیٰ کہ کتے کا منہ موزہ سے مس ہوا ہو' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے چلو میں موزہ سے پانی لے کر اس چلو سے پانی کتے کے منہ میں ڈالا ہو اور اگر موزہ سے اس کا منہ لگا کر ہی پانی پلایا ہو تو بعد میں اس موزہ کو دھولیا ہو اور حدیث میں دھونے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے دھویا نہ ہو کیونکہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا' اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور اگر بالفرض نہ دھویا ہو اور کتے کا جھوٹا پاک ہو' پھر بھی یہ پچھلی شریعت کا واقعہ ہے اور ہم پر حجت نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ جن جانوروں کے مالک ہوں' ان پر ان کو کھلانا اور پلانا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۴)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۷۴۳۔ ج ۶ ص ۱۲۲ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح میں صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے اور انہیں کھلانا پلانا چاہیے۔

١٧٤- وقال احمد بن شبيب حدثنا ابى' عن يونس' عن ابن شهاب قال حدثني حمزة بن عبد الله' عن ابيه قال كانت الكلاب تبول وتقبل و تدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم' فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور احمد بن شبیب نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب' انہوں نے کہا: مجھے حمزہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں کتے پیشاب کرتے تھے اور آتے جاتے رہتے تھے' پس وہ اس کی وجہ سے پانی نہیں ڈالتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۲' صحیح ابن خزیمہ: ۳۰۰)

یہ وہ حدیث ہے' جس کو امام بخاری نے پہلے تعلیقاً ذکر کیا تھا اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا تھا کہ کتا پاک ہے اور اس کا جھوٹا پاک ہے اور اس کا مسجد سے گزرنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) احمد بن شبیب بن سعید التمیمی البصری' یہ امام بخاری کے شیخ ہیں' انہوں نے اس حدیث کے علاوہ ان کی کوئی اور روایت ذکر

نہیں کی' یہ صدوق ہیں' امام نسائی نے ان کی روایت ذکر کی' یہ ۲۰۰ھ کے بعد مکہ میں فوت ہو گئے تھے (۲) ان کے والد شبیب مذکور' یہ یونس کے اصحاب میں سے تھے اور تجارت کے لیے مصر آتے جاتے رہتے تھے (۳) یونس بن زید ایلی (۴) ابن شہاب محمد بن مسلم الزہری' ان دونوں کا تعارف پہلے ہو چکا ہے (۵) حمزہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما' ابو عمارہ القرشی العدوی المدنی التابعی' یہ ثقہ ہیں اور قلیل الحدیث ہیں (۶) ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۴)

مسجد میں کتوں کے آنے جانے اور پیشاب کرنے کی توجیہ

چونکہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور پیشاب بھی کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا اور مسجد کو دھونے کا حکم نہیں دیا' اس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ کتے پاک ہیں اور بہ ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتوں کا پیشاب بھی پاک ہو' لیکن یہ بہت بعید ہے' کتوں کے پیشاب کرنے سے مسجد کی زمین نجس ہو جاتی تھی اور اس کو دھونے کا حکم اس لیے نہیں دیا جاتا تھا کہ زمین خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور چونکہ شروع میں مسجد میں دروازے نہیں تھے' اس لیے کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ کتے مسجد میں اسی وقت آتے جاتے ہوں گے' جب مسجد میں کوئی نمازی نہیں ہوتا ہوگا۔

کتوں کو طاہر کہنے والوں کا رد اور کتوں کے مسجد میں پیشاب کرنے کی مزید توجیہات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ان لوگوں کی کوئی دلیل نہیں ہے جو کہتے ہیں: کتے طاہر ہیں اور ان کا پیشاب بھی طاہر ہے' کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ کتوں کا پیشاب نجس ہے' پہلے مسجد بند نہیں کی جاتی تھی اور کتے ان میں آتے جاتے تھے اور پیشاب بھی کرتے تھے' مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے پیشاب کرنے کا علم نہیں تھا اور نہ آپ کے اصحاب کو اس کا علم تھا اور نہ راوی کو یہ علم تھا کہ کتوں نے کس جگہ پیشاب کیا ہے اور اگر اس کا علم ہوتا تو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ کو دھونے کا حکم دیتے' جیسا کہ آپ نے اعرابی کے پیشاب کرنے کے بعد اس جگہ کو دھونے کا حکم دیا تھا' یہ اس پر دلیل ہے کہ پیشاب جس کا بھی ہو' وہ نجس ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی یہ تاویل ہے کہ کتے مسجد میں پیشاب نہیں کرتے تھے' بلکہ مسجد کی ملحقہ جگہوں میں پیشاب کرتے تھے اور راستہ عبور کرنے کے لیے مسجد میں آتے جاتے تھے' کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ کتوں کو رات میں مسجد میں آنے دیا جائے' حتیٰ کہ وہ پیشاب کر کے مسجد کو نجس کریں' ان کا مسجد میں آنا جانا نادر اوقات میں ہوتا تھا اور اس دور میں مسجد کے دروازے نہیں تھے' جس سے کتوں کے آنے میں رکاوٹ ہوتی۔ (معالم السنن للخطابی مختصر المنذری ج ۱ ص ۲۲۶' دار المعرفہ بیروت)

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ علامہ خطابی نے یہ تاویل فقہاء احناف کی مخالفت کی وجہ سے کی ہے' کیونکہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جب زمین پر کوئی نجاست لگ جائے اور وہ دھوپ سے خشک ہو جائے اور ہوا سے اس کے اثرات نکل جائیں تو وہ زمین نماز پڑھنے کے لیے پاک ہو جاتی ہے' اس میں امام شافعی' امام احمد اور امام زفر کا اختلاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے: زمین کا خشک ہونے کے بعد پاک ہونا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۳۔ ج ۱ ص ۱۵۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ اس پر پانی نہیں بہاتے تھے' یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک زمین خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور خطابی کی تاویل کے مردود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ کتے مسجد میں پیشاب کرتے

تھے اور انہوں نے کہا تھا: کتے مسجد کی ملحقہ جگہ میں پیشاب کرتے تھے۔ اس حدیث کی سب سے عمدہ تاویل یہ ہے کہ یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ ہے جب کہ ممانعت سے پہلے ہر چیز اصل میں مباح تھی' بعد میں مساجد کی تکریم کا اور ان کو پاک کرنے کا اور ان میں دروازے بنانے کا حکم دیا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ٦٦۔ ١٥ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

کتوں کی طہارت پر علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی القرطبی المتوفی ٤٤٩ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے کہ کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور وہ غالباً اپنی ناک بھی رگڑتے ہوں گے اور پانی کو چاٹتے ہوں گے اور کھانے کا بچا کھچا بھی کھاتے ہوں گے' کیونکہ مسجد میں مسافر طلباء رہتے تھے اور وفود بھی آتے رہتے تھے اور مسجد اہل الصفہ کا مسکن تھا' اگر کتے نجس ہوتے تو ان کو مسجد میں داخل ہونے سے منع کر دیا جاتا' کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ نجاست کو مسجد سے دور رکھا جائے' قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا. (التوبۃ:٢٨)
مشرکین محض نجس ہیں' سو اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں'

حدیث میں ہے کہ کتے مسجد میں آتے جاتے تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے بار بار مسجد میں آتے جاتے تھے اور ان کو کوئی منع نہیں کرتا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کتے نجس نہیں ہیں۔ (شرح ابن بطال ج ١ ص ٢٧٦' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٤ھ)

علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن بطال نے کتے کے پاک ہونے پر جو دلائل دیئے ہیں' وہ سب ان کے گمان اور اندازوں پر مبنی ہیں' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کتوں کا آنا اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسجد خالی ہو' نمازیوں کے ہوتے ہوئے کتے کیسے آ سکتے تھے' اس لیے کسی کے منع کرنے یا نہ کرنے کا کیا سوال تھا' نیز کتے کا صرف لعاب نجس ہے' اس کا جسم نجس نہیں ہے اور یہ کسی حدیث میں تصریح نہیں ہے کہ کتے کا لعاب مسجد میں لگا تھا' اور حدیث میں جو کتوں کے مسجد میں پیشاب کرنے کا ذکر ہے' اس کی توجیہ میں علامہ ابن بطال نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ نے علامہ ابن بطال کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اصحاب صفہ مسجد میں کھاتے پیتے بھی تھے اور کتوں کی عادت ہے کہ وہ کھانے پینے کی چیزیں ڈھونڈ کر کھاتے ہیں اور جب کھائیں گے تو ان کا لعاب بھی گرے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مسجد کی طہارت میں شک ہوگا اور پہلے مسجد کی طہارت کا یقین تھا اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا' نیز اس حدیث سے کتوں کے طاہر ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں کتوں کے پیشاب کرنے کا بھی ذکر ہے اور کتوں کے پیشاب کی نجاست پر اتفاق ہے' لہٰذا اس حدیث سے کتوں کے طاہر ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے' پھر اس پر یہ اعتراض کیا کہ بعض کے نزدیک کتوں کا کھانا جائز ہے' لہٰذا ان کے نزدیک کتوں کا پیشاب پاک ہوگا اور ابن وہب مالکی نے کہا ہے کہ آدمی کے سوا تمام حیوانات کا پیشاب پاک ہے۔ (فتح الباری ج ١ ص ١٦٧' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)

ہم اس سے پہلے حدیث: ١٥٦ کی شرح میں ''المدونۃ الکبریٰ'' ج ١ ص ٢٠ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک تمام جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور بہ ظاہر امام بخاری کا بھی یہی موقف ہے کہ کتے کا پیشاب پاک ہے' اس لیے انہوں نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس کے خلاف انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور نہ کتوں کے مسجد میں پیشاب کرنے کی کوئی تاویل کی' اسی وجہ

سے اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی نے فرمایا: امام بخاری نے اس حدیث سے کتے کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۷۵- حَدَّثَنِيْ حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ ابْنِ اَبِي السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ، وَاِذَا اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ، فَاِنَّمَا اَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهِ. قُلْتُ اُرْسِلُ كَلْبِي فَاَجِدُ مَعَهٗ كَلْبًا اٰخَرَ؟ قَالَ فَلَا تَاْكُلْ، فَاِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰى كَلْبٍ اٰخَرَ.

[اطراف الحدیث: ۲۰۵۴-۵۴۷۵-۵۴۷۶-۵۴۷۷-۵۴۸۳-۵۴۸۴-۵۴۸۵-۵۴۸۶-۵۴۸۷-۷۳۹۷]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے حفص بن عمر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابن ابی السفر از شعبی از حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب تم نے اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑا اور اس نے (شکار) کو قتل کر دیا تو تم کھالو اور جب اس نے (اس میں سے کچھ) کھالیا تو تم اس کو مت کھاؤ کیونکہ اس کتے نے اس کو اپنے لیے شکار کیا ہے' میں نے کہا: میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں' پھر میں اس کے ساتھ ایک دوسرا کتا پاتا ہوں' آپ نے فرمایا: پھر تم مت کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور تم نے دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۹' الرقم المسلسل: ۴۸۸۸' سنن ابوداؤد: ۲۸۴۷' سنن ترمذی: ۱۴۶۵' سنن نسائی: ۴۲۷۸' سنن ابن ماجہ: ۳۲۱۵' السنن الکبریٰ: ۴۷۷۵' المنتقی: ۹۱۴' مسند ابوعوانہ ج ۵ ص ۱۲۸' المعجم الکبیر: ۱۴۴-ج ۱۷' سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۳۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۷۵' سنن دارمی: ۲۰۰۳' مسند الحمیدی: ۹۱۳' الاستذکار: ۲۱۸۵۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۶ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۸۲۴۵-ج ۳۰ ص ۱۷۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث سے امام بخاری نے اپنے مؤقف پر استدلال کیا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) حفص بن عمر (۲) شعبہ بن الحجاج (۳) ابن ابی السفر الکوفی (۴) الشعبی' ان کا نام عامر ہے' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ' یہ ۴ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۶۶ احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری اور مسلم ان میں سے تین حدیثوں پر متفق ہیں اور امام مسلم دو حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں' یہ مختار کے زمانہ میں کوفہ آئے تھے' اس وقت ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی اور ۱۰۰ھ میں قرقیسیا میں فوت ہو گئے' ابوحاتم السجستانی نے لکھا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم کی عمر ۱۸۰ سال تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۶)

حدیث مذکور سے امام مالک کا کتے کے جھوٹے کی طہارت پر استدلال اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کا کیا ہوا شکار جائز ہے' حالانکہ وہ شکار کو منہ سے پکڑ کر لاتا ہے اور اس سے اس کے منہ کا لعاب بھی شکار پر لگتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ شکار کو دھو کر کھانا' اس سے معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے اسی وجہ سے امام مالک نے کہا کہ اگر کتے کا لعاب نجس ہے تو شکاری کتے کا کیا ہوا شکار کھانا کیسے جائز ہوگا؟ الاسماعیلی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کا شکار کرنا ذکاۃ اور ذبح کے قائم مقام ہے' اور اس میں اس کی نجاست کا ثبوت ہے نہ نفی ہے اور اس کے لعاب کے نجس ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ شکار کے خون کو دھو لینا' کیونکہ جب وہ اپنی کچلیوں سے شکار کو زخمی کرے گا تو اس کا خون تو نکلے گا لیکن چونکہ مسلمانوں میں یہ مقرر اور معروف تھا کہ خون نجس

ہے اور اس کو دھویا جاتا ہے اس لیے خون دھونے کو آپ نے ان کے عرف کی طرف مفوض کر دیا اسی طرح آپ نے کتے کے لعاب کے دھونے کو بھی ان کے عرف کی طرف مفوض کر دیا کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ مقرر اور معروف تھا کہ کتے کا جھوٹا نجس ہے اور آپ نے اس کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کے لیے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۷۔۱۷۶ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

شکار کرنے کے بعض احکام

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکاری کتے کو شکار پر چھوڑا جائے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو تیسری شرط یہ ہے کہ کتا شکار کو اپنے مالک کے لیے رکھے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔

کھانے کی ضرورت اور دیگر فوائد اور ضروریات کے لیے شکار کرنا جائز ہے اور محض شغل اور کھیل کود کی وجہ سے شکار کرنا حرام ہے۔

٣٤- بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوْءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ

جس کے نزدیک صرف پیشاب اور پاخانے کے راستہ سے کسی چیز کے نکلنے سے وضوء ٹوٹتا ہے

امام بخاری فرماتے ہیں:

لقوله تَعَالٰى ﴿أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ (النساء: ٤٣). وَقَالَ عَطَاءٌ. فِيْمَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّوْدُ أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمْلَةِ. يُعِيْدُ الْوُضُوْءَ.

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے آئے" (النساء: ٤٣، المائدہ: ٦) اور عطاء نے کہا: جس شخص کی سرین سے کیڑا نکل آئے یا اس کے آلہ سے جوں کی مثل کوئی چیز نکل آئے وہ وضوء دہرائے۔

یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ: ١٢ ۴ ۔ ج ١ ص ٤٣ پر مذکور ہے۔

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلٰوةِ أَعَادَ الصَّلٰوةَ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوْءَ.

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے کہا: جب کوئی شخص نماز میں ہنسے تو وہ نماز کو دہرائے اور وضوء کو نہ دہرائے۔

اس معلق حدیث کو امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے روایت کیا ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: ایک شخص نماز میں ہنستا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ نماز دہرائے اور وضوء نہ دہرائے۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ١ ص ٢٤٢ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٢ھ)

امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وضوء نہیں ٹوٹتا اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے نماز اور وضوء دونوں ٹوٹ جاتے ہیں اور صرف ہنسنے سے نماز ٹوٹتی ہے وضوء نہیں ٹوٹتا اور صرف تبسم سے وضوء ٹوٹتا ہے نہ نماز قہقہہ وہ ہے کہ نمازی خود بھی اس کی آواز سنے اور اس کے ساتھ کھڑا ہوا شخص بھی سنے اور ہنسی وہ ہے کہ وہ خود اس کی آواز سنے دوسرا نہ سنے اور تبسم وہ ہے جس میں بالکل آواز نہ نکلے امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت معبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ایک نابینا نماز پڑھنے آیا وہ ایک گڑھے میں گر گیا تو نمازی ہنسنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے قہقہہ لگایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد مڑ کر فرمایا: تم میں سے جو قہقہہ مار کر ہنسا ہے وہ وضوء اور نماز

وہرائے۔(سنن دار قطنی:۶۱۱'التحقیق لابن الجوزی:۲۳۹'الخلافیات للبیہقی ج ا ص ۳۸۲)

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِهٖ اَوْ اَظْفَارِهٖ' اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ فَلَا وُضُوْءَ عَلَيْهِ.

اور الحسن (البصری) نے کہا: اگر اس نے اپنا بال توڑا یا ناخن تراشے یا موزے اتارے تو اس پر وضو نہیں ہے۔

پہلی تعلیق ''مصنف ابن ابی شیبہ'':۱۷۵۔ج ا ص ۵۵ پر ہے' اور دوسری تعلیق ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۹۶۸) امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر اس نے اپنا بال توڑا یا ناخن تراشا تو اس پر وضوء کرنا واجب ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر اس نے وضوء کے بعد اپنا سر منڈوایا' یا مونچھیں تراشیں یا ناخن تراشے یا ایک موزہ برہنہ کیا اس پر دوبارہ وضو نہیں ہے اور اگر اس نے دونوں موزے اتار دیئے تو امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ وہ دوبارہ وضوء کرے گا' امام مالک نے کہا: وہ اس کی تلافی میں دونوں پیر دھوئے گا' ورنہ دوبارہ وضوء کرے گا' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: جب وہ وضوء کا ارادہ کرے گا تو دونوں پیر دھوئے گا' یہی امام شافعی کا قول جدید ہے۔(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۳)

وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ.

اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا: وضوء صرف حدث سے واجب ہوتا ہے۔

یہ حدیث ''مسند احمد'' ج ۲ ص ۴۱۰ میں ہے' علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ وضوء صرف پیشاب اور پاخانے کی جگہ سے کسی چیز کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے' لیکن حدیث کے الفاظ عام ہیں' جو نیند' بے ہوشی' جنون اور کسی جگہ سے خون نکلنے کو بھی شامل ہیں۔

وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ' فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ' فَنَزَفَهُ الدَّمُ' فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰى فِيْ صَلَاتِهٖ.

اور حضرت جابر رضی اللہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع میں تھے تو ایک شخص کو تیر مارا گیا' جس سے اس کا خون جاری ہو گیا' وہ رکوع اور سجود کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

یہ مکمل حدیث کا ایک قطعہ ہے' مکمل حدیث اس طرح ہے:

حضرت جابر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں گئے تو ایک شخص نے کسی مشرک کی عورت کو قتل کر دیا تو اس مشرک نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک نہیں رکے گا حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں خون نہ بہا لے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات پر چلتا ہوا نکلا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام کیا' آپ نے فرمایا: ہماری کون حفاظت کرے گا؟ مہاجرین میں سے ایک شخص اور انصار میں سے ایک شخص نے کہا: ہم حاضر ہیں! آپ نے فرمایا: تم گھاٹی کے منہ پر پہرا دینا' جب وہ دونوں شخص گھاٹی کے منہ پر گئے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا اور وہ مشرک بھی پہنچ گیا' جب اس نے ایک شخص کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ وہ قوم کا پہرہ دار ہے' اس نے اپنا تیر نکالا اور کمان میں رکھ کر تیر چھوڑ دیا' حتیٰ کہ اس نے تین تیر مارے اور وہ انصاری رکوع اور سجود کرتا رہا' پھر اس کا مہاجر ساتھی بیدار ہوا' جب مشرک نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا' اور جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! تم کو جب پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انصاری نے کہا: میں جو سورت پڑھ رہا تھا' میں نے اس کو منقطع کرنا پسند نہیں کیا۔(سنن ابوداؤد:۱۹۸)

امام شافعی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ پاخانے اور پیشاب کے راستوں کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے خون نکلے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا' ورنہ اس انصاری کو جب پہلا تیر لگا تھا تو وہ اسی وقت نماز توڑ دیتا اور اس کے بعد وہ بے وضو نماز پڑھتا نہ رہتا' ہم اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوتا' جب وہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے یہ واقعہ بیان کرتا اور آپ اس کو نماز دہرانے کا حکم نہ دیتے' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اس کو تین بار مسلسل تیر لگے اور خون بہتا رہا تو لازماً اس کے کپڑوں پر بھی خون لگا ہو گا اور خون امام شافعی کے نزدیک بھی نجس ہے تو اس کے کپڑے نجس ہو گئے اور نجس کپڑوں کے ساتھ نماز نہیں ہوتی' اس وقت اگر نماز میں محو ہونے کی وجہ سے اس کی توجہ جسم سے خون نکلنے اور کپڑوں کے خون آلودہ اور نجس ہونے کی طرف نہیں ہوئی تو بعد میں اس نے نماز دہرائی ہو گی یا جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا ہو گا تو آپ نے نماز دہرانے کا حکم دیا ہو گا۔

اور خون نکلنے سے وضوء کے ٹوٹنے پر ہماری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: یارسول اللہ! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ مجھے استحاضہ آتا رہتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی' کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: یہ خون کسی رگ سے آتا ہے اور یہ حیض نہیں ہے' پس جب حیض آئے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون صاف کر کے دھولو' ہشام نے کہا: میرے والد نے بیان کیا' آپ نے فرمایا: تم ہر نماز کے لیے وضوء کرو حتیٰ کہ (دوسری نماز کا) وقت آ جائے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۶) ہر نماز کے لیے وضوء کرو' حتیٰ کہ اس نماز کا وقت آ جائے' یہ الفاظ امام ترمذی کی روایت میں ہیں۔ (سنن ترمذی: ۱۲۵)

خون نکلنے سے وضوء ٹوٹنے کے ثبوت میں علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس حدیث کو بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۶-۷۵) لیکن میرے نزدیک اس حدیث سے وضوء ٹوٹنے پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ استحاضہ کا خون اگرچہ رگ سے نکلتا ہے لیکن اس کا خروج پیشاب کے راستہ سے ہوتا ہے اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ پاخانے اور پیشاب کے راستوں کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے خون نکلے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور استحاضہ کا خون پیشاب کے راستہ سے نکلتا ہے' اس لیے یہ حدیث ان کے خلاف حجت نہیں ہے۔

ہاں نکسیر آنے سے جو خون نکلتا ہے' اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہو گی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو (نماز میں) قے آ جائے یا نکسیر آ جائے یا اس کے پیٹ سے کوئی چیز نکل کر منہ تک آ جائے یا اس کو مذی آ جائے تو وہ مڑ کر واپس جائے' پس وضوء کرے اور اسی نماز پر بناء کرے اور اس دوران میں کلام نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۲۲۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب (نماز میں) نکسیر آ جاتی تو وہ نماز سے مڑ کر واپس جاتے' پس وضوء کرتے' پھر واپس آ کر اسی نماز پر بناء کرتے اور (اس دوران) کلام نہیں کرتے تھے۔ (موطأ امام مالک: ۸۱' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام مالک' یزید بن عبداللہ بن قسیط اللیثی سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے دیکھا کہ سعید بن مسیب کو نماز پڑھتے ہوئے نکسیر آ گئی' وہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آئے' ان کے پاس پانی لایا گیا' انہوں نے وضوء کیا' پھر واپس آ کر اسی نماز پر بناء کی۔ (موطأ امام مالک: ۸۳)

رسول اللہ ﷺ کے صریح ارشاد اور صحابہ کے تعامل سے ثابت ہے کہ اگر نماز کے دوران نکسیر آ جائے یعنی ناک سے خون نکل آئے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور دوبارہ وضوء کر کے اسی نماز پر بناء کی جاتی ہے۔

فقہاء تابعین کا بھی یہی موقف ہے:

ابراہیم نے کہا: جب خون بہ جائے تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۵۸)

حسن بصری کے نزدیک صرف بہنے والے خون سے وضوء ٹوٹتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۵۹)
عطاء نے کہا: جب ناک سے خون نکل کر ظاہر ہو جائے تو اس سے وضوء واجب ہو جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۶۲)

وَقَالَ الْحَسَنُ مَازَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِيْ جِرَاحَاتِهِمْ. اور حسن بصری نے کہا: اور مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔

حسن بصری کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کے زخموں سے خون بہتا رہتا تھا اور وہ نماز پڑھتے رہتے تھے' کیونکہ ہم ابھی '' مصنف ابن ابی شیبہ'': ۱۴۵۹ سے نقل کر چکے ہیں کہ حسن بصری کے نزدیک بہنے والے خون سے وضوء ٹوٹ جاتا تھا بلکہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان زخمی ہونے کے بعد نماز ترک نہیں کرتے بلکہ زخموں کی دوا دارو اور مرہم پٹی کرنے کے بعد نماز پڑھتے رہتے تھے۔

وَقَالَ طَاوٗسٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، وَعَطَاءٌ، وَاَهْلُ الْحِجَازِ لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوْءٌ. اور طاؤس اور محمد بن علی اور عطاء اور اہل حجاز نے کہا: خون نکلنے میں وضوء نہیں ہے۔

ان فقہاء تابعین کے قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ صرف خون کے ظہور سے وضوء واجب نہیں ہوتا' بلکہ خون کے بہنے سے وضوء واجب ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے عطاء نے یہ کہا ہے کہ جب ناک سے خون نکل کر ظاہر ہو جائے تو اس سے وضوء واجب ہو جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۶۲) البتہ طاؤس کے نزدیک بہنے والے خون سے بھی وضوء نہیں ٹوٹتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۳-۱۴۷۰) لیکن یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے۔

وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً، فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی پھنسی کو دبایا تو اس سے خون نکلا اور انہوں نے وضوء نہیں کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اثر فقہاء احناف کے خلاف نہیں ہے' کیونکہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ جو خون نکل کر بہے اور اس جگہ تک پہنچے' جس کا دھونا ضروری ہے' اس سے وضوء ٹوٹتا ہے اور کسی پھنسی یا زخم کو دبا کر خون نکالنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

وَبَزَقَ ابْنُ اَبِيْ اَوْفٰى دَمًا فَمَضٰى فِيْ صَلَاتِهٖ. اور حضرت ابن ابی اوفی نے خون تھوکا تو وہ نماز پڑھتے رہے۔

حضرت ابن ابی اوفی کا نام عبد اللہ ہے اور ابو اوفی کا نام علقمہ بن الحارث ہے' حضرت ابن ابی اوفی صحابی ابن صحابی ہیں' یہ بیعت رضوان اور بعد کے تمام مشاہد میں حاضر ہوئے تھے' یہ کوفہ میں فوت ہونے والے صحابہ میں آخری تھے' ان کی بینائی جاتی رہی تھی' یہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی ہے اور ان سے حدیث روایت کی ہے اور متعصب منکرین جو اس کا انکار کرتے ہیں' ان کے قول کی طرف التفات نہ کیا جائے' کیونکہ اس وقت حضرت امام ابوحنیفہ کی عمر سات سال تھی کیونکہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صحابی ان کے شہر میں مقیم ہوں اور انہوں نے ان کی زیارت نہ کی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۸۔۷۷)

حضرت ابن ابی اوفی نے جو خون تھوکا تھا' اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ خون معدہ سے آیا تھا یا دانتوں سے' اگر معدہ سے خون آیا ہو تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور اگر دانتوں سے خون آیا ہو اور خون مغلوب ہو' پھر بھی وضوء نہیں ٹوٹتا اور خون غالب ہو تو پھر وضوء ٹوٹ جاتا ہے' لیکن یہ متعین نہیں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيمَنْ يَحْتَجِمُ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ.

اور حضرت ابن عمر اور حسن بصری نے کہا: جو شخص فصد لگوائے اس پر صرف یہ واجب ہے کہ وہ فصد کی جگہ کو دھولے۔

فقہاء احناف کی طرف سے اس اثر کا یہ جواب ہے کہ جو خون نکالا گیا ہو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا' دوسرا جواب یہ ہے کہ فصد لگوانے سے فوراً وضوء کرنا تو لازم نہیں ہے' وضوء کرنا تو اس وقت لازم ہوگا' جب وہ فصد لگوانے کے بعد نماز پڑھیں گے اور اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے' علاوہ ازیں بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ خون نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے' ان میں سے بعض ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور بعض یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی نماز میں نکسیر آ جائے تو وہ نماز سے مڑ کر جائے' خون کو دھوئے' پھر اپنے وضوء کو دہرائے اور دوبارہ نماز پڑھے۔

(سنن دار قطنی: ۵۵۱' المعجم الکبیر: ۱۱۳۷۴' الکامل بن عدی ج ۳ ص ۲۵۴)

ابن جریج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پیٹ سے طعام اس کے منہ تک پہنچا' یا جس نے قے کی یا جس کو نکسیر آئی' وہ مڑ کر جائے' پس وضوء کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن دار قطنی: ۵۵۷' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

ابن جریج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آئے یا اس کے پیٹ سے طعام اس کے منہ تک آ جائے تو وہ واپس جائے' پس وضوء کرے اور لوٹ کر آئے' پھر نماز میں جہاں سے گیا تھا' وہاں سے نماز پوری کرے' جب تک کہ اس نے کلام نہ کیا ہو' اس حدیث کی مثل ابن ابی ملیکہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

(سنن دار قطنی: ۵۶۰' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

سنن دار قطنی: ۵۶۲ میں ابن جریج کے والد سے' سنن دار قطنی: ۵۶۴ اور ۵۶۵ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکسیر آنے کی صورت میں دوبارہ وضوء کرنے کا حکم دیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا' میری ناک سے خون بہہ رہا تھا' آپ نے فرمایا: نیا وضوء کرو۔ (سنن دار قطنی: ۵۶۶' دار المعرفہ بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضوء نہیں ہے' مگر یہ کہ بہنے والا خون ہو۔ (سنن دار قطنی: ۵۷۱' دار المعرفہ بیروت)

اس کے علاوہ سنن دار قطنی: ۵۷۲' سنن دار قطنی: ۵۷۳' میں بھی خون نکلنے سے وضوء کرنے کے متعلق احادیث ہیں' ان میں سے بعض احادیث کے بعض رجال پر امام دار قطنی نے جرح بھی کی ہے' لیکن اولاً تو ہم نے ان احادیث اور آثار کو صحیح السند احادیث کی تائید میں ذکر کیا ہے' ثانیاً یہ اتنی کثیر تعداد میں احادیث ہیں کہ ان کے مجموعہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' ثالثاً ان احادیث کو امام دار قطنی کے علاوہ دوسرے مصنفین نے بھی اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور ان کثیر احادیث اور آثار سے یہ مسئلہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ انسان کے بدن سے خون نکلے اور بہہ جائے تو اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے۔ وللہ الحمد

١٧٦- حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے

اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ صَلٰوةٍ ، مَا كَانَ فِی الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ ، مَالَمْ يُحْدِثْ ، فَقَالَ رَجُلٌ اَعْجَمِیٌّ مَا الْحَدَثُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قَالَ الصَّوْتُ يَعْنِی الضَّرْطَةَ.

[اطراف الحدیث: ٤٧٧-٦٥٩-٣٢٢٩]

حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کا اس وقت تک نماز میں شمار ہوتا ہے جب تک وہ مسجد میں نماز کا انتظار کرتا رہے جب تک وہ حدث نہ کرے یعنی وہ وضوء نہ توڑے۔ ایک عجمی شخص نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! حدث کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آواز سے ہوا خارج کرنا۔

(سنن ابوداؤد: ٤٦٩ 'سنن ترمذی: ٣٣٠ 'سنن نسائی: ٧٣٢ 'سنن ابن ماجہ: ٧٩٢ 'مسند ابوعوانہ ج ٢ ص ٢٢ 'صحیح ابن حبان: ١٧٥٣ 'سنن بیہقی ج ٢ ص ١٨٥ 'مسند احمد ج ٢ ص ٤٨٦ طبع قدیم 'مسند احمد: ١٠٣٠٨ 'ج ١٦ ص ٢٠٨ 'مؤسسۃ الرسالۃ 'بیروت)

اس باب کا عنوان تھا: جس کے نزدیک صرف پیشاب اور پاخانے کے راستہ سے کسی چیز کے نکلنے سے وضوء ٹوٹتا ہے اور آواز کے ساتھ جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ بھی پاخانے کے راستہ سے خارج ہوتی ہے اور اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

اس حدیث کے تمام رجال کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ بندہ کا اس وقت تک نماز میں شمار ہوتا ہے جب تک وہ مسجد میں نماز کا انتظار کرتا ہے اس میں نماز کا انتظار کرنے کی فضیلت ہے کیونکہ عبادت کا انتظار کرنا بھی عبادت ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ جب اس عجمی شخص نے پوچھا: حدث کیا ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: آواز سے ہوا خارج کرنا' حالانکہ بغیر آواز کے ہوا خارج کرنا بھی حدث ہے اور حدث کی اور بھی کئی صورتیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ سائل اسی خاص صورت کا حکم جاننا چاہتا ہے۔

١٧٧- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از عباد بن تمیم از عم خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: اس وقت تک نماز سے مڑ کر نہ جائے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بدبو نہ محسوس کرے۔

اس حدیث کی بھی باب کے عنوان سے مطابقت اسی طریقہ سے ہے' جس طریقہ سے ہم نے اس سے پہلی حدیث کی مطابقت بیان کی ہے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ١٣٧ کو ملاحظہ فرمائیں۔

١٧٨- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْاَعْمَشِ ، عَنْ مُنْذِرٍ اَبِیْ يَعْلَى الثَّوْرِیِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً ،

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از منذر ابویعلی الثوری از محمد بن الحنفیہ' وہ بیان کرتے ہیں

فَاسْتَحْيَيْتُ اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهٗ ، فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ . وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ.

کہ حضرت علی رضی اللہ نے کہا: میں ایسا شخص تھا' جسے مذی بہت آتی تھی' پس مجھے حیاء آئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کروں تو میں نے المقداد بن الاسود سے کہا کہ وہ آپ سے سوال کریں تو آپ نے فرمایا: اس میں وضوء ہے۔اس حدیث کو شعبہ نے بھی الاعمش سے روایت کیا ہے۔

اس سے پہلی دو حدیثوں میں پاخانے کے راستے سے کسی چیز کے خارج ہونے کا ذکر تھا' جس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں پیشاب کے راستہ سے کسی چیز کے خارج ہونے کا ذکر ہے' جس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور باب کے عنوان میں ذکر تھا کہ جس راستہ سے بھی کوئی چیز خارج ہو اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۱۳۲ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۷۹- حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ يَحْيٰى ، عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ اَرَاَيْتَ اِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ؟ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّاُ كَمَا يَتَوَضَّاُ لِلصَّلٰوةِ ، وَيَغْسِلُ ذَكَرَهٗ. قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَسَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا ، وَالزُّبَيْرَ ، وَطَلْحَةَ ، وَاُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ.

[طرف الحدیث: ۲۹۲] (صحیح مسلم: ۳۴۷ ' الرقم المسلسل: ۷۶۵ ' صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۴ ' صحیح ابن حبان: ۱۲۷ ' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۴ ' شرح معانی الآثار: ۲۹۳۔ ج ۱ ص ۶۸ ' مسند احمد ج ۱ ص ۶۳ طبع قدیم ' مسند احمد: ۴۴۸۔ ج ۱ ص ۵۰۰ ' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ کہ عطاء بن یسار نے ان کو خبر دی کہ زید بن خالد نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ سے یہ سوال کیا: میں نے کہا: یہ بتایئے کہ جب کوئی شخص جماع کرے اور اس کی منی نہ نکلے (تو کیا حکم ہے؟)' حضرت عثمان نے کہا: وہ اس طرح وضوء کرے' جس طرح نماز کے لیے وضوء کرتا ہے اور اپنے آلہ کو دھولے' حضرت عثمان نے کہا: میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے' (زید بن خالد نے کہا:) پھر میں نے حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت طلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے اس کا سوال کیا تو ان سب نے مجھے اسی طرح کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس وجہ سے ہے کہ اس حدیث میں آلہ سے منی نہ نکلنے کا ذکر ہے' جب کہ عادۃً ایسی صورت میں منی نکل آتی ہے اور باب کے عنوان میں یہی ذکر تھا کہ دو راستوں میں سے کسی ایک راستہ سے کوئی چیز نکل آئے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہاں مناسبت اس راستہ سے کوئی چیز نہ نکلنے میں ہے اور اس سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث میں کل گیارہ رجال ہیں' پانچ حدیث کے راوی ہیں:

(۱) سعد بن حفص کوفی (۲) شیبان بن عبد الرحمان النحوی (۳) یحییٰ بن ابی کثیر بصری تابعی (۴) ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الرحمان تابعی (۵) عطاء بن ابی یسار المدنی' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

ان کے بعد چھ مشہور صحابہ کا ذکر ہے' جن کا تعارف پہلے ہو چکا ہے: (۱) حضرت زید بن خالد الجہنی (۲) حضرت عثمان بن عفان

(۳) حضرت علی (۴) حضرت زبیر (۵) حضرت طلحہ (۶) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۸۲)

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال ہونے سے پہلے اپنا آلہ باہر نکال لے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے آلہ کو دھوئے اور وضوء کرے اور اس پر غسل واجب نہیں ہے لیکن ''کتاب الغسل'' کے آخر میں آئے گا کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا اور اس پر غسل کرنا فرض ہے۔ (فتح الباری ج ا ص ۲۰ ۷ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۲۶ھ)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٦٨٨۔ ج ا ص ۱۰۳٦ پر ہے۔ وہاں اس کی شرح میں غسل جنابت کے سبب پر بحث کی گئی ہے۔

۱۸۰- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ هُوَ ابْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلَى رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَجَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ؟ فَقَالَ نَعَمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی' جو ابن منصور ہیں' انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از حکم از ذکوان ابی صالح' از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک شخص کو بلایا' وہ اس حال میں آیا کہ اس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید ہم نے تم کو جلدی بلالیا' اس نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو جلدی بلالیا جائے یا تمہاری منی نہ نکلی ہو (انزال نہ ہوا ہو) تو پھر تم پر وضوء لازم ہے۔

تَابَعَهُ وَهْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ. قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ وَيَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ، الْوُضُوْءُ.

اس حدیث میں النضر کی وہب نے متابعت کی ہے' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا: غندر اور یحییٰ نے شعبہ کی روایت سے وضوء کا لفظ نہیں کہا۔

(صحیح مسلم: ۳۴۵' الرقم المسلسل: ۷٦۲' سنن ابن ماجہ: ٦۰٦' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۸۹' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۸۵' مسند ابوعوانہ ج ا ص ۲۸٦' شرح معانی الآثار: ٦۹' صحیح ابن حبان: ۱۱۷۱' سنن بیہقی ج ا ص ۱٦۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۱۱٦۲۔ ج ۱۷ ص ۲۵۳' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی حدیث سابق کی مثل ہے کیونکہ باب کا عنوان تھا کہ دو راستوں میں سے کسی ایک راستہ سے کسی چیز کا نکلنا' اور جب جماع کیا جائے اور انزال سے پہلے آلہ کو نکال لیا جائے تو منی تو نہیں نکلتی لیکن مذی وغیرہ نکلتی ہے' اس لیے اس حدیث میں اس صورت میں وضوء کو واجب فرمایا ہے' لیکن جیسا کہ ہم نے حدیث: ۱۷۹ میں لکھا تھا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے' جس کو ہم ابھی ان شاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) اسحاق بن منصور بن بہرام (۲) النضر بن شمیل ابوالحسن المازنی البصری (۳) شعبہ بن الحجاج (۴) الحکم بن عتیبہ (۵) ابوصالح ذکوان الزیات (٦) حضرت ابوسعید الخدری سعد بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۰۱)

قرائن اور قیافہ سے کوئی حکم لگانا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انصاری کو دیکھ کر فرمایا: شاید ہم نے تم کو جلدی بلا لیا' یعنی تم انزال سے پہلے اپنی بیوی سے الگ ہو گئے اور غسل کر کے فوراً آ گئے' اس حدیث میں قرائن اور قیافہ سے کوئی خبر دینے کا ثبوت ہے' کیونکہ اس انصاری نے جب آنے میں اتنی دیر کر دی' جتنی دیر میں غسل کیا جا سکتا ہے اور جب وہ آیا تو اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر صحابہ اتنی دیر نہیں کرتے تھے تو آپ نے ان قرائن سے سمجھا کہ وہ اپنی بیوی سے جماع میں مشغول تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو ہمیشہ طہارت پر رہنا چاہیے کیونکہ آپ نے اس صحابی کو اس پر ملامت نہیں کی کہ اس نے غسل کرنے کی وجہ سے آنے میں دیر کیوں لگائی۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: جب تمہیں انزال نہ ہوا ہو تو پھر تم پر وضوء کرنا لازم ہے یعنی غسل کی ضرورت نہیں ہے' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے بعد صرف الاعمش اور داؤد ظاہری کا یہ مؤقف ہے' ورنہ سب کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۸۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جماع کے دوران انزال سے پہلے الگ ہونے پر صرف وضوء کرنے کا منسوخ ہونا اور وجوبِ غسل کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا: ایک شخص جماع کرتا ہے اور اس کو انزال نہیں ہوا' حضرت عائشہ نے کہا: میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا' پھر ہم دونوں نے اس جماع کے سبب سے غسل کیا۔

(سنن ترمذی: ۱۰۸' سنن ابن ماجہ: ۶۰۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۵- ۱۱۲- ۱۱۰- ۶۸- ۴۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۵' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (جب مرد عورت کی) چار شاخوں کے درمیان بیٹھ گیا' پھر اس کو تھکا دیا تو غسل واجب ہو گیا۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے: خواہ انزال نہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۲۹۱' صحیح مسلم: ۳۴۸' سنن نسائی: ۱۹۱' سنن ابن ماجہ: ۶۱۰' امام ابو داؤد کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ختنہ کی جگہ کو ختنہ کی جگہ کے ساتھ چپکا دیا تو تحقیق یہ ہے کہ غسل واجب ہو گیا۔ سنن ابوداؤد: ۲۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۴۷- ۹۷- ۱۱۲- ۱۲۳- ۱۳۵- ۱۶۱- ۲۲۷- ۲۳۹- ۲۶۵' موطأ امام مالک: ۱۰۶- ۱۰۷- ۱۰۸- ۱۱۰)

محمود بن لبید انصاری نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: ایک شخص اپنی بیوی سے جماع کرے' پھر اس کو تھکا دے اور اس کو انزال نہ ہو؟ حضرت زید نے کہا: وہ غسل کرے گا' محمود نے کہا: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ وہ غسل نہیں کرے گا' حضرت زید بن ثابت نے ان سے کہا: بے شک حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے موت سے پہلے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔ (موطأ امام مالک: ۱۰۹' معرفۃ السنن والآثار: ۲۴۷)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں یہ بحث ہوئی کہ جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو آیا غسل واجب ہو گا یا نہیں؟ حضرت ابو موسیٰ نے کہا: میں ابھی تمہارے پاس اس کا جواب لاتا ہوں' وہ اٹھے اور میں بھی ان کے پیچھے گیا' حتیٰ کہ وہ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور کہا: اے ام المؤمنین! میں آپ سے ایک چیز کا سوال کرنا چاہتا ہوں اور مجھے سوال کرنے سے حیاء آ رہی ہے' حضرت عائشہ نے فرمایا: سوال کرو' میں تمہاری ماں ہوں! حضرت ابو موسیٰ نے کہا: جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو کیا غسل واجب ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختنہ کی جگہ' میری ختنہ کی جگہ سے مل جاتی تھی تو آپ غسل کرتے تھے۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۲۵۰' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۴' شرح معانی الآثار: ۳۰۷' نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار ج ۱ ص ۳۴۶- ۳۴۵)

ایک روایت میں ہے: حضرت ابوموسیٰ نے کہا: آپ کے بعد میں یہ مسئلہ کسی اور سے دریافت نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے پھر اس کو تھکا دیتا ہے کیا اس کے اوپر غسل ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں یہ کام کرتا ہوں میں اور یہ پھر ہم غسل کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۳۵۰ شرح معانی الآثار: ۳۰۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو تھکائے تو اس پر غسل واجب ہو گیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۷ طبع قدیم مسند احمد: ۸۵۴۷۔ ج ۱۴ ص ۲۴۰ شرح معانی الآثار: ۳۱۱ سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۳۔ ۱۱۲ سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۳ مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۸۸۔ ۲۸۷)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ جب مرد اپنی عورت سے جماع کرے اور انزال سے پہلے الگ ہو جائے تو مرد اور عورت دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے اور صرف وضوء کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور حضرت ابی بن کعب جنہوں نے وضوء کرنے کی حدیث روایت کی تھی انہوں نے موت سے پہلے اس مسئلہ سے رجوع کر لیا تھا۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۸۶۔ ج ۱ ص ۱۰۳۶ پر ہے وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے: غسل جنابت کا سبب۔

۳۵- بَابُ الرَّجُلِ يُوَضِّيءُ صَاحِبَهُ — ایک شخص اپنے صاحب (آقا) کو وضوء کرائے

باب سابق اور اس باب میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں باب احکام پر مشتمل ہیں۔

۱۸۱- حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ مُوْسَى ابْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ، عَدَلَ اِلَى الشِّعْبِ، فَقَضٰى حَاجَتَهُ. قَالَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّاُ، فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُصَلِّيْ؟ فَقَالَ اَلْمُصَلّٰى اَمَامَكَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن سلام نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی از یحییٰ از موسیٰ بن عقبہ از کریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقوف عرفات کر کے روانہ ہوئے تو آپ ایک گھاٹی میں مڑ گئے پس آپ نے قضاء حاجت کی حضرت اسامہ بن زید نے کہا: میں آپ کے اوپر پانی ڈال رہا تھا اور آپ وضوء کر رہے تھے پس میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نماز پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا: نماز پڑھنے کی جگہ تمہارے آگے ہے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح صحیح البخاری: ۱۳۹ میں مطالعہ فرمائیں۔

حدیث: ۱۳۹ میں اس کا عنوان تھا: مکمل وضوء کرنا کیونکہ وہاں مذکور تھا کہ آپ نے المزدلفہ میں جا کر مکمل وضوء کیا اور اس حدیث میں حضرت اسامہ کے وضوء کرانے کا ذکر ہے۔

۱۸۲- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَعْدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يُحَدِّثُ عَنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا انہوں نے کہا: مجھے سعد بن ابراہیم نے خبر دی بے شک ان کو نافع بن جبیر بن مطعم نے

الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ، وَأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ، وَأَنَّ مُغِيْرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

[اطراف الحدیث: ۲۰۳۔۲۰۶۔۳۸۸۔۴۴۲۱۔۵۷۹۸]

خبر دی کہ انہوں نے عروہ بن المغیرہ بن شعبہ سے سنا' وہ حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور بے شک آپ قضاء حاجت کے لیے گئے اور حضرت مغیرہ آپ کے اوپر پانی ڈال رہے تھے اور آپ وضوء کر رہے تھے' سو آپ نے اپنا چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح مسلم: ۲۷۴' الرقم المسلسل: ۶۱۵' سنن ابوداؤد: ۱۴۹۔۱۵۱' سنن نسائی: ۷۹۔۸۲' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۶۵' سنن ابن ماجہ: ۵۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۰۶۔۱۰۷' المعجم الکبیر: ۹۴۴۔ج ۲۰' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۵۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۰ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۸۱۹۰۔ج ۳۰ ص ۱۲۶)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرانے کا ذکر ہے۔

اس حدیث کے تمام رجال کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔

وضوء کرنے میں غیر سے مدد لینے کی اقسام اور اصاغر کا اکابر کی از خود خدمت کرنا

اس حدیث میں وضوء میں کسی کی مدد لینے کا ذکر ہے اور وضوء میں کسی کی استعانت لینے کی تین قسمیں ہیں: (۱) کوئی شخص وضوء کرنے کے لیے صرف پانی لا کر رکھ دے' یہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے (۲) کوئی شخص وضوء کرنے والے کے اعضاء پر پانی ڈالے' یہ بھی بغیر کسی کراہت کے جائز ہے' کیونکہ حضرت مغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء پر پانی ڈالا' جیسا کہ اس حدیث میں ہے' بعض علماء نے اس کو مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کہا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ اس وقت ہوتا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے منع کیا ہوتا اور علامہ ابن بطال نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ کو مکہ کے راستہ میں وضوء کرایا اور شعبہ نے از ابی بشر روایت کیا ہے کہ مجاہد حضرت ابن عمر پر پانی ڈال رہے تھے اور وہ اپنے پیر دھو رہے تھے اور سلف صالحین وضوء میں اس طرح کی استعانت لیتے تھے' حسن بصری نے کہا: میں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن ابزی اور الضحاک بن مزاحم حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ پر لوٹے سے پانی ڈال رہے تھے اور وہ وضوء کر رہے تھے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۲۸۵۔۲۸۶)

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص وضوء کرانے میں اعضاء پر پانی بھی ڈالے اور اپنے ہاتھوں سے اعضاء وضوء کو ملے بھی' یہ بیمار آدمی کے لیے عذر کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے اور بغیر عذر کے مکروہ ہے۔

نیز اس حدیث میں سر پر مسح کرنے کا حکم ہے اور اس حدیث میں موزوں پر مسح کرنے کا ثبوت ہے' اس کی تفصیل ان شاء اللہ "باب المسح علی الخفین" میں آئے گی اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو بڑوں کی خدمت کرنی چاہیے خواہ وہ اس کا حکم نہ دیں۔

٣٦- بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهٖ

حدث (وضوء ٹوٹنے) کے بعد قرآن مجید وغیرہ پڑھنا

قرآن مجید کے غیر سے مراد ہے اذکار و اوراد پڑھنا مثلاً یہ پڑھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَا نَفْسِيْ بَعْدَ اَنْ اَمَاتَهَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ" (سنن ترمذی: ۳۴۱۷) "اللہ کی حمد ہے' جس نے مجھ پر موت ڈالنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف دوبارہ اٹھنا ہے"۔ باب سابق میں مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں وضوء کرانے کا ذکر تھا اور اس باب میں وضوء کرتے کا ذکر ہے۔

وَقَالَ مَنْصُوْرٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ.

منصور نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حمام میں قراءت کرنے سے اور بے وضوء رسالہ لکھنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔

منصور سے مراد منصور بن المعتمر الکوفی ہیں' اور ابراہیم سے مراد ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی ہیں' امام بخاری نے مکمل حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کیا ہے' مکمل حدیث اس طرح ہے:

عبد الرزاق از ثوری از حماد' انہوں نے کہا: میں نے ابراہیم سے حمام میں قرآن مجید پڑھنے کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: حمام قرآن مجید پڑھنے کے لیے نہیں بنائے گئے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۹' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حمام میں قرآن مجید پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے' اور امام محمد بن حسن سے روایت ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے' امام مالک کا بھی یہی قول ہے' امام ابوحنیفہ نے حمام میں قرآن کریم پڑھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ حمام کا حکم بیت الخلاء کا حکم ہے' کیونکہ وہ نجاست کی جگہ ہے اور ان کے نزدیک حمام میں مستعمل پانی نجس ہے اور امام محمد کے نزدیک یہ پانی طاہر ہے' اس لیے انہوں نے قراءت کو مکروہ نہیں کہا۔ (میں کہتا ہوں کہ مروجہ اٹیچ باتھ میں لیٹرین اور باتھ کے درمیان کوئی آڑ اور حجاب نہیں ہوتا' اس لیے اس میں قرآن مجید اور دیگر اذکار پڑھنا جائز نہیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جنبی یا حائض کے لیے ایسا مکتوب لکھنا مکروہ ہے' جس میں قرآن مجید کی آیت ہو' اگرچہ ان کے لیے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے' اور جب وہ قرآن مجید لکھیں گے تو ان کے ہاتھوں سے قلم کے واسطے سے قرآن مجید کو مس کرنا لازم آئے گا اور جنبی اور حائض کے لیے قرآن مجید کو مس کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک جب صحیفہ زمین پر ہو تو اس پر مصحف کو لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کو مس نہیں کر رہا اور وہ ایک ایک حرف لکھ رہا ہے اور ایک حرف قرآن نہیں ہے اور امام محمد نے کہا: میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ نہ لکھے کیونکہ وہ قلم کے واسطے سے قرآن مجید کو مس کر رہا ہے اور حروف بکلیتھا قرآن ہیں اور مشائخ بخاری نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ' وَاِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ.

اور حماد نے ابراہیم سے روایت کیا ہے: اگر ان پر تہبند ہو تو ان کو سلام کرو ورنہ ان کو سلام نہ کرو۔

حماد سے مراد حماد بن ابی سلیمان فقیہ کوفہ ہیں' جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاذ ہیں' یعنی اگر اہل حمام برہنہ غسل کر رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرو' اور اگر وہ تہبند باندھ کر غسل کر رہے ہوں تو پھر ان کو سلام کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

نوٹ: پہلے زمانہ میں آج کل کی طرح غسل خانے نہیں ہوتے تھے کہ ہر غسل خانہ میں دروازہ ہو' بلکہ ایک بڑے ہال میں پانی کے نل لگے ہوتے تھے اور درمیان میں کوئی دروازہ اور حجاب نہیں ہوتا تھا اور بہ یک وقت متعدد لوگ غسل کرتے تھے۔

۱۸۳- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ' عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ' عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' وَهِيَ خَالَتُهُ' فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ' وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از مخرمہ بن سلیمان از کریب' جو حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُهُ فِي طُوْلِهَا ، فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيْلٍ ، اَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيْلٍ ، اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ ، ثُمَّ قَرَاَ الْعَشْرَ الْاٰيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ ، ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّاَ مِنْهَا فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهُ ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهِ ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَاْسِي وَاَخَذَ بِاُذُنِي الْيُمْنٰى يَفْتِلُهَا ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ اَوْتَرَ ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى اَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ ، فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

اور وہ ان کی خالہ تھیں انہوں نے کہا: پس میں بستر کے عرض میں لیٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہلیہ بستر کے طول میں لیٹ گئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے' حتیٰ کہ جب آدھی رات ہو گئی یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے' آپ بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر نیند (آنکھوں) کو ملنے لگے' پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں' پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کے پاس گئے' پھر اس سے وضوء کیا' پس اچھی طرح وضوء کیا' پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے' حضرت ابن عباس نے کہا: پس میں کھڑا ہوا اور میں نے بھی اسی طرح کیا' جس طرح آپ نے کیا تھا' پھر میں جا کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا' آپ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے سیدھے کان کو پکڑ کر مروڑا (اور کان سے پکڑ کر مجھے بائیں جانب سے دائیں جانب کر دیا) پس آپ نے دو رکعت نماز پڑھی' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ نے وتر پڑھے' پھر آپ لیٹ گئے' حتیٰ کہ آپ کے پاس مؤذن آیا' پھر آپ نے کھڑے ہو کر دو خفیف (مختصر) رکعت نماز پڑھی' پھر آپ حجرہ سے نکل گئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١١٧ میں مطالعہ فرمائیں۔

بے وضوء قرآن مجید پڑھنے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ٤٤٩ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اس میں ان علماء کا رد ہے' جنہوں نے کہا ہے کہ بغیر وضوء کے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے بہ شرطیکہ وہ جنبی نہ ہو' اور اس حدیث میں یہ کافی حجت ہے' کیونکہ آپ نے نیند سے اٹھ کر وضوء کرنے سے پہلے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں' اس کے بعد وضوء کیا۔ ابو مریم حنفی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ بغیر وضوء کے قرآن مجید پڑھتے ہیں؟ حضرت عمر نے کہا: تم کو یہ فتویٰ کس نے دیا ہے' کیا مسیلمہ نے؟ نیز اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صرف نماز پڑھنے کے لیے وضوء کرنے کا حکم دیا ہے اور حدیث صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے آئے' تو آپ کے پاس طعام لایا گیا' آپ سے کہا گیا: کیا آپ وضوء نہیں کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں کہ وضوء کروں؟ (المطالب العالیہ: ٢٣٦٧) اسی معنی میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تو حضرت عمر آپ کے پیچھے کوزے میں پانی لے گئے'

آپ نے پوچھا: اے عمر! یہ کیا ہے؟ حضرت عمر نے کہا: یہ پانی ہے' جس سے آپ وضوء کریں گے' آپ نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں جب پیشاب کروں تو وضوء کروں اور اگر میں نے ایسا کیا تو یہ سنت ہو جائے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲' سنن ابن ماجہ: ۳۲۷' مسند احمد: ۲۴۶۹۷)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وضوء ہونے کے بعد نماز پڑھنے کے ارادہ تک طہارت کو مؤخر کر دیا۔

اور جمہور علماء نے بغیر وضوء کے قرآن مجید کے چھونے کو مکروہ کہا ہے اور شعبی اور محمد بن سیرین نے اس کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح جمہور علماء کے نزدیک جنبی کا قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال ج ا ص ۲۹۶-۲۹۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال کے اس کلام کی متانت میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جب آپ نیند سے اٹھے تھے تو آپ کا وضوء نہ تھا' ہوسکتا ہے کہ آپ وضوء کر کے سوئے ہوں اور آپ کی شان کے یہی لائق ہے کیونکہ آپ نے باوضوء سونے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو وضوء کرو جیسے نماز کا وضوء ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۷)

اور نیند سے آپ کا وضوء نہیں ٹوٹتا' سو آپ نے باوضوء ہی قرآن مجید کی آیات پڑھی تھیں اور بعد میں آپ کا وضوء کرنا نور علی نور کے حصول کے لیے تھا' تاہم دیگر دلائل سے یہ ثابت ہے کہ بے وضوء قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے' جیسا کہ علامہ ابن بطال نے تحقیق سے ثابت کیا ہے۔

٣٧- بَابُ مَنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ

جس کے نزدیک صرف بھاری غشی سے وضوء واجب ہوتا ہے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ حصر کیسے صحیح ہوگا' جب کہ بھاری غشی کے علاوہ وضوء کے اور اسباب بھی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر مخاطب کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے' گویا کہ مخاطب یہ سمجھتا تھا کہ مطلقاً غشی سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے' خواہ غشی خفیف ہو یا ثقیل ہو تو امام بخاری نے اس کا رد کرنے کے لیے حصر کے ساتھ عنوان قائم کیا کہ صرف بھاری غشی سے وضوء واجب ہوتا ہے اور باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید پڑھنے کے لیے وضوء کرنا لازم نہیں ہے اور اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ غشی خفیف کی وجہ سے وضوء کرنا لازم نہیں ہے۔

١٨٤- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ' عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ' عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ' عَنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ' فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّوْنَ' وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي' فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ' وَقَالَتْ سُبْحَانَ اللَّهِ' فَقُلْتُ آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ أَنْ نَعَمْ'

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از زوجہ خود فاطمہ از جدہ خود حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اس وقت سورج کو گہن لگا ہوا تھا' پس اس وقت لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عائشہ بھی کھڑی ہوئی نماز پڑھ رہی تھیں' پس میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ تو

فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، وَجَعَلْتُ اَصُبُّ فَوْقَ رَاْسِي مَاءً، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ اَرَهُ اِلَّا قَدْ رَاَيْتُهُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا، حَتّٰى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ. يُؤْتٰى اَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِ الْمُوْقِنُ. لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ. فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَاَجَبْنَا وَ اٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا. وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ. لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ. فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: یہ کوئی علامت ہے؟ انہوں نے اشارہ کیا: ہاں! میں کھڑی ہوگئی' حتیٰ کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی اور میں اپنے سر کے اوپر پانی ڈالنے لگی' پس جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر مڑے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی' پھر آپ نے فرمایا: جس چیز کو بھی میں نے پہلے نہیں دیکھا تو اس چیز کو میں نے اپنی اس جگہ میں دیکھ لیا ہے' حتیٰ کہ جنت اور دوزخ (کو بھی) اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہیں قبر کے اندر فتنہ میں مبتلا کیا جائے گا' جو دجال کے فتنہ کی مثل ہوگا یا قریب ہوگا' راوی کہتا ہے: مجھے یاد نہیں کہ حضرت اسماء نے کیا کہا تھا' تمہارے پاس کسی کو لایا جائے گا' پس کہا جائے گا: اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ پس رہا ایمان والا یا یقین والا' راوی کہتا ہے: مجھے پتا نہیں' حضرت اسماء نے کیا کہا تھا' پس وہ کہے گا: یہ محمد رسول اللہ ہیں' یہ ہمارے پاس دلائل اور ہدایت لے کر آئے تھے' ہم نے ان کی دعوت قبول کی اور ہم ایمان لے آئے اور ہم نے (ان کی) پیروی کی' پس کہا جائے گا: تم آرام سے سو جاؤ' پس تحقیق یہ ہے کہ ہم کو معلوم تھا کہ تم ضرور ایمان لانے والے ہو اور رہا منافق یا شک کرنے والا' راوی کہتا ہے: مجھے پتا نہیں کہ حضرت اسماء نے کیا کہا تھا' وہ کہے گا: میں نہیں جانتا' میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی کہہ دیا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۸۶ میں مطالعہ فرمائیں۔

۳۸- بَابُ مَسْحِ الرَّاْسِ كُلِّهٖ — پورے سر کا مسح کرنا

یعنی پورے سر کے مسح کرنے کا کیا حکم ہے' باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں غشی مثقل میں وضوء کا حکم تھا اور اس باب میں سر کے مسح کا ذکر ہے اور سر کا مسح وضوء کا جز ہے تو اس باب کی باب سابق کے ساتھ وہ مناسبت ہے' جو جز کی کل کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ (المائدہ:٦).

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور تم اپنے سروں کا مسح کرو'' (المائدہ:٦)۔

امام بخاری نے المائدہ:٦ سے پورے سر کے مسح کرنے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال اس وقت مکمل ہوگا' جب ''برء وسکم'' میں ''با'' زائدہ ہو۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اَلْمَرْاَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ،

اور ابن المسیب نے کہا: عورت بھی مرد کی طرح ہے' وہ اپنے

تَمْسَحُ عَلٰی رَأْسِهَا. سر کا مسح کرے گی۔

اس تعلیق کی اصل اس حدیث میں ہے: امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از سفیان' عبدالکریم از سعید بن المسیب' انہوں نے کہا: عورت اور مرد مسح کرنے میں برابر ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۱ ۔ ج ۱ ص ۳۰' دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس تعلیق کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اصل مسح میں عورت مرد کے برابر ہے اور امام احمد سے منقول ہے کہ عورت کے لیے سر کے اگلے حصہ پر مسح کرنا کافی ہے' لہٰذا یہ اثر امام بخاری کے موافق نہیں ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ اَيُجْزِئُ اَنْ يَمْسَحَ بَعْضَ الرَّأْسِ؟ فَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ.

اور امام مالک سے سوال کیا گیا: کیا سر کے بعض حصہ پر مسح کرنا کافی ہے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث سے استدلال کیا۔

حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث حسب ذیل ہے:

١٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ' عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى اَتَسْتَطِيْعُ اَنْ تُرِيَنِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ' فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ مَرَّتَيْنِ' ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا' ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا' ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ' ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ' فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ' بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ' ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَاَ مِنْهُ' ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عمرو بن یحییٰ المازنی از والد خود کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ سے کہا' اور وہ عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں کہ کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کرتے تھے؟ تو حضرت عبداللہ بن زید نے کہا: ہاں! پھر انہوں نے پانی منگایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالا' پھر ان کو دو مرتبہ دھویا' پھر تین مرتبہ کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا' پھر تین مرتبہ چہرے کو دھویا' پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ کہنیوں تک دھویا' پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا' سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کیا' پھر دونوں ہاتھ گدی تک لے جا کر وہیں واپس لائے' جہاں سے مسح شروع کیا تھا' پھر آپ نے اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔

[اطراف الحدیث: ۱۸۶ ۔ ۱۹۱ ۔ ۱۹۲ ۔ ۱۹۷ ۔ ۱۹۹]

(صحیح مسلم: ۲۳۵' الرقم المسلسل: ۵۴۴' سنن ابوداؤد: ۱۱۹ ۔ ۱۱۸' سنن ترمذی: ۳۲' سنن نسائی: ۹۸ ۔ ۹۷' سنن ابن ماجہ: ۴۷۱ ۔ ۴۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۳' المنتقیٰ: ۷۳' صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۷ ۔ ۱۷۳' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۴۹ ۔ ۲۴۸' شرح معانی الآثار: ۱۲۰' صحیح ابن حبان: ۱۰۸۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۹' شرح السنۃ: ۲۲۳' مسند احمد ج ۴ ص ۳۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۶۴۳۱ ۔ ج ۲۶ ص ۳۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبداللہ بن یوسف التنیسی (۲) امام مالک بن انس (۳) عمرو بن یحییٰ بن عمارہ (۴) ان کے والد یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن (۵) جس شخص نے سوال کیا' وہ عمرو بن یحییٰ ہیں' امام بخاری نے کہا: وہ عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں' یہ اطلاق مجازی ہے کیونکہ وہ ان کے والد کے چچا ہیں' ان کو دادا اس لیے کہا کہ وہ دادا کے حکم میں ہیں (۶) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۰۲-۱۰۱)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: پھر آپ نے اپنے سر کا مسح کیا۔

سر کے مسح میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سر پر مسح کرنا واجب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ. (المائدہ: ٦) اپنے سروں پر مسح کرو۔

اور مقدار واجب میں اختلاف ہے' امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ پورے سر کا مسح کرے اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کرنا بھی کافی ہے' حسن بصری' ثوری' اوزاعی' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ١٥٧-١٥٦' دار الحدیث' قاہرہ' ١٤٢٥ ھ)

پورے سر کے مسح کرنے کے ثبوت میں امام مالک کے دلائل

امام مالک نے کہا: سر کا مسح کرنے میں عورت بھی مرد کی طرح ہے' وہ اپنے پورے سر پر مسح کرے گی' اگر اس نے مینڈھیاں بنائی ہوئی ہوں تو وہ ان مینڈھیوں پر مسح کرے گی' دوپٹہ یا اور کسی چیز پر مسح نہیں کرے گی۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ١٦' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی القرطبی المتوفی ٤٤٩ ھ لکھتے ہیں:

فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ جو آدمی چہرے اور ہاتھوں پر تیمم کرتا ہے' وہ پورے چہرے اور پورے ہاتھوں پر مسح کرتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جس عضو پر مسح کیا جاتا ہے' وہ پورے عضو پر کیا جاتا ہے' لہٰذا جب وضوء میں سر پر مسح کیا جائے گا تو پورے سر پر مسح کیا جائے گا' نیز اس پر امت کا اجماع ہے کہ جب کسی شخص نے پورے سر کا مسح کر لیا تو اس کا فرض ادا ہو گیا' اور جس نے سر کے بعض حصہ پر مسح کیا' اس میں اختلاف ہے' پس واجب ہے کہ سر کا مسح یقین کے ساتھ ادا کیا جائے اور یقین اس صورت میں ہے' جب پورے سر کا مسح کیا جائے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ٢٩٣' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٤ ھ)

تین بالوں کی مقدار سر پر مسح کرنے کی فرضیت پر فقہاء شافعیہ کے دلائل

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ ھ لکھتے ہیں:

ہمارا مشہور مذہب جس پر امام شافعی کی نصوص ہیں' وہ یہ ہے کہ سر کا مسح کرنے کے وجوب کی کوئی مقدار معین نہیں ہے بلکہ جتنی مقدار پر مسح کرنا ممکن ہو وہ کافی ہے' ہمارے اصحاب نے کہا: حتیٰ کہ اگر اس نے ایک بال پر بھی مسح کر لیا تو وہ کافی ہے اور ابوالحسن بن خیران نے کہا: فرضیت کی کم از کم مقدار تین بالوں پر مسح کرنا ہے۔ (الی قولہ) ہمارے اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ مسح قلیل اور کثیر مقدار پر واقع ہوتا ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کی مقدار پر مسح کیا ہے اور یہ حدیث پورے سر کے مسح کی فرضیت سے مانع ہے اور چوتھائی' تہائی اور آدھے سر کی مقدار کی فرضیت سے بھی مانع ہے کیونکہ پیشانی چوتھے سر سے کم ہوتی ہے' پس متعین ہو گیا کہ اتنی مقدار واجب ہے' جس پر مسح کرنے کا اطلاق ہو سکے۔

(شرح المہذب ج ۲ ص ٤٢٦-٤٢٤' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٣ ھ)

چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت پر امام ابوحنیفہ کے دلائل

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوء کیا' پس اپنی پیشانی کی مقدار (سر پر) مسح کیا اور عمامہ اور موزوں پر (مسح کیا)۔ (صحیح مسلم: ۲۷۴' الرقم المسلسل: ۶۲۵' مسند ابوعوانہ ج ا ص ۲۵۹' المنتقی: ۸۳' صحیح ابن حبان: ۱۳۴۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا اور سر کے اگلے حصے پر اور اپنے عمامہ پر۔
(صحیح مسلم: ۲۷۴' الرقم المسلسل: ۶۲۳' سنن ابوداؤد: ۱۵۰' سنن ترمذی: ۱۰۰' سنن نسائی: ۱۰۸۔۱۰۷' المعجم الکبیر: ۸۸۶۔ ج ۲۰' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳' سنن بیہقی ج ا ص ۵۸)

ان حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشانی کی مقدار سر پر مسح کیا اور پیشانی کی مقدار سر کا چوتھائی حصہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سر کے چوتھائی حصہ پر مسح کرنا فرض ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ احادیث تو اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسح کی فرضیت تو المائدہ: ٦ سے ثابت ہے' البتہ سر کی مقدار مجمل ہے' اس کا بیان ان احادیث میں ہے کہ وہ سر کا چوتھائی حصہ ہے جو پیشانی کی مقدار ہے اور ان احادیث سے امام مالک اور امام احمد کا بھی رد ہو گیا' جو پورے سر پر مسح کو فرض کہتے ہیں اور امام شافعی کا بھی رد ہو گیا' جو تین بالوں پر مسح کو بھی کافی کہتے ہیں' کیونکہ پیشانی کی مقدار تین بالوں سے بہت زیادہ ہے۔

امام احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے کہا کہ پورے سر پر مسح کیا جائے' جیسا کہ وضوء میں پورے اعضاء کو دھویا جاتا ہے اور ایک قوم نے کہا کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کیا جائے تو ہم نے دیکھا کہ وضوء میں سر پر مسح کرنا موزوں پر مسح کرنے کی مثل ہے اور موزوں میں پورے موزوں پر مسح نہیں کیا جاتا' بلکہ موزوں کے صرف اوپری حصہ پر مسح کیا جاتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ موزوں کے بعض حصوں پر مسح کیا جاتا ہے' اسی طرح سر کے بھی بعض حصہ پر مسح کیا جائے گا اور مسح کی نظیر مسح ہے' اس لیے سر کے مسح کو دھوئے جانے والے اعضاء پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اور سر کے مسح کو موزوں کے مسح پر قیاس کرنا درست ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ا ص ۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابن بطال مالکی نے سر پر مسح کو تیمم کے مسح پر قیاس کیا ہے کہ تیمم میں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے' لہٰذا پورے سر پر مسح کرنا چاہیے' لیکن یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ وضوء طہارت کی الگ نوع ہے اور تیمم طہارت کی دوسری نوع ہے اور ایک نوع کے رکن کو دوسری نوع کے رکن پر قیاس کرنا درست نہیں ہے' اس کے برخلاف امام طحاوی نے وضوء میں سر کے مسح کو وضوء میں موزوں کے مسح پر قیاس کیا ہے اور یہ طہارت کی ایک نوع کے رکن کو دوسرے رکن پر قیاس کرنا ہے اور یہ درست ہے۔

عمامہ پر مسح کرنے کے جوابات

حضرت مغیرہ کی اس حدیث سے چوتھائی سر پر مسح کے استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے حدیث کے ایک جز سے استدلال کیا اور دوسرے جز کو چھوڑ دیا' اس حدیث میں عمامہ پر مسح کرنے کا بھی ذکر ہے اور آپ عمامہ پر مسح کے جواز کے قائل نہیں ہیں' اس کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) اگر ہم عمامہ پر مسح کو بھی اختیار کرتے تو اس سے خبر واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آتی' کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور عمامہ پر مسح کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' لہٰذا اگر عمامہ پر مسح کا قول کیا جائے تو خبر واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آئے گی۔

(۲) نبی ﷺ نے جو عمامہ پر مسح کیا تھا' اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے عمامہ کے نچلے حصہ پر مسح کیا تھا اور اس میں حال کا اطلاق محل پر ہے۔
(۳) راوی آپ سے دور تھا' آپ نے سر سے عمامہ اتارے بغیر سر پر مسح کیا تو راوی نے سمجھا کہ آپ نے عمامہ پر مسح کیا ہے۔
(۴) آپ کے سر پر کوئی زخم تھا' جس میں پانی کی تری لگنا باعث ضرر تھا اور عمامہ بہ منزلہ پٹی تھا تو آپ نے اس عذر کی وجہ سے عمامہ پر مسح کیا' یعنی حالت اضطرار میں عمامہ پر مسح کیا' حالت اختیار میں عمامہ پر مسح نہیں کیا۔

ہم نے جو دوسرا جواب ذکر کیا ہے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ وضوء کر رہے تھے' آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا' آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ نہیں اتارا۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۷' سنن ابن ماجہ: ۵۶۴)

اس حدیث میں یہ ثبوت بھی ہے کہ آپ نے پورے سر پر مسح نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے' آپ نے صرف سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا' جو سر کا چوتھائی حصہ ہے' سو اتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے' نہ کہ صرف تین بالوں کی مقدار پر۔ وللہ الحمد

اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ آپ نے تین بار چہرے کو دھویا اور دو بار ہاتھوں کو دھویا' اس سے معلوم ہوا کہ وضوء میں چہرے اور ہاتھوں کو دھونے کے عدد میں اختلاف کرنا جائز ہے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۶۳- ج ۱ ص ۸۸۰ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۳۹- بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ — پیروں کو ٹخنوں تک دھونا

یہ باب پیروں کو ٹخنوں تک دھونے کے بیان میں ہے' باب سابق اور اس باب میں مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب ارکانِ وضوء کے بیان میں ہیں' پہلے باب میں سر کے مسح کا بیان تھا اور اس باب میں پیروں کو ٹخنوں تک دھونے کا بیان ہے۔

۱۸٦- حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ' عَنْ عَمْرٍو' عَنْ اَبِيْهِ شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ اَبِيْ حَسَنٍ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ عَنْ وُضُوْءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ ' فَتَوَضَّاَ لَهُمْ وُضُوْءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' فَاَكْفَاَ عَلٰى يَدِهٖ مِنَ التَّوْرِ' فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا' ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِي التَّوْرِ' فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ' وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ' ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ' فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا' ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ' ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ' فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَّاحِدَةً' ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وہب نے حدیث بیان کی از عمرو از والد خود کہ میں عمرو بن ابی حسن کے پاس موجود تھا' انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے وضوء کے متعلق سوال کیا' پس انہوں نے پانی کا بڑا تسلا منگایا' پھر ان کے لیے نبی ﷺ کے وضوء کی مثل وضوء کیا' پس اس برتن سے اپنے ہاتھ پر پانی انڈیلا' پھر تین بار اپنے ہاتھوں کو دھویا' پھر اس برتن میں ہاتھ ڈال کر تین چلو پانی کے لیے' پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پھر اس برتن میں ہاتھ ڈال کر تین بار اپنے چہرے کو دھویا' پھر دو مرتبہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا' پھر اپنا ہاتھ برتن میں داخل کیا' پس اپنے سر کا مسح کیا' پھر دونوں ہاتھوں کو ایک بار سر کے اگلے حصہ سے

گدی تک لے گئے' پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھویا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۱۸۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

٤٠- بَابُ اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوْءِ النَّاسِ وضوء کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنا

وضوء کے بچے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی ہے' جو وضوء کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو اور اس سے وہ پانی بھی مراد ہو سکتا ہے' جو وضوء کرنے والے کے اعضاء سے ٹپک ٹپک کر قطرات کی صورت میں گر رہا ہو اور یہ وہ پانی ہے جس کو فقہاء اپنی اصطلاح میں مستعمل پانی کہتے ہیں:

امام ابوحنیفہ سے مستعمل پانی کے متعلق تین روایات ہیں: (۱) امام ابو یوسف نے ان سے روایت کیا ہے کہ پانی نجاست خفیفہ کے ساتھ نجس ہے (۲) حسن بن زیاد نے روایت کیا ہے کہ یہ نجاست غلیظہ کے ساتھ نجس ہے (۳) امام محمد بن الحسن اور امام زفر نے روایت کیا ہے کہ پانی فی نفسہٖ طاہر ہے' مطہر نہیں ہے اور ماوراء النہر کے فقہاء محققین کا یہی مختار ہے' اسبیجابی نے کہا: یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ جب وضوء کا پانی گرتے ہوئے دیکھتے تھے تو اس پانی سے جھڑنے والے ہر قسم کے گناہ دیکھتے تھے' کبائر' صغائر اور مکروہات۔ اسی بناء پر مستعمل پانی کے متعلق ان کے تین قول ہیں' انہوں نے مستعمل پانی کو نجاستِ غلیظہ کہا کہ ہو سکتا ہے اس سے وضوء کرنے والے کے گناہ کبیرہ گرے ہوں اور نجاست خفیفہ کہا کہ ہو سکتا ہے' اس سے گناہ صغیرہ گرے ہوں اور مستعمل پانی کو طاہر غیر مطہر کہا کہ ہو سکتا ہے کہ وضوء کرنے والے نے کوئی مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کام کیا ہو کیونکہ یہ حقیقت میں گناہ نہیں ہے اور اس کا کرنا جائز ہے۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۷۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

بابِ سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق وضوء کی صفت میں تھا اور یہ باب وضوء سے بچے ہوئے پانی کی صفت میں ہے۔

وَامَرَ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَهْلَهٗ اَنْ يَتَوَضَّؤُوْا بِفَضْلِ سِوَاكِهٖ.

اور حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنے گھر والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ مسواک کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کریں۔

امام بخاری نے یہ حدیث کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے' پوری حدیث اس طرح ہے:

قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت جریر رضی اللہ مسواک کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ مسواک کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۔ ج ۱ ص ۱۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

مسواک کے بچے ہوئے پانی سے مراد یہ ہے کہ مسواک کو نرم کرنے کے لیے کسی پانی کے برتن میں مسواک کو ڈال دیا جائے۔

۱۸۷- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جُحَيْفَةَ يَقُوْلُ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ ' فَاُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ ' فَجَعَلَ النَّاسُ يَاْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْئِهٖ فَيَتَمَسَّحُوْنَ بِهٖ ' فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو نکل کر ہمارے پاس آئے' آپ کے پاس وضوء کا پانی لایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ. [اطراف الحدیث: ۳۷۶-۴۹۵-۴۹۹-۵۰۱-۶۳۳-۳۵۵۳-۵۷۸۶-۵۸۵۹]

گیا' پس آپ نے وضوء کیا' لوگ آپ کے وضوء کے بچے ہوئے پانی کو لینے لگے' پھر اس پانی کو اپنے اوپر ملتے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت نماز پڑھی اور عصر کی دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کے سامنے نیزہ (مرکوز) تھا۔

(صحیح مسلم: ۵۰۳' الرقم المسلسل: ۱۱۰۳-۱۱۰۲' سنن نسائی: ۴۶۶' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۰۴۴' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۸۹-۱۸۸' سنن دارمی: ۱۴۰۹' مسند ابویعلیٰ: ۸۹۱' المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۳۲۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۸۷۴۴-ج ۳۱ ص ۴۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان سے مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: لوگ آپ کے وضوء کے بچے ہوئے پانی کو لینے لگے یعنی جو پانی آپ کے اعضاء سے لگ کر گرتا تھا' اس سے تبرک حاصل کرنے کے لیے اس پانی کو اپنے جسم پر ملتے تھے۔

اس حدیث کے چار رجال ہیں:

(۱) آدم بن ابی ایاس (۲) شعبہ بن الحجاج (۳) الحکم بن عتیبہ (۴) حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبد اللہ الثقفی الکوفی' ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۰)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کی طہارت اور برکت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کے بچے ہوئے پانی کو لینے لگے' پھر اس پانی کو اپنے اوپر ملتے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور ان کے وضوء' ان کے طعام' ان کے مشروب اور ان کے لباس کی بچی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے کا ثبوت ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۳ ص ۱۷۳۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

گویا کہ آپ کے وضوء سے جو پانی بچا تھا' اس کو صحابہ نے تقسیم کر لیا تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاء سے لگ کر جو وضوء کا پانی گرا تھا' اس کو صحابہ نے حاصل کیا تھا اور اس حدیث میں وضوء کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۷۲۹' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں وضوء کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے پر واضح دلیل ہے' اور اس پانی سے مراد وہ پانی ہے' جو آپ کے اعضاء سے لگ کر گرا تھا' اور اگر اس سے مراد وہ پانی ہو' جو آپ کے وضوء کے بعد برتن میں بچ گیا تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ اس پانی کو بہ طور تبرک لے رہے تھے' یہ پانی طاہر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ لگنے کی وجہ سے اس کی طہارت زیادہ ہو گئی تھی' نیز اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور یہ سفر کا واقعہ ہے' سو اس میں یہ دلیل ہے کہ سفر میں چار رکعت نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھا جاتا ہے اور جب صحراء میں نماز پڑھی جائے تو امام کے سامنے نیزہ کو بہ طور سترہ گاڑ دینا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پانی سے مراد برتن میں بچا ہوا پانی بھی ہو سکتا ہے اور وہ پانی بھی مراد ہو سکتا ہے' جو آپ کے اعضاء مبارکہ سے لگ کر گرا تھا'

حضرت سائب بن یزید نے اس پانی کو پیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۹۰ صحیح مسلم: ۲۳۴۵ سنن ترمذی: ۳۶۴۳)
یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت سائب نے اس پانی کو تبرک کے قصد سے پیا تھا اور اس صورت میں یہ حدیث مستعمل پانی کی طہارت پر دلیل ہوگی اور اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پانی انہوں نے دوا اور علاج کے طور پر پیا تھا' یعنی یہ مستعمل پانی نجس ہی تھا۔ (یہ جواب مردود ہے' کیونکہ حضور کے جسم سے لگ کر گرنے والا پانی نجس نہیں ہو سکتا۔ سعیدی غفرلہٗ) یا اس مستعمل پانی کا پاک ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواص میں سے ہے یا یہ ابتداء کا واقعہ ہے اور مستعمل پانی کا طاہر نہ ہونا بعد کا حکم ہے' اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ اس پر ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی شرح میں یہ کہا ہے کہ جو پانی آپ کے اعضاء سے لگ کر بہا ہو وہ نجس نہیں ہے' اسی وجہ سے ہمارے اکثر اصحاب کا مختار یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات بھی طاہر ہیں۔
(مرقاۃ: ۶۲ ۲ ۴ ۷۔ ج ۲ ص ۱۷۳' مکتبہ حقانیہ پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں بعینہٖ یہی تقریر کی ہے' نیز انہوں نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن سے لگنے کی وجہ سے وہ مستعمل پانی نجس نہیں ہوا' حالانکہ بعض علماء نے آپ کے فضلات کو بھی پاک کہا ہے کیونکہ آپ کا وجود سرتاپا ظاہر و باطن مزکی و مطہر ہے' یعنی پاک کرنے والا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۶۲' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۰۲۲۔ ج ۱ ص ۱۳۱۶ پر ہے' وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسالہ سے تبرک حاصل کرنے کا بیان۔

۱۸۸- وَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ' فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ فِيْهِ' وَمَجَّ فِيْهِ' ثُمَّ قَالَ لَهُمَا اشْرَبَا مِنْهُ وَاَفْرِغَا عَلٰی وُجُوْهِكُمَا وَنُحُوْرِكُمَا. [اطراف الحدیث: ۱۹۶۔ ۴۳۲۸]
(صحیح مسلم: ۲۴۹۷' الرقم المسلسل: ۶۲۸۸)

اور حضرت ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا پیالہ منگوایا اور اس میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اور چہرے کو دھویا اور کلی کی اور ان دونوں سے کہا: اس پانی کو پیو اور اس پانی کو تم دونوں اپنے چہروں اور اپنے سینوں پر ڈالو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیالہ میں کلی کر کے ان کو پینے کا حکم اس لیے دیا تھا تاکہ آپ اپنے لعاب مبارک کی برکت ان کو پہنچا دیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۹۷' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ فتح الباری ج ۱ ص ۲۹۵' طبع لاہور) اس نسخہ پر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا حاشیہ ہے' لیکن انہوں نے حافظ ابن حجر کی اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر کی اصل عبارت یہ ہے: ''والغرض بذالك ايجاد البركة بريقه المبارك'' یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی کلی کا جو پانی پینے کا حکم فرمایا' اس سے آپ کی غرض یہ تھی کہ آپ اپنے لعاب دہن سے برکت کو وجود میں لائیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی حدیث متصل

امام بخاری نے جو حدیث یہاں ذکر کی ہے' وہ ایک طویل حدیث کا قطعہ ہے' وہ حدیث اس طرح ہے:
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا' اس وقت آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: آپ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا' کیا آپ اس کو پورا نہیں کرتے! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بشارت قبول کرو' اس نے کہا: آپ مجھے بہت بشارتیں دے چکے ہیں! پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوموسیٰ اور بلال کی طرف متوجہ ہوئے' گویا آپ غصہ میں تھے' آپ نے فرمایا: اس شخص نے بشارت کو مسترد کر دیا

ہے تم دونوں قبول کرلو ان دونوں نے کہا: ہم نے قبول کرلیا' پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگایا' اس میں اپنے دونوں ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اس میں کلی کی' پھر فرمایا: تم دونوں اس سے پی لو اور اس کو تم دونوں اپنے چہروں اور سینوں پر ڈالو اور بشارت قبول کرو' پس ان دونوں نے پیالہ لیا اور اسی طرح کیا۔ (صحیح البخاری: ۴۳۲۸' صحیح مسلم: ۲۴۹۷)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن کا پاکیزہ اور خوشبودار ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کے برتن میں کلی کرنا جائز ہے اور کلی میں منہ کے لعاب کی آمیزش ہوتی ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہے کیونکہ آپ کا لعاب مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور دوسرے شخص کے لعاب سے گھن آتی ہے' اسی لیے علماء نے اس کو مکروہ کہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے اور صحابہ کرام آپ کے بلغم کو بھی جھپٹ کر لیتے تھے اور اس کی برکت اور خوشبو حاصل کرنے کے لیے' اس کو اپنے جسم اور کھال پر ملتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۲-۲۷۳۱) اور آپ کے منہ کی خوشبو کی مثل کسی کے منہ کی بو نہیں تھی' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ فرشتوں سے باتیں کرتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم اور آپ کے منہ کو خوشبودار بنایا' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کے برتن میں پھونک مارنے سے اس وجہ سے منع فرمایا ہے کہ اس سے دوسرے شخص کو گھن آئے گی کیونکہ عموماً لوگوں کے منہ سے بدبو آتی ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ کو وہ مشروب پینے کا حکم دیا' جس میں آپ نے کلی کی تھی اور اس کو چہرے اور سینے پر ڈالنے کا حکم دیا' ہوسکتا ہے یہ ان کی کسی بیماری کو دور کرنے کے لیے ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ان کو محض برکت پہنچانے کے لیے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۲۸۳۔ ج ۶ ص ۱۱۷۸ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سوانح بیان کی گئی ہے۔

۱۸۹- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ ' عَنْ صَالِحٍ ' عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ قَالَ وَهُوَ الَّذِيْ مَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَهُوَ غُلَامٌ مِّنْ بِئْرِهِمْ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب' انہوں نے کہا: مجھے حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: یہ وہی ہیں جن کے چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کنویں کے پانی سے کلی کی تھی' وہ اس وقت نوعمر لڑکے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۷۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی کوئی مطابقت نہیں ہے' امام بخاری نے یہاں اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں بھی آپ کے کلی فرمانے کا ذکر ہے۔

وَقَالَ عُرْوَةُ ' عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهٖ ' يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

اور عروہ نے کہا' از مسور وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کی تصدیق کرتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضوء کرتے تو آپ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ. کے وضوء سے گرے ہوئے پانی کو لینے کے لیے صحابہ ایک دوسرے سے جھگڑتے۔

باب مذکور کی تعلیق کی حدیث متصل

یہ تعلیق ایک طویل حدیث کا قطعہ ہے اس حدیث کا اس تعلیق سے متعلق حصہ درج ذیل ہے:

پھر عروہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا' اس نے کہا: اللہ کی قسم! جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلغم تھوکتے تو وہ کسی نہ کسی شخص کے ہاتھ میں واقع ہوتا' پھر وہ اس بلغم کو اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملتا اور جب بھی آپ کسی کام کا حکم دیتے تو وہ اس کو بجالانے میں سبقت کرتے اور جب آپ وضوء کرتے تو وہ آپ کے وضوء کے گرے ہوئے پانی کو لینے کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑتے اور جب آپ بات کرتے تو آپ کے پاس سب اپنی آوازیں پست کر دیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۲۔۲۷۳۱)

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے یہ واقعہ اس طرح مشرکین کے سامنے بیان کیا تھا' امام بخاری نے اس حدیث کو مسور اور مروان سے روایت کیا ہے' یہ دونوں ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے تھے اور یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے' اس وجہ سے ابوالفضل بن طاہر نے کہا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمزم کے ڈول میں کلی فرمانا

صحیح البخاری: ۴۳۲۸ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ میں کلی کی اور حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلال نے اس پانی کو پیا اور صحیح البخاری: ۱۸۹ میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت محمود بن الربیع کے چہرے پر کلی کی' ان صحابہ نے آپ کی کلی والے پانی سے تبرک حاصل کیا اور آپ نے قیامت تک کی تمام امت مسلمہ کو برکت پہنچانے کے لیے زمزم کے کنویں میں کلی کی اور اب تمام دنیا کے مسلمان زمزم کا پانی پی کر آپ کے لعاب دہن کی برکتوں سے مستفید ہو رہے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمزم کی طرف آئے' ہم نے آپ کے لیے پانی کا ایک ڈول نکالا' آپ نے اس کو پیا' پھر اس ڈول میں کلی فرمائی اور اس ڈول کو پھر زمزم کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔الحدیث

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۳۵۶۷۔ج ۵ ص ۴۶۷' مؤسسۃ الرسالۃ' المعجم الکبیر: ۱۱۱۶۵' تاریخ مکہ للازرقی ج ۲ ص ۵۵' دار الاندلس بیروت' حافظ زیلعی نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث کی شرح میں شیخ ظفر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

زمزم کے پانی کی برکت میں اور زیادہ برکت ہوگئی' اس کی لذت میں اور زیادہ لذت ہوگئی' اس کی شفاء میں اور زیادہ شفاء ہوگئی' اس کے نور میں اور زیادہ نور ہو گیا' اس کے طہور میں اور زیادہ طہور ہو گیا کیونکہ آپ نے اس ڈول میں کلی فرمائی' پھر اس ڈول کو زمزم کے کنویں میں ڈال دیا گیا' دیکھو آپ نے اپنی امت پر کس قدر رحم فرمایا اور شفقت فرمائی کہ آپ اپنے بعد قیامت تک آنے والی امت کو اپنے پس خوردہ پانی کی برکت اور طہارت سے محروم ہونے پر راضی نہیں ہوئے' آپ پر ہمارے باپ دادا اور مائیں فدا ہوں اور اللہ کی صلوٰۃ اور سلام آپ پر ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوتی رہے اور آپ کی تمام آل اور اصحاب اور احباب پر۔

(اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۲۲۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

۰ ۰ ۰ - باب

١٩٠- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْجَعْدِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِيْ وَجِعٌ، فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

[اطراف الحدیث: ٣٥٤٠-٣٥٤١-٥٦٧٠-٦٣٥٢] (صحیح مسلم: ٢٣٤٥' الرقم المسلسل: ٥٩٧٢' سنن ترمذی: ٣٦٤٣' شمائل ترمذی: ١٦' السنن الکبریٰ للنسائی: ٧٥١٨)

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالرحمان بن یونس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از الجعد' انہوں نے کہا: میں نے حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا' وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک میرے بھانجے کے سر میں درد ہے' آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی' پھر آپ نے وضوء کیا' پھر میں نے آپ کے وضوء کا پانی پیا' پھر میں آپ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا' پھر میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا' جو چھپر کھٹ (مسہری) کی گھنڈی کی مثل تھی۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: میں نے آپ کے وضوء کے پانی سے پیا' یعنی وہ پانی جو آپ کے اعضاء شریفہ سے لگ کر قطرات کی صورت میں گرا یا اس سے مراد وہ پانی ہے' جو وضوء کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) عبدالرحمان بن یونس ابومسلم البغدادی' یہ حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں' یہ ٢٢٤ھ میں فوت ہو گئے تھے (٢) حاتم بن اسماعیل الکوفی' یہ مدینہ میں رہے اور ہارون رشید کی خلافت میں مدینہ میں ١٨٦ھ میں فوت ہو گئے (٣) الجعد بن عبدالرحمان بن اوس المدنی الکندی' ان کو تصغیر کے ساتھ الجعید کہا جاتا ہے (٤) حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: جب میری عمر سات سال کی تھی تو میرے والد نے مجھے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کرایا' انہوں نے پانچ احادیث روایت کی ہیں اور ان سب کو امام بخاری نے روایت کیا ہے' یہ ٩١ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ١١٥-١١٤)

مہر نبوت کا معنی اور مفہوم

اس حدیث میں مہر نبوت کا ذکر ہے' اس سے مراد وہ چیز ہے' جو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا' قاضی بیضاوی نے کہا: خاتم النبوۃ آپ کے دو کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے' کتب متقدمہ میں اس کی صفت بیان کی گئی ہے اور مہر نبوت اس بات کی علامت ہے کہ آپ وہی نبی ہیں' جس کا آسمانی کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔

مہر نبوت کے متعلق متعدد روایات

اس حدیث میں بیان ہے کہ آپ کی مہر نبوت چھپر کھٹ کی گھنڈی کی مثل تھی' اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت میں مہر نبوت کو دیکھا' وہ کبوتر کے انڈے کی طرح تھی۔ (صحیح مسلم: ٢٣٤٤' الرقم المسلسل: ٥٩٧٠' سنن ترمذی: ٣٦٤٤' شمائل ترمذی: ١٧' مسند احمد ج ٥ ص ٩٠-٩٥-٩٨-١٠٢-١٠٧' المعجم الکبیر: ١٩٠٨-١٩١٨' الکامل لابن عدی ج ٢ ص ٧٢٦)

عمر بن اخطب انصاری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوزید! قریب آؤ! اور میری پشت پر ہاتھ

پھیرو' میں نے آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو میری انگلیاں مہر نبوت پر تھیں' راوی نے پوچھا: مہر نبوت کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: وہ بالوں کا گچھا تھا۔ (شمائل ترمذی: ۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۷۷۔۳۴۱' صحیح ابن حبان: ۶۰۹۶' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۶)

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مہر نبوت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ آپ کی پشت میں اُبھرا ہوا گوشت کا ٹکڑا تھا۔ (شمائل ترمذی: ۲۲' مسند احمد ج ۳ ص ۶۹)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا' اس وقت آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' میں گھوم کر آپ کے پیچھے آ گیا' آپ سمجھ گئے کہ میرا کیا ارادہ ہے' آپ نے اپنی پشت سے چادر گرا دی تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ملی ہوئی انگلیوں کے مجموعہ کی طرح مہر نبوت دیکھی' اس کے گرد تل تھے' وہ چنے کے برابر مسّے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۴۶' الرقم المسلسل: ۵۹۷۳' شمائل ترمذی: ۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۸۳۔۸۲)

مہر نبوت کے متعلق متعدد روایات کا حاصل

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ مہر نبوت کی متعدد تفسیریں ہیں' حضرت السائب بن یزید نے کہا: وہ چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح ہے' حضرت جابر بن سمرہ نے کہا: وہ کبوتر کے انڈے کی طرح ہے' حضرت عمر بن اخطب نے کہا: وہ بالوں کے گچھے کی طرح ہے' حضرت ابوسعید خدری نے کہا: وہ گوشت کے ابھرے ہوئے ٹکڑے کی طرح ہے' حضرت عبداللہ بن سرجس نے کہا: وہ چنے کے برابر مسّوں کے مجموعہ کی طرح ہے اور ان سب کا مآل ایک ہی ہے کہ وہ کبوتر کے انڈے کے برابر اُبھرا ہوا گوشت تھا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۳۱۴۔۳۱۳' دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی قاضی عیاض کی عبارت کا خلاصہ نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۰ ص ۶۱۷۹۔۶۱۷۸' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

مہر نبوت کی حکمت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب میں ایمان اور حکمت کو بھر دیا گیا' جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ہے تو اس پر مہر لگا دی گئی' جیسا کہ جو برتن مشک اور موتیوں سے بھرا ہوا ہو تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے' تا کہ اس مہر کی وجہ سے دشمن اس برتن تک رسائی نہ حاصل کر سکے' کیونکہ جس چیز پر مہر لگا دی جائے' وہ محفوظ ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی چیز کی حفاظت کی یہی تدبیر کی ہے' اور مہر کی وجہ سے کسی چیز کے متعلق انسانوں کا شک اور جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے' پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں مہر لگا دی تو آپ کا قلب مطمئن ہو گیا اور اس میں نور باقی رہا اور قلب کی قوت پشت میں نافذ ہو گئی' پھر آپ کے کندھوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر ابھرا ہوا گوشت ظاہر ہو گیا' اسی وجہ سے میدانِ حشر میں آپ کا نمایاں ظہور ہو گا اور تمام رسولوں میں سب سے پہلے آپ کو شفاعت عطا کی جائے گی اور آپ مقام محمود پر فائز ہوں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء میں ثناء صدق کے ساتھ آپ کو مخصوص کیا ہے اور آپ کے سوا کسی اور نبی نے صدق کی ثناء نہیں کی' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (یونس:۲) اور ایمان والوں کو یہ خوش خبری دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس قدم صدق ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: قدم صدق سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' جو قیامت کے دن تمہاری

شفاعت کرنے والے ہیں' اسی طرح حسن بصری' قتادہ اور زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٣ ص ١١٧' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اور بعض دیگر مسائل

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت السائب بن یزید کے سر پر ہاتھ پھیرا' اس سے معلوم ہوا کہ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔

حضرت السائب بن یزید ٢ھ میں پیدا ہوئے اور حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے آ رہے تھے تو یہ دوسرے بچوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع کی طرف نکلے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ١١٧)

حافظ بیہقی متوفی ٤٥٨ھ' حضرت السائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے مدینہ آئے تو لوگوں نے آپ کا استقبال کیا' میں بھی بچوں میں آپ کے ساتھ تھا۔ (صحیح البخاری: ٣٠٨٢) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تو عورتیں' بچے اور بچیاں مل کر یہ گا رہے تھے: ''**طلع البدر علینا' من ثنیات الوداع ☆ وجب الشکر علینا ما دعا للّٰہ داع**''۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ جب آپ مکہ سے مدینہ آئے تھے' اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے' لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے' جب آپ غزوۂ تبوک سے مدینہ پہنچے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ٥ ص ٢٦٦-٢٦٥)

شیخ ابن قیم جوزی متوفی ٧٥١ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے' انہوں نے مزید یہ لکھا ہے کہ جو شخص مکہ سے مدینہ آئے تو اس راستہ میں ثنیات الوداع نہیں ہے' یہ مقام اس راستہ میں ہے' جب کوئی شخص شام سے مدینہ آئے۔ (زاد المعاد ج ٣ ص ٤٦٩)

حضرت السائب نے کہا: میں نے آپ کے وضوء کے پانی سے پیا' اس میں یہ دلیل ہے کہ وضوء کا مستعمل پانی پاک ہے' اس سے مراد وہ پانی ہے' جو آپ کے اعضاء شریفہ سے لگ کر قطرات کی صورت میں گرا تھا۔

وضوء کے مستعمل پانی کے متعلق امام ابوحنیفہ کے قول کو حافظ ابن حجر کا ردّ کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں جو احادیث ذکر کی ہیں' ان سے استدلال کر کے وہ اس شخص کے قول کا رد کرنا چاہتے ہیں' جو وضوء کے مستعمل پانی کو نجس کہتا ہے اور وہ ابو یوسف کا قول ہے' امام شافعی نے ''کتاب الام'' میں لکھا ہے: امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس قول سے رجوع کر لیا' اور امام ابوحنیفہ سے وضوء کے مستعمل پانی کے متعلق تین روایات ہیں: (١) یہ طاہر ہے' مطہر نہیں ہے (٢) یہ نجاست خفیفہ کے ساتھ نجس ہے (٣) یہ نجاست غلیظہ کے ساتھ نجس ہے' اور یہ احادیث امام ابوحنیفہ کا رد کرتی ہیں کیونکہ نجس چیز سے تبرک حاصل نہیں کیا جاتا اور نہ نجس چیز کو پیا جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ١ ص ٧٣١-٧٣٠' ملخصاً' دار المعرفہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)

حافظ بدر الدین عینی کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے دفاع کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ' حافظ عسقلانی کی اس عبارت کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس قائل نے اس تشنیع سے امام ابوحنیفہ پر رد کا ارادہ کیا ہے' اور اس کا رد بہت بعید ہے' کیونکہ جس پانی کو حضرت السائب نے پیا تھا' ضروری نہیں ہے کہ وہ وضوء کا مستعمل پانی ہو' وہ وضوء کے برتن میں بچا ہوا پانی بھی ہو سکتا ہے اور اگر بالفرض یہ پانی وہ تھا' جو آپ کے اعضاء شریفہ سے لگ کر گرا تھا تو امام ابوحنیفہ آپ کے مستعمل پانی کو نجس نہیں کہتے' وہ اس سے بری ہیں' وہ آپ کے

مستعمل پانی کو نجس کیسے کہہ سکتے ہیں' وہ تو آپ کے پیشاب کو بلکہ آپ کے تمام فضلات کو طاہر کہتے ہیں' اس کے باوجود' ہم بتا چکے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضوء کا مستعمل پانی نجس ہے کیونکہ فقہاء احناف کا فتویٰ اس قول پر ہے کہ وضوء کا مستعمل پانی طاہر غیر مطہر ہے' لہٰذا اس معاند کا شور و شغب منقطع ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

یہ دوسری جگہ ہے' جہاں علامہ عینی نے یہ تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات طاہر ہیں اور سخت حیرت ہے کہ شیخ انور شاہ کشمیری اور احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے کہ مجھے ابھی تک عینی کی یہ عبارت نہیں ملی۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۹۶۶۔ ج ۶ ص ۸۰۵ پر مذکور ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی' صرف دو سطروں میں مہر نبوت کی مختلف احادیث میں تطبیق دی ہے۔

٤١- بَابُ مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ

جس نے ایک چلو پانی سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا

باب سابق اور اس باب میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں کا تعلق وضوء سے ہے۔

١٩١- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ اَفْرَغَ مِنَ الْاِنَاءِ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ. اَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ. مِنْ كَفَّةٍ وَّاحِدَةٍ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا، فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ مَا اَقْبَلَ وَمَا اَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا' پس دونوں ہاتھوں کو دھویا' پھر انہوں نے ایک چلو سے دھویا یا کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پس یہ تین مرتبہ کیا' پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا' پھر دو' دو مرتبہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا' پھر سر پر مسح کیا' آگے سے ہاتھ سر کے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے ہاتھ آگے لائے' اور اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھویا' پھر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء اسی طرح تھا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۱۸۵ کا مطالعہ فرمائیں اور ایک چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی تحقیق صحیح البخاری: ۱۴۰ میں مطالعہ فرمائیں۔

٤٢- بَابُ مَسْحِ الرَّاْسِ مَرَّةً

سر کا مسح ایک بار کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ سر کا مسح صرف ایک بار کیا جائے گا' باب سابق میں یہ بیان کیا تھا کہ ایک چلو پانی سے کلی کی جائے اور ناک میں پانی ڈالا جائے اور اس باب میں ایک بار سر کے مسح کا ذکر ہے اور یہ دونوں باب وضوء کے ارکان پر مشتمل ہیں' اس لیے باہم متناسب ہیں۔

١٩٢- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ اَبِيْ حَسَنٍ، سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از والد خود'

عَنْ وُضُوْءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ، فَكَفَأَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ بِهِمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

انہوں نے کہا: میں عمرو بن ابی حسن کے پاس تھا' انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کے متعلق سوال کیا' انہوں نے پانی کا تسلا (بڑا برتن) منگایا' پھر ان کے سامنے وضوء کیا' پھر اس تسلے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر انڈیلا' پھر دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا' پھر اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا' پھر تین چلو پانی لے کر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا' پھر اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا' پس اپنے چہرے کو تین بار دھویا' پھر اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا' پس اپنے دونوں ہاتھوں کو دو بار کہنیوں تک دھویا' پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا' پس اپنے سر کا مسح کیا' پس اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے' پھر پیچھے سے آگے لائے' پھر اپنے ہاتھ کو برتن میں ڈالا' پس اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔

وَحَدَّثَنَا مُوْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً.

اور ہم کو موسیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہم کو وہیب نے حدیث بیان کی' وہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے ایک بار سر کا مسح کیا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۱۸۵' اور صحیح البخاری: ۱۴۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

٤٣- بَابُ وُضُوْءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ، وَفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْأَةِ

مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ وضوء کرنا اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مرد اور اس کی بیوی ایک برتن سے پانی لے کر وضوء کریں اور عورت کے پانی لینے کے بعد جب مرد اس عورت کے چھوڑے ہوئے پانی سے وضوء کرے گا تو اس کا کیا حکم ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

وَتَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيْمِ مِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانیہ کے گھر سے گرم پانی لے کر وضوء کیا۔

اس اثر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے اس اثر کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کتاب کی تدوین سے امام بخاری کی غرض صرف احادیث کی عبارات کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی غرض اس سے عام ہے' اس لیے وہ آثار صحابہ' فتاویٰ سلف' اقوال علماء اور قرآن مجید اور احادیث میں وارد مشکل الفاظ کے معانی بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت عمر کے اس اثر سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ گرم پانی سے وضوء کرنا جائز ہے اور نصرانی عورت کے گھر سے پانی لے کر وضوء کرنا جائز ہے' جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ پانی نجس ہے۔

۱۹۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّؤُوْنَ فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا. کے زمانہ میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضوء کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد:٧٩ 'سنن نسائی:٧١ 'سنن ابن ماجہ:٣٨١ 'صحیح ابن خزیمہ:٢٠٥ 'سنن بیہقی ج١ص١٩٠ 'مسند احمد ج٢ص٤ طبع قدیم 'مسند احمد: ٤٤٨١۔ ج٨ص٦٠ 'مؤسسۃ الرسالۃ 'بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے صرف ایک جز میں مطابقت ہے 'یعنی مرد اور عورت اکٹھے وضوء کرتے تھے اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ ایک برتن سے پانی لے کر وضوء کرتے تھے 'حتیٰ کہ یہ لازم آئے کہ مرد نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کیا 'البتہ ایک اور حدیث میں یہ تصریح ہے:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے کہا کہ ہم اور عورتیں ایک برتن سے پانی لے کر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں وضوء کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد:٧٩ 'سنن نسائی:٧١ 'سنن ابن ماجہ:٣٨١)

مردوں اور عورتوں کا ایک برتن سے پانی لے کر وضوء کرنے کا جواز اور دیگر مسائل

(١) صحابی جب کسی فعل کی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی طرف نسبت کرے تو جمہور کے نزدیک وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

(٢) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد اور عورت کا ایک برتن سے پانی لے کر وضوء کرنا جائز ہے اور رہا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا تو امام شافعی کے نزدیک مرد کا اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہے 'امام بغوی نے کہا: اس میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ اس کے ثبوت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں 'امام مالک 'امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر وہ اس عورت کے ساتھ تنہا ہو تو پھر اس کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔

(٣) مردوں اور عورتوں کے ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنے کے متعلق امام طحاوی 'علامہ قرطبی اور علامہ نووی نے یہ نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ نے ایک برتن سے پانی لے کر غسل جنابت کیا اور دونوں نے اکٹھے نماز کے لیے وضوء کیا۔ (المعجم الکبیر:١٢٠١٦)

تاہم مردوں کا اجنبی عورتوں کے ساتھ ایک برتن سے پانی لے کر وضوء کرنا جائز نہیں ہے 'البتہ مردوں کا اپنی بیویوں کے ساتھ ایک برتن سے پانی لے کر وضوء کرنا جائز ہے۔

٤٤- بَابُ صَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوْءَهٗ عَلَى الْمُغْمٰى عَلَيْهِ

نبی ﷺ کا اپنے وضوء کے پانی کو بے ہوش شخص پر ڈالنا

بے ہوشی 'جنون اور نیند میں فرق یہ ہے کہ جنون میں عقل مسلوب ہو جاتی ہے اور بے ہوشی میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور نیند میں عقل مستور ہو جاتی ہے 'باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں وضوء کے بچے ہوئے پانی کا ذکر ہے 'باب سابق میں یہ بتایا تھا کہ عورت کے وضوء کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا جائز ہے اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے وضوء کے بچے ہوئے پانی کو بے ہوش شخص پر ڈال دیا۔

١٩٤- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ 'عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ وَاَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی 'انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر 'انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے

مَرِيْضٌ لَا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوْئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنِ الْمِيْرَاثُ، إِنَّمَا يَرِثُنِيْ كَلَالَةٌ؟ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ.

[اطراف الحدیث: ۴۵۷۷-۵۶۵۱-۵۶۶۴-۵۶۷۶-۶۷۲۳-۶۷۴۳-۷۳۰۹]

ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے' میں اس وقت بیمار تھا اور مجھے ہوش نہیں تھا' آپ نے وضوء کیا اور مجھ پر اپنے وضوء کا پانی ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری وراثت کس کو ملے گی میرا وارث تو صرف کلالہ ہوگا؟ پھر فرائض (وراثت کے احکام) کی آیت نازل ہوگئی۔

(صحیح مسلم: ۱۶۱۶' الرقم المسلسل: ۴۰۶۸' سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶' سنن ترمذی: ۲۰۹۷' سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸' سنن نسائی: ۱۳۸' السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۵۱۳' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۷۰۹' سنن داری: ۷۳۳' صحیح ابن حبان: ۱۲۶۶' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۳۵۔ج ۶ ص ۲۱۲' شرح السنۃ: ۲۲۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۴۱۸۶۔ج ۲۲ ص ۹۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالولید الطیالسی ہشام بن عبدالملک (۲) شعبہ بن الحجاج' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) محمد بن المنکدر التیمی القرشی' یہ مشہور تابعی ہیں' یہ علم اور زہد کے جامع تھے' المنکدر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماموں تھے' انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی ضرورت کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: میرے پاس جو پہلی چیز آئے گی' میں اس کو تمہارے پاس بھیجوں گی' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دس ہزار درہم آئے' حضرت عائشہ نے وہ ان کے پاس بھیج دیے' انہوں نے اس رقم سے ایک باندی خرید لی' اس سے محمد پیدا ہوئے' جو بہت عبادت گزار اور پر سوز تھے' یہ ۱۳۱ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بہت بڑے صحابی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۲۹)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: مجھے ہوش نہیں تھا' آپ نے وضوء کیا اور مجھ پر اپنے وضوء کا پانی ڈالا۔

کلالہ اور فرائض کا معنیٰ

اس حدیث میں کلالہ کا لفظ ہے' کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں' جس کا نہ والد ہو نہ اس کی اولاد ہو۔

اور اس حدیث میں وراثت اور فرائض کا لفظ ہے' فرائض سے مراد ہے: کتاب اللہ میں وارثوں کے جو حصص مقدر ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وضوء کے پانی سے شفاء اور برکت کا حصول

علامہ بدرالدین عینی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی برکت ہر بیماری کو زائل کر دیتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالحسن ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں صالحین کے پانی پر دم کرنے اور پانی کو ہاتھ لگانے اور اس سے ان کی برکت کی توقع کا ثبوت ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

دیوبندی شارح سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

(۱) آں حضرت کے دست مبارک کی برکت سے ہر علت و مرض دور ہو جاتی تھی (۲) بزرگوں کے رقیہ' جھاڑ' پھونک وغیرہ سے بھی فائدہ اور برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ (انوار الباری ج ۷ ص ۵۲' ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان)

شیخ تقی عثمانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ علاج اپنے وضوء کا پانی ان پر ڈالا' پہلے جو فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا تھا' وہ بطور تبرک تھا اور یہ بطور علاج ہے' معلوم ہوا کہ دونوں طریقے جائز ہیں۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۳۲۴' مکتبۃ الحراء' کراچی)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اکابر کو اصاغر کی عیادت کرنی چاہیے۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۰۳۶۔ ج ۴ ص ۷۵۴ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) فرائض کا لغوی معنی (۲) مسلمان اور کافر کی ایک دوسرے کی وراثت میں مذاہب (۳) آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنا (۴) کلالہ کی تعریف۔

٤٥- بَابُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ وَالْحِجَارَةِ

مخضب اور پیالے اور لکڑی اور پتھر کے برتن میں غسل اور وضوء کرنا

"مخضب" کپڑے دھونے اور رنگنے کے برتن کو کہتے ہیں' اُردو میں اس کو ٹب یا لگن کہا جاتا ہے' علامہ عینی نے اس کا معنی "مرکن" لکھا ہے' اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں وضوء کا ذکر ہے۔

۱۹۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيْرٍ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ، فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيْبَ الدَّارِ اِلٰى اَهْلِهٖ، وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَةٍ فِيْهِ مَاءٌ، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ اَنْ يَّبْسُطَ فِيْهِ كَفَّهٗ، فَتَوَضَّاَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ. قُلْنَا كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ ثَمَانِيْنَ وَزِيَادَةً.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن منیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے عبداللہ بن بکر سے سنا' انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ' انہوں نے بیان کیا کہ نماز کا وقت آ گیا تو جس کے اہل کا گھر قریب تھا' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور باقی لوگ وہیں رہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پتھر کا مخضب لایا گیا' جس میں پانی تھا' وہ مخضب اتنا چھوٹا تھا کہ آپ اس میں اپنی ہتھیلی نہیں پھیلا سکتے تھے' پھر تمام لوگوں نے اس سے وضوء کر لیا' ہم نے پوچھا: تم لوگ کتنے تھے؟ انہوں نے کہا: اسی سے زیادہ تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۱۶۹ میں گزر چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

ہر قسم کے مادے کے برتن میں وضوء کرنے کا جواز

امام بخاری نے اس باب کے عنوان سے یہ بتایا ہے کہ ہر قسم کے مادے کے برتن سے وضوء کرنا جائز ہے' خواہ وہ برتن پتھر کا ہو یا لکڑی کا یا مٹی کا یا تانبے اور پیتل کا ہو' اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مخضب پتھر کا تھا' جس کے پانی سے آپ نے وضوء کیا تھا' اور بعض احادیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ آپ نے پیتل کے برتن سے پانی لے کر وضوء فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو ہم نے آپ کے لیے پیتل کے طشت میں پانی نکالا تو آپ نے اس سے وضوء کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۰' سنن ابن ماجہ: ۴۷۱' المستدرک: ۶۰۰۔ ج ۱ ص ۱۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتل کے ایک طشت سے پانی لے کر غسل کرتے تھے۔ (المستدرک: ۶۰۱۔ ج ۱ ص ۱۶۹)

١٩٦- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيْهِ، وَمَجَّ فِيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی' از برید از ابوبُردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگایا' جس میں پانی تھا' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اور چہرہ کو اس میں دھویا اور اس میں کلی کی۔

اس حدیث کی تخریج اور اس کی شرح' صحیح البخاری: ١٨٨ میں گزر چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

جس برتن میں کلی کی ہو' اس سے وضوء کرنے کا جواز

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

داؤدی نے کہا ہے کہ اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہے' جس میں کلی کی ہو۔

اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ اس پانی کو پینا بھی جائز ہے اور اس کو اپنے چہرے اور سینہ پر ڈالنا بھی جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٣ ص ١٣٣' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

١٩٧- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِيْ تَوْرٍ مِّنْ صُفْرٍ، فَتَوَضَّاَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَاْسِهِ، فَاَقْبَلَ بِهِ وَاَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے آپ کے لیے پیتل کے ایک طشت میں پانی نکالا تو آپ نے اس سے وضوء کیا' پس آپ نے اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دو' دو بار دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا' پس (اپنے ہاتھوں کو) آگے سے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے آگے لائے اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١٨٥ میں گزر چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

١٩٨- حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ، اسْتَاْذَنَ اَزْوَاجَهُ فِيْ اَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ، فَاَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْاَرْضِ، بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ اٰخَرَ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَاَخْبَرْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ اَتَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری' انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں بوجھل ہو گئے اور آپ کا درد بہت شدید ہو گیا تو آپ نے اپنی ازواج سے یہ اجازت طلب کی کہ آپ اپنی بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں' آپ کی ازواج نے آپ کو اجازت دے دی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے درمیان گھر سے نکلے' آپ کے دونوں پیر زمین میں گھسٹتے

هُوَ عَلِيٌّ. وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَمَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ. وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ، حَتّٰى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ.

[اطراف الحدیث: ٦٦٤-٦٦٥-٢٥٨٨-٣٠٩٩-٤٤٤٢-٥٧١٤]

ہوئے لکیر بنا رہے تھے' آپ حضرت عباس رضی اللہ اور ایک اور شخص کے درمیان (چل رہے تھے)' عبید اللہ نے کہا: پس میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ کو خبر دی' انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں' انہوں نے کہا: وہ حضرت علی رضی اللہ تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ بیان کرتی تھیں کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی ڈالو جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں' شاید کہ میں لوگوں کو نصیحت کروں اور آپ کو ایک ٹب میں بٹھا دیا گیا' وہ ٹب آپ کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ کا تھا' پھر ہم آپ کے اوپر ان مشکوں سے پانی ڈالتے رہے' حتیٰ کہ آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ تم نے اپنا کام پورا کر لیا ہے' پھر ان لوگوں کی طرف چلے گئے۔

ہماری تحقیق کے مطابق اس متن کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں' دیگر کتب صحاح میں اور مسند احمد میں' اس متن کی روایت نہیں ہے' اس متن سے زائد عبارت کی روایت ہے یا اس سے کم متن کی روایت ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابوالیمان' ان کا نام حکم بن نافع ہے (۲) شعیب بن ابی حمزہ دینار' ابوبشر الحمصی (۳) محمد بن مسلم الزہری (۴) عبید اللہ بن عبد اللہ (۵) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۴)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: آپ کو ٹب میں بٹھا دیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم شافی الامراض ہیں' پھر وفات تک آپ کے بیمار رہنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں بوجھل ہو گئے اور آپ کا درد زیادہ ہو گیا۔

متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے یا آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیماروں کو شفاء ہو جاتی تھی' پھر کیا وجہ ہے کہ آپ خود بیمار ہو گئے اور کئی ایام تک بیمار رہے اور شفاء یاب نہیں ہوئے اور اسی بیماری میں آپ کی وفات ہو گئی' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے معجزات اور کمالات ظاہر کرنے کے لیے آپ کے لعاب مبارک اور آپ کے ہاتھوں کے لمس میں شفاء رکھی اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ آپ ان کمالات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بندہ ہیں اور خدا نہیں ہیں' آپ پر بیماری کے احوال طاری کیے' تاکہ آپ کے ان کمالات کو دیکھ کر کوئی شخص آپ میں الوہیت کا اعتقاد نہ کرے' جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند کمالات دیکھ کر ان کے بعض پیروکاروں نے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا تھا۔

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج میں باریوں کی تقسیم واجب تھی یا نہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ آپ بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ کے گھر

گزاریں' اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر یہ واجب تھا کہ آپ باری باری ہر زوجہ کے گھر رہیں اور کسی ایک زوجہ کے پاس ایک سے زیادہ دن نہ رہیں اور چونکہ بیماری کے ایام میں بار بار گھر بدلنے میں مشقت اور زحمت ہوتی ہے' اس لیے آپ نے باقی ازواج سے اجازت لی کہ آپ بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزاریں۔

علامہ بدرالدین عینی نے یہ لکھا ہے کہ آپ پر ازواج کے لیے باریوں کی تقسیم واجب تھی' ورنہ آپ ازواج سے اجازت نہ لیتے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ پر باریوں کی تقسیم واجب تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دیگر ازواج کی دل جوئی کے لیے ان سے اجازت طلب کی ہو۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۷' دار المعرفۃ بیروت)

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ آپ پر ازواج میں باریوں کی تقسیم واجب نہ تھی' قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ. (الاحزاب:۵۱) ان میں سے جس کو آپ چاہیں' اپنے پاس سے موخر کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔

اس آیت میں "ترجی" کا لفظ ہے' یہ "ارجاء" سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو مؤخر کرنا' یعنی ازواج میں سے آپ جس بیوی کی باری چاہیں مؤخر کر دیں' اور "تؤوی" کا لفظ ہے' یہ "ایواء" سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: جگہ دینا اور یہاں مراد ہے: آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مقدم کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر بیویوں کی باری کی تقسیم واجب نہیں کی تھی اور آپ نے جو باریاں تقسیم کی ہوئی تھیں' وہ محض آپ کا فضل اور آپ کی شفقت تھی اور آپ نے دیگر ازواج سے بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارنے کی اجازت طلب کی تھی' وہ بھی آپ کی شفقت تھی اور آپ کا فضل تھا اور ان ازواج کی دل جوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص کے درمیان چل رہے تھے' حضرت ابن عباس نے بتایا کہ جس شخص کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نام نہیں لیا' وہ حضرت علی تھے۔

حضرت علی کا نام نہ لینے کی توجیہ

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اس لیے نہیں لیا تھا کہ حضرت عائشہ کو حضرت علی سے شکایت تھی' کیونکہ جب منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل کے ساتھ تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفتیش کی تو باقی صحابہ نے تو یہ کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! ہم آپ کی اہلیہ کے متعلق سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتے اور حضرت علی نے یہ کہا تھا: یارسول اللہ! اللہ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی اور ان کے سوا اور بہت عورتیں ہیں۔ (صحیح البخاری:۲۶۶۱)

اس کی زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جانب تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب آدمی بدل رہے تھے کبھی حضرت علی ہوتے' کبھی حضرت فضل بن عباس ہوتے اور کبھی حضرت اسامہ بن زید ہوتے تو چونکہ دوسری جانب کوئی آدمی معین نہیں تھا' اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسری جانب کے لیے کسی شخص کا نام نہیں لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سات مشکوں کے پانی سے غسل کرانے کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ کا درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی ڈالو جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئیں ہوں۔ آپ نے پانی ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا تا کہ بخار کی تیزی اور حدت میں تخفیف ہو' جدید میڈیکل سائنس

کی بھی یہی تحقیق ہے کہ جب بخار بہت تیز ہو جائے تو برف سے ٹکور کرنی چاہیے اور آپ نے سات مشکوں کا جو فرمایا' ہو سکتا ہے' اس کی وجہ یہ ہو کہ اکثر اُمور شرعیہ میں سات کا عدد معتبر ہے' جیسے طواف کے سات چکر ہیں اور صفا اور مروہ میں سات بار سعی کی جاتی ہے اور شیطان کو سات کنکریاں ماری جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اکثر مخلوقات بھی سات ہیں' جیسے سات زمینیں اور سات آسمان ہیں اور ہفتہ کے دن بھی سات ہیں' یا سات مشکوں کی کوئی اور وجہ ہو' جس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو ہے' باقی یہ جو فرمایا کہ ان مشکوں کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں' یہ اس لیے فرمایا کہ اگر ان مشکوں کا منہ کھلا ہوا ہو تو اس کے پانی میں گرد و غبار چلا جائے گا' آپ چاہتے تھے کہ آپ کے اوپر صاف اور شفاف پانی ڈالا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیماری میں زیادہ تکلیف زیادہ اجر کی موجب ہے

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو درد زیادہ ہو گیا تھا' آپ کو درد اس لیے زیادہ ہوتا تھا تاکہ آپ کا اجر زیادہ ہو' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا' اس وقت آپ کو بخار چڑھا ہوا تھا' میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو بہت شدید بخار ہے' آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار آتا ہے' جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو بخار آتا ہے' میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لیے اس میں دو اجر ہیں' آپ نے فرمایا: ہاں! یہ بات اسی طرح ہے' جس مسلمان کو بھی اذیت پہنچتی ہے' کانٹا ہو یا اس سے زیادہ کوئی چیز ہو' اللہ اس اذیت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے' جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۴۷' صحیح مسلم: ۲۵۷۱)

حدیث الباب کے دیگر مسائل

اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل کے لیے ٹب میں بٹھایا گیا' اس سے معلوم ہوا کہ ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنا سنت ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: شاید میں تم کو نصیحت کروں' اس سے وصیت کرنے کا استحباب معلوم ہوا اور علاج کی نیت سے مریض کو غسل کرانے کا جواز معلوم ہوا' آپ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی ڈالو' جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں' اس سے علاج کا سنت ہونا ثابت ہوا اور ان لوگوں کا رد ہو گیا جو علاج کو توکل کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارنا چاہتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی متعدد بیویاں ہوں تو یہ جائز ہے کہ اس کو کسی ایک بیوی کے پاس سکون حاصل ہو' اس سے آپ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت کا پتا چلا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت معلوم ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۷)

٤٦- بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ التَّوْرِ — طشت سے پانی لے کر وضوء کرنا

باب کے عنوان میں "تور" کا لفظ ہے' جس کا معنی طشت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اس کا معنی لوٹا ہو۔ باب سابق میں ٹب میں بٹھا کر غسل کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں طشت یا لوٹے سے وضوء کرنے کا ذکر ہے۔

١٩٩- حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ عَمِّيْ يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوْءِ، قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَخْبِرْنِيْ كَيْفَ رَاَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ؟ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِّنْ مَّاءٍ، فَكَفَاَ عَلٰى يَدَيْهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از والد خود' انہوں نے کہا: میرے چچا بہت وضوء کرتے تھے' انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے بتائیں آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ فَاغْتَرَفَ بِهَا، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً فَمَسَحَ بِهٖ رَاْسَهُ، فَاَدْبَرَ بِهٖ وَاَقْبَلَ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ.

کس طرح وضوء کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے پانی کا ایک تسلا منگایا' اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی انڈیلا' پھر دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا' پھر اپنا ہاتھ تسلے میں داخل کیا' پس ایک چلو سے تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا' پھر اپنا ہاتھ (تسلے میں) داخل کیا' اس سے چلو میں پانی لیا' پھر تین بار اپنے چہرے کو دھویا' پھر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا' پھر اپنے ہاتھ میں پانی لیا' پس اپنے سر کا مسح کیا' پس اپنے ہاتھ کو پیچھے لے گئے اور آگے لائے' پھر اپنے دونوں پیروں کو دھویا' پھر فرمایا: اس طرح میں نے نبی ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١٨٥ میں گزر چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

٢٠٠- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَّاءٍ، فَاُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيهِ شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ، فَوَضَعَ اَصَابِعَهُ فِيهِ، قَالَ اَنَسٌ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَى الْمَاءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ، قَالَ اَنَسٌ فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّاَ مِنْهُ مَا بَيْنَ السَّبْعِيْنَ اِلَى الثَّمَانِيْنَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ بے شک نبی ﷺ نے پانی کا برتن منگایا تو ایک کشادہ پیالہ لایا گیا' جس میں تھوڑا سا پانی تھا' آپ نے اس میں اپنی انگلیاں رکھ دیں' حضرت انس نے کہا: میں اس پانی کی طرف دیکھ رہا تھا' جو آپ کی انگلیوں سے اُبل رہا تھا' حضرت انس نے کہا: میں نے اندازہ کیا' جن لوگوں نے اس پانی سے وضوء کیا' ان کی تعداد ستر سے اسی تک تھی۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١٦٩ میں ملاحظہ فرمائیں۔

٤٧- بَابُ الْوُضُوْءِ بِالْمُدِّ

ایک لیٹر پانی سے وضوء کرنا

''مُدّ'' ایک پیمانہ ہے' جس میں تقریباً ایک لیٹر پانی آتا ہے' علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور فقہاء عراق کے نزدیک ایک مُد دو رطل کا ہوتا ہے (رطل بھی ایک پیمانہ ہے' جو تقریباً نصف لیٹر کے برابر ہوتا ہے) امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مد یعنی دو رطل سے وضوء کرتے تھے اور ایک صاع (چار لیٹر پانی) سے غسل کرتے تھے یعنی آٹھ رطل سے (سنن دار قطنی: ٣٠٩۔ ج ١ ص ٢٣٨' دار المعرفہ' سنن بیہقی ج ٤ ص ١٧٢)۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ١٣٩)

٢٠١- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ اَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلَى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ، وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے ابن جبر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ نبی ﷺ ایک صاع پانی سے پانچ مُد (چار لیٹر سے پانچ لیٹر) تک پانی سے غسل

کرتے تھے اور ایک مُد (ایک لیٹر) پانی سے وضوء کرتے تھے۔

(صحیح مسلم:۳۲۵ الرقم المسلسل:۷۲۲ سنن ابوداؤد:۹۵ سنن ترمذی:۶۰۹ سنن نسائی:۳۴۵-۲۲۶-۷۳ سنن بیہقی ج۱ ص۸۹ مسند ابویعلیٰ:۴۲۰۹ سنن داری:۶۸۹ صحیح ابن خزیمہ:۱۱۶ مسند ابوعوانہ ج۱ ص۲۳۲ صحیح ابن حبان:۱۲۰۴-۱۲۰۳ شرح السنة:۲۷۷ سنن دار قطنی ج۱ ص۹۴-ج۲ ص۱۵۳ المعجم الاوسط:۹۲۶ مسند احمد ج۶ ص۱۲۱ مسند احمد ج۳ ص۱۱۲ طبع قدیم مسند احمد:۱۲۱۰۵-ج۱۹ ص۱۵۶ مؤسسة الرسالة بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابونعیم بن دکین ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) مسعر بن کدام ابونعیم نے کہا: مسعر اپنی حدیث میں بہت شک کرنے والے تھے شعبہ نے کہا: ہم مسعر کو ان کے صدق کی وجہ سے مصحف کہتے تھے ابراہیم بن سعد نے کہا: جب شعبہ اور سفیان کسی چیز میں شک کرتے تو وہ کہتے: چلو میزان کی طرف یعنی مسعر کی طرف یہ ۱۵۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) ابن جبر اس سے مراد جبر کے پوتے ہیں کیونکہ ابن جبر جو ابن سعد ہیں ان کی اس کتاب میں حضرت انس سے کوئی روایت نہیں ہے ابن جبر کو جابر بن عتیک کہا جاتا ہے (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدة القاری ج۳ ص۱۴۰)

وضوء اور غسل میں پانی کی مقدار کا معین نہ ہونا اور فرق اور مکوک کے معنی

اس حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُد (چار لیٹر سے پانچ لیٹر) تک پانی سے غسل کرتے تھے بعض اوقات آپ چار لیٹر پانی سے غسل کرتے اور بعض اوقات پانی زیادہ لیتے اور پانچ لیٹر پانی سے غسل کرتے اس سے معلوم ہوا کہ غسل میں پانی کی مقدار معین نہیں ہے بلکہ اس میں قلیل اور کثیر پانی کافی ہے جب اس سے پورے بدن کا غسل ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ غسل اور وضوء میں پانی کی جو مقدار ذکر کی گئی ہے اس سے کم پانی نہ لیا جائے اور جس آدمی کی جسامت اوسط جسامت سے کم ہو وہ اس سے کم مقدار سے بھی غسل کر سکتا ہے اور جس کی جسامت اوسط جسامت سے زیادہ ہو وہ اس سے زیادہ مقدار پانی کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔

بعض احادیث میں ''فَرَق'' اور بعض میں ''فَرْق'' کا لفظ ہے ابن الاثیر نے کہا کہ ''فَرَق'' ۱۶ رطل ہے یعنی آٹھ کلوگرام یا آٹھ لیٹر کا پیمانہ اور ''فَرْق'' ۱۲۰ رطل ہے یعنی ۶۰ کلوگرام یا ۶۰ لیٹر کا پیمانہ اور بعض احادیث میں ''مکوك'' کا لفظ ہے ''مکوك'' اور ''مُد'' کا ایک معنی ہے یعنی ایک کلوگرام اور ایک لیٹر کا پیمانہ۔ (عمدة القاری ج۳ ص۱۴۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اتنی مقدار پانی کے ساتھ وضوء اور غسل کرنا جمہور فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔
(فتح الباری ج۱ ص۳۷۷)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم:۶۴۵- ج۱ ص۱۰۱۸ پر ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٤٨- بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ — موزوں پر مسح کرنا

یعنی یہ باب موزوں پر مسح کرنے کے حکم میں ہے اور گزشتہ باب کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب وضوء کے احکام پر مشتمل ہیں۔

۲۰۲- حَدَّثَنَا اَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الْمِصْرِيُّ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرٌو، قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ بن الفرج المصری نے حدیث بیان کی از ابن وہب انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابوالنضر نے حدیث بیان کی از

عُمَرَ ' عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ ' عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ. وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَاَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ ' اِذَا حَدَّثَكَ شَیْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ' فَلَا تَسْاَلْ عَنْهُ غَیْرَهٗ.

ابوسلمہ بن عبد الرحمان از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا اور بے شک حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت عمر نے کہا: ہاں! جب تمہیں حضرت سعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کریں تو تم اس کے متعلق کسی اور سے سوال نہ کرو۔

وَقَالَ مُوْسَی بْنُ عُقْبَةَ اَخْبَرَنِیْ اَبُو النَّضْرِ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ سَعْدًا حَدَّثَهٗ فَقَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ اللّٰهِ نَحْوَهٗ.

اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا: مجھے ابوالنضر نے خبر دی کہ بے شک ابوسلمہ نے ان کو خبر دی کہ بے شک حضرت سعد نے ان کو حدیث بیان کی تو حضرت عمر نے حضرت عبداللہ سے اسی کی مثل کہا۔

(سنن نسائی: ۱۲۱' صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۲' مسند احمد ج ۱ ص ۱۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۸۸۔ ج ۱ ص ۲۴۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

موزوں پر مسح کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال المالکی القرطبی لکھتے ہیں:

موزوں پر مسح کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے اور امام مالک سے اس کے متعلق تین روایات ہیں اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

خوارج نے کہا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا بالکل جائز نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

شیعہ نے کہا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ حضرت علی نے موزوں پر مسح نہیں کیا۔

اہل سنت و جماعت کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ شہرت یہ احادیث مروی ہیں کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا ہے اور ان صحابہ سے بھی جو آپ سے سفر اور حضر میں جدا نہیں ہوتے تھے۔

جن صحابہ سے موزوں پر مسح کرنا منقول ہے' ان کے اسماء یہ ہیں: (۱) حضرت عمر بن الخطاب (۲) حضرت علی (۳) حضرت سعد (۴) حضرت ابن مسعود (۵) حضرت المغیرہ بن شعبہ (۶) حضرت خزیمہ بن ثابت (۷) حضرت ابن عباس (۸) حضرت جریر بن عبداللہ (۹) حضرت انس (۱۰) حضرت عمرو بن العاص (۱۱) حضرت ابوایوب (۱۲) حضرت ابوامامہ الباہلی (۱۳) حضرت سہل بن سعد (۱۴) حضرت قیس بن سعد (۱۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری (۱۶) حضرت ابوسعید (۱۸) حضرت جابر (۱۷) حضرت حذیفہ (۱۹) حضرت عمار (۲۰) حضرت ابومسعود الانصاری (۲۱) حضرت جابر بن سمرہ (۲۲) حضرت البراء بن عازب (۲۳) حضرت ابوبکرہ (۲۴) حضرت بلال (۲۵) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ اور اصحاب بھی ہیں حتیٰ کہ الحسن البصری نے کہا: مجھ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحاب نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے' پس یہ حدیث' حدیث متواتر کے قائم مقام ہے۔

حضرت المغیرہ ۹ھ میں غزوۂ تبوک میں تھے' لہٰذا ان لوگوں کا قول ساقط ہو گیا' جو کہتے ہیں کہ وضوء کی آیت مدنی ہے اور اس سے موزوں پر مسح منسوخ ہو گیا اور غزوۂ تبوک مدینہ کا آخری غزوہ تھا اور سورۂ مائدہ اس سے پہلے نازل ہوئی تھی' جس میں آیت وضوء ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ. اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں پر۔

(النساء: ۴۳ المائدہ: ٦)

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: جب ''ارجلکم'' پر زیر پڑھا جائے تو یہ آیت اس پر محمول ہے جب موزے پہنے ہوئے ہوں تو اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے موزوں پر۔

موزوں پر مسح کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ مائدہ کے نزول کے وقت اپنے اصحاب سے یہ نہیں کہا کہ اس آیت نے موزوں پر مسح کو منسوخ کر دیا۔

اور صحابہ میں سے کسی نے موزوں پر مسح کا انکار نہیں کیا' سوا حضرت ابن عباس کے اور حضرت علی' حضرت عائشہ' حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوایوب سے بھی موزوں پر مسح کی روایت ہے۔

رہے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ تو ان سے اس کے انکار کے خلاف بھی روایت ہے' جو باقی صحابہ کی موافقت میں ہے۔

امام احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ اور حضرت ابوایوب سے جو موزوں پر مسح کے انکار کی روایت ہے' آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: حضرت ابوایوب سے یہ روایت ہے کہ مجھے پیروں کا دھونا پسند ہے' اگر کسی شخص کا ایسا قول ہو اور وہ موزوں پر مسح کا انکار نہ کرے تو ہم اس کی مذمت نہیں کریں گے اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۱۳۔۳۱۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم کا موزوں کے مسح پر قولاً وفعلاً اجماع ہے' تمام صحابہ موزوں پر مسح کو جائز کہتے تھے' حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک موزوں پر مسح کرنے کے جواز کا عقیدہ رکھنا' اہل سنت وجماعت کی شرائط میں سے ہے' انہوں نے کہا: اہل سنت کی علامت یہ ہے کہ تم شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) کو فضیلت دو' اور دو دامادوں (حضرت عثمان اور حضرت علی) سے محبت رکھو' موزوں پر مسح کو جائز سمجھو اور چھواروں کے نبیذ کو حرام نہ قرار دو۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: میں نے اس وقت تک موزوں پر مسح کو جائز نہیں کہا' جب تک کہ اس کا جواز مجھ پر روزِ روشن کی طرح واضح نہیں ہو گیا اور اس کا انکار کرنا صحابہ کرام پر ردّ کرنا ہے اور ان کو خطاء پر قرار دینا ہے' اس لیے علامہ کرخی نے کہا ہے: جو موزوں پر مسح کا انکار کرے مجھے اس پر کفر کا خطرہ ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۴)

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا' جب ان سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا' ان سے پوچھا گیا: سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد؟ تو انہوں نے کہا: میں سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد ہی تو اسلام لایا ہوں۔ (مسند ابوداؤد الطیالسی: ۹۲' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸' صحیح البخاری: ۳۸۷' صحیح مسلم: ۲۷۲' سنن ابوداؤد: ۱۵۴' سنن ترمذی: ۹۳' سنن ابن ماجہ: ۵۴۳' صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۶' مصنف عبد الرزاق: ۷۵۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۷۶' المستدرک ج ۱ ص ۱۶۹) (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۳۴۔۱۳۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

٢٠٣- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدِ الْحَرَّانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ اَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِاِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ، فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، فَتَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد الحرانی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از سعد بن ابراہیم از نافع بن جبیر از عروہ بن المغیرہ از والد خود حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ قضاء حاجت کے لیے گھر سے نکلے حضرت المغیرہ چمڑے کے ایک برتن کو لے کر آپ کے پیچھے گئے جس میں پانی تھا جب آپ قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے آپ کے اوپر پانی ڈالا پس آپ نے وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۱۸۲ کا مطالعہ فرمائیں۔

٢٠٤- حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

وَتَابَعَهُ حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ، وَاَبَانُ عَنْ يَحْيَى.

[طرف الحدیث: ۲۰۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری کہ ان کے والد نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

شیبان بن عبد الرحمان کی حرب بن شداد نے اور ابان نے متابعت کی ہے از یحییٰ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۴ الرقم المسلسل: ۶۱۵ سنن ابوداؤد: ۱۵۱-۱۴۹ سنن نسائی: ۱۲۴-۸۲-۷۹ سنن ابن ماجہ: ۵۴۵ صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳ سنن بیہقی ج ۱ ص ۷۰ مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۹ طبع قدیم مسند احمد ج ۲۸ ص ۴۸۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابونعیم الفضل بن دکین (۲) شیبان بن عبد الرحمان النحوی (۳) یحییٰ بن ابی کثیر تابعی (۴) ابوسلمہ عبداللہ بن عبد الرحمان بن عوف ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۵) جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری یہ عبد الملک بن مروان کے رضاعی بھائی تھے اور کبار تابعین میں سے تھے ان کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی (۶) حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ یہ غزوۂ بدر اور احد میں مشرکین کے ساتھ تھے اور اس وقت اسلام لائے جب مشرکین احد سے چلے گئے تھے یہ عرب کے بہادر آدمیوں میں سے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس احادیث روایت کی ہیں امام بخاری نے ان میں سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۴۹)

اس حدیث میں موزوں پر مسح کرنے کے جواز کا بیان ہے۔

٢٠٥- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا الْاَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ اَبِيهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں اوزاعی نے خبر دی از یحییٰ از ابی سلمہ از جعفر بن عمرو از والد خود انہوں نے کہا: میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔

وَتَابَعَهُ مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور اوزاعی کی متابعت معمر نے کی ہے از یحییٰ از ابی سلمہ از عمرو انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نے اپنے عمامہ اور اپنے موزوں پر مسح کیا)۔

اس حدیث کی تشریح اور تخریج صحیح البخاری: ۲۰۴ میں ملاحظہ فرمائیں اور عمامہ پر مسح کی تحقیق صحیح البخاری: ۱۸۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

٤٩- بَابٌ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ

جب کسی شخص نے اپنے پیروں کو موزوں میں داخل کیا اور وہ پاک تھے

یعنی اس کے پیر حدث سے پاک تھے' اس باب کی سابق باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں موزوں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔

٢٠٦- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ دَعْهُمَا، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ. فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زکریا نے حدیث بیان کی' از عامر از عروہ بن المغیرہ از والد خود' انہوں نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا' میں نے آپ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ان کو رہنے دو کیونکہ میں نے ان میں پیروں کو پاک حالت میں داخل کیا ہے' پس آپ نے ان پر مسح کیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابونعیم الفضل بن دکین (۲) زکریا بن ابی زائدہ الکوفی (۳) عامر بن شراحیل الشعبی التابعی' انہوں نے کہا: میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا یا اس سے زیادہ کو' وہ سب یہ کہتے تھے کہ حضرت علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جنت میں ہیں (۴) عروہ بن المغیرہ (۵) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ' ان سب کا تفصیلی تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۱)

حافظ ابن حجر کے نزدیک موزے پہنتے وقت طہارتِ کاملہ کی شرط ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک حدث کے وقت' اس پر حافظ ابن حجر کا فقہاء احناف پر اعتراض

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے موزوں میں پیروں کو پاک حالت میں (یعنی باوضوء) داخل کیا ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ' اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے' خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی اور جمہور فقہاء نے اس طہارت سے وضوء شرعی مراد لیا ہے' داؤد ظاہری نے ان کی مخالفت کی ہے' اس نے کہا ہے کہ جب اس کے پیروں پر نجاست نہ ہو اور وہ موزوں کو پہن لے تو وہ ان پر مسح کر سکتا ہے کیونکہ اس نے پاک پیروں کو موزوں میں داخل کیا اور اگر اس نے پیروں کو وضوء کی نیت سے دھویا' پھر موزوں کو پہن لیا' پھر بعد میں باقی اعضاء پر وضوء کیا تو امام شافعی اور ان کے موافقین کے نزدیک اب بھی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک وضوء میں ترتیب واجب ہے اور جس کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے' اس کے نزدیک بھی اس صورت میں موزوں پر مسح جائز نہیں ہے کیونکہ وضوء میں تجزی نہیں ہے' لیکن فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ نے کہا ہے: موزوں پر مسح کرنے کے جواز کی شرط یہ ہے کہ

موزوں کو طہارتِ کاملہ پر پہنا جائے اور طہارتِ کاملہ سے مراد یہ ہے کہ وضوء ٹوٹنے کے وقت طہارتِ کاملہ ہو نہ کہ موزوں کے پہننے کے وقت' پس اس صورت میں جب اس نے مکمل وضوء کیا' پھر اس نے وضوء توڑ دیا تو اس کے لیے اب موزوں پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ وضوء توڑنے کے وقت اس کی طہارت کامل تھی (ہدایہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عسقلانی کہتے ہیں کہ اس باب کی حدیث صاحب ہدایہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس حدیث میں مسح کے جواز کے لیے موزے پہننے سے پہلے طہارت کو شرط قرار دیا ہے اور جس چیز کی صحت کسی شرط پر موقوف ہو وہ چیز اس شرط کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ج ا ص ۲۱۷ 'دار المعرفۃ بیروت'۱۴۲۶ھ)

فقہاء احناف کی طرف سے علامہ عینی کا جواب اور حافظ ابن حجر کا ردّ

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تقریر کے ردّ میں حافظ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہ نے یہ کہا ہے کہ جب موزوں کو طہارتِ کاملہ پر پہنا جائے' طہارتِ کاملہ کی شرط موزوں کو پہننے کے وقت نہیں ہے بلکہ وضوء ٹوٹنے کے وقت ہے اور ہمارا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ اگر اس نے دونوں پیروں کو دھویا اور موزوں کو پہن لیا' پھر اس نے مکمل وضوء کر لیا' پھر اس نے وضوء توڑ دیا تو اس کا موزوں پر مسح کرنا کافی ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موزے پیروں میں حدث کے حلول کرنے سے مانع ہیں' پس جو حدث سے منع کا وقت ہو' اس وقت طہارت کامل ہونی چاہیے' حتیٰ کہ اگر اس وقت طہارت ناقص ہو تو پھر موزے حدث کے لیے رافع بن جائیں گے' اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ردّ کی تقریر یہ ہے کہ اس باب کی حدیث صاحب ہدایہ کے خلاف حجت نہیں ہے' کیونکہ اوّلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ طہارتِ کاملہ پر موزے پہننے کی شرط میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' اختلاف اس میں ہے کہ طہارتِ کاملہ کی شرط موزے پہننے کے وقت ہے یا حدث کے وقت ہے' ہمارے نزدیک یہ حدث کے وقت شرط ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ موزے پہننے کے وقت ہے اور اس اختلاف کا نتیجہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جب ایک شخص پہلے اپنے پیروں کو دھوئے اور موزے پہن لے' پھر اس کے بعد پورا وضوء کرے' وضوء ٹوٹنے سے پہلے پھر وہ وضوء توڑ دے تو ہمارے نزدیک اس کا موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے' کیونکہ حدث کے وقت اس کی طہارت کاملہ تھی اور موزے پہننے کے وقت اس کی طہارت کاملہ نہیں تھی' اسی طرح اگر اس نے ترتیب سے وضوء کیا' لیکن اس نے ایک پیر کو دھو کر موزہ پہن لیا' پھر دوسرا پیر دھو کر دوسرا موزہ پہن لیا' تب بھی ہمارے نزدیک اس کے حدث کے بعد اس کا موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس کا موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے' حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے کہ جو چیز کسی شرط پر موقوف ہو' اس کا وجود اس شرط کے بغیر صحیح نہیں ہے' یہ قاعدہ درست ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ نبی ﷺ نے طہارتِ کاملہ کی شرط موزے پہننے کے وقت عائد کی ہے' کیونکہ یہ بات حدیث کی عبارت سے مفہوم نہیں ہوتی' زیادہ سے زیادہ جو بات ہے' وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ جس وقت آپ نے موزے پہنے تھے' اس وقت آپ کے دونوں قدم طاہر تھے' پس ہم نے اس سے یہ مسئلہ نکالا کہ مسح کے جواز کے لیے طہارت شرط ہے' خواہ طہارت موزوں کے پہننے کے وقت ہو یا طہارت حدث کے وقت ہو اور موزے پہننے کے وقت کامل طہارت ہونے کی قید یہ ایک زائد چیز ہے' جو حدیث کی عبارت سے مفہوم نہیں ہوتی اور جب یہ بات واضح ہو گئی تو پھر یہ حدیث صاحب ہدایہ کے خلاف حجت نہیں ہے' بلکہ ان کے موافق حجت ہے اور امام شافعی کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ قید نہیں ہے کہ موزے پہننے کے وقت طہارت کامل ہونی چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۲ 'دار الکتب العلمیہ بیروت'۱۴۲۱ھ)

زر بن حبیش بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت صفوان بن عسال المرادی کے پاس گیا' انہوں نے کہا: تم کس لیے آئے ہو؟ میں

نے کہا: میں علم کی طلب میں آیا ہوں' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص بھی اپنے گھر سے علم کی طلب میں نکلتا ہے تو فرشتے اس کی رضا کے لیے اپنے پَر بچھاتے ہیں' زر نے کہا: میں آپ سے موزوں پر مسح کے متعلق سوال کرنے آیا ہوں' حضرت صفوان نے کہا: ہم اس لشکر میں تھے' جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا' پس آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے موزوں پر مسح کریں' جب کہ ہم نے موزوں میں اپنے پیروں کو باوضوء داخل کیا ہو' جب ہم سفر کریں تو تین دن تک مسح کریں اور تین رات تک مسح کریں' جب ہم مقیم ہوں اور ہم موزوں کو پاخانے یا پیشاب کے وقت نہ اتاریں' صرف جنابت کے وقت اتاریں۔

الحدیث (صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۳۔ ج۱ص۹۷' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ہم اپنے موزوں پر مسح کریں' اس میں یہ مقدر ہے کہ جب ہم اپنا وضوء توڑیں تو موزوں پر مسح کریں کیونکہ موزوں پر مسح کرنے کا وقت وضوء توڑنے کے بعد ہے اور اس سے پہلے وضوء کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ وضوء کر کے موزے پہنے ہوئے تھے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ موزے پہننے سے پہلے طہارت کاملہ شرط ہے تو انہیں یہ بتانا چاہیے کہ دلالت کی اقسام میں سے یہ کون سی دلالت ہے۔

٥٠- بَابُ مَنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ

جس شخص نے بکری کا گوشت اور ستو کھا کر وضوء نہیں کیا

اس عنوان میں بکری کا ذکر قید احترازی نہیں ہے' کسی بھی حلال جانور کا پکا ہوا گوشت کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا' اسی طرح ستو ہو یا آگ پر پکی ہوئی کوئی اور چیز ہو' اس کے کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اس باب کی سابقہ ابواب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ تمام ابواب احکامِ وضوء پر مشتمل ہیں۔

وَاَكَلَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَتَوَضَّؤُوْا.

اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے کھایا' پھر وضوء نہیں کیا۔

امام بخاری نے یہ مکمل حدیث کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے' مکمل حدیث امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے ''مسند الشامیین'' میں ذکر کی ہے:

سلیمان بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کو دیکھا' انہوں نے آگ کی پکی ہوئی چیز کو کھایا اور وضوء نہیں کیا۔ (بہ حوالہ عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۴)

نیز اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے بھی روایت کی ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا' انہوں نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۲۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

۲۰۷- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ' عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ' ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از عبداللہ بن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ (کندھا) کھایا' پھر نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

[اطراف الحدیث: ۵۴۰۴۔۵۴۰۵][صحیح مسلم: ۳۵۴' الرقم المسلسل: ۷۷۲' سنن ابوداؤد: ۱۸۷' سنن ابن ماجہ: ۴۹۰' المنتقی: ۲۲' صحیح ابن

خزیمہ: ۳۹۔ ۴۰، سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۵۳، صحیح ابن حبان: ۱۱۳۳، المعجم الکبیر: ۱۰۷۸۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۷ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۰۰۲، ج ۳ ص ۳۵۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کا کندھا کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

اس حدیث کے تمام رجال کا پہلے تعارف کیا جا چکا ہے۔

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء نہ کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے نکلے، انہوں نے آپ کے لیے کندھے کا گوشت پکایا تھا، آپ نے اس سے کھایا، پھر گھر سے نکلے، نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

(سنن ترمذی: ۱۸۲۹، سنن نسائی: ۱۸۲، سنن ابن ماجہ: ۴۹۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۷، شرح معانی الآثار: ۳۶۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے ہماری دعوت کی، اس نے ہمارے لیے ایک بکری کو ذبح کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب روٹی اور گوشت رکھا، آپ نے اس سے کھایا، پھر پانی منگا کر وضوء کیا، پھر ظہر کی نماز پڑھائی، پھر بقیہ طعام منگایا، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور وضوء نہیں کیا۔

(شرح معانی الآثار: ۳۷۰، سنن ابوداؤد: ۱۹۱، سنن ترمذی: ۸۰، سنن ابن ماجہ: ۴۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۷، سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۶)

ام حکیم بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے کندھے کا گوشت کھایا، پھر حضرت بلال نے اذان دی، آپ نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۶، المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۸۴، شرح معانی الآثار: ۳۷۳)

عبید اللہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بکری کا پیٹ پکایا، آپ نے اس سے کھایا، پھر عشاء کی نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۸۵۔ ۸۴، شرح معانی الآثار: ۳۷۳)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس کی مثل ایک حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ بکری کے پیٹ سے مراد ہے: جس پر اس کا پیٹ مشتمل ہو یعنی انتڑیاں۔ (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار ج ۱ ص ۳۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ام عامر بنت یزید ایک خاتون ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک گوشت والی ہڈی لے کر آئیں، آپ نے اس سے گوشت کھایا، پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۴۹۔ ۱۴۸، شرح معانی الآثار: ۳۸۲)

امام ترمذی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر اصحاب کا اس پر عمل ہے اور تابعین کا اور ان کے بعد کے فقہاء کا جیسے سفیان ثوری، ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق، انہوں نے گمان کیا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے کھانے کے بعد وضوء واجب نہیں ہوتا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو کاموں میں سے آخری کام ہے اور سنن ترمذی: ۸۰ اس سے پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے، جس میں آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضوء کرنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ترمذی ص ۵۱۔ ۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء کرنے کا حکم اور اس کا منسوخ ہونا

جن احادیث میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء کرنے کا ذکر یا حکم ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنیر کا ایک ٹکڑا کھایا، پھر اس سے وضوء کیا۔

(المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۰۵ 'شرح معانی الآثار: ۳۳۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو' اس سے وضوء کرو۔ (صحیح مسلم: ۳۵۲' الرقم المسلسل: ۷۷۱' سنن نسائی: ۱۷۱' شرح معانی الآثار: ۳۴۰)

سعید بن ابی سفیان بن المغیرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے ان کے لیے ستو منگائے' انہوں نے پی لیے' پھر حضرت ام حبیبہ نے کہا: اے بھتیجے! وضوء کرو' انہوں نے کہا: میں نے تو وضوء نہیں توڑا' حضرت ام حبیبہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جس چیز کو آگ نے چھوا ہو' اس سے وضوء کرو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۹۵' سنن نسائی: ۱۸۱۔۱۸۰' شرح معانی الآثار: ۳۴۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو' اس سے وضوء کرو' خواہ پنیر کے ٹکڑے سے۔ (سنن ترمذی: ۷۹' سنن ابوداؤد: ۱۹۴' صحیح مسلم: ۳۵۲' سنن نسائی: ۱۷۵۔۱۷۴۔۱۷۳۔۱۷۲' سنن ابن ماجہ: ۴۸۵' مصنف عبد الرزاق: ۶۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۹۔۴۷۸۔۴۰۷' شرح معانی الآثار: ۳۴۷' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۵۵)

یہ احادیث ان احادیث سے منسوخ ہو چکی ہیں' جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضوء نہیں کیا اور نماز پڑھی یا نماز پڑھائی اور جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کام یہی تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن احادیث میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء کرنے کا ذکر ہے' اس سے مراد وضوء لغوی ہو یعنی صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۹۶۔ ج ۱ ص ۱۰۴۰ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں بتایا ہے کہ جن احادیث میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء کرنے کا حکم ہے' وہ منسوخ ہیں یا اس وضوء سے مراد لغوی وضوء ہے۔

۲۰۸- حَدَّثَنِیْ یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّةَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحْتَزُّ مِنْ کَتِفِ شَاةٍ، فَدُعِیَ اِلَی الصَّلٰوةِ، فَاَلْقَی السِّکِّیْنَ، فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّاْ.

[اطراف الحدیث: ۶۷۵۔ ۲۹۲۳۔ ۵۴۰۸۔ ۵۴۲۲۔ ۵۴۶۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب' انہوں نے کہا: مجھے جعفر بن عمرو بن امیہ نے خبر دی' بے شک ان کو ان کے والد نے خبر دی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کے کندھے کا گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے' پھر نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ نے چھری ایک طرف رکھ دی' پس نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

(صحیح مسلم: ۳۵۵۔ ۷۷۴' سنن ابن ماجہ: ۴۹۰' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۲۵۵' مسند ابویعلیٰ: ۶۸۷۸' صحیح ابن حبان: ۱۱۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۸' سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۳' الاحاد والمثانی: ۹۶۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۷۲۴۹۔ ج ۲۸ ص ۴۸۶)

چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے پر ایک فنی اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھری سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ''سنن ابوداؤد'' میں اس کے خلاف حدیث ہے' وہ یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھایا کرو کیونکہ یہ عجمیوں کا

طریقہ ہے' تم گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو کیونکہ یہ زیادہ خوش ذائقہ اور زیادہ لذیذ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابوداؤد نے لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

اس حدیث میں نماز کے لیے بلانے والے کا ذکر نہیں ہے اور وہ حضرت بلال تھے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ مؤذن کے لیے امام کو بلانا جائز ہے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۹۹۔ ج ۱ ص ۱۰۴۰ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٥١- بَابُ مَنْ مَضْمَضَ مِنَ السَّوِيقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

جس نے ستو کھانے کے بعد کلی کی اور وضو نہیں کیا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے ستو کھانے کے بعد صرف کلی کر لی اور وضو نہیں کیا تو یہ جائز ہے۔

۲۰۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ' عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلٰى بَنِي حَارِثَةَ اَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ' حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ. وَهِيَ اَدْنٰى خَيْبَرَ. فَصَلَّى الْعَصْرَ' ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ' فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ' فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ' فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا' ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ' فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا. ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

[اطراف الحدیث: ۲۱۵۔ ۲۹۸۱۔ ۴۱۷۵۔ ۴۱۹۵۔ ۵۳۸۴۔ ۵۳۹۰۔ ۵۴۵۴۔ ۵۴۵۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از یحیٰی بن سعید از بشیر بن یسار' جو بنو حارثہ کے آزاد کردہ غلام ہیں کہ بے شک حضرت سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ وہ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے' جب وہ مقامِ صہباء پر پہنچے' جو خیبر کے بہت قریب ہے تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی' پھر آپ نے کھانے کی چیزیں منگوائیں تو صرف ستو لائے گئے' آپ نے ستو کو بھگونے کا حکم دیا' سو ان کو بھگویا گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا اور ہم نے کھایا' پھر آپ مغرب کے لیے کھڑے ہوئے' پس آپ نے کلی کی اور ہم نے کلی کی' پھر آپ نے نمازِ مغرب پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(سنن نسائی: ۱۸۶' سنن ابن ماجہ: ۴۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۹۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۸' صحیح ابن حبان: ۱۱۵۵' المعجم الکبیر: ۶۴۵۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۶۰' شرح السنۃ: ۱۷۱' مسند الحمیدی: ۴۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۵۸۰۰۔ ج ۲۵ ص ۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ آپ نے ستو کھانے کے بعد کلی کی' پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اس حدیث کے پہلے تین رجال کا تعارف ہو چکا ہے' چوتھے بشیر بن یسار ہیں اور پانچویں حضرت سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ ہیں' یہ انصاری' اوسی' مدنی ہیں' بیعت رضوان کے اصحاب سے ہیں' ان سے سات احادیث مروی ہیں' امام بخاری نے یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۵۷)

کھانا کھانے کے بعد کلی کرنے کا استحباب' ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزوں سے طعام نکلوانا اور دیگر مسائل

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے۔

(٢) اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عصر کی نماز کے بعد ستو کھائے اور اس کے بعد پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھی' اس سے معلوم ہوا کہ ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

(٣) اس سے معلوم ہوا کہ شرکاء سفر سے کھانے کی چیزیں جمع کر کے مل کر کھانا مستحسن ہے' کیونکہ جماعت میں رحمت اور برکت ہے۔

(٤) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذخیرہ اندوزوں سے ضرورت کے وقت طعام نکلوانا جائز ہے۔

(٥) امام کو چاہیے کہ اہل لشکر کی ضروریات میں غور کرے اور جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ ہو' اس کو کھانا کھلوائے۔

٢١٠- حَدَّثَنَا اَصْبَغُ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِی عَمْرٌو ، عَنْ بُكَيْرٍ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ يَتَوَضَّاْ. (صحیح مسلم:٣٥٦' الرقم المسلسل:٧٧٦' المعجم الکبیر ج ٢٤ ص ٤٧' سنن بیہقی ج ١ ص ١٥٤' مسند احمد ج ٦ ص ٣٣١ طبع قدیم' مسند احمد :٢٦٨١٣- ج ٤٤ ص ٣٩٥' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی از بکیر از کریب از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس کندھے کا گوشت کھایا' پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

اس حدیث میں کندھے کا گوشت کھانے کا ثبوت ہے' خواہ وہ کسی بھی حلال جانور کا گوشت ہو۔

* باب مذکور کی یہ حدیث شرح صحیح مسلم :٧٠٠- ج ١ ص ١٠٤٠ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٥٢- بَابُ هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ
کیا دودھ پینے کے بعد کلی کرے

٢١١- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ وَقُتَيْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر اور قتیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ از عتبہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیا' پھر کلی کی اور فرمایا: اس کی چکنائی ہے۔

تَابَعَهٗ يُوْنُسُ ، وَصَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ . [طرف الحدیث:٥٦٠٩]

یونس اور صالح بن کیسان نے عقیل کی متابعت کی ہے از الزہری۔

(صحیح مسلم:٣٥٨- ٧٧٧' سنن ابوداؤد:١٩٦' سنن نسائی:١٨٧' سنن ترمذی:٨٩' سنن ابن ماجہ:٤٩٨' صحیح ابن خزیمہ:٤٧' مسند ابویعلیٰ: ٢٤١٨' سنن بیہقی ج ١ ص ١٦٠' شرح السنۃ:١٧٠' مصنف عبد الرزاق:٦٤٩' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٥٧' صحیح ابن حبان:١١٥٨' مسند احمد ج ١ ص ٢٢٣ طبع قدیم' مسند احمد:١٩٥١- ج ٣ ص ٤١٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیا' پھر کلی کی۔

اس حدیث میں سات رجال ہیں' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

اس حدیث میں دودھ پینے کے بعد منہ کو صاف کرنے کی ترغیب ہے اور اسی سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو صاف کرنا بھی مستحب ہے۔

۵۳- بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ النَّوْمِ
نیند سے وضوء کرنا

وَمَنْ لَمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ اَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوْءًا.

اور جس کے نزدیک ایک مرتبہ اونگھنے سے اور دو مرتبہ اونگھنے سے یا نیند کا جھونکا لینے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

اونگھ' نیند کے جھونکے اور نیند میں فرق

اونگھ کا معنی یہ ہے کہ انسان کے حواس برقرار ہوں اور وہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کی بات سن رہا ہو' لیکن اس کا معنی نہ سمجھ رہا ہو' اس کو عربی میں ''النعسة'' کہتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ سر بھی نیچے کی طرف ہل رہا ہو اور ٹھوڑی سینے میں لگ رہی ہو تو وہ نیند کا جھونکا ہے' اس کو عربی میں ''الخفقة'' کہتے ہیں اور اگر اس کے حواس برقرار نہ رہیں اور اس کو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کی آواز سنائی نہ دے تو پھر وہ نیند ہے' نیند کی علامت خواب دیکھنا ہے' خواہ خواب طویل ہو یا قصیر ہو۔

نیند سے وضوء ٹوٹنے میں مذاہب

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: نیند سے وضوء ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سعید بن المسیب نے کہا: نیند سے کسی حال میں وضوء نہیں ٹوٹتا۔

(۲) الحسن البصری اور المزنی نے کہا: نیند سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) الزہری' الاوزاعی' امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک کثیر نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور قلیل نیند سے کسی حال میں بھی وضوء نہیں ٹوٹتا۔

(۴) امام ابوحنیفہ' داؤد اور امام شافعی کا ایک قول ہے: جب کوئی شخص نماز کی کسی حالت میں سو جائے' مثلاً رکوع' سجدہ' قیام اور قعود میں تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا' خواہ وہ نماز میں ہو یا نہ ہو' اور اگر وہ کروٹ کے بل یا چت لیٹ کر سو جائے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(۵) امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ صرف رکوع کی حالت میں سونے سے وضوء ٹوٹتا ہے۔

(۶) امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف سجدہ کی حالت میں سونے سے وضوء ٹوٹتا ہے۔

(۷) امام شافعی کا قول یہ ہے کہ نماز میں نیند سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور خارج نماز میں نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(۸) امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص زمین پر جم کر بیٹھ کر سو جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا' خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور خواہ وہ تھوڑی دیر سوئے' خواہ زیادہ دیر۔

(۹) ابن المبارک کا قول ہے کہ جو شخص اپنے مصلّی پر سجدہ میں سو جائے' اس کا وضوء نہیں ٹوٹتا اور اگر غیر نماز میں سجدہ میں سو جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور اگر عمداً نماز میں سو جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(۱۰) علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا: احادیث سے ثابت ہے کہ گیارہ حالتوں میں ہمارے سونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے: (۱) چلتے ہوئے (۲) کھڑے ہوئے (۳) ٹیک لگا کر (۴) رکوع میں (۵) قیام میں (۶) چار زانو بیٹھے (۷) اکڑوں بیٹھے ہو' گھٹنوں کو ہاتھوں کے حلقہ میں لے کر (۸) سجدے میں (۹) سواری کی حالت میں (۱۰) کروٹ کے بل لیٹ کر (۱۱) چت لیٹ کر' اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کسی حالت میں سونے سے آپ کا وضوء نہیں ٹوٹتا۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۶۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

۲۱۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ، لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز کی حالت میں اونگھ آ جائے تو وہ سو جائے' حتیٰ کہ اس کی نیند چلی جائے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو پتا نہیں چلتا' شاید کہ وہ (اپنے نزدیک) دعاء استغفار کرے اور وہ (حقیقت میں) خود کو برا کہہ رہا ہو۔

(صحیح مسلم:۷۸۶' الرقم المسلسل:۱۸۰۴' سنن ابوداؤد:۱۳۱۰' سنن ترمذی:۳۵۵' سنن نسائی:۱۶۲' سنن ابن ماجہ:۱۳۷۰' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۹۷' مشکل الآثار:۳۳۳۵' صحیح ابن حبان:۲۵۸۳' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۶' معرفۃ السنن والآثار:۵۴۲۹' شرح السنۃ:۹۴۰' مسند الحمیدی:۱۸۵' مسند اسحاق بن راھویہ:۶۱۷' المعجم الاوسط:۸۱۳۴' مسند احمد ج ۶ ص ۵۶ طبع قدیم' مسند احمد:۲۴۲۸۷۔ ج ۴۰ ص ۳۳۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس حیثیت سے ہے کہ جب نماز میں اس پر نیند مستغرق ہو اور وہ بجائے مغفرت طلب کرنے کے یہ کہے کہ میری مغفرت نہ کر تو پھر وہ نماز منقطع کر کے سو جائے اور جب اس سے کم نیند ہو اور اونگھ ہو یا ایک دو مرتبہ نیند کا جھونکا لے تو پھر وہ معاف ہے اور اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

نماز میں غلبہ نیند کے وقت دوبارہ نماز پڑھنے کے فوائد اور اگر نیند کا غلبہ نہ ہو تو وضوء کا نہ ٹوٹنا

(۱) اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نماز میں نیند غالب ہو تو انسان نماز کو منقطع کر دے اور اس وقت اس کا وضوء بھی ٹوٹ جائے گا۔

(۲) جب نماز میں نیند غالب نہ ہو' صرف اونگھ ہو یا نیند کا جھونکا ہو تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔

(۳) نماز میں دعا مانگنی چاہیے اور اس میں کوئی تعیین نہیں ہے' تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نماز میں حسب ذیل دعا مانگنے کے لیے فرمایا ہے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا' لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ"۔ (صحیح البخاری:۸۳۴' صحیح مسلم:۲۷۰۵' سنن ترمذی:۳۵۳۱' سنن نسائی:۱۲۹۸' سنن ابن ماجہ:۳۸۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳ طبع قدیم' مسند احمد:۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

(۴) عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے' کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ انسان نیند کے غلبہ میں اپنے لیے دعا کے بجائے بددعا کرے' اس لیے آپ نے فرمایا کہ وہ ایسی حالت میں نماز منقطع کر دے اور سو جائے اور جب نیند دور ہو جائے تو پھر نماز پڑھے۔

(۵) نماز میں حضور قلب اور خضوع اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے' کیونکہ نیند کے غلبہ میں ذہن حاضر نہیں رہتا' اس لیے خضوع اور خشوع نہیں ہو سکتا۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم:۱۷۳۲۔ ج ۲ ص ۵۶۴ پر ہے' وہاں اس کی شرح میں صرف دو سطریں لکھی گئی ہیں۔

۲۱۳- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان

قَالَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ، عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ اَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقْرَاُ.

کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابوقلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کو نماز میں اونگھ آ جائے تو وہ سو جائے حتیٰ کہ وہ جان لے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔

(سنن نسائی: ۴۴۰، مسند ابویعلیٰ: ۲۸۰۲۔ ۲۸۰۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۰ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۱۹۷۱۔ ج ۱۹ ص ۳۴، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں، ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

اس حدیث کے مسائل صحیح البخاری: ۲۱۲ کے مسائل کی مثل ہیں۔

المہلب نے کہا ہے کہ اس نماز سے مراد تہجد کی نماز ہے کیونکہ فرض نماز نیند کے اوقات میں نہیں ہوتی اور نہ اس میں اتنی دیر لگتی ہے کہ انسان کو نیند آ جائے، لیکن حدیث کے الفاظ میں عموم ہے اس لیے اس کو تہجد کی نماز کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۷۴۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٥٤- بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ — بغیر وضوء ٹوٹنے کے وضوء کرنا

اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ جو شخص باوضوء ہو وہ دوبارہ وضوء کرے اور باب سابق سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب احکام وضوء سے متعلق ہیں۔

٢١٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا (ح) قَالَ وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ، قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قَالَ يُجْزِئُ اَحَدَنَا الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ.

(سنن ابوداؤد: ۱۷۱، سنن ترمذی: ۶۰، سنن نسائی: ۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۵۰۹، مسند ابویعلیٰ: ۳۰۷۸، سنن دارمی: ۷۲۰، سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۲، شرح السنۃ: ۲۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۲۳۴۶۔ ج ۱۹ ص ۳۵۰، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن عامر انہوں نے کہا: ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ح (امام بخاری نے پھر دوسری سند کی طرف تحویل کی) اور امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن عامر نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے وقت وضوء کرتے تھے، میں نے پوچھا: آپ حضرات کس طرح کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم میں سے کسی ایک کو اس وقت تک وضوء کافی ہوتا تھا، جب تک اس کا وضوء نہ ٹوٹے۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: ہم میں سے کسی ایک کو وضوء اس وقت تک کافی ہوتا تھا، جب تک اس کا وضوء نہ ٹوٹے۔

اس حدیث کے چند رجال ہیں، ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنے کے متعلق احادیث

ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

• سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پہلے) ہر نماز کے لیے علیحدہ وضوء کرتے تھے اور جب فتح مکہ ہوئی تو آپ نے متعدد نمازیں ایک وضوء سے پڑھیں۔

(سنن ترمذی:۶۱' صحیح مسلم:۲۷۷' الرقم المسلسل:۶۳۰' سنن ابوداؤد:۱۷۲' سنن ابن ماجہ:۵۱۰' شرح معانی الآثار:۲۱۲)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن پانچ نمازیں ایک وضوء سے پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! آج آپ نے ایسا کیا ہے' جو آپ اس سے پہلے نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ عمداً کیا ہے۔

(صحیح مسلم:۲۷۷_۶۳۰' سنن ابوداؤد:۱۷۲' سنن ترمذی:۶۱' سنن نسائی:۱۳۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۸_۳۵۱_۳۵۰' شرح معانی الآثار:۲۱۳)

امام طحاوی نے کہا: بعض فقہاء نے ان احادیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ ہر نماز کے لیے وضوء کرنا واجب ہے اور اکثر علماء نے اس کے برخلاف یہ کہا ہے کہ وضوء صرف اسی وقت واجب ہے' جب وضوء ٹوٹ جائے (اور انسان اس عبادت کا ارادہ کرے جو بغیر وضوء کے جائز نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی ایک خاتون کے پاس گئے' آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی تھے' اس خاتون نے آپ کے سامنے ایک بھنی ہوئی بکری رکھی' آپ نے (اس سے) کھایا اور ہم نے کھایا' پھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا' پس آپ نے وضوء کیا اور نماز پڑھی' پھر آپ باقی کھانے کی طرف لوٹے' پس کھایا' پھر عصر کا وقت آ گیا' پس آپ نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔ (سنن ترمذی:۸۰' شرح معانی الآثار:۲۱۵)

ہر نماز کے لیے علیحدہ وضوء کرنے کی فضیلت اور استحباب

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اس وضوء سے پڑھیں' جو آپ نے ظہر کے وقت کیا تھا' اور آپ نے ہر نماز کے لیے جو علیحدہ وضوء کیا تھا' وہ بہ طور وجوب نہیں کیا تھا بلکہ بہ طور استحباب کیا تھا' اس پر یہ حدیث دلیل ہے:

ابوغطیف الہذلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازِ ظہر پڑھی' پھر وہ اپنے گھر کی مجلس میں چلے گئے' میں بھی آپ کے ساتھ آیا' حتیٰ کہ عصر کی اذان ہوگئی' انہوں نے پانی منگا کر وضوء کیا' پھر گھر سے نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ نکلا' پھر وہ اپنی مجلس میں لوٹ آئے اور میں بھی آ گیا' حتیٰ کہ مغرب کی اذان ہوگئی' انہوں نے پھر پانی منگا کر وضوء کیا' میں نے پوچھا: اے عبد الرحمان! یہ کیا وجہ ہے؟ کیا ہر نماز کے لیے وضوء کرنا واجب ہے؟ انہوں نے کہا: تم نے میرے عمل سے یہ سمجھا ہے! یہ سنت نہیں ہے' اگرچہ میرے لیے یہ کافی تھا کہ میں صبح کے وضوء سے تمام نمازیں پڑھوں' جب تک کہ میں وضوء نہ توڑ دوں' لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے وضوء کے اوپر وضوء کیا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے' اس وجہ سے میں نے ہر نماز کے لیے نیا وضوء کرنے میں رغبت کی۔

(سنن ابوداؤد:۶۲' سنن ترمذی:۵۹' سنن ابن ماجہ:۵۱۲' شرح معانی الآثار:۲۱۶)

امام طحاوی نے کہا: پس ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن بریدہ کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے لیے' جو وضوء کرتے تھے وہ

بھی وضوء پر وضوء کرنے کی فضیلت پانے کے لیے کرتے ہوں اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

ہر نماز کے لیے نیا وضوء کرنا یا صرف مسواک کرنا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی

یحییٰ بن حبان' عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: آیا حضرت ابن عمر ہر نماز کے لیے وضوء کرتے تھے' خواہ ان کا وضوء ہو یا نہ ہو؟ انہوں نے کہا: مجھ سے اسماء بنت زید بن الخطاب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز کے لیے وضوء کرنے کا حکم دیا گیا' خواہ وضوء ہو یا نہ ہو' پھر جب آپ پر یہ امر دشوار ہوا تو پھر آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور حضرت ابن عمر یہ سمجھتے تھے کہ ان کو ہر نماز کے لیے وضوء کرنے کی طاقت ہے' اس وجہ سے وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد:۴۸' شرح معانی الآثار:۲۱۸)

امام طحاوی فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ پہلے ہر نماز کے لیے وضوء کرنے کا حکم تھا' پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور اب جب تک انسان وضوء نہ توڑے' اس پر وضوء کرنا واجب نہیں ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر تم کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب کہنا چاہیے' حالانکہ تم مسواک کے وجوب کے قائل نہیں ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہو اور امت کے لیے یہ حکم نہ ہو اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (صحیح البخاری:۸۸۷' صحیح مسلم:۲۵۲' سنن ابوداؤد:۴۶' سنن ترمذی:۲۲' سنن نسائی:۵۳۰' سنن ابن ماجہ:۲۸۷' شرح معانی الآثار:۲۱۹' مسند احمد ج۱ ص ۱۲۰_۸۰' ج۲ ص ۲۲۹_۲۳۳_۴۰۰_۳۹۹_۲۸۷_۲۵۹_۲۵۰_۲۴۵' ج۵ ص ۴۱۰_۱۹۳' ج۶ ص ۴۲۹_۳۲۵' سنن بیہقی ج۱ ص ۳۷' صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص ۱۷۴)

اس طرح امام طحاوی نے تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضوء کرنا اب واجب نہیں ہے' پہلے رسول اللہ ﷺ پر یہ واجب تھا' اب آپ پر بھی واجب نہیں ہے' اب وضوء پر وضوء کرنا صرف مستحب اور باعث فضیلت ہے۔

(شرح معانی الآثار ج۱ ص ۵۵_۵۱ ملخصاً' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

علامہ بدرالدین عینی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی شرح میں امام طحاوی کی اس تحقیق کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج۳ ص ۱۶۹_۱۶۷' فتح الباری ج۱ ص ۶۳۷)

۲۱۵- حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ اَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ اَخْبَرَنِي سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ، حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ، صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، فَلَمَّا صَلّٰى دَعَا بِالْاَطْعِمَةِ، فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ، فَاَكَلْنَا وَشَرِبْنَا، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے بشیر بن یسار نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے حضرت سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہم خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے' حتیٰ کہ جب مقام الصہباء پر پہنچے تو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی' جب آپ نماز پڑھا چکے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ، ثُمَّ صَلّٰى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

تو آپ نے کھانے کی چیزیں منگوائیں' پس صرف ستو لائے گئے پس ہم نے کھایا اور پیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے' پس آپ نے کلی کی' پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور وضوء نہیں کیا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۰۹ کا مطالعہ فرمائیں۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ آپ نے عصر اور مغرب کی نمازیں ایک وضوء سے پڑھیں اور حدیث: ۲۰۹ سے یہ ثابت کیا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

۵۵- بَابٌ

باب

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم نہیں کیا اور امام بخاری جس باب کا عنوان قائم نہ کریں' وہ باب ابواب سابقہ کے ساتھ ملحق ہوتا ہے' اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ بابِ سابق میں یہ بتایا تھا کہ وضوء پر وضوء کرنے سے بہت اجر ہوتا ہے اور اس باب میں یہ بتایا ہے کہ پیشاب کے قطرات سے بدن اور کپڑوں کو بچانے سے بہت اجر ہوتا ہے اور نہ بچانے سے سخت عذاب ہوتا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا:

مِنَ الْكَبَائِرِ اَنْ لَّا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهٖ.

کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ انسان پیشاب سے نہ بچے۔

گناہ کبیرہ کی تعریف' صغیرہ اور کبیرہ میں فرق اور کبائر کے متعلق حدیث

''الکبائر''، ''کبیرہ'' کی جمع ہے اور ''کبیرۃ'' وہ قبیح اور مذموم کام ہے' جس سے شریعت میں سختی سے منع کیا گیا ہے' مثلاً قتل کرنا' زنا کرنا اور جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا' ''کبائر'' کی تعداد میں اختلاف ہے' ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ کبائر سات ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) اس نفس کو قتل کرنا جس کے ناحق قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑنا (۷) پاک دامن بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۶۶' صحیح مسلم: ۸۹' سنن ابوداؤد: ۲۸۷۴' سنن نسائی: ۳۶۷۳)

بعض احادیث میں ماں باپ کی نافرمانی اور بیت اللہ میں معصیت کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

* ہم نے تبیان القرآن میں ۱۱۸ کبائر کی دلائل کے ساتھ مثالیں دی ہیں۔ (تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۶۱۵ - ۶۱۲' الشوریٰ: ۳۷)

کبیرہ کی ایک یہ تعریف ہے: جس معصیت کے ساتھ دوزخ کی آگ کا ذکر ہو یا لعنت کا ذکر ہو یا غضب کا ذکر ہو یا عذاب کا ذکر ہو' وہ کبیرہ ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کبائر سات ہیں؟ انہوں نے فرمایا: بلکہ وہ سات سو تک ہیں' ایک تعریف یہ ہے کہ کبیرہ اضافی امر ہے' ہر گناہ اپنے سے بڑے گناہ کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور اپنے سے چھوٹے گناہ کی بہ نسبت کبیرہ ہے اور ایک تعریف یہ ہے کہ واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب صغیرہ گناہ ہے اور فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے۔

۲۱۶- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا

اَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِيْ قُبُوْرِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰى كَانَ اَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ، وَكَانَ الْاٰخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ، ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا اَوْ اِلٰى اَنْ يَّيْبَسَا.

[اطراف الحدیث: ۲۱۸-۱۳۶۱-۱۳۷۸-۶۰۵۲-۶۰۵۵]

مکہ کے باغات میں سے کسی باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں' جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کو کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیا جا رہا تھا' پھر فرمایا: کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی' پھر اس کے دو ٹکڑے کیے' پھر ہر قبر کے اوپر ان میں کا ایک ٹکڑا رکھ دیا' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے' ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔

(صحیح مسلم: ۲۹۲' سنن ابوداؤد: ۲۰' سنن ترمذی: ۷۰' سنن نسائی: ۳۱' سنن ابن ماجہ: ۳۴۷' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۱۹۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۲۲- ج ۳ ص ۳۷۵' سنن دارمی: ۷۳۹' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۱۲' صحیح ابن خزیمہ: ۵۶' المنتقیٰ: ۱۳۰' شرح السنۃ: ۱۸۳' مساوی الاخلاق للخرائطی: ۲۳۶' مسند احمد ج ا ص ۲۲۵ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۹۸۰- ج ۳ ص ۴۴۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: ان میں سے ایک شخص پیشاب کے قطرات سے نہیں بچتا تھا۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' ان سب کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

''حائط'' اور ''نمیمه'' کا معنی

اس حدیث میں ''حائط'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ایسا باغ جس کے چاروں طرف دیوار بنی ہوئی ہو اور جس باغ کی چار دیواری نہ ہو' اس کو ''حدیقه'' کہتے ہیں۔

اس میں ''لایستتر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو پیشاب کے قطروں سے مَس ہونے سے مستور اور محفوظ نہیں رکھتا تھا' یعنی ان کو بچاتا نہیں تھا' پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا بھی گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے حضرت سعد بن معاذ کو عذاب قبر ہوا تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰)

اس حدیث میں ''النمیمه'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دو آدمیوں کو لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے کو پہنچانا کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہتا تھا' اس کو اُردو میں چغلی کہتے ہیں' حدیث میں ہے: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۰۵۰' صحیح مسلم: ۱۰۵' سنن ابوداؤد: ۴۸۷۱' سنن ترمذی: ۲۰۲۶' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۹۷' طبع قدیم)

اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے فرمایا: ان کو کسی کبیرہ چیز کے سبب عذاب نہیں ہو رہا' حالانکہ ان کو گناہ کبیرہ کے سبب سے عذاب ہو رہا تھا

اس حدیث میں ہے: آپ نے فرمایا: ان کو کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں ہو رہا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان میں سے ایک پیشاب کے قطرات سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا اور یہ گناہ کبیرہ ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں یہ گناہ کبیرہ تھے' لیکن ان کے نزدیک یہ کوئی بڑے گناہ نہیں تھے' جیسے قرآن مجید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے متعلق فرمایا:

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ ○(النور:١٥) تم اس تہمت کو معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت سنگین بات ہے○

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ ان کو کسی ایسی چیز میں عذاب نہیں ہو رہا تھا' جس سے بچنا ان کے لیے بہت مشکل اور دشوار ہو بلکہ اس سے بچنا ان کے لیے بہت آسان تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ پہلے آپ نے یہ فرمایا کہ ان کو کسی کبیرہ چیز کے سبب سے عذاب نہیں ہو رہا تھا' پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ ان کو گناہ کبیرہ کے سبب سے عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے پہلے کلام سے اضراب کر کے فرمایا: کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطرات سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔ گویا اس بعد والے کلام سے پہلے کلام منسوخ ہو گیا۔ (فتح الباری ج۱ ص۳۴۸)

حافظ ابن حجر کا یہ کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی تھی کہ ان کو کسی کبیرہ چیز کے سبب سے عذاب نہیں ہو رہا اور خبر میں نسخ نہیں ہوتا۔ نسخ' حکم میں ہوتا ہے اور یہاں کوئی حکم نہیں ہے اور جب اس اعتراض کے دو قوی جواب ہیں' جن کا ہم نے ذکر کیا ہے تو پھر اس فضول جواب کی کیا ضرورت ہے؟ نیز اس اعتراض کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو کسی بہت بڑے کبیرہ میں عذاب نہیں ہو رہا تھا' اگرچہ وہ فی نفسہ کبیرہ تھا۔

جن دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا' آیا وہ کافر تھے یا مسلمان تھے؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جن دو آدمیوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا' آیا وہ کافر تھے یا مسلمان تھے؟

ابو موسیٰ المدینی نے کہا: وہ کافر تھے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ بنو النجار کی دو قبروں کے پاس سے گزرے' جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے' آپ نے ان کی آوازیں سنیں' ان کو پیشاب اور چغلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا' اس حدیث کو انہوں نے ابن لہیعہ از اسامہ بن زید' اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔

بعض علماء نے کہا: وہ مسلمان تھے اور انہوں نے کہا: اس حدیث کی بعض سندوں سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی ﷺ انصار کی بعض نئی قبروں کے پاس سے گزرے۔ الحدیث

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وہ قبر والے مسلمان تھے۔ (عمدۃ القاری ج۳ ص۱۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جب تک درخت کی شاخ خشک نہ ہو' اس وقت تک عذاب میں تخفیف ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے درخت کی شاخ منگائی' پھر اس کے دو ٹکڑے کیے' پھر ان میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے' شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

عذاب میں یہ تخفیف نبی ﷺ کے دست مبارک کے اثر کی وجہ سے تھی یا آپ نے ان کے عذاب میں تخفیف کی دعا کی تھی اور جب تک ان شاخوں میں نمی رہے گی' ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی' اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تر شاخ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ. (بنی اسرائیل:۴۴) اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

پس خشک شاخ بھی اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتی ہے' پھر تخفیف عذاب کی مدت شاخوں کے تر ہونے تک کیوں رکھی گئی؟ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو معلوم ہے' جیسے دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے' اس کی وجہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ (معالم السنن مع المنذری ج ۱ ص ۲۷' دار المعرفہ' بیروت)

تلاوتِ قرآن اور دیگر عبادات کے ایصالِ ثواب کا ثبوت

علامہ عینی نے علامہ خطابی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث میں قبروں پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے استحباب کی دلیل ہے' کیونکہ جب درخت کی تسبیح سے میت کے عذاب میں تخفیف کی امید ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے میت کے عذاب میں تخفیف کی زیادہ امید ہے' امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا یہ مسلک ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابوبکر النجار نے ''کتاب السنن'' میں روایت کیا ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان کے درمیان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ (سورہ) ''قل ھو اللہ احد'' کو پڑھا' پھر اس کا ثواب اس قبرستان کے مُردوں کو بخش دیا' تو اس شخص کو بھی اتنا اجر دیا جائے گا' جتنا اجر ان مُردوں کو دیا جائے گا۔ (جمع الجوامع:۲۳۱۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں گیا اور اس نے سورۂ یٰسں تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ اس دن ان مُردوں کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی اور ان کے پاس یٰسں کی تلاوت کی' اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (کنز العمال:۴۵۴۸۶)

(الدر المنثور ج ۷ ص ۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت) (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۷۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایصالِ ثواب کے متعلق دلائل اور احادیث حسب ذیل ہیں:

شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے ''لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی'' سے ایصالِ ثواب پر اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میت کے لیے جو دعائیں کی جائیں یا ان کی طرف سے جو نیک اعمال کیے جائیں' ان سے میت کو نفع نہیں پہنچتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ۝ (ابراہیم:۴۱) اے میرے رب! میرے لیے مغفرت فرما' اور میرے والدین کے لیے اور مومنوں کے لیے جس دن حساب ہو گا۝

اور حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ. (نوح:۲۸) اے میرے رب! میرے لیے مغفرت فرما اور میرے والدین کے لیے اور جو مومن میرے گھر داخل ہوا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے۔

یہ نبیوں اور رسولوں کی دعائیں اپنی امتوں اور مؤمنوں کے لیے ہیں اور ان کی یہ دعائیں انسان کے اعمال کا غیر ہیں اور ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے گا اور ان سے انسان کو نفع ہو گا اور اس کی مغفرت ہو گی۔

سنن متواترہ سے دوسروں کے اعمال کا نفع آور ہونا ثابت ہے' جن کا انکار کفر ہے' مثلاً مسلمانوں کا میت کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور نماز میں ان کے لیے دعا کرنا' اسی طرح قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفاعت کرنا کیونکہ ان کے ثبوت میں احادیث متواترہ ہیں' بلکہ مرتکب کبائر کی شفاعت کا اہل بدعت کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا اور یہ ثابت ہے کہ آپ اہل کبائر کی شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس سے سوال کرنا ہے' پس یہ امور اور ان کی امثال قرآن اور سننِ متواترہ سے ثابت ہیں اور ایسی چیزوں کا منکر کافر ہے اور ایسی چیزیں احادیثِ صحیحہ سے بہ کثرت ثابت ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: میری ماں کا انتقال ہو گیا' اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میرا ایک باغ ہے اور میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۸۲' سنن ترمذی: ۶۶۹' سنن نسائی: ۳۶۵۵)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو کچھ صدقہ کرتیں' پس اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو کیا اس سے ان کو نفع ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (صحیح البخاری: ۱۳۸۸' صحیح مسلم: ۱۰۰۴)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی' اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو فائدہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (صحیح مسلم: ۱۶۳۰)

(مجموع الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۷۰' دار الجلیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

* تبیان القرآن میں ہم نے اس بحث کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۶۸۔ ۵۳۰' النجم: ۴۱۔ ۳۸۔

قبروں پر شاخ اور پھول وغیرہ رکھنے کا ثبوت

اس حدیث میں دونوں قبروں پر درخت کی شاخ کے ٹکڑوں کے رکھنے کا ثبوت ہے' فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ قبر پر درخت کی شاخ' سبزہ اور پھول وغیرہ رکھنا جائز ہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قبرستان سے سرسبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے اور سوکھی ہوئی گھاس کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جیسا کہ ''البحر الرائق' درر غرر اور شرح المنیہ'' میں ہے' ''امداد'' میں اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ تر و تازہ گھاس اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے' جس سے میت کو تسکین ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ ''قاضی خاں'' میں بھی اسی طرح لکھا ہے' (علامہ شامی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: اس کی دلیل وہ حدیث ہے' جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز شاخ کو توڑ کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور وہ ان دو قبروں پر رکھ دیئے' جن میں قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا اور اس کی علت ان شاخوں کا خشک نہ ہونا قرار دیا' یعنی ان شاخوں کی تسبیح کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی اور سبز گھاس کی تسبیح خشک گھاس کی تسبیح سے اکمل ہے کیونکہ سبز میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے اور اس عبارت اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے سبز شاخ کو قبر پر رکھنا مستحب ہے' ہمارے زمانہ میں آس کے پھولوں کی شاخیں جو قبر پر رکھی جاتی ہیں' وہ اسی قیاس پر ہیں' فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور یہ بعض

مالکیہ کے اس قول سے اولیٰ ہے کہ عذاب میں تخفیف نبی ﷺ کی برکت اور آپ کی دعا سے حاصل ہوئی (یہ علامہ خطابی کا قول ہے) اس لیے دوسروں کا آپ پر قیاس نہیں ہوگا' حالانکہ ''صحیح بخاری'' میں ہے کہ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخیں رکھی جائیں۔ (ردالمحتار ج ٣ ص ١٤٥' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٩ھ)

علامہ طحطاوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

درخت کی شاخ کے معنیٰ میں ہر وہ چیز داخل ہے' جس میں کسی بھی درخت کی رطوبت ہو (الیٰ قولہ) ''مشکوٰۃ'' کی شرح میں لکھا ہے: ہمارے متاخرین اصحاب میں سے بعض ائمہ نے فتویٰ دیا ہے کہ پھولوں اور درخت کی شاخوں کو رکھنے کا جو معمول ہے' وہ اس حدیث کی وجہ سے سنت ہے اور جب درخت کی شاخ کی تسبیح کی وجہ سے تخفیف کی امید کی جاتی ہے تو قرآن مجید کی تلاوت کی برکت تو بہت عظیم ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ٣٧٨' مطبع مصطفی البابی واولادہ' مصر' ١٣٥٦ھ)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ٥٨٥۔ ج ا ص ٩٧٩ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(١) گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تحقیق (٢) قبر پر سبز شاخ اور پھول رکھنے کے متعلق فقہاء اربعہ کے نظریات اور بحث ونظر (٣) ایصال ثواب میں مذاہب فقہاء اور بحث ونظر (٤) باب مذکور کی حدیث کے دیگر مسائل (٥) برزخ اور دنیا سے رسول اللہ ﷺ کا بہ یک وقت رابطہ۔

شرح صحیح مسلم میں یہ شرح ٨٧٩ سے ٨٨٩ تک دس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے' اس لیے شرح صحیح مسلم میں ان مباحث کو ضرور پڑھنا چاہیے' البتہ ''نعمۃ الباری'' میں بعض جزوی مباحث زیادہ ہیں۔

٥٦- بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ — پیشاب کو دھونے کے متعلق جو احادیث وارد ہیں

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ بابِ سابق میں یہ بتایا تھا کہ پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے صاحبِ قبر کو عذاب ہوتا ہے اور اس باب میں پیشاب کو دھونے کا ذکر ہے۔ امام بخاری ایک تعلیق کا ذکر فرماتے ہیں:

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ . وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ.

اور نبی ﷺ نے ایک قبر والے کے متعلق فرمایا: وہ پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا' اور آپ نے انسانوں کے پیشاب کے سوا اور کسی کے پیشاب کا ذکر نہیں کیا۔

یہ حدیث سابق (صحیح البخاری: ٢١٦) کا ایک قطعہ ہے۔

٢١٧- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ ' عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهِ ' أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے روح بن القاسم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن ابی میمونہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہ نبی ﷺ جب قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں آپ کے لیے پانی لے جاتا' جس سے آپ دھوتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ١٥٠ میں گزر چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

حدیث:١٥٠ میں اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا تھا: پانی سے استنجاء کرنا' اور یہاں اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے: پیشاب کو دھونے کے متعلق احادیث۔

۰۰۰ - بَابٌ

باب

اس باب کا بھی امام بخاری نے کوئی عنوان ذکر نہیں کیا اور یہ باب بھی ابواب سابقہ کے ساتھ ملحق ہے۔

٢١٨- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ ' عَنْ مُجَاهِدٍ ' عَنْ طَاوُسٍ ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ ' فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ ' اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ ' وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ . ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً ' فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ ' فَغَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً . قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ لَعَلَّهٗ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از مجاہد از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے' آپ نے فرمایا: ان دونوں کو ضرور عذاب دیا جا رہا ہے اور ان دونوں کو کسی بڑی چیز کے سبب سے عذاب نہیں دیا جا رہا' رہا ان دونوں میں سے ایک شخص تو وہ پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور رہا دوسرا شخص تو وہ چغلی کھاتا تھا' پھر آپ نے ایک تر شاخ کو لے کر اس کے دو آدھے آدھے ٹکڑے کیے' پھر ہر قبر میں ایک ٹکڑے کو گاڑ دیا' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ شاخیں خشک نہیں ہوں گی' ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى وَحَدَّثَنَا وَكِيْعٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا مِثْلَهٗ.

ابن المثنیٰ نے کہا: اور ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے اس حدیث کی مثل سنا ہے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ٢١٦ میں گزر چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

حدیث: ٢١٦ میں شاخ کے ٹکڑوں کو قبروں پر رکھنے کا ذکر تھا اور اس حدیث میں ان کو قبروں پر گاڑنے کا ذکر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح جائز ہے' قبر پر ٹہنی کو رکھنا بھی اور ٹہنی کو گاڑنا بھی۔

علماء دیوبند کا قبروں پر پھول ڈالنے کو بدعت کہنا اور اس قول کا ابطال اور رد

ہم علامہ شامی اور دیگر فقہاء کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ قبر پر درخت کی شاخ رکھنا اور سبزہ اور پھول رکھنا جائز ہے' کیونکہ اس کی اصل اس حدیث میں موجود ہے۔ تاہم حیرت ہوتی ہے کہ سید احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے کہ شیخ شبیر احمد عثمانی اور شیخ انور شاہ کشمیری نے کہا ہے کہ مزارات پر پھول وغیرہ چڑھانا جو آج کل اہل بدعت نے رائج کر دیا ہے' یہ بدعت ہے' اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس کے غلط ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ فساق فجار کی قبروں کے بجائے صالحین کی قبروں پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ج ٨ ص ٣٣ ملخصا' ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

فقہاء کے علاوہ شارحین حدیث نے قبروں پر پھول چڑھانے کو جائز لکھا ہے' ملا علی قاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

قبروں پر پھول رکھنے کی اس حدیث میں اصل اصیل ہے' اسی وجہ سے ہمارے متاخرین اصحاب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس زمانہ

میں قبروں پر پھول اور شاخ رکھنے کی عادت ہوگئی ہے وہ اس حدیث کی بناء پر سنت ہے۔(مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ٥٩ مکتبہ حقانیہ پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ١٠٥٢ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے اس حدیث سے قبر پر سبزہ اور پھول اور ریحان ڈالنے پر استدلال کیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ا ص ٢١٥ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

غور فرمائیے! ملاعلی قاری متوفی ١٠١٤ھ اور علامہ طحطاوی متوفی ١٢٣١ھ نے اس حدیث کی بناء پر قبروں پر پھول ڈالنے کو سنت لکھا ہے اور علامہ شامی متوفی ١٢٥٢ھ نے اس حدیث کی بناء پر قبروں پر پھول ڈالنے کو مستحب لکھا ہے۔ "فتاویٰ عالم گیری" میں اس کو مستحسن لکھا ہے۔(فتاویٰ عالم گیری ج ٥ ص ٣٥١ طبع مصر) علامہ شربینی شافعی من قرن العاشر نے بھی اس کو سنت لکھا ہے۔(مغنی المحتاج ج ا ص ٣٦٤) ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بھی اس کو سنت لکھا ہے۔(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ا ص ٥٣٠)

ان اکابر فقہاء اور محدثین کے مقابلہ میں سید احمد رضا بجنوری دیوبندی کی بات کو کون سنتا اور مانتا ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ قبروں پر پھول رکھنا بدعت ہے اور جن کو یہ بھی علم نہیں کہ جس فعل کی اصل سنت صحیحہ سے ثابت ہو وہ سنت ہوتا ہے نہ کہ بدعت۔

باقی رہا سید احمد رضا دیوبندی کا یہ کہنا کہ فساق فجار کی قبروں پر پھول کیوں نہیں چڑھائے جاتے؟ تو یہ بھی ان کی لاعلمی ہے' عام مسلمان اپنے رشتہ داروں کی قبروں پر پھول اور سبزہ ڈالتے ہیں اور ان میں اکثر بے عمل ہوتے ہیں تا کہ ان پھولوں اور سبزہ کی تسبیح کی برکت سے ان کی مغفرت ہو جائے' اور رہا ان کا یہ کہنا کہ پھر صالحین کی قبروں پر کیوں پھول چڑھائے جاتے ہیں' انہیں تو مغفرت کی ضرورت نہیں ہے' یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کیوں پڑھا جاتا ہے اور آپ کے لیے رحمت کیوں طلب کی جاتی ہے' آپ تو خود رحمۃ للعلمین ہیں اور آپ کے لیے وسیلہ اور مقام محمود کی دعا کیوں کی جاتی ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر مبعوث فرمائے گا' اس اعتراض کے وقت انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ (الحج:٣٢) جو اللہ کے شعائر (نشانیوں) کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہے○

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نشانی ہیں اور اولیاء اللہ اور ان کے مزارات بھی شعائر اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ہیں اور ان کی تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہے اور مزارات پر پھول ڈالنا' ان کی تعظیم کی وجہ سے ہے اور اس لیے تا کہ پھولوں کی تسبیح کی وجہ سے ان کی نیکیوں اور ان کے درجات میں اضافہ ہو' یہ دیوبندی علماء جو صالحین کی قبروں پر اس لیے پھول ڈالنے سے منع کرتے ہیں کہ وہ تو خود نیک ہیں' انہیں مغفرت کی ضرورت نہیں ہے تو کیا یہ لوگ صالحین کے مزارات پر قرآن مجید کی تلاوت سے بھی منع کریں گے! حالانکہ ہم دیکھتے ہیں یہ لوگ اپنے اکابر علماء کی یاد مناتے ہیں اور ان کے لیے اہتمام سے قرآن خوانی کرتے ہیں اور اس کے لیے باقاعدہ اخبارات میں اعلان بھی کیا جاتا ہے' پس واضح ہو گیا کہ قبروں پر پھول ڈالنے کو بدعت کہنا خود بدعت ہے اور شیخ انور شاہ کشمیری' شیخ شبیر احمد عثمانی اور سید احمد رضا بجنوری کے یہ اقوال قطعاً باطل اور مردود ہیں۔

٥٧- بَابُ تَرْكِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ الْاَعْرَابِيَّ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهٖ فِي الْمَسْجِدِ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں کا اعرابی کو چھوڑے رکھنا حتیٰ کہ وہ مسجد میں پیشاب کرنے سے فارغ ہو گیا

اس عنوان کے مطابق حدیث آ رہی ہے' اعرابی سے مراد ہے: دیہات کا رہنے والا' باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب پیشاب کے ازالہ پر مشتمل ہیں' باب سابق میں پیشاب کو دھونے کا حکم تھا اور اس باب میں پیشاب پر پانی بہانے کا حکم ہے اور وہ بھی پیشاب کو دھونے کے حکم میں ہے۔

۲۱۹- حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اَسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ' عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى اَعْرَابِيًّا يَبُوْلُ فِى الْمَسْجِدِ' فَقَالَ دَعُوْهُ. حَتّٰى اِذَا فَرَغَ' دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ. [اطراف الحدیث:۲۲۱-۶۰۲۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا' آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' حتیٰ کہ جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپ نے پانی منگا کر اس جگہ پر بہا دیا۔

(صحیح مسلم:۲۸۴' الرقم المسلسل:۶۴۶' صحیح مسلم:۲۸۵' الرقم المسلسل:۶۴۸' سنن نسائی:۵۳' سنن ابن ماجہ:۵۲۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ ص۲۱۸' سنن دارمی:۲۱۳۰' السنن الکبریٰ للنسائی:۶۸۸۴' مسند ابوعوانہ ج۵ ص۳۴۵' صحیح ابن خزیمہ:۲۹۳' صحیح ابن حبان:۱۴۰۱' شرح السنۃ:۵۰۰' سنن بیہقی ج۲ ص۴۲۸' مسند احمد ج۳ ص۱۱۴۔ ج۳ ص۱۹۱ طبع قدیم' مسند احمد:۱۳۲۱۳۔ ج۱۹ ص۱۸۱' مسند احمد:۱۲۹۸۴۔ ج۲۰ ص۲۹۷' موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی البصری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) ہمام بن یحییٰ بن دینار العوذی' یہ تمام مشائخ کے نزدیک ثقہ اور ثبت تھے' ۱۶۳ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) اسحاق بن ابی طلحہ بن سہل الانصاری (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ان دونوں کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۳ ص۱۸۵)

زمین کے خشک ہونے سے اس کی طہارت پر اور ہر مائع چیز سے نجاست کے ازالہ پر احناف کے خلاف علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب اس اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگا کر اس جگہ پر بہا دیا۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جب زمین پیشاب یا کسی اور نجاست سے نجس ہو جائے تو اس کو کس طرح پاک کیا جائے گا' امام مالک' امام شافعی اور امام ابوثور نے کہا ہے کہ وہ پانی کے سوا اور کسی چیز سے پاک نہیں ہو گی اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ابوقلابہ' حسن بصری اور ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے' انہوں نے کہا ہے کہ دھوپ نجاست کو زائل کر دیتی ہے اور جب اس نجاست کا اثر چلا جائے تو اس زمین پر نماز پڑھ لو اور اس زمین سے تیمم نہ کرو۔

امام الطحاوی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کپڑوں اور بدن سے نجاست کس چیز سے زائل ہوگی' امام مالک نے کہا ہے: یہ صرف اس پانی سے زائل ہوسکتی ہے' جس سے وضوء کیا جاتا ہے اور یہی امام زفر' امام محمد بن حسن اور امام شافعی کا قول ہے اور ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۝ (الفرقان:٤٨) ہم نے آسمان سے ایسا پانی نازل کیا ہے' جو پاک کرنے والا ہے۝

اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی کا ایک ڈول بہانے کا حکم دیا' انہوں نے کہا کہ کپڑوں اور بدن کا بھی یہی حکم ہے۔

اور امام ابو حنیفہ نے اور امام ابو یوسف نے یہ کہا ہے کہ نجاست کو ہر مائع (رقیق اور بہنے والی) چیز سے زائل کرنا جائز ہے اور ہر پاک چیز سے اور آگ سے اور دھوپ سے' اور اگر مردار جانور کی کھال دھوپ میں خشک ہو جائے تو وہ رنگنے کے بغیر پاک ہو جاتی ہے' انہوں نے کہا کہ خمر (انگور کی شراب) جب سرکہ بن جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتی ہے اور مٹکا بھی پاک ہو جاتا ہے' اور ہم جانتے ہیں کہ خمر بھی نجس تھی اور مٹکا بھی نجس تھا اور اس کو سرکہ کے سوا اور کسی چیز نے پاک نہیں کیا۔

(شرح ابن بطال ج١ص ٣٣٥' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٤ھ)

زمین کے خشک ہونے سے اس کے پاک ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ زمین کا پاک ہونا اس کا خشک ہونا ہے' اور اس زمین سے تیمم اس لیے جائز نہیں ہے کہ تیمم کے لیے "صعید طیب" (بہت پاک ہونا) کی شرط قرآن مجید میں منصوص ہے' پس جس کی طہارت صرف حدیث سے ثابت ہے' اس سے تیمم ادا نہیں ہوگا۔ (ھدایہ اولین ص ٤٧' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

علامہ یوسف زیلعی حنفی متوفی ٧٦٢ھ نے کہا ہے کہ صاحب ہدایہ کے نقل کردہ الفاظ کے ساتھ حدیث غریب ہے یعنی غیر معروف ہے اور اس کا ثبوت نہیں ہے' البتہ دیگر الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت ہے۔ (نصب الرایہ ج١ص ٢٧٧' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

دیگر الفاظ کے ساتھ احادیث حسب ذیل ہیں:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا کہ جب زمین خشک ہو جاتی ہے تو پاک ہو جاتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:٦٢٥' مصنف عبد الرزاق:٥١٥٧)

عبد العزیز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری کو دیکھا' وہ پیشاب کے خشک نشان پر بیٹھے ہوئے تھے' میں نے ان سے کہا (اس کی کیا وجہ ہے؟)' انہوں نے کہا: یہ خشک ہو چکا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:٦٢٧)

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں باب:١٣٩ کا یہ عنوان قائم کیا ہے: زمین جب خشک ہو جائے تو اس کا پاک ہونا' اور اس عنوان پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حمزہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں' میں مسجد میں سوتا تھا' میں نو عمر' کنوارا' نوجوان تھا اور کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور پیشاب کرتے تھے اور صحابہ اس جگہ کو بالکل نہیں دھوتے تھے۔

(سنن ابو داؤد:٣٨٢)

علامہ عینی نے کہا ہے کہ یہ احادیث حکماً مرفوع ہیں کہ زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے' کیونکہ جن تابعین نے یہ کہا ہے کہ زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے' وہ اپنے زمانہ کے مفتی تھے' جیسے ابن الحنفیہ اور ابن قلابہ اور کسی نے ان کے قول کی مخالفت نہیں کی تو یہ اجماع کے قائم مقام ہے اور صاحب ہدایہ نے جو حدیث ذکر کی ہے' وہ روایت بالمعنی ہے۔

(البنایہ ج ا ص ٥٢٠' المکتبۃ الامدادیہ' ملتان' ١٤٠٨ھ)

ہر مائع چیز سے ازالۂ نجاست پر فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں:

نجاست کو پاک کرنا پانی کے ساتھ جائز ہے اور ہر مائع طاہر کے ساتھ بھی جائز ہے' جس سے نجاست کو زائل کرنا ممکن ہو' جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی وغیرہ' جن کو نچوڑا جائے تو وہ نچڑ جائے' اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے' اور امام محمد' امام زفر اور امام شافعی نے کہا ہے کہ نجاست کو صرف پانی کے ساتھ زائل کرنا جائز ہے کیونکہ مائع پہلی ملاقات کے ساتھ نجس ہو جائے گا اور نجس سے طہارت حاصل نہیں ہوتی' البتہ یہ قیاس پانی میں ضرورت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف یہ کہتے ہیں کہ مائع چیز نجاست کو اکھاڑ دے گی اور طہارت نجاست کے زائل ہونے سے حاصل ہو جائے گی۔

(ھدایہ اولین ص ٧٢۔٧١' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

سخت زمین پر پانی بہانے اور نرم زمین کو کھودنے کے متعلق فقہاء احناف کے مذہب پر دلائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

جب زمین پر تر نجاست لگ جائے' پس اگر زمین سخت ہو تو اس پر پانی بہا دیا جائے گا اور وہ پانی زمین کے اندر چلا جائے گا' جہاں اس کو نچوڑنا ممکن نہیں ہے اور ظاہر الروایۃ کے مطابق تین دفعہ پانی بہایا جائے گا اور ہر مرتبہ پانی زمین کے اندر چلا جائے گا (جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے) اور اگر زمین نرم ہو تو زمین کو کھودا جائے گا اور گڑھا کر کے اس پر تین مرتبہ پانی بہا دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ١٨٧' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

نرم زمین کو کھودنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن معقل بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسی قصہ میں ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس مٹی پر اس نے پیشاب کیا ہے' اس کو کھرچ کر گرا دو اور اس جگہ پر پانی بہا دو۔ (سنن ابوداؤد: ٣٨١' سنن بیہقی ج ٢ ص ٤٢٨' تلخیص الحبیر: ٣٢)

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا' لوگوں نے اس کو ڈانٹنے کا قصد کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس جگہ کو کھودو اور اس پر پانی کا ایک ڈول ڈال دو' تم تعلیم دو اور آسانی کرو اور مشکل میں نہ ڈالو۔

(مصنف عبدالرزاق: ١٦٦٤' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ' یہ حدیث مرسل ہے۔)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ تم نے حدیث صحیح کو ترک کر کے حدیث ضعیف اور حدیث مرسل سے استدلال کیا ہے تو میں کہوں گا کہ ہم نے حدیث صحیح پر اس صورت میں عمل کیا ہے' جب زمین سخت ہو اور جو حدیث تمہارے زعم میں ضعیف ہے نہ کہ ہمارے نزدیک اس پر اس صورت میں عمل کیا ہے جب زمین نرم ہو اور دونوں حدیثوں پر عمل کرنا' اس سے بہتر ہے کہ ایک حدیث پر عمل کیا جائے اور دوسری حدیث کو ترک کر دیا جائے اور رہی حدیث مرسل تو ہمارے نزدیک وہ معمول ہے اور جو حدیث مرسل پر عمل کو

ترک کرتا ہے' وہ اکثر احادیث پر عمل کو ترک کر دیتا ہے اور محدثین کے نزدیک جب دو صحیح مرسل حدیثیں کسی ایک مسند حدیث کے معارض ہوں تو حدیث مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے' تو جب حدیث مرسل کا کوئی معارض نہ ہو تو اس وقت اس پر عمل کرنا زیادہ اولیٰ ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۸۷)

مسجد میں کیا کام جائز ہیں اور کیا کام مکروہ تنزیہی ہیں اور کیا کام حرام ہیں؟

یہ حدیث صحیح مسلم: ۲۸۵ میں بھی ہے' وہاں اس کا متن حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' ایک اعرابی آیا' پھر وہ کھڑا ہو گیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے اس کو ڈانٹا کہ رُکو' رُکو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا پیشاب منقطع نہ کرو' پھر صحابہ نے اس کو چھوڑ دیا' حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بلایا' پس اس سے فرمایا: بے شک یہ مساجد اس پیشاب میں سے کسی چیز کے لیے نہیں بنائی گئیں اور نہ پاخانہ کے لیے' یہ مساجد تو صرف اللہ عزوجل کے ذکر اور نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بنائی گئی ہیں یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' پھر آپ نے لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا' وہ پانی کا ایک ڈول لے کر آیا اور اس پر بہا دیا۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: یہ مساجد اللہ عزوجل کے ذکر کے لیے ہیں' اس میں ذکر سے مراد عام ہے' یہ قرآن کی تلاوت' علم کی کتابوں کو پڑھنے اور پڑھانے' لوگوں کو وعظ کرنے اور نماز پڑھنے خواہ فرض ہو یا نفل' سب کو شامل ہے لیکن نفل پڑھنا گھر میں افضل ہے' اس کے علاوہ دوسرے کام مثلاً دنیاوی باتیں' ہنسنا' بغیر نیت اعتکاف کے مسجد میں ٹھہرنا اور دنیاوی کاموں میں مشغول ہونا' مسجد میں خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہیں' ضرورت کی وجہ سے مسجد میں سونا بھی جائز ہے لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہیے' مسجد میں لیٹنا اور ٹانگیں پھیلانا بھی جائز ہے اور مسجد میں پیشاب' پاخانہ کرنا اور دیگر مسجد کے احترام کے منافی کام کرنا حرام ہیں' بُرائی سے روکنا لازم ہے' اس لیے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر اس اعرابی کو مسجد میں پیشاب کرنے پر ڈانٹنے لگے۔

زیادہ بُرائی کے مقابلہ میں کم بُرائی کو اختیار کر لینا چاہیے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو منع کیا کہ اس کے پیشاب کو منقطع مت کرو' کیونکہ مسجد میں پیشاب کرنا بھی ایک بُرا کام ہے اور اس کا پیشاب منقطع کر دینے سے جو اس کو مرض پیدا ہوتا اور اس کو ضرر ہوتا' وہ اس سے زیادہ بُرا کام تھا تو آپ نے زیادہ بُرائی سے بچنے کے لیے کم بُرائی کو برداشت کرنے کا حکم دیا اور مسجد کو گندگی سے بچانا بھی ایک نیکی ہے اور اس اعرابی کو مرض اور ضرر سے بچانا' اس سے بڑی نیکی ہے' اس لیے آپ نے چھوٹی نیکی کے مقابلہ میں بڑی نیکی کے حصول کا حکم دیا' جب کہ مسجد کی صفائی تو بعد میں پانی بہا کر بھی حاصل ہو سکتی تھی۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب مسجد دھوپ سے خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی تو اس پر پانی کیوں بہایا گیا؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسجد میں پانی بہانے کی کیا ضرورت تھی' جب وہ پیشاب دھوپ اور ہوا سے خشک ہو جاتا تو مسجد تو پھر بھی پاک ہو جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دھوپ سے خشک ہونے تک مسجد کا وہ حصہ ناپاک رہتا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً پانی بہانے کا حکم اس لیے دیا تا کہ مسجد کی طہارت جلد حاصل ہو۔

دیہاتی اور احکامِ شرعیہ سے ناواقف شخص کو نرمی سے مسئلہ بتانا چاہیے اور اس پر سختی نہیں کرنی چاہیے' اس لیے آپ نے صحابہ کو

اسے ڈانٹنے سے منع فرمایا اور جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو فوراً پانی بہانے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کو فوراً پاک کرنے سے مانع اس کا پیشاب میں مشغول ہونا تھا اور جب وہ مانع زائل ہو گیا تو آپ نے مسجد کو پاک کرنے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ کسی خرابی کو دور کرنے سے اگر کوئی چیز مانع ہو تو اس مانع کے زائل ہوتے ہی اس خرابی کو دور کرنا چاہیے۔

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۶۹-۵۶۸-۵۶۷ ج ا ص ۹۶۳-۹۶۲ پر ہے اور اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) زمین سے نجاست کا اثر زائل ہونے سے اس کے پاک ہونے کا بیان (۲) مساجد میں دنیاوی کاموں اور سونے کا حکم (۳) حدیث مذکور سے بعض دیگر استنباط شدہ مسائل۔

۵۸- بَابُ صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں پیشاب پر پانی بہانا

یعنی اس باب میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسجد میں پیشاب کر دے تو اس پر پانی بہانے کا کیا حکم ہے؟ اس سے پہلے باب میں خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے متعلق یہ حکم تھا اور اس باب میں عام مساجد میں سے کسی مسجد کے متعلق یہ حکم ہے۔

۲۲۰- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ، وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ. أَوْ ذَنُوبًا مِّنْ مَّاءٍ. فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ. [طرف الحدیث: ۶۱۲۸]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری' انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ایک اعرابی کھڑا ہوا' پھر اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا' پس لوگ اس کو ڈانٹنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول ڈال دو یا فرمایا: ایک پانی کا ڈول ڈال دو کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۰' سنن ترمذی: ۱۴۷' سنن ابن ماجہ: ۵۳۰' سنن نسائی: ۵۶' مسند الحمیدی: ۹۳۸' المنتقی: ۱۴۱' مسند ابویعلیٰ: ۵۸۷۶' صحیح ابن خزیمہ: ۲۹۸' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۲۸' شرح السنۃ: ۲۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۲۵۵ ج ۱۲ ص ۱۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملے میں ہے: اس کے پیشاب کے اوپر پانی کا ایک ڈول ڈال دو۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کا مکمل متن

اس حدیث کا مکمل متن '' سنن ابوداؤد '' اور '' سنن ترمذی '' میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' اس اعرابی نے دو رکعت نماز پڑھی' پھر یہ دعا کی: اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہمارے ساتھ اور کسی پر رحم نہ فرما' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے وسیع چیز کو محدود کر دیا' پھر تھوڑی دیر بعد اس اعرابی نے مسجد کے ایک گوشہ میں پیشاب کر دیا' لوگ

اس کو منع کرنے کے لیے اس کی طرف جھپٹے تو نبی ﷺ نے ان کو منع کیا اور فرمایا: تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے' اس کے اوپر ایک ڈول ڈال دو یا فرمایا: پانی کا ایک ڈول ڈال دو۔

اس اعتراض کا جواب کہ مبعوث تو رسول اللہ ﷺ تھے' پھر صحابہ کو کیوں مبعوث قرار دیا؟

اس حدیث میں صحابہ سے فرمایا ہے: تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے ہو' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور صحابہ کو نہیں بھیجا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ نبی ﷺ کی اقتداء کرنے والے تھے اور نبی ﷺ کی ہدایت اور آپ کی سیرت پر عمل کرنے والے تھے تو مجازاً ان کو بھی فرمایا کہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' کیونکہ صحابہ تبلیغ کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام تھے' یا اس لیے کہ نبی ﷺ صحابہ کو تبلیغ کرنے کا حکم دیتے تھے اور ان کو تبلیغ کرنے کے لیے بھیجتے تھے' گویا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور صحابہ کرام' رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

آسان احکام پر فتویٰ دینا چاہیے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء دین اور مفتیانِ کرام کو دین کے آسان احکام بیان کرنے چاہئیں اور مشکل احکام نہیں بیان کرنے چاہئیں' مثلاً جب یہ کہا جائے گا کہ ایلو پیتھک دواؤں سے علاج کرنا اور ضرورت کے وقت ایک آدمی کا خون دوسرے آدمی میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے تو یہ لوگوں کو مشکل میں ڈالنا ہے' اس لیے اپنے زمانہ کے حالات اور عرف پر نظر رکھنی چاہیے اور آسان احکام بیان کرنے چاہئیں۔

اس حدیث کے دیگر فوائد اور مسائل ہم صحیح البخاری: ۲۱۹ میں بیان کر چکے ہیں۔

۲۲۱- وَحَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا' از نبی ﷺ۔

۰۰۰- بَابُ يُهْرِيقُ الْمَاءَ عَلَى الْبَوْلِ

پیشاب پر پانی بہادے

وَحَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ' عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ' فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ' فَزَجَرَهُ النَّاسُ' فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوبٍ مِّنْ مَّاءٍ' فَاُهْرِيقَ عَلَيْهِ.

(ح' امام بخاری نے دوسری سند کی طرف تحویل کی:) اور ہمیں خالد نے حدیث بیان کی اور ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا' انہوں نے بیان کیا: ایک اعرابی آیا' اس نے مسجد کے ایک حصہ میں پیشاب کر دیا' پس لوگوں نے اس کو ڈانٹا تو نبی ﷺ نے ان کو منع فرمایا' پس جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے اوپر پانی کا ایک ڈول بہا دیا جائے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۱۹ میں بیان کی جا چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

حافظ ابن حجر کی شرح پر تنقید

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں وہی فوائد اور مسائل بیان کیے ہیں' جن کو ہم حدیث:٢١٩ کی شرح میں بیان کر چکے ہیں' اور اس کی شرح میں انہوں نے فقہاء احناف پر دو اعتراض کیے ہیں' ایک یہ کہ زمین پر اگر پیشاب کی نجاست ہو تو دھوپ سے خشک ہونے کے بعد وہ نجاست پاک ہو جاتی ہے' اگر اسی طرح زمین پاک ہو جاتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہانے کا حکم کیوں دیا تھا؟ اس کا جواب بھی ہم حدیث:٢١٩ کی شرح میں لکھ چکے ہیں' دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر زمین نرم ہو اور اس پر پیشاب کر دیا جائے تو اس کو کھود کر یا کھرچ کر اس کی مٹی دوسری جگہ ڈال دی جائے' حالانکہ اس کا ثبوت ایک ضعیف السند حدیث میں اور ایک مرسل حدیث میں ہے' اس اعتراض کا جواب بھی ہم حدیث:٢١٩ میں ذکر کر چکے ہیں۔

ان امور کا بیان کرنے کے بعد حافظ ابن حجر نے لکھا: اس حدیث کے باقی فوائد ہم ان شاء اللہ ''کتاب الادب'' میں بیان کریں گے۔ (فتح الباری ج١ص ٥٤٧' دار المعرفہ بیروت' ١٤٢٦ھ)

''کتاب الادب'' میں اس حدیث کا نمبر ٦٠٢٥ ہے' وہاں حافظ ابن حجر نے صرف اتنا لکھا ہے:

حضرت انس کی حدیث میں اس شخص کا قصہ ہے' جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا' اس کی مفصل شرح ''کتاب الطہارۃ'' میں ہو چکی ہے اور ''لا تزرموہ'' کا معنی ہے: اس کا پیشاب منقطع نہ کرو۔ (فتح الباری ج٧ص ١٦٣' دار المعرفہ بیروت' ١٤٢٦ھ)

گویا حافظ ابن حجر بھول گئے کہ انہوں نے ''کتاب الطہارۃ'' میں کیا لکھا تھا' یہ ہم نے حافظ ابن حجر کے دوسرے نسیان کی نشان دہی کی ہے۔

٥٩- بَابُ بَوْلِ الصِّبْيَان — بچوں کے پیشاب کا حکم

اس عنوان میں ''الصبیان'' کا لفظ ہے' ''صبیان'' ''صبی'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: بچے' اس سے پہلے باب میں مرد کے پیشاب کا حکم بیان کیا تھا کہ جس جگہ مرد نے پیشاب کیا ہے' اس جگہ کو پاک کرنے کے لیے اس جگہ کو دھویا جائے گا' اور اس باب میں بچوں کے پیشاب کا حکم بیان کیا ہے کہ اگر دودھ پیتے بچے نے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو آیا اس کو دھویا جائے گا یا نہیں؟ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک دودھ پیتے لڑکے کا پیشاب طاہر ہے اور دودھ پیتی لڑکی کا پیشاب نجس ہے' اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دودھ پیتا لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کا پیشاب نجس ہے اور اگر وہ کپڑے پر پیشاب کر دیں تو اس کپڑے کو دھویا جائے گا اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک دودھ پیتے لڑکے نے اگر کپڑے پر پیشاب کر دیا تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے' اس پر صرف پانی کو چھڑک دینا کافی ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج٢ص ٢٨٦' دار الحدیث' قاہرہ' ١٤٢٥ھ' شرح المہذب ج٣ص ٦٣٩ ـ ٦٣٨' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٣ھ)

٢٢٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ' عَنْ اَبِيْهِ' عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ' فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ' فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهُ اِيَّاهُ. [اطراف الحدیث: ٥٤٦٨ـ٦٠٠٢ـ٦٣٥٥]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا' اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا' آپ نے پانی منگایا اور اس پانی کو اس کپڑے کے تابع کیا' یعنی اس پانی کو اس کپڑے پر بہایا۔

(سنن ابن ماجہ: ۵۲۳ 'مسند ابوعوانہ ج ا ص ۲۰۱ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۲۰ 'مسند احمد ج ٦ ص ۵۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۲۲۵٦۔ ج ۴۰ ص ۳۰۰ 'مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: آپ نے پانی منگایا اور پانی کو اس کپڑے پر بہایا۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

پیشاب سے آلودہ کپڑے پر پانی چھڑکنے کے متعلق احادیث

امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے اور جس کپڑے پر اس نے پیشاب کیا ہو اس کو دھونا ضروری نہیں ہے' اس پر صرف پانی کو چھڑک لینا کافی ہے' ان کا استدلال ان احادیث سے ہے:

حضرت علی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچوں کے متعلق فرمایا: لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دیا جائے گا (اس حدیث میں ''یُنْضِحُ'' کا لفظ ہے' جس کا معنی انہوں نے پانی چھڑکنا کیا ہے' ہمارے نزدیک اس کا معنی پانی بہانا ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۷۔۳۷۸ 'سنن ترمذی: ٦۱۰ 'سنن ابن ماجہ: ۵۲۵ 'مسند احمد ج ا ص ۷٦۔۹۷۔۱۳۷)

حضرت لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا' میں نے عرض کیا: آپ مجھے اپنا کپڑا دیں' میں اس کو دھو دوں' آپ نے فرمایا: لڑکیوں کے پیشاب سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور لڑکوں کے پیشاب سے صرف پانی چھڑک دیا جاتا ہے (اس حدیث میں بھی ''ینضح'' کا لفظ ہے' ہمارے نزدیک اس کا معنی پانی بہانا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۵ 'سنن ابن ماجہ: ۵۲۲ 'مسند احمد ج ٦ ص ۳۳۹ 'شرح معانی الآثار: ۵٦۸)

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بچہ کو لائیں جو طعام نہیں کھاتا تھا (یعنی دودھ پیتا تھا)' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود میں بٹھا لیا' اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا' آپ نے پانی منگایا' پس اس پر چھڑکا اور اس کو دھویا نہیں (اس میں بھی ''نضح'' کا لفظ ہے' تحقیق یہ ہے کہ اس کا معنی پانی بہانا ہے' باب مذکور کی حدیث بھی اس پر قرینہ ہے)۔

(صحیح البخاری: ۲۲۳ 'صحیح مسلم: ۲۸۷ 'الرقم المسلسل: ٦۵۳ 'سنن ترمذی: ۷۱ 'سنن نسائی: ۳۰۱ 'مسند احمد ج ٦ ص ۳۵٦ 'المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۴۳۵ 'مصنف عبدالرزاق: ۱۴۸۵ 'سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۱۴ 'موطأ امام مالک: ۱۴۵ 'طہارت: ۱۱۰ 'سنن دارمی: ۷۴۵)

''نضح'' کا معنی پانی بہانا ہے' نہ کہ پانی چھڑکنا' اس کی ایک حدیث سے وضاحت

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دودھ پیتے لڑکے اور دودھ پیتی لڑکی' دونوں کے پیشاب میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کا پیشاب نجس ہے' امام طحاوی نے کہا ہے کہ جن احادیث سے امام احمد اور امام شافعی نے استدلال کیا ہے' ان میں ''نضح'' کا لفظ ہے اور ''نضح'' کا معنی پانی چھڑکنا بھی ہے اور پانی بہانا اور دھونا بھی ہے' سو درج ذیل حدیث میں ''ینضح'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی پانی بہانا ہے' یہاں پر پانی چھڑکنے کا معنی ہو ہی نہیں سکتا۔

(نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ج ا ص ۵٦٦ 'قدیمی کتب خانہ' کراچی)

وہ حدیث یہ ہے:

ابولبید بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی قبیلہ طاحیہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلا' اس کو بیرح بن اسد کہا جاتا تھا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ایام بعد مدینہ میں آیا' اس کو حضرت عمر رضی اللہ نے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ کوئی مسافر ہے' انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اہل عمان سے ہوں' حضرت عمر نے کہا: اہل عمان سے؟ اس نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر اس کا ہاتھ پکڑ کر

حضرت ابوبکر رضی اللہ کے پاس لے گئے اور کہا: یہ شخص اس زمین کی طرف سے آیا ہے' جس کے متعلق میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک میں ایک زمین کو جانتا ہوں' جس کو عمان کہا جاتا ہے' جس کی ایک طرف سے سمندر بہتا ہے' (یہاں حدیث میں سمندر کے بہنے کے لیے ''ینضح'' کا لفظ ہے) وہاں عرب کا ایک قبیلہ ہے' اگر ان کے پاس میرا سفیر جائے تو وہ اس کو تیر ماریں گے نہ پتھر۔ (مسند ابویعلیٰ:١٠٦' مسند احمد ج١ص ٤٤ طبع قدیم' مسند احمد:٣٠٨۔ ج١ص ٣٩٨' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (نخب الافکار ج١ص ٥٦٦)

ابوعمر وابن عبدالبر مالکی متوفی ٤٦٣ھ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ ''النضح'' کا معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھڑکنا' کیونکہ پانی چھڑکنے سے تو نجاست اور پھیلتی ہے اور کبھی ''نضح'' کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد دھونا ہوتا ہے اور اسی طرح ''الرش'' کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد دھونا ہوتا ہے۔ (تمہید لابن عبدالبر بہ حوالہ نخب الافکار ج١ص ٥٦٧' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

باب مذکور کی حدیث: ٢٢٢ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگایا اور اس پانی کو اس پیشاب آلودہ کپڑے کے تابع کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: ''ای اتبع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم البول الذی علی الثوب الماء یصبّہ علیہ'' یعنی رسول اللہ ﷺ نے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا۔

(فتح الباری ج١ص ٥٤٧' دارالمعرفہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)

اور یہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے مؤقف پر قوی دلیل ہے کہ لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا جاتا ہے' چھڑکا نہیں جاتا۔

علامہ سیوطی نے بھی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: ''ای صبہ علیہ'' اس کپڑے پر پانی بہایا۔

(تنویر الحوالک ص ٨٢' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

دیگر احادیث سے اس کی تائید کہ ''نضح'' کا معنی دھونا اور پانی بہانا ہے نہ کہ پانی چھڑکنا

حضرت مقداد بن اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ معلوم کروں کہ ایک شخص جب اپنی بیوی کے قریب ہوتا ہے تو اس کی مذی نکل آتی ہے' اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیونکہ میرے نکاح میں آپ کی صاحبزادی ہے' اس لیے میں آپ سے خود سوال کرنے سے حیاء کرتا ہوں' حضرت مقداد بیان کرتے ہیں: پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب تم اس حالت کو پاؤ تو اپنی شرم گاہ کو دھولو (یہاں پر بھی ''نضح'' کا لفظ ہے اور ایسی صورت میں شرم گاہ کو دھویا جاتا ہے' اس پر پانی نہیں چھڑکا جاتا) اور تم اس طرح وضوء کرو' جس طرح نماز کے لیے وضوء کرتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد:٢٠٧' سنن نسائی:١٥٦' سنن ابن ماجہ:٥٠٥)

اس حدیث میں ''نضح'' کا معنی دھونا ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اسی قصہ میں نبی ﷺ نے حضرت مقداد سے فرمایا: ''یغسل ذکرہ ویتوضو'' وہ اپنا آلہ دھوئے اور وضوء کرے۔

(صحیح البخاری:١٣٢' صحیح مسلم:٣٠٣' الرقم المسلسل:٦٨١' سنن نسائی:١٥٢)

ایک اور حدیث میں بھی ''نضح'' بہ معنی دھونا ہے:

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں مذی سے بہت تکلیف اور مشقت اٹھاتا تھا اور اس کی وجہ سے اکثر غسل کرتا

تھا' سو میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا اور آپ سے اس کے متعلق پوچھا' آپ نے فرمایا: تمہیں اس سے وضوء کافی ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے کپڑے پر جو مذی لگ جائے' اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم اپنی ہتھیلی میں پانی لے کر' فتنضح به ثوبك '' اس سے اپنے کپڑے کو دھوؤ' جہاں پر مذی لگی ہو۔ (سنن ترمذی: ١١٥' سنن ابوداؤد: ٢١٠' سنن ابن ماجہ: ٥٠٦)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ جن احادیث میں لڑکے کے پیشاب کے لیے '' نضح '' کا لفظ آیا' اس کا معنی بھی دھونا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایک حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تو آپ ان کو برکت دیتے اور ان کو گھٹی دیتے' ایک بچہ کو لایا گیا تو اس نے آپ پر پیشاب کر دیا' تو آپ نے اس کے بعد اس پر پانی ڈالا اور دھویا نہیں۔

(صحیح مسلم: ٢٨٦' الرقم المسلسل: ٦٣٩)

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ دھونے کی نفی کی گئی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس کو خوب مل مل کر نہیں دھویا' اور اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ آپ نے اس پر پانی چھڑ کا نہیں بلکہ پانی بہایا' جیسا کہ صحیح البخاری: ٢٢٢ میں اس کی تصریح ہے' جس کو ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح (فتح الباری ج ١ ص ٥٤٧) اور علامہ سیوطی کی شرح (تنویر الحوالک ص ٨٢) سے نقل کر چکے ہیں۔

جن احادیث میں دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہانے اور اس کو دھونے کی تصریح ہے' وہ حسب ذیل ہیں:

دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہانے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے' آپ ان کے لیے دعائے خیر کرتے' آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا' اس نے آپ پر پیشاب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر خوب پانی بہاؤ۔

(مسند احمد ج ٦ ص ٤٦ طبع قدیم' مسند احمد ج ٤٠ ص ٢٢٥' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حسن بصری اپنی والدہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب لڑکا طعام نہ کھاتا ہو تو اس کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا اور جب لڑکی ہو تو اس کے کپڑے کو دھویا جائے گا۔ (المعجم الاوسط: ٢٧٤١' الاستذکار: ٣٤٦٣)

حسن بصری سے روایت ہے کہ لڑکا جب تک طعام نہ کھاتا ہو' اس کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ (مسند ابو یعلیٰ: ٦٨٨٧)

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی میں فرق یہ ہے کہ لڑکے کے پیشاب کا باریک سوراخ ہوتا ہے' اس کا پیشاب تنگ جگہ سے نکلتا ہے اور لڑکی کے پیشاب کی جگہ فراخ ہوتی ہے اور وہ پھیل کر نکلتا ہے اور کپڑے پر پھیل جاتا ہے' اس لیے اس کو مبالغہ کے ساتھ دھونے کا حکم دیا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی بہانے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ پھیل کر نہیں نکلتا۔ (نخب الافکار ج ١ ص ٥٦٨)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ٥١٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لڑکے کے پیشاب کے اوپر خوب پانی بہایا جائے' جب تک کہ وہ طعام نہ کھاتا ہو اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے' خواہ کھانا کھاتی ہو یا نہ کھاتی ہو۔

ایک جماعت کا مذہب ہے کہ لڑکے کے پیشاب کو دھونا واجب ہے' جس طرح باقی پیشاب کا حکم ہے اور یہ ابراہیم نخعی' سفیان ثوری اور فقہاء احناف کا مذہب ہے (اور فقہاء مالکیہ کا بھی)۔ (شرح السنۃ ج ٢ ص ٨٧' المکتب الاسلامی' بیروت' ١٣٩٠ھ)

حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا' پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لایا گیا' انہوں نے آپ پر

پیشاب کر دیا' لوگوں نے ارادہ کیا' ان کو جلدی سے روکیں تو آپ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا ہے' یہ میرا بیٹا ہے' جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس کے اوپر پانی بہا دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ١٢٠ 'طبع کراچی' شرح معانی الآثار: ٥٧٩)

عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ کے پیٹ یا آپ کے سینہ پر حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما تھے' انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا' حتیٰ کہ میں نے تیزی کے ساتھ ان کو پیشاب کرتے دیکھا' ہم ان (کو اٹھانے کے لیے) ان کی طرف کھڑے ہوئے' آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' پھر آپ نے پانی منگا کر اس پیشاب پر بہا دیا۔ (شرح معانی الآثار: ٥٨١)

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کو مجھے عطا کیجئے یا ان کو مجھے دے دیجئے' میں ان کی کفالت کروں گی یا میں ان کو دودھ پلاؤں گی' سو آپ نے ایسا کر دیا' پھر میں حضرت حسین کو آپ کے پاس لے آئی اور انہیں آپ کے سینہ پر بٹھا دیا' انہوں نے آپ پر پیشاب کر دیا' جو آپ کے تہبند پر پہنچ گیا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنا تہبند مجھے دیجئے' میں اس کو دھو دوں' آپ نے فرمایا: لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جاتا ہے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے۔ (شرح معانی الآثار: ٥٨٢)

ہم نے حدیث: ٥٦٨ روایت کی تھی' اس میں "نضح" کا لفظ تھا اور اس حدیث میں "صب" کا لفظ ہے' جس کا معنی پانی بہانا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی "نضح" کا معنی پانی بہانا ہے' پانی چھڑکنا نہیں ہے' تا کہ ان احادیث میں تضاد نہ ہو۔

(شرح معانی الآثار ج ١ ص ١٢٢ 'قدیمی کتب خانہ' کراچی)

حسن بصری کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا' جو لڑکا کھانا نہ کھاتا ہو (صرف دودھ پیتا ہو) وہ اس کے پیشاب پر پانی بہاتی تھیں اور جب وہ کھانا کھاتا تھا تو اس کے پیشاب کو دھوتی تھیں اور وہ لڑکی کے پیشاب کو بھی دھوتی تھیں۔ (سنن ابوداؤد: ٣٧٩)

اور باب مذکور کی حدیث: ٢٢٢ میں بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہایا' سو صحیح بخاری کی یہ حدیث اور باقی محولۃ الصدر احادیث فقہاء احناف کے مؤقف پر قوی دلیل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی: ٤٥٧' دار المعرفہ بیروت' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

اس حدیث کا عموم اور اطلاق بھی یہ خبر دیتا ہے کہ شیر خوار لڑکے اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب آلودہ کپڑوں میں فرق نہ کیا جائے اور ان کپڑوں پر پانی بہا کر ان کو دھویا جائے اور ان پر صرف پانی چھڑک کر گندگی کو مزید پھیلایا نہ جائے۔

٢٢٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ، إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَسَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجْرِهِ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ،

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ از ام قیس بنت محصن' بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے چھوٹے بچے کو لے کر آئیں' جس نے ابھی طعام کھانا نہیں شروع کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیا' اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب

فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. [طرف الحدیث:٥٦٩٣] کر دیا' آپ نے پانی منگا کر اس کپڑے پر بہایا (یا اس کو دھویا) اور اس کو (زیادہ رگڑ کر) نہیں دھویا۔

(صحیح مسلم:٢٨٧'الرقم المسلسل:٦٥٣'سنن ابوداؤد:٣٧٤'سنن ترمذی:١٧'سنن نسائی:٣٠٢'سنن ابن ماجہ:٥٢٤'مسند الحمیدی:٣٤٣' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ص ١٢٠'الاحاد والمثانی:٣٢٥٣'المنتقی:١٣٩' صحیح ابن خزیمہ:٢٨٥'مسند ابوعوانہ ج ١ص ٢٠٢'شرح معانی الآثار:٥٧٠'صحیح ابن حبان:١٣٧٣'المعجم الکبیر ج ٢٥ص ٤٣٦'سنن بیہقی ج ٢ص ٤١٤'شرح السنۃ:٢٩٤'موطأ امام مالک:١١٠'مسند احمد ج٦ص ٣٥٥طبع قدیم'مسند احمد ٢٦٩٩٦-ج ٤٤ص ٥٤٧'مؤسسۃ الرسالۃ'بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: آپ نے پانی منگا کر (پیشاب آلودہ) کپڑے پر بہایا اور اس کو (زیادہ رگڑ کر) نہیں دھویا۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

حدیث کے معنی کی وضاحت

اس حدیث میں ''نضحہ'' کا لفظ ہے اور ہم حدیث:٢٢٢ میں تفصیل سے تحقیق کر چکے ہیں کہ اس کا معنی یہاں پر پانی بہانا اور دھونا ہے اور حدیث میں جو مذکور ہے: اور اس کو نہیں دھویا' اس کا معنی ہے: اس کو بہت رگڑ کر اور مَل مَل کر نہیں دھویا کیونکہ شیر خوار لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑے پر پانی بہانا بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے' جس کو ہم حدیث:٢٢٢ کی شرح میں تفصیل سے باحوالہ بیان کر چکے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے حدیث مذکور سے استنباط کردہ مسائل اور ان پر حافظ عینی کا تعاقب

(١) اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت کا پتا چلتا ہے کہ بچوں کو آپ کی گود میں بٹھا دیا جاتا' وہ آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری اور ناراضگی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

(٢) اس حدیث میں حُسنِ معاشرت اور تواضع کا بیان ہے اور اہل فضل کی برکت حاصل کرنے کے لیے بچوں کو ان کے پاس لے جانا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ بچوں کو حالت ولادت میں اور اس کے بعد اٹھا کر لے جانا ہے۔ (فتح الباری ج ١ص ٧٥٥'دارالمعرفہ) علامہ بدرالدین عینی نے اس کا رد کرتے ہوئے یہ لکھا ہے: یہ عبارت انہوں نے بغیر غور وفکر کے لکھی ہے' ورنہ بچوں کو حالت ولادت میں کب اٹھا کر لایا جا سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ص ١٩٩) نیز حافظ عسقلانی نے اس حدیث کے فوائد میں یہ بھی لکھا ہے: مولود کو گھٹی دینا' علامہ عینی نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: اس حدیث میں گھٹی دینے کا ذکر نہیں ہے' اگر چہ دوسری احادیث میں نومولود کو گھٹی دینے کا بھی ذکر ہے (جیسا کہ صحیح مسلم:٢٨٦ میں مذکور ہے) اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام قیس اپنے بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حصولِ برکت اور طلبِ دعا کے لیے لائی تھیں' کیونکہ جس کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما دیں' وہ دنیا اور آخرت میں مسعود ہو جاتا ہے' اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بچہ کو گھٹی دلوانے کے لیے لائی ہوں' مگر اس کا حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ص ١٩٩)

حافظ ابن حجر کے فقہاء احناف کے مذہب پر اعتراضات

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ شیر خوار لڑکے اور لڑکی کے پیشاب آلودہ کپڑوں کے متعلق تین مذہب ہیں: (١) شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ لڑکے کے پیشاب میں پانی چھڑکنا کافی ہے' لڑکی کے پیشاب میں کافی نہیں ہے (٢) دونوں کے پیشاب میں پانی

چھڑکنا کافی ہے یہ اوزاعی کا مذہب ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول ہے اور امام مالک سے بھی مروی ہے (۳) فقہاء احناف اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کے پیشاب آلودہ کپڑوں کو دھونا واجب ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے: انہوں نے قیاس کی پیروی کی ہے اور حدیث میں جو مذکور ہے: آپ نے اس کپڑے کو نہیں دھویا' انہوں نے اس کی جو تاویل کی ہے' وہ خلاف ظاہر ہے اور دوسری احادیث سے بعید ہے' اور لڑکے اور لڑکی کے پیشاب کے حکم میں فرق اس لیے ہے تاکہ مشقت کم ہو۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۷۵۵' دار المعرفہ بیروت)

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر کے جوابات

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا کہ فقہاء احناف نے اپنے مذہب میں قیاس کی پیروی کی ہے' قطعاً باطل اور مردود ہے' ہم حدیث: ۲۲۲ کی شرح میں ان احادیث کا تفصیل سے باحوالہ ذکر کر چکے ہیں' جن کی پیروی میں فقہاء احناف نے کہا ہے کہ شیر خوار لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑوں کو بھی دھونا واجب ہے' اور اس حدیث میں جو مذکور ہے: آپ نے اس کپڑے کو نہیں دھویا' اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس کو زیادہ مَل مَل کر نہیں دھویا' یہ تاویل اس لیے کی ہے کہ دوسری احادیث میں اس کپڑے کو دھونے کا ذکر ہے' جن کو ہم حدیث: ۲۲۲ کی شرح میں بیان کر چکے ہیں' اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو احادیث میں تعارض اور تضاد لازم آئے گا' سو یہ تاویل خلاف ظاہر نہیں بلکہ احادیث میں توافق اور تطبیق پیدا کرنے کے لیے ہے' نیز حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ شیر خوار لڑکے اور شیر خوار لڑکی کے پیشاب آلودہ کپڑوں میں فرق اس لیے کیا ہے' تاکہ دھونے کی مشقت کم ہو' حافظ ابن حجر کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء شافعیہ اپنے اس مذہب میں قیاس کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا یہ قیاس صریح اور صحیح احادیث کے خلاف ہے' اس لیے باطل اور مردود ہے' نیز اسلام تو طہارت اور صفائی کی تعلیم دیتا ہے اور شیر خوار بچے کے پیشاب کو طاہر قرار دینا' اسلام کے اس اصول کے کلیۃً خلاف ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۷۵- ج ۱ ص ۹۲۶ پر ہے' وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے:
شیر خوار بچے کے پیشاب آلود کپڑے کے دھونے کے حکم میں مذاہب فقہاء اور دیگر مسائل۔

٦٠- بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا — کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنا

یعنی اس باب میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس باب میں صرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے متعلق احادیث ہیں' پھر باب کے عنوان میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کا کیوں ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بہ کثرت احادیث میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کا ذکر ہے' اس لیے امام بخاری نے اس کا بھی ذکر کر دیا اور اس کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب پیشاب کے حکم سے متعلق ہیں۔

٢٢٤- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ، فَبَالَ قَائِمًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ، فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ. [اطراف الحدیث: ۲۲۵-۲۲۶-۲۴۷۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے کچرا گھر (گھورے) پر آئے' پھر آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا' پھر آپ نے پانی منگایا' سو میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا' پھر آپ نے وضوء کیا۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳ 'الرقم المسلسل: ۶۱۳ 'سنن ابوداؤد: ۲۳ 'سنن ترمذی: ۱۳ 'سنن نسائی: ۲۸۔۲۷۔۲۶۔۱۸ 'سنن ابن ماجہ: ۳۰۶۔۳۰۵ 'مسند ابوداؤد الطیالسی: ۴۰۶ 'مصنف عبد الرزاق: ۷۵۱ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳ 'سنن دارمی: ۶۶۸ 'مسند البزار: ۲۸۶۳ 'المنتقی: ۳۶ 'صحیح ابن خزیمہ: ۶۱ 'صحیح ابن حبان: ۱۴۲۵۔۱۴۲۴ 'حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۱۱ 'سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۰۰ 'شرح السنۃ: ۱۹۳ 'مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۲ طبع قدیم 'مسند احمد: ۲۳۲۴۱۔ ج ۳۸ ص ۲۷۷ 'مؤسسۃ الرسالۃ 'بیروت)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے کچرا خانہ پر آئے' پھر آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

غیر مملوک جگہ پر پیشاب کرنے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے کچرا گھر پر آئے اور وہاں پیشاب کیا' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کسی کی مملوکہ جگہ پر آپ کا پیشاب کرنا' کس طرح جائز ہوگا؟ اس سوال کے متعدد جواب ہیں:

(۱) یہ جگہ قوم کی ملکیت نہ تھی اور چونکہ قوم کے لوگ وہاں پر کچرا ڈالتے تھے' اس لیے اس کی اضافت قوم کی طرف کر دی۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ قوم کے لوگ آپ کے اس تصرف کو ناپسند نہیں کریں گے اور ایسی صورت میں تصرف جائز ہوتا ہے۔

(۳) جس چیز کی آپ کی امت مالک ہو' اس چیز پر آپ کا تصرف کرنا جائز ہے کیونکہ آپ تمام مؤمنین کی جانوں اور اُن کے مالوں پر اقرب بالتصرف ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ لوگ اپنی املاک میں آپ کے تصرف سے خوش ہوتے تھے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے حکم میں مذاہب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے اور جب کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے تو بیٹھ کر پیشاب کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے' امام مالک نے کہا ہے: اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے چھینٹیں نہیں اُڑتیں تو کوئی حرج نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے' اور عام علماء نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کوئی عذر ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ حضرت انس' حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے' حضرت ابن مسعود اور ابراہیم بن سعد نے اس کو مکروہ کہا ہے' ابراہیم کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے کی شہادت کو جائز نہیں کہتے تھے اور ابن المنذر نے کہا: بیٹھ کر پیشاب کرنا مستحب ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مباح ہے اور ان میں سے ہر طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی حدیث کی معارض احادیث کی توجیہات

باب مذکور کی حدیث کے معارض حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جس نے تم کو یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے' اس کی تصدیق نہ کرو' آپ صرف بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ (سنن الترمذی: ۱۲ 'سنن نسائی: ۲۹ 'سنن ابن ماجہ: ۳۰۷ 'مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو' اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

(سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۲ 'سنن ابن ماجہ: ۳۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف گھر کے احوال پر مطلع تھیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے گھر کے باہر

کے حال کا ذکر کیا ہے اور حضرت عمر کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی توجیہات

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا اس کی توجیہ میں امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ عرب یہ کہتے تھے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے کمر کے درد میں شفاء ہوتی ہے تو یہ گویا علاج کا ایک طریقہ ہے' گھٹنوں میں درد کی شفاء کی بھی ایک روایت ہے۔

(۲) قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ آپ مسلمانوں کے اُمور میں مشغول تھے اور اس میں بہت دیر ہو گئی' حتیٰ کہ آپ کو زور سے پیشاب آنے لگا' اس لیے آپ اپنی عادت کے مطابق زیادہ دور نہیں جا سکے' اس لیے آپ نے کچرا گھر کا ارادہ کیا کیونکہ وہ نرم اور ریتیلی جگہ تھی اور حضرت حذیفہ آپ کے ستر کے لیے کھڑے ہو گئے تھے' گویا وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔

(۳) علامہ المازری نے کہا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے مقعد سے کچھ نکلنے کا خطرہ نہیں ہوتا' جب کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے یہ خطرہ ہوتا ہے۔

(۴) کچرا گھر کے قریب جو جگہ تھی' وہ بلند تھی اور آپ ڈھلان کی جانب تھے' اس لیے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔

(۵) علامہ منذری نے کہا: اس کچرا گھر میں تر نجاسات تھیں' آپ کو خطرہ تھا کہ اگر آپ نے بیٹھ کر پیشاب کیا تو آپ کے اوپر چھینٹیں اُڑیں گی۔

(۶) امام طحاوی نے کہا: وہ ایسی جگہ تھی کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے پیشاب کرنے والے کی طرف پیشاب بہ کر آتا ہے' اس لیے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

(۷) بعض علماء نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان جواز کے لیے اس مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا' ورنہ آپ کی عادتِ مبارکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

اس حدیث کے دیگر فوائد یہ ہیں:

(۱) قریب ترین جگہ پر جا کر پیشاب کرنا چاہیے۔

(۲) پیشاب کو زیادہ دیر تک روکنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ضرر اور بیماری کا خطرہ ہے۔

(۳) پیشاب کرنے والے کے لیے اپنے خادم سے وضوء کے لیے پانی منگانا جائز ہے' کیونکہ آپ نے حضرت حذیفہ سے پانی منگایا تھا۔

(۴) تلامذہ اور مریدین کو اساتذہ اور مشائخ کی اور اصاغر کو اکابر کی خدمت کرنی چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۰۳۔۲۰۱ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

٦١- بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهٖ' وَالتَّسَتُّرِ بِالْحَائِطِ

اپنے کسی ساتھی یا دیوار کی آڑ میں پیشاب کرنا

باب سابق کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب پیشاب کے حکم سے متعلق ہیں۔

۲۲۵- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ' عَنْ مَنْصُوْرٍ' عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ' عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از

رَاَيْتُنِي اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشٰى، فَاَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ، فَقَامَ كَمَا يَقُوْمُ اَحَدُكُمْ، فَبَالَ، فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ، فَاَشَارَ اِلَيَّ فَجِئْتُهُ، فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهٖ حَتّٰى فَرَغَ.

منصور از ابی وائل از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا رہے تھے' پھر آپ ایک دیوار کے پیچھے قوم کے کچرا گھر پر آئے' پھر آپ اس طرح کھڑے ہو گئے' جس طرح تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے' پھر آپ نے پیشاب کیا' پس میں آپ سے پیچھے ہٹ گیا' پھر آپ نے مجھے اشارہ کیا تو میں آپ کے پاس آیا' پس میں آپ کی ایڑیوں کے پاس کھڑا ہو گیا حتیٰ کہ آپ فارغ ہو گئے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۲۴ میں مطالعہ فرمائیں۔

حدیث مذکور کے مزید مسائل اور فوائد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو بلایا اور وہ آپ کی ایڑیوں کے پاس کھڑے ہو گئے' حتیٰ کہ آپ پیشاب سے فارغ ہو گئے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی معزز شخص پیشاب کے لیے جائے تو اپنے ساتھ اپنے کسی ساتھی کو لے جائے' جو اس کے پیچھے کھڑا ہو جائے تاکہ اس کی آڑ اور حجاب ہو جائے۔ علامہ ابن بطال نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے' جب وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرے اور جب وہ بیٹھ کر پیشاب کرے تو پھر اس کے ساتھی کو اس سے دور چلے جانا چاہیے اور حضرت حذیفہ آپ کی حفاظت کے خیال سے آپ کے قریب آ کر کھڑے ہوئے تھے' نیز اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جب انسان قضاء حاجت کے لیے جائے تو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رہے اور کسی دیوار یا درخت کی آڑ میں کھڑا ہو' مہلب نے کہا: اس حدیث میں شاگرد اور مرید سے خدمت لینے کا ثبوت ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۴۲' دارالکتب الاسلامیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

٦٢- بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ — قوم کے کچرا گھر کے پاس پیشاب کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے' کیونکہ دونوں بابوں کا تعلق پیشاب کے حکم سے ہے۔

٢٢٦- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ، وَيَقُوْلُ اِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اَحَدِهِمْ قَرَضَهُ. فَقَالَ حُذَيْفَةُ لَيْتَهُ اَمْسَكَ، اَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ. فَبَالَ قَائِمًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل' انہوں نے کہا: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیشاب کے معاملہ میں بہت سختی کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ بنی اسرائیل میں جب کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس کپڑے کو کاٹ دیتا تھا' پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! وہ یہ کہنے سے رک جاتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے کچرا گھر پر آئے اور آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۲۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

کپڑوں پر پیشاب لگنے سے کپڑے کو کاٹ دینے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

اس حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جب کسی ایک کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا

تو وہ اس کپڑے کو کاٹ دیتا تھا' اس کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

حضرت عبدالرحمان بن حسنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' نبی ﷺ کی طرف گئے' آپ گھر سے نکلے اور آپ کے ساتھ ایک ڈھال تھی' آپ نے اس کے ساتھ پردہ کیا' پھر پیشاب کیا' پس ہم نے کہا: آپ کی طرف دیکھو' آپ ایسے پیشاب کر رہے ہیں' جیسے عورت پیشاب کرتی ہے۔ آپ نے اس بات کو سن لیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل کے صاحب کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ جب ان کو پیشاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کاٹ دیتے تھے' جہاں ان کا پیشاب لگا ہوتا تھا' اس صاحب نے ان کو منع کیا تو ان کو قبر میں عذاب دیا گیا۔ امام ابوداؤد نے کہا: منصور نے بیان کیا از ابووائل از حضرت ابوموسیٰ' اس حدیث میں یہ مراد ہے: وہ اپنی کھال کو کاٹ دیتا تھا اور عاصم کی سند سے بیان کیا از ابوموسیٰ از نبی ﷺ' آپ نے فرمایا: وہ اپنے جسم کو کاٹ دیتا تھا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲' سنن نسائی: ۳۰' سنن ابن ماجہ: ۳۴۶)

اس حدیث میں صاحب سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور جن کو عذاب دیا گیا' وہ بنی اسرائیل تھے اور یہاں کچھ عبارت مقدر ہے' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس سے منع کیا کہ ان کے جسم یا کپڑوں پر پیشاب لگے' وہ اس سے باز نہ آئے تو ان کو قبر میں عذاب دیا گیا۔

پیشاب کی چھینٹوں کے متعلق ہماری شریعت میں سختی نہیں ہے

حضرت حذیفہ نے کہا: کاش! حضرت ابوموسیٰ اشعری پیشاب کے معاملہ میں اتنی سختی کرنے سے رک جاتے' ان کا مقصود یہ تھا کہ پیشاب کے معاملہ میں اتنی سختی کرنا سنت کے خلاف ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرے گا تو وہ پیشاب کی چھینٹوں کے لگنے کا محل بنے گا اور نبی ﷺ نے اس احتمال سے بچنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۰۷)

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: حضرت حذیفہ کا یہ قول ان علماء کے لیے حجت ہے' جو پیشاب کے معاملہ میں رخصت دیتے ہیں' کیونکہ یہ معلوم ہے کہ جو شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرے گا' اس کے اوپر سوئی کی نوک کے برابر پیشاب کے قطرات اڑ کر لگیں گے اور اس حدیث میں ہمارے لیے آسانی اور نرمی ہے' کیونکہ ہم سے پہلی امت اپنے کپڑوں میں اس جگہ کو کاٹ دیتی تھی' جہاں پیشاب لگتا تھا اور حضرت حذیفہ کی حدیث فقہاء احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۴۲)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

سوئی کی نوک کے برابر پیشاب کی چھینٹوں کے حکم میں اختلاف ہے' امام مالک فرماتے ہیں: ان کو دھونا مستحب ہے' امام شافعی فرماتے ہیں: ان کو دھونا واجب ہے' امام ابوحنیفہ نے اس میں آسانی دی ہے' جس طرح انہوں نے باقی معمولی نجاستوں میں آسانی دی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۰۷-۲۰۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* صحیح البخاری کی حدیث: ۲۲۶-۲۲۵' شرح صحیح مسلم: ۵۳۳-۵۳۲-ج ۱ ص ۹۴۴-۹۴۳ پر مذکور ہے' وہاں ان حدیثوں کی شرح نہیں کی گئی۔

٦٣- بَابُ غَسْلِ الدَّمِ — خون کو دھونا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ باب سابق میں پیشاب کو دھونے کا بیان تھا اور اس باب میں خون کو دھونے کا ذکر ہے اور خون اور پیشاب دونوں نجس ہیں اور ان دونوں ابواب میں نجاست کو دھونے کا ذکر ہے۔

٢٢٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا تَحِيضُ فِي الثَّوْبِ، كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ، وَتَنْضَحُهُ، وَتُصَلِّي فِيهِ.

[طرف الحدیث:٣٠٧]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام' انہوں نے کہا: مجھے فاطمہ نے حدیث بیان کی از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا' انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی' اس نے کہا: یہ بتایئے کہ ہم میں سے کوئی عورت اپنے کپڑوں میں حیض کا خون دیکھتی ہے' وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: اس خون کو کھرچ دے' پھر اس کو پانی سے ملے' پھر اس کو دھوئے' پھر ان کپڑوں میں نماز پڑھے۔

(صحیح مسلم:٢٩١' الرقم المسلسل:٦٦١' سنن ابوداؤد:٣٦٢_٣٦١' سنن ترمذی:١٣٨' سنن نسائی:٢٩٢' سنن ابن ماجہ:٦٢٩' صحیح ابن خزیمہ:٢٧٥' المعجم الکبیر:٢٩٠' ج ٢٤' سنن بیہقی ج ٢ ص ٤٠٦' مسند احمد ج ٦ ص ٣٤٦ طبع قدیم' مسند احمد:٢٦٩٣٢_ ج ٤٤ ص ٤٩٩' موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: پھر اس کپڑے کو دھوئے۔

''حت' قرص'' اور'' نضح'' کا معنی

اس حدیث میں'' تحته'' کا لفظ ہے'' حت'' کا معنی ہے: درخت سے پتے جھاڑنا اور یہاں مراد ہے: خشک خون کو کھرچ کر صاف کرنا اور'' تقرصه بالماء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: پانی سے مَل مَل کر صاف کرنا۔

اور اس میں'' تنضحه'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دھونا' شیر خوار لڑکے کے پیشاب آلودہ کپڑوں کو صاف کرنے کے لیے بھی حدیث میں'' ینضح'' کا لفظ ہے۔ فقہاء شافعیہ وہاں اس کا معنی پانی چھڑکنا کرتے ہیں اور ہم اس کا معنی پانی سے دھونا کرتے ہیں اور یہاں پر شوافع نے بھی'' تنضحه'' کا معنی پانی سے دھونا کیا ہے' اس لیے وہاں بھی اس کا معنی پانی سے دھونا کرنا چاہیے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی مالکی نے کہا ہے:'' تنضحه'' کا معنی ہے: اس کو دھوئے اور علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اس پر پانی چھڑکے' علامہ عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ کپڑا پاک ہے تو پانی چھڑکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اگر وہ کپڑا نجس ہے تو پانی چھڑکنے سے وہ پاک نہیں ہوگا' اس لیے علامہ خطابی نے جو اس کا معنی دھونا کیا ہے' وہ زیادہ اچھا ہے۔ (فتح الباری ج ا ص ٥٨٧' دار المعرفہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)

ہر مائع چیز سے نجاست کے ازالہ پر دلیل

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نجاست صرف پانی سے زائل ہوتی ہے اور دیگر مائعات سے زائل نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف یہ کہتے ہیں کہ ہر مائع طاہر سے نجاست زائل ہو جاتی ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم میں سے کسی ایک کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا' جس میں اسے حیض آ جاتا تھا' پس اگر اس کپڑے پر خون لگ جاتا تو وہ اس خون کو اپنے تھوک سے بھگوتی' پھر اس کو اپنے تھوک سے رگڑ کر صاف کرتی۔ (سنن ابوداؤد:٣٥٨)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اگر تھوک خون کو زائل کر کے کپڑے کو پاک نہ کرتا تو تھوک لگانے سے نجاست اور زیادہ ہو جاتی اور تھوک پانی کا غیر ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہر مائع چیز سے نجاست زائل ہو جاتی ہے' پھر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال ہے کہ وہ بعد میں پانی سے دھو لیتی ہوں۔ (فتح الباری ج۱ ص ۵۸۷-۵۸۹ 'دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بعد میں پانی سے دھونے کا ذکر نہیں ہے' لہٰذا فقہاء احناف کا اس حدیث سے استدلال درست ہے اور حافظ ابن حجر کا حدیث میں احتمال نکال کر جواب دینا' باطل اور مردود ہے۔

قلیل نجاست کی مقدار میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالمالک ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

نجاسات کو زائل کرنے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اصل ہے۔

اس حدیث میں'' النضح '' کا لفظ ہے اور کلام عرب میں اس سے مراد دھونا ہوتا ہے اور اس پر دلیل کہ اس حدیث میں اس سے مراد دھونا ہے' وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے آپ سے خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو' اور علماء کے نزدیک یہ حدیث کثیر خون پر محمول ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خون کے نجس ہونے میں یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ بہا ہوا خون ہو اور وہ کثیر جاری خون سے کنایہ ہے' مگر خون کی جو مقدار معاف ہوتی ہے' اس میں اختلاف ہے۔ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ خون اور باقی نجاسات میں درہم کی مقدار قلیل نجاست ہے اور درہم سے زیادہ مقدار کثیر نجاست ہے' انہوں نے اس کا قیاس اس پر کیا ہے کہ جب پاخانہ کرنے کے بعد پتھر سے استنجاء کیا جائے تو مقعد کی کردنوں اور اطراف میں ایک درہم کے برابر نجاست لگی رہتی ہے اور اتنی مقدار معاف ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ایک درہم کی مقدار نجاست قلیل ہے اور اس سے زیادہ کثیر ہے۔

امام مالک نے کہا: قلیل خون معاف ہے اور باقی نجاسات کی قلیل مقدار کو دھویا جائے گا اور ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے کہ حیض کا قلیل خون بھی کثیر خون کی طرح ہے اور امام شافعی کے نزدیک تھوڑا خون بھی دھویا جائے گا' مگر پسو کا خون معاف ہے' کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

امام مالک نے جو کہا ہے کہ حیض کا قلیل خون بھی کثیر کی طرح ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماء سے حیض کے خون کے متعلق فرمایا: اس کو کھرچو پھر اس کو پانی سے ملو' اور آپ نے قلیل خون اور کثیر میں فرق نہیں کیا اور نہ آپ نے حیض کے خون کی مقدار کے متعلق کوئی سوال کیا اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا: تم اپنے خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو' اور اس حکم میں آپ نے درہم کی مقدار خون یا اس سے کم یا زیادہ کا فرق نہیں کیا۔

امام مالک کی جو دوسری روایت ہے کہ حیض کا قلیل خون معاف ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ قلیل خون کا معاف ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے' کیونکہ انسان کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو پھنسی اور زخم ہوتا ہے اور اس پر پسو اور مچھر کا خون لگ جاتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے بہنے والے خون کو حرام کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ جو خون بہنے والا نہ ہو' وہ معاف ہے اور تمام نجاستوں میں صرف بہنے والے خون کا استثنا کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ قلیل خون کو بھی حرام کر دیتا تو لوگ خون کو گوشت کی رگوں سے بھی تلاش کر کے نکالتے' لیکن ہم گوشت کو پکاتے ہیں اور ہنڈیا کے اوپر پیلاہٹ ہوتی ہے اور انسان کا غالب حال یہ نہیں ہے کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر پاخانہ یا پیشاب لگا ہو' کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے' اس لیے صرف خون کی قلیل مقدار معاف ہے اور باقی نجاستوں کی قلیل

مقدار معاف نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ا ص ٣٤٦-٣٤٥ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢٤ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک قلیل نجاست کی مقدار

فقہاء احناف کے نزدیک باقی نجاستوں میں بھی قلیل مقدار معاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پاخانہ کرنے کے بعد پتھر سے استنجاء کرنے کو کافی قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد پانی سے دھونے کو فرض یا واجب قرار نہیں دیا گیا' حالانکہ پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد مکمل صفائی نہیں ہوتی اور تھوڑی سی نجاست لگی رہتی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء نے قلیل نجاست کی مقدار ایک درہم مقرر کی ہے' کیونکہ صاحب الاسرار نے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نجاست کی مقدار ایک درہم مقرر کی ہے اور ان کی اقتداء کرنا ہمارے لیے کافی حجت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ سے مروی ہے: انہوں نے نجاست کو ایک ناخن کے برابر مقرر کیا ہے اور ''المحیط'' میں مذکور ہے: ان کا ناخن ہماری ہتھیلی کے برابر ہے' پس یہ اس پر دلیل ہے کہ ایک درہم سے کم نجاست نماز سے مانع نہیں ہے' اور ''محیط'' میں یہ بھی مذکور ہے کہ درہم کبیر ہتھیلی کی چوڑائی کی مثل ہے اور ''صلاۃ الاصل'' میں مذکور ہے کہ درہم کبیر ایک مثقال تک پہنچتا ہے اور علامہ سرخسی کے نزدیک ان کے زمانہ کا درہم معتبر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٢١١-٢١٠ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٥ھ)

قلیل نجاست کا معیار آیا درہم کی چوڑائی ہے یا اس کا وزن؟

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ٦١٦ھ لکھتے ہیں:

(٧٥٥) یہ معلوم کرنا واجب ہے کہ ہمارے نزدیک نجاست کی قلیل مقدار معاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ سے جب کپڑے میں قلیل نجاست کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب میرے اس ناخن کی مقدار کے برابر نجاست ہو تو وہ جواز صلوٰۃ سے مانع نہیں ہے' کیونکہ قلیل نجاست سے بچنا ممکن نہیں ہے' کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے' پھر وہ نمازی کے کپڑوں پر بیٹھتی ہے اور اس کے پروں اور پیروں میں نجاست ضرور ہوتی ہے' اس لیے عموم بلویٰ کی وجہ سے قلیل نجاست کو معاف کر دیا گیا اور صحیح آثار سے ثابت ہے کہ اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پتھروں سے استنجاء کو کافی سمجھتے تھے اور پتھر اصل نجاست کو زائل نہیں کرتا اور اگر قلیل نجاست معاف نہ ہوتی تو وہ پتھروں سے استنجاء کو کافی قرار نہ دیتے۔

(٧٥٦) پھر نجاست کی دو قسمیں ہیں: غلیظہ اور خفیفہ' سو نجاست غلیظہ جب درہم کی مقدار کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو جواز صلوٰۃ سے مانع نہیں ہے اور اگر ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو پھر جواز صلوٰۃ سے مانع ہے اور اعتبار درہم کبیر کا ہے' درہم صغیر کا اعتبار نہیں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے ''الجامع الصغیر'' میں لکھا ہے: درہم کبیر دراہم میں بڑا ہوتا ہے اور انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ درہم کبیر کی چوڑائی کا اعتبار ہے یا اس کے وزن کا۔

(٧٥٧) دوسرے مقام پر امام محمد نے فرمایا: درہم کبیر وہ ہے' جو ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر ہو' جیسے الدرہم الشہلیلی اور کتاب الصلوٰۃ میں انہوں نے ذکر کیا کہ درہم کبیر کے وزن کا اعتبار ہے۔

(٧٥٨) امام ابوجعفر رحمہ اللہ نے امام محمد کے ان الفاظ میں تطبیق دی ہے' انہوں نے کہا: امام محمد نے جہاں درہم کی چوڑائی کا اعتبار کیا ہے' اس سے نجاست رقیقہ کی مقدار مراد ہے اور جہاں انہوں نے درہم کے وزن کا اعتبار کیا ہے' اس سے ان کی مراد نجاست غلیظہ کی مقدار ہے' اور یہی صحیح مذہب ہے کہ نجاست رقیقہ میں درہم کی چوڑائی قلیل نجاست ہے اور نجاست غلیظہ میں درہم کا وزن قلیل نجاست

ہے اور درہم کا اعتبار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ناخن کے برابر نجاست کو قلیل نجاست قرار دیا اور ان کا ناخن درہم کبیر کی مقدار کے برابر تھا اور حدث (وضوتوڑنے) کی جگہ کا اعتبار ہے کیونکہ شریعت نے نجاست کی اس مقدار کو معاف کر دیا ہے' جو وضوء توڑنے کی جگہ (مقعد) میں لگی ہوتی ہے' کیونکہ پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد طہارت کا حکم لگایا جاتا ہے اور پتھر نجاست کو زائل کرتا ہے' اس کے اثر کو زائل نہیں کرتا' یہ اس کی دلیل ہے کہ موضع حدث (مقعد) میں جو نجاست لگی ہوتی ہے' شریعت نے اس کو معاف کر دیا اور موضع حدث (مقعد) درہم کبیر کی مقدار کے برابر ہے' لیکن انہوں نے موضع حدث (وضوء توڑنے کی جگہ یعنی مقعد) کے ذکر کو قبیح جانا' پس انہوں نے اس کا درہم سے کنایہ کیا' اسی طرح ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

(المحیط البرہانی ج ۱ ص ۳۷۲-۳۷۱' ادارة القرآن' کراچی' ۱۴۲۴ھ)

باب مذکور کی حدیث کے دیگر مسائل

اس حدیث سے جو دیگر مسائل معلوم ہوئے' وہ یہ ہیں:

(۱) خون بالا جماع نجس ہے (۲) نجاست کو زائل کرنے میں عدد شرط نہیں بلکہ صفائی شرط ہے (۳) عورت اپنے کپڑوں میں جب خون لگا ہوا دیکھے تو اس کو پانی سے دھو کر صاف کرے' پھر ان کپڑوں سے نماز پڑھ سکتی ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۸۳- ج ۱ ص ۹۷۷' پر مذکور ہے' اس کی شرح کا عنوان ہے:

نجاست کو زائل کرنے کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء۔

۲۲۸- **حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ ابْنَةُ اَبِيْ حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنِّيْ اِمْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ، اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ، وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ. قَالَ وَقَالَ اَبِيْ ثُمَّ تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ، حَتّٰى يَجِيْءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ.**

[اطراف الحدیث: ۳۰۶-۳۲۰-۳۲۵-۳۳۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں' پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میں ایک عورت ہوں' جس کا حیض مسلسل جاری رہتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی' کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! یہ رگ (کا خون) ہے اور حیض نہیں ہے' پس جب تمہارا حیض آ جائے تو نماز کو چھوڑ دو اور جب حیض چلا جائے تو تم اپنے جسم سے خون صاف کرنا' پھر (غسل کر کے) نماز پڑھنا' میرے والد نے کہا: آپ نے فرمایا: پھر تم ہر نماز کے لیے وضوء کرنا حتیٰ کہ اس نماز کا وقت آ جائے۔

(صحیح مسلم: ۳۳۳' الرقم المسلسل: ۷۴۷' سنن ترمذی: ۱۲۵' سنن نسائی: ۳۵۹' سنن ابن ماجہ: ۶۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۱۷' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۰۶' الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۵' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۱۹' سنن بیہقی ج ۱ ص ۳۲۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۵۶۲۲- ج ۴۲ ص ۴۰۰' مؤسسة الرسالة' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: اور جب حیض چلا جائے تو تم اپنے جسم سے خون

صاف کرنا۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں' پانچ کا تعارف پہلے کیا جا چکا ہے۔

چھٹی حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش ہیں' یہ قرشیہ اسدیہ ہیں' ان کے والد حبیش' قیس بن المطلب تھے اور بعض نے کہا ہے: قیس بن عبد المطلب تھے' یہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے علاوہ خاتون ہیں' جن کو تین طلاقیں دی گئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۱)

حیض اور استحاضہ کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''استحاض'' اس کا معنی ہے: حیض کی مدت گزرنے کے بعد میرا خون مسلسل جاری رہتا ہے یعنی وہ مستحاضہ تھیں' حیض اس خون کو کہتے ہیں' جو رحم سے نکلتا ہے اور رحم وہ جگہ ہے جہاں جماع کیا جاتا ہے اور جہاں سے بچہ کی ولادت ہوتی ہے اور استحاضہ وہ خون ہے' جو حیض کی کم از کم مدت سے کم دنوں میں آئے یا حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت سے زیادہ دنوں میں آئے' یعنی تین دن سے کم آئے یا دس دن سے زیادہ آئے۔

اس اشکال کا جواب کہ آپ نے حیض ختم ہونے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا' حالانکہ اس سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے

اس حدیث میں مذکور ہے: اور جب حیض چلا جائے تو تم اپنے جسم سے خون صاف کرنا' پھر نماز پڑھنا' اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کا ذکر نہیں کیا اور حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرنا ضروری ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس روایت میں غسل کا ذکر نہیں ہے لیکن دوسری صحیح روایت میں غسل کا ذکر ہے' وہ روایت حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: بے شک حیض کے بعد میرا خون جاری رہتا ہے' آپ نے فرمایا: یہ رگ (کا خون) ہے' پس تم غسل کرو' پھر نماز پڑھو' پس وہ ہر نماز کے وقت غسل کرتی تھیں۔ (صحیح مسلم: ۳۳۴' الرقم المسلسل: ۷۳۹' سنن ابوداؤد: ۲۸۵' سنن ترمذی: ۱۲۹' سنن نسائی: ۲۰۵)

اور احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں' لہٰذا اس حدیث میں بھی یہی معنی مراد ہے کہ جب حیض چلا جائے تو تم غسل کرو' پھر نماز پڑھو۔

حائضہ عورت کو پیش آنے والے دیگر مسائل

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا' اس سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے پیش آمدہ مسئلہ میں عالم دین سے براہِ راست سوال کر سکتی ہے۔

(۲) جو عورت حائضہ ہو' اس کا ایامِ حیض میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل ہو' نہ اس کا طواف کرنا جائز ہے' نہ نمازِ جنازہ پڑھنا' نہ سجدۂ تلاوت کرنا' نہ سجدۂ شکر ادا کرنا۔

(۳) جب کسی عورت کا حیض منقطع ہو جائے' تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسی وقت غسل کر کے اس وقت کی نماز پڑھے اور پھر اس کے لیے نماز اور روزے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور وہ طاہرات کے حکم میں ہے۔

(۴) بعض فقہاء احناف نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر پیشاب اور پاخانے کے راستوں کے علاوہ بھی جسم کے کسی حصہ سے خون نکل آئے تو اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استحاضہ میں وضوء ٹوٹنے کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ رگ سے خون نکلا ہے' لیکن وہ پیشاب کے راستہ سے نکلا ہے اور پیشاب کے راستہ سے جو خون نکلے' اس سے وضوء ٹوٹنے میں

کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۵) اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرے' اس میں فقہاء احناف اور شوافع کا اختلاف ہے کہ مستحاضہ ہو یا کوئی اور صاحب عذر مثلاً جس کے پیشاب کے قطرات ہر وقت نکلتے رہتے ہیں یا جسم کے زخم سے ہر وقت خون بہتا رہتا ہے' آیا وہ ہر نماز کے لیے ایک وضوء کرے یا ہر نماز کے وقت کے لیے ایک وضوء کرے' فقہاء شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر نماز کے لیے ایک وضوء کرے اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر نماز کے وقت کے لیے ایک وضوء کرے اور اس پورے وقت میں فرائض اور نوافل اور تلاوتِ قرآن کر سکتا ہے' بہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے اس کا وضوء نہ ٹوٹے اور جب دوسری نماز کا وقت آ جائے گا تو پھر اس کو دوبارہ وضوء کرنا ہوگا۔

* باب مذکور کی حدیث' شرح صحیح مسلم: ۲۶۱ - ج ا ص ۱۰۲۶ پر مذکور ہے' وہاں اس حدیث کی شرح میں صرف دو سطریں لکھی گئی ہیں۔

٦٤- بَابُ غَسْلِ الْمَنِيِّ وَفَرْكِهٖ' وَغَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ الْمَرْاَةِ

منی کو دھونا اور اس کو کھرچنا اور عورت سے جو چیز بدن پر لگے' اس کو دھونا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر منی تر ہو تو اس کو دھو دیا جائے اور اگر منی خشک ہو تو اس کو کھرچ دیا جائے۔ اس عنوان میں ''فَرْك'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو اتنا رگڑنا کہ اس کا اثر زائل ہو جائے اور منی کا معنی ہے: وہ سفید اور گاڑھا پانی' جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور جس کے خروج کے بعد مرد کا آلہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور اس کی بو گوندھے ہوئے آٹے کی مثل ہوتی ہے اور اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مرد عورت سے مقاربت کرتا ہے تو اس کے اندام نہانی سے جو رطوبت نکلتی ہے' اگر وہ مرد کے بدن یا اس کے کپڑوں پر لگ جائے تو اس کو بھی دھویا جائے گا' اس کو رطوبت فرج کہتے ہیں' اس عنوان میں یہ تین چیزیں بیان کی ہیں' لیکن اس باب میں جو حدیث بیان کی ہے' اس میں صرف منی آلودہ کپڑوں کو دھونے کا ذکر ہے۔

اس باب کی سابق باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں خون آلودہ کپڑے کو دھونے کا ذکر تھا اور اس باب میں منی آلودہ کپڑے کو دھونے کا ذکر ہے اور خون اور منی دونوں نجس ہیں۔

۲۲۹- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنِ الْجَزَرِيُّ' عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ' عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ' وَاِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِيْ ثَوْبِهٖ.

[اطراف الحدیث: ۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المبارک نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن میمون الجزری نے خبر دی' از سلیمان بن یسار از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں سے جنابت (کے اثر یعنی منی) کو دھوتی تھی' آپ نماز پڑھنے کے لیے نکلتے اور پانی کے نشانات آپ کے کپڑوں میں ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹' الرقم المسلسل: ۶۵۸' سنن ابوداؤد: ۳۷۳' سنن ترمذی: ۱۱۷' سنن نسائی: ۲۹۵' سنن ابن ماجہ: ۵۳۶' مسند احمد ج ۶ ص ۴۷ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۴۲۰۷- ج ۴۰ ص ۲۵۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' مسند اسحاق بن راھویہ: ۱۱۳۴' شرح معانی الآثار: ۲۶۷' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۱۹-۴۱۸)

اس باب کے عنوان کے تین اجزاء تھے: منی کو دھونا' منی کو کھرچنا اور رطوبت فرج کو دھونا' اور حدیث میں صرف منی آلودہ کپڑوں کو دھونے کا ذکر ہے' بقیہ دو اجزاء کا ذکر نہیں ہے' سو اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت دلالت تضمنی کے اعتبار

سے ہے دلالت مطابقی کے اعتبار سے نہیں ہے۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں جن کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

منی کے طاہر یا نجس ہونے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا منی طاہر ہے یا نجس ہے امام مالک لیث اوزاعی ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ منی نجس ہے مگر امام مالک کے نزدیک منی تر ہو یا خشک اس کو دھونا ضروری ہے اور ان کے نزدیک خشک منی کو کھرچنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تر منی کو دھویا جائے گا اور خشک منی کو کھرچ دینا کافی ہے اور امام شافعی امام احمد اسحاق اور ابوثور نے یہ کہا کہ منی طاہر ہے اس کو کپڑے سے کھرچ دیا جائے اور اگر نہ کھرچے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے صحابہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک منی کو کھرچنا جائز ہے حضرت ابن عباس فرماتے تھے: تم منی کو کسی کپڑے سے یا کسی تنکے سے کھرچ دو اور اگر اس کو نہ دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۵۰۔۳۴۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ موافق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: منی طاہر ہے اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ خون کی مثل نجس ہے اور مذہب میں پہلی روایت مشہور ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۸۷ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۲۵ھ)

فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا استدلال باب مذکور کی حدیث سے ہے اور فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے۔

منی کی طہارت پر امام شافعی اور امام احمد کے دلائل

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بہ طور مہمان ٹھہرے ان کو احتلام ہو گیا حضرت عائشہ کی باندی نے دیکھا کہ وہ اپنے کپڑے سے منی کو دھو رہے تھے یا اس کپڑے کو دھو رہے تھے اس باندی نے حضرت عائشہ کو اس کی خبر دی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے یاد ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتی تھی (یعنی دھوتی نہیں تھی)۔ (صحیح مسلم: ۱۰۶۔۱۰۵ الرقم المسلسل: ۶۶۹۔۶۶۷ سنن ابوداؤد: ۳۷۱ سنن نسائی: ۲۹۴ سنن ترمذی: ۱۱۷ سنن ابن ماجہ: ۵۳۹ مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۵۔۹۷۔۳۵ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۵)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر سے منی کھرچ دیتی تھی اور ہمارے پاس ان دنوں اونی چادر تھی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۳)

علماء احناف کی طرف سے مذکورہ دلائل کے جوابات

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ ھ فرماتے ہیں:

منی نجس ہے اور ان آثار سے امام شافعی اور امام احمد کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس چادر اور جس کپڑے سے منی کھرچنے کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے سونے کے کپڑے تھے نماز پڑھنے کے کپڑے نہیں تھے نماز پڑھنے کے کپڑوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دھوتی تھیں (جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے) اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن کپڑوں میں پاخانہ اور پیشاب کی نجاست ہو ان کو پہن کر سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے تو منی آلودہ کپڑوں کو پہن کر سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۲ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مصنف کے نزدیک یہ آثار امام ابوحنیفہ کے خلاف نہیں ہیں' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: میں ان کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھی اور گیلی منی کو نہیں کھرچا جاتا' خشک منی کو ہی کھرچا جا سکتا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خشک منی کو کپڑے سے کھرچ دینا کافی ہے' سو یہ آثار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہیں' البتہ امام مالک کے خلاف ہیں' کیونکہ وہ خشک منی کو کھرچنے کے قائل نہیں ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد جو کہتے ہیں کہ منی پاک ہے' ان کا مدعا تب ثابت ہوگا' جب یہ ثابت ہو کہ کپڑے سے منی کو دھوئے یا کھرچے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منی آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی ہو اور یہ ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا خلاف ثابت ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنی بہن' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے' جن کپڑوں کے ساتھ تم سے مجامعت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! جب ان کپڑوں پر نجاست نہ لگی ہو۔ (سنن ابوداؤد: ٣٦٦' سنن نسائی: ٢٩٣' سنن ابن ماجہ: ٥٤٠)

حضرت ام حبیبہ نے فرمایا: ہاں! جب ان کپڑوں پر نجاست نہ لگی ہو' اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک منی نجس ہے۔

صحابہ کرام کا منی آلودہ کپڑے کو دھونا یا اس سے منی کھرچنا

بہ کثرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے کہ وہ منی آلودہ کپڑوں سے منی کو دھوتے تھے اور اگر منی خشک ہو تو اس کو کھرچتے تھے:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے کپڑے میں جنبی ہو جائے' پھر وہ اس میں (منی کا) نشان دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو دھولے اور اگر اس کو اس کپڑے پر نشان نہ دکھائی دے تو وہ اس کپڑے کو بھگو کر دھوئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ٨٩٧' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

عبداللہ بن عوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ جنابت سے آلودہ کپڑوں کے متعلق کہتے تھے: اگر تم منی کا نشان دیکھو تو اس کو دھو لو اور اگر تم کو معلوم ہو کہ اس پر منی لگی ہے' پھر تم کو نظر نہیں آئی تو پورے کپڑے کو دھو لو اور اگر تم کو شک ہو کہ کپڑے پر منی لگی ہے یا نہیں تو اس کپڑے کو پانی میں بھگو لو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٨٩٩)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم سے منی لگنے کی جگہ چھپ جائے اور تم کو یقین ہو کہ منی لگی تھی تو تم پورے کپڑے کو دھوؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٩٠٠)

عبدالکریم بن رشید بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے کپڑے میں جنبی ہو گیا اور اس کو منی کا نشان نظر نہیں آیا' اس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ پورے کپڑے کو دھوئے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٩٠٢)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے کپڑے میں منی لگی ہو تو میں اس کو کس طرح (پاک) کروں؟ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہاتھ سے پانی لے کر اس جگہ کو دھوؤ جہاں تم دیکھو کہ (منی) لگی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٩٠٩) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منی کو دھونے کا حکم دیا ہے اور اس سے حافظ ابن حجر کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ حدیث میں منی کو دھونے کا فعل ہے اور اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ (فتح الباری ج ١ ص ٢٠٧) کیونکہ اس حدیث میں منی کو دھونے کا حکم ہے اور اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

الحکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے سے احتلام کے نشان کو دھوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٩١٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچتی تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:٩١٧)

ہم نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق بہ کثرت احادیث اور آثار ذکر کیے ہیں کہ منی آلودہ کپڑے کو دھویا جاتا تھا یا خشک منی کو اس سے کھرچ دیا جاتا تھا' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منی نجس ہے اور جو لوگ منی کو طاہر کہتے ہیں' وہ کوئی ایک حدیث بھی نہیں پیش کر سکتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تر منی کو دھوئے بغیر یا خشک منی کو کھرچے بغیر اس منی آلود کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔

منی کے نجس ہونے پر عقلی دلیل

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی مصری متوفی ٣٢١ھ فرماتے ہیں:

جو چیز وضوتوڑنے کا سبب ہوتی ہے' وہ نجس ہوتی ہے' جیسے پیشاب' پاخانہ اور استحاضہ کا خون اور منی کا خروج بھی وضوء توڑنے کا سبب ہے' اس لیے ضروری ہے کہ منی کا خروج بھی فی نفسہٖ نجس ہو۔ (شرح معانی الآثار ج ا ص ٦٧' قدیمی کتب خانہ کراچی)

منی کے طاہر ہونے پر فقہاء شافعیہ کے عقلی دلائل اور ان کے جوابات

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ٤٤٩ھ لکھتے ہیں:

وہ کہتے ہیں کہ منی سے طاہر جان دار پیدا ہوتا ہے' اس لیے اس کو طاہر ہونا چاہیے' ہم کہتے ہیں کہ بعض اوقات طاہر چیز نجس چیز سے پیدا ہوتی ہے' جیسے دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ منی انبیاء علیہم السلام کا مبدء ولادت ہے' اس لیے اس کو طاہر ہونا چاہیے' ہم کہتے ہیں کہ پھر علقہ (جما ہوا خون) کو بھی طاہر کہیں' کیونکہ وہ اقرب مبدأ ولادت ہے کیونکہ منی جما ہوا خون بنتی ہے' پھر وہ گوشت بنتی ہے' پھر اس میں ہڈیاں بنتی ہیں' پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے' نیز جس طرح منی انبیاء علیہم السلام کا مبدء ولادت ہے' اسی طرح وہ کافروں' مشرکوں' منافقوں اور اللہ کے دشمنوں فراعنہ اور ابوجہل وغیرہ کا بھی مبدأ ولادت ہے' لہٰذا اس کو نجس کہنا واجب ہے' نیز شہوت سے منی کا خروج ہوتا ہے' جس کے بعد غسل واجب ہوتا ہے' اس لحاظ سے بھی منی کو نجس ہونا چاہیے۔

وہ کہتے ہیں کہ انڈا مرغ کا مادہ منویہ ہے اور وہ پاک ہے' اس لیے منی کو پاک ہونا چاہیے' ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ انڈا حلال ہے اور کھایا جاتا ہے' تو کیا یہ لوگ منی کو بھی حلال سمجھ کر کھائیں گے' نیز ہم کہتے ہیں کہ کبھی پاک چیز متغیر ہو کر نجس ہو جاتی ہے' جیسے غذا اور پانی پیٹ میں جا کر جب پاخانے اور پیشاب کی صورت میں متغیر ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتی ہے اور کبھی نجس چیز متغیر ہو کر پاک ہو جاتی ہے' جیسے خون متغیر ہو کر دودھ بن جاتا ہے اور مرغ کا مادہ منویہ متغیر ہو کر انڈا بن جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم مٹی اور پانی سے پیدا کیے گئے اور مٹی اور پانی طاہر ہیں' لہٰذا حضرت آدم بھی طاہر ہیں' ہم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کون نجس کہتا ہے' لیکن عام انسان مٹی اور پانی سے نہیں پیدا ہوتے اور انسان بھی پاک ہے' لیکن اس سے کچھ پاک چیزیں نکلتی ہیں' جن سے وضوء نہیں ٹوٹتا جیسے دودھ' پسینہ' آنسو' تھوک' رینٹ اور بلغم اور کچھ ناپاک چیزیں نکلتی ہیں' جن سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے' جیسے پیشاب' پاخانہ' حیض کا خون' مذی اور منی ہے اور اس سے واضح ہوا کہ منی ناپاک اور نجس ہے۔

(شرح ابن بطال ج ا ص ٣٥١)

قرآن مجید میں منی کو ''ماء مھین'' (السجدہ:٨) فرمایا' یعنی انسان کو حقیر پانی کے نچوڑ سے پیدا کیا اور منی کو حقیر فرمانا بھی اس کی نجاست کی طرف اشارہ ہے' چونکہ اس باب کے عنوان میں رطوبتِ فرج کا بھی ذکر کیا گیا ہے' اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ رطوبت فرج کا بھی

شرعی حکم بیان کردیں:

رطوبتِ فرج کا شرعی حکم

درج ذیل حدیث میں رطوبت فرج کا ذکر اور اس کا حکم ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! جب مرد عورت کے ساتھ جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: عورت سے جو چیز اس کے جسم پر لگی ہے اس کو دھو لے پھر وضوء کر کے نماز پڑھے امام بخاری نے کہا: غسل کر کے نماز پڑھنے میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی آخری حکم ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۹۳ 'صحیح مسلم: ۳۴۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۳)

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

فرج کی رطوبت نجس ہے' کیونکہ یہ فرج کے اندر ہوتی ہے اور اس سے بچہ پیدا نہیں ہوتا' یہ مذی کے مشابہ ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طاہر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچتی تھیں اور وہ منی جماع سے تھی کیونکہ آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا اور وہ منی فرج کی رطوبت سے ملی ہوتی تھی' پس اگر ہم رطوبت فرج کو نجس کہیں تو منی کو بھی نجس کہنا پڑے گا کیونکہ وہ منی عورت کی فرج سے نکلی تھی' پھر رطوبت فرج سے مل کر وہ منی بھی نجس ہو جائے گی۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۸۴۔ ۲۸۳' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۲۵ھ)

ظاہر ہے علامہ ابن قدامہ نے منی کا یہ حکم اپنے مذہب پر بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک منی طاہر ہے' اس لیے انہوں نے رطوبت فرج کو بھی طاہر قرار دیا ہے' جب کہ صحیح یہ ہے کہ منی نجس ہے' اس لیے رطوبت فرج بھی نجس ہوگی۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ ھ لکھتے ہیں:

فرج خارج کی رطوبت طاہر ہوتی ہے' کیونکہ وضوء میں فرج خارج کو دھونا سنت ہے' اگر وہ نجس ہوتی تو اس کو دھونا فرض ہوتا' فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ فرج خارج' خارج بدن کے حکم میں ہے' پس فرج خارج کی رطوبت اس طرح ہے' جس طرح منہ اور ناک کی رطوبت ہوتی ہے اور جس طرح بدن سے نکلنے والے پسینہ کی رطوبت ہوتی ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۲۷۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرج داخل کی رطوبت پاک ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک فرج داخل کی رطوبت نجس ہے' لیکن جب جماع کے وقت مرد کے انزال کے بعد فرج سے رطوبت نکلے گی تو وہ منی سے مختلط ہوگی اور منی نجس ہے' اس لیے وہ رطوبت بھی نجس ہو جائے گی اور اس صورت میں وہ رطوبت بالاتفاق نجس ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منی اور تمام فضلات امت کے حق میں طاہر ہیں' لیکن آپ کے حق میں موجب حدث ہیں' اسی لیے آپ پیشاب اور پاخانے کے بعد استنجاء کرتے تھے اور آپ کے منی آلود کپڑے اگر تر ہوں تو ان کو حضرت عائشہ دھوتی تھیں اور اگر خشک ہوں تو ان کو ناخنوں سے کھرچ دیتی تھیں۔

✻ باب مذکور کی حدیث' شرح صحیح مسلم: ۵۸۰۔ ج ۱ ص ۹۶۹ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) منی کی طہارت یا عدم طہارت میں مذاہب فقہاء (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت کا بیان (۳) رطوبت فرج کی طہارت یا عدم طہارت کی تحقیق۔

۲۳۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو' عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا:

(ح). وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ اَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاَثَرُ الْغَسْلِ فِيْ ثَوْبِهٖ بُقَعُ الْمَاءِ.

ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از سلیمان بن یسار انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا' ح (امام بخاری دوسری سند کی طرف متحول ہوئے) اور ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن میمون نے حدیث بیان کی از سلیمان بن یسار انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ جو منی کپڑے پر لگ جائے؟ حضرت عائشہ نے کہا: میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی' آپ نماز کے لیے نکلتے اور آپ کے کپڑے میں دھونے کا اثر پانی کے نشانات کی صورت میں ہوتا تھا۔

اس حدیث کی تخریج اور اس کی شرح کے لیے حدیث: ۲۲۹ کا مطالعہ کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے دھوتی تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ حسن معاشرت کا یہ تقاضا ہے کہ بیویوں کو شوہروں کے کپڑے دھونے چاہئیں اور شوہروں کی خدمت سے متعلق دیگر کام بھی کرنے چاہئیں۔

٦٥- بَابُ اِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ اَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ اَثَرُهٗ

جب جنابت کو دھویا' یا کسی اور نجاست کو اور اس کا اثر نہیں گیا

اس باب میں امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب کسی نے منی آلود کپڑے کو یا کسی اور نجاست مثلاً حیض کے خون کو کپڑے سے دھویا اور دھونے کے بعد پانی کا نشان اس میں باقی رہا اور سوکھا نہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں منی آلود کپڑے کو دھونے کا ذکر ہے۔

۲۳۱- حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْمِنْقَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنٍ قَالَ سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ' قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' ثُمَّ يَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ' وَاَثَرُ الْغَسْلِ فِيْهِ بُقَعُ الْمَاءِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل المنقری نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن میمون نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے سلیمان بن یسار سے اس کپڑے کے متعلق سوال کیا' جس پر منی لگ جائے' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے کو دھوتی تھی' پھر آپ نماز کے لیے نکلتے اور کپڑے میں دھونے کا اثر پانی کے نشانات کی صورت میں ہوتا تھا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے حدیث: ۲۲۹ کا مطالعہ کریں۔

۲۳۲- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ' عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ' عَنْ عَائِشَةَ' اَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن میمون بن مہران نے حدیث بیان کی

الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَرَاهُ فِيْهِ بُقْعَةً اَوْ بُقَعًا.

از سلیمان بن یسار از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھیں' پھر میں اس کپڑے میں پانی کا نشان یا پانی کے نشانات دیکھتی تھی۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے حدیث:۲۲۹ کا مطالعہ کریں۔

صحیح ابن خزیمہ کی ایک حدیث سے حافظ ابن حجر کا منی کی طہارت پر استدلال ---------- اور مصنف کی طرف سے اس کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے منی کی طہارت پر حسب ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابن خزیمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ رہی ہوتی تھیں' جس وقت آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ:۲۹۰' مکتب اسلامی' بیروت) (فتح الباری ج۱ ص۷۰۹' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث سے حافظ ابن حجر نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منی کو کھرچے یا دھوئے بغیر منی آلود کپڑے سے نماز پڑھی' لہٰذا ثابت ہو گیا کہ منی طاہر اور پاک ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ابن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ اس روایت میں منفرد ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حالت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ رہی تھیں' باقی تمام محدثین نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے' لہٰذا حافظ ابن حجر کا منی کی طہارت پر استدلال ساقط ہو گیا۔

امام احمد نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کو اپنی مسند میں پچیس جگہ روایت کیا ہے اور کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے' امام احمد کی روایت اس طرح ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے میں جب منی دیکھتی تو میں اس کو کھرچ دیتی' پس جب میں اس کو دیکھتی تو فوراً دھودیتی یا بھگو دیتی۔ (مسند احمد:۲۴۰۶۴۔ج۶ ص۱۳۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت۔ اس حدیث کے دیگر ارقام یہ ہیں: ۲۴۱۵۸_۲۴۲۰۷_۲۴۳۷۸_۲۴۶۵۹_۲۴۷۰۲_۲۴۹۳۶_۲۴۹۳۹_۲۴۹۴۰_۲۵۰۰۸_۲۵۰۳۴_۲۵۰۳۵_۲۵۰۹۸_۲۵۲۹۳_ ۲۵۶۱۲_۲۵۶۱۴_۲۵۷۷۸_۲۵۹۸۵_۲۶۰۲۴_۲۶۰۵۹_۲۶۰۱۸۶_۲۶۲۶۴_۲۶۲۶۵_۲۶۲۶۶_۲۶۳۹۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو مختصراً اور مجملاً روایت کیا ہے' دیگر روایت میں اس کی تفصیل ہے' جس سے حافظ ابن حجر کا طہارت منی کا دعویٰ بالکلیہ ساقط ہو جاتا ہے' ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتی تھی' پھر آپ جاتے اور اس کپڑے میں نماز پڑھتے۔ (مسند احمد:۲۴۹۳۶۔ج۶ ص۱۲۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتی' پھر آپ جاتے اور اس میں نماز پڑھتے۔

(مسند احمد:۲۵۰۰۸۔ج۶ ص۱۳۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتی' پھر آپ اس میں نماز پڑھتے۔

(مسند احمد:۲۵۷۷۸۔ج۶ ص۱۳)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر منی لگ جاتی تو میں اس کو دھوتی' پھر آپ نماز کے لیے جاتے اور میں اس کپڑے پر دھونے کا نشان دیکھتی۔ (مسند احمد: ۲۵۹۸۵۔ ج ٦ ص ۲۳۵)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے سے منی کو اذخر کی جڑ سے کھرچ کر صاف کرتے' پھر اس میں نماز پڑھتے۔ (مسند احمد: ۲٦۰۵۹۔ ج ٦ ص ۲۴۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو امام ابن خزیمہ اپنی روایت کے اس اضافہ میں منفرد ہیں' ثانیاً مفصل روایت اس اضافہ کے خلاف ہے' ثالثاً اگر ہم اس اضافہ کو مان بھی لیں کہ حضرت عائشہ حضور کی نماز کی حالت میں آپ کے کپڑے سے منی کھرچتی تھیں تو حافظ ابن حجر کا استدلال تب صحیح ہوگا جب یہ بات ثابت ہو کہ نماز سے پہلے آپ کی اس طرف توجہ تھی کہ اس کپڑے پر منی لگی ہوئی ہے اور پھر آپ نے نماز پڑھی اور قوی احتمال یہ ہے کہ آپ نے بے توجہی میں منی آلود کپڑے سے نماز پڑھنی شروع کی' حضرت عائشہ نے منی لگی دیکھ کر اس کو کھرچنا شروع کر دیا' پس واضح ہو گیا کہ منی طاہر نہیں ہے۔ وللہ الحمد

٦٦- بَابُ اَبْوَالِ الْاِبِلِ وَالدَّوَآبِّ وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضِهَا

اونٹوں' چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب کا حکم اور ان کے باڑوں کا حکم

اس سے پہلے باب میں منی کا حکم بیان کیا تھا اور وہ نجس ہے اور اس باب میں ان جانوروں کے پیشاب کا حکم بیان کیا ہے اور وہ بھی نجس ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

وَصَلّٰی اَبُوْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ دَارِ الْبَرِیْدِ وَالسِّرْقِیْنِ' وَالْبَرِّیَّةُ اِلٰی جَنْبِهٖ' فَقَالَ هَا هُنَا وَ ثَمَّ سَوَاءٌ.

اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دار البرید میں اور گوبر میں نماز پڑھی اور صحراء ان کے پہلو میں تھا' پس انہوں نے کہا: وہاں اور یہاں نماز پڑھنا برابر ہے۔

امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی' وہ ایک مکمل حدیث کا قطعہ ہے' علامہ عینی نے امام ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے مکمل حدیث اس طرح ذکر کی ہے:

امام بخاری کی تعلیق مذکور کی اصل اور اس تعلیق میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی

وکیع بیان کرتے ہیں: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از مالک بن الحارث از والد خود' انہوں نے بیان کیا: ہم حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ دار البرید میں تھے تو نماز کا وقت آ گیا' پس حضرت ابوموسیٰ نے ہمیں گوبر اور بھوسے پر نماز پڑھائی' ہم نے کہا: ہم یہاں نماز نہیں پڑھتے' جب کہ صحراء آپ کے پہلو میں ہے' تو انہوں نے کہا: صحراء میں اور یہاں نماز پڑھنا برابر ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۲۴)

''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں مذکور الصدر حدیث ہمیں نہیں ملی' البتہ اس کے بجائے یہ حدیث ہے:

محمد بن عبید از الاعمش از مالک بن الحارث از والد خود' انہوں نے بیان کیا: ہم حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عین التمر کے دار البرید میں تھے' پس انہوں نے اذان اور اقامت کہی' ہم نے ان سے کہا: آپ صحراء کی طرف کیسے نکلیں گے' انہوں نے کہا: یہاں اور وہاں برابر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۲٦۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱٦ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۸' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰٦ھ)

''مصنف ابن ابی شیبہ'' کے ان مطبوعہ نسخوں میں گوبر اور بھوسے کا ذکر نہیں ہے' ضرور امام بخاری اور علامہ عینی کے پاس ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کا کوئی ایسا نسخہ ہوگا' جس میں گوبر اور بھوسے کا ذکر ہوگا۔

اس حدیث میں دارالبرید کا ذکر ہے' دارالبرید اس حویلی کو کہتے ہیں: جہاں سلطان کی ڈاک لانے والے ٹھہرتے ہیں' یہاں اس سے مراد وہ حویلی ہے' جہاں خلفاء کے خطوط امراء کی طرف لے جانے والے ٹھہرتے تھے اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے اور یہ حویلی صحراء کی ایک طرف میں تھی' اسی وجہ سے صحراء اس کے پہلو میں تھا۔

اس حدیث میں ''سرقین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گوبر۔

تعلیق مذکور سے امام بخاری کا مقصود

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصد اہل ظاہر (غیر مقلدین) کی موافقت میں گوبر کو پاک قرار دینا ہے کیونکہ حضرت ابوموسیٰ نے گوبر کے اوپر نماز پڑھی اور جن چوپایوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا' ان کو اونٹوں کے پیشاب کے اوپر قیاس کیا کیونکہ اس باب کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنیوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا' لہٰذا ان کا پیشاب پاک ہوا تو امام بخاری نے ان کے اوپر باقی چوپایوں کے گوبر کو بھی قیاس کر لیا اور اس کو پاک قرار دیا' اسی وجہ سے امام بخاری نے کہا: حضرت ابوموسیٰ نے دارالبرید میں گوبر کے اوپر نماز پڑھی' تاکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرے کہ تمام چوپایوں کا گوبر اور پیشاب پاک ہے' لیکن امام بخاری کا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ ممکن ہے حضرت ابوموسیٰ نے گوبر کے اوپر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی ہو یا دارالبرید میں کسی صاف جگہ پر نماز پڑھی ہو' جہاں گوبر نہ ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۵۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابن حجر کا کپڑے یا چٹائی پر نماز پڑھنے کو بدعت قرار دینا اور مصنف کے نزدیک اس کا سنت ثابتہ ہونا

حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ ابن بطال پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ کپڑا بچھائے بغیر نماز پڑھی جائے' سفیان ثوری نے اعمش کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہمیں ابوموسیٰ نے گوبر کی جگہ میں نماز پڑھائی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے گوبر کے اوپر بغیر کسی حائل کے نماز پڑھائی اور سعید بن منصور نے سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ ''الطنفسۃ'' (چٹائی یا کپڑے) پر نماز پڑھنا بدعت ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۳۷' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا یہ کہنا غلط ہے کہ اصل یہ ہے کہ کپڑا بچھائے بغیر نماز پڑھی جائے' بلکہ اصل یہ ہے کہ کپڑا بچھا کر نماز پڑھی جائے اور سعید بن المسیب کا اس کو بدعت کہنا باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین چٹائی یا کپڑا بچھا کر اس پر نماز پڑھتے تھے' امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے: چٹائی پر نماز' سو چٹائی پر نماز پڑھنا بدعت کیسے ہوگا!

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی دادی ملیکہ نے کھانا تیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی' آپ نے اس سے کھایا' پھر فرمایا: کھڑے ہو جاؤ' میں تم کو نماز پڑھاتا ہوں' حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر میں ایک چٹائی کی طرف کھڑا ہوا' جو زیادہ استعمال سے میلی ہو گئی تھی' میں نے اس کو پانی سے دھویا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چٹائی پر کھڑے ہوئے' میں اور یتیم اس چٹائی پر آپ کے پیچھے صف میں کھڑے ہوئے اور بڑھیا ہمارے پیچھے تھی' پھر آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی' پھر تشریف لے گئے۔

(صحیح البخاری: ۳۸۰-۸۶۰' صحیح مسلم: ۶۵۸' سنن ابوداؤد: ۶۱۲' سنن ترمذی: ۲۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑے کے اوپر نماز پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰۲۰' دارالکتب العلمیہ)

حضرت میمونہ' حضرت ابوسعید' حضرت ام سلیم' حضرت عائشہ' حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کپڑے یا چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰۲۵-۴۰۲۴-۴۰۲۳-۴۰۲۲-۴۰۲۱) اور صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عمر' حضرت جابر بن عبد اللہ' حضرت ابوذر' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کپڑے یا چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰۳۲-۴۰۳۰-۴۰۲۷-۴۰۲۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عباس' عمر بن عبد العزیز' حضرت علی' حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ٹاٹ پر نماز پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰۴۱-۴۰۳۹-۴۰۳۸-۴۰۳۶-۴۰۳۵)

حضرت انس اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چادر پر نماز پڑھی۔ (مصنف: ۴۰۴۳-۴۰۴۲)

حضرت ابوالدرداء نے کہا: اگر میں چھ طنفسہ (چادر' کپڑا یا چٹائی) اوپر تلے رکھ کر بھی نماز پڑھوں تو پرواہ نہیں۔ (مصنف: ۴۰۴۴)

حضرت ابن عباس' ابوائل اور حسن بصری نے طنفسہ پر نماز پڑھی۔ (مصنف: ۴۰۴۹-۴۰۴۶-۴۰۴۵) ان کے علاوہ اور بہت زیادہ آثار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' صحابہ کرام اور فقہاء تابعین گھروں اور مسجدوں میں کپڑا یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھتے تھے تو کون مانے گا کہ حضرت ابوموسیٰ ایسے عظیم صحابی دار البرید میں گوبر کے اوپر کوئی کپڑا یا چٹائی بچھائے بغیر نماز پڑھیں گے اور ان احادیث اور آثار کے ہوتے ہوئے حافظ ابن حجر کی اس نقل کو کون تسلیم کرے گا کہ کپڑے یا چٹائی پر نماز پڑھنا بدعت ہے۔

جانوروں کے پیشاب اور گوبر کی طہارت اور نجاست میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے' ان کے پیشاب کی طہارت میں علماء کا اختلاف ہے:

عطاء' نخعی' زہری' ابن سیرین' حکم اور شعبی کا مذہب یہ ہے کہ ان کا پیشاب طاہر ہے' امام مالک' ثوری' محمد بن الحسن' زفر' حسن بن صالح' امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' امام شافعی اور ابوثور کا یہ مذہب ہے کہ تمام قسم کے پیشاب نجس ہیں۔

امام مالک اور امام احمد وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرینیین کے لیے اونٹنیوں کے پیشاب اور ان کے دودھ کو پینا جائز قرار دیا تھا' اگر اونٹوں کا پیشاب نجس ہوتا تو آپ انہیں اس کے پینے کی اجازت نہ دیتے' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آپ نے اونٹوں کے پیشاب پینے کی عام اجازت نہیں دی تھی' بلکہ صرف عرینیین کو ان کے خاص مرض کی وجہ سے اجازت دی تھی اور آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم تھا کہ ان کا علاج اسی طرح ہو سکتا ہے۔

ابن علیہ اور اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا مذہب یہ ہے کہ انسان کے علاوہ ہر حیوان کا پیشاب پاک ہے اور تمام فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تمام گوبر نجس ہیں' امام مالک' ثوری اور زفر کا مذہب یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے' ان کا گوبر ان کے پیشاب کی طرح پاک ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۵۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ نے گوبر کے اوپر نماز پڑھی' اس سے ان کا مقصود اہل ظاہر کی موافقت کرنا ہے کہ ہر جانور کا گوبر پاک ہے۔

گوبر پر نماز پڑھنے کی ممانعت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

گوبر پر نماز پڑھنے کی ممانعت میں یہ حدیث صریح ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات جگہوں پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے: (۱) بیت اللہ کی چھت پر (۲) مقبرہ میں (۳) گوبر اور لید پر (۴) مذبح میں (۵) حمام میں (٦) اونٹوں کے باڑوں میں (۷) شارع عام میں۔ (سنن ترمذی: ۳۴۷۔۳۴٦، سنن ابن ماجہ: ۷۴۷۔۷۴٦، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۱)

عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نجس جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح ہے اور حضرت ابوموسیٰ کا گوبر پر نماز پڑھنا اسی پر محمول ہے اور اگر بالفرض انہوں نے گوبر پر ہی نماز پڑھی تھی تو یہ صرف ان کا فعل ہے اور کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔
(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۵٦، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۲۵، فتح الباری ج ۱ ص ۷٦۳)

۲۳۳- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ أُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ، وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَانْطَلَقُوا، فَلَمَّا صَحُّوا، قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ، وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ، يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ. قَالَ أَبُو قِلَابَةَ فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ.

[اطراف الحدیث: ۱۵۰۱۔۳۰۱۸۔۴۱۹۲۔۴۱۹۳۔۴۶۱۰۔ ۵٦۸۵۔۵٦۸٦۔۵۷۲۷۔٦۸۰۲۔٦۸۰۳۔٦۸۰۴۔٦۸۰۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ابی ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے انہیں مدینہ موافق نہیں آیا تو نبی ﷺ نے یہ حکم دیا کہ وہ دودھ والی اونٹنیوں کے باڑے میں چلے جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ پئیں پس وہ (اونٹنیوں کے پاس) چلے گئے، پس جب وہ تندرست ہو گئے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے دن کے ابتدائی حصہ میں یہ خبر آپ کے پاس آئی آپ نے ان کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا جب دن چڑھ گیا تو ان کو لایا گیا، آپ نے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور ان کو پتھریلی زمین میں ڈال دیا گیا وہ پانی مانگتے رہے تو ان کو پانی نہیں دیا گیا۔ ابوقلابہ نے کہا: ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

(صحیح مسلم: ۱٦۷۱، الرقم المسلسل: ۴۲۷۴، سنن ابوداؤد: ۴۳٦۴۔۴۳٦۵۔۴۳٦٦، سنن نسائی: ۴۰۴۹۔۴۰۳۱۔۳۰۵، سنن کبریٰ للنسائی: ۳۴۹۵، مسند ابویعلیٰ: ۲۸۱٦، صحیح ابن حبان: ۴۴۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۹۷، سنن بیہقی ج ۳ ص ٦۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۸٦ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۲۹۳۲۔ ج ۲۰ ص ۲٦۷، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: نبی ﷺ نے یہ حکم دیا کہ یہ اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پئیں۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں ان سب کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

''عکل'' یا ''عرینۃ'' حرّۃ'' اور ''لقاح'' کے معانی

اس حدیث میں ''عکل'' یا ''عرینۃ'' کا ذکر ہے: ''عکل'' پانچ قبیلوں کا نام ہے انہوں نے بنوتمیم کے ساتھ حلف اٹھایا تھا اور ''عرینۃ'' سے مراد عرینہ بن عزیز بن نذیر ہے۔ بعض روایات میں ہے: یہ سات افراد تھے اور بعض میں ہے: یہ آٹھ افراد تھے۔

اس حدیث میں ''اجتووا'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: کسی شہر کی آب و ہوا کا ناموافق ہونا اور اس کا معنی ہے: پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہونا۔

''حرۃ'' سیاہ پتھروں والی زمین کو ''حرۃ'' کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کے ظاہر میں سیاہ پتھر بہت تھے یزید بن معاویہ کے ایام میں اس جگہ مشہور واقعہ ہوا تھا۔

اس حدیث میں ''لقاح'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: اونٹ۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اونٹ تھے جو آپ کا مال غنیمت سے حصہ تھا اور آپ ان اونٹنیوں کا دودھ پیتے تھے ان اونٹ اور اونٹنیوں کو صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ رکھا گیا تھا عکل یا عرینہ کے ان افراد کو ان اونٹنیوں کے باڑہ میں بھیج دیا گیا' تاکہ یہ وہاں ان اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پئیں۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے: انہوں نے اونٹنیوں کو ذبح کر دیا تھا۔

ہر جاندار کے پیشاب کا حرام ہونا' ضرورت کے وقت حرام سے علاج' عرینیین کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے اور ان کو پانی نہ دینے کی توجیہ

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ان کو اونٹنیوں کا پیشاب پلایا جائے' اس حدیث سے امام مالک اور امام احمد نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے' ان کا پیشاب پاک ہے اور ابوداؤد بن علیہ نے کہا کہ آدمی کے سوا ہر حیوان کا پیشاب پاک ہے' خواہ اس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو' اور امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام ابویوسف نے کہا کہ ہر پیشاب نجس ہے اور عرینیین کو ان کے مرض کی ضرورت کی وجہ سے اونٹنیوں کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی' جیسے خارش کی وجہ سے آپ نے ریشم پہننے کی اجازت دی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی سے جان لیا تھا کہ ان کی شفاء اسی میں ہے اور حرام چیز سے شفاء طلب کرنا جائز ہے' بہ شرطیکہ اس سے شفاء کے حصول کا یقین ہو' جیسے اضطرار کے وقت مردار کو کھانا اور شدید پیاس کے وقت خمر کو پینا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بہ طور دوا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا اور ان کے اجسام اس سے تندرست ہو گئے تھے۔

علامہ عینی نے فرمایا: اگر ہمارے زمانہ میں یہ فرض کیا جائے کہ کوئی شخص اپنی قوت علم سے یہ جان لے کہ فلاں مرض کا علاج کسی حرام چیز کو کھانے سے ہوسکتا ہے تو اس کے لیے اس حرام چیز کو کھانا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۳۱) تاہم ہر قسم کا پیشاب نجس اور حرام ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذاب قبر اس سے ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی: ۴۵۷)

نیز حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اکثر عذاب قبر پیشاب کے سبب سے ہوتا ہے۔

(سنن دارقطنی: ۴۵۸' سنن ابن ماجہ: ۳۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۹۔ ۳۸۸۔ ۳۲۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱' المستدرک ج ۱ ص ۱۸۳' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۱۲)

اس حدیث کا عموم اور اطلاق ہر قسم کے پیشاب کو شامل ہے' لہٰذا اس وعید سے بچنے کے لیے ہر قسم کے پیشاب سے احتراز واجب ہے۔

(۲) امام کو چاہیے کہ جو قبائل اور مسافرین اس کی طرف آئیں' ان کی ضروریات اور مصالح میں غور و فکر کرے۔

(۳) اس حدیث میں علاج کرنے کا ثبوت ہے' خواہ حرام چیز سے علاج کرنا پڑے۔

(۴) جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ عرنیین آپ کے اونٹوں اور صدقہ کے اونٹوں کے محافظوں کو قتل کر کے اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے ہیں تو آپ نے ان کے پیچھے ان کو گرفتار کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا' پھر ان پر حدود قائم کی گئیں' اس سے معلوم ہوا کہ صحراء میں حدود قائم کرنا جائز ہے۔

(۵) حدیث میں ہے: اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفاء نہیں رکھی' جس کو تم پر حرام کر دیا ہے۔

(سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۵' کنز العمال: ۲۸۳۲۷_۲۸۳۱۹' شرح معانی الآثار: ۶۲۸' صحیح ابن حبان: ۱۳۹۱' المعجم الکبیر: ۱۴۷۹_۷۴۹' ج ۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۳' المستدرک ج ۴ ص ۲۱۸)

پس جب پیشاب حرام ہے تو اس سے شفاء کیسے حاصل ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حالت اختیار میں اس سے شفا نہیں ہوگی اور حالت اضطرار میں ہوگی اور حالت اضطرار وہ ہے جب حرام چیز کے علاوہ اور کوئی ذریعہ علاج نہ ہو۔

(۶) ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور یہ مثلہ کرنا ہے اور مثلہ کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں' اس لیے ان کے ساتھ قصاصاً ایسا کیا گیا۔

(۷) اس پر اجماع ہے کہ جس کو قتل کرنا واجب ہو' اگر وہ پانی مانگے تو اس کو پانی پلا دیا جائے' اور اس حدیث میں ہے کہ وہ پانی مانگ رہے تھے اور ان کو پانی نہیں دیا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ اونٹنیوں کے محافظوں کو قتل کر کے اونٹنیاں ہنکا کر لے گئے تھے' اس لیے اس رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر دودھ نہیں پہنچ سکا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے پیاسے رہے اور آپ نے ان کے خلاف یہ دعا کی: اے اللہ! ان کو پیاسا رکھ' جنہوں نے آل محمد کو آج رات پیاسا رکھا۔ (سنن نسائی: ۴۰۴۲)

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۲۳_۲۳۰' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۲۴۰_ ج ۴ ص ۶۳۶ پر ہے' وہاں اس کی بہت تفصیل ہے' اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:
(۱) واقعہ عرینہ کی تاریخ (۲) حلال جانوروں کے پیشاب کی نجاست میں مذاہب اور نجس چیزوں سے علاج کا بیان (۳) عرنیین کو آگ کا عذاب دینے اور پانی نہ دینے کی توجیہات (۴) کیا عرنیین کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی گئی (۵) آیت محاربہ کا شان نزول (۶) ڈاکہ کی تعریف (۷) ڈاکہ کا رکن (۸) ڈاکہ کی شرائط (۹) شہر میں ڈاکہ میں مذاہب فقہاء (۱۰) ڈاکہ کی سزائیں (۱۱) مرتد کا اصطلاحی معنی (۱۲) مرتد کے حکم میں مذاہب (۱۳) مرتدہ کو قتل نہ کیا جائے اور بہت عنوان ہیں۔

٢٣٤- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُو التَّيَّاحِ يَزِيْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ اَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ. [اطراف الحدیث: ۴۲۸_۴۲۹]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابو التیاح یزید بن حمید نے خبر دی' از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بنائی جانے سے پہلے بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم: ٥٢٤ 'الرقم المسلسل: ١١٥٤' سنن ترمذی: ٣٥٠ 'مسند ابوداؤد الطیالسی: ٢٠٨٥ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ص ٣٨٥ 'صحیح ابن حبان: ١٣٨٥ 'شرح السنۃ: ٥٠١ 'مسند احمد ج ٣ص ١٣١ طبع قدیم' مسند احمد ج ١٩ص ٣٤٣ 'مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس باب کے عنوان کا ایک جز بکریوں کا باڑہ تھا اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے اور یہ اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

اس حدیث کے چار رجال ہیں اور ان سب کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

بکریوں کے قرب میں پاک جگہ پر نماز پڑھنے کی اجازت اور اونٹوں کے قرب میں نماز پڑھنے کی ممانعت

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا: کیا میں اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ٢ص ٢٥٨ 'سنن بیہقی ج ٢ص ٤٤٨)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کا وقت پاؤ اور تم بکریوں کے باڑے میں ہو تو وہاں نماز پڑھ لو کیونکہ وہاں سکون اور برکت ہے اور جب تم نماز کا وقت پاؤ اور تم اونٹوں کے حوض کے پاس ہو تو وہاں سے نکل کر نماز پڑھو' کیونکہ اونٹ جن ہیں' جن سے پیدا کیے گئے ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب وہ بھاگتے ہیں تو کیسے ناک چڑھاتے ہیں (یعنی ان کے مزاج میں شر اور سرکشی ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور حقیقۃً جن اور شیاطین میں سے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ (معرفۃ السنن والآثار: ١٢٩٠ 'السنن الکبریٰ ج ٢ص ٤٤٩ 'کنز العمال: ١٩١٧٦)

اس حدیث میں جن سے مراد شیطان ہے' جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے حوض کے قریب نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیاطین سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ٧٦٩ 'سنن نسائی: ٧٣١ 'مسند ابوداؤد الطیالسی: ٩١٣ 'مسند احمد ج ٤ص ٨٦ طبع قدیم' مسند احمد: ١٦٧٩٩۔ ج ٢٧ص ٣٥٣ 'مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لو اور اونٹوں کے حوض کے قریب نماز نہ پڑھو۔ (سنن ترمذی: ٣٤٨ 'مسند احمد ج ٢ص ٤٥١)

بکریوں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب ائمہ اور اونٹوں کو شیطان فرمانے کی توجیہ

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی التوفی ٣٨٨ھ' ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک بن انس' امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ یہ کہتے ہیں کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مباح ہے اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور امام احمد یہ کہتے تھے کہ جس جگہ اونٹوں کا پیشاب ہو' وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اونٹوں کے حوض کے پاس یا ان کے بیٹھنے کی جگہ کے پاس نماز پڑھنے سے حدیث میں ممانعت ہے اور ان فقہاء کے نزدیک گایوں کی جگہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام شافعی یہ کہتے تھے کہ جب اونٹوں کے حوض کے پاس یا اس کی سمت میں ان کا پیشاب یا ان کی مینگنیاں نہ ہوں تو وہاں نماز ہو جائے گی' لیکن اپنے اختیار سے میں اس جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں' ان کے نزدیک بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے' کیونکہ ان کے نزدیک کسی بھی جانور کے پیشاب' مینگنیوں اور گوبر میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب ان کے نزدیک نجس

ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نبی ﷺ نے اونٹوں کے متعلق فرمایا: یہ شیاطین سے ہیں' اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ ان میں توحش اور تنفر ہے اور ان میں شر اور فساد ہے اور بعض اوقات یہ نمازی کی نماز کو فاسد کر دیں گے اور عرب ہر سرکش کو شیطان کہتے ہیں' گویا کہ جب نمازی اونٹوں کے قرب میں نماز پڑھے گا تو وہ اپنی نماز میں ان سے ڈرتا رہے گا کیونکہ وہ نماز میں ان کے شر اور فساد سے مامون نہیں ہوگا اور یہ خطرہ رہے گا کہ وہ بھاگتے ہوئے نمازی کو روند ڈالیں گے اور بکریوں کے پاس نماز پڑھنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

(معالم السنن مع مختصر المنذری ج ۱ص ۲۶۹' دار المعرفہ بیروت)

حافظ ابن حجر کا کپڑا یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھنے کی طرف لوٹ آنا اور بکریوں اور اونٹوں کا فرق بیان کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے' جو بکریوں کے پیشاب اور ان کی مینگنیوں کو پاک کہتے ہیں کیونکہ ان کا باڑہ ان کے پیشاب سے خالی نہیں ہوتا' لیکن اس استدلال میں یہ مناقشہ ہے کہ اس اجازت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی مینگنیوں اور ان کے پیشاب پر بلا حائل نماز پڑھی جائے' بلکہ اس کے اوپر کوئی کپڑا یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھی جائے اور حضرت انس اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چٹائی پر نماز پڑھی ہے (حدیث سابق کی شرح میں حافظ ابن حجر نے گوبر پر کپڑا بچھانے کا انکار کیا تھا اور کپڑے پر نماز پڑھنے کو بدعت کہا تھا' یہاں پر وہ بھول گئے کہ حدیث سابق کی شرح میں وہ کیا لکھ چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ) بکریوں کے قرب میں نماز پڑھنے کی اجازت اور اونٹوں کے قرب میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی حافظ ابن حجر نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ بکریاں جنت کے جانوروں میں سے ہیں اور اونٹ شیاطین میں سے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ص ۶۷۷' دار المعرفہ بیروت) لیکن یہ صحیح وجہ نہیں ہے' صحیح وجہ وہی ہے' جو علامہ خطابی نے بیان کی ہے کہ بکریوں کے قرب میں نماز پڑھنے سے نمازی کو کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی اور اس کو نماز میں یہ فکر نہیں ہوگی کہ بکری نماز کے دوران کوئی شر اور فساد کرے گی' جب کہ اونٹ کے قرب میں نماز پڑھنے سے یہ خطرہ رہے گا۔

اونٹ کا حقیقت میں شیطان نہ ہونا

میں کہتا ہوں کہ اونٹ کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے: "اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ" (الغاشیہ: ۱۷) تو اونٹ حقیقت میں جن اور شیطان کیسے ہو سکتا ہے' جب کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے بہ کثرت اونٹوں کو رکھا ہے' اونٹوں پر سواری کی ہے اور اونٹنیوں کا دودھ پیا ہے' حج اور عمرہ میں اونٹوں پر سفر کیا جاتا تھا' جہاد کے لیے اونٹوں پر سامان لادا جاتا تھا' اونٹوں کی قربانی ہوتی تھی' ان کو نحر کیا جاتا تھا اور اونٹوں کا گوشت کھایا جاتا تھا' اس لیے صحیح یہی ہے کہ ان کو شیطان فرمانے سے ان کی سرکشی کی طرف اشارہ ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۰۷۶۔ ج ۲ص ۶۴ پر مذکور ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

٦٧- بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ

گھی اور پانی میں نجاستوں کا واقع ہونا

یعنی گھی اور پانی میں اگر کوئی نجس چیز گر جائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں ان جانوروں کے پیشاب کا حکم بیان کیا تھا' جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور پیشاب فی نفسہٖ نجس ہے اور اس باب میں

چوہیا کا ذکر ہے اور وہ فی نفسہ نجس ہے اور خون کا ذکر ہے وہ بھی فی نفسہ نجس ہے امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ أَوْ رِيحٌ أَوْ لَوْنٌ. اور زہری نے کہا: اس وقت تک پانی میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک اس کے ذائقہ یا بو یا رنگ کو نجاست متغیر نہ کر دے۔

زہری سے مراد محمد بن مسلم بن شہاب زہری فقیہ مدنی ہیں امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے اس کی اصل اس حدیث میں ہے:

فقہاء احناف کے نزدیک قلیل اور کثیر پانی کے طاہر اور نجس ہونے کا معیار

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی 'مگر وہ چیز جو اس کی بو اور اس کے ذائقہ اور اس کے رنگ پر غالب آ جائے۔ (سنن ابن ماجہ:٥٢١)

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ہم بضاعہ کے کنویں سے وضوء کرتے ہیں یہ وہ کنواں تھا 'جس میں حیض آلودہ کپڑے ڈالے جاتے تھے اور کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پاک کرنے والا ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی (اس کنویں کا پانی جاری تھا اور اس سے باغات میں پانی دیا جاتا تھا)۔

(سنن ابوداؤد:٦٩ 'سنن ترمذی:٦٦ 'سنن نسائی:٣٢٥ 'مسند احمد ج٣ ص٨٦_٣١)

فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ پانی یا جاری ہوگا یا ٹھہرا ہوا ہوگا 'اگر پانی جاری ہو تو وہ اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک کہ نجاست سے اس کا رنگ 'بو اور ذائقہ متغیر نہ ہو جائے اور اگر وہ پانی ٹھہرا ہوا ہو 'جیسے تالاب یا حوض تو اگر اس کی ایک طرف ہلانے سے دوسری طرف ہل جاتی ہے تو وہ پانی قلیل ہے اور اگر اس کی ایک طرف ہلانے سے دوسری طرف نہیں ہلتی تو وہ پانی کثیر ہے امام محمد نے کہا: اگر میری مسجد کے برابر پانی ہو تو وہ کثیر ہے ورنہ قلیل ہے بعد میں ان کی مسجد کی پیمائش کی گئی تو وہ دردہ تھی یعنی دس ذراع لمبی اور دس ذراع چوڑی (ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہے) پس جو پانی کثیر ہے اس میں نجاست کے گرنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوگا' تاوقتیکہ نجاست سے اس کا رنگ 'بو یا ذائقہ تبدیل ہو جائے اور جو پانی قلیل ہے اس میں ایک قطرہ نجاست بھی گرے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج٣ ص٢٣٨_٢٣٧ 'ملخصاً)

اس کے بعد امام بخاری نے دوسری تعلیق ذکر کی:

وَقَالَ حَمَّادٌ لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ. اور حماد نے کہا: مردار پرندے کے پر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ امام ابن ابی سلیمان حماد ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ کے استاذ ہیں 'یہ تعلیق ایک مکمل حدیث کا قطعہ ہے 'وہ حدیث یہ ہے:

عبدالرزاق از معمر از حماد: مردار کی اُون گرنے سے کوئی حرج نہیں 'لیکن اس کو دھویا جائے گا اور مردار کے پر سے کوئی حرج نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق:٢٠٦ 'دارالکتب العلمیہ 'بیروت '١٤٢١ھ)

امام شافعی کے نزدیک بال جسم سے الگ ہو جائے تو نجس ہو جاتا ہے 'امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک وہ پاک ہے۔

اس کے بعد امام بخاری تیسری تعلیق ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَى ' نَحْوَ الْفِيلِ وَغَيْرِهِ. أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ ' يَمْتَشِطُونَ اور زہری نے مردار مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے متعلق کہا: میں نے متقدمین علماء کو پایا 'وہ اس سے کنگھی کرتے تھے اور اس

بِهَا، وَيَدَّهِنُوْنَ فِيْهَا، لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا. میں تیل رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

مردہ جانور کی ہڈیوں کی طہارت میں مذاہب فقہاء

زہری سے مراد محمد بن مسلم ابن شہاب زہری ہے اور وغیرہ سے مراد ہاتھی کے علاوہ دوسرے جانور ہیں جن کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو فقہاء احناف کے نزدیک مردہ جانور کے تمام اجزاء جن میں خون نہیں ہوتا وہ پاک ہیں مثلاً سینگ دانت کھر اُون اور بال۔ عمر بن عبد العزیز حسن بصری امام مالک امام احمد المزنی یہ کہتے ہیں کہ بال اُون اور پر پاک ہیں موت سے نجس نہیں ہوتے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے اور ہڈی سینگ کھر اور دانت نجس ہیں اور امام شافعی کے نزدیک بال کے علاوہ سب نجس ہیں اور اس میں اختلاف ہے اور ہاتھی کے متعلق ہمارے فقہاء میں اختلاف ہے امام محمد کے نزدیک وہ نجس العین ہے حتیٰ کہ اس کی ہڈیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے اور اس کی کھال رنگنے سے پاک نہیں ہوتی اور نہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک وہ باقی درندوں کی طرح ہے اس کی ہڈیوں سے اور رنگنے کے بعد اس کی کھال سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۳۹۔۲۳۵ ملخصا دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد امام بخاری ایک اور تعلیق ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَإِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ. اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا: ہاتھی کے دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ تعلیق "مصنف عبد الرزاق" سے لی گئی ہے وہاں اس طرح مذکور ہے:

عبد الرزاق از ثوری از ہشام از ابن سیرین وہ ہاتھی کے دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۲۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۵- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِيْ سَمْنٍ، فَقَالَ أَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوْهُ، وَكُلُوْا سَمْنَكُمْ.

[اطراف الحدیث: ۲۳۶۔۵۵۳۸۔۵۵۳۹۔۵۵۴۰]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چوہیا کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر جائے آپ نے فرمایا: اس چوہیا کو نکال کر پھینک دو اور جو اس کے ارد گرد گھی ہے اس کو بھی پھینک دو اور اپنا گھی کھا لو۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۴۱ سنن ترمذی: ۱۷۹۸ سنن نسائی: ۴۲۶۵ مصنف عبد الرزاق: ۲۷۹ مسند الحمیدی: ۳۱۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۸۰ السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۵۸۴ سنن دارمی: ۷۴۸ الآحاد والمثانی: ۳۰۹۹ المنتقیٰ: ۸۷۲ مسند ابویعلیٰ: ۷۰۷۸ صحیح ابن حبان: ۱۳۹۲ المعجم الکبیر: ۱۰۴۳۔ ج ۲۳ سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۵۳ معرفۃ السنن والآثار: ۱۹۳۵۸ مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۹ طبع قدیم مسند احمد: ۲۶۷۹۶۔ ج ۴۴ ص ۳۰۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چوہیا کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر جائے۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

جمے ہوئے گھی اور پگھلے ہوئے گھی کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے: چوہیا گھی میں گر جائے اور دوسری روایت میں ہے: وہ گھی میں گر کر مر جائے۔ (صحیح البخاری:۵۵۳۹) اور ''سنن نسائی'' میں ہے: وہ جامد گھی میں گر کر مر جائے۔ (سنن نسائی:۴۲۶۵) اس صورت میں اس کے اردگرد گھی کو نکال کر پھینکنا ہوگا اور اگر وہ گھی مائع ہو تو اس صورت میں اس سارے گھی کو نکال کر پھینکنا ہوگا۔

شہد اور شیرہ بھی اسی قیاس پر ہے' اور جو گھی مائع ہو تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ تمام گھی نجس ہوگا' قلیل ہو یا کثیر ہو اور ایک قوم کا شاذ قول یہ ہے کہ پگھلا ہوا گھی پانی کی طرح ہے' لیکن یہ غیر معتبر قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۴۱ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک ناپاک گھی کو پاک کرنے کے تین طریقے

مسئلہ: از موضع بھوٹا بھوٹی بسوٹولانڈ ملک افریقہ' مرسلہ حاجی اسماعیل میاں صاحب صدیقی حنفی قادری ابن امیر میاں' ۲۳ صفر ۱۳۳۶ھ

گھی گرم تھا' اُس میں مرغی کا بچہ گرا اور فوراً مر گیا' یہ گھی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گھی ناپاک ہو گیا' بے پاک کیے اُس کا کھانا حرام ہے۔ پاک کرنے کے تین طریقے ہیں: ایک یہ کہ اُتنا ہی پانی اُس میں ملا کر جنبش دیتے رہیں یہاں تک کہ سب گھی اوپر آ جائے' اُسے اتار لیں اور دوسرا پانی اُسی قدر ملا کر یونہی کریں' پھر اتار کر تیسرے پانی سے اسی طرح دھوئیں اور اگر گھی سرد ہو کر جم گیا ہو تو تینوں بار اُس کے برابر پانی ملا کر جوش دیں' یہاں تک کہ گھی اوپر آ جائے' اُتار لیں۔ اقول: جوش دینے کی پہلی ہی بار حاجت ہے' پھر تو گھی رقیق ہو جائے گا اور پانی ملا کر جنبش دینا کفایت کرے گا۔ ''ردالمحتار'' میں ہے:

دوم: ناپاک گھی جس برتن میں ہے' اگر جمنے کی طرف مائل ہو گیا ہو' آگ پر پگھلا لیں اور ویسا ہی پگھلا ہوا پاک گھی' اُس برتن میں ڈالتے جائیں' یہاں تک کہ گھی سے بھر کر اُبل جائے' سب گھی پاک ہو جائے گا۔ ''جامع الرموز'' میں ہے: **''المائع کالماء والدبس وغیرھما طھارتہ باجرائہ مع جنسہ مختلطا بہ''**۔

سوم: دوسرا گھی پاک لیں اور مثلاً تخت پر بیٹھ کر نیچے ایک خالی برتن رکھیں اور پرنالے کی مثل کسی چیز میں وہ پاک گھی ڈالیں' اس کے بعد یہ ناپاک گھی اُسی پرنالے میں ڈالیں' یوں کہ دونوں کی دھاریں ایک ہو کر پرنالے سے برتن میں گریں' اسی طرح پاک و ناپاک دونوں گھی ملا کر ڈالیں' یہاں تک کہ سب ناپاک گھی پاک گھی سے ایک دھار ہو کر برتن میں پہنچ جائے' سب پاک ہو گیا۔ ''خزانہ'' میں ہے: **''اناء ان ماء احدھما طاھر والاخر نجس فصبا من مکان عال فاختلطا فی الھواء ثم نزلا طھر کلہ''** پہلے طریقہ میں پانی سے گھی کو تین بار دھونے میں گھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور دوسرے طریقہ میں اُبل کر تھوڑا گھی ضائع جائے گا۔ تیسرا طریقہ بالکل صاف ہے' مگر اس میں احتیاط بہت درکار ہے کہ برتن میں ناپاک گھی کی کوئی بوند نہ پاک سے پہلے پہنچے نہ بعد کو گرے' نہ پرنالے میں بہاتے وقت اس کی کوئی چھینٹ اُڑ کر پاک گھی سے جدا برتن میں' ورنہ جتنا برتن میں پہنچایا' اب پہنچے گا' سب ناپاک ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۳۴۔۱۳۳ 'دارالعلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ' کراچی)

۲۳۶- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب

مَیْمُوْنَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَارَۃٍ سَقَطَتْ فِیْ سَمْنٍ، فَقَالَ خُذُوْھَا وَمَا حَوْلَھَا فَاطْرَحُوْہُ. قَالَ مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ مَا لَا اُحْصِیْہِ، یَقُوْلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَیْمُوْنَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ.

از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چوہیا کے متعلق سوال کیا گیا' جو گھی میں گر گئی' آپ نے فرمایا: اس چوہیا کو اور اس کے گرد گھی کو نکال کر پھینک دو۔ معن نے کہا: ہمیں امام مالک نے ان گنت مرتبہ یہ حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہم۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۳۵ میں مطالعہ فرمائیں۔

۲۳۷- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ھَمَّامِ ابْنِ مُنَبِّہٍ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ کَلْمٍ یُکْلَمُہُ الْمُسْلِمُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، یَکُوْنُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کَھَیْئَتِھَا، اِذْ طُعِنَتْ، تَفَجَّرُ دَمًا، اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ. [اطراف الحدیث: ۲۸۰۳-۵۵۳۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المبارک نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ھمام بن منبہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: ہر وہ زخم جو مسلمان کو اللہ کی راہ میں لگتا ہے' قیامت کے دن اسی حالت میں ہوگا' جس حالت میں وہ زخم کھایا تھا' اس سے خون بہ رہا ہوگا' رنگ خون کا ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔

(صحیح مسلم: ۱۸۷۶' الرقم المسلسل: ۴۷۷۹' سنن نسائی: ۳۱۴۷' مسند الحمیدی: ۱۰۹۲' سنن سعید بن منصور: ۲۵۷۱' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۴' معرفۃ السنن والآثار: ۲۰۹۹' صحیح ابن حبان: ۴۶۵۲' شرح السنۃ: ۲۶۱۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۲ ص ۲۵۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت بہت بعید ہے' اس کی تقریر یہ ہے کہ اس حدیث میں مشک کا ذکر ہے اور مشک کی اصل وہ خون ہے' جو ہرن کی ناف میں سے گر جاتا ہے' اور چونکہ وہ خون ہے' اس لیے اس کو نجس ہونا چاہیے' جیسا کہ باقی خون بھی نجس ہوتے ہیں' لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کی مدح فرمائی ہے' اس لیے وہ طاہر ہے' جیسا کہ ہاتھی کی ہڈیوں کی طہارت آثار سے بیان کی گئی ہے اور باب کے عنوان میں نجاستوں کا ذکر ہے۔ باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کے بُعد کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں شہید کی فضیلت کا بیان ہے اور اس میں آخرت کے حکم کا بیان ہے اور پانی کے طاہر یا نجس ہونے کا تعلق دنیا کے حکم سے ہے' سو بہ ظاہر اس حدیث کی ابوابِ سابقہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے' ماسوا اس بعید مناسبت کے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) احمد بن محمد بن ابی موسیٰ المروزی المعروف بمردویہ' حاکم ابو عبد اللہ' الکلاباذی اور امام ابو نصر نے ان کا نام اسی طرح لکھا ہے اور امام الدارقطنی نے کہا: ان کا نام احمد بن محمد بن عدی ہے اور یہ شبویہ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ ۲۳۵ھ میں فوت ہو گئے تھے' امام ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں (۲) عبد اللہ بن المبارک (۳) معمر بن راشد (۴) ھمام بن المنبہ (۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۴۵)

شہید کے خون کے مشک کی طرح خوشبودار ہونے کے فوائد

قیامت کے دن شہید اپنے زخم کے ساتھ اسی حالت میں آئے گا' جس حالت میں اس کو زخم لگا تھا' تاکہ اس کا بہتا ہوا خون شہید کی فضیلت پر گواہی دے اور ظالم کے ظلم پر گواہی دے اور اس سے قیامت کے دن اہل محشر کے سامنے شہید کی فضیلت ظاہر ہوگی' اسی

وجہ سے شہید کے خون کو دھویا نہیں جاتا اور نہ شہید کو غسل دیا جاتا ہے اور اس میں اس زخم کی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگتا ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے: اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ خون نجس نہیں ہوگا اور اس کو مشک کے مشابہ فرمایا ہے' وہ حقیقت میں مشک نہیں ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشک بنا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بنو آدم کے نیک اعمال کو حسین اجسام میں اور بُرے اعمال کو قبیح اجسام میں منتقل کر دے گا تاکہ میزان میں ان کا وزن کیا جا سکے اور نیک اعمال حسین اجسام میں متشکل ہو کر قبر میں مؤمن کا دل بہلائیں گے اور بُرے اعمال قبیح اجسام میں متشکل ہو کر کافر کو ڈرائیں گے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٤٧٤٧۔ ج ۵ ص ۸۸۱ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٦٨- بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ جو پانی ٹھہرا ہوا ہو اور جاری نہ ہو' اس میں پیشاب کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس سے پہلے باب میں یہ بیان کیا تھا کہ جس گھی یا جس پانی میں نجاست گر جائے' اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ جس ٹھہرے ہوئے پانی میں کوئی شخص پیشاب کر دے' اس کا کیا حکم ہے؟ اور پیشاب بھی نجس ہے' اس طرح یہ باب' بابِ سابق کے متناسب ہے۔

٢٣٨- حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْاَعْرَجَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ. [اطراف الحدیث: ٨٧٦-٨٩٦-٢٩٥٦-٣٤٨٦-٦٦٢٤-٦٨٨٧-٧٠٣٦-٧٤٩٥]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم (دنیا میں) مؤخر کیے گئے ہیں' (آخرت میں) مقدم کیے جائیں گے۔

٢٣٩- وَبِاِسْنَادِهٖ قَالَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ.

اور اسی سند کے ساتھ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو' ہرگز پیشاب نہ کرے' پھر اس پانی میں غسل کرے۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

یہ دونوں مستقل حدیثیں ہیں اور دوسری حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے' البتہ پہلی حدیث کو جو مقدم کیا ہے' اس کی حکمت میں اختلاف ہے' علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اور اس کے بعد والی حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ساتھ سنا ہو' اس لیے انہوں نے ان دونوں حدیثوں کو ایک ساتھ بیان کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمام بن منبہ نے حضرت ابوہریرہ سے ان دونوں حدیثوں کو ایک ساتھ سنا ہو اور انہوں نے ان دونوں حدیثوں کو ایک ساتھ روایت کر دیا' ورنہ اس پہلی حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت ظاہر نہیں ہے۔

کثیر پانی کے لیے قلتین معیار نہیں ہے اور دیگر فوائد

فقہاء احناف نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو بہت بڑا تالاب ہو' جب اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضوء

کرنا جائز نہیں ہے' اس میں پانی کم ہو یا زیادہ' اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ قلتین (دو گھڑے پانی) حامل نجاست ہوتے ہیں' کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے اور اپنے اطلاق سے قلیل اور کثیر کو شامل ہے۔

یہ حدیث عام ہے' اس لیے اس کی بہت کثیر پانی سے تخصیص کرنا واجب ہے' جس کے ایک کنارے کو ہلایا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی نہیں ہلتا' اس کی تخصیص ان عمومی دلائل سے کی جائے گی کہ جب تک نجاست پانی کے رنگ' بو اور مزے کو متغیر نہ کر دے' اس وقت تک وہ پاک کرنے والے وصف پر قائم رہے گا۔

اس حدیث میں ایسے پانی سے غسل جنابت کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس ممانعت میں غسل کی دیگر اقسام بھی شامل ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۵۲۔۲۵۰ ملخصاً ۱۴۲۱ھ)

٦٩- بَابٌ اِذَا اُلْقِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْمُصَلِّيْ قَذَرٌ اَوْ جِيفَةٌ لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلٰوتُهٗ

جب نمازی کی پشت پر کوئی گندگی ڈال دی جائے یا مردار ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور حالت نماز میں کوئی دوسرا شخص اس پر نجاست ڈال دے تو اس نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوگی' باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ پہلے باب میں پانی میں نجاست واقع ہونے کا ذکر تھا اور اس باب میں نمازی کے اوپر نجاست واقع ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے:

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا رَاٰى فِيْ ثَوْبِهٖ دَمًا ' وَهُوَ يُصَلِّيْ' وَضَعَهٗ وَمَضٰى فِيْ صَلٰوتِهٖ.

اور حضرت ابن عمر جب حالت نماز میں اپنے کپڑے پر خون دیکھتے تو اس کو اتار دیتے اور اپنی نماز جاری رکھتے۔

یہ اثر اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے' کیونکہ باب کا عنوان یہ ہے کہ جب نمازی کے اوپر کوئی نجاست ڈال دی جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور حضرت ابن عمر جب اپنے کپڑے پر خون دیکھتے تو اس کو اتار دیتے یعنی ان کے نزدیک وہ خون آلودہ کپڑا مفسد نماز تھا اور اس پر دلیل یہ مفصل اثر ہے:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب نماز میں ہوتے' پھر وہ اپنے کپڑے پر خون کو دیکھتے تو اگر وہ اس کپڑے کو اتار سکتے تو اتار دیتے اور اگر وہ اس کو اتار نہ سکتے تو نماز سے نکل جاتے' پس اس کپڑے کو دھوتے' پھر آ کر اسی نماز پر بناء کر کے بقیہ نماز پڑھتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ جب نمازی کو نماز میں وقوع نجاست کا علم ہو جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور یہ اس باب کے عنوان کے خلاف ہے' اس کے بعد امام بخاری دوسری تعلیق ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ اِذَا صَلّٰى وَفِيْ ثَوْبِهٖ دَمٌ اَوْ جَنَابَةٌ ' اَوْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ ' اَوْ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَدْرَكَ الْمَاءَ فِيْ وَقْتِهٖ ' لَا يُعِيْدُ.

اور ابن المسیب اور الشعبی نے کہا: جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کے کپڑے میں خون ہو یا جنابت (منی) ہو یا وہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو یا اس نے تیمم کر کے نماز پڑھی' پھر اس کو نماز کے وقت میں پانی مل گیا تو وہ نماز نہیں دہرائے گا۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی' پھر نماز کے بعد اس کو علم ہوا تو اس کے متعلق اختلاف ہے' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور عطاء' ابن المسیب' سالم' شعبی' نخعی' مجاہد' طاؤس اور زہری یہ کہتے ہیں کہ اس پر اعادہ نہیں ہے اور یہی اوزاعی' ابو ثور اور اسحاق کا قول ہے اور ربیعہ اور امام مالک نے کہا: وہ نماز کو نماز کے وقت میں دہرائے گا اور امام شافعی اور امام احمد نے

کہا: وہ نماز کو ہمیشہ دہرائے گا (خواہ نماز کے وقت میں یا اس کے بعد) اور جس نے عمداً نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ امام مالک اور اکثر علماء کے نزدیک ہمیشہ نماز کو دہرائے گا' کیونکہ اس نے نماز کا استخفاف کیا ہے۔

(شرح ابن بطال ج ا ص ٣٦٤۔ ٣٦٣ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت'١٤٢٤ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہی ہے کہ امام بخاری نے جتنی صورتیں ذکر کی ہیں' ان تمام صورتوں میں وہ نماز کو دہرائے گا' ماسوا اس کے کہ وہ اس نے اجتہاد سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی یا تیمم کر کے نماز پڑھی اور نماز میں اس کو پانی نظر نہیں آیا۔

٢٤٠- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنِی اَبِیْ' عَنْ شُعْبَةَ' عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ' عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ (ح). قَالَ وَحَدَّثَنِیْ اَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا شُرَیْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ یُوْسُفَ' عَنْ اَبِیْهِ' عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَمْرُو بْنُ مَیْمُوْنٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ عِنْدَ الْبَیْتِ' وَاَبُوْ جَهْلٍ وَاَصْحَابٌ لَّهُ جُلُوْسٌ' اِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَیُّکُمْ یَجِیْءُ بِسَلَا جَزُوْرِ بَنِیْ فُلَانٍ' فَیَضَعُهُ عَلٰی ظَهْرِ مُحَمَّدٍ اِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ اَشْقَی الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهٖ' فَنَظَرَ حَتّٰی اِذَا سَجَدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ' وَضَعَهُ عَلٰی ظَهْرِهٖ بَیْنَ کَتِفَیْهِ' وَاَنَا اَنْظُرُ لَا اُغْنِیْ شَیْئًا' لَوْ کَانَ لِیْ مَنَعَةٌ' قَالَ فَجَعَلُوْا یَضْحَکُوْنَ وَیُحِیْلُ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ' وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَا یَرْفَعُ رَاْسَهٗ' حَتّٰی جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ' فَطَرَحَتْ عَنْ ظَهْرِهٖ' فَرَفَعَ رَاْسَهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ' فَشَقَّ عَلَیْهِمْ اِذْ دَعَا عَلَیْهِمْ' قَالَ وَکَانُوْا یَرَوْنَ اَنَّ الدَّعْوَةَ فِیْ ذٰلِکَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ' ثُمَّ سَمّٰی اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ بِاَبِیْ جَهْلٍ' وَعَلَیْکَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِیْعَةَ' وَشَیْبَةَ بْنِ رَبِیْعَةَ' وَالْوَلِیْدِ بْنِ عُتْبَةَ' وَاُمَیَّةَ بْنِ خَلَفٍ' وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِیْ مُعَیْطٍ. وَعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ نَحْفَظْهُ' قَالَ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ رَاَیْتُ الَّذِیْنَ عَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از ابی اسحاق از عمرو بن میمون از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے' ح (امام بخاری دوسری سند کی طرف متحول ہوئے) اور کہا: مجھے احمد بن عثمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شریح بن مسلمہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن یوسف نے حدیث بیان کی' از والد خود از ابی اسحاق' انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن میمون نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے اصحاب وہاں بیٹھے ہوئے تھے' اس وقت انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم میں سے کون ایسا کر سکتا ہے کہ بنوفلاں کے ہاں جو اونٹنی ذبح ہوئی ہے' اس کے بچہ دان کو لے کر آئے اور جب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ کریں تو وہ ان کی پشت پر رکھ دے؟ تو قوم کا سب سے بدبخت شخص اٹھا' وہ اس بچہ دان کو لے کر آیا' پھر وہ انتظار کرتا رہا' حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اس نے اس بچہ دان کو آپ کی پشت کے اوپر آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں یہ منظر دیکھ رہا تھا اور آپ سے کسی چیز کو دور نہیں کر سکتا تھا' کاش! میرے مددگار ہوتے' حضرت ابن مسعود نے کہا: مشرکین ہنس رہے تھے اور ایک دوسرے کی طرف اس کام کی نسبت کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے' اپنا سر نہیں اٹھا رہے تھے' حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں' پس انہوں نے اس بچہ دان کو آپ کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیا' پھر آپ نے اپنا سر اقدس اٹھایا' پھر آپ نے تین مرتبہ ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! قریش

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعٰى فِي الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ.

[اطراف الحدیث: ۵۲۰، ۲۹۳۴، ۳۱۸۵، ۳۸۵۴، ۳۹۶۰]

(صحیح مسلم: ۱۷۹۴، الرقم المسلسل: ۴۵۶۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۶۶۹، سنن نسائی: ۳۰۶، صحیح ابن خزیمہ: ۷۸۵، صحیح ابن حبان: ۶۵۷۰، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۳۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۹۸، مسند ابویعلیٰ: ۵۳۱۲، مسند البزار: ۲۳۹۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۳۵۰-۳۴۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۳۷۲۲-ج ۶ ص ۲۶۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

کو پکڑ لے۔ ان پر یہ دعا ناگوار گزری، راوی کا بیان ہے: وہ جانتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے، پھر آپ نے نام لے کر ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے اور آپ نے ساتویں کا بھی نام لیا، جس کو راوی نے یاد نہیں رکھا، حضرت ابن مسعود نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کا نام لے لے کر ان کے خلاف دعا کی تھی، میں نے ان سب کو دیکھا، وہ بدر کے کنویں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے دس رجال ہیں، ان میں سے نو کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔ دسویں راوی عمرو بن میمون الاودی الکوفی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ سے ملاقات نہیں کی، انہوں نے سو حج اور ایک عمرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمال کو صدقہ ادا کیا، یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندر کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، پھر سب بندروں نے مل کر اس کو رجم کر دیا۔ یہ ۷۵ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۵۵-۲۵۴)

''سَلٰی'' کے معنی کی تحقیق اور اس کے معنی میں شیخ تقی عثمانی کی غلطی

اس حدیث میں ''سلا جزور'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: اونٹنی کا بچہ دان، یعنی وہ کھال جس میں اونٹنی کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ ''سلا'' کے معنی میں لکھتے ہیں:

''سلٰی'' اس باریک کھال کو کہتے ہیں، جس میں بچہ لپٹا ہوا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔

(لسان العرب ج ۷ ص ۲۴۸، دار صادر، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۲۰۰۳ء)

مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے:

''السلٰی'' وہ کھال ہے جس میں انسانوں اور مویشیوں کا بچہ ہوتا ہے۔ (القاموس: ۱۲۹۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: ابوعبید نے کہا: ''السلا'' وہ کھال ہے، جس میں بچہ ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۶۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: ''السلا'' وہ لفافہ ہے، جس میں اونٹنی، تمام حیوانوں اور آدمیہ کا بچہ ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸ ص ۴۹۸۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ج ۸ ص ۴۹۸۹)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے: یہ وہ کھال ہے، جس میں بچہ ہوتا ہے۔ اصمعی نے کہا: مویشیوں اور انسانوں کا بچہ اس کھال میں ہوتا ہے۔ الجوہری نے کہا: یہ باریک کھال ہوتی ہے، جس میں بچہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۵۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے: جانوروں کا بچہ جس کھال میں ہوتا ہے، اس کو ''السلٰی'' کہتے ہیں اور آدمیوں کا بچہ جس کھال میں ہو، اس کو ''مَشِيْمَة'' کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۳، دار المعرفۃ، بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

''سلا'' بچہ دان اور اس کا ترجمہ اوجھڑی غلط ہے۔ (فیض الباری ج۱ ص۳۳۸ مطبعہ حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ)

دیوبندی شارح سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں: ''سلا'' حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس کا ترجمہ اوجھڑی درست نہیں، صحیح ترجمہ بچہ دان ہے۔ (انوار الباری ج۸ ص۱۴۶ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

اردو کے سیرت نگاروں اور اردو مترجمین نے ''سلا'' کا معنی اوجھڑی لکھا ہے، جو بہرحال غلط ہے کیونکہ یہ معنی تمام لغات کی تصریحات اور تمام شروحات کے خلاف ہے، شیخ تقی عثمانی نے بھی اس کا معنی اور ترجمہ غلط لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''سلی'' اوجھڑی کو کہتے ہیں، جو کسی جانور کے پیٹ سے نکلتی ہے۔ (انعام الباری ج۲ ص۲۹۲ مکتبۃ الحراء کراچی)

اس حدیث میں مذکور بعض معین اشخاص کے اسماء کا تعارف

اس حدیث میں بعض معین اشخاص کا ذکر ہے، جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ان کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۸ احادیث روایت کی ہیں، صحیحین میں ان کی ایک حدیث ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دیا اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کو رات میں دفن کیا گیا، ان کے فضائل بہت ہیں اور ان کی یہ ایک فضیلت کافی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹکڑا ہیں۔

ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ

اس کا نام عمرو بن ہشام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ابوجہل فرمایا تو اب سب اس کو اسی نام سے پہچانتے ہیں، اس کو حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما نے قتل کیا تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو یہ اوندھا پڑا تھا، وہ اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے تجھے اے اللہ کے دشمن رسوا کر دیا، یہ شخص اس امت کا فرعون تھا اور یہ شخص ائمہ کفر کا سردار تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں گر گئے (یہ سجدۂ شکر کا ثبوت ہے)۔

عتبہ بن ربیعہ کو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، ایک قول ہے: حضرت علی بھی اس کو قتل کرنے میں شریک تھے۔

شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، یہ عتبہ بن ربیعہ کا بھائی ہے، اس کو بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

الولید بن عتبہ، اس کو حضرت عبیدہ بن الحارث نے قتل کیا تھا، ایک قول ہے: حضرت حمزہ نے، ایک قول ہے: حضرت علی نے۔

امیہ بن خلف: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چند انصار کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر اس کو قتل کیا تھا۔

عقبہ بن ابی معیط: اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، ایک قول ہے: حضرت عاصم بن ثابت نے قتل کیا تھا، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرق الظبیہ میں قتل کیا تھا۔

عمارہ بن الولید بن المغیرہ: یہ وہی ساتواں شخص ہے، جس کا نام لینا راوی بھول گیا تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سرزمین حبشہ میں فوت ہوا۔ (عمدۃ القاری ج۳ ص۲۵۵-۲۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاءِ ضرر کو بددعاء کہنے کا عدم جواز

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سات کافروں کا نام لے کر ان کے خلاف دعاءِ ضرر فرمائی' بعض اردو کے سیرت نگاروں نے اس حدیث میں ''دَعَا عَلَيْهِمْ'' کا ترجمہ کیا ہے: ان پر بددعا کی۔

دیوبندی شارح سید احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے:

ان سرکش کفار پر یہ بات بڑی شاق گزری کہ آپ نے ان پر بددعا کی۔ (انوار الباری ج ٨ ص ١٣٦)

شیخ تقی عثمانی نے لکھا ہے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا کی تو یہ بات ان کو بہت گراں گزری۔ (انعام الباری ج ٢ ص ٣٩٣)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل بدنہیں ہے' اس لیے آپ نے جو دعاءِ ضرر کی' اس کو بددعا کہنا ناجائز اور گناہ ہے' آپ کا ہر فعل حسن اور واجب الاتباع ہے' ہم اس سے پہلے بھی اس پر تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

اس اشکال کا جواب کہ آپ کی پشت پر نجاست ڈال دی گئی تو پھر آپ کیوں نماز پڑھتے رہے؟

اس حدیث میں ہے: آپ کی پشت پر ''سلی'' رکھی گئی تھی' یعنی وہ غلاف جس میں اونٹنی کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے' شرح صحیح مسلم میں میں نے ''تاج العروس'' ج ١٠ ص ١٨٣ کے حوالے سے ''سلی'' کا یہی معنی لکھا تھا اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے لیکن میں نے لکھا تھا کہ اس سے مجازاً اوجھڑی مراد ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے: اس میں خون اور گوبر بھی تھا اور گوبر اوجھڑی میں ہوتا ہے' تاہم اب میری رائے بدل گئی ہے کہ بلاوجہ اس کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے اور ''سلی'' سے مراد اس کا حقیقی معنی ہی ہے اور اونٹنی کے پیٹ میں ''سلی'' کے اندر کچھ خون اور گوبر منتقل ہو گیا ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے' اب یہاں یہ سوال ہے کہ جب ''سلی'' میں گوبر اور خون وغیرہ تھا اور وہ نجس ہیں' نیز وہ مشرکین کا ذبیحہ ہونے کی وجہ سے بھی نجس تھی تو اس نجاست کے ڈال دینے کے بعد آپ نماز کس طرح پڑھتے رہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت آپ سجدہ میں تھے اور آپ کو پتا نہیں تھا کہ آپ کی پشت پر کیا ڈالا گیا ہے۔

اوجھڑی کھانے کا شرعی حکم

بعض دلائل اوجھڑی کھانے کی تحریم کا تقاضا کرتے ہیں' کیونکہ اوجھڑی گوبر کا محل ہے تو جس طرح مثانہ پیشاب کا محل ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے' اسی طرح گوبر کا محل ہونے کی وجہ سے اوجھڑی کو مکروہ تحریمی ہونا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ نے اس دلیل کی وجہ سے اوجھڑی اور آنتوں کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ٨ ص ٣٢٦' مکتبہ رضویہ کراچی) اور بعض دلائل اوجھڑی کی حلت کا تقاضا کرتے ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال جانور کی صرف سات چیزوں کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے' باقی چیزیں بلاکراہت حلال ہیں اور چونکہ اوجھڑی ان سات چیزوں میں نہیں ہے' اس لیے وہ بلاکراہت حلال ہے' سات چیزوں کے مکروہ تحریمی ہونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کی سات چیزوں کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتے تھے: (١) خون (٢) فرج (٣) خصیتین (٤) غدود (٥) ذکر (٦) مثانہ (٧) پتہ۔ (مصنف عبد الرزاق ج ٤ ص ٥٣٥' سنن بیہقی ج ١٠ ص ٧' مراسیل ابوداؤد ص ١٩' المعجم الاوسط: ٩٤٠٧' الجامع الصغیر: ٧١٦' الکامل لابن عدی ج ٥ ص ١٢)

اور جب کسی چیز کی حلت اور حرمت میں دلائل متعارض ہوں تو وہ مکروہ تنزیہی ہوتی ہے' نیز ایک حدیث میں ہے: حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بکری کے معدہ کا ایک ٹکڑا کھایا' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت نسیکہ ام عمرو بن جلاس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی انہوں نے ایک بکری ذبح کی تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی' آپ نے اس چھڑی کو رکھ دیا اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ بستر کی طرف گئے اور اس پر لیٹ گئے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے' ہم آپ کے پاس ایک پیالہ لائے' جس میں جو کی روٹی تھی اور اس میں بکری کے معدہ کا ٹکڑا تھا اور اس میں بکری کی دستی تھی' حضرت نسیکہ نے کہا: حضرت عائشہ معدہ کا ٹکڑا لے کر اس کو دانتوں سے کھانے لگیں' اس وقت انہوں نے کہا: ہم نے آج بکری ذبح کی تھی' اس کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں باقی رہا' آپ نے فرمایا: نہیں! وہ سب باقی ہے' جو اس کے سوا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۴۴' اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۶)

اسی طرح ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے انتڑیاں کھائیں:

امام طحاوی نے کہا: ہمیں ابن خزیمہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی زوجہ کے پاس گیا' جن کا انہوں نے نام لیا تھا اور میں بھول گیا (وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں)' وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے اور میرے پاس بکری کا پیٹ لٹکا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اگر تم اس پیٹ سے میرے لیے فلاں فلاں چیز پکا دو' وہ کہتی ہیں: ہم نے آپ کے لیے وہ چیزیں پکا دیں' آپ نے ان کو کھایا اور وضوء نہیں کیا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس حدیث میں پیٹ سے مراد انتڑیاں ہیں۔

(نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۸۸' قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان احادیث میں بکری کے معدہ اور انتڑیاں کھانے کا ثبوت ہے اور یہی اوجھڑی کے کھانے کا ثبوت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعاء ضرر کرنے کی توجیہ

ایک اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو زیادتی کی جائے' آپ اس پر صبر کرتے تھے اور اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے تو اس موقع پر آپ نے کفار کے خلاف دعاء ضرر کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ذات پر جو ظلم اور زیادتی کی جاتی تھی' اس کو آپ برداشت کر لیتے تھے' لیکن دین کے معاملہ میں آپ کسی زیادتی کو برداشت نہیں کرتے تھے' ان کافروں نے نماز کی حالت میں آپ کی پیٹھ پر نجاست ڈال کر آپ کی نماز اور آپ کی عبادت میں خلل ڈالا' اس لیے آپ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جس کو ایذاء پہنچائی جائے' وہ ایذاء پہنچانے والے کے خلاف دعاء ضرر کر سکتا ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار قریش کے خلاف دعاء ضرر کی تھی' علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: یہ اس وقت ہے' جب کافر نے ایذاء پہنچائی ہو اور اگر مسلمان ایذاء پہنچائے تو زیادہ بہتر ہے کہ اس کے خلاف دعا نہ کی جائے' کیونکہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لحاف چوری ہو گیا تو انہوں نے چور کے خلاف دعا کی تو آپ نے فرمایا: تم اس کے خلاف دعا کر کے اس سے تخفیف نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۹۷)

المہلب نے کہا: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے مقبول ہونے کا ثبوت ہے' کیونکہ آپ نے جن کے خلاف دعا کی تھی' وہ قبول ہو گئی اور حضرت ابن مسعود نے ان سب کو بدر کے کنویں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے دیکھا۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۶۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۵۳۴۔ ج ۵ ص ۵۵۶ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(١) لفظ "سلی" کی تحقیق (٢) اوجھڑی کھانے کا حکم۔

٧٠- بَابُ الْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَنَحْوِهِ فِي الثَّوْبِ

کپڑے میں تھوک ریزش اور اس کی مثل کا حکم

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر نمازی کے کپڑے میں تھوک یا ریزش لگ گئی تو اس سے اس کی نماز میں ضرر نہیں ہوگا' اور باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا تھا کہ اگر نمازی کی پیٹھ پر کوئی نجاست ڈال دی جائے تو امام بخاری کی رائے میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر نمازی کے کپڑے پر منہ کی یا ناک کی رطوبت لگ جائے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور نہ اس کا کپڑا نجس ہوگا' اس کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَالَ عُرْوَةُ ' عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ حُدَيْبِيَةَ ' فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ ' فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ.

اور عروہ نے کہا: از مسور و مروان کہ حدیبیہ کے زمانہ میں نبی ﷺ نکلے' پھر حدیث کو بیان کیا کہ نبی ﷺ نے جب بھی بلغم تھوکا تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی میں واقع ہوتا' وہ صحابی اس کو اپنے چہرے اور اپنی جلد پر ملتا۔

یہ تعلیق صحیح البخاری: ٢٧٣٢-٢٧٣١ کا ایک قطعہ ہے۔

اس تعلیق سے امام بخاری نے اس پر استدلال کیا ہے کہ منہ کی رطوبت اور ناک کی رطوبت طاہر ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے' ماسوا اس کے کہ حضرت سلمان فارسی اور ابراہیم النخعی نے یہ کہا ہے کہ جب لعاب دہن منہ سے نکل جائے تو وہ نجس ہے' لیکن اس قول کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام نے یہ حکم دیا ہے کہ نمازی اپنے بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک دے اور خود شارع علیہ السلام اپنی چادر کے ایک پلو میں تھوک کر اس کو کپڑے میں مل لیتے تھے اور آپ نے فرمایا: یا اس طرح کرے (یعنی آدمی تھوک کو اپنے کپڑے میں اس طرح مل لے)۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ منہ کی رطوبت طاہر ہے اور نبی ﷺ کا لعاب دہن ہر پاک اور طیب چیز سے زیادہ پاک اور طیب ہے اور اس تعلیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کے لیے آپ کے بلغم کو بہ طور تبرک حاصل کیا جاتا تھا اور صحابہ اس کو اپنے جسم پر اور اپنی جلد پر ملتے تھے اور اس سے ان کی آپ کے ساتھ غایت محبت کا پتا چلتا ہے اور یہ کہ آپ کا بلغم انتہائی پاکیزہ اور خوشبودار ہوتا تھا اور بے مثل تھا' ورنہ دوسروں کا بلغم دیکھ کر انسان کو کراہت آتی ہے' جب کہ آپ کے بلغم کے حصول کے لیے صحابہ ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرتے تھے۔

٢٤١- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ' عَنْ حُمَيْدٍ ' عَنْ أَنَسٍ قَالَ بَزَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ. طَوَّلَهُ ابْنُ مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[اطراف الحدیث: ٤٠٥-٤١٢-٤١٣-٤١٧-٥٣١-٥٣٢-١٢١٤]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی ﷺ نے اپنے کپڑے میں تھوکا' امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا: ابن ابی مریم نے اس کو زیادہ طوالت سے ذکر کیا ہے' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے حمید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کے ۷ رجال ہیں:

(۱) محمد بن یوسف (۲) سفیان ثوری (۳) حمید (۴) امام بخاری' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۵) سعید بن الحکم بن محمد بن ابی مریم المصری' یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں' امام مالک سے روایت کرتے ہیں اور ۲۲۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۶) یحییٰ بن ایوب الغافقی المصری' یہ عمر بن الحکم بن مروان کے آزاد کردہ غلام ہیں' ۱۶۸ھ میں فوت ہو گئے تھے' ان میں ضعف ہے' ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا' امام نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں ہیں (۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۶۳)

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

۷۱- بَابٌ لَا يَجُوْزُ الْوُضُوْءُ بِالنَّبِيْذِ وَلَا بِالْمُسْكِرِ

نبیذ اور نشہ آور مشروب کے ساتھ وضوء کرنا جائز نہیں ہے

امام بخاری نے نبیذ کا علیحدہ ذکر کیا ہے اور اس کو نشہ اور مشروب میں شامل نہیں کیا' کیونکہ نبیذ کے ساتھ وضوء کرنا مختلف فیہ ہے۔

نبیذ کا لغوی معنی

نبیذ کا معنی کسی چیز کو ڈالنا اور پھینکنا ہے' علامہ عینی نے کہا: نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں' جس میں کچھ کھجوروں کو ڈال دیا جاتا ہے تاکہ پانی میں ان کی مٹھاس آ جائے' علامہ ابن اثیر نے کہا: کھجوروں' منقّی' شہد' گندم اور جَو وغیرہ کو پانی میں ڈال کر رکھ دیا جائے تو اس مشروب کو نبیذ کہتے ہیں' خواہ یہ نشہ آور ہو یا نہ ہو' اگر یہ نشہ آور ہو تو اس سے وضوء کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے اور اگر یہ نشہ آور نہ ہو' لیکن ایک دو دن پڑے رہنے سے گاڑھا ہو جائے اور اس کے پینے سے سرور آئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے وضوء کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ گاڑھا نہ ہو' صرف اس میں مٹھاس ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے بلاکراہت وضو کرنا جائز ہے اور اگر یہ نشہ آور ہو تو اس سے امام اعظم کے نزدیک وضوء کرنا حرام ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک نبیذ کی تعریف

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) کھجوروں اور منقّی کے نبیذ کو اگر معمولی جوش دیا جائے تو اس کا پینا جائز ہے' خواہ وہ گاڑھا ہو' بہ شرطیکہ اس کو لہو و طرب (سرور اور مستی) کے بغیر پیا جائے اور اگر لہو کے لیے پیا جائے تو اس کی قلیل اور کثیر مقدار حرام ہے اور جب تک وہ نشہ آور نہ ہو اور اگر اس کو ظن غالب ہے کہ وہ نشہ آور ہے تو پھر اس کا پینا حرام ہے۔

(۲) کھجوروں اور منقّی کو ملا کر معمولی جوش دیا جائے' خواہ وہ گاڑھا ہو جائے تو اس کا پینا حلال ہے' شرط مذکور کے ساتھ۔

(۳) شہد' گندم' انجیر' جَو اور جوار کا نبیذ حلال ہے' خواہ اس کو جوش دیا جائے یا نہیں' شرط مذکور کے ساتھ۔

(۴) انگور کے شیرے کو جوش دیا' حتیٰ کہ اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی رہ جائے' جب اس سے کھانے کو ہضم کرنے' علاج اور عبادت پر طاقت حاصل کرنے کے لیے پیا جائے تو جائز ہے اور اگر سرور اور مستی کے لیے پیا جائے تو حرام ہے۔

(الدر المختار مع رد المختار ج ۱۰ ص ۳۴-۳۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین بن عبد العزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبیذ میں جوش دینے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ جس نبیذ کو جوش نہ دیا گیا ہو اور کچے پانی میں کھجوریں یا منقّی ڈال دی ہوں اور پڑے پڑے وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اور اس میں از خود جوش آ جائے تو وہ نبیذ اجماعِ صحابہ سے حرام ہے' کھجوروں کے نبیذ کی حرمت اور حلت میں احادیث وارد ہیں اور ان میں تطبیق یہ ہے کہ جو نبیذ کچے پانی سے بنایا گیا ہو' وہ حرام ہے اور جس نبیذ کو آگ پر پکا کر بنایا گیا ہو' وہ حلال ہے۔ (ردالمحتار ج ١٠ ص ٣٢' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٩ھ)

فقہاءِ حنبلیہ کے نزدیک نبیذ کی تعریف

علامہ شمس الدین عبدالرحمان بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٨٢ھ لکھتے ہیں:

نبیذ مباح ہے' جب تک پانی میں پڑے پڑے جوش نہ آئے یا اس پر پانی میں پڑے پڑے تین دن نہ گزر جائیں۔ نبیذ وہ مشروب ہے' جس میں کھجوریں یا منقّی یا کوئی اور چیز ڈال دی جائے تا کہ اس کا پانی میٹھا ہو جائے اور اس کی نمکینی چلی جائے' پس جب تک اس میں جوش نہ آئے' یا اس پر تین دن نہ گزریں تو وہ مباح ہے کیونکہ اس کے بعد وہ نشہ آور ہو جاتا ہے اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے اور پانی میں کھجوروں کو اور منقّی کو یا ان کی مثل کو چھوڑے رکھنا مکروہ نہیں ہے تا کہ پانی ان کی مٹھاس لے لے' جب تک کہ وہ گاڑھا نہ ہو اور اس پر تین دن نہ گزر جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روزے رکھ رہے ہیں' میں نے آپ کے افطار کے لیے کھوکھلے کدو میں نبیذ تیار کیا' جب میں اس کو آپ کے پاس لے کر گیا تو اس میں جوش آ رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کو دیوار کے پاس گرا دو' کیونکہ یہ ان لوگوں کا مشروب ہے' جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔

(سنن ابوداؤد: ٣٧١٦' سنن نسائی: ٥٧٠٤۔ ٥٦٢٦' سنن ابن ماجہ: ٣٤٠٩) (الشرح الکبیر والمغنی ج ١٢ ص ٣٩٤۔ ٣٩٣' دارالحدیث' قاہرہ' ١٤٢٥ھ)

فقہاءِ شافعیہ کے نزدیک نبیذ سے وضوء کرنے کا حکم

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی متوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:

کسی قسم کے نبیذ سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ نبیذ آگ پر پکا کر بنایا ہو یا کچے پانی میں تیار کیا ہو' نہ حضر میں نہ سفر میں' اگر وہ نشہ آور ہو تو وہ نجس ہے' امام اوزاعی نے کہا کہ ہر قسم کے نبیذ سے وضوء کرنا جائز ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: کھجوروں کا جو نبیذ جوش دے کر تیار کیا ہو' اس سے سفر میں وضوء کرنا جائز ہے خواہ وہ نشہ آور ہو' اور حضر میں اس سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں: یہ امام ابوحنیفہ پر بہتان ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک نشہ آور مشروب حرام ہے' اس کو پینا جائز ہے' نہ اس سے وضوء کرنا' جیسا کہ ہم شروع میں علامہ شامی اور علامہ حصکفی حنفی کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔)

امام محمد بن حسن نے کہا: نبیذ سے وضوء کرنے کو اور تیمم کرنے کو جمع کیا جائے گا' ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لیلۃ الجن میں' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھا' آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا تمہارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے کہا: نہیں! میرے ساتھ کھجوروں کا نبیذ ہے' آپ نے فرمایا: اس کو لاؤ' وہ پاکیزہ کھجوریں ہیں اور پاک کرنے والا پانی ہے' پھر آپ نے نبیذ سے وضوء کیا اور ہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ (سنن ترمذی: ٨٨' سنن ابوداؤد: ٨٤' سنن ابن ماجہ: ٣٨٥۔ ٣٨٤' مسند احمد: ٤٢٩٦۔ ٣٨١٠۔ ج ١ ص ٤٤٩۔ ٤٠٢' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ: ٢٦٣۔ ج ١ ص ٢٦' مصنف عبدالرزاق: ٦٩٣' سنن بیہقی ج ١ ص ١٢)

نیز روایت ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبیذ سے وضوء کیا۔ (سنن بیہقی ج ١ ص ١٣۔ ١٢)

اور ان کا یہ فعل قیاس سے تو ہو نہیں سکتا' لامحالہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سنا ہوگا۔
نیز فقہاء احناف کی دلیل یہ آیت ہے: ''فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا''. (المائدہ:۶) جب تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو' اور نبیذ بھی پانی ہے' لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔
علامہ ماوردی کہتے ہیں: ہماری دلیل یہ آیت ہے کہ جب تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو (المائدہ:۶) اور نبیذ پانی نہیں ہے' لہٰذا جب نبیذ کے سوا اور پانی نہ ہو تو تیمم کرنا واجب ہے اور جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے' وہ ضعیف ہیں۔
(الحاوی الکبیر ج ا ص ۵۱۔ ۴۹ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نبیذ سے وضوء کے جواز کے متعلق احادیث

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیذ کو ''مَاءٌ طَهُوْرٌ'' پاک کرنے والا پانی فرمایا ہے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں علامہ ماوردی کے انکار کو کون سنے گا! اور ان احادیث کو ضعیف کہنا علم حدیث سے ناواقفیت ہے' یہ حدیث ''سنن ترمذی' سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ'' میں ہے اور یہ کتب صحاح ہیں' ان کے علاوہ ''مسند احمد' مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ'' بھی مستند کتب حدیث ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حدیث مسند ابویعلیٰ: ۵۰۴۶۔ ۵۳۰۱' المعجم الکبیر: ۹۹۶۳۔ ۹۹۶۷ اور سنن بیہقی میں طرق متعددہ سے مروی ہے۔ نیز یہ آثار ہیں:
حضرت علی رضی اللہ عنہ نبیذ سے وضوء کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۴)
عکرمہ نے کہا: جس کو پانی نہ ملے' اس کے لیے نبیذ وضوء ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۵)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک نبیذ سے وضوء کرنے کا حکم

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:
امام مالک' ابویوسف' امام شافعی اور امام احمد نے کہا: نبیذ سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے' خواہ نبیذ کچے پانی میں بنایا ہو یا پکا کر' خواہ اس وقت پانی ہو یا نہ ہو یا کھجوروں کا نبیذ ہو یا کسی اور چیز کا' اور اگر وہ نبیذ گاڑھا ہو تو وہ نجس ہے' اس کا پینا جائز ہے' نہ اس سے وضوء کرنا اور حسن بصری نے نبیذ سے وضوء کرنے کی اجازت دی ہے' امام اوزاعی نے کہا: نبیذ کی تمام اقسام سے وضوء کرنا جائز ہے' اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' امام ابوحنیفہ نے کہا: پانی کے ہوتے ہوئے نبیذ سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے اور جب پانی نہ ہو تو صرف پکائے ہوئے نبیذ سے وضوء کرنا جائز ہے' جب وہ نشہ آور ہو اور کچے پانی کے نبیذ سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔
(شرح ابن بطال ج ا ص ۳۶۷۔ ۳۶۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ نشہ آور مشروب سے وضوء کے جواز کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنا ان پر بہتان ہے' ائمہ اور فقہاء احناف کی کتب سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہے' بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے:
شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد حنفی سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:
کھجوروں کے نبیذ کا پینا حلال ہے' جب اس کو پکا کر جوش دیا گیا ہو اور جو نبیذ نشہ آور ہو' وہ حرام ہے۔
(المبسوط ج ۲۴ ص ۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک نبیذ سے وضوء کرنے کا حکم

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبیذ سے وضوء کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور حسن بصری

اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے اور عکرمہ نے کہا: جس کو پانی نہ ملے وہ نبیذ سے وضوء کرے اور اسحاق نے کہا: نبیذ سے وضوء اور تیمم کو جمع کرنا مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول عکرمہ کی مثل ہے اور ان کی دلیل حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اور ہماری دلیل آیت تیمم ہے۔ (المغنی ج ۱ص ۳۴ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۲۵ھ)

شیخ محمد بن ابوبکر ابن قیم جوزی حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے کھجوروں کے نبیذ سے وضوء کرنے کی اجازت دی ہے انہوں نے ایک قول میں نبیذ کی باقی اقسام کو کھجوروں کے نبیذ پر قیاس کیا ہے اور دوسرے قول میں منع کیا ہے اور جس طرح بھی ہو بہر حال کھجوروں کا نبیذ جائز ہے کھجوریں پاک ہیں اور پانی پاک کرنے والا ہے۔ (جامع الفقہ ج ۱ص ۱۱۰ دارالوفاء)

نیز ابن قیم جوزی لکھتے ہیں:

کھجوروں کے ساتھ وضوء کی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا گیا ہے اور اکثر محدثین اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ قیاس اور رائے پر عمل کرنے کی بہ نسبت حدیث ضعیف پر عمل کرنا اولیٰ ہے اسی وجہ سے ان کا مذہب اس ضعیف حدیث پر مبنی ہے کہ قہقہہ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ یہ حدیث قیاس اور رائے کے خلاف ہے اسی طرح ان کا مذہب اس پر مبنی ہے کہ سفر میں کھجوروں کے نبیذ سے وضوء کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حدیث قیاس اور رائے کے خلاف ہے۔ (جامع الفقہ ج ۱ص ۱۱۱ دارالوفاء)

ظلم یہ ہے کہ پھر بھی امام ابوحنیفہ قدس سرہ کو صاحب رائے کہا جاتا ہے اور فقہاء احناف کو اصحاب رائے کہا جاتا ہے!

فقہاء احناف کے نزدیک نبیذ سے وضوء کرنے کا حکم

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو اور کوئی پانی نہ ملے وہ کھجوروں کے نبیذ سے وضوء کرے اور تیمم نہ کرے اور امام ابو یوسف نے کہا: وہ تیمم کرے اور وضوء نہ کرے اور امام محمد نے کہا: وہ اس نبیذ سے وضوء کرے پھر تیمم کرے اور کسی چیز کے نبیذ سے وضوء نہ کرے۔ (الجامع الصغیر ص ۴۷ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۱ھ)

علامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی المعروف بقاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک کھجوروں کا نبیذ پانی کی طرح پاک کرنے والا ہے مگر اس سے وضوء کرنے کے لیے نیت شرط ہے پس اس کے ساتھ تیمم نہ کرے اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ بالکل پاک کرنے والا نہیں ہے پس تیمم کرے اور اس سے وضوء نہ کرے اور امام محمد کے نزدیک کھجوروں کا نبیذ گدھے کے جھوٹے کی طرح پاک کرنے میں مشکوک ہے پس اس سے وضوء اور تیمم کو جمع کرے۔ (شرح الزیادات ج ۱ص ۱۴۷۔ ۱۴۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اگر کھجوروں کے نبیذ کے سوا اور پانی نہ ملے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اس سے وضوء کرے اور تیمم نہ کرے اس کی بناء لیلۃ الجن کی حدیث پر ہے کیونکہ نبی ﷺ کو جب پانی نہیں ملا تو آپ نے اس سے وضوء کیا اور امام ابو یوسف نے کہا: تیمم کرے اور اس سے وضوء نہ کرے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے وہ تیمم کی آیت پر عمل کرتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے یا نبیذ سے وضوء کرنا منسوخ ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور لیلۃ الجن مکہ میں تھی اور امام محمد رحمہ اللہ نے کہا: نبیذ سے وضوء کرے اور تیمم کرے کیونکہ حدیث میں اضطراب ہے (بعض احادیث میں ہے: اس رات حضرت ابن مسعود آپ کے

ساتھ تھے اور بعض احادیث میں ہے: آپ کے ساتھ وہ اس رات نہیں تھے) اور تاریخ کا تعین نہیں ہے پس دونوں کو جمع کرنے میں احتیاط ہے۔ (علامہ مرغینانی کہتے ہیں:) ہم کہتے ہیں کہ آپ کی جنات سے ملاقات کئی راتوں میں ہوئی تھی اس لیے نبیذ سے وضوء کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ حدیث مشہور ہے اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ہے اور اس کی مثل سے کتاب پر زیادتی کی جاتی ہے اور نبیذ سے غسل کرنے کے متعلق ایک قول ہے کہ یہ جائز ہے وضوء پر قیاس کرتے ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ غسل وضوء سے زیادہ ہے اور جس نبیذ میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ وہ میٹھا ہو اور رقیق ہو اور اعضاء کے اوپر پانی کی طرح بہے اور جو نبیذ گاڑھا ہو وہ حرام ہے اس سے وضوء کرنا جائز نہیں اور جس نبیذ کو آگ نے متغیر کر دیا ہو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے اور جو نبیذ گاڑھا ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے بھی وضوء کرنا جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک گاڑھے نبیذ کے ساتھ وضوء نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں ہے کھجوروں کے نبیذ کے علاوہ اور کسی چیز کے نبیذ سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔ (ھدایہ اولین ص ٤٨-٤٧ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

نبیذ سے وضوء کرنے کی تحقیق کے بعد اب ہم امام بخاری کی اس تعلیق کو ذکر کر رہے ہیں:

وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ. اور الحسن اور ابوالعالیہ نے نبیذ سے وضوء کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

الحسن سے مراد حسن بصری ہیں اور ابوالعالیہ سے مراد رفیع بن مہران الریاحی ہیں۔

یہ تعلیق اثر مذکور ذیل کا خلاصہ ہے:

سفیان بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حسن کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبیذ اور دودھ سے وضوء نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۹)

اور ابوالعالیہ کی تعلیق سنن ابوداؤد: ۸۷ میں ہے اور کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے اور یہ امام بخاری کے قائم کیے ہوئے عنوان کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے نبیذ سے وضوء کو ناجائز کہا ہے۔ اس کے بعد امام بخاری دوسری تعلیق ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ عَطَاءٌ اَلتَّيَمُّمُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ وَاللَّبَنِ. اور عطاء نے کہا: نبیذ اور دودھ سے وضوء کرنے کی بہ نسبت مجھے تیمم کرنا زیادہ پسند ہے۔

عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہے اور اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

ابن جریج بیان کرتے ہیں عطاء نے کہا کہ وہ دودھ اور نبیذ سے وضوء کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور انہوں نے کہا: ان کو تیمم کرنا اس سے زیادہ پسند ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۸۶)

یہ تعلیق بھی امام بخاری کے قائم کیے ہوئے عنوان کے خلاف ہے امام بخاری نے نبیذ سے وضوء کو ناجائز کہا ہے اور عطاء کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیذ سے وضوء کرنا جائز تو ہے لیکن تیمم کرنا اس سے بہتر ہے۔

نبیذ سے وضوء کرنے پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ اعتراض کہ یہ حدیث ضعیف ہے

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

احناف نے حضرت ابن مسعود کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں ان سے پوچھا: تمہارے مشکیزہ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نبیذ' آپ نے فرمایا: پاکیزہ کھجوریں ہیں اور پاک کرنے والا پانی ہے۔ سنن ابوداؤد: ۸۴' سنن

ترمذی:۸۸' امام ترمذی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ نے اس سے وضوء کیا اور تمام علماء متقدمین کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینے پر اتفاق ہے۔(فتح الباری ج ا ص ۷۷۷' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدرالدین عینی کی طرف سے اعتراض مذکور کا جواب

حافظ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ان علماء نے اس حدیث کو اس لیے ضعیف قرار دیا ہے کہ امام ترمذی نے اس روایت کے متعلق کہا ہے کہ: یہ حدیث از ابوزید از عبداللہ از نبی ﷺ مروی ہے اور ابوزید محدثین کے نزدیک مجہول شخص ہے۔ اس حدیث کے سوا اس کی اور کوئی روایت معروف نہیں ہے۔(سنن ترمذی ص ۵۴' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ترمذی نے کہا: ابوزید مجہول ہے اور دوسروں نے کہا: ابوزید عمرو بن زید کا آزاد شدہ غلام ہے' اس سے راشد بن کیسان اور ابووراق نے احادیث روایت کی ہیں۔(عارضۃ الاحوذی ج ا ص ۱۰۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور یہ معرفت ابوزید کو جہالت کی حد سے نکال دیتی ہے' رہا اس کا نام تو وہ معلوم نہیں اور ہوسکتا ہے کہ امام ترمذی کا یہ ارادہ ہو کہ اس کا نام مجہول ہے' علاوہ ازیں اس حدیث کو چودہ رجال نے حضرت ابن مسعود سے اسی طرح روایت کیا ہے' جس طرح ابوزید نے روایت کیا ہے:

(۱) ابورافع' امام طحاوی اور حاکم کی روایت میں۔(شرح معانی الآثار:۵۸۴' الناسخ والمنسوخ:۹۲)

(۲) رباح ابوعلی' امام طبرانی کی ''معجم اوسط'' میں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر' ابوموسیٰ اصبہانی کی ''کتاب الصحابۃ'' میں۔

(۴) عمرو البکالی' ابواحمد کی ''کتاب الکنیٰ'' میں سند صحیح کے ساتھ۔

(۵) ابوعبیدہ بن عبداللہ۔

(۶) محمد بن عیسیٰ المدائنی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ محمد بن عیسیٰ ضعیف الحدیث ہے تو میں کہوں گا کہ البرقانی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے' اس میں کوئی حرج نہیں' اور لالکائی نے کہا ہے: وہ صالح ہے' اس کی احادیث کا سماع کیا جاتا ہے۔

(۷) عبداللہ بن مسلمہ' حافظ ابوالحسن بن المظفر کی کتاب ''غرائب شعبہ'' میں۔

(۸) قابوس بن ظبیان از والد خود' یہ بھی ابن المظفر کے پاس عمدہ سند کے ساتھ ہے۔(الناسخ والمنسوخ:۹۳)

(۹) عبداللہ بن عمرو بن غیلان الثقفی' الاسماعیلی کے پاس جس کتاب میں انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر کی از یحییٰ احادیث جمع کی ہیں۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس' امام طحاوی اور امام ابن ماجہ کے پاس۔(شرح معانی الآثار:۵۸۳' سنن ابن ماجہ:۳۸۵)

(۱۱) ابووائل شقیق بن سلمہ' امام دارقطنی کے پاس۔(سنن دارقطنی:۲۴۵)

(۱۲) ابن عبداللہ' اس حدیث کی ابوعبیدہ بن عبداللہ نے طلحہ بن عبیداللہ از والد خود روایت کی ہے۔

(۱۳) ابوعثمان ابن سنہ' ابوحفص بن شاہین کی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں سند جید کے ساتھ' اس کی حاکم نے بھی ''مستدرک'' میں روایت کی ہے۔(الناسخ والمنسوخ:۹۴)

(۱۴) ابوعثمان النہدی' امام الدورقی کی مسند میں عمدہ سند کے ساتھ۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن مسعود نے خود کہا ہے کہ میں لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رات کے ابتدائی حصہ میں آپ کے ساتھ نہیں تھے' اور آخری حصہ میں آپ کے ساتھ تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلۃ الجن دو بار ہوئی' پہلی بار آپ کے ساتھ کوئی نہیں تھا' نہ حضرت ابن مسعود نہ کوئی اور' جیسا کہ ''صحیح مسلم'' میں ہے' اور دوسری بار آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود تھے' جیسا کہ ''تفسیر امام ابن ابی حاتم'' میں ہے' کھجور کے درختوں میں جن جنات نے آپ سے ملاقات کی تھی' وہ نینویٰ کے جنات تھے اور مکہ میں جن جنات نے آپ سے ملاقات کی تھی' وہ نصیبین کے جن تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۶۷-۲۶۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کا دوسرا اعتراض کہ نبیذ سے وضوء کرنا منسوخ ہے

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر یہ منسوخ ہے' کیونکہ یہ واقعہ مکہ کا ہے' اور آیت تیمم المائدہ: ٦ بالاتفاق مدنی ہے' یا یہ اس پانی پر محمول ہیں' جس میں سوکھی ہوئی کھجوریں ڈالدیں' جنہوں نے پانی کے وصف کو متغیر نہیں کیا اور وہ نبیذ اس لیے بناتے تھے کہ عام طور پر ان کا پانی میٹھا نہیں ہوتا تھا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۷۷' دار المعرفہ' بیروت)

حافظ بدر الدین عینی کی طرف سے اعتراض مذکور کا جواب

اس شخص نے یہ اعتراض ابن قصار مالکی اور ابن حزم ظاہری سے نقل کر کے لکھا ہے' اس پر تعجب ہے کہ اس نے اس اعتراض کے مردود ہونے کے علم کے باوجود اس کو لکھ دیا اور اس کے رد کی وجہ وہ ہے جس کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر: ۴۶۵۷ میں اور امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مکہ کی اونچی جگہ میں نازل ہوئے اور اپنی ایڑی سے اشارہ کیا تو پانی ابلنے لگا اور انہوں نے آپ کو وضوء کا طریقہ سکھایا' السہیلی نے کہا: آیت وضوء مکی ہے' لیکن یہ مدنی التلاوت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیۃ التیمم کہا ہے اور آیۃ الوضوء نہیں کہا کیونکہ وضوء اس سے پہلے فرض ہو چکا تھا' البتہ اس کی قرآن میں تلاوت اس وقت ہوئی جب آیت تیمم نازل ہوگئی اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ پہلے وضوء سنت تھا' حتیٰ کہ مدینہ میں قرآن نازل ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۶۷' دار الکتب الاسلامیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ میں وضوء کرنا آیت تیمم یا آیت وضوء کے نزول کے منافی نہیں ہے' کیونکہ آیت وضوء اگرچہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو بھیج کر ابتداء ہی میں آپ کو وضوء کرنا سکھا دیا تھا' نیز منسوخ تو حکم ہوتا ہے' خبر منسوخ نہیں ہوتی اور حدیث ابن مسعود میں تو نبیذ سے وضوء کرنے کی خبر ہے' حکم نہیں ہے اور رہا یہ کہنا کہ انہوں نے سوکھی ہوئی کھجوریں ڈال دی ہوں گی' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' پانی میں سوکھی ہوئی کھجوریں ڈالی جائیں یا تازہ کھجوریں ڈالی جائیں' اس سے نبیذ بہر حال بن جاتا ہے۔

* ہم نے تبیان القرآن میں نبیذ پینے کے متعلق پانچ احادیث اور چار آثار بیان کیے ہیں۔

(تبیان القرآن: ج ٦ ص ۴۹۲-۴۹۰' النحل: ٦٧)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اگر مجھے تمام دنیا کا مال بھی دے دیا جائے تو میں نبیذ کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دوں گا' کیونکہ اس سے بعض صحابہ کو فاسق قرار دینا لازم آتا ہے اور اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ نہیں پیوں گا' کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱۰ ص ۳۳-۳۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲٤۲- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ — امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے

قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.[اطراف الحدیث:٥٥٨٥-٥٥٨٦]

حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از ابی سلمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔

(صحیح مسلم:٢٠٠١ الرقم المسلسل:٥١١٣ سنن ابوداؤد:٣٦٨٢ سنن ترمذی:١٨٦٣ سنن نسائی:٥٥٩٢ سنن ابن ماجہ:٣٣٨٦ السنن الکبریٰ للنسائی:٦٨١٣ مسند ابوداؤد الطیالسی:١٤٨٧ مسند الحمیدی:٢٨١ مصنف ابن ابی شیبہ ج٧ ص١٠٠ المنتقیٰ:٨٥٥ مسند ابویعلیٰ:٤٥٢٣ صحیح ابن حبان:٥٣٩٧ سنن بیہقی ج١ ص٨-ج٨ ص٢٩٣ شرح السنۃ:٣٠٠٩ مسند احمد ج٦ ص٣٦ طبع قدیم مسند احمد:٢٤٠٨٢-ج٤٠ ص٩٩ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تاویل کے ساتھ ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: نشہ آور مشروب کے ساتھ وضوء جائز نہیں ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے: نشہ آور مشروب حرام ہے اور چونکہ نشہ آور مشروب حرام ہے اس لیے اس سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے اس حدیث کو درج کرنے کا صحیح مقام کتاب الاشربہ ہے اور امام بخاری نے اس کو وہاں بھی درج کیا ہے اللہ جانے میں اس باب تک صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ رہوں گا یا نہیں!

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں ان سب کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

خمر کا مطلقاً حرام ہونا اور ہر غیر خمر مشروب کی صرف اس مقدار کا حرام ہونا جو نشہ آور ہو

اس حدیث میں حرام ہونے کا حکم مشروب مسکر پر لگایا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم لگایا جائے تو اس کا مبدأ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی مشروب کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ وہ نشہ آور ہو البتہ خمر (انگور کے کچے شیرہ سے بنائی ہوئی شراب یعنی انگور کا کچا شیرہ پڑے پڑے سڑ جائے اور جھاگ چھوڑ دے) مطلقاً حرام ہے خواہ اس کا ایک قطرہ ہو خواہ نشہ آور ہو یا نہ ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفاء اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے پھر آپ نے مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی پھر آپ نے فرمایا: کوئی پینے کی چیز ہے؟ تو آپ کے پاس نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس کو چکھا پھر ماتھے پر شکن ڈالی اور اس کو واپس کر دیا پھر آل حاطب میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! یہ اہل مکہ کا مشروب ہے پھر آپ نے ان کو واپس منگایا اور اس میں پانی ڈالا حتیٰ کہ اس میں جھاگ آ گئی پھر آپ نے اس کو پیا اور فرمایا: خمر تو بعینہا حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) حرام ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ٤ ص ١٢٤ السنن الکبریٰ للنسائی:٥١٩٣ المعجم الکبیر:١٠٨٣٧)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حسن لغیرہ ہے اور لائق استدلال ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ (سنن ترمذی:١٨٦٥ سنن ابوداؤد:٣٦٨١ سنن ابن ماجہ:٣٣٩٤)

اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ زیلعی متوفی ٧٦٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ابوعثمان مجہول ہے امام دارقطنی نے اس حدیث کی کئی اسانید ذکر کی ہیں اور وہ سب ضعیف ہیں۔

(نصب الرایہ ج ۵ ص ۱۴ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

یحییٰ بن معین نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے' جو ایسے مشروبات کو سرور اور مستی لانے کے لیے پئیں' جن کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اور قلیل مقدار نشہ آور نہ ہو (اور جو بدن میں عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے پئیں' وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ردالمحتار ج ۱۰ ص ۳۴)۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کا وہ آخری گھونٹ نشہ آور ہے اور صرف وہ حرام ہے' جس سے نشہ پیدا ہوا اور اس کی قلیل مقدار جو غیر نشہ آور ہے' وہ حرام نہیں ہے اور یہ حدیث اس آخری گھونٹ پر محمول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ٦ ص ۴۷ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "الخمرۃ" کو بعینہا حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حرام وہ آخری گھونٹ ہے' جس سے نشہ پیدا ہوتا ہے اور خمر بعینہا حرام ہے اور اس حکم میں قلیل اور کثیر برابر ہیں اور کھجوروں اور انگوروں کے پکے ہوئے شیرہ سے جو مشروب بنایا گیا ہو' اس میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے' ان کی قلیل مقدار کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے' حرام صرف وہ ہے' جو اس کے پیالہ کا آخری حصہ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مشروب کا جو پیالہ نشہ آور ہو' وہی حرام ہے۔ (المبسوط ج ۲۴ ص ۱۲۔۱۱ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک دواؤں سے علاج کرنے کا شرعی جواز

ان تصریحات کی بناء پر میں یہ کہتا ہوں کہ ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک دواؤں سے علاج کرنا جائز ہے' ایلوپیتھک کی جو مائع دوائیں ہوتی ہیں اور شربت ہوتے ہیں' ان میں الکوحل کی معمولی مقدار ملی ہوئی ہوتی ہے اور ہومیوپیتھک دواؤں میں بھی الکوحل کی آمیزش ہوتی ہے اور دوا کی جتنی خوراک پی جاتی ہے' جو عموماً چائے کے دو چمچے کے برابر ہوتی ہے' اگر یہ دو چمچے صرف الکوحل ہوتی تو بھی یہ نشہ آور نہیں ہے' جب کہ الکوحل خمر نہیں ہے' اور اس دو چمچے کی مقدار میں الکوحل کے چند قطرات ہوتے ہیں' باقی دوسرے کیمیائی اجزاء ہوتے ہیں اور ان سے مخلوط ہونے کے بعد الکوحل اپنی طبیعت اور ماہیت پر باقی نہیں رہتی' جیسے خمر میں اگر نمک ڈال دیا جائے تو اس کی ماہیت بدل جاتی ہے اور وہ سرکہ بن جاتی ہے' لہٰذا اوّل تو دوا کی مجوزہ خوراک میں الکوحل کے چند قطرات ہوتے ہیں' جو کسی صورت میں نشہ آور نہیں ہیں' ثانی یہ کہ اس میں دوسرے کیمیاوی اجزاء غالب مقدار میں موجود ہوتے ہیں' جن کی وجہ سے الکوحل کی ماہیت بدل جاتی ہے' الکوحل کی اس کم مقدار کو دواؤں میں اس لیے شامل کیا جاتا ہے کہ وہ دیر تک محفوظ رہ سکیں اور خراب ہونے نہ پائیں۔

باب مذکور کی حدیث کی تحقیق شرح صحیح مسلم میں

اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۰۹۴۔ ج ٦ ص ۲۵۴ پر مذکور ہے' یہاں اس کی شرح نہیں کی گئی' البتہ کتاب الاشربہ کا جو مقدمہ ہے' اس میں بہت مفصل بحث کی ہے' اس کے اہم عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) خمر کا لغوی اور اصطلاحی معنی (۲) خمر اور دیگر نشہ آور مشروبات کے متعلق مذاہب فقہاء (۳) خمر اور دیگر مشروبات کے متعلق امام ابوحنیفہ کا نظریہ (۴) غیر خمر نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے جواز پر قرآن مجید سے استدلال (۵) غیر خمر نشہ آور مشروبات کی قلیل

مقدار کی حلت کے متعلق احادیث ⑥ جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو اس میں پانی ملانے کے بعد اس کو پینے کا جواز ⑦ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل ⑧ نبیذ کی تعریف اور اس کا حکم ⑨ مثلث اور نبیذ شدید کے حلال ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل ⑩ حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار پینے کا جواز ⑪ کبار صحابہ اور فقہاء تابعین سے نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار پینے کا جواز ⑫ بھنگ کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء ⑬ حشیش کی تحقیق ⑭ افیون کی تعریف اور تحقیق ⑮ سکون آور دواؤں کا شرعی حکم ⑯ تمباکو نوشی کی تاریخ ⑰ تمباکو نوشی کے نقصانات ⑱ تمباکو نوشی کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب ⑲ تمباکو نوشی کے متعلق دیگر مذاہب اور مصنف کا موقف ⑳ الکوحل کی قلیل مقدار کے جواز کا محل اور ایلو پیتھک دواؤں اور پرفیوم وغیرہ کے جواز کا بیان۔

یہ بحث شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ٢٢٣۔ ١٧٩ میں پھیلی ہوئی ہے۔

٧٢- بَابُ غَسْلِ الْمَرْاَةِ اَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ

عورت کا اپنے باپ کے چہرے سے خون کو دھونا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت اپنے باپ کے چہرے سے خون کو دھو سکتی ہے' باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں یہ بیان کیا تھا کہ امام بخاری کی رائے میں نبیذ سے وضوء جائز نہیں اور نشہ آور مشروب سے وضوء کرنا جائز نہیں اور یہ ایک حکم شرعی ہے اور اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ عورت اپنے باپ کے چہرے سے خون کو دھو سکتی ہے' یعنی نجاست کو بدن پر چھوڑنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی ایک حکم شرعی ہے۔ اس کے ثبوت میں امام بخاری حسب ذیل تعلیق کو ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ اِمْسَحُوْا عَلٰى رِجْلِيْ' فَاِنَّهَا مَرِيْضَةٌ.

اور ابو العالیہ نے کہا: میرے پیر پر مسح کرو کیونکہ اس میں مرض ہے۔

ابو العالیہ کا نام رفیع بن مہران ریاحی ہے' امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے' وہ ایک حدیث کا قطعہ ہے' مکمل حدیث یہ ہے:
معمر بیان کرتے ہیں: مجھے عاصم بن سلیمان نے خبر دی کہ ہم ابو العالیہ الریاحی کے پاس گئے' وہ بیمار تھے' انہوں نے ان کو وضوء کرایا' جب ان کا ایک پیر رہ گیا تو انہوں نے کہا: اس پر مسح کرو' کیونکہ اس میں مرض ہے اور اس پر سرخی اور ورم تھا۔
(مصنف عبد الرزاق: ٦٢٨' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢١ھ)

٢٤٣- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ' عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ' وَسَاَلَهُ النَّاسُ' وَمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اَحَدٌ بِاَيِّ شَيْءٍ دُوْوِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ مَا بَقِيَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ' كَانَ عَلِيٌّ يَجِيْءُ بِتُرْسِهٖ فِيْهِ مَاءٌ' وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ الدَّمَ' فَاُخِذَ حَصِيْرٌ فَاُحْرِقَ' فَحُشِيَ بِهٖ جُرْحُهٗ.
[اطراف الحدیث: ٢٩٠٣۔ ٢٩١١۔ ٣٠٣٧۔ ٤٠٧٥۔ ٥٢٤٨۔ ٥٧٢٢]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی از ابی حازم' انہوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا اور لوگ ان سے سوال کر رہے تھے اور میرے اور ان کے درمیان اس وقت کوئی شخص نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ حضرت سہل نے کہا: اب اس بات کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لے کر آتے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون کو دھوتی تھیں' پھر

ایک چٹائی کو لے کر جلایا گیا اور اس کی راکھ آپ کے زخم میں بھر دی گئی۔

(صحیح مسلم: ۱۷۹۰' الرقم المسلسل: ۴۵۶۱' سنن ترمذی: ۲۰۸۵' سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۴' مسند الحمیدی: ۹۲۹' صحیح ابن حبان: ۶۵۷۸' المعجم الکبیر: ۵۹۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۰ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۲۷۹۹۔ ج ۳۷ ص ۴۵۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون کو دھوتی تھیں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن سلام البیکندی' صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے' ابونعیم نے ''المستخرج'' میں اسی طرح لکھا ہے اور امام ابن ماجہ اور الاسماعیلی نے محمد بن الصباح از سفیان روایت کیا ہے (۲) سفیان بن عیینہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۳) ابوحازم سلمہ بن دینار المدنی المخزومی' ۱۳۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ' ان کا نام پہلے حزن تھا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل کر سہل رکھ دیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۳۸' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری نے ان کی ۳۹' احادیث روایت کی ہیں' یہ ۱۰۰ سال کی عمر میں ۹۱ھ میں فوت ہو گئے تھے' یہ مدینہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۷۰-۲۷۱)

باب مذکور کی حدیث کی زیادہ تفصیل

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے اوپر خود توڑ دیا گیا اور آپ کا چہرہ خون آلود ہو گیا' اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لا رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون دھو رہی تھیں' جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون زیادہ بہہ رہا ہے تو انہوں نے ایک چٹائی کو جلایا اور اس کی راکھ کو آپ کے زخم میں بھر دیا' پھر خون رُک گیا۔ (صحیح البخاری: ۵۷۲۲)

خواتین کے لیے اپنے محارم کا علاج کرنے کا جواز' انبیاء پر تکلیفوں کی حکمت' علاج کی مشروعیت اور اپنی علمی فضیلت کو بیان کرنے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے والد اور دیگر محارم کے امراض میں ان کا علاج کر سکتی ہے اور اس حدیث میں دوا اور علاج کا ثبوت ہے' اس زمانہ میں خون روکنے اور مرہم پٹی کے جو اسباب تھے' ان کو اختیار کیا گیا۔

اس حدیث میں یہ بھی ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں تاکہ ان کو زیادہ اجر ملے اور ان کی امت یہ جان لے کہ انبیاء علیہم السلام اتنے فضائل اور کمالات کے حامل ہونے کے باوجود بشر ہیں' ان کے اجسام پر بھی وہ تکلیفیں آتی ہیں' جو عام بشر کے اجسام پر آتی ہیں اور وہ یہ یقین کر لیں کہ وہ مخلوق ہیں' خدا نہیں ہیں اور ان کے معجزات دیکھ کر اس طرح فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں' جس طرح نصاریٰ فتنے میں مبتلا ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ دوا اور علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت سہل سے لوگوں نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کے متعلق سوال کرنا چاہیے۔

حضرت سہل نے کہا: اس وقت اس بات کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی علمی فضیلت اور بڑائی کو بیان کرنا جائز ہے۔

آیا نبی ﷺ نے احد میں خون آلود کرنے والے کفار کے لیے دعائے مغفرت کی تھی یا نہیں؟

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما کیونکہ بے شک یہ (میری نبوت کو) نہیں جانتے۔

(صحیح ابن حبان: ۹۷۳، المعجم الکبیر: ۵۶۹۴، حافظ الہیثمی نے کہا: امام طبرانی کے رجال صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۷)

ابوحاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب احد میں آپ کا چہرہ خون آلود کر دیا گیا تھا اور اس دعا کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! میری قوم نے جو میرا چہرہ خون آلود کر دیا ہے، ان کے اس گناہ کو معاف فرما اور یہ کفار کے لیے دعائے مغفرت نہیں تھی اور اگر آپ ان کافروں کے لیے دعائے مغفرت کرتے تو لامحالہ وہ سب کافر اسی وقت اسلام لے آتے۔

(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۵۵، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: گویا میں نبی ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا، آپ انبیاء میں سے کسی نبی کی حکایت فرما رہے تھے کہ اس نبی کو ان کی قوم نے مار مار کر خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون کو صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما، بے شک یہ میری نبوت کو نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۷، صحیح مسلم: ۱۷۹۲، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰)

علامہ نووی نے لکھا ہے: ہمارے نبی ﷺ کے لیے بھی اس کی مثل جنگ احد کے دن واقع ہوئی۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸ ص ۴۹۸۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے جس نبی کی حکایت کی ہے، اس سے مراد خود آپ کی ذات ہے، حافظ عسقلانی نے علامہ قرطبی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: نبی ﷺ نے احد کے دن یہ فرمایا تھا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی، جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون آلود کر دیا۔ (صحیح البخاری ص ۸۵۲، دار ارقم، بیروت) پھر حافظ ابن حجر نے صحیح ابن حبان: ۹۷۳ کی حدیث اور ابوحاتم کا کلام نقل کیا ہے، پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کلام اس پر مبنی ہے کہ نبی ﷺ کی دعا کے مقبول ہونے میں تاخیر جائز نہیں، حالانکہ نبی ﷺ نے تین دعائیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے دو آپ کو عطا فرما دیں اور ایک سے منع فرما دیا، پھر علامہ قرطبی کے رد میں اس حدیث کو نقل کیا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا گیا، اس قوم نے اس کو مارا اور خون آلود کر دیا، وہ بندہ خون کو اپنی پیشانی سے صاف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے میرے رب! میری قوم کو معاف فرما! بے شک یہ (میری نبوت کو) نہیں جانتے، حضرت عبداللہ کہتے ہیں: گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھ رہا تھا، آپ خون کو اپنی پیشانی سے صاف کر رہے تھے اور اس بندہ کی حکایت کر رہے تھے اور یہ دعا کر رہے تھے: اے میرے رب! میری قوم کو معاف فرما، کیونکہ یہ نہیں جانتے۔ (مسند ابویعلیٰ: ۵۰۳۷-۹۹۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۳۵۷، مسند البزار: ۳۶۵۲، صحیح ابن حبان: ۶۴۳۳، شعب الایمان: ۶۹۶۲، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۳۰، مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۷ ص ۲۷۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ نبی ﷺ نے جس نبی کی حکایت کی ہے، اس سے مراد خود آپ کی ذات گرامی نہیں تھی۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۶۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح ابن حبان: ۹۷۳ اور ابوحاتم کی تفسیر کا تقاضا یہ ہے کہ جن کافروں نے آپ کا چہرہ خون آلود کیا تھا' آپ نے ان کے لیے یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس جرم کو معاف فرما دے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی صبر اور حلم ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے انتہائی عفو وکرم ہے اور اپنی ذات پر ہونے والی زیادتی کو معاف فرمانا ہے اور ان کے لیے ہدایت اور مغفرت کی دعا کرنا ہے اور انہوں نے آپ کے اوپر جو زیادتی کی تھی اور آپ کا چہرہ خون آلود کیا تھا' اس جرم کو ان کی اس جہالت کی وجہ سے کہ وہ آپ کی نبوت کو پہچانتے نہیں تھے' اس میں ان کو معذور قرار دینا ہے اور یہ آپ کا خلق عظیم ہے۔

اور وہ جو ''صحیح بخاری'' میں ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی' جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا! یہ آپ نے اس وقت فرمایا: جب آپ کا چہرہ کافروں نے خون آلود کر دیا تھا' بعد میں آپ پر اپنے مزاج کے مطابق رحمت غالب آ گئی اور آپ نے ان کے لیے معافی کی دعا فرما کر اپنے پہلے قول کی تلافی کر دی اور اس میں ہمارے لیے یہ نمونہ ہے کہ اگر کسی ظالم کے ظلم پر ہم فوری طور پر جذبات میں آ کر اس کے خلاف کوئی بات کہیں' جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے تو بعد میں اس کے حق میں دعا کر کے اپنے پہلے قول کی تلافی کر دیں۔

اور صحیح البخاری: ۳۴۷۷ میں آپ نے جس نبی کی حکایت فرمائی ہے' وہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے کوئی نبی تھے' کیونکہ امام بخاری نے اس حدیث کو انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر میں بیان کیا ہے اور اس سے مراد خود آپ کی ذاتِ گرامی نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تحقیق کی ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۴۵۲۷۔ ج ۵ ص ۵۵۲ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۷۳- بَابُ السِّوَاكِ — مسواک کرنا

اس باب میں مسواک کرنے کا بیان ہے' بابِ سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس باب میں چہرے سے خون زائل کر کے چہرے کو صاف کرنے کا بیان تھا اور اس باب میں دانتوں سے میل کچیل اور پیلاہٹ کو زائل کر کے دانتوں کو صاف کرنے کا بیان ہے۔

اصل مقصود دانتوں کی صفائی ہے' اس زمانہ میں درخت کی شاخ یا پیلو کی جڑ سے مسواک کر کے دانتوں کو صاف کیا جاتا تھا' اب منجن' ٹوتھ پاؤڈر یا ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کیا جاتا ہے' جیسے اس زمانہ میں زخم سے خون روکنے کے لیے چٹائی جلا کر راکھ زخم میں بھر دی جاتی تھی' اب جدید دوائیں مثلاً اسکن آئنٹ منٹ (Skin Ointtment) اور پولی فیکس (Poly Fax) ٹنچر بینزائیل (Tincture Benzyl) وغیرہ زخم پر لگا دی جاتی ہے' اور کیونکہ مقصود علاج ہے اور جس طرح ہر زمانہ کے عرف اور رواج کے مطابق علاج کیا جاتا ہے' اسی طرح دانتوں کی صفائی بھی ہر زمانہ کے عرف کے مطابق ہو گی اور یہ خلاف سنت یا خلاف شریعت نہیں ہے۔ امام بخاری اس سلسلہ میں تعلیق ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ.

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات گزاری تو آپ نے دانت صاف کیے۔

یہ تعلیق اس طویل حدیث کا قطعہ ہے' جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری' تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کا مشاہدہ کریں' اس حدیث کا کچھ حصہ گزشتہ ابواب میں گزر چکا ہے اور باقی آئندہ ابواب میں آئے گا۔

٢٤٤- حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ اَبِي بُرْدَةَ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ، يَقُولُ اُعْ اُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَاَنَّهُ يَتَهَوَّعُ. (صحیح مسلم: ٢٥٤ الرقم المسلسل: ٥٨١ سنن ابوداؤد: ٤٩ سنن نسائی: ٣)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از غیلان بن جریر از ابی بردہ از والدخود وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ اپنے ہاتھ میں مسواک لے کر دانت صاف کر رہے تھے اور اُع اُع کر رہے تھے اور مسواک آپ کے منہ میں تھی گویا کہ آپ قے کر رہے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) ابوالنعمان محمد بن الفضل (٢) حماد بن زید (٣) غیلان بن جریر یہ ١٢٩ھ میں فوت ہو گئے تھے (٤) ابو بردہ ان کا نام عامر ہے (٥) ان کے والد حضرت عبداللہ بن قیس ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٢٧٣)

بعض الفاظ کے معانی

اس حدیث میں "اُع اُع" کے الفاظ ہیں جب مسواک کو حلق کے آخر تک لے جا کر حلق کو صاف کیا جائے تو ایسی آواز نکلتی ہے۔

"یتھوع" بلاتکلف قے آنا۔

مسواک کرنے کا سنت مؤکدہ ہونا

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن اور رات ہمیشہ مسواک کرتے تھے اور مسواک پر دوام کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور میں اپنے سینہ کی طرف آپ کا سہارا تھی اور حضرت عبدالرحمان کے پاس ایک تازہ مسواک تھی جس سے وہ مسواک کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اس کی طرف مسلسل لگی ہوئی تھی میں نے ان سے مسواک لے کر اس کو (اگلے سرے سے) کاٹا پھر اس کو جھاڑا اور پاک کیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دانت صاف کیے اور میں نے اس سے زیادہ اچھی طرح کبھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دانت صاف کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہو گئے تو آپ نے اپنا ہاتھ یا انگلی اوپر اٹھائی پھر تین مرتبہ فرمایا: "رفیق اعلیٰ میں" پھر آپ میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان (سر ٹکائے ہوئے) وصال فرما گئے۔ (صحیح البخاری: ٤٤٣٨)

مسواک کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔ علامہ مرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ نے کہا: مسواک کرنا سنت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر دوام کرتے تھے اور جب مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانت صاف کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کرتے تھے۔

(ھدایہ اولین ص ١٨ شرکۃ علمیہ ملتان)

مسواک کرنے کا طریقہ

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ لکھتے ہیں:

اپنے دانتوں اور زبان پر مسواک کرے حضرت ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے میں نے دیکھا آپ اپنی زبان پر مسواک کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری: ٢٤٤ صحیح مسلم: ٢٢٠) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس قدر مسواک کرتا ہوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ میں اپنے منہ کا اگلا حصہ گھسا دوں گا اور عرض کی جانب مسواک کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عرضاً

مسواک کرو اور کبھی کبھی تیل لگاؤ اور طاق مرتبہ سرمہ لگاؤ۔ (الدرر المنتثرہ:٣١) دائیں طرف سے مسواک کی ابتداء کرنا مستحب ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوتی پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضوء کرنے میں اور ہر کام میں دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے۔ (صحیح البخاری:١٦٨' صحیح مسلم:٢٢٦) اور مسواک کو دھولے تا کہ اس پر جو گرد و غبار اور میل ہے' وہ زائل ہو جائے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مسواک دیتے' میں اس کو دھوتی' میں اس سے ابتداء کر کے مسواک کرتی' پھر اس کو دھو کر آپ کو دیتی۔ (سنن ابوداؤد:٥٢) (المغنی لابن قدامہ ج ١ ص ١٢٠' دار الحدیث' قاہرہ' ١٤٢٥ھ)

مسواک کی موٹائی چھنگلی کے برابر ہو اور اس کی لمبائی ایک بالشت ہو' پیلو کی جڑ سے مسواک کرنا مستحب ہے' مسواک کرنے کے وقت کا کوئی پیمانہ نہیں ہے' اس وقت تک مسواک کرے حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے کہ اس کے دانتوں کا میل اور پیلاہٹ زائل ہو گئی ہے۔ ''المحیط'' میں مذکور ہے کہ عورتوں کا دنداسہ کرنا مسواک کے قائم مقام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٢٧٤)

٢٤٥- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ' عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ' عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ' اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ' یَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. [اطراف الحدیث:٨٨٩-١١٣٦]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابووائل از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف کرتے۔

(صحیح مسلم:٢٥٥' الرقم المسلسل:٥٨٢' سنن ابوداؤد:٥٥' سنن نسائی:٢' سنن ابن ماجہ:٢٨٦' صحیح ابن خزیمہ:١٣٦' صحیح ابن حبان:١٠٧٥' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ١٧٣' مسند احمد ج ٥ ص ٤٠٢ طبع قدیم' مسند احمد:٢٣٤١٥- ج ٣٨ ص ٤١٧-٤١٦' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

* مذکور الصدر دونوں حدیثیں شرح صحیح مسلم:٥٠١-٥٠٠- ج ١ ص ٩١٠ پر ہیں' ان کی شرح کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(١) مسواک کا لغوی اور شرعی معنی (٢) مسواک کے متعلق احکام شرعیہ (٣) منجن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ سے دانت صاف کرنا بھی مسواک کے حکم میں ہے (٤) احکام شرعیہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہونا۔

٧٤- بَابُ دَفْعِ السِّوَاكِ اِلَی الْاَکْبَرِ
بڑی عمر کے شخص کو مسواک دینا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب احکام مسواک کے متعلق ہیں۔

٢٤٦- وَقَالَ عَفَّانُ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَیْرِیَةَ' عَنْ نَافِعٍ' عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِیْ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ' فَجَاءَنِیْ رَجُلَانِ' اَحَدُهُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ' فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا' فَقِیْلَ لِیْ کَبِّرْ' فَدَفَعْتُهُ اِلَی الْاَکْبَرِ مِنْهُمَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور عفان نے کہا: ہمیں صخر بن جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک مسواک کے ساتھ مسواک کر رہا ہوں پس میرے پاس دو آدمی آئے' ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی عمر کا تھا' میں نے مسواک چھوٹے کو دے دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیں' پھر میں نے وہ مسواک ان میں سے بڑے کو دے دی۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ اخْتَصَرَهُ نُعَیْمٌ' عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ' عَنْ اُسَامَةَ' عَنْ نَافِعٍ' عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: نعیم نے اس حدیث کو مختصر روایت کیا ہے از ابن المبارک از اسامہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

اللّٰهُ عَنْهُمْ. (صحیح مسلم: ۲۲۷۱ الرقم المسلسل: ۵۸۲۳_۲۶ ۷۳)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عفان بن مسلم الصفار البصری ابوعثمان' ان سے آزمائش کے زمانے میں قرآن مجید کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے قرآن مجید کو مخلوق کہنے سے انکار کیا' یہ جرح اور تعدیل کرتے تھے'ان سے کہا گیا: اس سے رک جاؤ اور ان کو دس ہزار دینار کی پیش کش کی گئی' انہوں نے انکار کر دیا اور کہا: میں حق کو نہیں چھپا سکتا' یہ ۲۲۰ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے (۲) صخر بن جویریہ ابونافع التمیمی' یہ ثقہ راوی ہیں (۳) نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام (۴) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما (۵) امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (۶) نعیم بن حماد المروزی الخزاعی مصری' امام احمد نے کہا: ہم ان کو الفارض کہتے تھے کیونکہ یہ علم الفرائض کے سب سے بڑے عالم تھے'ان سے قرآن مجید کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے ان کی منشاء کے مطابق جواب نہیں دیا تو ان کو قید کر لیا گیا' حتیٰ کہ یہ قید خانے میں ہی ۲۲۸ھ میں فوت ہو گئے' یہ اسحاق بن ہارون رشید کی خلافت کا زمانہ تھا (۷) عبداللہ بن المبارک (۸) اسامہ بن زید اللیثی' ان پر جرح کی گئی ہے' یہ ۱۵۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۷۶)

اصل حدیث جس کا اختصار کیا گیا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے متن کا نُعیم بن حماد نے اختصار کیا ہے' اصل حدیث کا متن اس طرح ہے:

نافع' حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت جبریل نے حکم دیا کہ میں بڑے کو دوں یا کہا: بڑے کو مقدم رکھو۔

(المعجم الاوسط: ۳۲۴۳' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے' ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا تو مسواک کی فضیلت میں آپ کی طرف یہ وحی کی گئی کہ آپ ان میں سے بڑے کو مسواک دیں۔

(سنن ابوداؤد: ۵۰)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عائشہ کی روایت میں بیداری کا واقعہ ہے اور امام بخاری نے خواب کا واقعہ بیان کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خواب بیداری میں بیان کر دیا تو اس کو حضرت عائشہ نے بیان کیا۔

بڑی عمر والے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مجلس میں بڑی عمر کا شخص موجود ہو تو اس کا حق مقدم ہے' ماسوا اس کے کہ کم عمر دائیں جانب ہو تو پھر دائیں جانب والے کا حق مقدم ہے' جیسا کہ آپ نے ایک مجلس میں کم عمر لڑکے کو اپنا بچا ہوا دودھ عطا کیا' کیونکہ وہ دائیں جانب تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۰۲_۲۳۵۱' صحیح مسلم: ۲۰۳۰) اور حضرت حویصہ اور محیصہ اپنے مقتول کی دیت کے سلسلہ میں بات کرنے آئے تو آپ نے فرمایا: بڑے کو بات کرنے دو۔

(صحیح البخاری: ۶۱۴۳_۲۷۰۲' صحیح مسلم: ۱۶۶۹' سنن ابوداؤد: ۴۵۲۰' سنن ترمذی: ۱۴۲۲' سنن نسائی: ۴۷۲۴' سنن ابن ماجہ: ۲۶۷۷)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۸۱۶_ ج ۶ ص ۶۵۵ پر مذکور ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

۷۵- بَابُ فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوْءِ اس شخص کی فضیلت جو وضوء کر کے رات کو سویا

باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں وضوء کی فضیلت کا ذکر ہے' ہر چند کہ پہلے باب میں مسواک کی فضیلت ہے' لیکن مسواک بھی وضوء کی سنت ہے۔

٢٤٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَيْتَ مَضْجَعَكَ، فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ، ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ، وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ، لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ، فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ، فَاَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ. قَالَ فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا بَلَغْتُ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ، قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ، قَالَ لَا، وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ.

[اطراف الحدیث: ٦٣١١-٦٣١٣-٦٣١٥-٧٤٨٨]

(صحیح مسلم: ٢٧١٠، الرقم المسلسل: ٦٧٥٥، سنن ابوداؤد: ٥٠٤٦، سنن ترمذی: ٣٥٧٤، السنن الکبریٰ للنسائی: ١٠٦١٩، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ٧٨٣، مسند احمد ج ٤ ص ٢٩٠ طبع قدیم، مسند احمد: ١٨٥٦١۔ ج ٣٠ ص ٥٣٠، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از منصور از سعد بن عبیدہ از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو اس طرح وضوء کرو جس طرح نماز کے لیے وضوء کرتے ہو پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ پھر یہ دعا کرو: اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیری طرف جھکا دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تیرے ثواب کی رغبت سے اور تیرے عذاب کے خوف سے تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنا دیا تیرے سوا کوئی پناہ کی اور نجات کی جگہ نہیں ہے اے اللہ! میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی ہے اور میں تیرے اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا ہے پھر اگر تم اس رات میں فوت ہو گئے تو فطرت پر فوت ہو گئے اس دعا کو سب سے آخر میں پڑھنا حضرت البراء نے کہا: میں نے اس دعا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا جب میں ان کلمات پر پہنچا: اے اللہ! میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل کیا تو میں نے کہا: اور میں تیرے اس رسول پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا (نبی کی بجائے رسول کہا) تو آپ نے فرمایا: وہی کہو: میں تیرے اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

دعا میں مذکور بعض کلمات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: میں نے اپنے چہرے کو تیری طرف جھکا دیا اس کا معنی ہے: میں نے اپنی ذات کو تیرا فرماں بردار بنا دیا اور تیرے احکام کا اطاعت کرنے والا بنا دیا اور میرے تمام اعضاء تیرے احکام کے تابع ہیں۔

اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا: میں نے اپنے آپ کو تسلیم و رضا کا خوگر بنا دیا اور قضاء و قدر پر راضی ہو گیا۔

تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنا دیا: میں نے اپنے تمام معاملات میں تجھ پر توکل کیا اور تجھ پر اعتماد کیا۔

تو تم فطرت پر فوت ہو گئے: یعنی دین اسلام پر فوت ہو گئے اور فطرت کا معنی سنت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ دین قویم پر اور ملت ابراہیم پر فوت ہو گئے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: ''اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○'' (البقرہ: ١٣١) میں نے رب العلمین کے لیے سر اطاعت خم کر دیا۔ اسی طرح جب وہ کہے گا: میں نے اپنے چہرہ کو تیری طرف جھکا دیا تو اس کا معنی ہے: میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا کیونکہ نفع کے حصول اور ضرر کو دفع کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں ہے پس میرا معاملہ تیرے حوالے ہے تو جو چاہے کر۔

''وبنبیك الذی ارسلت'' کی ''وبرسولك الذی ارسلت'' پر وجوہ ترجیح

حضرت البراء نے جب کلمات دعا کو دہرایا تو کہا: میں تیرے اس رسول پر ایمان لایا' جس کو تو نے بھیجا (نبی کے بجائے رسول کہا) تو آپ نے فرمایا: نہیں! وہی کہو میں تیرے اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا۔ آپ نے حضرت البراء کے تبدیل شدہ الفاظ کو رد کر دیا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا: ''میں تیرے اس نبی پر ایمان لایا' جس کو تو نے بھیجا'' اس میں نبوت اور رسالت کے دونوں وصف آ گئے اور حضرت البراء نے جو کہا: ''میں تیرے اس رسول پر ایمان لایا' جس کو تو نے بھیجا'' اس میں صرف رسالت کا ذکر ہے اور وصف رسالت کا تکرار ہے کیونکہ ''بھیجا'' بھی رسالت کا معنی ہے۔

(۲) وظائف اور اذکار کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں' ان میں ان ہی الفاظ کا اثر ہوتا ہے اور ان ہی پر اجر ملتا ہے' جو بتائے جاتے ہیں اور از خود الفاظ بدلنے سے نہ وہ اثر ہوتا ہے اور نہ وہ اجر ملتا ہے۔ اس لیے نابینا صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا تعلیم فرمائی تھی: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ''۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۴۹۵' عمل الیوم واللیلۃ: ۶۵۹' صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۱۹' المستدرک ج ۱ ص ۵۱۹۔ ۳۱۳' المعجم الکبیر: ۸۳۱۱' المعجم الصغیر: ۵۰۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۷۲۴۰۔ ج ۲۸ ص ۴۷۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے: اس حدیث میں یا محمد کو یا رسول اللہ سے بدل دینا چاہیے' لیکن ان علماء کا یہ قول صحیح نہیں ہے' صحیح وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور آپ کے بتائے ہوئے الفاظ کو اپنی رائے سے بدل دینا جائز نہیں ہے' جیسا کہ حضرت البراء نے جب ''بنبیك'' کی جگہ ''برسولك'' کہا تو آپ نے فرمایا: نہیں! وہی کہو جو میں نے کہا تھا۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کے ان ہی الفاظ کی وحی کی گئی ہو تو یہ الفاظ توقیفی تھے' آپ نے ان ہی الفاظ کو لازم قرار دیا۔

(۴) نبی کا لفظ تو ''نبأ'' سے بنا ہے' جس کا معنی خبر دینا ہے یا ''نبو'' سے بنا ہے' جس کا معنی بلندی ہے اور نبی کو اس لیے نبی کہتے ہیں کہ وہ غیب کی خبریں دیتا ہے اور وہ اپنی امت پر بلند ہوتا ہے' سو جب ''بنبیك الذی ارسلت'' کہا تو یہ دونوں معنی حاصل ہو گئے اور جب ''برسولك الذی ارسلت'' کہا تو صرف رسالت کے معنی کا تکرار ہوا اور یہ معنی حاصل نہ ہوئے۔

(۵) ''وبرسولك الذی ارسلت'' کے الفاظ رسل ملائکہ کو بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی رسول ہیں' جن کو اللہ نے بھیجا ہے اور جب ''وبنبیك الذی ارسلت'' کہا تو رسل ملائکہ سے احتراز ہو گیا۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ نبی کے لفظ میں رسول کے لفظ سے زیادہ مدح ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۰) لیکن علامہ عینی نے اس وجہ کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ بلکہ رسول کے لفظ میں نبی سے زیادہ مدح ہے کیونکہ رسالت نبوت کو مستلزم ہوتی ہے اور نبوت رسالت کو مستلزم نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۸۰)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کی بات صحیح ہے کیونکہ عربی میں رسول کا لفظ رسول اللہ کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ ہر سفیر اور قاصد اور پیغام لانے والے کو رسول کہا جاتا ہے' جب کہ نبی کا لفظ نبی کے ساتھ خاص ہے' اس کا اطلاق غیر نبی پر نہیں ہوتا' سو یہ وصف مخصوص ہے' جب کہ رسول لفظ مخصوص نہیں ہے' اس لیے نبی کے لفظ میں رسول کے لفظ سے زیادہ مدح ہے' اس لیے آپ نے فرمایا: نہیں! ''وبنبیك الذی ارسلت'' کہو۔

روایت بالمعنیٰ کا جواز' رات کو وضوء کر کے اور اللہ کا ذکر کر کے سونا' دائیں کروٹ پر سونا اور موت کے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کی دعا کرنا

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے' بلکہ جب حدیث روایت کی جائے تو وہی الفاظ کہنے ضروری ہیں' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے ہیں' میں کہتا ہوں کہ دعائیہ الفاظ کی حد تک تو یہ بات صحیح ہے' لیکن یہ عام قاعدہ نہیں ہے' جب کہ اس حدیث میں نبی کی جگہ رسول کے لفظ کو منع کرنے کی اور بھی وجوہ ہیں' جن کو ہم نے بیان کیا ہے' روایت بالمعنیٰ کے جواز کے دلائل اپنی جگہ مذکور ہیں۔ (اس پر اجماع ہے کہ احادیث کا ترجمہ کرنا جائز ہے' یہ روایت بالمعنیٰ کے جواز کی ایک دلیل ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کو وضوء کر کے سونا اور اللہ سے دعا کر کے سونا مستحب عمل ہے۔

اس حدیث میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ دائیں کروٹ پر سونا چاہیے' اطباء کہتے ہیں کہ بائیں کروٹ پر سونا چاہیے' اس سے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے' بادشاہوں کا طریقہ چت لیٹ کر سونا ہے اور کافروں کا طریقہ اوندھے لیٹ کر سونا ہے' ہم مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت اور آپ کی سنت کے مطابق دائیں کروٹ پر لیٹ کر سونا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنی چاہیے۔ اللہ کا ذکر کر کے سونا چاہیے تا کہ ہمارا خاتمہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہو' وہ کتنے گم راہ اور بدنصیب لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری یہ دعا ہے کہ مرتے وقت ہماری زبان پر (اللہ کے نام کے بجائے) ہمارے پیر کا نام ہو' ہم ایسی دعاؤں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں کہ مرتے وقت ہماری زبان پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہو۔ (آمین)

الحمد للہ رب العلمین! یہاں پر ''کتاب الوضوء'' ختم ہو گئی' اب ان شاء اللہ ''کتاب الغسل'' شروع ہو گی۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٦٧٥٧۔ ج ٧ ص ٤٨٦ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی' صرف ڈیڑھ سطر میں فائدہ لکھا گیا ہے۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

۵-کِتَابُ الْغُسْلِ
غسل کا بیان

اس کتاب میں غسل کے احکام بیان کیے گئے ہیں' غسل کا معنی ہے: تمام جسم پر پانی بہانا' غرارے کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔
امام بخاری نے طہارت صغریٰ کے احکام سے فارغ ہونے کے بعد طہارت کبریٰ کا بیان شروع کیا۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدہ:٦)۔ وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ (النساء:٤٣)۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو' پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو' سو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر اس پاک مٹی سے مسح کرو' اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا' لیکن وہ تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کردے شاید تم شکر ادا کروO'' (المائدہ:٦) اور اللہ عزوجل کا قول ہے: ''اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں' مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو' پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو' سو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرو' بے شک اللہ نہایت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہےO'' (النساء:٤٣)۔

امام بخاری نے ''کتاب الغسل'' کو مذکور الصدر دو آیتوں سے شروع کیا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جنبی پر غسل قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے' ایک یہ آیت ہے: ''اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرلو'' (المائدہ:٦) یعنی غسل کرلو' اور دوسری یہ آیت ہے: ''اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو' حتیٰ کہ تم غسل کرلو'' (النساء:٤٣) اس آیت میں صراحۃً بیان فرمایا کہ جنبی آدمی پر غسل کرنا فرض ہے۔

۱- بَابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ غسل سے پہلے وضوء کرنا

اس باب میں یہ بتایا ہے کہ غسل کرنے سے پہلے وضوء کرنا سنت ہے' جیسا کہ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

۲۴۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ هِشَامٍ' عَنْ اَبِيْهِ' عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ' بَدَاَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ' ثُمَّ تَوَضَّاَ كَمَا يَتَوَضَّاُ لِلصَّلٰوةِ' ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ' ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ' ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ. [اطراف الحدیث: ۲۶۲-۲۷۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تو پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے' پھر اس طرح وضوء کرتے' جس طرح نماز کا وضوء کرتے تھے' پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کر کے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے' پھر اپنے ہاتھوں سے تین چلو پانی لے کر سر پر بہاتے' پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے۔

(صحیح مسلم: ۳۱۶' الرقم المسلسل: ۷۰۳' سنن نسائی: ۲۴۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص ۶۴-۶۳' صحیح ابن حبان: ۱۱۹۶' سنن بیہقی ج۱ ص ۱۷۵' معرفۃ السنن والآثار: ۱۴۲۵' شرح السنۃ: ۲۴۶' مصنف عبدالرزاق: ۹۹۷' مسند الحمیدی: ۱۶۳' مسند احمد ج ۶ ص ۵۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۴۲۵۷- ج ۴۰ ص ۳۰۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

غسل سے پہلے وضوء کا سنت ہونا اور پیروں کو ابتداء میں دھونے اور غسل کے بعد دھونے کی احادیث میں تطبیق

اس حدیث کے شروع میں "کَانَ" ہے' جو دوام اور لزوم پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ ہمیشہ جب غسل جنابت کرتے تو پہلے وضوء کرتے تھے' الا یہ کہ اگر جسم کے کسی حصہ پر ایسی چیز لگی ہو' جس کا دھونا واجب ہو تو پہلے اس کو دھوتے تھے' پھر اس کے بعد وضوء کرتے تھے اور یہ کہ غسل سے پہلے وضوء کرنا سنت ہے۔ غسل سے پہلے وضوء کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ دونوں جمع ہو جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ اس طرح وضوء کرتے تھے' جس طرح نماز سے پہلے وضوء کرتے تھے' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ پیر بھی دھوتے تھے اور بعض اوقات آپ پیر غسل کے بعد دھوتے تھے' جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے' ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اگر غسل کرنے کی جگہ صاف ہو اور غسل کا پانی گزرنے کے لیے نالی ہو یا پانی وافر مقدار میں ہو تو آپ وضوء کے ساتھ پیروں کو دھو لیتے تھے اور اگر غسل کی جگہ صاف نہ ہو یا غسل کا پانی نکلنے کے لیے کوئی نالی نہ ہو یا پانی کی مقدار کم ہو تو آپ پیروں کا دھونا مؤخر کر دیتے اور غسل کے بعد پیروں کو دھوتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے تھے' ہمارے نزدیک یہ سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔

اس حدیث میں تمام جسم پر پانی بہانے کا ذکر ہے' ملنے کا ذکر نہیں ہے' ہمارے اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جسم کو ملنا مستحب ہے' علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ لازم ہے' مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث میں تین چلو پانی جسم پر بہانے کا ذکر ہے اور یہ بالاتفاق مستحب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۸۶ 'فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۲)

۲۴۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ، غَيْرَ رِجْلَيْهِ، وَغَسَلَ فَرْجَهٗ وَمَا اَصَابَهٗ مِنَ الْاَذٰى، ثُمَّ اَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، ثُمَّ نَحّٰى رِجْلَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا، هٰذِهٖ غُسْلُهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ. [اطراف الحدیث: ۲۵۷-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۵-۲۶۶-۲۷۴-۲۷۶-۲۸۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح وضوء کیا' جس طرح نماز کے لیے وضوء کرتے ہیں' ماسوا اپنے پیروں کے اور اپنی شرم گاہ کو دھویا اور اس پر جو نجاست تھی' اس کو دھویا' پھر اپنے اوپر پانی بہایا' پھر اپنے پیروں کو ایک طرف رکھ کر انہیں دھویا' یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔

(صحیح مسلم: ۳۱۷' الرقم المسلسل: ۷۰۷' سنن ابوداؤد: ۲۴۵' سنن ترمذی: ۱۰۳' سنن نسائی: ۲۵۳' سنن ابن ماجہ: ۴۶۷' صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۱' مصنف عبد الرزاق: ۹۹۸' مسند الحمیدی: ۳۱۶' صحیح ابن حبان: ۱۱۹۰' المعجم الکبیر: ۱۰۲۳-ج ۲۳' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۷۳' معرفۃ السنن والآثار: ۱۴۳۰' شرح السنۃ: ۲۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۴ ص ۳۸۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کے سات رجال ہیں' ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

غسل کے بعد پیروں کو دھونے کی تصریح' منی اور جماع کے بعد نکلنے والی رطوبت فرج کی نجاست پر دلیل

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کے بعد پیروں کو دھویا' اس کی وجوہ ہم حدیث: ۲۴۸ کی شرح میں بیان کر چکے ہیں' اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ غسل کی ابتداء بھی وضوء سے ہو اور غسل کی انتہاء بھی وضوء پر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی شرم گاہ کو دھویا اور اس پر جو نجاست تھی' اس کو دھویا اور اس میں اس پر واضح دلیل ہے کہ منی نجس ہے اور جماع کے بعد جو رطوبت فرج نکلے' وہ بھی نجس ہے اور نجاست پر دلیل آپ کا ان کو دھونا ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: جس نے اس سے منی اور رطوبت فرج کی نجاست پر استدلال کیا' اس نے بعید استدلال کیا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۳)

علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھا: یہ استدلال تو بالکل ظاہر ہے' ان کا اس پر اعتراض بعید ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۸۸)

۲- بَابُ غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَاَتِهٖ — مرد اپنی عورت کے ساتھ غسل کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنا جائز ہے۔ اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب غسل جنابت کے احکام سے متعلق ہیں:

۲۵۰- حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں

مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ. کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے جس کو فرق کہا جاتا تھا (اس میں تقریباً آٹھ لیٹر پانی آتا تھا۔عینی)۔

[اطراف الحدیث: ۲۶۱-۲۶۳-۲۷۳-۲۹۹-۵۹۵۶-۷۳۳۹]

(صحیح مسلم: ۳۱۹، الرقم المسلسل: ۷۱۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۸، سنن نسائی: ۲۳۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۳۵، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۲۷، سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۹۴، مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۵۶۳۴۔ ج ۴۲ ص ۴۲۵، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے۔

مرد اور اس کی بیوی کا ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنے کا جواز اور ایک دوسرے کی شرم گاہ کی طرف دیکھنے کی تحقیق

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت اکٹھے ایک برتن سے پانی لے کر غسل کر سکتے ہیں، اسی طرح ایک برتن سے پانی لے کر وضوء بھی کر سکتے ہیں، بعض احادیث میں عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنے کی ممانعت ہے، اس حدیث کی سند پر جرح کی گئی ہے اور بر تقدیر ثبوت وہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔

الدراوردی نے کہا: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ مرد عورت کی شرم گاہ کی طرف اور عورت مرد کی شرم گاہ کی طرف دیکھ سکتی ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام ابن حبان نے سلیمان بن موسیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کی شرم گاہ کی طرف دیکھتا ہے، انہوں نے کہا: میں نے عطاء سے اس کا سوال کیا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا سوال کیا تو انہوں نے اس حدیث (صحیح ابن حبان: ۱۴۲۶) کا ذکر کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۱) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: یہ حدیث اسی مسئلہ پر نص ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۵)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے صحیح ابن حبان کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ ایک دوسرے کی شرم گاہ کی طرف دیکھتے تھے لیکن احادیث صحیحہ اس کے خلاف ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم گاہ کی طرف ہرگز نہیں دیکھا۔

(شمائل ترمذی: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۲۔ ۶۶۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۰۔ ۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۰۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۴، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۴۷، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۹۴، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۵)

امام ابو الشیخ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ازواج سے جماع کرتے تھے تو اپنے سر پر کپڑا ڈال لیتے تھے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم گاہ نہیں دیکھی اور نہ آپ نے میری شرم گاہ دیکھی۔ (ص ۲۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حیاء کے یہی احادیث مناسب ہیں!

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی المکی التوفی ۹۷۴ ھ لکھتے ہیں:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال حیاء ہے کہ آپ نے ایسا فعل نہیں کیا، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ آپ کی شرم گاہ کی طرف دیکھتیں، بلکہ ایسا فعل کیا جس کا تقاضا اس کو دیکھنے سے ممانعت تھی اور یہ آپ کی عظیم حیاء ہے کیونکہ عورت اپنے خاوند کی شرم گاہ کو از خود

دیکھنے کی جرأت نہیں کرتی' جب تک کہ اس کو اپنے خاوند کی رضا کا علم نہ ہو اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: میں نے آپ کی شرم گاہ نہیں دیکھی اور آپ نے میری شرم گاہ نہیں دیکھی۔ (اشرف الوسائل الی فہم الشمائل ص ۵۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اور علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے بھی اپنی شرحوں میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۲ ص ۲۱۷' شرح المناوی علی حاشیۃ جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۱۷' اصح المطابع' کراچی)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۳۵۔ ج ۱ ص ۱۰۱۶ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج مطہرات کے ساتھ غسل کرنے کی وضاحت۔

نوٹ: اس حدیث میں غسل کے ایک برتن کا ذکر کیا گیا ہے' جس کو فرق کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے اس میں پانی کی مقدار کے مختلف اوزان بیان کیے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۰) ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کا وزن ساڑھے تیرہ لیٹر لکھا ہے اور یہاں ''نعمۃ الباری'' میں اس کا وزن آٹھ لیٹر لکھا ہے۔

۳- بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهٖ

تقریباً چار لیٹر پانی سے غسل کرنا

۲۵۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِی شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِی اَبُوْ بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَةَ عَلٰى عَائِشَةَ' فَسَاَلَهَا اَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' فَدَعَتْ' بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ' فَاغْتَسَلَتْ' وَاَفَاضَتْ عَلٰى رَاْسِهَا' وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے عبد الصمد نے حدیث بیان کیا' انہوں نے کہا: مجھے شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے ابو بکر بن حفص نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے ابو سلمہ سے سنا' انہوں نے کہا: میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی' حضرت عائشہ کے پاس گئے' پس حضرت عائشہ کے بھائی نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے متعلق سوال کیا' حضرت عائشہ نے تقریباً چار لیٹر پانی کا ایک برتن منگایا' پھر آپ نے غسل کیا اور اپنے سر کے اوپر پانی ڈالا اور ہمارے اور حضرت عائشہ کے درمیان حجاب تھا۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ. وَبَهْزٌ' وَالْجُدِّیُّ' عَنْ شُعْبَةَ قَدْرِ صَاعٍ.

امام ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا: یزید بن ہارون اور بہز اور الجدی[1] نے شعبہ سے روایت کی ہے: اندازاً چار لیٹر۔

(صحیح مسلم: ۳۲۰' الرقم المسلسل: ۷۱۳' سنن نسائی: ۲۲۷)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) عبد اللہ بن محمد الجعفی المسندی (۲) عبد الصمد بن عبد الوارث التنوری (۳) شعبہ بن الحجاج (۴) ابو بکر بن حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۵) ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الرحمان بن عوف' یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے

[1] الجدی کا معنی ہے: جدّہ شہر کا رہنے والا' اور یہ وہ شہر ہے جو مکہ معظمہ کے ساحل پر واقع ہے۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۹۰' الصحاح ج ۲ ص ۴۵۳' فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۶' عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۴) یہی وہ شہر ہے جس کو عوام الناس جدہ یا جدّہ کہتے ہیں' جب کہ اس کا صحیح تلفظ جیم کے پیش کے ساتھ ہے۔ یہ بات غلط مشہور ہے کہ حضرت حواء کی قبر جدّہ میں ہے۔ علامہ طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت حواء حضرت آدم کے ساتھ ہندوستان کے بُود نامی پہاڑ کے غار میں مدفون ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۰۹۔۸۱)

تھے' ان کو حضرت عائشہ کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے دودھ پلایا تھا تو حضرت عائشہ ان کی رضاعی خالہ ہو گئیں (۶) حضرت عائشہ کے رضاعی بھائی' ان کا نام عبداللہ بن یزید ہے' حضرت عائشہ کے ایک اور رضاعی بھائی تھے' ان کا نام کثیر بن عبید تھا' یہ متعین نہیں ہے کہ یہ کون سے بھائی تھے اور اقرب یہ ہے کہ وہ آپ کے بھائی عبدالرحمان تھے (۷) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۳)

حضرت عائشہ کا اپنے محارم کو حجاب کے پیچھے غسل کر کے دکھانا

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں (حضرت عائشہ کے رضاعی بھانجے اور بھائی) نے حضرت عائشہ کا سر اور جسم کا اوپر وہ حصہ دیکھا' جس کو محرم کے لیے دیکھنا جائز ہے اور اگر ان دونوں نے آپ کے جسم کا اوپری حصہ نہ دیکھا ہوتا تو پھر حضرت عائشہ کے پانی منگانے اور غسل کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا' کیونکہ اگر حضرت عائشہ نے یہ سب پردے کے پیچھے کیا ہوتا تو پھر اس کا مآل یہ ہوتا کہ حضرت عائشہ ان کو بیان کرتیں اور ان دونوں کے اور حضرت عائشہ کے درمیان حجاب حائل تھا' وہ جسم کے ان حصوں کے لیے تھا' جن کو دیکھنا محارم کے لیے جائز نہیں ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۱۶۳' دارالوفاء' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں نے حضرت عائشہ کے غسل کرنے کے عمل کو دیکھا یعنی سر دھونے اور اوپر کے جسم پر پانی بہانے کا مشاہدہ کیا کیونکہ اگر وہ اس کا بھی مشاہدہ نہ کر سکتے تو پھر حضرت عائشہ کے پانی طلب کر کے' ان دونوں کی موجودگی میں غسل کا عمل دکھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور زبانی بیان کرنے میں اور عمل کر کے دکھانے میں کوئی فرق نہ رہتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں کا سوال پانی کی مقدار میں بھی تھا کہ غسل کے لیے کتنی مقدار پانی ضروری ہے اور غسل کی کیفیت کے متعلق بھی تھا' حضرت عائشہ نے اپنے عمل سے دونوں باتوں کی طرف رہنمائی کی' غسل کی کیفیت تو اپنے اوپر پانی بہا کر بتائی اور غسل کے لیے پانی کی مقدار ایک صاع (چار لیٹر پانی) سے غسل کر کے بتائی۔ اگر حضرت عائشہ ان کو صرف زبانی ہی بتا دیتیں تو ان کو پھر بھی مسئلہ معلوم ہو جاتا' لیکن ان کے اذہان میں اس قدر راسخ نہ ہوتا کیونکہ جب کوئی کام کر کے دکھایا جائے تو اس سے زیادہ شرح صدر ہوتا ہے' ہو سکتا ہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ایک صاع پانی غسل کے لیے کافی نہیں ہو سکتا تو آپ نے حجاب کے پیچھے انہیں غسل کر کے دکھا دیا کہ اتنی مقدار میں پانی کافی ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۸۶۔ ۷۸۵' مع الایضاح' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۳۶۔ ج ۱ ص ۱۰۱۶ پر مذکور ہے' اس کی شرح میں حضرت عائشہ کے غسل کر کے دکھانے کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲۵۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ' عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ' اَنَّهٗ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ وَاَبُوْهُ' وَعِنْدَهٗ قَوْمٌ' فَسَاَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ يَكْفِيْكَ صَاعٌ. فَقَالَ رَجُلٌ مَا يَكْفِيْنِىْ' فَقَالَ جَابِرٌ كَانَ يَكْفِىْ مَنْ هُوَ اَوْفٰى مِنْكَ شَعَرًا وَخَيْرٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ابواسحاق' انہوں نے کہا: ہمیں ابوجعفر نے حدیث بیان کی کہ وہ اور ان کے والد حضرت جابر بن عبداللہ کے پاس تھے اور ان کے پاس اور لوگ بھی تھے' ان لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غسل کے متعلق سوال

مِنْكَ، ثُمَّ اَمَّنَا فِیْ ثَوْبٍ.[اطراف الحدیث:۲۵۵۔۲۵۶]
(صحیح مسلم:۳۲۹،الرقم المسلسل:۷۲۸،سنن ابن ماجہ:۵۷۷،سنن نسائی:۲۵۲)

کیا،حضرت جابر نے کہا:تمہارے لیے ایک صاع(چار لیٹر پانی) کافی ہے،ایک شخص نے کہا:میرے لیے یہ کافی نہیں ہے،حضرت جابر نے کہا:جن کے تم سے زیادہ بال تھے اور جو تم سے افضل تھے،ان کے لیے اتنا پانی کافی ہوتا تھا،پھر حضرت جابر نے ہمیں ایک کپڑے میں نماز پڑھائی۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے:تمہارے لیے ایک صاع پانی کافی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱)عبداللہ بن محمد الجعفی (۲)یحییٰ بن آدم الکوفی،یہ ۲۰۳ھ میں فوت ہو گئے تھے(۳)زہیر بن معاویہ الکوفی الجزری (۴)ابواسحاق السبیعی عمرو بن عبداللہ الکوفی (۵)ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب،یہ باقر کے نام سے مشہور ہیں،یہ بقیع میں عباس کے ساتھ مشہور گنبد میں دفن کیے گئے(۶)ان کے والد زین العابدین ہیں(۷)حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے سوال کیا،اس سے مراد حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب ہیں،ان کے والد ابن الحنفیہ کے نام سے معروف تھے۔

غسل طہارت کے لیے چار لیٹر پانی کا کافی ہونا اور صرف تہبند باندھ کر نماز پڑھنے کا جواز

حضرت جابر نے کہا:جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے افضل تھے،ان کے غسل کے لیے اتنا پانی کافی ہوتا تھا،اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔حضرت جابر نے ایک کپڑے میں نماز پڑھائی،محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور حضرت جابر نے کہا:میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کپڑا پہنے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا جائز نہیں ہے،اور مستحب یہ ہے کہ ایک صاع یعنی چار لیٹر پانی سے غسل کیا جائے،البتہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا صفائی کے قصد سے زیادہ پانی استعمال کرنا صحیح ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔حضرت جابر کے شاگرد نے ان پر اعتراض کیا کہ ایک صاع پانی میرے لیے کافی نہیں ہے اور حضرت جابر نے اس کا جواب دیا،اس میں مناظرہ کا ثبوت ہے۔

ننگے سر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے

غیر مقلد ٹوپی اتار کر نماز پڑھتے ہیں اور ننگے سر نماز پڑھنے کو حضرت جابر کی سنت کہتے ہیں،لیکن صرف ٹوپی یا عمامہ اتارنے سے یہ سنت کیسے ادا ہوتی ہے،جب کہ انہوں نے بنیان،قمیص،شلوار اور ویس کوٹ،شیروانی وغیرہ پہنی ہوتی ہے،اگر حضرت جابر ہی کی سنت اپنانی ہے تو صرف ایک تہبند باندھ کر نماز پڑھا کریں۔حضرت جابر نے اپنی وجہ خود بیان کی ہے کہ اس زمانہ میں ہر شخص کے پاس دو چادریں کب ہوتی تھیں اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حالی اور وسعت عطا فرمائی ہے اور وہ متعدد کپڑے پہنتے ہیں تو عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنی چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام اور غالب معمول یہی تھا کہ آپ عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھتے تھے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم:۶۵۱۔ج ۱ص ۱۰۲۲ پر مذکور ہے،اس کی شرح میں بحث اور مناظرہ کا ثبوت لکھا ہے۔

۲۵۳-حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از عمرو از

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ. وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ قَدْرِ صَاعٍ.

جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے' اور یزید بن ہارون اور بہز اور الجدی نے از شعبہ بیان کیا: وہ برتن ایک صاع کے اندازے کا تھا۔

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ أَخِيْرًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ، وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَاهُ أَبُوْ نُعَيْمٍ.

امام عبداللہ (بخاری) نے کہا: ابن عیینہ نے اخیر میں کہا از حضرت ابن عباس از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روایت ہے اور صحیح وہ ہے جو ابونعیم نے روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۲۲' الرقم المسلسل: ۷۱۸' سنن ترمذی: ۶۲' سنن نسائی: ۲۳۲' سنن ابن ماجہ: ۳۷۷' مصنف عبد الرزاق: ۱۰۳۷' صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۸' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۸۸' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۵۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۶' مسند احمد: ۳۴۶۵۔ ج ۵ ص ۳۲۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مرد اور اس کی بیوی کا ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنا جائز ہے۔

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۴۱۔ ج ۱ ص ۱۰۱۷ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٤- بَابُ مَنْ أَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثًا — جس شخص نے اپنے سر پر تین بار پانی ڈالا

باب سابق اور یہ باب دونوں احکام غسل سے متعلق ہیں۔

٢٥٤- حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَأُفِيْضُ عَلٰى رَأْسِيْ ثَلَاثًا. وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا. (صحیح مسلم: ۳۲۷' الرقم المسلسل: ۷۲۵' سنن ابوداؤد: ۲۳۹' سنن نسائی: ۲۵۰' سنن ابن ماجہ: ۵۷۵' المعجم الکبیر: ۱۴۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۷۶' مسند احمد ج ۴ ص ۸۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۷ ص ۳۱۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق' انہوں نے کہا: مجھے حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہا میں' تو میں اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتا ہوں' آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) ابونعیم الفضل بن دکین (۲) زہیر بن معاویہ الجعفی (۳) ابواسحاق السبیعی عمرو بن عبداللہ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ' یہ افاضل صحابہ میں سے ہیں' انہوں نے ۱۵' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری نے ان میں سے دو روایت کی ہیں' انہوں نے مسلمانوں میں سب سے پہلے کوفہ میں رہائش اختیار کی' انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون کے مطالبہ میں چار ہزار مسلمانوں کی قیادت کی' ان کا نام التوابین رکھا گیا اور یہ ان کے امیر تھے' ان کو عبیداللہ بن زیاد کے لشکر نے الجزیرہ میں ۶۵ھ میں شہید کر دیا (۵) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ' انہوں نے ۶۰' احادیث روایت کی ہیں' امام بخاری نے ان میں سے ۹' احادیث روایت کی ہیں' یہ سادات قریش میں سے تھے' مدینہ منورہ میں ۵۴ھ میں فوت ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۸۔ ۲۹۷)

حدیث مذکور کی شرح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل میں سنت یہ ہے کہ تین دفعہ پورے جسم پر پانی بہایا جائے اور فرض یہ ہے کہ پورے جسم پر ایک مرتبہ پانی بہایا جائے اور ایک بار غرارہ کیا جائے اور ایک بار ناک میں پانی ڈالا جائے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم:۶۴۹۔ج۱ص۱۰۲۲ پر مذکور ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۲۵۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از مخول بن راشد از محمد بن علی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر تین بار پانی ڈالتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح صحیح البخاری:۲۵۴ میں ہوگئی ہے۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم:۶۵۰۔ج۱ص۱۰۲۲ پر مذکور ہے۔

۲۵٦- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ لِي جَابِرٌ أَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ، يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ، قَالَ كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ؟ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَكُفٍّ وَيُفِيضُهَا عَلٰى رَأْسِهِ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهِ، فَقَالَ لِيَ الْحَسَنُ إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعَرِ، فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں معمر بن یحییٰ بن سام نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے ابوجعفر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا انہوں نے کہا: میرے پاس آپ کے عم زاد آئے تھے اس سے ان کی مراد الحسن بن محمد الحنفیہ تھے انہوں نے کہا: غسل جنابت کس طرح ہوتا ہے؟ تو میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین بار ہتھیلیوں میں پانی لیتے اور اس کو اپنے سر پر ڈالتے پھر اپنے تمام جسم پر پانی ڈالتے مجھ سے حسن نے کہا: میں بہت زیادہ بالوں والا شخص ہوں تو میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال آپ سے بہت زیادہ تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری:۲۵۲ کا مطالعہ کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواہ بال بہت زیادہ ہوں پھر بھی سر پر تین بار پانی ڈالنا کافی ہے اور مسائل میں علماء سے سوال اور بحث کرنا جائز ہے۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم:۶۵۱۔ج۱ص۱۰۲۲ پر مذکور ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۵- بَابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَّاحِدَةً

ایک بار پانی ڈال کر غسل کرنا

۲۵۷- حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی از الاعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً لِلْغُسْلِ ' فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ' ثُمَّ أَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهِ ' فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ ' ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ ' ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ' وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ' ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ ' ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.

وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا' آپ نے دو یا تین بار ہاتھوں کو دھویا' پھر اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا' پھر اپنی شرم گاہ کو دھویا' پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑا' پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا' پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہایا' پھر اس جگہ سے منتقل ہوئے اور اپنے پیروں کو دھویا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۴۹ کا مطالعہ کریں۔

٦- بَابُ مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

غسل کے وقت حلاب یا خوشبو سے ابتداء کرنا

حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا ایک مرتبہ دوہا ہوا پورا دودھ سما سکے' اس کے بعد خوشبو کا ذکر کیا' کیونکہ عموماً غسل کے وقت خوشبو لگائی جاتی ہے۔

۲۵۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ ' عَنْ حَنْظَلَةَ ' عَنِ الْقَاسِمِ ' عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ ' دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ ' فَأَخَذَ بِكَفِّهِ ' فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ' ثُمَّ الْأَيْسَرِ ' فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى وَسَطِ رَأْسِهِ. (صحیح مسلم: ۳۱۸' الرقم المسلسل: ۷۱۰' سنن ابوداؤد: ۲۴۰' سنن نسائی: ۴۲۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از حنظلہ از قاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل جنابت کرتے تو حلاب کی مثل کوئی برتن منگاتے' پھر ہتھیلی میں پانی لے کر سر کی دائیں جانب سے ابتداء کرتے' پھر بائیں جانب' پھر دونوں ہتھیلیوں سے سر کے درمیان میں پانی ڈالتے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن المثنیٰ' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) ابوعاصم الضحاک بن مخلد البصری' ان کے علم اور عمل پر اتفاق ہے' ان کا لقب نبیل ہے' کیونکہ شعبہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ ایک مہینہ حدیث نہیں بیان کریں گے' ابوعاصم کو یہ خبر پہنچی تو وہ ان کی مجلس میں گئے اور کہا: آپ حدیث بیان کریں' آپ کی قسم کے کفارے میں ایک غلام آزاد ہے' وہ اس سے بہت خوش ہوئے اور کہا: ابوعاصم النبیل' اس دن سے ان کا لقب نبیل پڑ گیا۔ باقی رجال کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۰۴)

حدیث مذکور کی شرح

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مستحب یہ ہے کہ غسل کے لیے پانی کا برتن تیار کیا جائے اور پہلے دائیں جانب' پھر بائیں جانب اور پھر سر کے وسط میں پانی ڈالا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ باب کے عنوان میں خوشبو کا ذکر ہے اور حدیث میں خوشبو کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے حلاب اور خوشبو دونوں کا ذکر نہیں کیا تھا' بلکہ کہا تھا: حلاب یا خوشبو یعنی حدیث میں دونوں میں سے ایک کا ذکر ہوگا اور عنوان

میں خوشبو کا ذکر کر کے یہ اشارہ کیا کہ غسل سے پہلے یا بعد خوشبو کا لگانا جائز ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۴۳۔ ج ا ص ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۴ پر مذکور ہے وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۷- بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ
(غسل) جنابت میں غرارے کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

غسل جنابت میں غرارے اور ناک میں پانی چڑھانے کی فرضیت کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ غسل جنابت میں وضوء کرنا فرض نہیں ہے اور جب غسل جنابت سے وضوء کی فرضیت ساقط ہو گئی تو کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت بھی ساقط ہو گئی اور اس باب کی حدیث میں جو کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر ہے تو وہ حصول فضیلت کا ذکر ہے۔ (شرح ابن بطال ج ا ص ۳۸۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے علامہ ابن بطال کی اس عبارت کو نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا حصول فضیلت کے لیے ہے' سو یہ مستحب ہے' واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ا ص ۷۹۱' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ' ان دونوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے اور وجوب کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ غسل جنابت میں کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور کبھی اس کو ترک نہیں کیا اور کسی حدیث میں اس کو ترک کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لیے تین مرتبہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض قرار دیا۔ (سنن دارقطنی ج ا ص ۱۱۵) لیکن اس پر اجماع ہے کہ اس سے دو مرتبہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا خارج ہے اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے (تو ایک ایک مرتبہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے)۔ (فتح القدیر ج ا ص ۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چونکہ غسل جنابت میں مبالغہ سے طہارت کی جاتی ہے' اس لیے کلی کی جگہ غرارے کیے جاتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: پورے منہ کے اندر کو دھونا فرض ہے' اگر غسل کرنے والے نے وہ پانی پی لیا تو بھی کافی ہے اور ناک کے اندر سوکھے ہوئے میل کے نیچے بھی پانی پہنچانا فرض ہے۔ (رد المحتار ج ا ص ۲۵۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۵۹- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنَا مَيْمُونَةُ قَالَتْ صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا، فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: مجھے سالم نے حدیث بیان کی از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' وہ کہتے ہیں: ہمیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی'

قَالَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ ، ثُمَّ غَسَلَهَا ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ، وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ، ثُمَّ تَنَحَّى ، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ، ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ ، فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا.

وہ بیان کرتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے لیے (برتن میں) پانی ڈالا تو آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا' پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا' پھر اپنی شرم گاہ کو دھویا' پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر رکھ کر مٹی کے ساتھ ملا' پھر اس ہاتھ کو دھویا' پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پھر اپنے چہرے کو دھویا اور اپنے سر پر پانی بہایا' پھر ایک طرف گئے اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا' پھر تولیا لایا گیا' آپ نے اس سے بدن نہیں پونچھا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری:٢٤٩ میں ملاحظہ کریں۔

تولیے سے بدن کو پونچھنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر تولیا لایا گیا' آپ نے اس سے بدن نہیں پونچھا۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ ھ لکھتے ہیں:

وضوء اور غسل کے بعد اعضاء کو پونچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے' امام احمد سے اسی طرح منقول ہے' حضرت عثمان' حضرت الحسن بن علی' حضرت انس رضی اللہ عنہم اور بہت سے اہل علم کا یہی موقف ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس سے منع کیا ہے' کیونکہ حضرت میمونہ روایت کرتی ہیں کہ تولیا لایا گیا اور آپ نے اس سے بدن نہیں پونچھا۔ (صحیح البخاری:٢٥٩) اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تولیے کو ترک کرنا کراہت پر دلالت نہیں کرتا' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا' جس سے آپ وضوء کے (اعضاء کو) پونچھا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ:٤٦٦)

(المغنی ج١ص ١٨٢۔١٨١' دارالحدیث' قاہرہ' ١٤٢٥ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ بدن پونچھنے کو ترک کر دیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ گرمیوں میں بدن پونچھنا مکروہ ہے اور سردیوں میں مباح ہے۔

المہلب نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے بدن پونچھنے کو اس لیے ترک کیا ہو تا کہ پانی کی تری باقی رہے' یا تواضع کے لیے' یا ہوسکتا ہے کہ وہ کپڑا ریشم کا ہو یا میلا ہو' اس لیے آپ نے اس کو ترک کر دیا۔ الاعمش کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم النخعی سے اس مسئلہ کا ذکر کیا' انہوں نے کہا: تولیے میں کوئی حرج نہیں ہے' آپ نے اس کو اس لیے واپس کر دیا تھا کہ عادت نہ بن جائے۔

التیمی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ تولیے سے بدن پونچھتے تھے' اگر ایسا نہ ہوتا تو غسل کے بعد آپ کے پاس تولیا نہ لایا جاتا۔

ابن دقیق العید نے کہا: آپ کا اپنے ہاتھوں سے پانی کو جھاڑنا' اس پر دلیل ہے کہ بدن پونچھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ دونوں کا مقصود پانی کو زائل کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج٣ص ٢٨٩)

تولیے سے بدن کو پونچھنے میں حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

حضرت ام ھانی کی حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷، صحیح مسلم: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ: ۴۶۵، سنن نسائی: ۲۲۵)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اُون کا جبہ تھا' آپ نے وضوء کے بعد اس سے چہرہ پونچھا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۶۸)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آئے' ہم نے آپ کے لیے پانی رکھا' آپ نے غسل کیا' پھر ہم آپ کے پاس زرد رنگ کی چادر لائے' آپ نے اس چادر سے اپنے آپ کو لپیٹ لیا' پس گویا کہ میں آپ کے اوپر زرد رنگ کا اثر دیکھ رہا تھا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۶۶' سنن ابوداؤد: ۵۱۸۵' السنن الکبریٰ: ۱۰۱۵۷' المعجم الکبیر: ۹۰۲۔ج ۱۸' شعب الایمان: ۸۸۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک تولیا تھا' جس سے وضوء کے بعد آپ پونچھتے تھے۔
(سنن ترمذی: ۵۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا' جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وضوء کرتے تو کپڑے کی ایک طرف سے اپنا چہرہ پونچھتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۵۴)

عمرو بن حریث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل کرنے کے بعد ایک کپڑے سے بدن پونچھتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۷۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

زریق بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وضوء کرنے کے بعد اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کو پونچھتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۸۳)

الحکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے چہرے کو اپنے کپڑے سے پونچھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۸۷)

محمد بن منتشر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مسروق کے پاس ایک تولیا تھا' جس سے وہ پونچھتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۷۸)

یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری اور محمد بن سیرین وضوء کے بعد تولیے سے پونچھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۷۹)

وضوء اور غسل کے قطرات کا نجس نہ ہونا

اس حدیث میں ذکر ہے: پھر تولیا لایا گیا' آپ نے اس سے بدن نہیں پونچھا' حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ وضوء اور غسل کے بعد جو پانی کے قطرات گرتے ہیں' وہ پاک ہیں' اس کے برخلاف غالی حنفی کہتے ہیں کہ وہ قطرات نجس ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۸۴۷' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ قائل خود غالی ہے اور اس کو مذہب حنفیہ کی حقیقت کا علم نہیں ہے کیونکہ فقہاء احناف کا مذہب اور ان کا فتویٰ یہ ہے کہ وضوء اور غسل کا مستعمل پانی پاک ہے' حتیٰ کہ اس کو پینا جائز ہے اور اس سے سالن پکانا اور آٹا گوندھنا جائز ہے اور جنہوں نے کہا ہے کہ مستعمل پانی نجس ہے' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قطرے گرنے کی حالت میں وہ نجس ہے' انہوں نے یہ کہا ہے کہ جب مثلاً وضوء کرنے

والے کے عضوء سے پانی بہ کر کسی جگہ جمع ہو جائے تو وہ نجس ہے' لیکن اس قول پر فتویٰ نہیں ہے' فتویٰ اس قول پر ہے کہ وہ پانی طاہر ہے' لیکن مطہر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۰۔۲۸۹ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

۸- بَابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِيَكُوْنَ (لِتَكُوْنَ) اَنْقٰى

ہاتھ کو مٹی کے ساتھ ملنا تا کہ وہ صاف ہو جائے

۲٦۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ ' عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ ' عَنْ كُرَيْبٍ ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ ' اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ ' فَغَسَلَ فَرْجَهٗ بِيَدِهٖ ' ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ ' ثُمَّ غَسَلَهَا ' ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ' فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن زبیر الحمیدی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کیا' پھر آپ نے اپنی شرم گاہ کو اپنے ہاتھ سے دھویا' پھر اپنے ہاتھ کو دیوار پر ملا' پھر اس ہاتھ کو دھویا' پھر نماز کا وضوء کیا' پھر جب غسل سے فارغ ہو گئے تو اپنے پیروں کو دھویا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۵۷ کا مطالعہ کریں' وہاں اس حدیث سے یہ مسئلہ بتایا تھا کہ سر پر ایک بار پانی ڈالنا جائز ہے اور یہاں یہ بتایا ہے کہ ہاتھ کو صاف کرنے کے لیے دیوار پر ملنا جائز ہے' وہاں پر زمین پر ملنے کا ذکر تھا اور یہاں دیوار پر ملنے کا ذکر ہے۔

۹- بَابُ هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ قَبْلَ اَنْ يَغْسِلَهَا اِذَا لَمْ يَكُنْ عَلٰى يَدِهٖ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ؟

جب جنبی کے ہاتھ پر جنابت کے علاوہ کوئی اور نجاست نہ ہو تو کیا وہ ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ہاتھ ڈال سکتا ہے؟

امام بخاری نے کہا ہے: جب جنابت کے علاوہ اور کوئی نجاست نہ ہو' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابت بھی نجاست ہے' حالانکہ جب حضرت ابو ہریرہ جنبی تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! بے شک مسلمان نجس نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری: ۲۸۳' صحیح مسلم: ۳۷۱)

وَاَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهٗ فِي الطَّهُوْرِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ' ثُمَّ تَوَضَّاَ.

اور حضرت ابن عمر اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا اور اس کو دھویا نہیں' پھر وضوء کیا۔

حضرت ابن عمر کی حدیث ''سنن سعید بن منصور'' میں ہے اور حضرت البراء بن عازب کی حدیث حسب ذیل ہے:

اسماعیل بن رجاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت البراء بن عازب نے اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے وضوء کے پانی میں داخل کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ ھ)

امام بخاری پر اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث امام بخاری کے عنوان کے خلاف ہے:

محارب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے کہا: جو شخص جنبی ہو اور وہ چلو سے پانی لے تو جو پانی باقی بچے گا' وہ نجس ہوگا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۹۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب اس کے ہاتھ پر نجاست ہو۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ.

اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک غسل جنابت سے جو چھینٹیں اڑتی ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "مصنف عبدالرزاق" میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسب ذیل ہے:
ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص غسل جنابت کرتا ہے اور اس سے چھینٹیں اڑ کر غسل کے پانی کے برتن میں پڑتی ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۸۴)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام بخاری کا عنوان تو یہ تھا کہ جنبی ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی نجس نہیں ہوتا اور اس تعلیق سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ التزاماً ثابت ہے کیونکہ جب غسل جنابت کی چھینٹیں پڑنے سے پانی نجس نہیں ہوتا تو جنبی کے ہاتھ ڈالنے سے بھی پانی نجس نہیں ہوگا' بہ شرطیکہ اس کے ہاتھ پر نجاست نہ ہو۔

۲۶۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا اَفْلَحُ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ تَخْتَلِفُ اَيْدِيْنَا فِيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں افلح نے خبر دی از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے اور ہمارے ہاتھ اس برتن میں آگے پیچھے داخل ہوتے تھے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں جنبی تھے' ان کے ہاتھوں پر نجاست نہ تھی اور وہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۵۰ میں گزر چکی ہے' وہاں اس حدیث سے یہ ثابت کیا تھا کہ شوہر اور بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا جائز ہے اور یہاں یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈالنا جائز ہے۔

۲۶۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل جنابت کرتے تو اپنا ہاتھ دھوتے۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۴۸ کا مطالعہ فرمائیں۔

۲۶۳- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِنْ جَنَابَةٍ. وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بکر بن حفص از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل جنابت کرتے تھے' اور از عبدالرحمان بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی مثل مروی ہے۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۵۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

٢٦٤- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْاَةُ مِنْ نِسَائِهٖ، يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ. زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبٌ، عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن عبداللہ بن جبر' انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج میں سے ایک خاتون' دونوں ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے۔ مسلم اور وہب نے از شعبہ یہ اضافہ کیا: جنابت سے' یعنی غسل جنابت کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح کے لیے بھی صحیح البخاری: ۲۵۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

١٠- بَابُ تَفْرِيْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ — غسل اور وضوء الگ الگ کرنا

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں باب ایک جائز کام پر مشتمل ہیں' پہلا باب اس بیان میں ہے کہ جب ہاتھ پاک ہو تو اس کو پانی کے برتن میں داخل کرنا اور اس باب میں غسل اور وضوء کو الگ الگ کرنے کا ذکر ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهٗ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اعضاء وضوء خشک ہونے کے بعد اپنے پیروں کو دھویا۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

امام بیہقی' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بازار میں غسل کیا' اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور سر کا مسح کیا' پھر ایک جنازے کے لیے بلایا گیا تو وہ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے مسجد میں داخل ہوئے' پھر انہوں نے موزوں پر مسح کیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۹۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

٢٦٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهٖ، فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ، فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهٗ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَاْسَهٗ ثَلَاثًا، ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى جَسَدِهٖ، ثُمَّ تَنَحّٰى مِنْ مَّقَامِهٖ، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن محبوب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از سالم بن ابی الجعد از کریب مولیٰ حضرت ابن عباس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا' پس آپ نے ہاتھوں پر پانی ڈالا' پھر ان کو دو یا تین بار دھویا' پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا' پھر اپنی شرم گاہ کو دھویا' پھر اپنے اس ہاتھ کو زمین پر رگڑا' پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پھر اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو دھویا' اور اپنے سر کو تین بار دھویا' پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہایا' پھر اس جگہ سے ایک طرف ہو گئے' پس اپنے پیروں کو دھویا۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۴۹ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۱- بَابُ مَنْ اَفْرَغَ بِيَمِينِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فِى الْغُسْلِ

جس نے غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا

۲۶۶- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ ابْنِ اَبِى الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا وَسَتَرْتُهٗ، فَصَبَّ عَلٰى يَدِهٖ، فَغَسَلَهَا مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ. قَالَ سُلَيْمَانُ لَا اَدْرِىْ، اَذَكَرَ الثَّالِثَةَ اَمْ لَا. ثُمَّ اَفْرَغَ بِيَمِينِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ، فَغَسَلَ فَرْجَهٗ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ اَوْ بِالْحَائِطِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَاْسَهٗ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى جَسَدِهٖ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهٗ خِرْقَةً، فَقَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا، وَلَمْ يُرِدْهَا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از سالم بن ابی الجعد از کریب' حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا' وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا اور آپ پر پردہ کیا' آپ نے اپنے (دائیں) ہاتھ پر ایک بار یا دوبار پانی ڈال کر دھویا' سلیمان نے کہا: مجھے پتا نہیں' انہوں نے تیسری بار کا ذکر کیا تھا یا نہیں' پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا' پھر آپ نے اپنی شرم گاہ کو دھویا' پھر آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر یا دیوار پر رگڑا' پھر آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے کو اور ہاتھوں کو اور سر کو دھویا' پھر آپ نے اپنے تمام جسم پر پانی بہایا' پھر آپ ایک طرف ہو گئے اور اپنے پیروں کو دھویا' پھر میں نے آپ کو تولیا دیا' پس آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کا ارادہ نہیں کیا۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۵۹ میں مطالعہ کریں' وہاں اس حدیث کا عنوان تھا: غسل جنابت میں غرارے کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور یہاں اس حدیث کا عنوان ہے: غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا۔

۱۲- بَابُ اِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ، وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهٖ فِى غُسْلٍ وَّاحِدٍ

جب جماع کیا' پھر دوبارہ جماع کیا اور جس نے ایک غسل سے اپنی تمام ازواج سے جماع کیا

اس باب میں اس شخص کا حکم بیان کیا ہے' جس نے ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع کیا' اور جس نے ایک غسل کے ساتھ ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا۔

ایک رات میں تمام ازواج کے ساتھ جماع کرنے پر اس حدیث میں تصریح ہے:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی تمام ازواج کے پاس گئے' اس کے پاس جا کر غسل کرتے اور اُس کے پاس جا کر غسل کرتے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ایک غسل ہی کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: یہ (طریقہ) زیادہ ستھرا' زیادہ پاکیزہ اور زیادہ طاہر ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹' سنن ابن ماجہ: ۵۹۰' مسند احمد: ۲۳۹۲۳' دارالفکر)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع

کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ درمیان میں غسل کرے'اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اس پر درمیان میں غسل کرنا واجب نہیں ہے اور اس کی تصریح اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے' پھر وہ دوبارہ جانا چاہے تو دونوں جماع کرنے کے درمیان وضوء کریں۔

(صحیح مسلم:۳۰۸'سنن ابوداؤد:۲۲۰'سنن ترمذی:۱۴۱'سنن نسائی:۲۶۲'مسند احمد:۱۱۱۶۱'دار الفکر)

ابواب سابقہ کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ ابواب سابقہ میں غسل جنابت کے احکام بیان کیے گئے تھے اور اس باب میں غسل جنابت کا بھی ذکر ہے اور اس کے سبب کا بھی بیان ہے۔

۲۶۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي عَدِيٍّ ' وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ' عَنْ شُعْبَةَ ' عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ ' عَنْ اَبِيهِ قَالَ ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ' كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' فَيَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهِ ' ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَحُ طِيبًا.

[طرف الحدیث:۲۷۰]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی اور یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از شعبہ از ابراہیم بن محمد بن المنتشر از والد خود' وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا' انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمان پر رحم فرمائے' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی' پھر آپ تمام ازواج کے پاس گھومتے تھے' پھر صبح احرام باندھتے تھے اور آپ کے جسم سے خوشبو آ رہی ہوتی تھی۔

(صحیح مسلم:۱۱۹۲' الرقم المسلسل:۲۷۹۶' سنن نسائی:۴۱۴-۴۲۸' سنن ابن ماجہ:۲۹۲۶' مسند الحمیدی:۲۱۰' المنتقیٰ:۴۱۴' مسند ابویعلیٰ:۴۷۱۲' صحیح ابن خزیمہ:۲۵۸۱' سنن بیہقی ج۵ ص۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی:۴۱۵۹' سنن دارقطنی ج۲ ص۲۷۴' حلیۃ الاولیاء ج۷ ص۲۴۶' مسند احمد ج۶ ص۳۹ طبع قدیم' مسند احمد ج۴۰ ص۱۳۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: پھر آپ تمام ازواج کے پاس گھومتے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن بشار' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) ابن ابی عدی' ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے' یہ ۱۹۴ھ میں بصرہ میں فوت ہو گئے تھے (۳) یحییٰ بن سعید القطان (۴) شعبہ بن الحجاج (۵) ابراہیم بن محمد المنتشر (۶) محمد مذکور کے والد (۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(عمدۃ القاری ج۳ ص۳۱۷-۳۱۶)

احرام سے پہلے جسم پر خوشبو لگانے میں مذاہب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے جسم پر خوشبو لگائی جائے' خواہ وہ خوشبو احرام باندھنے کے بعد جسم سے آتی رہے' احرام باندھنے کے بعد خوشبو کا لگانا حرام ہے' یہ امام شافعی' ابویوسف' امام احمد بن حنبل اور داؤد وغیرہم کا مذہب ہے' جماعت صحابہ' تابعین' جمہور فقہاء اور محدثین کا یہی مذہب ہے' صحابہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن عباس' حضرت ابن الزبیر' حضرت معاویہ' حضرت عائشہ' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

دوسرے فقہاء نے اس سے منع کیا ہے' امام مالک اور امام محمد بن الحسن کا یہی مذہب ہے' صحابہ کی ایک جماعت اور تابعین کا بھی

یہ مؤقف ہے' بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ خوشبو ازواج کے لیے تھی' احرام کے لیے نہیں تھی اور حدیث میں عبارت مقدم اور مؤخر ہے' اصل میں عبارت یوں ہے: آپ ازواج کے پاس گھومتے تھے اور آپ سے خوشبو آ رہی ہوتی تھی' پھر صبح کو آپ احرام باندھتے تھے اور بعض روایات میں اس طرح سے ہے' اور غسل کرنے سے خوشبو زائل ہو جاتی ہے' خصوصاً اس صورت میں کہ بعض احادیث کے مطابق آپ ہر زوجہ کے پاس جانے کے بعد غسل کرتے تھے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ خوشبو ایک تیل کی تھی' غسل کرنے سے تیل کا اثر زائل ہو جاتا اور خوشبو باقی رہ جاتی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جماع کے بعد فوراً غسل کرنا واجب نہیں ہے' غسل کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے' جب انسان نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۱۹۔۳۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

دوسری بار جماع کرنے سے پہلے آیا وضوء کرنا واجب ہے یا نہیں؟

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک غسل کے ساتھ متعدد بیویوں کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے' اختلاف اس میں ہے کہ آیا ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع کرنے سے پہلے وضوء کرنا واجب ہے یا نہیں؟ حضرت عمر بن الخطاب سے یہ روایت ہے کہ جب دوبارہ جماع کرے تو اس سے پہلے وضوء کرے' عطاء اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور حسن بصری یہ کہتے تھے کہ اگر وہ وضوء کرنے سے پہلے دوسری بار جماع کر لے تو کوئی حرج نہیں ہے' امام مالک اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ اس پر وضوء کرنا واجب نہیں ہے۔ امام احمد نے کہا: اگر اس نے وضوء کر لیا تو وہ میرے نزدیک اچھا ہے اور اگر اس نے وضوء نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے' اسحاق نے کہا: دوسری بار جماع کرنے سے پہلے شرم گاہ کو دھونا ضروری ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایک شب میں تمام ازواج کے پاس گئے' اس کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایک رات میں تمام ازواج کے پاس گئے' اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ پر ازواج کی باریاں مقرر کرنا واجب نہیں تھا' اسی وجہ سے جب آپ سفر پر جاتے تو قرعہ اندازی کر کے کسی زوجہ کو ساتھ لے جاتے' ورنہ جس کی باری ہوتی' اس کو لے کر جاتے۔

(۲) ابوعبید نے کہا: یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ازواجِ مطہرات سے اجازت حاصل کر لی ہو' جیسا کہ آپ نے بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارنے کے لیے باقی ازواج سے اجازت حاصل کر لی تھی۔

(۳) مہلب نے کہا کہ ہو سکتا ہے' جس دن تمام ازواج کی باریاں ختم ہو گئی تھیں' اس دن آپ تمام ازواج کے پاس گئے اور اس دن کے بعد سے آپ نے از سرِ نو ازواجِ مطہرات کی باریاں مقرر فرما دیں۔

بعض علماء غسل میں مَلنے کو واجب نہیں قرار دیتے' وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ نے جسم کو ملا ہوتا تو اس سے خوشبو نہ پھوٹتی۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ممکن ہے آپ نے جسم کو ملا ہو اور جب خوشبو زیادہ لگائی ہوئی ہو تو مَل کر غسل کرنے سے خوشبو کے نشانات تو مٹ جاتے ہیں' لیکن اس کی چمک اور خوشبو باقی رہتی ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۹۲۔۳۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

شرح صحیح مسلم میں باب مذکور کی حدیث کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۷۰۴۔ ج ۳ ص ۲۹۵ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) احرام سے پہلے بدن پر خوشبو لگانے میں مذاہب ائمہ (۲) احناف کی مؤید احادیث (۳) محرم کے پھول سونگھنے میں مذاہب

اربعۃ ④ کیا ازواجِ مطہرات میں دنوں کی مساوی تقسیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی ⑤ جن ازواج سے نکاح اور رخصتی ہوئی' ان کی تعداد ⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج پر اعتراض کے جوابات۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۰۶۔۳۰۲)

نوٹ: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر تفصیلی بحث "شرح صحیح مسلم" میں کر دی گئی ہے' اس لیے ہم یہاں "نعمۃ الباری" میں اس بحث کا اعادہ نہیں کر رہے۔

٢٦٨- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَهُنَّ إِحْدٰى عَشْرَةَ. قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَوَ كَانَ يُطِيْقُهُ؟ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ. وَقَالَ سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ إِنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ.

[اطراف الحدیث: ۲۸۴۔۵۰۶۸۔۵۲۱۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ہشام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از قتادہ' انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں اپنی تمام ازواج کو عمل زوجیت سے مشرف فرماتے تھے' اور وہ گیارہ ازواجِ مطہرات تھیں' قتادہ کہتے ہیں: میں نے حضرت انس سے پوچھا: کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے تو انہوں نے کہا: ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی' اور سعید نے کہا از قتادہ' حضرت انس نے ان کو حدیث بیان کی کہ آپ کی نو ازواج تھیں۔

(سنن نسائی: ۱۳۶۵ ' صحیح ابن خزیمہ: ۲۳۱ ' صحیح ابن حبان: ۱۲۰۸ ' مسند ابویعلیٰ: ۲۹۴۱ ' سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۴ ' شرح السنۃ: ۲۷۰۰ ' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۴۱۰۹ ' ج ۲۱ ص ۲۷۴ ' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

آیا آپ کی ازواج گیارہ تھیں یا نو؟ اس کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ گیارہ ازواج کی تعداد کے ساتھ معاذ بن ہشام منفرد ہیں اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کی نو ازواج تھیں اور امام بخاری نے دس ابواب کے بعد یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ ایک رات میں تمام ازواج کے پاس جاتے تھے اور اس دن آپ کے پاس نو ازواج تھیں۔ (صحیح البخاری: ۲۸۴) امام ابن حبان نے ان میں تطبیق دی ہے کہ ابتداء میں آپ کے پاس نو ازواج تھیں اور آخر میں گیارہ ہوگئی تھیں' جب آپ مدینہ میں آئے تو آپ کے نکاح میں صرف حضرت سودہ تھیں' پھر مدینہ میں آپ نے حضرت عائشہ کے ساتھ دخول کیا' پھر حضرت ام سلمہ کے ساتھ نکاح کیا' پھر حضرت حفصہ کے ساتھ' پھر حضرت زینب بنت خزیمہ کے ساتھ تیسرے اور چوتھے سال میں' پھر حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ پانچویں سال میں' پھر حضرت جویریہ کے ساتھ چھٹے سال میں' پھر حضرت صفیہ' حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ کے ساتھ ساتویں سال میں' رضی اللہ عنہن۔ یہ وہ تمام ازواج ہیں' جو ہجرت کے بعد آپ کے نکاح میں تھیں اور حضرت ریحانہ میں اختلاف ہے۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں' امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ آپ نے ان پر نکاح کو پیش کیا' لیکن انہوں نے باندی رہنے کو پسند کیا' اکثر علماء نے کہا ہے کہ وہ ۱۰ھ میں آپ سے پہلے فوت ہو گئی تھیں' اسی طرح حضرت زینب بنت خزیمہ بھی آپ کے دخول کے تھوڑے عرصہ بعد فوت ہو گئی تھیں' امام

ابن عبدالبر نے کہا ہے: وہ آپ کے پاس دو یا تین ماہ رہی ہیں' اس تفصیل کے مطابق آپ کے پاس نو ازواج سے زیادہ جمع نہیں رہیں' جب کہ حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کر دی تھی' اس طرح سعید بن ابی عروبہ کی روایت راجح قرار پاتی ہے کہ آپ کے پاس اس دن نو ازواج تھیں' لیکن معاذ بن ہشام کی روایت کا محمل یہ ہے کہ حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ کو ان کے ساتھ ملا لیا جائے اور آپ کی نساء کے لفظ کو عام رکھا جائے' خواہ وہ آپ کی ازواج ہوں یا آپ کی کنیزیں' تو پھر گیارہ کے عدد کا ایک محمل ہے۔

علامہ الدمیاطی نے اپنی ''سیرت'' میں لکھا ہے کہ آپ کی کل ازواج جن سے آپ نے دخول کیا یا صرف عقد کیا یا جن کو دخول سے پہلے طلاق دے دی یا جن کو نکاح کا پیغام دیا اور عقد نہیں کیا' ان کا عدد تیس ہے اور ''المختارۃ'' میں حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے پندرہ خواتین سے نکاح کیا' ان میں سے گیارہ کے ساتھ دخول کیا اور جب آپ کی وفات ہوئی' اس وقت نو ازواج تھیں۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۷۹۶' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر تھی

حضرت انس نے کہا: آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی' اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اسماعیلی کی روایت میں تیس کے بجائے چالیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے اور ابونعیم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی اور حضرت عبداللہ بن عمر نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ گرفت میں اور جماع کرنے میں آپ کو چالیس مردوں کی قوت دی گئی تھی اور حضرت زید بن ارقم سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک جنتی مرد کو کھانے پینے' جماع کرنے اور شہوت میں سو مردوں کی طاقت دی جائے گی۔ (مسند احمد' سنن نسائی' مستدرک) اس حساب سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۹۷۔۷۹۶' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدرالدین عینی نے اس سے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۲۱۔۳۲۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یہودی آ کر کہنے لگا: یا ابا القاسم! کیا آپ کا یہ زعم نہیں ہے کہ اہل جنت' جنت میں کھائیں گے اور پئیں گے اور اس نے اپنے اصحاب سے کہا ہوا تھا کہ اگر انہوں نے اس کا اقرار کر لیا تو میں ان سے بحث کروں گا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! ایک جنتی کو ایک سو مردوں کے کھانے پینے' شہوت اور جماع کی قوت دی جائے گی' اس یہودی نے کہا: جو شخص کھاتا اور پیتا ہے' اس کو پھر حاجت بھی ہوتی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کی حاجت ایک پسینہ سے رفع ہوگی' جو ان کے تمام جسم سے نکلے گا' اس میں مشک کی طرح خوشبو ہوگی' پھر ان کا پیٹ پتلا ہو جائے گا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (صحیح ابن حبان: ۷۴۲۴' مسند البزار: ۳۵۲۲' المعجم الکبیر: ۵۰۰۷' البعث والنشور للبیہقی: ۳۵۴' الزھد لابن المبارک: ۱۴۵۹' سنن دارمی: ۲۸۲۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۴۷۸' المعجم الاوسط: ۱۷۴۳' حلیۃ الاولیاء: ج ۷ ص ۳۶۶۔ ج ۸ ص ۱۱۶' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۲ ص ۱۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کے شواہد حسب ذیل ہیں:

سنن ترمذی: ۲۵۳۶' مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۰۱۲' صحیح ابن حبان: ۷۴۰۰' المعجم الاوسط: ۲۵۶۳

نوٹ: حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا تھا' وہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' جب کہ مذکورہ شواہد میں جو

حدیث مروی ہے اس کے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں۔

۱۳- بَابُ غَسْلِ الْمَذْيِ وَالْوُضُوْءِ مِنْهُ

مذی کو دھونا اور اس سے وضوء کرنا

اس باب میں مذی کو دھونے کا حکم بیان کیا گیا ہے مذی وہ رقیق پانی ہے جو عورت سے چھیڑ چھاڑ یا اس سے بوس و کنار یا اس کے متعلق سوچنے سے مرد کے آلہ سے نکلتا ہے اور مذی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا' وضوء واجب ہوتا ہے۔

۲۶۹- حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ' عَنْ اَبِيْ حَصِيْنٍ' عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ' عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً' فَاَمَرْتُ رَجُلًا اَنْ يَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ' فَسَاَلَ فَقَالَ تَوَضَّاْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوحصین نے حدیث بیان کی' از ابوعبدالرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ' انہوں نے بیان کیا: میں ایسا شخص تھا' جس کو مذی بہت آتی تھی' میں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کرے' آپ کی صاحب زادی کی وجہ سے (خود سوال نہیں کیا)' تو انہوں نے سوال کیا' آپ نے فرمایا: وضوء کرو' اور اپنے آلہ کو دھولو۔

اس حدیث کی تخریج' اور شرح' صحیح البخاری: ۱۳۲ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جس شخص نے حیاء کی اور دوسرے شخص کو سوال کرنے کا حکم دیا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: مذی کو دھونا اور اس سے وضوء کرنا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت اور توقیر کی کس قدر حفاظت کرتے تھے اور جن باتوں سے عرف میں حیاء آتی ہے' ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کرنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔

۱۴- بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ اَثَرُ الطِّيْبِ

جس نے خوشبو لگائی' پھر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہا

لوگ جماع کے وقت جسم پر خوشبو لگاتے تھے تاکہ زیادہ نشاط حاصل ہو' باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ مذی نکلنے سے پہلے بھی انسان کو عورت کے ساتھ بوس و کنار سے نشاط اور لذت حاصل ہوتی ہے اور جماع کے وقت جسم پر خوشبو لگانے سے بھی نشاط اور لذت حاصل ہوتی ہے۔

۲۷۰- حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ' عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ' عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ' فَذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ مَا اُحِبُّ اَنْ اُصْبِحَ مُحْرِمًا اَنْضَخُ طِيْبًا' فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَنَا طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' ثُمَّ طَافَ فِيْ نِسَائِهٖ' ثُمَّ اَصْبَحَ مُحْرِمًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن محمد بن المنتشر از والد خود' انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا اور ان سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میں صبح کو حالت احرام میں اٹھوں اور میرے جسم سے خوشبو آرہی ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر خوشبو لگاتی تھی' پھر آپ اپنی تمام ازواج کے پاس جاتے

پھر صبح کو حالت احرام میں ہوتے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۶۷ میں گزر چکی ہے' وہاں اس حدیث کا عنوان تھا: جس نے جماع کیا' پھر دوبارہ جماع کیا اور ایک غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج کے پاس گیا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: جس نے خوشبو لگائی' پھر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا مسائل میں اختلاف ہوتا تھا' لیکن وہ مسائل میں اختلاف کے باوجود باہمی ادب واحترام کو قائم رکھتے تھے' آج کل کی طرح نہیں کہ کسی سے کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ذاتیات پر اتر آتے ہیں اور اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح اس کے خلاف کوئی سخت فتویٰ لگا دیں' اور اس کی تحقیر اور تذلیل کے درپے رہتے ہیں۔

۲۷۱- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[اطراف الحدیث: ۱۵۳۸-۵۹۱۸-۵۹۲۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی از ابراہیم از اسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' وہ بیان کرتی ہیں' گویا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگ کی جگہ میں خوشبو کی چمک کو دیکھتی تھی اور آپ حالت احرام میں ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۱۹۰' الرقم المسلسل: ۲۷۸۶' سنن ابوداؤد: ۱۷۴۶' سنن نسائی: ۲۶۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۶۷۳' صحیح ابن حبان: ۱۳۷۶' سنن بیہقی ج ۵ ص ۳۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۴۱۰۷۔ ج ۴۰ ص ۱۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس جملہ میں ہے: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگ کی جگہ میں خوشبو کو دیکھتی تھی۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانے میں امام مالک کا مذہب

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ' امام شافعی' فقہاء محدثین اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے جسم پر خوشبو لگانا جائز ہے اور اگر وہ خوشبو احرام باندھنے کے بعد بھی آتی رہے تو یہ بھی جائز ہے' اور صحابہ اور تابعین کی دوسری جماعت اور امام مالک' الزہری اور امام محمد بن الحسن نے اس سے منع کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جسم پر خوشبو عورتوں سے جماع کے لیے لگائی جاتی تھی (عرب میں ایک قسم کی خوشبودار کریم ہوتی ہے یا خوشبودار تیل ہوتا ہے' جس کو جماع سے پہلے پورے جسم پر لگاتے ہیں' ہمارے ہاں اس کی جگہ اُبٹن لگانے کا رواج ہے) حضرت عائشہ' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر یہ خوشبو ازواج سے جماع کے لیے لگاتی تھیں' پھر آپ غسل کرتے تھے اور وہ خوشبو چلی جاتی تھی' پھر آپ احرام باندھتے تھے' خاص طور پر اس لیے کہ آپ ہر زوجہ سے جماع کے بعد غسل کرتے تھے' پھر اتنے غسل کرنے کے بعد کون سی خوشبو باقی رہ جاتی تھی؟ اور حضرت عائشہ نے جو فرمایا ہے: صبح کو آپ کے جسم سے خوشبو آ رہی ہوتی تھی۔ اس کا معنی ہے: آپ کے غسل کرنے اور احرام باندھنے سے پہلے آپ کے جسم سے خوشبو آ رہی ہوتی تھی اور وہ جو شعبہ کی روایت میں ہے: آپ حالت احرام میں صبح کرتے اور آپ کے جسم سے خوشبو آ رہی ہوتی' اس میں تقدیم اور تاخیر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے: آپ اپنی ازواج کے پاس جاتے اور آپ سے خوشبو آ رہی ہوتی' پھر آپ صبح کو احرام باندھتے اور وہ جو دوسری حدیث میں حضرت عائشہ نے فرمایا ہے: گویا کہ میں آپ کی مانگ کی جگہ میں خوشبو کی چمک دیکھتی تھی اور آپ احرام باندھے ہوئے ہوتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خوشبودار تیل کا جسم اور اس کی خوشبو غسل سے ختم ہو جاتی تھی اور اس تیل کا اثر اور اس کی زینت بالوں میں

رہ جاتی تھی، جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھتی تھیں اور محرم کے بالوں میں تیل لگا رہے اور اس کی خوشبو نہ آئے تو کوئی حرج نہیں ہے جب کہ اس نے احرام باندھنے سے پہلے تیل لگایا ہو۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۱۹۰-۱۸۸ ملخصاً' دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانے میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب احرام باندھنے کا ارادہ ہو تو جسم پر خوشبودار تیل یا خوشبودار کریم لگانا مستحب ہے اور اگر احرام باندھنے کے بعد وہ خوشبو آتی رہے تو کوئی حرج نہیں ہے' صرف احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا منع ہے' یہ صحابہ کرام میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن عباس' حضرت ابن الزبیر' حضرت معاویہ' حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ کا مذہب ہے اور فقہاء تابعین اور محدثین کا مذہب ہے' امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام احمد بن حنبل' ثوری' ابویوسف اور داؤد وغیرہم کا مذہب ہے۔

قاضی عیاض نے جو اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عائشہ ازواج سے جماع کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر خوشبو لگاتی تھیں' اس تاویل کو حضرت عائشہ کا یہ قول رد کرتا ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر آپ کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگاتی تھی اور بیت اللہ کے طواف سے پہلے احرام کھولنے کے لیے خوشبو لگاتی تھی۔

(صحیح مسلم: ۱۱۸۹' الرقم المسلسل: ۲۷۸۰)

اور یہ تاویل اس لیے بھی مردود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھتی تھی' جب آپ تلبیہ پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم: الرقم المسلسل: ۲۷۸۸) ایک اور حدیث میں ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں مشک کی چمک دیکھتی تھی اور آپ محرم ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم: الرقم المسلسل: ۲۷۹۳)

ان صریح احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ قاضی عیاض مالکی نے جو ان احادیث کی تاویل کی ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۵ ص ۳۲۱۲-۳۲۱۱ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک احرام باندھنے سے پہلے جسم پر خوشبو لگانا جائز ہے' خواہ اس کی خوشبو احرام باندھنے کے بعد بھی آتی رہے۔ (معالم السنن ج ۲ ص ۲۸۷' مع مختصر المنذری' دار المعرفہ' بیروت)

علامہ بدر الدین عینی نے علامہ خطابی اور علامہ نووی کی عبارات کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۲۸)

۱۵ - بَابُ تَخْلِيْلِ الشَّعَرِ' حَتّٰى اِذَا ظَنَّ اَنَّهٗ قَدْ اَرْوٰى بَشَرَتَهٗ اَفَاضَ عَلَيْهِ

بالوں میں خلال کرنا اور جب یہ یقین ہو گیا کہ کھال تک پانی پہنچ گیا تو اس پر پانی بہا دینا

اس باب میں بالوں میں خلال کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ باب سابق میں بالوں میں خوشبودار تیل لگانے کا بیان تھا اور اس باب میں بالوں تک پانی پہنچانے کا بیان ہے۔

۲۷۲- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ' عَنْ اَبِيْهِ' عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ' غَسَلَ يَدَيْهِ' وَتَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ' ثُمَّ اغْتَسَلَ' ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدِهٖ شَعَرَهٗ حَتّٰى اِذَا ظَنَّ اَنَّهٗ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے اور نماز کا وضوء کرتے' پھر غسل (شروع)

قَدْ اَرْوٰی بَشَرَتَهٗ ، اَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ.

کرتے' پھر اپنے ہاتھ سے اپنے بالوں میں خلال کرتے اور جب یقین ہو جاتا کہ کھال تک پانی پہنچ گیا ہے تو پھر اپنے اوپر تین مرتبہ پانی ڈالتے' پھر تمام جسم کو دھوتے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۴۸ میں گزر چکی ہے' وہاں اس حدیث کا عنوان تھا: غسل سے پہلے وضوء کرنا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: بالوں میں خلال کرنا' اور یہ دونوں مسئلے اس حدیث سے ثابت ہیں۔

۲۷۳- وَقَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ ، نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيْعًا.

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے' ہم اکٹھے چلو میں پانی لیتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۵۰ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا' اور یہاں بالوں میں خلال کے باب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی اس باب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

۱۶- بَابُ مَنْ تَوَضَّاَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مَرَّةً اُخْرٰى

جس نے جنابت میں وضوء کیا' پھر سارے جسم کو دھویا اور اعضاء وضوء کو دوبارہ نہیں دھویا

اس سے پہلے باب میں بالوں میں خلال کا ذکر تھا' وہ بھی غسل کے اکمال کے لیے ہے اور اس باب میں غسل سے پہلے وضوء کا ذکر ہے اور وہ بھی غسل کے اکمال کے لیے ہے۔

۲۷۴- حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا الْاَعْمَشُ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ وَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوْءًا لِلْجَنَابَةِ ، فَاَكْفَاَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهٗ ، ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ اَوِ الْحَائِطِ ، مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ، وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ ، ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى رَاْسِهِ الْمَاءَ ، ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهٗ ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ، قَالَتْ فَاَتَيْتُهٗ بِخِرْقَةٍ فَلَمْ يُرِدْهَا ، فَجَعَلَ يَنْفُضُ بِيَدِهٖ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن موسیٰ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے خبر دی از سالم از کریب' حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا' وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کے لیے پانی رکھا' آپ نے دو یا تین بار دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی انڈیلا' پھر آپ نے اپنی شرم گاہ کو دھویا' پھر آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنا ہاتھ زمین یا دیوار پر رگڑا' پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے کو اور اپنی کلائیوں کو دھویا' پھر اپنے سر پر پانی ڈالا' پھر اپنے جسم کو دھویا' پھر ایک طرف گئے اور اپنے پیروں کو دھویا۔ حضرت میمونہ کہتی ہیں: پس میں آپ کے پاس تولیا لائی تو آپ نے اس کا ارادہ نہیں کیا اور اپنے ہاتھ سے پانی جھاڑنے لگے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۴۹ میں گزر چکی ہے' وہاں اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا تھا: غسل سے پہلے وضوء کرنا' اور یہاں اس باب کے تحت ذکر کیا ہے: غسل میں اعضاء وضوء کو دوبارہ نہ دھونا' اور اس حدیث میں اعضاء وضوء کو دوبارہ

نہ دھونے کا ذکر ہے۔

۱۷- بَابُ إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ يَخْرُجُ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ

جب کسی شخص کو مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو وہ اسی حالت میں مسجد سے نکل جائے اور تیمم نہ کرے

اس حدیث کی باب سابق کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ یہ دونوں باب جنبی کے احکام سے متعلق ہیں۔

۲۷۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِيَامًا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ، ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ. ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَصَلَّيْنَا مَعَهُ. تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلٰى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. [اطراف الحدیث: ۶۳۹-۶۴۰]

(صحیح مسلم: ۶۰۵، الرقم المسلسل: ۱۳۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۴۱۔ ۲۳۵، سنن نسائی: ۷۹۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نماز قائم کی گئی اور لوگ کھڑے ہوئے صفیں برابر کی گئیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف نکل کر آئے، پس جب آپ اپنے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے تو آپ کو یاد آیا کہ آپ جنبی ہیں، آپ نے فرمایا: تم لوگ اسی طرح کھڑے رہو، پھر آپ گئے، پس آپ نے غسل کیا، پھر ہماری طرف نکل کر آئے اس حال میں کہ آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، پس ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ عثمان بن علی کی عبد الاعلیٰ نے متابعت کی ہے از معمر بن راشد از محمد بن مسلم الزہری اور اس حدیث کو عبدالرحمان الاوزاعی نے محمد بن مسلم الزہری سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں اور ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ پڑھنے اور نمازیوں کے کھڑے ہونے میں مذاہب، اور جنبی کے مسجد میں داخل ہونے میں مذاہب اور علامہ ابن بطال کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں صفوں کو برابر رکھنے کا حکم ہے اور وہ بالاجماع مستحب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نمازیوں نے کھڑے ہو کر صفیں برابر کر لیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکل کر آئے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تم اس وقت تک نہ کھڑے ہو، جب تک کہ تم مجھے نہ دیکھو تو اس موقع پر صحابہ آپ کو دیکھنے سے پہلے کس طرح کھڑے ہو گئے تھے! اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ بیان جواز کے لیے ہوا تھا، یا کسی عذر کی وجہ سے یا آپ نے یہ ارشاد اس کے بعد فرمایا تھا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے کھڑے نہ ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کے اس ارشاد کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ کو آنے میں دیر ہو جاتی تھی، اگر صحابہ پہلے سے آپ کے آنے کے انتظار میں کھڑے ہوتے تو ان کا قیام بہت طویل ہو جاتا اور وہ تھک جاتے۔

اس مسئلہ میں متقدمین اور متاخرین علماء کا اختلاف ہے کہ نمازی نماز کے لیے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کب تکبیر کہے۔

امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جب تک مؤذن پوری اقامت سے فارغ نہ ہو جائے' اس وقت تک کوئی نہ کھڑا ہو' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے' جب مؤذن ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہتا تھا' امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ نمازی صف میں اس وقت کھڑے ہوں' جب مؤذن ''حی علی الصلوٰۃ'' کہے اور جب وہ ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہے تو امام تکبیر پڑھے' اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ' قیس بن ابی سلمہ اور حماد سے روایت کیا ہے اور جمہور متقدمین اور متاخرین علماء نے یہ کہا ہے کہ جب تک مؤذن پوری اقامت سے فارغ نہ ہو جائے' اس وقت تک امام اللہ اکبر نہ کہے' اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام اس وقت نماز شروع کرے' جب صفیں برابر ہو جائیں اور مؤذن اقامت سے فارغ ہو جائے اور ہمارے نزدیک امام نماز اس وقت شروع کرے' جب مؤذن ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہے' اور امام ابو یوسف نے کہا ہے: جب مؤذن پوری اقامت سے فارغ ہو جائے' تب امام اللہ اکبر کہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پوری اقامت کے بعد امام نماز شروع کرے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس وقت نماز شروع کرے' جب مؤذن ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے عبادات میں نسیان ہو جاتا تھا۔

اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب جنبی بھول کر مسجد میں داخل ہو جائے' پھر اس کو یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو وہ اسی حالت میں مسجد سے نکل جائے اور تیمم نہ کرے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ بعض تابعین یہ کہتے ہیں کہ جب جنبی بھول کر مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ تیمم کر کے مسجد سے نکلے اور یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے' ثوری اور اسحاق کا یہی قول ہے' اسی طرح امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جو مسافر جنبی ہو' وہ ایسی مسجد کے پاس سے گزرے جس میں پانی کا چشمہ ہو' وہ تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو اور مسجد سے پانی نکالے' اور ابن زید کی ''نوادر'' میں ہے: جو آدمی مسجد میں سو جائے' پھر اس کو احتلام ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ تیمم کر کے مسجد سے نکلے' امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ وہ مسجد میں ٹھہرے بغیر نکل جائے اور داؤد اور مزنی نے یہ کہا ہے کہ وہ مطلقاً مسجد میں ٹھہر سکتا ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلم نجس نہیں ہوتا' امام سعید بن منصور نے سند جید کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے: صحابہ مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے اور وہ جنبی ہوتے تھے اور حدیث میں ثقیف کے وفد کو مسجد میں ٹھہرانے کا ذکر ہے اور اہل الصفہ اور ان کے علاوہ لوگ مسجد میں رات کو رہتے تھے' اور امام احمد بن حنبل یہ کہتے تھے کہ جنبی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے اور وضوء کے لیے جا سکتا ہے اور جن علماء نے کہا ہے کہ جنبی مسجد سے گزر سکتا ہے' انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ. (النساء:۴۳)　اور جنبی مسجد کے قریب نہ جائے' مگر راستہ عبور کرنے کے لیے۔

یہاں تک علامہ عینی نے علامہ ابن بطال کی عبارت ''شرح ابن بطال'' ج ا ص ۳۹۷-۳۹۶ سے نقل کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۳۵-۳۳۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوحنیفہ پر علامہ ابن بطال کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا جنبی کو بغیر تیمم کے مسجد میں داخل ہونے سے منع کرنا اور امام شافعی اور امام احمد کا اس کی اجازت دینا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: جو مسافر جنبی ہو' وہ پانی لینے کے لیے تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے' اسی طرح کوئی اور ضرورت

مند جنبی بھی تیمم کر کے مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔ یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں مسجد میں بھول کر حالت جنابت میں بغیر تیمم کے مسجد میں داخل ہونے کا ثبوت ہے' نہ کہ عمداً جنبی کے لیے بغیر تیمم کے مسجد میں داخل ہونے کا ثبوت ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمداً بھی حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہوئے تو یہ آپ کی خصوصیت ہے' دوسروں کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی (بن ابوطالب)! کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس مسجد میں جنبی ہو' سوا میرے اور سوا تمہارے۔ علی بن المنذر نے کہا: اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ضرار بن صرد سے اس حدیث کا معنی پوچھا تو انہوں نے کہا: کسی کے لیے حالت جنابت میں مسجد سے گزرنا جائز نہیں ہے' سوا میرے اور تمہارے۔ (سنن ترمذی: ۳۷۲۷)

دوسری حدیث میں جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونے کی صریح ممانعت ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو آپ کے اصحاب نے اپنے گھروں کے دروازے مسجد میں نکالے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: ان گھروں کے دروازوں کا مسجد سے رخ پھیر دو' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ آئے اور لوگوں نے اس سلسلہ میں کوئی کارروائی نہیں کی تھی' اس امید پر کہ اس معاملہ میں کوئی رخصت نازل ہو جائے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے اور فرمایا: ان گھروں کے دروازوں کا مسجد سے رخ پھیر دو' کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۲)

پس معلوم ہوا کہ کوئی جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا' البتہ مجبوری کی صورت میں تیمم کر کے مسجد میں داخل ہوسکتا ہے اور قرآن مجید میں جو جنبی کے لیے مسجد میں راستہ عبور کرنے کی اجازت ہے' وہ بھی مجبوری کی حالت میں تیمم کر کے راستہ عبور کرنے پر محمول ہے تاکہ قرآن مجید اور احادیث میں تطبیق ہو اور یہ احادیث امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے خلاف ہیں' جو تیمم کے بغیر مسجد میں داخل ہونے' مسجد سے گزرنے اور مسجد میں بیٹھنے کی اجازت دیتے ہیں اور یہ احادیث امام اعظم ابوحنیفہ کی مؤید ہیں' جو مجبوری کی صورت میں بھی بغیر تیمم کے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

نیز علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: امام مالک اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ مسجد میں جنبی داخل نہ ہو اور نہ راستہ عبور کرنے والا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔

جو فقہاء جنبی کو مسجد میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں' وہ النساء: ۴۳ کا معنی بہ طور عموم مجاز کے اس طرح کرتے ہیں:

تم حالت جنابت میں نماز اور نماز کی جگہ (مسجد) کے کسی حال میں قریب نہ جاؤ' مگر یہ کہ تم مسافر ہو تو تم تیمم کر کے مسجد کے قریب جاؤ اور نماز پڑھو اور یہ معنی بہت عمدہ ہے اور پاکیزہ ہے کیونکہ اس میں مسجد کا احترام ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۹۷-۳۹۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ نے جو مسافر کو حالت جنابت میں تیمم کر کے مسجد سے پانی لینے کے لیے اجازت دی ہے' اس کا استدلال بھی اسی طریقہ سے اس آیت سے ہے' مجھے حیرت ہے کہ علامہ بدر الدین عینی نے حنفیت میں بہت راسخ اور متصلب ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ پر علامہ ابن بطال کے اعتراض کا جواب نہیں لکھا' میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس اعتراض کا جواب دینے کی مجھے توفیق بخشی۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جنبی بغیر تیمم کے مسجد میں آ اور جا سکتا ہے اور ٹھہر سکتا ہے' داؤد ظاہری

ابن حزم اور غیر مقلدین کا بھی یہی موقف ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مجبوری کی صورت میں بھی کوئی شخص بغیر تیمم کے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

* ہم نے "تبیان القرآن" ج ۱۱ ص ۶۹۹۔ ۶۹۷ 'الواقعہ: ۷۹ میں اس مسئلہ پر زیادہ تفصیل سے لکھا ہے اور ابن حزم اور غیر مقلدین کے تمام دلائل ذکر کر کے ان کے جوابات لکھے ہیں۔

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۲۴۸۔ ج ۲ ص ۲۱۶ پر مذکور ہے' وہاں اس کی مختصر شرح کی گئی ہے۔

۱۸ - بَابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا

اس باب میں غسل جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنے کا حکم بیان کیا گیا ہے باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب احکام غسل سے متعلق ہیں۔

۲۷۶- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَمْزَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْاَعْمَشَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَاْسِهِ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَاْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابوحمزہ نے خبر دی انہوں نے کہا: میں نے الاعمش سے سنا از سالم از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے کہا: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کے غسل کے لیے پانی رکھا پھر میں نے آپ پر ایک کپڑے سے پردہ کیا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا پھر ان کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا پھر اپنی شرم گاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اس کو ملا پھر اس کو دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے کو اور اپنی کلائیوں کو دھویا پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور اپنے پورے جسم پر پانی بہایا پھر ایک طرف گئے اور اپنے دونوں پیر دھوئے میں نے آپ کو تولیہ دیا' آپ نے اس کو نہیں لیا اور چلے گئے اور آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو جھاڑ رہے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح 'صحیح البخاری: ۲۴۹ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: غسل سے پہلے وضوء کرنا اور یہاں اس کا عنوان ہے: غسل جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا۔

۱۹ - بَابُ مَنْ بَدَاَ بِشِقِّ رَاْسِهِ الْاَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

جس نے غسل میں سر کی دائیں جانب سے ابتداء کی

۲۷۷- حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث

شَيْبَةَ ' عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا إِذَا أَصَابَ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا ' ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ ' وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ.

بیان کی از الحسن بن مسلم از صفیہ بنت شیبہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں: جب ہم میں سے کسی کو جنابت پہنچتی تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تین بار پانی لے کر سر پر ڈالتی' پھر اپنے ہاتھ میں پانی لے کر سر کی دائیں جانب ڈالتی' پھر اپنے ہاتھ میں پانی لے کر سر کی بائیں جانب ڈالتی۔

اس حدیث کی مثل' صحیح البخاری: ۲۵۸ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جس نے غسل کے وقت حلاب سے یا خوشبو سے ابتداء کی' وہاں اس حدیث کی تخریج اور شرح بیان کر دی گئی ہے اور یہاں غسل میں سر کی دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو بیان کیا ہے۔

۲۰- بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ ' وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

جس نے تنہائی میں برہنہ غسل کیا اور جس نے ستر کیا تو ستر افضل ہے

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ ہر چند کہ تنہائی میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے' لیکن اس میں بھی تہبند باندھ کر نہانا افضل ہے۔
سند ضعیف سے یہ حدیث مروی ہے کہ پانی میں بغیر تہبند کے داخل نہ ہو کیونکہ پانی میں بھی مخلوق ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۰۱)

علامہ ابن بطال نے اپنی سند کے ساتھ بعض اہل شام سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس سمندر میں یا دریا میں بغیر تہبند کے غسل نہیں کرتے تھے' جب ان سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ کہتے: اس میں بھی ایک مخلوق ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۹۹)

وَقَالَ بَهْزٌ ' عَنْ أَبِيهِ ' عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ.

اور بہز نے از والد خود از جد خود' یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کی بہ نسبت اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔

اس تعلیق کی اصل اس حدیث میں ہے:

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اپنی شرم گاہوں کو کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں؟ آپ نے فرمایا: اپنی شرم گاہ کو ہر ایک سے چھپاؤ ماسوا اپنی بیوی کے اور اپنی باندی کے' میں نے عرض کیا: جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ تمہاری شرم گاہ کو' کوئی نہ دیکھے تو اس کو' کوئی نہ دیکھے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اکیلا ہو؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کی بہ نسبت اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۱۷' سنن ترمذی: ۲۷۹۴۔ ۲۷۶۹' سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۰' المستدرک ج ۴ ص ۱۸۰' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۹۹۔ ج ۲ ص ۲۲۵۔ ج ۷ ص ۹۴' تاریخ بغداد: ۲۶۱۱۳' مسند احمد ج ۵ ص ۴۔ ۳)

۲۷۸- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ' عَنْ مَعْمَرٍ ' عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ' عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ' عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً ' يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام بن منبہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے' ایک دوسرے

بعض، وَكَانَ مُوْسٰى يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ، فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوْسٰى اَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهُ اٰدَرُ، فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلٰى حَجَرٍ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ، فَخَرَجَ مُوْسٰى فِيْ اِثْرِهٖ، يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ، حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ اِلٰى مُوْسٰى، فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَاْسٍ، وَاَخَذَ ثَوْبَهُ، فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا. فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ اَوْ سَبْعَةٌ، ضَرْبًا بِالْحَجَرِ.

[اطراف الحدیث: ۳۴۰۴۔۴۷۹۹]

(صحیح مسلم: ۳۳۹، الرقم المسلسل: ۷۵۴، سنن ترمذی: ۳۲۲۱، صحیح ابن حبان: ۶۲۱۱، سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۵ طبع قدیم، مسند احمد: ۸۱۷۳۔ج ۱۳ ص ۵۰۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرتے تھے انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہے سوا اس کے کہ ان کے خصیے سوجے ہوئے ہیں یا بہت بڑے ہیں، پس ایک دن حضرت موسیٰ غسل کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیئے تھے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا، پس حضرت موسیٰ اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے نکلے: اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، حتیٰ کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیکھ لیا، پھر وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں ہے، اور حضرت موسیٰ نے اپنے کپڑے لے لیے اور پتھر کو مارنا شروع کر دیا، حضرت ابوہریرہ نے کہا: اللہ کی قسم! پتھر میں چھ یا سات ضرب کے نشان تھے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں برہنہ ہو کر غسل کرتے تھے، لیکن یہ ہم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ شریعت سابقہ کی اتباع ہم پر بھی لازم ہے یا نہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر شریعت سابقہ کا قصہ مذمت کے ساتھ نہیں بیان کیا گیا تو وہ ہم پر بھی لازم ہے۔

تنہائی میں برہنہ غسل کرنے کا جواز اور تہبند باندھ کر نہانے کی فضیلت، انبیاء علیہم السلام کی صورت اور سیرت کا بے عیب ہونا اور پتھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان اگر تنہائی میں لوگوں کو دیکھنے سے محفوظ ہو تو وہ برہنہ ہو کر غسل کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ ضرورت کے وقت انسان اپنی شرم گاہ دوسرے کو دکھا سکتا ہے، مثلاً علاج کی ضرورت ہو یا عیب سے خود کو بری کرنے کی ضرورت ہو۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا ثبوت ہے کہ پتھر ان کے کپڑے لے بھاگا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کو پکارنا اور اس کو مارنا، اس میں یہ ثبوت ہے کہ اس پتھر میں شعور اور ایک قسم کا ادراک تھا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جسمانی لحاظ سے کامل اور بے عیب بنایا ہے اور ان کو عیوب اور نقائص سے منزہ بنایا ہے، جس طرح ان کی سیرت بے داغ ہے اسی طرح ان کی صورت بھی بے عیب ہے۔

بنو اسرائیل ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو کر نہاتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو منع نہیں کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان کی شریعت میں جائز تھا، لیکن مستحب یہ تھا کہ کسی کے سامنے برہنہ ہو کر غسل نہ کیا جائے، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں کپڑے اتار کر غسل کرتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی کی شان کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں بھی تہبند باندھ کر غسل کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے انہوں نے کسی باریک کپڑے کا تہبند باندھا ہوا ہو جس سے بنی اسرائیل نے ان کا ستر دیکھ لیا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

وہ عام طور پر تہبند باندھ کر غسل کرتے ہوں اور اس موقع پر ان کو تہبند باندھنا یاد نہ رہا ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہو گی کہ بنی اسرائیل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے عیب ہونا واضح ہو جائے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۰۔۳۹۹' عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۴۲' فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۳۔۴۰۲)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۷۸۔ ج ۱ ص ۱۰۳۱ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے: تنہائی میں پردہ کے ساتھ غسل کرنے کی فضیلت۔

۲۷۹- وعن ابی هریرة' عن النبي صلى الله عليه وسلم قال بينا ايوب يغتسل عريانا' فخر عليه جراد من ذهب' فجعل ايوب يحتثي في ثوبه' فناداه ربه يا ايوب' الم اكن اغنيتك عما ترى؟ قال بلى وعزتك' ولكن لا غنى بي عن بركتك. ورواه ابراهيم' عن موسى بن عقبة' عن صفوان بن سليم' عن عطاء بن يسار' عن ابي هريرة' عن النبي صلى الله عليه وسلم قال بينا ايوب يغتسل عريانا.

[اطراف الحدیث: ۳۳۹۱۔۷۴۹۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے' ان کے اوپر سونے کی ٹڈی گر گئی حضرت ایوب (پکڑنے کے لیے) اس پر کپڑا ڈالنے لگے تو ان کو ان کے رب نے ندا کی: اے ایوب! آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں کیا میں نے آپ کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا؟ حضرت ایوب نے کہا: کیوں نہیں! تیری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔ اس حدیث کو ابراہیم نے روایت کیا ہے از موسیٰ بن عقبہ از صفوان بن سلیم از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ نے فرمایا: حضرت ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے۔

(سنن نسائی: ۴۰۹' صحیح ابن حبان: ۶۲۲۹' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۹۸' کتاب الاسماء والصفات ص ۲۰۶' شرح السنۃ: ۲۰۲۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۸۱۵۹۔ ج ۱۳ ص ۴۹۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث میں برکت کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کثرت خیر۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برہنہ غسل کرنا جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام پر ٹڈی پکڑنے پر تو عتاب کیا لیکن برہنہ غسل کرنے پر عتاب نہیں کیا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ انسان کو حالت فقر میں بہ قدر ضرورت جو رزق مل جائے' وہ اس کے لیے نعمت اور فضیلت ہے کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام سونے کی ٹڈی کو مال میں کثرت یا اظہار فخر کے لیے نہیں پکڑ رہے تھے' بلکہ اپنی اہم ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے پکڑ رہے تھے۔ اس حدیث میں حلال مال کی حرص ہے اور غنا کی فضیلت ہے کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کو برکت فرمایا۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۹۹' عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۴۵)

۲۱- باب التستر في الغسل عند الناس
غسل میں لوگوں کے سامنے پردہ کرنا

باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں تنہائی میں برہنہ غسل کرنے کا جواز ذکر کیا تھا اور اس باب میں لوگوں کے سامنے پردہ میں غسل کرنے کو بیان کیا ہے۔

۲۸۰- حدثنا عبد الله بن مسلمة' عن مالك'

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے

عَنْ اَبِی النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰی اُمِّ هَانِیءٍ بِنْتِ اَبِیْ طَالِبٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اُمَّ هَانِیءٍ بِنْتَ اَبِیْ طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ' فَوَجَدْتُهٗ یَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهٗ ' فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ؟ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِیءٍ.

[اطراف الحدیث: ۳۵۷-۳۱۷۱-۶۱۵۸]

حدیث بیان کی از امام مالک از ابی النضر جو کہ عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں کہ ابو مرہ حضرت ام ھانی بنت ابی طالب کے آزاد کردہ غلام نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ام ھانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے سنا' وہ بیان کرتی تھیں کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی' میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ پر پردہ کر رہی تھیں' آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ پس میں نے کہا: میں ام ھانی ہوں۔

(صحیح مسلم: ۳۳۶' الرقم المسلسل: ۷۴۸' سنن ترمذی: ۲۷۳۴' سنن نسائی: ۲۲۴' سنن ابن ماجہ: ۴۶۵' السنن الکبری للنسائی: ۲۲۹' سنن داری: ۲۵۰۲-۱۴۵۳' الاحاد والمثانی: ۳۱۴۹' صحیح ابن حبان: ۱۱۸۸' المعجم الکبیر: ۱۰۱۷-ج ۲۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۹۸-ج ۹ ص ۹۴' شعب الایمان: ۸۸۸۸' شرح السنہ: ۲۷۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۳ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۶۹۰۶-ج ۴۴ ص ۴۷۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ آپ غسل کر رہے تھے اور حضرت فاطمہ آپ پر پردہ کر رہی تھیں۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' جن میں سے چار کا پہلے تعارف ہو چکا ہے' پانچویں حضرت ام ھانی ہیں' ان کا نام فاختہ ہے' ایک قول ہے: فاطمہ ہے' یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔

شرم گاہوں کے چھپانے پر قرآن مجید اور حدیث سے دلائل

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ غسل کے وقت دیکھنے والوں کی نگاہوں سے پردہ کرنا واجب ہے اور جس طرح یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے اپنی شرم گاہ کسی کو دکھائے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بغیر ضرورت کے کسی کی شرم گاہ کو دیکھے۔

پردہ کی اصل قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ. (النور: ۵۸)

اے ایمان والو! تمہارے غلام (نوکر) اور تمہارے وہ بچے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ان کو چاہیے کہ وہ (آنے کے لیے) تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں (۱) نماز فجر سے پہلے (۲) اور دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو (۳) اور نماز عشاء کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں' ان اوقات کے بعد (آنے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے۔

یہ وہ اوقات ہیں' جن میں انسان اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے' لہٰذا ان اوقات میں اگر ان میں سے کوئی تمہارے گھر بغیر اجازت کے آیا تو وہ گنہ گار ہوگا کیونکہ ان اوقات میں یہ احتمال ہے کہ آنے والا تم کو برہنہ دیکھ لے۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا. (الاعراف: ۲۶)

اے اولاد آدم! بے شک ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا ہے' جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپائے اور زینت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرم گاہ چھپانے کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ . (النور: ۳۰)

آپ مؤمنین سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ چیز ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نگاہوں کو پست رکھنے اور شرم گاہوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۹' سنن ابوداؤد: ۱۹۴۶' صحیح مسلم: ۱۳۴۷' سنن نسائی: ۲۹۵۴)

جس نے بغیر عذر کے شرم گاہ کو نہیں چھپایا' اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی

ائمہ فتویٰ اس پر متفق ہیں کہ جو بغیر تہبند کے حمام میں داخل ہوا (یعنی جس نے لوگوں کے سامنے برہنہ غسل کیا) اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ یہ امام مالک' امام ابوحنیفہ' ان کے اصحاب اور امام شافعی کا قول ہے' اور اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص تہبند اتار کر حوض میں داخل ہوا اور دخول سے اس کی شرم گاہ ظاہر ہوگئی' امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اس کی شہادت بھی ساقط ہو جائے گی' اور امام ابوحنیفہ اور ثوری نے کہا: وہ شخص معذور ہے' کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کی شرم گاہ دیکھ سکتے ہیں۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۲-۴۰۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

* اس باب کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۷۲- ج ۱ ص ۱۰۲۹ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

۲۸۱- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ' عَنِ الْاَعْمَشِ' عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ' عَنْ كُرَيْبٍ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ' عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ' فَغَسَلَ يَدَيْهِ ' ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ ' فَغَسَلَ فَرْجَهٗ وَمَا اَصَابَهٗ ' ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهٖ عَلَى الْحَائِطِ اَوِ الْاَرْضِ' ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ ' ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ الْمَاءَ ' ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ . تَابَعَهٗ اَبُوْ عَوَانَةَ ' وَابْنُ فُضَيْلٍ ' فِي السَّتْرِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ستر کیا' اور اس وقت آپ غسل جنابت کر رہے تھے' آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا' پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا' پھر اپنی شرم گاہ کو اور جو چیز اس پر لگی تھی' اس کو دھویا' پھر اپنے ہاتھ کو دیوار یا زمین پر ملا' پھر نماز کا وضوء کیا' سوا اپنے پیروں کے' پھر اپنے پورے جسم پر پانی ڈالا' پھر ایک طرف جا کر اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔ اس حدیث میں ''ستر'' کے لفظ میں سفیان کی ابوعوانہ اور ابن فضیل نے متابعت کی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو ''کتاب الغسل'' میں نو جگہ ذکر کیا ہے اور یہ نویں جگہ ہے اور اس حدیث سے نو مسائل مستنبط کیے ہیں اور ان کے اعتبار سے اس کے نو عنوان قائم کیے ہیں' ہم وہ نو عنوان یا نو مسائل لکھ رہے ہیں' جو امام بخاری نے اس حدیث سے مستنبط کیے ہیں:

(۱) حدیث: ۲۴۹' غسل سے پہلے وضوء کرنا (۲) حدیث: ۲۵۷' غسل میں ایک بار پانی ڈالنا (۳) حدیث: ۲۵۹' غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا (۴) حدیث: ۲۶۰' ہاتھ کو صاف کرنے کے لیے مٹی سے ملنا (۵) حدیث: ۲۶۵' وضوء اور

غسل الگ الگ کرنا (۶) حدیث: ۲۶۶ غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا (۷) حدیث: ۲۷۴ جس نے وضوء کر کے غسل کیا' پھر اعضاء وضوء کو دوبارہ نہیں دھویا (۸) حدیث: ۲۷۶ جس نے غسل جنابت کے بعد ہاتھوں سے پانی جھاڑا (۹) حدیث: ۲۸۱ غسل میں لوگوں سے پردہ کرنا۔

علامہ بدرالدین عینی نے ان مکرر احادیث کی تعداد آٹھ لکھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۴۷) لیکن ان سے گننے میں تسامح ہوا ہے' صحیح یہ ہے کہ ان مکرر احادیث کی تعداد نو ہے' جیسا کہ ہم نے تفصیل سے احادیث کے نمبروں کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے' اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جب امام بخاری کسی حدیث کا مکرر ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود الگ الگ مسائل کا استنباط ہوتا ہے اور یہ تکرار محض نہیں ہوتی' اس سے امام بخاری کی قوتِ استنباط اور صلاحیت استخراج مسائل کا پتا چلتا ہے۔

۲۲- بَابُ إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْاَةُ — جب عورت کو احتلام ہو

اس باب میں عورت کے احتلام کا حکم بیان کیا گیا ہے' احتلام کا لفظ حُلم سے بنا ہے' اس کا معنی خواب ہے' یعنی انسان نیند میں جن چیزوں کو دیکھتا ہے' اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں کا تعلق غسل جنابت کے ساتھ ہے۔

اس عنوان پر یہ اعتراض ہے کہ احتلام تو مرد اور عورت دونوں کو ہوتا ہے' پھر اس باب کا عنوان عورت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں عورت نے احتلام کے متعلق سوال کیا تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس عنوان سے امام بخاری کا مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے' جو کہتے ہیں کہ عورت کے احتلام کا وہ حکم نہیں ہے' جو مرد کے احتلام کا ہے۔

۲۸۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ، اِمْرَاَةُ اَبِيْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ، اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوطلحہ کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں' پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں کرتا' آیا عورت پر بھی غسل واجب ہوتا ہے' جب اسے احتلام ہو جائے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جب وہ پانی دیکھ لے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۱۳۰ میں گزر چکی ہے' وہاں اس حدیث کا عنوان تھا: علم میں حیاء کرنا اور یہاں اس کا عنوان ہے: جب عورت کو احتلام ہو۔

۲۳- بَابُ عَرَقِ الْجُنُبِ، وَاَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ — جنبی کا پسینہ' اور مسلم نجس نہیں ہوتا

یعنی یہ باب جنبی کے پسینہ کے ذکر میں ہے' امام بخاری نے عنوان میں یہ نہیں بیان کیا کہ جنبی کے پسینہ کا کیا حکم ہے' اور نہ اس باب کی حدیث میں جنبی کے پسینہ کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی توجیہ میں لکھا ہے:

امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جنبی کے پسینہ میں اختلاف ہے' ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ جنبی کا پسینہ نجس ہے کیونکہ کافر خود نجس العین ہے اور امام بخاری کے عنوان کا حاصل یہ ہے: جنبی کے پسینہ کا حکم اور مسلمان نجس نہیں ہوتا اور جب وہ نجس

نہیں ہے تو اس کا پسینہ بھی نجس نہیں ہے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کافر نجس ہے اور اس کا پسینہ بھی نجس ہے۔

(فتح الباری ج ا ص ٨٠٦' دارالمعرفۃ بیروت'١۴٢٦ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

یہ کلام ذوق سے بعید اور خلافِ تحقیق ہے' کافر نجس العین نہیں ہے' حکماً نجس ہے' اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٥١' دارالکتب العلمیہ' بیروت'١۴٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا کافر اور اس کے پسینہ کو نجس کہنا' کتب شافعیہ بلکہ کتب مذاہب اربعہ۔۔۔۔۔ بلکہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے

میں کہتا ہوں کہ حافظ عینی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ کافر نجس العین نہیں ہے' فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں بھی اسی طرح لکھا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے مذہب کی کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کی۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اور جمہور سلف کے نزدیک کفار کے برتن اور ان کے کپڑے پاک ہیں' بعض علماء نے فقہاء حنبلیہ سے ان کے نجس ہونے کو نقل کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. (التوبۃ:٢٨) اس کا سوا اور کوئی حکم نہیں کہ مشرکین نجس ہیں۔

ہمارے اصحاب شافعیہ کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ. اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔

(المائدہ:٥)

اور یہ معلوم ہے کہ وہ اپنا کھانا اپنے برتنوں میں پکاتے ہیں اور کھانے کی چیزوں میں اپنا ہاتھ لگاتے ہیں اور اصل طہارت ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دیتے تھے' حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ثمامہ بن اُثال نام کے ایک مشرک کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ (صحیح البخاری:٤٦٩۔ ٤٦٢' صحیح مسلم:١٧٦٤' سنن ابوداؤد:٢٦٧٩' سنن نسائی:١٨٩) اور اگر کفار اور مشرکین نجس العین ہوتے تو آپ ان کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''. (التوبۃ:٢٨) کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین اپنے دین اور اپنے اعتقاد میں نجس ہیں اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے بدن اور ان کے کپڑے بھی نجس ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں داخل کیا اور ان کے برتنوں کو استعمال کیا اور ان کا پکایا ہوا کھانا کھایا۔ (المجموع شرح المہذب ج ٢ ص ٢٧١۔ ٢٧٠' دارالکتب العلمیہ' بیروت'١۴٢٣ھ)

نیز علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جس آدمی کے اوپر نجاست نہ ہو' خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر' اگر وہ پانی میں گر کر مر جائے تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔

(المجموع شرح المہذب ج ا ص ١٣٢' دارالفکر' بیروت' المجموع شرح المہذب ج ٢ ص ١٠٧' دارالکتب العلمیہ' بیروت'١۴٢٣ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: ہمارا مذہب اور جمہور متقدمین اور متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ طہارت اور نجاست میں کافر کا حکم مسلمان کی طرح ہے اور ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''. (التوبۃ:٢٨) سے مراد اس کے اعتقاد کی نجاست ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے اعضاء' پیشاب اور پاخانہ کی طرح نجس ہیں' آدمی طاہر ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر' اس کا پسینہ' اس کا لعاب اور اس کے آنسو

پاک ہیں خواہ وہ بے وضوء ہو جنبی ہو یا حائض ہو یا نفساء ہو اور ان تمام امور پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۹۷ ۱۴ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں: عام اہل علم کے نزدیک آدمی اور اس کا جھوٹا پانی طاہر ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

(المغنی ج ۱ ص ۶۷ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۲۵ھ)

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین اپنے اعتقاد میں نجس ہیں نہ کہ ان کا بدن نجس ہے۔ (کشاف القناع مع الاقناع ج ۱ ص ۵۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا کافر اور اس کے پسینہ کو نجس کہنا مذاہب اربعہ بلکہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور حق وہ ہے جو علامہ عینی نے کہا ہے نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مفہوم مخالف سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲۸۳- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ اَبِي رَافِعٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ كُنْتُ جُنُبًا، فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ وَاَنَا عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔ [طرف الحدیث: ۲۸۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں بکر نے حدیث بیان کی از ابی رافع از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کے کسی راستہ میں ملے اور وہ جنبی تھے (وہ کہتے ہیں:) میں لوٹ کر آپ سے مؤخر ہو گیا پھر میں نے جا کر غسل کیا پھر آ گیا آپ نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟ انہوں نے کہا: میں جنبی تھا میں نے آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند کیا اور میں اس وقت طہارت پر نہیں تھا آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! بے شک مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

(صحیح مسلم: ۳۷۱ الرقم المسلسل: ۸۰۲ سنن ابوداؤد: ۲۳۱ سنن ترمذی: ۱۲۱ سنن نسائی: ۲۶۷ سنن ابن ماجہ: ۵۳۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۷۳ صحیح ابن حبان: ۱۲۵۹ سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۸۹ شرح السنۃ: ۲۶۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵ طبع قدیم مسند احمد: ۷۲۱۱۔ ج ۱۲ ص ۱۴۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس جملے میں ہے: بے شک مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

کافر اور اس کے پسینہ کی طہارت پر فقہاء مالکیہ کے دلائل

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ جب جنابت کا جسم میں حسی اثر نہ ہو تو اس وقت مؤمن کے اعضاء پاک ہوتے ہیں کیونکہ مؤمنین اپنے اعضاء کو پاک اور صاف رکھتے ہیں اس کے برخلاف مشرکین نجاست اور گندگی کی آلودگی سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے غالب احوال کے اعتبار سے فرمایا: ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''۔ (التوبہ: ۲۸) اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کے اعضاء نجس ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے افعال نجس ہیں اور فقہاء کا اس میں کوئی

اختلاف نہیں ہے کہ جنبی کا اور حائض کا پسینہ پاک ہوتا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ میرے نزدیک یہودی' نصرانی اور مجوسی کا پسینہ بھی پاک ہوتا ہے' اور دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کو حلال کر دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ پسینہ آنے سے محفوظ نہیں ہیں اور جب مسلمان ان سے مباشرت کریں گے تو ان کا پسینہ ان کے جسموں کو لگے گا' اس کے باوجود کتابیہ پر اسی صورت میں غسل فرض ہوتا ہے' جس صورت میں مسلمان عورت پر غسل فرض ہوتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن آدم اپنی ذات میں نجس نہیں ہے' جب تک کہ اس پر کوئی خارجی نجاست نہ لگے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۴۔ ۴۰۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اہل فضل کا احترام' غسل جنابت کو مؤخر کرنے کا جواز اور جب جنبی کے جسم پر نجاست نہ ہو تو اس کے اعضاء کا طاہر ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل فضل کا احترام کرنا مستحب ہے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے کو پاکیزہ صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیے' علماء نے کہا ہے کہ طالب علم جب اپنے استاذ کے پاس بیٹھے تو اس کو پاک اور صاف ہونا چاہیے' اس کے ناخن اور مونچھیں کٹی ہوئی ہوں اور اس کے منہ اور بدن سے بدبو نہ آ رہی ہو۔

عالم کو چاہیے کہ جب وہ اپنے متبع کی کوئی بات خلاف شرع دیکھے یا سنے تو اس کی اصلاح کرے۔

غسل جنابت کو مؤخر کرنا جائز ہے' مگر اتنی تاخیر نہ کرے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور غسل سے پہلے وہ اپنے ضروری کام انجام دے سکتا ہے۔

جب جسم پر حسی نجاست نہ ہو تو اس سے کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ مؤمن کے اعضاء طاہر ہیں اور وہ اپنی طہارت کی حفاظت کرتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقراء مسلمین کی دل جوئی اور دل داری کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۵۶۔۳۵۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ کافر نجس العین ہے اور "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"۔ (التوبۃ: ۲۸) سے استدلال کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا اعتقاد نجس ہے اور جمہور کا استدلال اس سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ مسلمان ان سے مباشرت کے وقت ان کے پسینہ سے محفوظ نہیں ہوتا' اس سے معلوم ہوا کہ زندہ آدمی نجس نہیں ہوتا اور اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۸۰۷' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی بھول گئے کہ وہ اس حدیث کے عنوان میں خود لکھ چکے ہیں کہ کافر اور اس کا پسینہ نجس ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن حبان نے اس حدیث کے باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے: اس شخص پر رد کرنا جس کا زعم یہ ہے کہ جب جنبی کنویں میں گر جائے اور غسل کی نیت کرے تو کنویں کا پانی نجس ہو جائے گا۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۸۰۷' دار المعرفہ' بیروت)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ رد بھی مردود ہے کیونکہ یہ حدیث اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی' حدیث کی عبارت اس پر دلیل ہے کہ جنبی بالکل نجس نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کے ساتھ تعرض نہیں کیا گیا کہ جب جنبی غسل کی نیت کرے گا تو اس کا غسالہ پاک ہو

گا' حتیٰ کہ کنویں کے پانی کو نجس کہنے والے کا رڈ کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۶ ۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

* یہ حدیث' شرح صحیح مسلم: ۷۲۸۔ ج ا ص ۱۰۵۶ پر ہے' اس کی شرح کا عنوان ہے: آدمی کے جسم کی طہارت کا بیان۔

۲۴- بَابُ الْجُنُبِ يَخْرُجُ وَيَمْشِيْ فِي السُّوْقِ وَغَيْرِهِ
جنبی نکلے اور بازار وغیرہ میں چلے

ان دونوں بابوں کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ دونوں کا تعلق جنبی کے احکام سے ہے' امام بخاری کہتے ہیں:

وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ ' وَيُقَلِّمُ اَظْفَارَهُ ' وَيَحْلِقُ رَاْسَهُ ' وَاِنْ لَّمْ يَتَوَضَّاْ.

اور عطاء نے کہا: جنبی فصد لگائے اور اپنے ناخن تراشے اور اپنا سر مونڈے' خواہ اس نے وضوء نہ کیا ہو۔

اس تعلیق کی اصل حسب ذیل حدیث ہے:

عبدالرزاق از ابن جریج' وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عطاء سے پوچھا: آیا جنبی فصد لگا سکتا ہے' اور (موئے زیر ناف صاف کرنے کے لیے) چونے کا لیپ کر سکتا ہے اور اپنے ناخن تراش سکتا ہے اور اپنا سر مونڈ سکتا ہے اور اس نے وضوء نہ کیا ہو' انہوں نے کہا: ہاں! اس میں کیا ہے اور وہ تعجب کر رہے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

۲۸۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ' عَنْ قَتَادَةَ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ ' وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الاعلیٰ بن حماد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس گئے اور ان دنوں آپ کی نو ازواج تھیں۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۶۸ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جب جماع کیا پھر دوبارہ جماع کیا اور جو شخص ایک غسل میں اپنی تمام ازواج کے پاس گیا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: جنبی نکلے اور بازار وغیرہ میں چلے' کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا تو آپ حالت جنابت میں ایک زوجہ کے حجرہ سے دوسری زوجہ کے حجرہ میں جاتے تھے۔

۲۸۵- حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ ' عَنْ بَكْرٍ ' عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ' عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ ' فَاَخَذَ بِيَدِيْ ' فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى قَعَدَ ' فَانْسَلَلْتُ ' فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ ' فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ' فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ لَهُ ' فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الاعلیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از بکر از ابی رافع از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' انہوں نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملے اور میں اس وقت جنبی تھا' آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا' پس میں آپ کے ساتھ چل پڑا' حتیٰ کہ آپ بیٹھ گئے' میں چپکے سے نکل گیا' پھر میں گھر آیا' پس میں نے غسل کیا' پھر میں آیا اور آپ بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: اے ابا ہریرہ! تم کہاں تھے؟ تو میں نے آپ کو بتایا'

پس آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اے اباہریرہ! بے شک مومن نجس نہیں ہوتا۔

اس باب کی تخریج اور مفصل شرح' صحیح البخاری: ۲۸۳ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جنبی کا پسینہ (کا حکم) اور بے شک مسلم نجس نہیں ہوتا اور یہاں اس کا عنوان ہے: جنبی نکلے اور بازار وغیرہ میں چلے۔

بغیر وضوء کیے جنبی کے کھانے پینے میں مذاہب فقہاء اور حدیث مذکور کے دیگر فوائد

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ بتانے کا ارادہ کیا ہے کہ جنبی نجس نہیں ہوتا اور وہ غسل کرنے سے پہلے اپنے تمام کاموں میں تصرف کر سکتا ہے اور اس سے ان بعض متقدمین کا رد ہو جاتا ہے' جو جنبی پر وضوء کو واجب کرتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ جنبی ہوتے تو وہ اپنے کسی کام کے لیے نہیں نکلتے تھے' حتیٰ کہ وہ نماز کا وضوء کر لیتے' حضرت ابن عباس سے بھی اس کی مثل مروی ہے' عطاء اور حسن کا بھی یہی قول ہے اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اس وقت تک کوئی چیز کھائے نہ پئے' حتیٰ کہ نماز کا وضوء کر لے' یہ قول حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم اور عطاء سے مروی ہے' اور جس موقف پر لوگوں کا عمل ہے' یہ وہ ہے جو ابوالضحیٰ سے مروی ہے' ان سے سوال کیا گیا: آیا جنبی کھا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور بازار میں چل سکتا ہے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے وضوء کرے اور یہ امام مالک کا قول ہے اور اکثر فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ جب وہ اپنے کاموں کے لیے نکلنا چاہے تو اس پر وضوء کرنا واجب نہیں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ جب آپ اپنی تمام ازواج کے پاس گئے تھے تو آپ وضوء کرتے تھے اور نہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں یہ ہے کہ مومن اس وقت نجس نہیں ہوتا' جب وہ جنابت کے بعد وضوء کرے اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب جنبی کھانے کا ارادہ کرے تو اس پر وضوء کرنا واجب نہیں ہے' وہ امام مالک ہیں اور فقہاء احناف ہیں اور امام اوزاعی ہیں اور امام شافعی ہیں اور امام احمد ہیں اور اسحاق ہیں اور یہی وہ مذہب ہے' جس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عالم کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے شاگرد یا اپنے تابع کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے ساتھ لے چلے' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شاگرد یا ماتحت معلم یا رئیس کو بتائے بغیر اس کی مجلس سے نہ جائے' کیونکہ جب حضرت ابوہریرہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے آپ کو بتائے بغیر چلے گئے' تو آپ نے پوچھا: اے ابوہریرہ! تم کہاں تھے؟ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۵۔۴۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

٢٥- بَابُ كَيْنُوْنَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ اَنْ يَغْتَسِلَ

جب جنبی غسل سے پہلے وضوء کر لے تو اس کا گھر میں ہونا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے: جب جنبی غسل سے پہلے وضوء کر لے تو اس کا گھر میں رہنا جائز ہے' باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب جنبی کے احکام سے متعلق ہیں۔

٢٨٦- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَ شَيْبَانُ' عَنْ يَحْيٰى ' عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ ؟ قَالَتْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام اور شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ' انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

نَعَمْ، وَيَتَوَضَّأُ. [طرف الحدیث:٢٨٨]

سوال کیا: آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں سو جاتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں! اور آپ وضوء کرتے تھے۔

(صحیح مسلم:٣٠٥، الرقم المسلسل:٦٨٥، سنن ابوداؤد:٢٢٣۔٢٢٢، سنن نسائی:٢٥٦، سنن ابن ماجہ:٥٨٤، السنن الکبریٰ للنسائی:٩٠٤٤، مصنف ابن ابی شیبہ ج١ ص٦٠، مسند ابویعلیٰ:٤٥٢٢، صحیح ابن خزیمہ:٢١٣، معرفۃ السنن والآثار:١٥٢٠، تاریخ بغداد ج٩ ص٣٦٨، مسند احمد ج٦ ص٣٦ طبع قدیم، مسند احمد:٢٤٠٨٣، ج٤٠ ص١٠١، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

باب مذکور کی حدیث کا سنن کی ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت ظاہر ہے، بعض علماء نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان سے اس حدیث کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس گھر میں تصویر ہو اور نہ (اُس گھر میں) جس میں کتا ہو اور نہ (اس میں) جس میں جنبی ہو۔ (سنن ابوداؤد:٤١٥٢، سنن نسائی:٢٦١، سنن ابن ماجہ:٣٦٥٠)

لیکن یہ قول حق سے بعید ہے، اس حدیث کو امام ابن حبان نے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، جس نے اس کو ضعیف کہا ہے، اس نے اس حدیث کو عبداللہ بن نجی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ یہ مجہول راوی ہے، لیکن العجلی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

امام عبدالرحمان نسائی متوفی ٣٠٣ھ لکھتے ہیں: عبداللہ بن نجی بن سلمہ الحضرمی الکوفی ثقہ ہے۔

(الجرح والتعدیل للنسائی:٢٠٤٤، ترجمہ:٣٨٧، دارالبحوث للدراسات الاسلامیہ)

اس حدیث میں جنبی سے مراد وہ شخص ہے، جو غسل کرنے میں سستی کرتا ہے اور غسل میں تاخیر کرنے کو اپنی عادت بنالیتا ہے اور کتے سے مراد وہ کتا ہے، جس کو رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور تصویر سے مراد جان دار کی تصویر، جس کو اہانت کے ساتھ نہ رکھا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں جنبی سے مراد وہ شخص ہو، جس نے نہ غسل کیا ہو، نہ وضوء کیا ہو، پھر اس حدیث میں اور باب مذکور میں کوئی منافات نہیں رہے گی۔ (عمدۃ القاری ج٣ ص٣٥٨، فتح الباری ج١ ص٨٠٨)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب جنبی سونے کا ارادہ کرے تو وضوء کرلے، رہا یہ کہ یہ وضوء واجب ہے یا مستحب ہے، اس پر عنقریب کلام آئے گا۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم:٧٠٦۔ ج١ ص١٠٠٢ پر مذکور ہے، اس کی شرح کا عنوان ہے: مجامعت کے بعد دوبارہ مجامعت کرنے یا سونے سے پہلے وضوء کرنے کا استحباب۔

٢٦- بَابُ نَوْمِ الْجُنُبِ

جنبی کا سونا

٢٨٧- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ.

[اطراف الحدیث:٢٨٩۔٢٩٠]

(صحیح مسلم:٣٠٦، الرقم المسلسل: ٦٨٨، سنن نسائی:٢٥٨)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آیا ہم میں سے کوئی شخص حالت جنابت میں سو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب تم میں سے کوئی شخص وضوء کرے تو وہ حالت جنابت میں سو جائے۔

جنبی کے سونے اور کچھ کھانے سے پہلے اور دوبارہ جماع کرنے سے پہلے وضوء یا غسل کرنے کی تحقیق اور اس میں مذاہب ائمہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جنبی کے سونے میں علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہر حدیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ وہ وضوء کر کے سوئے حضرت علی حضرت عائشہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے النخعی طاؤس حسن بصری امام مالک امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا شاذ قول یہ ہے کہ یہ وضوء کرنا واجب ہے لیکن یہ قول متروک ہے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی سعید بن مسیب نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو وضوء کرنے سے پہلے سو جائے امام ابویوسف کا یہی مذہب ہے کیونکہ وضوء اس کو جنابت سے طہارت کی طرف نہیں نکالتا اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

ابو اسحاق از الاسود بن یزید از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنبی ہوتے پھر سو جاتے اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے حتیٰ کہ بعد میں اٹھ کر غسل کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۸ سنن ترمذی: ۱۱۹۔۱۱۸)

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المصری المتوفی ۳۲۱ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث غلط ہے کیونکہ ابو اسحاق نے ایک طویل حدیث کو مختصر کیا ہے اور اختصار میں خطاء کی ہے اس کو چاہیے کہ سونے سے پہلے اس طرح وضوء کرے جس طرح نماز کا وضوء کرتے ہیں۔ اصل حدیث اس طرح ہے:

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس گیا اور میں نے کہا: مجھے وہ حدیث سنائیں جو حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے متعلق بیان کی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اوّل حصہ میں سوتے تھے اور آخری حصہ میں بیدار ہوتے تھے پھر اگر آپ کو حاجت ہوتی تو اپنی حاجت پوری کرتے پھر پانی کو ہاتھ لگانے سے پہلے سو جاتے پھر اذان کے وقت اٹھتے اور اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر آپ جنبی ہوتے تو اس طرح وضوء کرتے جس طرح نماز کا وضوء کرتے ہیں۔ (شرح معانی الآثار: ۷۳۷ مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۲ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۲۔۲۰۱)

اس حدیث میں اسود بن یزید نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر آپ جنبی ہوتے اور سونے کا ارادہ کرتے تو نماز کا وضوء کرتے اور یہ جو حضرت عائشہ نے فرمایا ہے: پھر اگر آپ کو حاجت ہوتی تو اپنی حاجت کو پورا کرتے اور پانی کو چھونے سے پہلے سو جاتے اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ غسل کرنے سے پہلے سو جاتے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ وضوء کرنے سے پہلے سو جاتے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

اسود بن یزید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سونا یا کچھ کھانا چاہتے اور آپ جنبی ہوتے تو آپ وضوء کرتے۔ (شرح معانی الآثار: ۷۳۸ صحیح البخاری: ۲۸۸۔۲۸۷۔۲۸۶ صحیح مسلم: ۳۰۶۔۳۰۵ سنن نسائی: ۲۵۸ سنن ابن ماجہ: ۵۸۴ مصنف عبدالرزاق: ۱۰۷۳ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۰)

از ابوسلمہ بن عبدالرحمان از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کا ارادہ کرتے اور آپ جنبی ہوتے تو آپ نماز کا وضوء کرتے۔ (شرح معانی الآثار: ۷۴۰ صحیح مسلم: ۳۰۵ سنن ابوداؤد: ۲۲۲ سنن نسائی: ۲۵۷ سنن ابن ماجہ: ۵۸۴)

یہ اسود کے غیر کی حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ جنبی ہوتے اور سونے کا ارادہ کرتے تو نماز کا وضوء کرتے۔

ازعروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان فرماتی تھیں: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے پھر سونے کا ارادہ کرے تو اس وقت تک نہ سوئے حتیٰ کہ نماز کا وضوء کر لے۔ (شرح معانی الآثار:۷۴۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آیا ہم میں سے کوئی شخص حالت جنابت میں سو جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ وضوء کرے۔ (شرح معانی الآثار:۷۴۹ صحیح البخاری:۲۸۷ صحیح مسلم:۳۰۶ سنن نسائی:۲۵۸ موطأ امام مالک:۶۷)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ جب جنبی سونے کا ارادہ کرے یا کھانے یا پینے کا ارادہ کرے تو نماز کا وضوء کرے۔ (شرح معانی الآثار:۷۵۷ سنن ابوداؤد:۲۲۵ سنن ترمذی:۱۲۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرتا ہوں اور سونے کا ارادہ کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: وضوء کرو اور سو جاؤ۔ (شرح معانی الآثار:۷۵۹ سنن ابن ماجہ:۵۸۶)

جنبی کے لیے کچھ کھانے سے پہلے وضوء کرنے کے وجوب کا منسوخ ہونا

امام طحاوی فرماتے ہیں: ان احادیث کی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جنبی کو کچھ کھانا نہیں چاہیے حتیٰ کہ وہ وضوء کر لے اور علماء کی دوسری جماعت نے اس کی مخالفت کی اور کہا: اگر جنبی وضوء کے بغیر کچھ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

ازعروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنبی ہوتے اور کچھ کھانے کا ارادہ کرتے تو اپنے ہاتھ دھو لیتے۔ (شرح معانی الآثار:۷۶۰ سنن ابوداؤد:۲۲۳ سنن نسائی:۲۵۶ سنن ابن ماجہ:۵۹۳ مسند احمد:۸ ۱۳۸ ۲۴ دار الفکر)

اس سے پہلے حضرت عائشہ کی روایت میں ہے: جب آپ جنبی ہونے کے بعد کھانے کا ارادہ کرتے تو وضوء کرتے' اور اس حدیث میں ہے: آپ صرف ہاتھ دھوتے اور جب ان احادیث میں تضاد ہو گیا تو ہم نے دیکھا کہ جنابت کے بعد کھانے یا سونے سے پہلے وضوء کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور اب صفائی کی غرض سے صرف ہاتھ دھونے کا حکم ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے نکلے تو آپ سے کہا گیا: کیا آپ وضوء نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں کہ وضوء کروں۔

(صحیح مسلم:۳۷۴ الرقم المسلسل:۸۲۶ سنن دارمی:۷۷۱ مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۹-۲۸۲-۲۲۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نماز کے لیے وضوء کرتے تھے اور سونے سے پہلے جنبی کے وضوء کرنے کا وجوب منسوخ ہو گیا' اور اس کا استحباب باقی ہے۔ (نخب الافکار ج ۱ ص ۷۹۲ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

اسی طرح آپ نے یہ حکم دیا ہے: آدمی جب ایک بار جماع کرنے کے بعد دوسری بار جماع کرے تو وضوء کرے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے پھر دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضوء کرے۔

(شرح معانی الآثار:۷۶۲ صحیح مسلم:۳۰۸ سنن ابوداؤد:۲۲۰ سنن نسائی:۲۶۲ سنن ابن ماجہ:۵۸۷)

دوبارہ جماع کرنے سے پہلے وضوء کرنے کے وجوب کا منسوخ ہونا

ہم نے ایک اور باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماع کرتے تھے پھر دوبارہ جماع کرتے

تھے اور وضوء نہیں کرتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ج۱ ص۱۶۷ قدیمی کتب خانہ کراچی نخب الافکار ج۱ ص۷۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور یہ حدیث ہمارے نزدیک دوبارہ جماع کرنے سے پہلے وضوء کرنے کے وجوب کے حکم کے لیے ناسخ ہے اور اس کا استحباب باقی ہے۔ (شرح معانی الآثار ج۱ ص۱۶۷ نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار ج۱ ص۷۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار جماع کرنے سے پہلے غسل کرتے تھے:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاتے اور اس کے پاس بھی غسل کرتے اور اس کے پاس بھی غسل کرتے' آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! اگر آپ ایک ہی بار غسل کر لیتے! آپ نے فرمایا: یہ زیادہ ستھرا' زیادہ طاہر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۷۶۵' سنن ابوداؤد: ۲۱۹' سنن ابن ماجہ: ۵۹۰' مسند احمد ج۶ ص۸-۱۰-۳۹۱)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ آپ کا یہ عمل بہ طور وجوب نہیں تھا بلکہ بہ طور استحباب تھا۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا۔

(شرح معانی الآثار: ۷۶۷' صحیح مسلم: ۳۰۹' سنن ابوداؤد: ۲۱۸' سنن ترمذی: ۱۴۰' سنن ابن ماجہ: ۵۲۸' مسند احمد ج۳ ص۱۸۹-۲۲۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب انسان کو قدرت ہو تو کثرتِ جماع مکروہ نہیں ہے اور متعدد بار جماع کرنے کے بعد ایک بار غسل کرنا کافی ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دو بار جماع کے درمیان وضوء کرنا واجب نہیں ہے اور اس کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے' وہ منسوخ ہے۔ (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار ج۱ ص۸۰۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے کہ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضوء کرنے کا حکم جمہور کے نزدیک مستحب ہے' امام شافعی نے اس کو واجب نہیں کہا اور نہ ان کے اصحاب اس حکم کے وجوب کو پہچانتے ہیں۔

(فتح الباری ج۱ ص۸۱۰ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی ازواج کی تعداد اور ان کے اسماء

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج کے ساتھ جماع کیا:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے' اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق تیمیہ (۲) حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب العدویہ (۳) حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب الامویہ (۴) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۵) حضرت ام سلمہ ھند بنت ابی امیہ المخزومیہ (۶) حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ (۷) حضرت سودہ بنت زمعہ العامریہ (۸) حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار المصطلقیہ (۹) حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب النضریہ الاسرائیلیہ الہارونیہ' رضی اللہ عنہن۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل ازواج کی تعداد اور ان کی ترتیب اور ان کی تعداد جو آپ سے پہلے فوت ہو گئیں اور جن کے ساتھ آپ نے دخول کیا اور جن کے ساتھ آپ نے دخول نہیں کیا اور جن کو صرف نکاح کا پیغام دیا اور ان کے ساتھ نکاح نہیں کیا اور جن خواتین نے خود کو آپ کے اوپر پیش کیا' ان سب کے اسماء

(۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲) حضرت سودہ بنت زمعہ (۳) حضرت عائشہ (۴) حضرت حفصہ (۵) حضرت ام سلمہ (۶) حضرت جویریہ (۷) حضرت زینب بنت جحش (۸) حضرت زینب بنت خزیمہ (۹) حضرت ریحانہ بنت زید (۱۰) حضرت ام حبیبہ (۱۱) حضرت صفیہ (۱۲) حضرت میمونہ (۱۳) حضرت فاطمہ بنت ضحاک (۱۴) حضرت اسماء بنت نعمان' ان میں بہت اختلاف ہے اور جن پر اتفاق ہے' وہ گیارہ ہیں: (۱) حضرت خدیجہ (۲) حضرت سودہ (۳) حضرت عائشہ (۴) حضرت حفصہ (۵) حضرت زینب بنت خزیمہ (۶) حضرت ام سلمہ (۷) حضرت زینب بنت جحش (۸) حضرت ام حبیبہ (۹) حضرت جویریہ (۱۰) حضرت میمونہ (۱۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن۔

جو آپ کی زندگی میں فوت ہو گئیں' وہ حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں اور باقی نو ازواج آپ کے بعد فوت ہوئیں۔

ازواجِ مطہرات کے سنین وفات اور مقام تدفین

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' ہجرت سے پانچ سال پہلے مکہ میں فوت ہوئیں' ایک قول ہجرت سے چار سال پہلے کا ہے اور ایک تین سال پہلے کا ہے اور وہی صحیح قول ہے' اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی' وہ آپ کے ساتھ ۲۵ سال رہیں اور الحجون میں دفن کی گئیں۔

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا' مدینہ میں شوال ۵۴ھ میں فوت ہوئیں۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' مدینہ میں ۵۷ھ میں فوت ہوئیں' ایک قول ۵۸ھ کا ہے' یہ ۱۹ رمضان کی تاریخ تھی' آپ نے حکم دیا تھا کہ آپ کو رات میں دفن کیا جائے' آپ کو البقیع میں دفن کیا گیا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی' اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ (علامہ ابن اثیر نے وفات کی تاریخ ۱۷ رمضان لکھی ہے اور آپ کی عمر اس وقت ۶۵ سال تھی۔ اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۴) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شعبان ۴۵ھ میں فوت ہوئیں اور اُس وقت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔

(۵) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ربیع الثانی ۴ھ میں فوت ہوئیں اور البقیع میں دفن کی گئیں۔

(۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۵۹ھ میں فوت ہوئیں اور البقیع میں دفن کی گئیں' حضرت ابوہریرہ نے نماز پڑھائی' اس وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی۔

(۷) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا' مدینہ میں ۲۰ھ میں فوت ہوئیں' اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی' حضرت عمر نے نماز پڑھائی۔

(۸) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں ۴۴ھ میں فوت ہوئیں۔

(۹) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ربیع الاول ۵۶ھ میں فوت ہوئیں' اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔

(۱۰) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا' مکہ سے دس میل پر مقام سرف میں ۵۶ھ میں فوت ہوئیں' اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔

(۱۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں ۵۰ھ میں فوت ہوئیں' ایک قول ۵۲ھ کا ہے۔

(نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ج ا ص ۸۰۰-۷۹۹' قدیمی کتب خانہ کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متعدد نکاح کرنا تبلیغ اسلام' احکام شرعیہ کی ترویج اور ان کے لیے نمونہ فراہم کرنے' دوست نوازی اور تشریعی مقاصد کے لیے تھا' نہ کہ شہوت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو متعدد نکاح کیے' اس کے متعلق منکرین اسلام کہتے ہیں کہ آپ نے غلبہ شہوت کی وجہ سے یہ نکاح کیے تھے' حالانکہ یہ حقائق کے خلاف ہے' مخالفین اسلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں' حالانکہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی بھی متعدد ازواج تھیں' حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بائبل میں لکھا ہے:

(۱) سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا' اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں' اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔

(سلاطین باب:۱۱' آیت:۳-۲' کتاب مقدس ص ۳۴۰' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اس کے برخلاف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں بہ یک وقت کل نو ازواج تھیں' جب کہ آپ کی قوت تمام نبیوں سے زیادہ تھی' ہم پہلے ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ میں چار ہزار مردوں کی قوت تھی' سو جن میں چار ہزار مردوں کی طاقت ہو' ان کا نو ازواج پر قناعت کرنا' اپنے نفس پر انتہائی ضبط اور صبر ہے یا غلبہ شہوت ہے!

(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین عالم شباب میں ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا' جو بیوہ خاتون تھیں اور ان کی عمر اس وقت ۴۰ سال تھی' وہ ۲۵ سال آپ کے نکاح میں رہیں اور ان کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی اور ۵۰ سال کی عمر تک اسی بیوہ خاتون کے ساتھ رہے' اس کے بعد اپنی دوسری شادی حضرت سودہ سے کی' وہ بھی بیوہ خاتون تھیں اور آپ سے نکاح کے وقت ان کی عمر پچپن سال تھی' اور حضرت عائشہ کے علاوہ آپ نے جن خواتین سے نکاح کیے' وہ سب بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں' پس واضح ہو گیا کہ آپ کا متعدد نکاح کرنا غلبہ شہوت کی وجہ سے نہیں تھا' بلکہ اس کی اور وجوہ تھیں' جن کو ہم بیان کر رہے ہیں۔

(۳) آپ کی زیادہ شادیاں ۵۵ سال کی عمر سے ۵۹ سال کی عمر کے درمیان ہوئیں' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے جنسی جذبہ کی وجہ سے زیادہ شادیاں کیں۔

(۴) جس خاندان میں نکاح کیا جائے' اس خاندان سے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور ربط ضبط بڑھتا ہے' سو جن خاندانوں میں آپ نے نکاح کیے' ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع پیدا ہو گئے' ان لوگوں کو آپ کی پاکیزہ سیرت اور اسلام کی حقانیت دیکھنے کا موقع ملا اور وہ لوگ مائل بہ اسلام ہو گئے۔

(۵) آپ کی خارجی زندگی دیکھ کر آپ کے معمولات دیکھنے والے مردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی تو چاہیے تھا کہ آپ کی گھریلو اور نجی زندگی دیکھنے والی خواتین کی بھی زیادہ تعداد ہوتا کہ وہ آپ کے خانگی معمولات کو روایت کر سکیں۔

(۶) آپ نے زیادہ شادیاں تعلیمی مقاصد سے کیں' کیونکہ عورتوں کے مخصوص مسائل مثلاً حیض' نفاس' جنابت اور اُمور زوجیت کو خواتین ہی بیان کر سکتی تھیں۔

(۷) آپ نے تشریعی مقاصد سے بھی نکاح کیے' عربوں میں مشہور تھا کہ منہ بولا بیٹا' حقیقی بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے' حضرت زید بن حارثہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے' جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی تو آپ نے ۳ یا ۵ ھ میں حضرت زینب سے نکاح کر کے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

(۸) آپ نے بعض نکاح اپنے وفادار دوستوں کو ان کی وفاداری کا صلہ دینے کے لیے کیے' جیسے آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی صاحب زادیوں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے نکاح کیے۔ (حضرت عائشہ سے ہجرت سے تین سال پہلے نکاح کیا۔

(الاصابہ ج۸ ص ۲۳۲) حضرت حفصہ سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ (الاصابہ ج۸ ص ۸۷))

(۹) نجاشی نے آپ کا نکاح آپ کی اجازت سے ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ سے کر دیا' اس سے آپ نے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ کسی شخص کا وکیل بھی اس کا نکاح کر سکتا ہے' اس وقت آپ مدینہ میں تھے اور حضرت ام حبیبہ حبشہ میں تھیں' آپ نے مکتوب کے ذریعہ اجازت دی تھی۔ (الاصابہ ج۸ ص ۱۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت) سو اس سے معلوم ہو گیا کہ لڑکا مثلاً انگلینڈ میں ہو اور لڑکی پاکستان میں ہو اور وہ خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ کسی کو پاکستان میں اپنا وکیل بنا دے تو وہ وکیل اس کا نکاح کر دے گا اور لڑکی رخصت ہو کر انگلینڈ چلی جائے گی۔

(۱۰) بعض نکاح آپ نے کسی فتنہ کو زائل کرنے کے لیے کیے' ۷ھ میں خیبر کے مالِ غنیمت میں حضرت دحیہ کلبی نے آپ سے پوچھا کہ میں ایک کنیز لے لوں؟ آپ نے اجازت دے دی' انہوں نے حضرت صفیہ کو لے لیا' جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار تھیں' اس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا کہ یہ خاتون تو اپنی خاندانی عظمت کی بناء پر صرف آپ کے لائق ہیں' آپ نے حضرت دحیہ سے کہا: تم کوئی اور باندی لے لو اور فتنہ کو زائل کرنے کے لیے آپ نے ان سے نکاح کر لیا' یہ مطلقہ خاتون تھیں۔

(صحیح البخاری: ۳۷۱' ملخصاً' الاصابہ ج۸ ص ۲۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۱۱) حضرت عباس کی دل جوئی کی خاطر اور ان کی درخواست پر ۷ھ میں حضرت میمونہ سے نکاح کیا' حضرت میمونہ معمر بیوہ تھیں' ان کا کوئی سہارا نہیں تھا' اس لیے آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ آخری خاتون ہیں' جن سے آپ نے نکاح کیا۔

(اسد الغابہ ج۷ ص ۲۶۳۔ ۲۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۱۲) ۵ یا ۶ھ میں بنو مصطلق کے لوگ جنگ میں شکست کھا کر اسیر اور غلام ہو گئے تھے' یہ لوگ اسلام کے دشمن تھے اور جنگ میں شکست کھا چکے تھے' آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ کا زرِ مکاتبت ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا' اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا' اس نکاح کی برکت سے آپ نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ (الاصابہ ج۸ ص ۷۳۔ ۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۱۳) حضرت ام سلمہ کے خاوند حضرت ابو سلمہ ایک جنگ میں زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گئے' انہوں نے ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے تھے' ان کا کوئی کفیل نہ تھا' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کفالت کرنے کے لیے ۳ یا ۴ھ میں ان سے نکاح کر لیا۔

(الاصابہ ج۸ ص ۴۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۱۴) حضرت زینب بنت خزیمہ کے پہلے شوہر طفیل تھے' ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت عبیدہ بن حارث سے ہوا' جو جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے' اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عبد اللہ بن جحش سے ہوا' وہ بھی جنگ احد میں شہید ہو گئے' ان کے زخموں کی دادرسی کرنے کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا' ۳ھ میں جب آپ نے ان سے نکاح کیا' اس وقت ان کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی اور وہ آپ کی زندگی میں ہی دو یا تین ماہ بعد فوت ہو گئیں۔

(الاصابہ ج۸ ص ۱۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' طبقات کبریٰ ج۸ ص ۹۲)

(۱۵) حضرت سودہ بنت زمعہ اپنے شوہر کے فوت ہونے کے بعد بے سہارا ہو گئیں تھیں اور وہ اس وقت کافی معمر تھیں' اس عمر میں ان

سے کون نکاح کرتا' آپ ان کا سہارا بنے اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(اسد الغابۃ ج ۷ ص ۱۵۸۔ ۱۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا' ان کی زندگی میں اپنی امت کے لیے شوہر کا نمونہ نہیں ہے' باپ کا نمونہ نہیں ہے' بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا نمونہ نہیں ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بیوہ' مطلقہ اور ایک کنواری خاتون کے ساتھ نکاح کیا' ان کے درمیان عدل و انصاف کیا' ان کے حقوق ادا کیے' اس میں امت کے لیے شوہر کا نمونہ ہے' آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحب زادیاں ہوئیں' آپ نے ان کی پرورش کی' تین صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں آپ کی زندگی میں فوت ہوئیں' آپ نے ان پر صبر کیا' دو بیویوں کی وفات پر صبر کیا' ان کی تجہیز و تکفین کی' چار صاحب زادیوں کے نکاح کیے' ان سب کاموں میں امت کے لیے نمونہ ہے۔

(۱۷) عام طور پر لوگ غیر خاندان اور غیر کفو میں نکاح کو باعث عار سمجھتے ہیں' آپ نے اپنی دو ہاشمی صاحب زادیوں کا نکاح حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ سے کر کے انسانیت کا پرچم بلند کیا اور امت کے لیے غیر کفو میں نکاح کرنے کا عملی نمونہ فراہم کیا۔

(۱۸) جن کے ساتھ آپ نے نکاح کیے' ان کو دنیا میں عزت ملی' وہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آخرت میں وہ آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی' سو تعدد ازواج کی وجہ سے متعدد خواتین کو دنیا اور آخرت کی عزت ملی اور شرف حاصل ہوا۔

(۱۹) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معاملہ میں عمل کا پہلو قول سے آگے ہوتا ہے' امت کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا' خود بہ شمول تہجد چھ نمازیں پڑھتے تھے اور چاشت اور اشراق پڑھتے تھے اور بہت نوافل پڑھتے تھے' امت کو چار ازواج میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا' پس کروڑوں صلوٰۃ و سلام ہوں' اس نبی پر جس نے متعدد نکاح کر کے امت کے لیے ہدایت اور فوز و فلاح کی راہیں روشن کر دیں!

※ باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۱۰۔ ج ۱ ص ۱۰۰۲ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کا عنوان ہے: مجامعت کے بعد دوبارہ مجامعت کرنے یا سونے سے پہلے وضوء کرنے کا استحباب۔

۲۷- بَابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ — جنبی وضوء کرے' پھر سو جائے

اس سے پہلے باب میں جنبی کے سونے کا ذکر تھا اور اس باب میں یہ ذکر ہے کہ وہ وضوء کر کے سوئے۔

۲۸۸- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ اَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ فَرْجَهُ، وَتَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' وہ کہتے ہیں: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی جعفر از محمد بن عبد الرحمان از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے کا ارادہ کرتے اور آپ جنبی ہوتے تو اپنی شرم گاہ کو دھوتے اور نماز کا وضوء کرتے۔

اس حدیث کی تخریج صحیح البخاری: ۲۸۶ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جب جنبی غسل سے پہلے وضوء کر لے تو اس کا گھر میں ہونا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: جنبی وضوء کرے' پھر سو جائے۔

۲۸۹- حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِسْتَفْتَى عُمَرُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَنَامُ اَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ نَعَمْ، اِذَا تَوَضَّاَ.

از نافع از عبداللہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: آیا ہم میں سے کوئی شخص سو سکتا ہے جب وہ جنبی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب وہ وضوء کر لے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۸۷ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جنبی کا سونا اور یہاں اس کا عنوان ہے: جنبی وضوء کرے پھر سو جائے۔

۲۹۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ تُصِیْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّیْلِ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ وہ رات کو جنبی ہو جاتے ہیں؟ تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم وضوء کرو اور اپنے آلہ کو دھولو' پھر سو جاؤ۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ۲۸۷ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: جنبی کا سونا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: جنبی وضوء کرے' پھر سو جائے۔

۲۸- بَابُ اِذَا الْتَقَی الْخِتَانَانِ — جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مرد کے ختنے کی جگہ عورت کے ختنے کی جگہ سے مل جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ یہ اس بناء پر ہے کہ عرب میں عورتوں کے ختنہ کا رواج تھا' مرد کا ختنہ یہ ہے کہ اس کے آلہ کے سر پر جو کھال کا زائد حصہ ہے' اس کو کاٹ دیا جائے' عورت کا ختنہ یہ ہے کہ اس کی فرج کے اوپر کی باریک کھال کو کاٹ دیا جائے' امام جصاص نے ''کتاب آداب القضاء'' میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ مرد کے لیے ختنہ سنت ہے اور عورت کے لیے عزت ہے۔

۲۹۱- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ (ح) وَحَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ. تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ مَرْزُوْقٍ، عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَهُ. وَقَالَ مُوْسٰی حَدَّثَنَا اَبَانُ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ اَخْبَرَنَا الْحَسَنُ مِثْلَهُ.

(صحیح مسلم: ۳۴۸' الرقم المسلسل: ۷۶۵' شرح السنۃ: ۲۴۱' صحیح ابن حبان: ۱۱۸۲' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۳' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۴ طبع قدیم' مسند احمد: ۷۱۹۸۔ ج ۱۲ ص ۱۲۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی (ح) اور ہمیں ابونعیم نے ہشام سے حدیث بیان کی از قتادہ از الحسن از ابی رافع از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ' انہوں نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے' پھر اس کو تھکا دے تو بے شک اس پر غسل واجب ہو گیا۔ ہشام کی عمرو بن مرزوق نے متابعت کی ہے از شعبہ' اس حدیث کی مثل میں' اور موسیٰ نے کہا: ہمیں ابان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں حسن نے اس حدیث کی مثل خبر دی۔

اس حدیث کے سات رجال ہیں اوران سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ بعض روایات میں'' پھراس کو تھکا دے'' کی جگہ مذکور ہے: اور ایک ختنہ کی جگہ دوسری ختنہ کی جگہ سے چپک جائے۔

چار شاخوں کا معنی

اس حدیث میں چار شاخوں کا لفظ ہے اس سے مراد دو ہاتھ اور دو پیر ہیں یا دو رانیں اور دو پیر ہیں یا دو ٹانگیں اور دو ہونٹ ہیں اور اقرب یہ ہے کہ اس سے دو ہاتھ اور دو پیر مراد ہیں۔

نفس دخول بلا انزال سے آیا صرف وضوء واجب ہوتا ہے یا غسل؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ غسل کا واجب ہونا نزول منی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جب مرد کے آلہ کا سر عورت کے اندام نہانی میں غائب ہو جائے تو ان دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ ان دونوں کو انزال نہ ہو اب اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے صحابہ کے ابتدائی دور میں اس میں اختلاف تھا کیونکہ ایک جماعت کا یہ مذہب تھا کہ جس نے عورت کے ساتھ جماع کیا اور اس کو انزال نہیں ہوا اس پر وضوء نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۷۶)

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ لکھتے ہیں:

جن صحابہ کا یہ مؤقف تھا کہ اگر انزال نہ ہو تو جماع سے غسل واجب نہیں ہوتا' وہ حضرت عثمان بن عفان' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت زبیر بن العوام' حضرت طلحہ بن عبید اللہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن مسعود' حضرت رافع بن خدیج' حضرت ابوسعید الخدری' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابوایوب انصاری' حضرت ابن عباس' حضرت النعمان بن بشیر اور حضرت زید بن ثابت اور جمہور انصار ہیں رضی اللہ عنہم' اور فقہاء تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح' ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف' ہشام بن عروہ اور الاعمش ہیں اور بعض اہل الظاہر (غیر مقلدین) ہیں۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۲۴۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس دخول بلا انزال سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے نہ کہ غسل

جن آثار سے ان صحابہ اور فقہاء تابعین نے استدلال کیا' وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایک مرد جماع کرتا ہے اور اس کو انزال نہیں ہوتا' حضرت عثمان نے کہا: وہ اس طرح وضوء کرے' جس طرح نماز کا وضوء کرتا ہے اور اپنے آلہ کو دھولے حضرت عثمان نے کہا: یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' حضرت زید بن خالد نے کہا: پھر میں نے یہ سوال حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت الزبیر بن عوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے کیا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا' یحییٰ نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی کہ عروہ بن الزبیر نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۲' صحیح مسلم: ۳۴۷' الرقم المسلسل: ۷۶۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (عورت کو) تھکانے میں صرف وضوء ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۹۰)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مرد کے متعلق دریافت کیا' جو جماع کرتا ہے پھر عورت کو تھکا دیتا ہے' آپ نے فرمایا: اس پر جو چیز لگی ہے' اس کو دھولے اور اس طرح وضوء کرے' جس طرح نماز کا وضوء کرتے

ہیں۔(صحیح البخاری:۲۹۲' صحیح مسلم:۳۴۷' موطأ امام مالک:۷۳۔۷۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' انصار کے ایک مرد کے پاس سے گزرے' آپ نے اس کو بلایا' وہ آپ کے پاس اس حالت میں آیا کہ اس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے' آپ نے فرمایا: شاید ہم نے تم کو جلدی بلا لیا' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جب تم کو جلدی بلا لیا جائے یا تمہیں انزال نہ ہوا ہو تو تمہارے اوپر (صرف) وضوء لازم ہے۔

(صحیح البخاری:۱۸۰' صحیح مسلم:۳۴۵' سنن ابن ماجہ:۶۰۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۔۲۶' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۹' شرح معانی الآثار:۳۰۰)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانی پانی کے سبب سے ہے یعنی غسل نزول منی کے سبب سے ہے۔(صحیح مسلم:۳۴۳' سنن ابوداؤد:۲۱۵' سنن ترمذی:۱۱۰' سنن نسائی:۱۹۹' سنن ابن ماجہ:۶۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۶۔۴۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے ایک مرد کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا' اس نے آنے میں دیر کر دی' آپ نے اس سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟ اس نے کہا: میں اپنی بیوی سے عمل زوجیت کر رہا تھا' جب آپ کا پیغام بر آیا تو میں نے صرف غسل کیا اور کوئی کام نہیں کیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانی صرف پانی کے سبب سے ہے (غسل صرف اس پر واجب ہے' جس کو انزال ہوا ہو)۔

(شرح معانی الآثار:۳۰۳' سنن ابوداؤد:۲۱۵' سنن ترمذی:۱۱۰' سنن نسائی:۱۹۹' سنن ابن ماجہ:۶۰۷)

جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نفس دخول سے غسل واجب ہوتا ہے خواہ انزال نہ ہو

دوسرے صحابہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا' انہوں نے کہا: اس صورت میں غسل ہے' خواہ اس کو انزال نہ ہوا ہو۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۹' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جو جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو تو میں نے کہا: میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا' پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔(سنن ترمذی:۱۰۸' سنن ابن ماجہ:۶۰۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۵۔۱۱۲۔۱۱۰۔۶۸۔۴۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۵' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب دو ختنوں کی جگہیں مل جائیں تو غسل کرو۔

(صحیح البخاری:۲۹۱' صحیح مسلم:۳۴۸' سنن ابوداؤد:۲۱۶' سنن نسائی:۱۹۱' موطأ امام مالک:۷۵۔۷۳۔۷۲۔۷۱' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۵۔۱۲۳۔ ۱۱۲۔۹۷۔۴۷' شرح معانی الآثار:۳۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مرد کے متعلق سوال کیا' جو اپنی بیوی سے جماع کرے' پھر اس کو تھکا دے' آیا اس پر غسل ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس وقت بیٹھی ہوئی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اور یہ اس طرح کرتے ہیں' پھر ہم غسل کرتے ہیں۔(صحیح مسلم:۳۵۰)

جن احادیث میں مذکور ہے کہ غسل انزال سے واجب ہوتا ہے' وہ احتلام اور خواب پر محمول ہیں

امام طحاوی فرماتے ہیں: ان احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو' اس پر بھی غسل کرنا واجب ہے' اور جن احادیث میں ہے کہ پانی پانی سے واجب ہوتا ہے' وہ احتلام پر محمول ہیں یعنی وہ خواب میں دیکھے کہ وہ جماع کر رہا ہے اور اس کو انزال نہ ہو تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔

اور جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ جب تک اس کو انزال نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں ہے ان کے خلاف یہ احادیث ہیں:
(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷۱ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر اس کو تھکا دے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۹۱ صحیح مسلم: ۳۴۸ شرح معانی الآثار: ۳۱۱ سنن ابوداؤد: ۲۱۶ سنن نسائی: ۲۹۱ سنن ابن ماجہ: ۶۱۰ مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۰-۴۷۱-۳۹۳-۳۴۷-۲۳۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۶-۸۵ شرح السنۃ: ۲۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر ختنہ کی جگہ کو ختنہ کی جگہ کے ساتھ چپکا دے تو تحقیق یہ ہے کہ غسل واجب ہو گیا۔

(شرح معانی الآثار: ۳۱۴ صحیح بخاری: ۲۹۱ صحیح مسلم: ۳۴۸ سنن نسائی: ۳۹۱ سنن ابن ماجہ: ۶۱۰ جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۵۴۱)

غسل انزال سے واجب ہوتا ہے یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اب منسوخ ہو چکا ہے

اب دخول بلا انزال سے بھی غسل واجب ہوتا ہے

امام طحاوی فرماتے ہیں: یہ احادیث پہلی احادیث کے خلاف ہیں اب یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کون سی احادیث دوسری احادیث کے لیے ناسخ ہیں سو درج ذیل احادیث میں اس کی وضاحت ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم کہ پانی پانی کے سبب سے ہے (غسل نزول منی کے سبب سے ہے) ابتداء اسلام میں تھا جب اسلام مستحکم ہو گیا تو اس سے منع کر دیا گیا۔ (شرح معانی الآثار: ۳۱۶ سنن ابوداؤد: ۲۱۵-۲۱۴ سنن ترمذی: ۱۱۱-۱۱۰)

حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کو پانی کے سبب سے جو کہا تھا یہ اوّل اسلام میں رخصت تھی پھر اس سے منع کر دیا اور غسل کرنے کا حکم دیا۔ (شرح معانی الآثار: ۳۱۷ سنن ابوداؤد: ۲۱۵-۲۱۴ سنن ترمذی: ۱۱۱-۱۱۰)

محمود بن لبید نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ سے سوال کیا: ایک شخص اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے پھر اس کو تھکا دیتا ہے اور انزال نہیں ہوتا؟ حضرت زید نے کہا: وہ غسل کرے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۸)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے: جب ختنہ کی جگہ ختنہ کی جگہ سے مس کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۹۱ صحیح مسلم: ۳۴۸ سنن نسائی: ۳۹۱ سنن ابن ماجہ: ۶۱۰ شرح معانی الآثار: ۳۲۱)

حبیب بن شہاب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے سوال کیا کہ غسل کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ انہوں نے کہا: جب آلہ کا سر غائب ہو جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۶ ادارۃ القرآن کراچی)

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پہلا حکم کہ جب جماع بغیر انزال کے ہو تو اس سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا منسوخ ہو چکا ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

عبید بن رفاعہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ ذکر کر رہے تھے کہ انزال سے غسل واجب ہوتا ہے اور حضرت زید نے کہا: جب تم میں سے کوئی شخص جماع کرے اور انزال نہ ہو تو وہ اپنی شرم گاہ کو دھوئے اور صرف نماز کا وضوء کر لے پھر مجلس میں سے ایک شخص اٹھ کر گیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ کو اس کی خبر دی حضرت عمر نے

کہا: تم خود جاؤ اور حضرت زید کو لے کر آؤ' تا کہ تم ان پر گواہ ہو' وہ شخص حضرت زید کو لے کر آیا اور حضرت عمر کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے' ان میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت عمر نے حضرت زید سے کہا: تم اپنی جان کے دشمن ہو اور لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے ہو' حضرت زید نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنی طرف سے یہ فتویٰ نہیں دیا' لیکن میں نے اپنے دو چچاؤں سے یہ سنا ہے' حضرت رفاعہ بن رافع اور حضرت ایوب انصاری سے' حضرت عمر نے ان اصحاب سے کہا: اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں' پس ان میں اختلاف ہو گیا' حضرت عمر نے کہا: اے اللہ کے بندو! تم بہترین لوگ ہو' اہل بدر ہو' میں تمہارے بعد اور کس سے پوچھوں گا؟ حضرت علی نے کہا: آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کی طرف پیغام بھیجئے' پھر جو حکم بھی ہو گا وہ ظاہر ہو جائے گا' پھر حضرت عمر نے حضرت حفصہ کی طرف پیغام بھیجا' انہوں نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا: جب ایک ختنہ کی جگہ دوسرے ختنہ کی جگہ سے تجاوز کرے گی تو غسل واجب ہو جائے گا۔ (جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۵۴۱' المسند ج ۶ ص ۷۴' صحیح مسلم: ۳۴۹) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اگر مجھے علم ہوا کہ کسی نے یہ کام کیا ہے' پھر غسل نہیں کیا تو میں اس کو عبرت ناک سزا دوں گا۔ (شرح معانی الآثار: ۳۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۷)

امام ابوجعفر احمد بن الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ہم نے ان آثار کو جو روایت کیا ہے' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف دو شرم گاہوں کے ملنے اور دخول سے غسل واجب ہو جاتا ہے' خواہ انزال نہ ہو اور صرف وضوء کرنے کا حکم ان احادیث اور آثار سے منسوخ ہو گیا۔

قیاس سے اس کا ثبوت کہ نفس دخول غسل کا موجب ہے خواہ انزال نہ ہو

اور طریق نظر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرج میں جماع کرنا حدث ہے خواہ انزال نہ ہو' اب ایک قوم یہ کہتی ہے کہ یہ اغلظ حدث ہے اور اغلظ طہارت کو واجب کرتا ہے' جو غسل ہے اور دوسری قوم یہ کہتی ہے: یہ اخف حدث ہے اور یہ اخف طہارت کو واجب کرتا ہے' جو وضوء ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ دو شرم گاہوں کا ملنا اور دخول اغلظ اشیاء ہے' حتیٰ کہ ایک آدمی روزے میں یا حج میں دخول کرے' خواہ انزال نہ ہو تو اس سے اس کا روزہ اور حج فاسد ہو جائے گا اور اس پر روزے اور حج کی قضاء لازم ہو گی اور حج کی قضا کرنی لازم ہو گی اور روزے میں قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے' اور اگر اس کو انزال ہو جائے' تب بھی قضاء اور کفارہ ہی لازم ہو گا اور اس سے کچھ زیادہ لازم نہیں ہو گا' اس سے معلوم ہوا کہ انزال سے کچھ فرق نہیں پڑتا' اس لیے صرف شرم گاہوں کا ملنا اور نفس دخول ہی اغلظ حدث ہے' اس لیے اس سے اغلظ طہارت واجب ہو گی اور وہ غسل ہے۔

نظر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی انسان کسی اجنبی عورت کی شرم گاہ میں اپنی شرم گاہ کو داخل کرے اور انزال سے پہلے اپنے آلہ کو نکال لے تو اس پر حد واجب ہو گی اور اگر اس کو انزال ہو جائے' پھر بھی حد واجب ہو گی اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اغلظ حدث صرف نفس دخول ہے' خواہ انزال نہ ہو' اس لیے اغلظ طہارت واجب ہو گی' جو غسل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام محمد اور عام فقہاء کا قول ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷۷-۷۹' ملخصاً' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

دو شرم گاہوں کے ملنے سے خواہ انزال نہ ہو' وجوب غسل کے حکم میں امام مالک' امام احمد اور شافعی کی تصریح

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کی جماعت کا یہ مذہب ہے کہ جب دو شرم گاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے' خواہ انزال نہ ہو' جیسا کہ صحیح البخاری: ۲۹۱ میں' اس کی تصریح ہے اور داؤد ظاہری کے سوا فقہاء تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۰۹)

علامہ احمد بن محمد قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ اور علامہ عبد الرحمان بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ ھ لکھتے ہیں:

جب آلہ کا سر عورت کے اندام نہانی میں غائب ہو جائے' خواہ انزال نہ ہو تو اس سے غسل بالاتفاق واجب ہو جاتا ہے' اس میں صرف داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے' اس نے کہا: اس سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۲۶۶' دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۲۵ ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

داؤد بن علی ظاہری (غیر مقلدین کے امام) نے کہا ہے کہ اگر دو شرم گاہیں مل جائیں اور انزال نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۹۱)

(الحاوی الکبیر ج ۱ ص ۲۵۶۔ ۲۵۵ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ ھ)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۶۹۳۔ ج ۱ ص ۱۰۴۳ پر مذکور ہے' اس کی شرح کا عنوان ہے: غسل جنابت کا سبب۔

۲۹- بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنْ رُطُوبَةِ فَرْجِ الْمَرْأَةِ
جسم پر جو رطوبتِ فرج لگ جائے' اس کا دھونا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جماع کرنے سے جسم پر جو عورت کی فرج کی رطوبت لگ جائے' اس کے دھونے کا کیا حکم ہے؟ اس سے پہلے باب میں دو شرم گاہوں کے ملنے کا حکم بیان کیا تھا اور اس باب میں اس ملاپ سے جو فرج کی رطوبت جسم پر لگ جاتی ہے' اس کا حکم بیان کیا ہے' یہ ان دونوں بابوں میں مناسبت ہے۔

۲۹۲- حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ' عَنِ الْحُسَيْنِ' قَالَ يَحْيٰى وَأَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدِ الْجُهَنِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ؟ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ' وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ. قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ' فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ' وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ' وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ' وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ' رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ' فَأَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ' قَالَ يَحْيٰى وَأَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا أَيُّوْبَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(جامع المسانید لابن الجوزی' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۶ ھ' مسند احمد ج ۱ ص ۹۹۔۳' صحیح مسلم: ۷۴۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از الحسین' یحییٰ نے کہا: اور مجھے ابو سلمہ نے خبر دی کہ ان کو عطاء بن یسار نے خبر دی کہ حضرت زید بن خالد جہنی نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان سے سوال کیا کہ یہ بتائیں کہ جب مرد اپنی عورت کے ساتھ جماع کرے اور اس کی منی نہ نکلے تو حضرت عثمان نے کہا: وہ اس طرح وضوء کرے' جس طرح نماز کے لیے وضوء کرتا ہے اور اپنے آلہ کو دھولے' حضرت عثمان نے کہا: میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' میں نے اس کا حضرت علی بن ابی طالب' حضرت الزبیر بن العوام' حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو ان سب نے یہی حکم دیا اور یحییٰ نے کہا: اور مجھے ابو سلمہ نے خبر دی کہ عروہ بن الزبیر نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابو ایوب نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۱۷۹ میں گزر چکی ہے اس کی مزید تخریج اور شرح وہاں ملاحظہ فرمائیں' وہاں اس کا عنوان تھا: جس کے نزدیک صرف آگے اور پیچھے کے راستے سے کسی چیز کے نکلنے سے وضوء ٹوٹتا ہے' اور یہاں اس کا عنوان ہے: جسم پر لگی ہوئی رطوبت فرج کو دھونے کا حکم' اس کی وضاحت اس باب کی دوسری حدیث کی تشریح میں آئے گی۔

۲۹۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى' عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ اَيُّوْبَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْاَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ؟ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْاَةَ مِنْهُ' ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ اَلْغُسْلُ اَحْوَطُ' وَذَاكَ الْاٰخِرُ' وَاِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ. (صحیح ابن حبان: ۱۱۶۹' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۶۴' جامع المسانید لابن الجوزی: ۶' مکتبۃ الرشد ریاض' ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ' انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے ابوایوب نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ نے خبر دی' وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب کوئی مرد اپنی بیوی سے جماع کرے' پس اس کو انزال نہ ہو' آپ نے فرمایا: عورت کے ساتھ جماع کرنے سے جو رطوبت اس کے جسم پر لگی ہو' اس کو دھولے' پھر وضوء کرے اور نماز پڑھے۔ امام ابوعبداللہ نے کہا: غسل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی آخری حکم ہے' ہم نے اس کو صرف ان کے اختلاف کی وجہ سے بیان کیا ہے۔

کتاب الغسل میں امام بخاری کی عبارت پر بحث ونظر

امام بخاری نے فرمایا: یہی آخری حکم ہے یعنی یہ حکم غیر منسوخ ہے اور شارع علیہ السلام نے پہلے وضوء کرنے کا اور بعد میں غسل کرنے کا حکم دیا ہے' ان دو حکموں میں یہ آخری حکم ہے' امام بخاری نے جو کہا ہے' اس میں زیادہ احتیاط ہے' اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک غسل کرنا مستحب ہے' اس وجہ سے علامہ ابن العربی نے امام بخاری پر رد کیا ہے کہ جمہور فقہاء نے اس صورت میں غسل کو واجب کہا ہے ماسوا داؤد ظاہری کے اور جمہور کے مقابلہ میں اس کے خلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی کے امام بخاری پر دو اعتراض کہ امام بخاری نے اس صورت میں غسل کو مستحب کہا ہے' حالانکہ یہ غسل واجب ہے اور انہوں نے ضعیف السند حدیث کو اپنی صحیح میں داخل کیا

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں مشکل چیز امام بخاری کا اختلاف ہے' انہوں نے کہا ہے: یہ غسل مستحب ہے' حالانکہ وہ ائمہ دین میں سے ہیں اور اس مسئلہ میں کوئی خفا نہیں ہے کیونکہ صحابہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تھا' پھر رجوع کر لیا اور وہ اس پر متفق ہو گئے کہ دو شرم گاہوں کے ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال نہ ہو اور حضرت عثمان اور حضرت ابی بن کعب نے اس مسئلہ میں رجوع کر لیا تھا اور انہوں نے اس مسئلہ میں حضرت عائشہ سے رجوع کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ نے بتایا کہ اس صورت میں غسل واجب ہوتا ہے۔ امام بخاری پر تعجب ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کی حدیث کو اثبات غسل میں اور حضرت عثمان کی اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث کو نفی غسل میں برابر قرار دیا ہے' حالانکہ حضرت عثمان کی حدیث ضعیف ہے' کیونکہ اس کا مرجع الحسین بن ذکوان المعلم کی طرف ہے' جو یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از عطاء بن یسار از زید بن الحسین سے روایت کرتا ہے اور اس کا یحییٰ سے سماع نہیں ہے' اس نے اس سے صرف

نقل کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو قطعی صیغہ کے ساتھ داخل کیا ہے' اس حدیث میں یہ علت قادحہ ہے اور حسین کی یحییٰ سے روایت میں مخالفت کی گئی ہے کیونکہ الحسین کے غیر نے اس حدیث کی حضرت عثمان سے موقوفاً روایت کی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ذکر نہیں ہے اور یہ اس حدیث میں دوسری علت قادحہ ہے اور اس حدیث میں ابوسلمہ کی بھی مخالفت کی گئی ہے' کیونکہ انہوں نے اس حدیث کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از زید بن خالد روایت کی ہے کہ انہوں نے پانچ یا چار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو انہوں نے اس صورت میں وضوء کا حکم دیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ذکر نہیں کیا اور یہ اس حدیث میں تیسری علت قادحہ ہے' اس حدیث میں یہ تین علل قادحہ ہیں' ان میں سے اگر ایک علت قادحہ بھی ہو تو امام بخاری اس حدیث کو اپنی صحیح میں داخل نہیں کرتے تو جس حدیث میں یہ تین علل قادحہ ہیں' اس کو امام بخاری نے کیسے اپنی صحیح میں داخل کر لیا۔

اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث کو داخل کرنا بھی ضعیف ہے کیونکہ' اس مسئلہ میں ان کا رجوع ثابت ہے۔

امام بخاری نے جو کہا ہے کہ غسل میں زیادہ احتیاط ہے' اس کی تاویل ہو سکتی ہے' کیونکہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو اس حدیث پر عمل کیا جائے' جس کی وجہ سے دین میں احتیاط ہو' سو وجوبِ غسل کے حکم میں احتیاط ہے اور امام بخاری ایسے امام کی طرف سے ایسی ہی تاویل لائق ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۴۰-۱۳۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر کی طرف سے امام بخاری پر پہلے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' امام بخاری کی طرف سے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے جو امام بخاری کی طرف سے تاویل کی ہے' اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے تصرف سے یہی ظاہر ہے' کیونکہ انہوں نے اس باب کا یہ عنوان قائم نہیں کیا کہ غسل کو ترک کرنا جائز ہے' انہوں نے اس باب کی حدیث سے رطوبت فرج کے دھونے پر استدلال کیا ہے' جو ایک اور مسئلہ ہے' ہاں! علامہ ابن العربی نے جو یہ کہا ہے کہ التقاء ختنین کی صورت میں غسل کے وجوب پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا تھا' اس پر اعتراض ہے کیونکہ اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف مشہور ہے اور تابعین کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے' امام شافعی کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس حدیث میں ہے: "پانی' پانی سے واجب ہوتا ہے' وہ ثابت ہے لیکن وہ منسوخ ہے' اس میں بعض تابعین کا اختلاف ہے' جمہور نے یہ کہا ہے کہ اس صورت میں غسل واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۸۱۳' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کے جواب پر علامہ عینی کی جرح

علامہ بدر الدین حافظ محمود بن احمد عینی نے حافظ ابن حجر کے جواب پر جرح کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے جو اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے' اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دو شرم گاہوں کے صرف ملنے کی صورت میں غسل کو ترک کرنا جائز ہے' کیونکہ اس باب کے عنوان میں انہوں نے صرف رطوبت فرج کے دھونے پر اقتصار کیا ہے کہ اس کو دھونا واجب ہے اور غسل غیر واجب ہے لیکن وہ احتیاط کی وجہ سے مستحب ہے اور اس قائل نے جو یہ کہا ہے کہ صحابہ کا اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے' یہ بھی مردود ہے کیونکہ امام بخاری نے (اور اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے) ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سامنے اس مسئلہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیج کر معلوم کرایا تو حضرت عائشہ نے یہ حدیث سنائی کہ جب ایک ختنہ کی جگہ دوسری ختنہ کی جگہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے' اس موقع پر حضرت عمر نے کہا: اب اگر میں نے کسی سے یہ سنا کہ غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے تو میں اس کو عبرت ناک سزا دوں گا' یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

کے سامنے ہوا اور کسی نے اس پر اعتراض یا انکار نہیں کیا۔ (شرح معانی الآثار: ۳۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۷) پس اس مسئلہ میں صحابہ کا اتفاق ثابت ہو گیا اور علامہ ابن العربی کا یہ لکھنا صحیح ہے کہ صحابہ کا پہلے اس میں اختلاف تھا' پھر انہوں نے رجوع کر لیا اور وہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ اس صورت میں غسل واجب ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۷۶۔۳۷۵ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کا علامہ ابن العربی کے دوسرے اعتراض کے جواب سے گریز

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن العربی کا امام بخاری پر اصل اعتراض یہ نہیں ہے کہ ان کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں غسل مستحب ہے' حالانکہ اس صورت میں غسل واجب ہے' کیونکہ انہوں نے خود امام بخاری کی طرف سے تاویل کر دی' جس کو حافظ ابن حجر نے بھی قبول کر لیا ہے' علامہ ابن العربی کا امام بخاری پر اصل اعتراض یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جو حدیث: ۲۹۲ درج کی ہے' جس میں الحسین کی حضرت عثمان سے روایت ہے' اس میں تین علل قادحہ ہیں' جب کہ ایک علت قادحہ بھی ہو تو وہ حدیث ضعیف السند ہوتی ہے اور اس کو امام بخاری اپنی صحیح میں درج نہیں کرتے' پھر اس حدیث کو انہوں نے اپنی صحیح میں کیسے درج کر دیا؟ حافظ ابن حجر امام بخاری کے بہت بڑے حامی اور زبردست وکیل ہیں' ان کو چاہیے تھا کہ وہ یا تو علامہ ابن العربی کے اس اعتراض کا جواب دیتے یا پھر انصاف کے تقاضے سے تسلیم کر لیتے کہ یہ حدیث ضعیف السند ہے اور اس کو امام بخاری کا اپنی صحیح میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے' لیکن حیرت ہے کہ حافظ ابن حجر نے علامہ ابن العربی کے اس اعتراض کا ذکر تک نہیں کیا اور بلاوجہ اس بحث میں الجھ گئے کہ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ صحابہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہو گیا تھا' حالانکہ ان کا اختلاف مشہور ہے اور حافظ ابن حجر کا یہ جواب بھی مردود ہے' جیسا کہ علامہ عینی نے امام طحاوی کے حوالے سے ثابت کر دیا ہے۔

رطوبت فرج کی طہارت یا نجاست کے متعلق فقہاء شافعیہ کے دو قول

علامہ ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

رہی عورت کی فرج کی رطوبت تو منصوص یہ ہے کہ وہ نجس ہے کیونکہ یہ وہ رطوبت ہے جو محل نجاست میں پیدا ہوتی ہے' لہٰذا یہ نجس ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہ طاہر ہے' جیسے بدن کی دیگر رطوبات پاک ہیں۔

(المہذب ج ۱ ص ۴۸' دار الفکر' بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

رطوبت فرج وہ سفید پانی ہے' جو مذی اور پسینہ کے درمیان متردد ہے' اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہے' علامہ شیرازی نے اس کتاب میں اور ''التنبیہ'' میں اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ نجس ہے اور علامہ البندنیجی نے بھی اس کو نجس کہا ہے اور علامہ بغوی اور علامہ رافعی نے یہ کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ طاہر ہے' علامہ ماوردی نے بھی اس کو طاہر کہا ہے اور امام شافعی نے اپنی بعض کتابوں میں اس کی طہارت کی تصریح کی ہے اور ابن سریج نے امام شافعی سے اس کی نجاست کو نقل کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول امام شافعی سے منصوص ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ طاہر ہے۔

رطوبت فرج کی نجاست پر حضرت زید بن خالد کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے' انہوں نے حضرت عثمان بن عفان سے سوال کیا: یہ بتایئے کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے اور منی نہ نکلے' حضرت عثمان نے کہا: وہ نماز کا وضوء کرے اور اپنے آلہ کو دھولے' حضرت عثمان نے کہا: میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۹۲۔۱۷۹' صحیح مسلم: ۳۴۷) اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! جب ایک آدمی عورت سے جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو؟ آپ نے

فرمایا: اس عورت کی جو رطوبت اس کے جسم پر لگی ہے اس کو دھولے پھر وضوء کرے اور نماز پڑھے۔ (صحیح البخاری: ۲۹۳ ' صحیح مسلم: ۳۴۶)
یہ دونوں حدیثیں صرف وضوء سے نماز کے جواز کے حق میں منسوخ ہیں اور مرد کے آلہ کو دھونے اور اس پر جو عورت کی رطوبت لگی ہے اس کے دھونے کے حق میں ثابت ہیں اور منسوخ نہیں ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی فرج کی رطوبت نجس ہے اور دوسرا قائل اس کو استحباب پر محمول کرے گا' لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک مطلق امر وجوب کے لیے ہے۔
(المجموع شرح المہذب ج ۳ ص ۶۱۳۔ ۶۱۲ ' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

رطوبت فرج کی طہارت اور نجاست کے متعلق مذہب احناف

علامہ نووی شافعی نے اس حدیث سے مطلقاً رطوبت فرج کو نجس قرار دیا ہے' لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں اس رطوبت کو دھونے کا حکم دیا ہے' جو جماع کے وقت عورت کی فرج داخل سے نکلتی ہے' وہ بلاشبہ نجس ہے کیونکہ اس سے مذی یا منی مختلط ہوتی ہے اور ہم صحیح البخاری: ۱۷۹ کی شرح میں علامہ شامی حنفی کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ جو رطوبت فرج خارج سے نکلتی ہے' وہ طاہر ہے' وہ جسم کی دیگر رطوبات لعابِ دہن اور پسینہ کی طرح ہے اور جو رطوبت جماع کے وقت فرج داخل سے نکلتی ہے' وہ نجس ہے۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳ ' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:
عورت پر غسل کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ اس کی منی فرج داخل سے فرج خارج کی طرف نکلے' حتیٰ کہ اس کی منی اپنے مقام سے نکلے اور فرج داخل سے فرج خارج کی طرف نہ نکلے تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا' اس مسئلہ کو تاتارخانیہ نے ''ظاہر الروایۃ'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (غنیۃ المستملی ص ۴۶ ' سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ)
ہماری اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ فقہاء شافعیہ میں سے بعض کا مطلقاً رطوبت فرج کو طاہر قرار دینا اور بعض کا اس کو مطلقاً نجس قرار دینا محض عبث ہے اور بلا دلیل ہے اور صحیح یہ ہے کہ فرج خارج سے جو رطوبت نکلتی ہے' وہ طاہر ہے اور جماع کے وقت فرج داخل سے جو رطوبت نکلتی ہے' وہ نجس ہے کیونکہ وہ منی یا مذی کے ساتھ مختلط ہوتی ہے اور وہ نجس ہیں' اس لیے یہ رطوبت بھی نجس ہو جائے گی۔

''کتاب الغسل'' کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ/ ۱۶ جولائی ۲۰۰۶ء کو ''کتاب الغسل'' ختم ہو گئی' الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے صحیح بخاری کی اس ''کتاب الغسل'' کی شرح کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے' اس کی باقی کتب کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں' میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے تلامذہ کی' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر' مصحح اور بائنڈر کی' تمام قارئین اور تمام مسلمین کی مغفرت فرما دیں' ہمیں دنیا اور آخرت میں عزت اور وجاہت عطا فرمائیں اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں' دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔
و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریتہ و امتہ اجمعین.

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

٦ - كِتَابُ الْحَيْضِ
حیض کا بیان

اس کتاب میں حیض کے احکام بیان کیے گئے ہیں' جب امام بخاری طہارت کے احکام سے فارغ ہو گئے تو اب انہوں نے انجاس کے احکام کے بیان کو شروع کیا اور حیض کو نفاس پر مقدم کیا کیونکہ نفاس کی بہ نسبت حیض کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں حیض کا معنی سیلان اور بہنا ہے اور شرع میں اس کا معنی وہ خون ہے' جو کسی صحت مند عورت کے رحم سے نکلتا ہے' الازہری نے کہا: حیض وہ خون ہے' جو عورت کے بالغ ہونے کے بعد رحم کے گڑھے سے نکلتا ہے' حیض کی مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے یا جو کسی عورت کی عادت معینہ ہو اور استحاضہ وہ خون ہے' جو تین دن سے کم آئے یا دس دن سے زیادہ آئے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۷۷)

امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ' اِلٰى قَوْلِهٖ. وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾. (البقرہ:۲۲۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور آپ سے (لوگ) حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں: آپ کہیے: وہ نجاست ہے' سو تم ایامِ حیض میں عورتوں سے مجتنب رہو (یہاں تک) اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے'' O (البقرہ:۲۲۲)

حیض کے متعلق قرآن مجید کی آیت کی تفسیر

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہود کے ہاں کسی عورت کو حیض آ جاتا تو وہ اس عورت کو اپنے گھر سے نکال دیتے' وہ اس کے ساتھ کھاتے تھے' نہ پیتے تھے' نہ مجامعت کرتے تھے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۲۲۲ نازل فرمادی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان سے گھروں میں مل جل کر رہو' اور جماع کے علاوہ ان کے ساتھ تمام کام کرو۔ تب یہود نے کہا: یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے' پھر اسید بن حضیر اور عباد بن بشر' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! یہود اس اس طرح کہتے ہیں تو کیا ہم ایامِ حیض میں عورتوں سے جماع نہ کرلیا کریں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ہم نے گمان کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے ہیں' پس وہ دونوں (مجلس سے) چلے گئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ کا ہدیہ آیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا اور دودھ پلایا' تب ہم نے گمان کیا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔ (صحیح مسلم:

٣٠٢' الرقم المسلسل: ٦٨٠' سنن ابوداؤد: ٢٥٨' سنن ترمذی: ٢٩٧٧' سنن نسائی: ٢٨٧' سنن ابن ماجہ: ٦٤٣' مسند احمد ج ٦ص ١٣٢)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ ''اَذًی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَذًی'' اس گھناؤنی چیز کو کہتے ہیں: جس سے ایذاء پہنچے اور اس آیت میں حیض کو ''اَذًی'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اس میں سخت بدبو ہوتی ہے' اس میں نجاست ہوتی ہے اور اس سے گھن آتی ہے' پس ''اَذًی'' کا لفظ کئی معانی کا جامع ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ''اَذًی'' کا معنی نجس ہے۔ (دراصل ''اَذًی'' کا معنی ایذاء اور تکلیف ہے اور چونکہ نجاست سے بھی تکلیف ہوتی ہے' اس لیے نجاست کو ''اَذًی'' کہتے ہیں۔) (جامع البیان ج ٢ص ٤٥٧' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حیض نجاست ہے' پس ایام حیض میں مرد کو عورت کے ساتھ جماع کرنے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

١ - بَابٌ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ' وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ

حیض کی ابتداء کس طرح ہوئی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے

اس تعلیق کو امام بخاری خود عنقریب سند متصل کے ساتھ بیان کریں گے۔ (حدیث: ٢٩٤ میں)

وَقَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ أَوَّلُ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ.

اور بعض نے کہا: سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا۔

اس تعلیق کی اصل حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں مرد اور عورتیں اکٹھے نماز پڑھتے تھے' پس عورت کا کوئی دوست ہوتا تھا' وہ اپنے دوست کے لیے عمدہ لباس پہن کر لمبی نماز پڑھتی تھی' پھر ان عورتوں کے اوپر حیض ڈال دیا گیا' تو حضرت ابن مسعود کہتے تھے ان کو اس طرح مؤخر کرو' جس طرح اللہ نے ان کو مؤخر کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ٥١٢٩' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَدِيْثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ.

امام ابوعبداللہ بخاری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اکثر ہے۔

یعنی آپ کی حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ قبول کی جانے والی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تمام بنات آدم کو شامل ہے' لہٰذا وہ اسرائیلیات کو اور ان سے پہلے کی عورتوں کو بھی شامل ہے' علامہ داؤدی نے کہا: حدیث میں اور حضرت ابن مسعود کے قول میں کوئی منافات نہیں ہے' کیونکہ بنی اسرائیل کی عورتیں بھی بنات آدم سے ہیں' حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ان میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں میں بہت عرصہ تک حیض رہا اور یہ ان کی سزا تھی نہ کہ حیض کی ابتداء ان سے ہوئی اور حاکم اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب حضرت حواء کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا تو ان سے حیض کی ابتداء ہوئی اور جب اس طرح ہے تو حضرت آدم کی بیٹیاں حضرت حواء کی بھی بیٹیاں ہیں۔ (فتح الباری ج ١ص ٨١٥' دارالمعرفہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)

٠٠٠- بَابُ الْاَمْرِ بِالنُّفَسَاءِ اِذَا نَفِسْنَ

نفاس والی عورتوں کو جب نفاس آئے تو انہیں حکم دینا

٢٩٤- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَدِيْنِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ خَرَجْنَا لَا نَرٰى اِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ، قَالَ مَا لَكِ اَنُفِسْتِ؟ . قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ، فَاقْضِىْ مَا يَقْضِى الْحَاجُّ، غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِىْ بِالْبَيْتِ. قَالَتْ وَضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ المدینی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمان بن القاسم سے سنا' انہوں نے کہا: میں نے قاسم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا: ہم گھر سے نکلے اور ہم صرف حج کا ارادہ کررہے تھے' جب ہم مقام سرف پر پہنچے تو مجھے حیض آ گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے' اس وقت میں رو رہی تھی' آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہیں حیض آ گیا! میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے' جس کو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے' پس تم وہ افعال کرو جو حج کرنے والے کرتے ہیں' سوا اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرنا' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

[اطراف الحدیث: ٣٠٥-٣١٦-٣١٧-٣١٩-٣٢٨-١٥١٦-١٥١٨-١٥٥٦-١٥٦٠-١٥٦١-١٥٦٢-١٦٣٨-١٦٥٠-١٧٠٩-١٧٢٠-١٧٣٣-١٧٥٧-١٧٦٢-١٧٧١-١٧٧٢-١٧٨٦-١٧٨٧-٢٣٩٥-٤٤٠١-٥٣٢٨-٦١٥٧]

(صحیح مسلم: ١٢١١' الرقم المسلسل: ٢٨٧٠' سنن ابوداؤد: ١٧٨٠-١٧٧٩' سنن نسائی: ٢٧١' سنن ابن ماجہ: ٢٩٦٥' سنن بیہقی ج ٥ ص ٢' شرح السنۃ: ١٨٧٤' مسند الحمیدی: ٢٠٥' مسند احمد ج ٦ ص ٢٧٣ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٦٠٧٤-ج ٤٠ ص ١٠٨' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

عنوانِ باب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: بے شک یہ وہ چیز ہے' جس کو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) علی بن عبداللہ المدینی' ابن الاثیر نے کہا: یہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور یہ خلاف قیاس ہے' قیاس مدنی ہے' الجوہری نے کہا: مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدنی کہا جائے گا اور مدینۃ المنصور کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدینی کہا جائے گا (٢) سفیان بن عیینہ (٣) عبدالرحمان بن القاسم (٤) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (٥) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٨٠)

حائض' نفساء اور جنبی کے طواف کے احکام

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب احرام باندھنے کے بعد عورت کو حیض آ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ تمام افعال حج ادا کرے لیکن وہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے' اور اگر اس نے حالت حیض میں بیت اللہ کا طواف کر لیا تو حیض سے پاک ہونے کے بعد اس کو ایک اونٹ کی قربانی دینی ہوگی' اسی طرح نفاس والی عورت یا جنبی نے نفاس اور جنابت سے پاک ہونے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کر لیا تو ان کو اونٹ کی قربانی دینی ہوگی' اور اگر کسی نے بغیر وضوء کے طواف قدوم کر لیا تو اس کا صدقہ دینا ہوگا' امام شافعی کے نزدیک طواف کے لیے وضوء شرط نہیں ہے' اس لیے ان کے نزدیک اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے' ہر نفلی طواف کا یہی حکم ہے' اور اگر طواف

زیارت بے وضوء کر لیا تو اسے ایک بکری کی قربانی دینی ہوگی' اور اگر جنبی نے طواف زیارت کیا تو اس پر اونٹ کی قربانی ہے' اس طرح حائضہ اور نفساء کا حکم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورتوں کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے' ہاں! اگر قربانی واجب ہو تو ان سے اجازت لینا ضروری ہے اور نفلی قربانی میں ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام مالک نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ گائے کی قربانی اونٹ سے افضل ہے' دیگر فقہاء بہ شمول امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اونٹ کی قربانی افضل ہے کیونکہ ساعت جمعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کی قربانی کو گائے کی قربانی پر مقدم فرمایا ہے۔

شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کی شرح

یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۲۸۱۴۔ ج ۳ ص ۳۸۳۔ ۳۸۲' پر مذکور ہے' اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) افراد' تمتع اور قران کے معنی (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج میں ائمہ کا اختلاف' آیا آپ کا حج اِفراد تھا' تمتع تھا یا قران تھا؟ (۳) آپ کے حج کے بارے میں روایات کے اختلاف کی توجیہ (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج قران ہونے پر دلائل اور اِفراد اور تمتع کی روایات کے جوابات (۵) افراد' تمتع اور قران میں مذاہب ائمہ (۶) افضلیت قران پر احناف کے دلائل (۷) بعض شارحین کا حج کی متعارض روایات کی تطبیق میں تسامح (۸) ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات (۹) قران میں طواف کے متعلق ائمہ کے مذاہب (۱۰) قران میں دو طوافوں پر احناف کا احادیث سے استدلال (۱۱) ہدی روانہ کرنے والے متمتع کے حلال ہونے میں مذاہب ائمہ (۱۲) شوافع اور مالکیہ کے دلائل (۱۳) شوافع اور مالکیہ کے دلائل کا جواب (۱۴) حنابلہ کے دلائل (۱۵) احناف کے دلائل (۱۶) علم رسالت پر اعتراض کا جواب (۱۷) حضرت عائشہ کی اپنے حج میں تمتع میں ہدی کی نفی کرنے کی توجیہ (۱۸) طواف کے لیے طہارت کی شرط میں مذاہب (۱۹) عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا (۲۰) مکہ میں عمرہ کرنے والے کے میقات میں مذاہب (۲۱) حج کے احرام کو عمرہ کے ساتھ تبدیل کرنے میں مذاہب ائمہ (۲۲) امام احمد کی موافقت میں شیخ ابن تیمیہ کے دلائل اور ان کے جوابات (۲۳) حضرت عمر کے تمتع سے منع کرنے کی تاویلات اور توجیہات۔

نوٹ: حدیث مذکور ''صحیح مسلم'' کے باب: احرام کی اقسام' میں درج ہے' اس باب میں ۴۴' احادیث ہیں اور مذکور الصدر عنوانات کا تعلق صرف اس حدیث کی شرح کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ۴۴' احادیث کے ساتھ ہے۔

٢- بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ

حائض کا اپنے خاوند کا سر دھونا اور اس میں کنگھی کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حیض والی عورت اپنے خاوند کا سر دھو سکتی ہے اور اس میں کنگھی کر سکتی ہے' باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب حائض کے احکام کے ساتھ متعلق ہیں۔

٢٩٥- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی تھی اور میں اس وقت حائض ہوتی تھی۔

[اطراف الحدیث: ٢٩٦۔ ٣٠١۔ ٢٠٢٨۔ ٢٠٢٩۔ ٢٠٣١۔ ٢٠٤٦]

(سنن ترمذی: ۱۳۲' سنن نسائی: ۳۸۷۔ ۲۷۶' السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۳۸۰' مصنف عبد الرزاق: ۱۲۳۔۱۰۳۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۵' سنن دارمی: ۱۰۳۷' المنتقیٰ: ۱۰۶' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۸۹' شرح السنۃ: ۳۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۵۵۶۳۔ ج ۴۱ ص ۳۶۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث میں صرف کنگھی کرنے کا ذکر ہے اور سر دھونے کا ذکر نہیں ہے' لہٰذا اس باب کے عنوان کے ایک جز کے ساتھ مطابقت ہے۔

بیوی کی مرضی سے اس سے خدمت لینے کا جواز

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حائض اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کر سکتی ہے' اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حائض اپنے شوہر کے سر کو دھو سکتی ہے اور اس میں کنگھی کر سکتی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ بیوی کی مرضی سے اس سے خدمت لی جا سکتی ہے۔

٢٩٦- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ هِشَامٌ، عَنْ عُرْوَةَ اَنَّهُ سُئِلَ اَتَخْدُمُنِي الْحَائِضُ، اَوْ تَدْنُوْ مِنِّي الْمَرْاَةُ وَهِيَ جُنُبٌ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ كُلُّ ذٰلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ، وَكُلُّ ذٰلِكَ تَخْدُمُنِيْ، وَلَيْسَ عَلٰى اَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ بَاْسٌ، اَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ اَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ، تَعْنِيْ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ حَائِضٌ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ، يُدْنِيْ لَهَا رَاْسَهُ، وَهِيَ فِيْ حُجْرَتِهَا، فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ.

(جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۳۳۹' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۶ھ باقی تخریج وہی ہے جو حدیث: ۲۹۵ کی ہے۔)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ بے شک ابن جریج نے ان کو خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے ہشام نے خبر دی از عروہ' بے شک ان سے سوال کیا گیا: آیا حائض میری خدمت کر سکتی ہے یا عورت اگر جنبی ہو تو میرے قریب ہو سکتی ہے؟ عروہ نے کہا: یہ سب چیزیں میرے اوپر آسان ہیں اور میری بیوی اس طرح میری خدمت کرتی ہے اور اس میں کسی کے لیے بھی کوئی حرج نہیں ہے' مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی تھیں اور وہ حائض ہوتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تھے' آپ اپنا سر حضرت عائشہ کے قریب کرتے اور وہ اپنے حجرہ میں ہوتی تھیں' پس وہ آپ کے سر میں کنگھی کرتیں اور وہ حائض ہوتی تھیں۔

حائض کو چھونے اور اس کو مَس کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

امام ابن شیبہ نے از منبوذ از مادر خود یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے بال بکھرے ہوئے دیکھ رہی ہوں' انہوں نے کہا: میری کنگھی کرنے والی ام عمار حائض ہے' حضرت میمونہ نے کہا: اے بیٹے! حیض ہاتھ میں تو نہیں ہوتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر ہم میں سے کسی ایک کے حجرہ میں رکھتے تھے اور وہ حائض ہوتی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۲' ادارۃ القرآن' کراچی' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۱ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۶۸۱۰۔ ج ۴۴ ص ۳۹۱)

باب مذکور کی حدیث میں عروہ کا استدلال حضرت میمونہ کے استدلال کی طرح ہے اور وہ حائض کی طہارت میں اور اس سے جسمانی قرب میں حجت ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں جو ہے:

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ. اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو عورتوں سے مباشرت مت

کرو۔ (البقرہ:۱۸۷)

اس آیت میں مباشرت سے مراد جماع ہے' اس آیت میں عورت کو چھونے اور اس کو مَس کرنے کی ممانعت نہیں ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر حضرت عائشہ کے قریب کر دیتے تھے اور وہ آپ کے سر میں کنگھی کرتی تھیں' حالانکہ وہ حائض ہوتی تھیں۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی کا رد ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے مرد کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے' لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ معتکف کے لیے باوضوء ہونا لازم نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد زینت کے لیے کنگھی کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض اپنے خاوند کی خدمت کر سکتی ہے' اس کی صفائی کر سکتی ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہ سے مصلّٰی طلب کیا اور انہوں نے کہا: میں حائض ہوں تو آپ نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۵۴' ادارۃ القرآن' کراچی)

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض تنزیہاً اور تعظیماً مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی' اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ معتکف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا صفائی کی غرض سے مسجد سے باہر غسل کرنے کے لیے نہیں جا سکتا' ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کے لیے اپنے حجرہ میں چلے جاتے اور مسجد سے حجرہ میں اپنا سر داخل نہ کرتے۔

جنبی اور حائض کے جسم پر صرف حکمی نجاست ہے

علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حائض کا بدن طاہر ہے اور اس کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے' جس طرح جنبی کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے' اس پر متعدد علماء کا اجماع ہے' حماد سے سوال کیا گیا: آیا حائض اپنے پسینہ سے آلودہ کپڑوں کو دھوئے گی؟ انہوں نے کہا: یہ کام صرف مجوس کرتے ہیں' لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جنبی اور حائض کے بدن پر نجاست حکمیہ ہوتی ہے' جو غسل سے زائل ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری لابن رجب ج ۱ ص ۴۰۲' دار ابن الجوزی' جدہ' ۱۴۱۷ھ)

۳- بَابُ قِرَاءَةِ الرَّجُلِ فِي حِجْرِ امْرَاَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

مرد کا اپنی حائض بیوی کی گود میں قرآن پڑھنا

باب سابق میں حائض کا اپنے خاوند کا سر دھونے کا ذکر تھا' اس میں حائض کے جسم کے ساتھ مَس کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں حائض کی گود میں قرآن مجید پڑھنے کا ذکر ہے' اس میں بھی حائض کے جسم کے ساتھ مَس کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اس تعلیق کا ذکر ہے:

وَكَانَ اَبُوْ وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ اِلٰى اَبِيْ رَزِيْنٍ، فَتَاْتِيْهِ بِالْمُصْحَفِ، فَتُمْسِكُهٗ بِعِلَاقَتِهٖ.

اور ابو وائل اپنی خادمہ کو ابو رزین کی طرف بھیجتے تھے اور وہ حائض ہوتی تھی' پھر وہ ان کے پاس مصحف کو لے کر آتی تھی اور اس کو مصحف کے غلاف کی ڈوری سے پکڑتی تھی۔

اس تعلیق کی اصل حسب ذیل حدیث میں ہے:

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابو وائل اپنی حائض خادمہ کو ابو رزین کے پاس بھیجتے' وہ ان سے ان کے پاس مصحف لے کر آتی اور اس

کو مصحف کے غلاف کی ڈوری سے پکڑتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۴۲۱)

اس تعلیق سے معلوم ہوا کہ جنبی اور حائض مصحف کو اس کے غلاف کی ڈوری سے پکڑ کر اٹھا سکتے ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب' عطاء' حسن بصری' مجاہد' طاؤس' ابووائل رزین' امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد نے اس کی اجازت دی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۸۶)

حائض اور جنبی کو قرآن مجید کے چھونے اور پڑھنے کی ممانعت' اسی طرح بے وضوء کو بھی

معمر' عبداللہ بن ابی بکر سے' وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن حزم کو جو مکتوب لکھا تھا' اس میں مذکور تھا کہ بغیر طہر کے قرآن کو نہ چھوا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۰)

یعنی جو شخص حدث سے پاک ہو' وہی قرآن مجید کو چھو سکتا ہے' خواہ حدث اصغر ہو یعنی بے وضوء۔ یا حدث اکبر ہو یعنی جنبی اور حائض اور نفساء' ان میں سے کوئی بھی قرآن مجید کو نہیں چھو سکتا۔

عطاء نے کہا: کوئی شخص بغیر وضوء کے مصحف کو نہ چھوئے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۵)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیر طاہر قرآن کو نہ چھوئے۔ (سنن نسائی: ۴۸۵۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنابت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید کی تلاوت سے کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۹' سنن ترمذی: ۱۴۶' سنن نسائی: ۲۶۵' سنن ابن ماجہ: ۵۹۴' مسند احمد ج ۱ ص ۸۴)

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں۔
(سنن ترمذی: ۱۳۱' سنن ابن ماجہ: ۵۹۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو طاہر کے سوا اور کوئی نہ چھوئے۔
(سنن دار قطنی: ۴۳۱۔ ۴۳۰' سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۸' المعجم الکبیر: ۱۳۲۱۷)

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے' وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل یمن کی طرف مکتوب بھیجا' اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ قرآن مجید کو طاہر کے سوا اور کوئی نہ چھوئے۔ (سنن دار قطنی: ۴۳۲)

حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم بغیر طہر کے قرآن مجید کو نہ چھونا۔
(سنن دار قطنی: ۴۳۳' المستدرک ج ۳ ص ۴۸۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تلوار لٹکائے ہوئے نکلے' ان سے کہا گیا کہ تمہارے بہنوئی اور بہن نے دین بدل لیا ہے' حضرت عمر ان کے پاس گئے' اس وقت ان کے پاس مہاجرین میں سے ایک شخص تھے جن کا نام خباب تھا' وہ ان سے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے' حضرت عمر نے کہا: مجھے وہ کتاب دو' جو تم پڑھ رہے تھے' میں بھی اس کو پڑھوں گا' حضرت عمر کتاب پڑھ سکتے تھے' ان کی بہن نے کہا: تم ناپاک ہو اور قرآن مجید کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں' تم اٹھ کر غسل کرو یا وضوء کرو' حضرت عمر نے وضوء کیا' پھر کتاب کو پڑھا: طٰہٰ۔ (سنن دار قطنی: ۴۳۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۸' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۹' المعجم الاوسط: ۳۶۵۴)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سلمان فارسی کے ساتھ ایک سفر میں تھے' انہوں نے قضاء حاجت کی' ہم نے کہا: آپ وضوء کریں تاکہ ہم آپ سے قرآن کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں' انہوں نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو' میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں۔
(سنن دار قطنی: ۴۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۰۰' المستدرک ج ۱ ص ۱۸۳)

شیخ ابن حزم اور غیر مقلدین کے نزدیک حائض اور جنبی قرآن مجید کو چھو سکتے ہیں' ہم نے تبیان القرآن میں "لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" (الواقعہ:٧٩) میں ان کا بہت مفصل اور مدلّل ردّ کیا ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ١١ ص ٧٠٠-٦٨٧۔

٢٩٧- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ سَمِعَ زُهَيْرًا، عَنْ مَنْصُوْرِ ابْنِ صَفِيَّةَ اَنَّ اُمَّهٗ حَدَّثَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِيْ حِجْرِيْ وَاَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ.

[طرف الحدیث: ٧٥٤٩]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم الفضل بن دکین نے حدیث بیان کی' انہوں نے زہیر سے سنا از منصور بن صفیہ کہ ان کی والدہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حدیث بیان کی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگائے ہوئے تھے اور میں حائض تھی' پھر آپ قرآن پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم: ٣٠١' الرقم المسلسل: ٦٧٩' سنن نسائی: ٢٧٣-٣٧٩' سنن ابن ماجہ: ٦٣٤' مسند احمد ج ٦ ص ٧٢ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٤٣٣٥-ج ٤٠ ص ٤٩٣' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٦٩٥' مکتبۃ الرشد' ریاض' ١٤٢٦ھ)

اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ حائض کو چھونا اور اس کو مَس کرنا جائز ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٦٠١- ج ١ ص ٩٩٩ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٤- بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا
جس نے نفاس پر حیض کا اطلاق کیا

٢٩٨- حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ اُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ بَيْنَا اَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِيْ خَمِيْصَةٍ، اِذْ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ، فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِيْ، قَالَ اَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ نَعَمْ، فَدَعَانِيْ، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهٗ فِي الْخَمِيْلَةِ.

[اطراف الحدیث: ٣٢٢-٣٢٣-١٩٢٩]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابوسلمہ کہ زینب ام سلمہ کی بیٹی نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوکور منقش چادر میں لیٹے ہوئے تھے' مجھے حیض آ گیا' میں چپکے سے نکل گئی' پس میں نے اپنے حیض کے کپڑے لیے' آپ نے پوچھا: کیا تم کو نفاس آ گیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے مجھ کو بلایا' پس میں آپ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی۔

(صحیح مسلم: ٢٩٦' الرقم المسلسل: ٦٦٩' سنن نسائی: ٢٨٢-٣٦٩-٣٠٩' شرح السنۃ: ٣١٦' مصنف عبد الرزاق: ١٢٣٥' مسند احمد ج ٦ ص ٣٠٠ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٦٥٦٦- ج ٤٤ ص ١٩١' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کے چھ رجال ہیں' ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

"خمیصۃ" اور "خمیلۃ" کے معنی

اس حدیث میں "خمیصۃ" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چوکور چادر' جس پر نقش و نگار بنے ہوئے ہوں' ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے: موٹے کپڑے کی چادر' جس پر موٹے نقش و نگار ہوں' یہ ابن سیدہ کا قول ہے' صحاح میں ہے: سیاہ رنگ کی چوکور چادر خواہ اس پر نقش و نگار نہ ہوں' اور اس حدیث میں "خمیلۃ" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چادر۔

"فانسللت" میں چپکے سے نکل گئی۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٩١)

باب کے عنوان کی وضاحت اور حائض کے بعض احکام

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے: اس حدیث کا عنوان ہے: جس نے نفاس کا نام حیض رکھا۔ بہ ظاہر یوں ہونا چاہیے تھا: جس نے حیض کا نام نفاس رکھا' کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیض پر نفاس کا اطلاق کیا ہے' امام بخاری نے جب یہ دیکھا کہ حیض اور نفاس کا حکم ایک ہے کہ دونوں میں نمازوں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق جائز ہے' حیض پر نفاس کے اطلاق کی تو اس حدیث میں تصریح تھی' تو انہوں نے اس کے عنوان میں نفاس پر حیض کے اطلاق کا ذکر کر دیا۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائض اپنے خاوند کے ساتھ حیض کے کپڑے پہن کر ایک بستر میں سو سکتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مستحب یہ ہے کہ حائض اپنے عام کپڑوں کے علاوہ حیض کے کپڑے الگ تیار رکھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ. (البقرہ: ۲۲۲) ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔

تو پھر کیا ایک بستر پر بیوی کے ساتھ سونے سے اس حکم کی مخالفت نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایام حیض میں اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرو' اور آپ نے جو حیض کو نفاس سے تعبیر فرمایا' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ نماز اور روزے کے جائز نہ ہونے اور مسجد میں دخول' طواف کعبہ' قرآن مجید کی تلاوت اور مصحف کو چھونے کی ممانعت میں حیض اور نفاس کا حکم ایک ہے' مہلب نے کہا ہے: چونکہ امام بخاری کو نفاس کے متعلق الگ حدیث نہیں ملی' اس لیے انہوں نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا' جس نے نفاس کو حیض کہا۔

نفاس والی عورتوں کے احکام

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نفاس والی عورتیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چالیس دن بیٹھی رہتی تھیں' پھر ہم اپنے چہروں پر ورس نام کی خوشبودار گھاس کا لیپ کرتی تھیں۔

(سنن ترمذی: ۱۳۹' سنن ابوداؤد: ۳۱۱' سنن ابن ماجہ: ۶۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۹۔ ۳۰۴۔ ۳۰۲۔ ۳۰۰)

اہل علم صحابہ' تابعین اور بعد کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز نہیں پڑھے گی' ماسوا اس کے کہ وہ اس سے پہلے طہر کو دیکھ لے' پھر بے شک وہ غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی' اگر اس نے چالیس دن کے بعد بھی خون دیکھا تو اکثر فقہاء کے نزدیک اب وہ نماز ترک نہیں کرے گی' حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ پچاس دن تک نماز ترک کرے اور عطاء سے روایت ہے: وہ ساٹھ دن تک نماز ترک کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۹۳۔ ۳۹۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۵۹۱۔ ج ۱ ص ۹۹۶ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٥- بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ حائض کے ساتھ مباشرت کرنا یعنی اس کے جسم کو اپنے جسم کے ساتھ لپٹانا

اس عنوان میں مباشرت کا معنی جماع نہیں ہے' بلکہ اس کا معنی ہے: اپنی حائض بیوی کے ساتھ اپنے جسم کو لپٹانا' باب سابق کے

ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں بھی حائض بیوی کو اپنے ساتھ لٹانے کا ذکر ہے اور اس میں بھی مباشرت کا یہی معنی ہے۔
مباشرت کا مادہ ''بشرۃ'' ہے اور ''بشرۃ'' کا معنی ہے: کھال اور مباشرت کا معنی ہے: ایک جسم کی کھال کو دوسرے جسم کی کھال کے ساتھ ملانا۔

٢٩٩- حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ، كِلَانَا جُنُبٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے ہم دونوں جنبی ہوتے تھے۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح صحیح البخاری: ٢٥٠ میں گزر چکی ہے وہاں اس کا عنوان تھا: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا اور یہاں اس کا عنوان ہے: حائض کے ساتھ مباشرت کرنا اور اس عنوان کی اس حدیث کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں البتہ اس باب کی دوسری حدیث اس عنوان کے مطابق ہے۔

٣٠٠- وَكَانَ يَاْمُرُنِىْ فَاَتَّزِرُ، فَيُبَاشِرُنِىْ وَاَنَا حَائِضٌ. [اطراف الحدیث: ٣٠٢-٢٠٣٠]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور آپ مجھے حکم دیتے تو میں تہبند باندھ لیتی پھر آپ مجھے اپنے ساتھ لپٹاتے اور میں حائض ہوتی۔

(صحیح مسلم: ٢٩٣ الرقم المسلسل: ٦٦٥ سنن ابوداؤد: ٢٦٨ سنن ترمذی: ١٣٢ سنن ابن ماجہ: ٦٣٦ سنن نسائی: ٢٨٥-٣٧٤ مصنف ابن ابی شیبہ ج ٤ ص ٢٥٤ المستدرک ج ١ ص ١٧٢ سنن بیہقی ج ١ ص ٣١١-٣١٠ سنن دارمی: ١٠٦١ المعجم الاوسط: ٦٨٧١ مسند احمد ج ٦ ص ٣٣ طبع قدیم مسند احمد: ٢٤٠٤٦-ج ٤٠ ص ٥٠ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث کے چھ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: پھر آپ مجھے اپنے جسم کے ساتھ لپٹاتے۔

مباشرت کا معنی اور حائض سے مباشرت کی اقسام

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ مجھے تہبند باندھنے کا حکم دیتے اس جملہ میں یہ دلیل ہے کہ یہاں مباشرت کا معنی جماع نہیں ہے بلکہ یہاں مباشرت کا معنی لمس ہے یعنی مرد کا اپنی کھال کو عورت کے کھال کے ساتھ ملانا اور مس کرنا۔

حائض کے ساتھ مباشرت کی کئی قسمیں ہیں: (١) حائض کے ساتھ جماع کیا جائے اور اس کی فرج میں اپنا آلہ داخل کیا جائے یہ بالا جماع حرام ہے اور ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ''. (البقرہ: ٢٢٢) کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے جو شخص اس کی حلت کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے اور اگر کسی نے حرام سمجھتے ہوئے یہ کام کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور دوبارہ یہ کام نہ کرے اس میں اختلاف ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہوگا اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اس پر سوا استغفار کے اور کچھ لازم نہیں ہے اکثر علماء کا اور ہمارا یہی قول ہے پھر کفارہ کی مقدار میں اختلاف ہے بعض نے کہا: وہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے بعض نے کہا: وہ ایک دینار یا نصف دینار ہے۔ بعض نے کہا: یہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔

حائض سے مباشرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس کے جسم کے ناف کے اوپر اور گھٹنے سے نیچے سے لذت حاصل کی جائے' یہ بالاتفاق جائز ہے۔ حائض سے مباشرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اس کی فرج اور دبر کے علاوہ ناف اور گھٹنے کے درمیان سے لذت حاصل کی جائے' امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ حرام ہے' امام محمد بن حسن اور امام احمد کے نزدیک یہ جائز ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہود کی عورت حائض ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے اور نہ اس کو گھر میں اپنے ساتھ رکھتے اور نہ اس سے جماع کرتے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ". (البقرہ:٢٢٢) لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں' آپ کہیے: وہ نجاست ہے' پس تم ایامِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو یعنی ان سے جماع نہ کرو' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان سے جماع اور دخول کے سوا سب کچھ کرو۔ الحدیث

(صحیح مسلم: ٣٠٢' سنن ابن ماجہ: ٦٤٤' مسند احمد ج ٣ ص ٢ ١٣' کنز العمال: ٤٤٨٩٤)

وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تہبند کے اوپر سے مباشرت کی ہے' وہ استحباب پر محمول ہے' امام محمد کا یہ قول حضرت علی' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٩٦۔ ٣٩٥' ملخصاً' شرح ابن بطال ج ١ ص ٤٢٤۔ ٤٢٣' ملخصاً' فتح الباری ج ١ ص ٨١٩' ملخصاً)

* اس باب کی حدیث' شرح صحیح مسلم: ٥٨٧۔ ج ١ ص ٩٩٤ پر مذکور ہے' اس کی شرح کے عنوانات ہیں:
(١) حائضہ عورت سے مباشرت کی اقسام اور ان کے احکام (٢) منکرین حدیث کے ایک اعتراض کا جواب۔

٣٠١- وَكَانَ يُخْرِجُ رَاْسَهٗ اِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ' فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف اپنا سر نکالتے اور آپ اس حال میں معتکف ہوتے' پس میں آپ کا سر دھوتی اور میں اس وقت حائض ہوتی۔

اس حدیث کی تخریج اور شرح' صحیح البخاری: ٢٩٥ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا' حائض کا اپنے خاوند کا سر دھونا اور کنگھی کرنا اور یہاں اس حدیث کو "مباشرت الحائض" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ مباشرت کا معنی ہے: ایک جسم کی کھال کو دوسرے جسم کی کھال سے ملانا' تو جب حضرت عائشہ آپ کا سر دھوتی تھیں' تو آپ کے ہاتھوں کی کھال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی کھال سے ملتی تھی۔

٣٠٢- حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ خَلِيْلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ' هُوَ الشَّيْبَانِيُّ' عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ' عَنْ اَبِيْهِ' عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا اِذَا كَانَتْ حَائِضًا' فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَاشِرَهَا' اَمَرَهَا اَنْ تَتَّزِرَ فِيْ فَوْرِ حَيْضَتِهَا' ثُمَّ يُبَاشِرُهَا. قَالَتْ وَاَيُّكُمْ يَمْلِكُ اِرْبَهٗ؟ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ اِرْبَهٗ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن خلیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے خبر دی' جو شیبانی ہیں از عبد الرحمان بن الاسود از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے بیان کیا کہ جب ہم میں سے کوئی عورت حائضہ ہوتی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ اپنے جسم کو لپٹانا چاہتے تو آپ اس کو حکم دیتے' وہ حیض کے جوش کے اوپر تہبند باندھ لیتی' پھر آپ اس کو اپنے جسم کے

تَابَعَهُ خَالِدٌ وَ جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

ساتھ لپٹا لیتے' حضرت عائشہ نے فرمایا: تم میں سے کون اپنی خواہش پر ضبط کر سکتا ہے؟ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش پر ضبط کرتے تھے۔ علی بن مسہر کی متابعت خالد اور جریر نے کی ہے از شیبانی۔

اس حدیث کی شرح' صحیح البخاری: ٣٠٠ میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

٣٠٣- حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ تَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ اَنْ يُّبَاشِرَ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَآئِهٖ اَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ. وَرَوَاهُ سُفْيَانُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ. (صحیح مسلم: ٢٩٤' الرقم المسلسل: ٦٦٧' سنن ابوداؤد: ٢١٦٧' سنن دارمی: ١٠٤٦' سنن بیہقی ج ا ص ٣١١' مسند احمد ج ٦ ص ٣٣٥ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٦٨٣٦- ج ٤٤ ص ٤٢٢' مؤسسة الرسالة' بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن شداد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: میں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ازواج میں سے کسی عورت کو اپنے ساتھ لپٹانا چاہتے تو اس کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے اور وہ اس وقت حائض ہوتی' اور اس حدیث کو سفیان نے شیبانی سے روایت کیا ہے۔

باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ازواج میں سے کسی کو اپنے ساتھ لپٹانا چاہتے تو اس کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔ اس حدیث کی مفصل شرح' صحیح البخاری: ٣٠٠ میں کر دی گئی ہے۔

٦- بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ — حائض کا روزے کو ترک کر دینا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حائض ایام حیض میں روزوں کو ترک کر دے اور وہ بعد میں روزوں کی قضاء کرے گی' اس کے برخلاف حائض نمازوں کو جو ترک کرے گی' ان کی قضاء نہیں ہے' بابِ سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب حائض کے احکام میں ہیں۔

٣٠٤- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي مَرْيَمَ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِي زَيْدٌ' هُوَ ابْنُ اَسْلَمَ' عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ' عَنْ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ' قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اَضْحًى' اَوْ فِطْرٍ' إِلَى الْمُصَلّٰى' فَمَرَّ عَلَى النِّسَآءِ' فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ' فَاِنِّي اُرِيتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ. فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ' وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ' مَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاكُنَّ. قُلْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے زید نے خبر دی جو کہ زید بن اسلم ہے از عیاض بن عبداللہ از ابی سعید الخدری' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عیدگاہ کی طرف نکلے' آپ خواتین کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ تم اکثر اہل دوزخ ہو' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو' میں نے کوئی ناقص عقل

وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟ قُلْنَ بَلٰى، قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ ؟ قُلْنَ بَلٰى، قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا. [اطراف الحدیث:١٤٦٢-١٩٥١-٢٦٥٨]

(صحیح مسلم:٧٩، الرقم المسلسل:٢٣٧-٢٣٦٩، سنن ابوداؤد:٤٦٧٩، سنن نسائی:١٥٧٥-١٥٧٨، سنن ابن ماجہ:٤٠٠٣، سنن بیہقی ج١٠ ص١٤٨، شعب الایمان:٢٩، مسند احمد ج٢ ص٦٧ طبع قدیم، مسند احمد: ٥٣٤٣-ج٩ص٢٤٦، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اور ناقص دین والی ایسی نہیں دیکھی، جو کسی محتاط مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو؛ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف کی مثل ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کو جب حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: عورت کو جب حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے۔

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں، ان سب کا تعارف ہو چکا ہے۔

لعن، کفر اور عقل کے معانی، اور عورتوں کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا، اکثری حکم ہے، کلی نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے، یعنی اپنے گھر سے یا اپنی مسجد سے عیدگاہ کی طرف نکلے۔

''اللعن'' اس کا اسم لعنت ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کی دعا کرنا۔ اگر بالکلیہ رحمت سے دور کرنا مراد ہو تو یہ لعنت صرف کفار پر کی جاسکتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب خاص سے دور کرنا مراد ہو تو یہ لعنت فساق پر بھی کی جا سکتی ہے۔

''یکفرن'' یہ لفظ کفر سے بنا ہے، اس کا معنی ستر ہے، یعنی نعمت کو چھپانا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا، یہاں مراد ہے: خاوند کی نافرمانی کرنا۔

عقل، اس کا معنی ہے: روکنا، انسان میں جو ادراک کی قوت انسان کو بُرے کاموں سے روکتی ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا محل دماغ ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس کا محل دل ہے، عقل کی کئی تعریفیں ہیں: (١) یہ وہ قوت ہے، جس سے غائب چیزوں کا ادراک ہوتا ہے (٢) یہ وہ قوت ہے، جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے (٣) یہ وہ قوت ہے، جس سے بُرے اور اچھے کاموں کی تمیز ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف کی مثل ہوتی ہے؟ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (البقرہ:٢٨٢)

پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرلو۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر عورت تو مرد سے ناقص نہیں ہوتی بعض عورتیں مرد سے کامل بھی ہوتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں دنیا کی عورتوں میں سے یہ عورتیں کافی ہیں: مریم بنت عمران،

خدیجہ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون۔

(سنن ترمذی:٣٨٧٨' مسند احمد ج ٣ ص ١٣٥' المستدرک ج ٣ ص ١٥٧' مصنف عبدالرزاق:٢٠٩١٩' شرح السنۃ ج ١ ص ٣٤٩)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کُل پر کسی چیز کا حکم لگایا جائے تو وہ اس کو مستلزم نہیں ہوتا کہ اس کل کے ہر فرد پر وہ حکم لگایا جائے' بعض مردوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور بعض عورتوں کا حافظہ بہت قوی ہوتا ہے' بعض مرد غبی ہوتے ہیں اور بعض عورتیں بہت ذہین ہوتی ہیں' لیکن اکثر مردوں کی عقل کامل ہوتی ہے اور اکثر عورتوں کی عقل ناقص ہوتی ہے اور اس حدیث میں اکثریت کے اعتبار سے عورتوں کو ناقص العقل فرمایا ہے اور چونکہ ہر عورت حیض میں مبتلا ہوتی ہے' اس لیے ہر عورت کی نماز اور روزے کی عبادت مرد کی عبادت سے کم ہوتی ہے' یہ خلقت کے اعتبار سے ہے' ورنہ بہت مرد ایسے ہیں' جو نماز پڑھتے ہیں نہ روزے رکھتے ہیں اور بعض عورتیں ان کی بہ نسبت زیادہ نماز پڑھتی ہیں اور زیادہ روزے رکھتی ہیں' سو عورتوں کا دین میں ناقص ہونا' یہ بھی اکثری حکم ہے کُلی حکم نہیں ہے اور شرع اور عرف میں اکثر افراد پر کل کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

خواتین کو وعظ کرنا' عیدین اور جمعہ کے لیے خواتین کو مساجد میں جانے سے فقہاء کا منع کرنا' وعظ کا طریقہ اور حدیث مذکور کے دیگر متعدد فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن امام کو قوم کے ساتھ نماز عید پڑھنے کے لیے عید گاہ جانا مستحب ہے۔

عید کے دن مسلمانوں کو نیکیوں اور صدقات کی ترغیب دینی چاہیے کیونکہ اس دن اغنیاء اور فقراء جمع ہوتے ہیں اور اغنیاء کو دیکھ کر فقراء کو حسرت آتی ہے' خصوصاً یتیم فقراء اور بیوہ فقراء کو' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصاً خواتین کو صدقہ کی ترغیب دی کیونکہ ان میں سے اکثر پر بخل غالب ہوتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نماز عید کے لیے عورتوں کا عید گاہ میں جانا جائز ہے' علماء نے کہا: یہ صرف آپ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا' لیکن آج کل خوب صورت اور جوان عورت نہ جائے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (بناؤ سنگھار) کو دیکھ لیتے' جو عورتوں نے آپ کے بعد ایجاد کیا ہے تو ان کو مساجد میں آنے سے اسی طرح منع کر دیتے' جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری:٨٦٩' صحیح مسلم:٤٤٥' سنن ابوداؤد:٥٦٩)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ کا یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے' لیکن آج کل جو عورتیں اپنے حسن کی نمائش کرتی ہیں' نعوذ باللہ من ذالک' تو انہیں عید یا غیر عید میں گھر سے نکلنے کی بالکل اجازت نہیں دینی چاہیے' امام ابوحنیفہ نے ایک بار اجازت دی اور دوسری بار منع کر دیا' بعض فقہاء نے نوجوان عورتوں کو منع کیا ہے اور بوڑھی عورتوں کو اجازت دی ہے' امام مالک اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے' علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ٥٨٧ھ نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ جوان عورت کو عیدین' نماز جمعہ بلکہ کسی بھی نماز کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے فرمایا ہے: ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ'' (الاحزاب:٣٣) اور تم اپنے گھروں میں رہو' کیونکہ ان کا گھر سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور بوڑھی عورتوں کو نماز عیدین کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دی جائے گی۔ علامہ نووی نے ''شرح المہذب'' میں کہا ہے کہ جوان عورت اور جس پر شہوت آئے' اس کا گھر سے نکلنا مکروہ ہے اور جن احادیث میں عورتوں کو نماز عید وغیرہ میں نکلنے کی اجازت دی گئی ہے' وہ آپ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وعظ اور نصیحت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا چاہیے' اور کسی شخص معین کو مخاطب نہیں کرنا

چاہیے بلکہ عموم اور شمول کے صیغوں سے خطاب کرنا چاہیے اور یہ کہ صدقہ عذاب کو دور کرتا ہے اور گناہوں کو مٹاتا ہے اور نعمت کا انکار کرنا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا حرام ہے اور باعث عذاب ہے اور گفتگو میں کسی پر لعنت کرنا یا اس کو گالی دینا حرام اور فسق ہے اور کفر باللہ کے غیر پر کفر کا اطلاق جائز ہے' خواتین نے آپ سے پوچھا کہ ہمارے بہ کثرت دوزخی ہونے کا کیا سبب ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ متعلم استاذ سے سمجھنے کے لیے سوال کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حائض کا نماز پڑھنا اور روزے رکھنا منع ہے' نماز اس سے ساقط ہو جائے گی اور روزوں کی وہ قضاء کرے گی اور اس میں یہ تصریح ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف ہے اور اس حدیث میں نیک کاموں کے لیے چندہ کرنے کی اصل ہے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم اور آپ کی رحمت اور آپ کی شفقت کا بیان ہے' آپ پر افضل صلوات اور اشرف تحیات نازل ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۰۵۔۴۰۳ ملخصاً)

٧- بَابُ تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا اِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

حائض تمام مناسکِ حج ادا کرے سوائے بیت اللہ کے طواف کے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کو احرام باندھنے کے بعد حیض آ جائے تو وہ حج بیت اللہ کے سوا باقی تمام مناسک حج ادا کرے گی۔ مناسک' منسک کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: حج کی عبادات کی جگہیں اور منسک مذبح یعنی قربانی کی جگہ کو بھی کہتے ہیں' اس کا مادہ نسک ہے' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت اور ہر وہ فعل جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔

ان دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں حالت حیض میں روزہ کو ترک کرنے کا ذکر ہے اور وہ فرض ہے اور اس باب میں حالت حیض میں بیت اللہ کے طواف کو ترک کرنے کا ذکر ہے اور وہ بھی فرض ہے۔

جنبی اور حائض کے قرآن پڑھنے کے جواز پر امام بخاری کے دلائل اور مصنف کے جوابات

امام بخاری فرماتے ہیں:

وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ اَنْ تَقْرَاَ الْاٰيَةَ .

اور ابراہیم (نخعی) نے کہا: حائض کے ایک آیت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس اثر کی اور اس کے بعد کے آثار کی باب کے عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ حیض ہر عبادت کے منافی نہیں ہے بلکہ حالت حیض میں تسبیح' تحمید اور تہلیل پڑھنا جائز ہے' اسی طرح ایک جماعت کے نزدیک ایک آیت سے کم پڑھنا جائز ہے اور ابراہیم نخعی کے نزدیک ایک آیت پڑھنا جائز ہے' اسی طرح طواف کے سوا باقی مناسک بھی ادا کرنے جائز ہیں' جنبی کا بھی یہی حکم ہے۔

اس تعلیق کی اصل یہ اثر ہے:

حماد' ابراہیم سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا کہ چار شخص قرآن نہ پڑھیں: (١) جو بیت الخلاء میں ہو (٢) جو حمام میں ہو (٣) جو جنبی ہو (٤) جو (عورت) حیض والی ہو۔ ماسوا ایک آیت اور اس کی مثل کے خصوصاً جنبی اور حائض کے لیے۔

(سنن دارمی: ٩٩٦' دار المعرفہ بیروت' ١٤٢١ھ)

ابراہیم نخعی سے دوسری روایت یہ ہے کہ جنبی اور حائض ایک آیت سے بھی کم پڑھے۔

چنانچہ ابو خالد الاحمر نے از حجاج از عطاء از حماد از ابراہیم اور سعید بن جبیر حائض اور مُجنب کے بارے میں یہ روایت کی ہے کہ وہ آیت کی ابتداء کریں اور اس کو آخر تک نہ پڑھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٠٩٠' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٦ھ)

مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حیض والی عورت ایک آیت سے کم پڑھے پوری آیت نہ پڑھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:١٠٩٧)
امام بخاری نے جو ابراہیم نخعی سے یہ نقل کیا ہے کہ حائض ایک آیت پڑھ سکتی ہے اس کی بہ نسبت ابراہیم نخعی کی مذکور الصدر دو روایتیں زیادہ قرین قیاس ہیں، جن میں انہوں نے جنبی اور حائض کو ایک مکمل آیت کی بھی اجازت نہیں دی اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں۔
(سنن ترمذی:١٣١ سنن ابن ماجہ:٥٩٦۔٥٩٥ سنن دار قطنی:٤١٢١ سنن بیہقی ج١ ص٨٩ العقیلی ج١ ص٩٠)

اس کے بعد امام بخاری نے دوسری تعلیق ذکر کی:

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا. اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جنبی کے لیے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

خالد از عکرمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ جنبی ایک آیت یا دو آیتیں پڑھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:١٠٨٩ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٦ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی انفرادی رائے ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح ممانعت کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔

پھر امام بخاری تیسری تعلیق ذکر کرتے ہیں:

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهِ. اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ عزوجل کا ذکر کرتے تھے۔
(صحیح مسلم:٣٧٣ مسند احمد ج٦ ص٧٠ جامع المسانید لابن الجوزی:٢٦٦٧ مکتبۃ الرشد ریاض ١٤٢٦ھ)

امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب آپ ہر وقت ذکر کرتے تھے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ حالت جنابت میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اور ذکر قرآن مجید کی تلاوت کو بھی شامل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حالت جنابت میں بھی قرآن مجید پڑھتے تھے۔

امام بخاری کا یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ہر حال میں قرآن مجید پڑھاتے تھے سوائے جنابت کے حال کے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:١٠٧٨) اور یہ ہر حال میں ذکر کے خلاف نہیں ہے یعنی جنابت کے حال میں آپ قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ اور کوئی ذکر کرتے تھے مثلاً تسبیح اور تہلیل وغیرہ اور یہ ذکر بھی آپ دل سے کرتے تھے زبان سے نہیں کرتے تھے حدیث میں ہے: آپ نے بے وضوء ہونے کی حالت میں ایک صحابی کو سلام کا جواب بھی نہیں دیا کیونکہ سلام کا لفظ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے:

المہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت سلام کیا، جب آپ وضوء کر رہے تھے آپ نے ان کو جواب نہیں دیا، جب آپ وضوء سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے سوا اور

کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ میں نے بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ناپسند کیا۔

(سنن ابوداؤد:١٧' سنن نسائی:٣٨' سنن ابن ماجہ:٣٥٠' مسند احمد ج ٤ ص ٣٤٥۔ ج ٥ ص ٨٠' شرح معانی الآثار:١٠٢' المستدرک ج ٣ ص ٤٧٩)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کر رہے تھے' اس وقت ایک شخص آپ کے پاس سے گزرا' اس نے آپ کو سلام کیا' آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمم کر کے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

(صحیح مسلم:٣٧٠' سنن ابوداؤد:١٦' سنن ترمذی:٩٠' سنن نسائی:٣٧' سنن ابن ماجہ:٣٥٣)

غور کیجئے! جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے وضوء ہونے کے حال میں زبان سے اللہ کا ذکر مکروہ سمجھتے ہیں تو آپ جنابت کے حال میں زبان سے اللہ کا ذکر کیسے کریں گے' پھر جنابت کے حال میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا تو آپ کی شان سے اور بھی زیادہ بعید ہے' اس لیے ماننا پڑے گا کہ جنابت کے حال میں آپ دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جنابت کے حال میں زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم اور تقدیس ہے کہ یہ حال زبان سے اس کے ذکر کے لائق نہیں ہے۔ ہمارے ان جوابات سے واضح ہو گیا کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے' اس سے امام بخاری کا یہ استدلال کرنا کہ آپ حالت جنابت میں تلاوتِ قرآن کرتے تھے' نہ صرف یہ کہ بہت بعید ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تقدیس کے خلاف ہے' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کے مزاج کے برعکس ہے۔

وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الْحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ.

اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ حائض عورتیں نکلیں' پس وہ مسلمانوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر پڑھیں اور دعا کریں۔

یہ امام بخاری کی چوتھی تعلیق ہے اور اس کو خود امام بخاری نے اپنی صحیح میں موصولاً روایت کیا ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ ہم آزاد اور پردہ دار خواتین کو (عیدگاہ میں) لے جائیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حائض خواتین بھی خیر اور مسلمانوں کی دعا کے مواقع پر حاضر ہوں اور حائض خواتین عیدگاہ میں داخل نہ ہوں' حضرت حفصہ نے حیرت سے کہا: حائض خواتین بھی؟ تو ایک عورت نے کہا: کیا وہ میدان عرفات میں اور فلاں فلاں مقام میں نہیں جاتی۔ (صحیح البخاری:٩٧٤۔٣٢٤' صحیح مسلم:٨٩٠' سنن ابوداؤد:١١٣٦' سنن نسائی:١٥٥٨' سنن ابن ماجہ:١٣٠٨)

امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب حائض عیدگاہ سے باہر اور میدان عرفات میں دعا کر سکتی ہے اور دعا میں قرآن کی آیات بھی ہوتی ہیں تو پھر وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتی ہے' امام بخاری کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے' دعا میں قرآن مجید کی آیت پڑھنا اور چیز ہے اور قصداً قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور بات ہے' خصوصاً جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں۔ (سنن ترمذی:١٣١)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ﴾ الْآيَةَ (آل عمران:٦٤).

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے ابوسفیان نے خبر دی کہ ہرقل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب منگایا' پھر اس کو پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا: اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے'' اے اہل کتاب! آؤ ایک بات کی طرف'' الآیۃ (آل عمران:٦٤)

یہ امام بخاری کی پانچویں تعلیق ہے اور صحیح البخاری: ۷ کی طویل حدیث کا ایک قطعہ ہے۔امام بخاری کی اس حدیث سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مکتوب جس میں قرآن مجید کی دو آیتیں لکھی ہوئی تھیں' ہرقل اور رومیوں کی طرف بھیجا اور وہ کافر تھے اور کافر جنبی ہوتا ہے اور انہوں نے اس مکتوب کو چھوا اور پڑھا' اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا قرآن مجید کو چھونا اور پڑھنا جائز ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے لکھا ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ اس مکتوب میں ان دو آیتوں کے علاوہ بھی لکھا ہوا تھا کہ یہ مکتوب محمد بن عبد اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے عظیم بصریٰ کے نام ہے اور ہرقل عظیم روم کی طرف' جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو' پس بے شک میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' تم اسلام قبول کر لو' سلامت رہو گے' اللہ تم کو اس کے دو اجر عطا فرمائے گا' پھر اگر تم نے اعراض کیا تو تمہارے متبعین کے اسلام نہ لانے کا تم پر گناہ ہوگا۔ الحدیث' پس یہ مکتوب ایسا ہے' جیسے فقہ کی کتاب یا تفسیر میں قرآن مجید کی آیت لکھی ہوئی ہو اور فقہ کی کتاب یا تفسیر کی کتاب کو بے وضوء ہاتھ لگانا اور پڑھنا جمہور کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ان سے قرآن مجید کی تلاوت کا قصد نہیں کیا جاتا اور امام احمد نے اور بہت سے فقہاء شافعیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تبلیغ کی مصلحت سے کفار کو اس قسم کے مکاتیب لکھنا جائز ہے اور ثوری نے کہا: کسی نصرانی آدمی کو قرآن مجید کی اس امید پر تعلیم دینا جائز ہے کہ شاید وہ اسلام لائے' اور امام احمد نے کہا: میں اس کو مکروہ جانتا ہوں کہ قرآن مجید کو اس کی لائق جگہ پر نہ رکھا جائے اور ان کا یہ قول بھی ہے کہ اگر اس سے ہدایت کی توقع ہو تو پھر جائز ہے' ورنہ نہیں اور بعض علماء نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ جنبی کے لیے قرآن مجید پڑھنا جائز ہے کیونکہ جنبی کو تلاوت قرآن سے اس صورت میں منع کیا ہے' جب وہ قرآن کی تلاوت کا قصد کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ جس کی وہ تلاوت کر رہا ہے' وہ قرآن ہے اور اگر وہ کسی صفحہ کو پڑھے اور اس کو یہ علم نہ ہو کہ یہ قرآن ہے تو پھر اس کے لیے ممانعت نہیں ہے اور اسی طرح کافر کے لیے اس صفحہ کو پڑھنے کا حکم ہے۔اس کی مزید تحقیق ان شاء اللہ ''کتاب الجھاد'' میں آئے گی۔(فتح الباری ج ۱ ص ۸۲۲' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ) ''کتاب الجھاد'' میں یہ پوری حدیث نمبر: ۲۹۴۱ پر ہے' لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی حسب عادت بھول گئے اور انہوں نے وہاں اس کی شرح میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا' غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ' وَلَا تُصَلِّيْ.

اور عطاء نے از جابر کہا کہ حضرت عائشہ کو حیض آ گیا تو انہوں نے بیت اللہ کے طواف کے سوا تمام مناسک حج ادا کیے اور وہ نماز نہیں پڑھتی تھیں۔

یہ امام بخاری کی چھٹی تعلیق ہے' اس تعلیق کی اصل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے' جس میں یہ جملہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں آئیں اور وہ حائض تھیں تو نبی ﷺ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ حج کے تمام مناسک ادا کریں' سوا اس کے کہ وہ طواف نہیں کریں گی اور نماز نہیں پڑھیں گی' حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائیں۔(صحیح البخاری: ۷۲۳۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۲)

امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ کو قرآن مجید پڑھنے سے منع نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ حائض کا قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''سنن ترمذی'' میں تصریح ہے کہ آپ نے حائض اور جنبی کو قرآن مجید پڑھنے سے مطلقاً منع فرما دیا تھا۔

وَقَالَ الْحَكَمُ إِنِّيْ لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ ' وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (الانعام: ۱۲۱).

اور حکم نے کہا: بے شک میں حالت جنابت میں ذبح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے' اس کو مت کھاؤ'' (الانعام: ۱۲۱)۔

یہ امام بخاری کی ساتویں تعلیق ہے جس سے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنبی کا قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت قرآن مجید کی تلاوت نہیں کی جاتی بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت ہے ذکر کرنے کی ممانعت نہیں ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ باوضوء ذکر کیا جائے اور یہ حکم کا فعل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل نہیں ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک جنبی اور حائض کے قرآن پڑھنے کی ممانعت اور ان کی مستدل حدیث کی سند کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور امام ابوحنیفہ امام شافعی امام احمد اور ابوثور نے حائض کو قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا ہے اور اسی کی مثل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما عطاء ابوالعالیہ سعید بن جبیر اور زہری سے مروی ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۲۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ ھ)

جمہور ائمہ اور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت الخلاء سے آ کر منہ دھونے کے بعد قرآن مجید پڑھنے لگے تو حضرت علی نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے آنے کے بعد ہمیں قرآن مجید پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے اور جنابت کے سوا آپ کو قرآن مجید پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۹ سنن ترمذی: ۱۴۶ سنن نسائی: ۲۶۶۔ ۲۶۵ سنن ابن ماجہ: ۵۹۴ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۷۸ مسند الحمیدی: ۵۷ صحیح ابن حبان: ۸۰۰۔ ۷۹۹ سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۹ مسند ابویعلیٰ: ۳۶۵ مسند احمد ج ۱ ص ۸۳ طبع قدیم مسند احمد: ۶۲۷۔ ج ۲ ص ۶۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

شعیب الارنؤط اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند حسن ہے امام حبان العجلی اور یعقوب بن شیبہ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے امام ابن عدی نے "الکامل" میں کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی حضرت حذیفہ اور ان کے غیر سے مروی ہے اور مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے امام ابن حبان امام ابن خزیمہ اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(حاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۶۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

جمہور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اس کو اصحاب السنن نے روایت کیا ہے امام ترمذی اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے بعض نے اس کے بعض راویوں کو ضعیف کہا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۸۲۲ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ ھ)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اور امام ابوداؤد نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے: میں جس حدیث پر کوئی حکم نہ لگاؤں وہ میرے نزدیک عمل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(مکتوب امام ابوداؤد ص ۴ مع سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴ مطبع مجتبائی لاہور)

ہم نے اس مسئلہ میں اس قدر تحقیق اس لیے کی ہے کہ امام بخاری نے اپنے زعم میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت جنابت میں قرآن پڑھتے تھے حالانکہ یہ بات واقع کے خلاف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن اس سے پاک ہے سو میری یہ محنت رسول اللہ

ﷺ کی اس سے براءت ثابت کرنے کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اس تحریر کو قبول فرمالیں۔ (آمین)

٣٠٥- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ، طَمِثْتُ، فَدَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِیْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ؟ قُلْتُ لَوَدِدْتُّ وَاللّٰهِ اَنِّیْ لَمْ اَحُجَّ الْعَامَ. قَالَ لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكِ شَیْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ، فَافْعَلِیْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَيْتِ حَتّٰی تَطْهُرِیْ.

(جامع المسانید لابن الجوزی: ١٩٠٧، مکتبۃ الرشد ریاض ١٤٢٦ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی از عبد الرحمان بن القاسم از قاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ گئے ہم صرف حج کا ذکر کررہے تھے جب ہم مقام سرف پر پہنچے تو مجھے حیض آ گیا پس نبی ﷺ میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی آپ نے پوچھا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے کہا: میں (حج کرنا) چاہتی تھی اور اللہ کی قسم! بے شک میں اس سال حج نہیں کرسکوں گی آپ نے فرمایا: شاید تم کو نفاس (حیض) آ گیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے پس تم وہ سب کرو جو حج کرنے والے کرتے ہیں سوا اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرنا حتیٰ کہ تم (حیض سے) پاک ہو جاؤ۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ٢٩٤ میں گزر چکی ہے وہاں اس کا عنوان تھا: حیض کی ابتداء کس طرح ہوئی اور یہاں اس کا عنوان ہے: حائض سوائے طواف کے تمام مناسک حج ادا کرے اور اس حدیث میں ان دونوں باتوں کا ذکر ہے۔

٨ - بَابُ الْاِسْتِحَاضَةِ — استحاضہ کا بیان

اس باب میں استحاضہ کا حکم بیان کیا گیا ہے جو خون عورت کی رگ سے نکلے اور فرج سے اس کے مخصوص وقت کے بغیر باہر آئے اس کو استحاضہ کہتے ہیں اور باب سابق سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ حیض اور استحاضہ دونوں عورت کے احکام میں سے ہیں۔

٣٠٦- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَيْشٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنِّیْ لَا اَطْهُرُ، اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَّلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ، فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِی الصَّلٰوةَ، فَاِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِیْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّیْ.

(جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٠٤٧، مکتبۃ الرشد ریاض ١٤٢٦ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! بے شک میں پاک نہیں ہوتی کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ صرف رگ (کا خون ہے) اور یہ حیض نہیں ہے پس جب حیض آئے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض کی مقدار چلی جائے تو تم اپنے جسم سے خون کو دھولو اور نماز پڑھو۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ٢٢٨ میں گزر چکی ہے وہاں اس کا عنوان تھا: خون کو دھونا اور یہاں اس کا عنوان ہے: استحاضہ کا بیان۔

٩- بَابُ غَسْلِ دَمِ الْمَحِيْضِ — حیض کے خون کو دھونا

ان دونوں بابوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

٣٠٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِي بَكْرٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَأَلَتِ امْرَاَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَرَاَيْتَ اِحْدَانَا، اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّيْ فِيْهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام از فاطمہ بنت المنذر از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ جب ہم میں سے کسی ایک کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو وہ اس کو کھرچے پھر اس کو پانی سے دھوئے پھر اس میں نماز پڑھے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ٢٢٧ میں گزر چکی ہے وہاں اس کا عنوان تھا: خون کا دھونا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: حیض کے خون کو دھونا۔

٣٠٨- حَدَّثَنَا اَصْبَغُ قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا تَحِيْضُ، ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا، فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلٰى سَائِرِهِ، ثُمَّ تُصَلِّيْ فِيْهِ.

(سنن ابن ماجہ: ٦٣٠)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن الحارث نے خبر دی از عبد الرحمان بن القاسم' ان کو حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے کہا: ہم میں سے کسی ایک کو حیض آتا' پھر وہ اس کو پاک کرنے کے وقت اس کے خون کو کھرچتی' پھر اس کو دھوتی' پھر سارے کپڑے کو دھوتی' پھر اس میں نماز پڑھتی۔

اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس میں حیض کے خون کو دھونے کا ذکر ہے۔

١٠- بَابُ الْاِعْتِكَافِ لِلْمُسْتَحَاضَةِ مستحاضہ کا اعتکاف

اس باب میں مستحاضہ کے اعتکاف کا بیان کیا گیا ہے' اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ جائز ہے' اعتکاف کا لغت میں معنی ہے: ٹھہرنا' اور شرع میں اس کا معنی ہے: مسجد میں روزے کے ساتھ اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا' باب سابق میں طہارت کے لیے حیض کے خون کو دھونے کا ذکر تھا اور اس باب میں مستحاضہ کے اعتکاف کا ذکر ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں کام عبادات ہیں۔

٣٠٩- حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ، فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ. وَزَعَمَ عِكْرِمَةُ اَنَّ عَائِشَةَ رَاَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ، فَقَالَتْ كَاَنَّ هٰذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے کوئی اعتکاف میں بیٹھ گئیں اور وہ مستحاضہ تھیں' خون کو دیکھتی تھیں' پس بعض اوقات وہ خون کی وجہ سے اپنے نیچے تھال کو رکھ لیتیں (تاکہ خون مسجد میں نہ گرے) اور عکرمہ نے کہا:

[اطراف الحدیث: ۳۱۰-۳۱۱-۲۰۳۷] حضرت عائشہ نے زرد رنگ کا پانی دیکھا تو انہوں نے کہا: گویا یہ وہی چیز ہے جو فلانہ (زوجہ) دیکھتی تھیں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۴۷۶ 'سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۰ 'سنن دارمی: ۸۸۲ 'سنن بیہقی ج ۱ ص ۳۲۸ 'السنن الکبریٰ: ۳۳۴۶ 'مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۱ طبع قدیم 'مسند احمد: ۲۴۹۹۸- ج ۴۱ ص ۶۰ ۴ 'مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اعتکاف میں بیٹھنے والی آپ کی زوجہ کی تعیین اور مستحاضہ کے اعتکاف میں بیٹھنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ کی بعض ازواج اعتکاف میں بیٹھ گئیں' اس سے مراد کون سی ازواج ہیں' اس میں تین اقوال ہیں: حضرت سودہ بنت زمعہ' حضرت رملہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن۔

اس میں مذکور ہے: جو فلانہ دیکھتی تھی۔ اس سے مراد وہی زوجہ محترمہ ہیں' جن کے اعتکاف میں بیٹھنے کا پہلے ذکر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ مسجد میں اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے' مستحاضہ کے حکم میں وہ شخص ہے' جس کے پیشاب کے قطرات ہر وقت جاری رہتے ہوں یا جس کے زخم سے خون ہر وقت جاری رہتا ہو' بہ شرطیکہ ان کا خون یا پیشاب مسجد میں نہ گرے اور اس زمانہ میں عورتیں مسجد میں اعتکاف میں نہ بیٹھیں' انہوں نے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے جو جگہ بنائی ہو' وہاں اعتکاف میں بیٹھ جائیں۔ بعض اوقات ڈاکٹر آپریشن کے بعد مریض کے ساتھ پلاسٹک کی تھیلی لگا دیتے ہیں' جس میں اس کا پیشاب جمع ہوتا رہتا ہے' ایسے شخص کا مسجد میں آنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد میں نجاست کا لانا جائز نہیں ہے۔

۳۱۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ، فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ، وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا، وَهِيَ تُصَلِّي.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے ایک خاتون اعتکاف میں بیٹھیں' پس وہ خون کو اور زرد رنگ کو دیکھتی تھیں اور ان کے نیچے تھال تھا اور وہ نماز پڑھتی تھیں۔

اس حدیث کی شرح' صحیح البخاری: ۳۰۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۱۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَعْضَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ بے شک امہات المؤمنین میں سے کوئی اعتکاف میں بیٹھیں اور وہ مستحاضہ تھیں۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۰۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱- بَابُ هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيهِ؟

آیا عورت اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے جس میں اس کو حیض آیا تھا؟

اس باب کے عنوان میں یہ سوال ہے کہ آیا عورت اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے' جس میں اس کو حیض آیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں پڑھ سکتی ہے' باب سابق میں مستحاضہ کے نماز پڑھنے کا ذکر تھا اور اس باب میں حائض کے غسل کے بعد اس کے حیض والے

کپڑے کو پاک کرنے کے بعد اس کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نماز پڑھنا ان دونوں بابوں میں قدر مشترک ہے۔

۳۱۲- حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ اَبِیْ نَجِیْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ، تَحِیْضُ فِیْهِ، فَاِذَا اَصَابَهُ شَیْءٌ مِنْ دَمٍ، قَالَتْ بِرِیْقِهَا، فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا. (سنن ابوداؤد:۳۵۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث بیان کی از ابن ابی نجیح از مجاہد انہوں نے بیان کیا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم میں سے کسی ایک کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس میں اس کو حیض آ جاتا تھا، پس جب اس کپڑے میں کچھ خون لگ جاتا تو وہ اس پر اپنا تھوک لگاتی، پھر اس کو اپنے ناخن سے کھرچ دیتی۔

اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ ہم میں سے کسی ایک کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، اس میں اس کو حیض آ جاتا، وہ اس کو دھو لیتی اور ظاہر ہے کہ وہ صرف اسی میں نماز پڑھتی تھی اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ اس خون پر اپنا تھوک لگاتی، یعنی تھوک سے اس خون کو بھگو لیتی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ پانی کے علاوہ کسی بھی مائع چیز سے نجاست کو دھویا جا سکتا ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

۱۲- بَابُ الطِّیْبِ لِلْمَرْاَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِیْضِ

حیض سے غسل کرتے وقت عورت کا خوشبو لگانا

یعنی جب عورت حیض سے پاک ہونے کے لیے غسل کرے تو اس کا حیض کے خون کی جگہ پر خوشبو لگانا مباح ہے۔ باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ بابِ سابق میں حیض کے خون کو دھونے کا ذکر تھا اور اس میں زیادہ صفائی کے لیے غسل کے وقت اس جگہ خوشبو لگانے کا ذکر ہے تاکہ حیض کی بدبو زائل ہو جائے۔

۳۱۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، عَنْ اَیُّوْبَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ، قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰی اَنْ نُّحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلَ، وَلَا نَتَطَیَّبَ، وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ، اِذَا اغْتَسَلَتْ اِحْدَانَا مِنْ مَحِیْضِهَا، فِیْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ اَظْفَارٍ، وَكُنَّا نُنْهٰی عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ. قَالَ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از حفصہ، از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، وہ فرماتی ہیں کہ ہمیں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا، ماسوا خاوند کے، اس پر چار ماہ دس دن سوگ ہوتا تھا، ہم (سوگ میں) سرمہ لگاتی تھیں نہ خوشبو لگاتی تھیں، نہ رنگا ہوا کپڑا پہنتی تھیں، سوا اس کپڑے کے جو رنگ میں بُنا ہوا ہوتا تھا، اور ہمیں یہ اجازت دی گئی تھی کہ ہم حیض سے طہارت کے لیے جب غسل کریں تو (اس جگہ) تھوڑی سی خوشبو لگا لیں اور ہم کو جنائز کے پیچھے جانے سے منع کیا جاتا تھا۔ امام بخاری نے کہا: اس حدیث کو ہشام بن حسان نے از حفصہ از ام عطیہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے۔

[اطراف الحدیث: ۱۲۷۸-۱۲۷۹-۵۳۴۰-۵۳۴۱-۵۳۴۲-۵۳۴۳]

(صحیح مسلم: ۹۳۸، الرقم المسلسل: ۲۱۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن نسائی: ۳۵۳۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۸۱۔

۲۸۰' المعجم الکبیر: ۱۳۹-۹ ۔ج ۲۵ ' سنن سعید بن منصور: ۲۱۳۵ ' مسند احمد ج ٦ ص ۴۰۸ طبع قدیم ' مسند احمد: ۲۷۳۰۴ ۔ج ۴۵ ص ۲۸۵۔۲۸۴ ' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ' جامع المسانید لابن الجوزی: ٦۳۴۷ ' مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۲٦ھ)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: ہمیں یہ اجازت دی گئی تھی کہ ہم حیض سے طہارت کے لیے غسل کے وقت اس جگہ تھوڑی سی خوشبو لگالیں۔

اس حدیث میں حضرت ام عطیہ کے علاوہ باقی سب کا تعارف ہو چکا ہے' حضرت ام عطیہ فاضلات صحابہ میں سے ہیں' ان کا نام نسیبہ بنت الحارث ہے' یہ بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مردہ عورتوں کو غسل دیتی تھیں' ان کے نام میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نسیبہ بنت کعب انصاریہ ہیں' ان سے چالیس احادیث مروی ہیں' ساٹھ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ان میں سے ہر ایک صرف ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہے۔

(خلاصۃ تذھیب تہذیب الکمال: ۱۰۸۹۱۔ ج ۳ ص ۵۰۸ ' دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۲۲ھ)

''کست اظفار'' کے معنی کی تحقیق

اس حدیث میں'' نبذۃ من کست اظفار '' کے الفاظ ہیں'' نبذۃ '' کے معنی ہیں:'' قطعۃ '' ایک ٹکڑا' تھوڑی سی چیز' اس روایت میں'' کست اظفار '' کے الفاظ ہیں۔علامہ ابن التین نے کہا ہے: صحیح'' قسط ظفار '' ہے'' ظفار '' عدن کے سواحل میں سے ایک ساحل ہے' علامہ قرطبی نے کہا: یہ یمن کا ایک شہر ہے'' صحیح مسلم'' میں ہے:'' قسط و اظفار '' یہ زیادہ احسن ہے کیونکہ یہ خوشبو کی دو قسمیں ہیں:'' قسط '' کا معنی ہے: سیاہ رنگ کی ایک خوشبو کا ٹکڑا' اور'' اظفار '' کا معنی ہے: ایک قسم کے لوبان کی دھونی' غسل دینے والی کو اس کی اجازت دی گئی ہے' ایک قول ہے کہ'' ظفار '' یمن کے چار شہروں کا نام ہے' دوسروں نے کہا:'' اظفار '' ایک قسم کا عطر ہے۔(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۹ ۴)

اردو میں'' قسط اظفار '' کو نکھ کہتے ہیں' اس کا معنی ہے: ایک خوشبودار جڑ۔(قائد اللغات ص ۹۷۴ ' فیروز اللغات ص ۱۳۷۴)

شوہر کی موت پر سوگ کرنے کا وجوب

اس حدیث میں شوہر کے مرنے پر سوگ کا وجوب ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک خواہ اس کی بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ' کم عمر ہو یا زیادہ عمر کی ہو' کنواری ہو یا بیوہ' تاہم نابالغہ پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے' اور سوگ کے ایام میں سرمہ لگانا' خوشبو لگانا اور رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہیں اور اس حدیث میں سوگ کرنے والی کے لیے بھی اجازت ہے کہ وہ حیض کی بدبو زائل کرنے کے لیے تھوڑی سی خوشبو کا اس جگہ لیپ کرلے' آج کل اس جگہ کسی خوشبودار کریم کو لگایا جا سکتا ہے' اور اس حدیث میں عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: المہلب نے کہا ہے کہ حیض کے خون کی بدبو کو زائل کرنے کے لیے اس کو کسی چیز کو سلگا کر دھونی دینے کی اجازت دی گئی ہے اور عنقریب'' اتباع الجنائز '' کے باب میں اس پر کلام آئے گا۔(فتح الباری ج ۱ ص ۸۲۷) لیکن'' اتباع النساء الجنائز '' کے باب میں حدیث: ۱۲۷۸ میں انہوں نے اس خوشبو کے مسئلہ پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ دیکھئے: فتح الباری ج ۲ ص ۷۴۸ ' اور حسب عادت بھول گئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔(آمین)

* باب مذکور کی حدیث' شرح صحیح مسلم: ۲۰٦۱۔ ج ۴ ص ۷۵۵ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

١٣- بَابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيْضِ، وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ، وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً، فَتَتَّبِعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

جب عورت حیض سے طہارت حاصل کرے تو اس کا اپنے جسم کو ملنا اور وہ کیسے غسل کرے اور وہ مشک کا ٹکڑا لے کر اس خون کے نشان کو صاف کرے

سابق باب کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں خوشبو کے استعمال کا ذکر ہے۔

٣١٤- حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ؟ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ، قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ، فَتَطَهَّرِيْ بِهَا. قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ؟ قَالَ تَطَهَّرِيْ بِهَا. قَالَتْ كَيْفَ؟ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، تَطَهَّرِيْ، فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ، فَقُلْتُ تَتَبَّعِيْ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ.

[اطراف الحدیث: ٣١٥-٧٣٥٧]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از منصور بن صفیہ از والدہ خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض سے غسل کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ کیسے غسل کرے آپ نے فرمایا کہ تم مشک کا ٹکڑا لو اور اس سے طہارت حاصل کرو اس نے کہا: کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا: اس سے طہارت حاصل کرو اس نے کہا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس سے طہارت حاصل کرو حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر کہا: اس مشک کے ٹکڑے سے خون کے نشان کو (مل کر) صاف کرو۔

(صحیح مسلم: ٣٣٢، الرقم المسلسل: ٧٣٢، سنن نسائی: ٢٥١-٢٥٢، مسند ابویعلیٰ: ٤٣٣٤، صحیح ابن حبان: ١١٩٩-١٢٠٠، سنن بیہقی ج ١ ص ١٨٣، شرح السنۃ: ٢٥٢، مسند احمد ج ٦ ص ١٢٢ طبع قدیم، مسند احمد: ٢٤٩٠٧، ج ١١ ص ٣٩٣-٣٩٢، موسسۃ الرسالۃ بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٠٤٠، مکتبۃ الرشد ریاض ١٤٢٦ھ)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: مشک کے ٹکڑے سے خون کے نشان کو صاف کرو البتہ اس حدیث میں صراحۃً غسل کے وقت جسم کو ملنے کا ذکر نہیں ہے سو عنوان کے ایک جز کے ساتھ حدیث کی مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں صرف یحییٰ مذکور ہے ابن السکن نے کہا: یہ یحییٰ بن موسیٰ بلخی ہے بیہقی نے کہا: یہ یحییٰ بن جعفر ہے الغسانی نے کہا: یہ یحییٰ بن عیینہ ہے ابن السکن نے کہا: جہاں بھی امام بخاری صرف یحییٰ کہیں اس سے مراد یحییٰ بن موسیٰ بلخی ہے جو بخت کے ساتھ معروف ہے یہ نیک مسلمانوں میں سے تھے اور ٢٤٠ھ میں فوت ہو گئے تھے علامہ کرمانی نے کہا: ہمارے پاس بعض نسخوں میں یحییٰ بن البیکندی لکھا ہوا ہے صاحب التوضیح نے کہا: ہمارے بعض شیوخ کی شرح میں یحییٰ بن معاویہ بن اعین ہے۔

دیگر رجال کا تعارف اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٢٣)

سوال کرنے والی عورت کی تعیین' حیض کی بدبوزائل کرنے کے لیے فرج (اندام نہانی) پر غسل کے وقت خوشبو لگانا اور دیگر مسائل

اس حدیث میں مذکور ہے: ایک عورت نے سوال کیا' وہب کی روایت میں ہے کہ وہ عورت انصاری تھی' امام مسلم نے اس کا نام اسماء بنت شکل لکھا ہے' الخطیب نے کہا: اس کا نام اسماء بنت یزید ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جمہور علماء نے یہ کہا کہ اس کی فرج کے اوپر جو خون کا نشان ہے' اس کو مشک کے ٹکڑے سے صاف کرے تاکہ حیض کے خون کی بدبو زائل ہو جائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبعی حیاء کی وجہ سے ایک اجنبی عورت کے سامنے اس کو صراحت کے ساتھ نہیں بیان فرمایا' اس لیے حضرت عائشہ نے اس کو سمجھا دیا' اگر مشک کا ٹکڑا میسر نہ ہو تو کسی کپڑے کے ٹکڑے میں خوشبو لگا کر اس سے حیض کے خون کی بدبو کو زائل کیا جائے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۳۹۲-۱۳۹۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث سے معلوم ہونے والے دیگر مسائل یہ ہیں:

(۱) دینی مسائل کو معلوم کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے اور اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو معلم سے بار بار پوچھنا چاہیے۔

(۲) کسی خوشبودار چیز کو فرج پر لگا کر حیض کے خون کی بدبو زائل کرنی چاہیے۔

(۳) جن چیزوں کا تعلق شرم گاہ سے ہو' ان کا صراحت سے ذکر کرنے کے بجائے' کنایہ اور تعریض سے ذکر کرنا چاہیے۔

(۴) اجنبی خواتین کے سامنے شرم گاہ کے ذکر سے احتراز کرنا چاہیے' جس طرح آپ نے اس عورت کے سامنے فرج کا ذکر نہیں کیا۔

(۵) عورت دوسری عورتوں کو شرم گاہ کا ذکر کر کے مسئلہ سمجھا سکتی ہے' جیسا کہ حضرت عائشہ نے اس عورت کو سمجھایا۔

(۶) متعلم کو اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو نرمی سے دوبارہ سہ بارہ سمجھانا چاہیے اور اس سے تنگ نہیں ہونا چاہیے اور تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہیے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا پتا چلتا ہے۔

* باب مذکور کی حدیث' شرح صحیح مسلم: ٦٥٦- ج ۱ ص ۱۰۲۴ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

١٤- بَابُ غُسْلِ الْمَحِيْضِ — حیض میں غسل کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت حیض سے طہارت حاصل کرنے کے لیے اسی طرح غسل کرے گی' جس طرح جنابت سے طہارت حاصل کرنے کے لیے غسل کرتی ہے' البتہ اس میں حیض کے خون کی بدبو زائل کرنے کے لیے اس جگہ خوشبو لگائی جائے گی۔

٣١٥- حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيْضِ؟ قَالَ خُذِي فِرْصَةً مُّمَسَّكَةً، فَتَوَضَّئِي ثَلَاثًا. ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحْيَا، فَأَعْرَضَ بِوَجْهِهِ، أَوْ قَالَ تَوَضَّئِي بِهَا. فَأَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا، فَأَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيْدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از والدۂ خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انصار کی ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں حیض سے کس طرح غسل کروں؟ آپ نے فرمایا: مشک کا ٹکڑا لے کر اس سے تین مرتبہ طہارت حاصل کرو' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء سے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا یا آپ نے فرمایا: اس سے طہارت حاصل کرو' پھر میں نے اس کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد ہے۔

اس حدیث کی شرح ' صحیح البخاری: ٣١٤ میں ملاحظہ فرمائیں۔

١٥- بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْاَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ

حیض سے غسل کے وقت عورت کا کنگھی کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حیض سے غسل کے وقت عورت اپنے بالوں میں کنگھی کر سکتی ہے' دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب عورت کی زیادہ صفائی اور ستھرائی سے متعلق ہیں۔

٣١٦- حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ اِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ اَهْلَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ، فَزَعَمَتْ اَنَّهَا حَاضَتْ، وَلَمْ تَطْهُرْ حَتّٰى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هٰذِهِ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، وَاِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْقُضِيْ رَاْسَكِ، وَامْتَشِطِيْ، وَاَمْسِكِيْ عَنْ عُمْرَتِكِ فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ، اَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ، لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ، فَاَعْمَرَنِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ، مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِيْ نَسَكْتُ.

[طرف الحدیث: ١٥٥٦] (صحیح مسلم: ١٢١١' الرقم المسلسل: ٢٨٦٢' سنن ابوداؤد: ١٧٨١' سنن نسائی: ٢٧٦٣' صحیح ابن حبان: ٣٩٢٧' سنن بیہقی ج ٣ ص ٣٥٣' المعجم الاوسط: ٧٩٠٥' مسند احمد ج ٦ ص ١٦٣ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٥٣٠٧ ج ٤٢ ص ١٨٦' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' جامع المسانید لابن الجوزی: ٧١٩٠' مکتبۃ الرشد' ریاض' ١٤٢٦ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے بیان کیا: میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھا' میں ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے حج تمتع کا احرام باندھا تھا اور ھدی روانہ نہیں کی تھی' پھر حضرت عائشہ نے بتایا کہ ان کو حیض آ گیا اور وہ پاک نہیں ہوئیں حتیٰ کہ عرفہ کی شب آ گئی' پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ عرفہ کی شب ہے اور میں نے عمرہ کے ساتھ تمتع کیا تھا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنے سر کے بال کھول' اور کنگھی کرو اور اپنے عمرہ کو موقوف کر دو' پس میں نے اس طرح کیا' پھر جب میں نے حج ادا کر لیا تو آپ نے حضرت عبد الرحمان کو لیلۃ الحصبۃ (جس دن ایام تشریق کے بعد لوگ منیٰ سے واپسی میں وادیٔ محصب میں ٹھہرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں ٹھہرے تھے) میں حکم دیا کہ میں نے جس عمرہ کا احرام باندھا تھا' اس کی جگہ مجھے مقام تنعیم سے عمرہ کرائیں۔

حدیث: ٢٩٤ میں حضرت عائشہ کے حج کے احرام باندھنے کا ذکر ہے اور اس باب کی حدیث میں ان کے عمرہ کے احرام باندھنے کا ذکر ہے' آیا یہ حدیث غلط ہے یا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں کافی اضطراب ہے' قاسم نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ نے حج کا احرام باندھا تھا' جیسا کہ گزر چکا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: ہم گھر سے نکلے اور ہم صرف حج کا ارادہ کرتے تھے' پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آ گیا۔ صحیح البخاری: ٢٩٤ اور عروہ کی اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور '' تمہید'' میں مذکور ہے کہ امام اوزاعی' امام شافعی' ابوثور اور ابن علیہ نے عروہ کی اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ عروہ کی یہ حدیث غلط ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصحاب میں سے کسی نے بھی عروہ کی متابعت نہیں کی' اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ القاسم' الاسود اور عمرہ کا اس پر اجماع ہے کہ ام المؤمنین نے حج کا احرام باندھا تھا' عمرہ کا احرام نہیں باندھا تھا اور عروہ کی یہ حدیث غلط ہے۔

دونوں حدیثوں میں تطبیق

حضرت عائشہ نے جو کہا ہے کہ میں نے عمرہ کے ساتھ تمتع کیا تھا' یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ پہلے عمرہ کرنے والی تھیں' علامہ نووی نے کہا ہے کہ اگر تم یہ کہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ ہم صرف حج کو دیکھتے تھے اور صرف حج کا ارادہ کرتے تھے اور ہم حج کا احرام باندھ کر نکلے تھے تو اس حدیث کی اس باب کی حدیث کے ساتھ کیسے تطبیق ہو گی کیونکہ اس میں حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ میں نے عمرہ کے ساتھ تمتع کیا تھا' تو میں کہتا ہوں کہ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا' پھر اس احرام کو عمرہ کی طرف فسخ کر دیا' جب آپ نے لوگوں کو حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے ھدی روانہ نہیں کی تھی' پھر حضرت عائشہ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا' پھر جب حضرت عائشہ کو حیض آ گیا اور ان کے لیے عمرہ کو پورا کرنا مشکل ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ حج کا احرام باندھ لیں تو انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا اور انہوں نے حج کے احرام کو عمرہ کے احرام پر باندھ لیا اور وہ قارنہ ہو گئیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا طواف' حج اور عمرہ کے لیے کافی ہے اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے: اپنے عمرہ کو موقوف کر دو' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اپنے عمرہ کو باطل کر دو بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں میں اپنے عمل کو جاری رکھو اور عمرہ کے افعال کو پورا کر کے اس سے اعراض کر لو اور سر کے بال کھولنے اور ان میں کنگھی کرنے سے عمرہ کا باطل کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ ہمارے نزدیک یہ دونوں کام احرام میں جائز ہیں' بایں طور کہ بال نہ ٹوٹیں' لیکن بغیر عذر کے سر میں کنگھی کرنا مکروہ ہے اور حضرت عائشہ کے کنگھی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا عذر تھا کہ ان کے سر میں جوئیں تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ حقیقت میں کنگھی کرنا مراد نہیں ہے بلکہ انگلیوں سے بالوں کو سیدھا کرنا مراد ہے تا کہ وہ حج کے احرام کے لیے غسل کر لیں' خصوصاً اس صورت میں کہ انہوں نے اپنے بالوں کو چپکایا ہوا تھا اور اس صورت میں غسل اسی وقت صحیح ہوتا' جب پانی تمام بالوں میں پہنچ جاتا اور اس لیے انہیں بالوں کو کھولنا لازم تھا۔

اگر تم یہ کہو کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت عائشہ کا حج سے الگ ایک عمرہ ہو جائے' جیسے باقی امہات المؤمنین اور دیگر ان صحابہ کا عمرہ تھا' جنہوں نے حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور انہوں نے عمرہ کو پورا کر کے حج کا احرام باندھا' پس ان کو مستقل عمرہ حاصل ہوا اور مستقل حج حاصل ہوا اور حضرت عائشہ کو صرف وہ عمرہ حاصل ہوا' جو حج قران میں داخل تھا' پس انہوں نے جس عمرہ کا ابتداء میں ارادہ کیا تھا' جو حج میں داخل نہیں تھا اور مستقل عمرہ تھا تو حج کے بعد انہوں نے وہ عمرہ کیا اور اس عمرہ سے ان کو حیض نے روک دیا تھا اور انہوں نے یہ اس لیے کیا کہ ان کی عبادات پر حرص تھی' تو میں کہوں گا کہ مشہور اور ثابت یہ ہے کہ حضرت عائشہ کا صرف حج تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ عمرہ کو چھوڑ دیں اور حضرت عائشہ نے جو کہا تھا کہ میں صرف ایک حج کے ساتھ لوٹوں گی' اس میں اس کی واضح دلیل ہے' اور حضرت عائشہ نے کہا تھا کہ میری صواحب حج اور عمرہ کے ساتھ لوٹیں گی اور میں حج کے ساتھ لوٹوں گی' اس میں عمرہ چھوڑنے کی واضح دلیل ہے' اس لیے کہ اگر ان کا حج عمرہ پر داخل ہوتا تو وہ اور آپ کی صواحب برابر ہو جاتیں اور آپ کو عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آپ کے عمرہ اخیرہ کے بعد فرمایا: یہ تمہارے عمرہ کی جگہ ہے' یہ اس میں صریح ہے کہ آپ پہلے عمرہ سے نکل گئی تھیں اور اس کو چھوڑ دیا تھا تا کہ یہ دوسرا عمرہ پہلے عمرے کی جگہ ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٣٠-٤٢٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٢٨٠٦- ج ٣ ص ٣٧٩-٣٧٨ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

١٦- بَابُ نَقْضِ الْمَرْاَةِ شَعْرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيْضِ

حیض سے غسل کے وقت عورت کا اپنے بالوں کو کھولنا

باب سابق میں کنگھی کرنے کا ذکر تھا اور اس باب میں بالوں کو کھولنے کا ذکر ہے اور یہ دونوں ایک جنس سے ہیں۔

٣١٧- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهْلِلْ، فَإِنِّيْ لَوْ لَا أَنِّيْ أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ. فَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ، وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ، وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَأَدْرَكَنِيْ يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعِيْ عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِيْ رَأْسَكِ، وَامْتَشِطِيْ وَأَهِلِّيْ بِحَجٍّ. فَفَعَلْتُ، حَتّٰى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ، أَرْسَلَ مَعِيَ أَخِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ، فَخَرَجْتُ إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِيْ. قَالَ هِشَامٌ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ هَدْيٌ وَلَا صَوْمٌ وَلَا صَدَقَةٌ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والدخود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے کہا: ہم ہلال ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہو وہ عمرہ کا احرام باندھ لے کیونکہ اگر میں نے ھدی روانہ نہ کی ہوتی تو میں بھی عمرہ کا احرام باندھتا' پس بعض صحابہ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور بعض نے حج کا احرام باندھا' اور میں ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا' پھر مجھے یوم عرفہ نے اس حال میں پایا کہ میں حائض تھی' میں نے اس کی نبی ﷺ سے شکایت کی' آپ نے فرمایا: تم اپنے عمرہ کو چھوڑ دو اور اپنے سر کے بال کھول دو اور کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو' سو میں نے ایسا کر لیا' پھر جب الحصبہ کی رات آئی تو آپ نے میرے ساتھ میرے بھائی حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر کو بھیجا' پس میں مقام تنعیم کی طرف گئی' پھر میں نے اپنے (پہلے) عمرہ کی جگہ عمرہ کا احرام باندھا۔ ہشام نے کہا: اس میں کوئی چیز لازم نہیں تھی' ھدی نہ روزہ نہ صدقہ۔

ہشام کا یہ قول صحیح نہیں ہے' رسول اللہ ﷺ نے ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی۔

یہ حدیث' حدیث سابق: ٣١٦ کی مثل ہے اور اس کی شرح بھی اس کی مثل ہے۔

١٧- بَابُ ﴿مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ (الحج:٥)

گوشت کا وہ لوتھڑا جس کی شکل وصورت نمایاں اور واضح ہو یا نہ ہو

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور جب نطفہ رحم میں ہوتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: اس لوتھڑے کی صورت بنائی جائے گی یا نہیں؟ پس اگر اللہ تعالیٰ فرمائے: اس کی صورت نہیں بنائی جائے گی تو وہ رحم اس لوتھڑے کو خون کی صورت میں ساقط کر دیتا ہے اور اگر فرمائے: صورت بنائی جائے گی تو پھر فرشتہ پوچھتا ہے: مرد کی یا عورت کی؟ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اس وجہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ پہلے باب میں حیض سے غسل کا بیان تھا اور اس باب میں یہ بیان ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔

٣١٨- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا، يَقُوْلُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ عَلَقَةٌ، يَا رَبِّ مُضْغَةٌ، فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى؟ اَشَقِيٌّ اَمْ سَعِيْدٌ؟ فَمَا الرِّزْقُ وَالْاَجَلُ؟ فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ اُمِّهِ. [اطراف الحدیث: ٣٣٣٣-٦٥٩٥]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی بکر از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جو کہتا ہے: یارب! نطفہ یا رب! جما ہوا خون یارب! گوشت کا لوتھڑا پس جب اللہ اس کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: مذکر یا مؤنث؟ بد بخت یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اور اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر وہ سب اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: ٢٦٤٦، الرقم المسلسل: ٦٦٠٢، السنۃ لابن ابی عاصم: ١٨٧، حلیۃ الاولیاء: ج٦ص ٢٨٠، سنن بیہقی ج ٧ ص ٤٢١، مسند احمد ج ٣ ص ١١٧ طبع قدیم، مسند احمد: ١٢١٥٧۔ ج ١٩ص ٢٠١، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

باب کے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں "مخلقة" اور "غیر مخلقة" کی تفسیر ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے: جب اللہ اس کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے۔۔۔۔۔۔

اس حدیث کے چار رجال ہیں اور ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی قضاء وقدر کا علم ہونا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم قیامت پر استدلال

المہلب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس کے احوال کا علم ہوتا ہے اور یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

اس حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے: رزق، مدت حیات، سعادت اور شقاوت اور مرد یا عورت ہونا، یہ تمام اُمور فرشتے کے لیے ظاہر ہو جاتے ہیں اور اسے ان کو لکھنے اور ان کو نافذ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضاء، اس کا علم اور اس کا ارادہ ان سب چیزوں پر مقدم ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک سو بیس دن کے بعد روح پھونک دی جاتی ہے، جب چار ماہ پورے ہونے کے بعد پانچواں مہینہ شروع ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٣٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں کہ جب فرشتے کو علم ہوتا ہے کہ کون انسان کب مرے گا؟ اور وہ جنتی ہے یا دوزخی؟ اور جس انسان کی موت قیامت کے دن آئے گی، فرشتے کو اس واسطے سے قیامت کا بھی علم ہوتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چیزوں کا علم کیوں نہیں ہوگا!

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ٦٦٠٤۔ ج ٧ ص ٢٦٣ پر ہے، اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(١) کیا اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں انسانوں کا جنتی یا جہنمی ہونا، ان کے مکلف ہونے کے منافی ہے (٢) جبر اور قدر کے اعتبار سے مسئلہ تقدیر پر اشکال اور اس کا جواب۔

١٨- بَابُ كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حائض حج اور عمرہ کا احرام کس طرح باندھے؟

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حائض حج اور عمرہ کا احرام کس طرح باندھے؟ باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ بتایا گیا تھا کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا اور یہ بھی حیض کے احکام میں سے ہے اور اس باب میں حائض کے حج یا عمرہ کے احرام باندھنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

٣١٩- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ، وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَى فَلَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهِ، وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ. قَالَتْ فَحِضْتُ، فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتَّى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ، فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِي، وَأَمْتَشِطَ، وَأُهِلَّ بِحَجٍّ، وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ، فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ، حَتَّى قَضَيْتُ حَجِّي، فَبَعَثَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيمِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں گئے' ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہم میں سے بعض نے حج کا احرام باندھا' پس ہم مکہ میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور ھدی روانہ نہیں کی' وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ھدی روانہ کی ہے' وہ اس وقت تک احرام نہ کھولے حتیٰ کی اس کی ھدی کو نحر کر دیا جائے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے' وہ اپنے حج کو پورا کرے' حضرت عائشہ نے کہا: مجھے حیض آ گیا اور میں مسلسل حائض رہی حتیٰ کہ عرفہ کا دن آ گیا اور میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا' پس مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے سر کے بال کھول دوں اور کنگھی کروں اور حج کا احرام باندھ لوں اور عمرہ کو ترک کر دوں' پس میں نے ایسا کر لیا' حتیٰ کہ میں نے حج ادا کر لیا' پھر آپ نے میرے ساتھ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے اس عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے عمرہ کروں۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ٣١٦ کا مطالعہ کریں' وہاں اس کا عنوان تھا: حیض سے غسل کے وقت عورت کا کنگھی کرنا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: حائض کس طرح حج اور عمرہ کا احرام باندھے' اور اس حدیث میں یہ دونوں امر بیان کیے گئے ہیں۔

١٩- بَابُ إِقْبَالِ الْمَحِيضِ وَإِدْبَارِهٖ

حیض کا آنا اور جانا

یہ باب حیض کے آنے اور جانے کے متعلق ہے۔

حیض کے آنے اور جانے کی علامتیں

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: حیض کے آنے کا معنی ہے: خون کا اچانک نکل آنا' اور حیض کے جانے کا معنی ہے: طہر کا آنا اور اس کی دو علامتیں ہیں: خالص سفید پانی کا آنا اور یا فرج میں رکھا ہوا کپڑا بالکل خشک ہو۔

(شرح ابن بطال ج ١ ص ٤٤٣' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے کہا ہے: ہمارے اصحاب حنفیہ کے نزدیک حیض کے جانے کی علامت یہ ہے کہ خون کا آنا منقطع ہو جائے اور حیض کے زمانہ یا حیض کی عادت میں خون نہ آئے' جب اس کی عادت میں خلل ہو تو وہ غور کرے اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو کم مدت پر غور کرے۔

سابق باب کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں حیض کے آنے کا ذکر ہے۔امام بخاری فرماتے ہیں:

وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ، تُرِيدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ.

اور خواتین حضرت عائشہ کی طرف ایک ڈبہ بھیجتی تھیں' جس میں حیض کے کپڑے ہوتے تھے' اس میں زرد رنگ ہوتا تھا' حضرت عائشہ فرماتیں: تم جلدی نہ کیا کرو حتیٰ کہ تم خالص سفیدی دیکھو' اس سے آپ حیض سے طہر کا ارادہ کرتی تھیں۔

یہ تعلیق موطأ امام مالک: ٩٧ میں ہے۔(تنویر الحوالک ص ٧٧' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٨ھ)

وَبَلَغَ ابْنَةَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ نِسَاءً يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ، فَقَالَتْ مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا، وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ.

اور حضرت زید بن ثابت کی بیٹی کو یہ خبر پہنچی کہ خواتین آدھی رات کو اٹھ کر چراغ میں طہر کو دیکھتی ہیں تو انہوں نے کہا: یہ عورتیں کیا کرتی ہیں اور ان کی مذمت کرتیں۔

یہ تعلیق موطأ امام مالک: ٩٨ میں ہے۔(تنویر الحوالک ص ٧٧)

٣٢٠- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کا خون جاری رہتا تھا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' آپ نے فرمایا: یہ رگ (کا خون) ہے' اور حیض نہیں ہے' پس جب حیض آئے تو تم نماز کو چھوڑ دو اور جب حیض چلا جائے تو تم غسل کر کے نماز پڑھو۔

(جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٥٩٠' مکتبۃ الرشد' ریاض' ١٤٢٦ھ)

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ٢٢٨ کا مطالعہ کریں' وہاں اس حدیث کا عنوان تھا: خون کو دھونا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: حیض کا آنا اور جانا' اور یہ دونوں چیزیں اس حدیث میں مذکور ہیں۔

٢٠- بَابُ لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلٰوةَ — حائض نماز کی قضاء نہ کرے

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ حائض نماز کو قضاء نہیں کرے گی اور یہ نہیں کہا کہ نماز کو چھوڑ دے کیونکہ نماز کو قضاء نہ کرنا زیادہ عام اور شامل لفظ ہے' باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اُس میں بھی حیض آنے پر نماز چھوڑنے کا ذکر تھا اور اس میں بھی ہے۔

وَقَالَ جَابِرٌ وَأَبُو سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ.

اور حضرت جابر اور حضرت ابو سعید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: نماز کو چھوڑ دے۔

اس تعلیق کی اصل صحیح البخاری: ٣٠٤ میں ہے' مگر اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور نماز کا نہ پڑھنا' نماز چھوڑنے کو مستلزم ہے۔

٣٢١- حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ مُعَاذَةُ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ اَتَجْزِیْ اِحْدَانَا صَلَاتَهَا اِذَا طَهُرَتْ ؟ فَقَالَتْ اَحَرُوْرِيَّةٌ اَنْتِ ؟ كُنَّا نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' فَلَا يَاْمُرُنَا بِهٖ ' اَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهٗ.

(صحیح مسلم: ٣٣٥' الرقم المسلسل: ٧٤٥' سنن ابوداؤد: ٢٦٢۔ ٢٦٣' سنن ترمذی: ١٣٠' سنن نسائی: ٣٨٢' سنن ابن ماجہ: ٦٣١' المنتقی: ١٠١' سنن دارمی: ٩٨٠' صحیح ابن خزیمہ: ١٠٠١' مصنف عبدالرزاق: ١٢٧٩' مسند احمد ج٦' ص٣٢ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٤٠٣٦۔ ج٤٠ ص٣٩' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٥٢٢' مکتبۃ الرشد ریاض' ١٤٢٦ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے معاذہ نے حدیث بیان کی کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے کہا: کیا ہم میں سے کسی ایک کے لیے یہ کافی ہے کہ جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو وہ (پچھلی) نمازیں پڑھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: کیا تم حروریہ ہو؟ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیض آتا تھا تو آپ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیتے تھے یا حضرت عائشہ نے فرمایا: ہم یہ نہیں کرتے تھے یعنی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: ہمیں حیض آتا تو آپ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) موسیٰ بن اسماعیل المنقری التبوذکی (٢) ہمام بن یحییٰ بن دینار العدوی' امام احمد نے کہا: یہ تمام مشائخ کے نزدیک ثبت ہیں ١٦٣ھ میں فوت ہو گئے تھے (٣) قتادہ الاکمہ المفسر (٤) معاذہ بنت عبداللہ العدویہ الزاہدہ' یہ شب بیدار تھیں' ٨٣ھ میں فوت ہو گئی تھیں (٥) حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٤٥)

سوال کرنے والی عورت کا نام اور ''حروریۃ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے: ایک عورت نے سوال کیا' قتادہ نے بیان کیا: اس عورت کا نام معاذہ ہے' جو اس حدیث کی راویہ ہے۔ کیا تم حروریہ ہو؟ حروریہ میں حروراء کی طرف نسبت ہے' یہ کوفہ کے قریب ایک بستی ہے' اس جگہ سب سے پہلے خوارج کا اجتماع ہوا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کا معنی یہ ہے کہ کیا تم خارجیہ ہو' کیونکہ خوارج کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ ایام حیض میں عورت کی جو نمازیں فوت ہو جائیں' طہر کے بعد ان نمازوں کی قضاء کرنا واجب ہے اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔ فقہاء احناف نے کہا ہے کہ حائض نماز کے وقت میں صاف اور پاک جگہ پر بیٹھ جائے اور جتنی دیر نماز پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر وہاں بیٹھ کر تسبیح اور تہلیل اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ٦٦٩۔ ج١ ص١٠٢٩۔ ١٠٢٨ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی' البتہ چار سطروں پر مشتمل فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

٢١- بَابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِيْ ثِيَابِهَا

حائض کے ساتھ سونا جب کہ وہ حیض کے کپڑے پہنے ہو

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حائض اپنے حیض کے کپڑے پہنے ہوئے ہوتو اس کے ساتھ سونے کا کیا حکم ہے اور یہ جائز ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔

٣٢٢- حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ اَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ حِضْتُ وَاَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ، فَانْسَلَلْتُ، فَخَرَجْتُ مِنْهَا، فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي فَلَبِسْتُهَا، فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاَدْخَلَنِي مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ. قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِي اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ، وَكُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ.

(جامع المسانید لابن الجوزی:٦٥٦٧ 'مکتبۃ الرشد'ریاض'٢٦ ١٤ھ' مسند احمد ج٦ص٢٩١' السنن الکبری للنسائی :٣٠٧٣-٣٠٧٢' المعجم الکبیر:٧٨٩-ج٢٣ص٣٤٠)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از زینب بنت ابی سلمہ' وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں (لیٹی ہوئی) تھی کہ مجھے حیض آ گیا' میں چپکے سے اٹھی اور بستر سے نکل گئی' پھر میں نے اپنے حیض کے کپڑے لے کر ان کو پہنا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تم کو نفاس آ گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! پس آپ نے مجھے بلایا اور مجھے اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا' زینب بنت ابی سلمہ نے کہا: اور حضرت ام سلمہ نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ میں روزے سے ہوتی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بوسہ دیتے تھے اور میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے پانی لے کر غسل جنابت کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح' صحیح البخاری:٢٩٨ میں ملاحظہ فرمائیں' وہاں اس کا عنوان تھا: جس نے حیض کو نفاس کہا' اور یہاں اس کا عنوان ہے: حائض کے ساتھ سونا جب کہ وہ حیض کے کپڑے پہنے ہو' اور اس حدیث میں یہ دونوں باتیں ہیں۔

٢٢- بَابُ مَنْ اَخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوٰى ثِيَابِ الطُّهْرِ

جس نے طہارت کے کپڑوں کے علاوہ حیض کے کپڑے بنائے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس عورت نے عام لباس کے علاوہ حیض کے کپڑے تیار کیے' سابق باب کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں میں حیض کے کپڑوں کا ذکر ہے۔

٣٢٣- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ بَيْنَا اَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيْلَةٍ، حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ، فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي، فَقَالَ اَنُفِسْتِ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی' مجھے حیض آ گیا' میں چپکے سے بستر سے نکل گئی' میں نے اپنے حیض کے کپڑے لیے' آپ نے پوچھا: کیا تمہیں نفاس آ گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے مجھے بلایا' میں آپ

کے ساتھ ایک چادر میں لیٹ گئی۔

یہ وہی حدیث ہے جو ابھی صحیح البخاری: ۳۲۲ میں گزری ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: حائض کے ساتھ سونا جب کہ وہ حیض کے کپڑے پہنے ہو اور یہاں اس کا عنوان ہے: جس نے طہارت کے کپڑوں کے علاوہ حیض کے کپڑے بنائے' اور اس حدیث میں ان دونوں باتوں کا ذکر ہے۔

٢٣- بَابُ شُهُوْدِ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ ' وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلّٰى

حائض کا عیدین اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہونا اور عید گاہ سے نکل جانا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حائض عیدین اور مسلمانوں کی دعا کے مواقع پر حاضر ہوگی اور عید گاہ یا مسجد سے باہر بیٹھے گی۔

ان دونوں بابوں میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں باب حائض کے احکام پر مشتمل ہیں' یا یہ ہے کہ حائض کا حیض کے کپڑے تیار کرنا بھی عبادت ہے اور عید گاہ اور مسلمانوں کی دعا کے مواقع میں حاضر ہونا بھی عبادت ہے۔

٣٢٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ' هُوَ ابْنُ سَلَامٍ ' قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ' عَنْ اَيُّوْبَ ' عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا اَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيْدَيْنِ ' فَقَدِمَتِ امْرَاَةٌ ' فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ ' فَحَدَّثَتْ عَنْ اُخْتِهَا ' وَكَانَ زَوْجُ اُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ ' وَكَانَتْ اُخْتِيْ مَعَهُ فِيْ سِتٍّ ' قَالَتْ كُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمٰى ' وَنَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى ' فَسَاَلَتْ اُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعَلٰى اِحْدَانَا بَاْسٌ ' اِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ ' اَنْ لَّا تَخْرُجَ؟ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا ' وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ. فَلَمَّا قَدِمَتْ اُمُّ عَطِيَّةَ ' سَاَلْتُهَا اَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ بِاَبِيْ ' نَعَمْ ' وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ اِلَّا قَالَتْ بِاَبِيْ ' سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ ' اَوِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ ' وَالْحُيَّضُ ' وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ ' وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى . قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ اَلْحُيَّضُ؟ فَقَالَتْ اَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ ' وَكَذَا وَكَذَا [اطراف الحدیث: ۳۵۱-۹۷۱-۹۷۴-۹۸۰-۹۸۱-۱۶۵۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی جو ابن سلام ہیں' انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے خبر دی از ایوب از حفصہ' وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نوجوان کنواری عورتوں کو عید گاہ میں جانے سے منع کرتی تھیں' پس ایک عورت آئی اور وہ قصر بنی خلف میں ٹھہری' اس نے اپنی بہن سے حدیث روایت کی' اس کی بہن کا خاوند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک رہا تھا' اور میری بہن اپنے شوہر کے ساتھ چھ غزوات میں شریک تھی' اس نے کہا: ہم زخمیوں کی دوا دارو کرتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں' پھر میری بہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آیا ہم سے کسی پر کوئی حرج ہے' جب اس کے پاس چادر نہ ہو تو وہ گھر سے نہ نکلے؟ آپ نے فرمایا: اس کی سہیلی اس کو چادر پہنا دے اور وہ نیکی اور مسلمانوں کی دعا کے مواقع پر حاضر ہو' پھر جب حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا آئیں تو میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ پر میرے باپ فدا ہوں! اور وہ جب بھی آپ کا ذکر کرتی تھیں تو کہتی تھیں: ہاں! آپ پر میرے باپ فدا ہوں! میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: نوجوان عورتیں اور پردہ دار عورتیں گھر سے نکلیں' یا نوجوان پردہ دار عورتیں اور حیض والی عورتیں گھروں سے نکلیں اور نیکی اور مسلمانوں کی دعا کے مواقع پر حاضر ہوں اور حیض والی عورتیں عید گاہ سے باہر رہیں۔ حفصہ بیان کرتی ہیں: میں نے

کرتی ہیں: میں نے کہا: حیض والی عورتیں؟ اس خاتون نے کہا: کیا وہ میدانِ عرفات میں اور فلاں فلاں جگہ نہیں جاتیں۔

(صحیح مسلم: ٨٩٠' الرقم المسلسل: ٢٠٢٣' سنن ابوداؤد: ١١٣٧' سنن نسائی: ١٥٥٩' سنن ابن ماجہ: ١٣٠٨' المعجم الکبیر: ١٣٠۔ج ٢٥' صحیح ابن خزیمہ: ١٤٦٦' مسند الحمیدی: ٣٦٢۔٣٦١' سنن بیہقی ج ٣ ص ٣٠٦' مسند احمد ج ٥ ص ٨٤ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٠٧٨٩۔ج ٣٤ ص ٣٨٤' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٦٣٥' مکتبۃ الرشد' ریاض' ١٤٢٦ھ)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: آپ نے فرمایا: نوجوان عورتیں اور پردہ دار عورتیں گھر سے نکلیں اور نیکی اور مسلمانوں کی دعا کے موقع پر حاضر ہوں۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(١) محمد بن سلام بیکندی' ابوذر کی روایت میں اسی طرح ہے' اور کریمہ کی روایت میں ہے: محمد اور وہ ابن سلام ہے اور اکثرین کی روایت میں صرف محمد ہے اور باپ کا ذکر نہیں ہے (٢) عبدالوہاب الثقفی (٣) ایوب السختیانی' ان کا تعارف ہو چکا ہے (٤) حفصہ بنت سیرین ام الھذیل الانصاریہ البصریہ' یہ محمد بن سیرین کی بہن ہیں' ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے (٥) ایک عورت کا ذکر ہے' اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا (٦) اس کی بہن' ایک قول ہے: یہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہے' علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ وہ خود ام عطیہ تھیں (٧) ان کی بہن کے خاوند' ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا (٨) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ان کے نام میں اختلاف ہے' ایک قول ہے: ان کا نام نسیبہ بنت الحارث ہے' دوسرا قول ہے: ان کا نام نسیبہ بنت کعب ہے' علامہ ابن جوزی نے "تنقیح" میں ان کا نام نُسیمہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٤٩)

"عواتق' قصر بنی خلف" اور "جلباب" وغیرہ کے معانی

حدیث مذکور میں "عواتق" کا لفظ ہے' یہ "عاتقه" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: نوجوان عورت جو اپنے گھر میں پردہ سے رہتی ہو' ابوزید نے کہا: "عاتقه" وہ ہے جو غیر شادی شدہ ہو' ثابت نے کہا: "عاتقه" کنواری لڑکی ہے' جو شوہر کے پاس نہ گئی ہو' ثعلب نے کہا: اس کو "عاتقه" اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو ماں باپ کی خدمت سے آزاد کر دیا گیا ہو اور ابھی تک خاوند کے پاس نہ گئی ہو' "المخصص" میں لکھا ہے: یہ وہ لڑکی ہے جو بلوغ تک پہنچ گئی ہو' الازہری نے کہا: یہ وہ لڑکی ہے' جو بالغہ ہو اور ابھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔

"قصر بنی خلف" یہ بصرہ کا ایک مکان ہے' جو طلحہ بن عبداللہ بن خلف الخزاعی کی طرف منسوب ہے۔

"جلباب" یہ بڑے دوپٹے کو کہتے ہیں' ایسی چادر جس سے عورت اپنے سر اور سینہ کو ڈھانپ لے' ایک قول یہ ہے کہ یہ اتنی بڑی چادر ہے' جو عورت کے پورے جسم کو ڈھانپ لے۔

خیر کے مواقع پر حاضر ہو یعنی سماع حدیث کی مجلس میں اور مریضوں کی عیادت کے مواقع میں۔

دعاء مسلمین' نمازِ جمعہ' نمازِ عیدین اور نمازِ استسقاء کے مواقع پر حاضر ہو اور مسلمانوں کی دعا پر آمین کہے۔

نمازِ عید کے لیے خواتین کے عید گاہ میں جانے کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائض اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترک نہ کرے' وہ محافل خیر اور مجالس ذکر میں حاضر ہو لیکن مسجد کے اندر نہ داخل ہو۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ٤٤٩ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض سے پاک عورتیں اور حیض والی عورتیں عیدین میں اور مسلمانوں کی جماعت میں حاضر ہوں اور حیض والی عورتیں عیدگاہ سے باہر رہیں' وہ دعا میں شامل ہوں اور آمین کہیں اور یہ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی حاضری کو قبول فرمائے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حائض کا مسجد میں جانا جائز نہیں ہے' وہ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر جا سکتی ہے اور وہ عبادات کے مواقع پر حاضر ہونے کے لیے عاریۃً کپڑے لے کر پہن سکتی ہے اور عورتوں کا غزوات میں جا کر زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا جائز ہے' خواہ وہ غیر محرم ہوں لیکن غیر محرم کے پاس حجاب کے ساتھ جائیں یا کسی اور کو مرہم پٹی کے لیے کہیں۔

مصنف کے نزدیک یہ عہد رسالت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس وقت اضطرار کی کیفیت تھی اور اتنے مرد میسر نہیں تھے اور اب جب کہ مردوں کی کثرت ہے تو اب خواتین کا اجنبی مردوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرنا جائز نہیں ہے' البتہ بیمار اور زخمی عورتوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری عورتیں کر سکتی ہیں' ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ ہسپتالوں میں مردوں کے وارڈ میں خواتین نرس ہوتی ہیں اور عورتوں کے وارڈ میں مرد نرس ہوتے ہیں' جنہیں وارڈ بوائے کہتے ہیں' اسی طرح دفاتر میں مردوں کے پاس خاتون سیکرٹری ہوتی ہے اور خواتین کے پاس مرد سیکرٹری ہوتے ہیں' یہ سخت بے حیائی ہے اور احکام شرعیہ کے ساتھ کھلی بغاوت ہے۔

نیز علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی حدیث کو قبول کرنا جائز ہے' کیونکہ اس خاتون نے کہا: ہم زخمیوں کو دوا دیتے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کیے ہوئے اعمال کی خبر دینا جائز ہے' خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کاموں کی خبر نہ دی ہو' اور اس صحابی سے حدیث کو نقل کرنا جائز ہے' جس کا نام معلوم نہ ہو۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۴۸۔ ۴۴۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جو عورتیں بناؤ سنگھار نہ کریں' ان کا عیدین میں جانا جائز ہے اور اس حدیث کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ زمانہ بے راہ روی کے مفسدات سے محفوظ تھا اور اس زمانہ میں عورتوں کے مساجد میں جانے سے بہت سے فتنوں کا اندیشہ اور خرابیوں کا خطرہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے اس بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتے' جس کو انہوں نے آپ کے بعد ایجاد کر لیا ہے تو ان کو مساجد میں جانے سے اس طرح منع فرما دیتے' جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۸۶۹' صحیح مسلم: ۴۴۵' سنن ابوداؤد: ۵۶۹)

ہمارے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے یا تحریم کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۴ ص ۲۵۰۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

متقدمین کا عیدین کی نماز کے لیے خواتین کے جانے میں اختلاف ہے' ایک جماعت کے نزدیک ان کا جانا واجب ہے' ان میں حضرت ابوبکر' حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں' اور ان میں سے بعض نے ان کو منع کیا ہے' یہ عروہ اور قاسم ہیں' اور بعض نے جوان عورت کو منع کیا ہے اور ان کے غیر کو منع نہیں کیا' اور بعض نے گھومنے پھرنے والی عورتوں کو اجازت دی ہے اور یہ عروہ' قاسم اور یحییٰ بن سعید ہیں اور یہی امام مالک اور امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول اس میں مختلف ہے' ایک بار انہوں نے عیدین کی نماز کے لیے اجازت دی اور دوسری بار منع کیا اور امام الطحاوی نے کہا: ابتداء اسلام میں ان کو نماز عیدین کے لیے گھروں سے نکلنے

کا حکم دیا گیا تھا تا کہ دشمنوں کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ہو دوسروں نے کہا: اس کی تحقیق کے لیے تاریخ کی ضرورت ہے اور عورتوں کی کثرت اس قسم سے نہیں ہے' جس سے دشمنوں کو ڈرایا جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۲۹۸' دارالوفاء ۱۴۱۹ھ)

حافظ زین الدین عبد الرحمان بن شہاب الدین ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

حائض کو جو عید گاہ سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے' اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ عید گاہ مسجد ہے اور حائض کا اس میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے' ہمارے بعض اصحاب کے کلام سے اسی طرح ظاہر ہوتا ہے' ابوموسیٰ نے ''شرح الخرقی'' میں اسی طرح لکھا ہے اور ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عید گاہ مسجد نہیں ہے اور جنبی اور حائض اس میں ٹھہر سکتے ہیں اور حدیث میں جو حائض کو عید گاہ سے نکلنے کا حکم دیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ عید گاہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے وسعت اور کشادگی ہو' لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ حائض کا دوسری خواتین سے مجالس میں متمیز ہونا ضروری نہیں ہے' ہاں! عورتوں کا مردوں سے مجلس میں الگ اور متمیز ہونا ضروری ہے کیونکہ عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے کئی مفاسد کے وقوع کا خطرہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیدین کے دن عید گاہ مساجد کے حکم میں ہے کیونکہ اس دن اس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے' یہ خلاف دوسرے ایام کے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حائض کو جو عید گاہ سے نکلنے کا حکم دیا ہے' وہ صرف نماز کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے' تا کہ جو عورتیں حیض سے پاک ہیں' ان کو نماز پڑھنے میں تنگی اور دشواری نہ ہو' پھر خطبہ سننے کے وقت حائض عورتیں طاہرات کے ساتھ مل کر بیٹھ سکتی ہیں۔

اس حدیث میں عورتوں کو عید کی نماز میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے' کیونکہ یہ نیکی کا موقع اور مسلمانوں کی دعاء کی جگہ ہے۔

اس پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی' یہاں پر مقصود یہ بتانا ہے کہ حائض عید گاہ میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں' حفصہ بنت سیرین نے اس کا انکار کیا تو حضرت ام عطیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ حائض میدانِ عرفات میں اور فلاں فلاں جگہ پر جاتی ہے' ان کی مراد یہ تھی کہ وہ وقوف مزدلفہ کے لیے مزدلفہ میں جاتی ہے' شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے منیٰ میں جاتی ہے اور حائض طواف بیت اللہ کے سوا وہ تمام کام کرتی ہے' جو حج کرنے والے کرتے ہیں' اسی طرح حائض عیدین کے مجمع میں بھی جائے گی' کیونکہ وہ بھی اہل دعا اور ذکر میں سے ہے' لہٰذا اس کے لیے عیدین کی نماز کے موقع پر جانا جائز ہے' رہا اس کا عید گاہ میں داخل ہونا تو ہمارے اصحاب نے یہ تصریح کی ہے کہ عید گاہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے' عید کے دن نہ کسی اور دن۔

(فتح الباری لابن رجب حنبلی ج ۱ ص ۵۰۸۔ ۵۰۷ ملخصاً' دار ابن الجوزی' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن رجب حنبلی نے آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ خواتین نمازِ عید کے لیے جا سکتی ہیں اور چونکہ ان کے نزدیک عید گاہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے' اس لیے حیض والی خواتین بھی عید گاہ میں داخل ہو سکتی ہیں اور وہاں طاہرات کے ساتھ مل کر بیٹھ سکتی ہیں۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابن المبارک سے روایت ہے کہ میں آج کل خواتین کے عید کے لیے نکلنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں اور اگر کوئی عورت ضرور نکلنا چاہے تو وہ بغیر زینت کے دو سادہ چادروں میں نکلے اور اس کا شوہر چاہے تو اس کو منع کر سکتا ہے اور ثوری سے روایت ہے کہ ان کا آج کل نکلنا مکروہ ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: آج کل فتویٰ اس پر ہے' ان کا نکلنا مطلقاً ممنوع ہے خصوصاً مصر کے شہروں میں۔

حدیث مذکور کے دیگر مسائل

اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ عیدین کی نماز واجب ہے' کیونکہ آپ نے فرمایا: اگر عورت کے پاس چادر نہ ہو تو

وہ کسی سہیلی سے مانگ لے علامہ قرطبی نے کہا: اس سے عیدین کی نماز کے وجوب پر استدلال صحیح نہیں ہے اس سے مقصود نماز کی عادت ڈالنا ہے اور نیکی میں شریک کرنا ہے اور شعار اسلام کا اظہار کرنا ہے القشیری نے کہا: اس وقت اہل اسلام بہت کم تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت کرنے کے لیے کسی سے کپڑا مانگ کر پہننا جائز ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کی حدیث کو قبول کرنا جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو اعمال کیے جاتے تھے ان کو نقل کرنا اور ان کو قبول کرنا جائز ہے خواہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خبر نہ دی ہو۔

اگر زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لیے مرد دستیاب نہ ہوں یا کم ہوں تو میدانِ جہاد میں خواتین سے یہ خدمت لینا جائز ہے۔

اس حدیث سے پردہ کا وجوب ثابت ہوا اور خواتین کا بغیر چادر اوڑھے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

خواتین کو عیدگاہ کے اندر داخل نہیں ہونا چاہیے تاکہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور نہ وہاں نماز پڑھنی چاہیے اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک یہ جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اس ممانعت میں تنزیہ اور تحریم کے دو قول ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مطلقاً ممنوع ہے۔

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے: حیض والی عورتیں عیدگاہ سے نکل جائیں علامہ کرمانی نے لکھا ہے: یہ امر وجوب کے لیے ہے اور ان کا عیدین کے لیے نکلنا اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا مستحب ہے حالانکہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا عیدگاہ سے نکلنا واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۸۳۵ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

* یہ حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۹۵۳۔ ج ۲ ص ۶۶۵ پر مذکور ہے وہاں اس کا عنوان ہے: عیدین میں عورتوں کا جانا۔

٢٤- بَابُ إِذَا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ، وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَآءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ وَفِيمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ

جب عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آئیں اور حیض اور حمل میں عورتوں کی جو تصدیق کی جاتی ہے اور ان کے حیض کو اس صورت پر محمول کیا جاتا ہے جو ممکن ہو

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾ (البقرہ: ۲۲۸).

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ارحام میں جو پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں“ (البقرہ: ۲۲۸)۔

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آ جائیں تو اس کا کیا حکم ہے اور اس کے حیض کی تکرار کو جو ممکن ہو اس پر حمل کیا جائے گا امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ارحام میں حمل یا حیض جس کو بھی پیدا کیا ہے عورتوں کے لیے اس کو چھپانا جائز نہیں ہے تاکہ ان کی عدت پوری ہو سکے۔ امام ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے لکھا ہے: حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس آیت سے مراد ہے: وہ حمل اور حیض کو نہ چھپائیں حیض کی جگہ رحم ہے اور جب حمل ہو جاتا ہے تو وہ حیض کے خون کو نکلنے سے منع کر دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں حمل کو چھپا لیتی تھیں تاکہ اس بچہ کو کسی اور کی طرف منسوب کر سکیں تو اسلام میں ان کو اس فعل سے منع کر دیا گیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۲ ص ۱۶۳۔ ۱۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری فرماتے ہیں:

وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَشُرَيْحٍ إِنِ امْرَأَةٌ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضَى دِينُهُ أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِي شَهْرٍ صُدِّقَتْ.

اور حضرت علی اور شریح سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر عورت اپنے گھر کے افراد میں سے کوئی ایسا گواہ لے آئے جو اس کے احوال کو جانتا ہو اور جس کا دین پسندیدہ ہو کہ اس کو ایک ماہ میں تین حیض آ گئے ہیں تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

عامر بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا جو اس کو طلاق دے چکا تھا' اس عورت نے کہا: مجھے ایک ماہ میں تین حیض آ چکے ہیں' حضرت علی نے شریح سے کہا: تم ان کے درمیان فیصلہ کرو' شریح نے کہا: امیر المؤمنین! آپ یہاں موجود ہیں' حضرت علی نے فرمایا: تم ان کے درمیان فیصلہ کرو' شریح نے پھر کہا: امیر المؤمنین! آپ یہاں موجود ہیں' حضرت علی نے فرمایا: تم ان کے درمیان فیصلہ کرو' تب شریح نے کہا: اگر اس کے گھر میں اس کے احوال کو جاننے والا ایسا فرد گواہی دے' جس کا دین اور امانت پسندیدہ ہو اور وہ یہ کہے کہ اس کو تین حیض آ چکے ہیں اور ہر حیض کے بعد اس کا طہر گزر چکا ہے' جس میں یہ نماز پڑھتی تھی تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا ورنہ نہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قالون قالون'' یہ رومی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: تم نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔ (سنن داری: ۸۵۸' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایک ماہ میں تین حیض گزرنے کے دعویٰ کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے بھی اس کی مثل کہا ہے کہ اگر مطلقہ یہ کہے کہ مجھے ایک ماہ میں تین حیض آ گئے ہیں تو عورتوں سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر اس کے نزدیک یہ ممکن ہو تو اس عورت کی تصدیق کر دی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ دو ماہ سے کم میں اس کی عدت پوری ہو گئی ہے اور وہ ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض آتا ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ عادۃً ممکن نہیں ہے کہ کسی عورت کا حیض اور طہر دونوں کم از کم مدت کے ہوں' کیونکہ جب حیض اکثر مدت کا ہو تو طہر کم از کم مدت کا ہوتا ہے اور جب حیض کم از کم مدت کا ہو تو طہر اکثر مدت کا ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ انتالیس دن سے کم میں اس عورت کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے۔

امام شافعی نے کہا: بتیس دنوں سے زیادہ میں اس کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی' اس کی صورت یہ ہے کہ جب اس کے شوہر نے اس کو طلاق دی تو اس کے طہر میں ایک ساعت رہتی تھی' اس کو ایک دن حیض آیا اور پندرہ دن طہر کے گزرنے' پھر اس کو ایک دن حیض آیا اور پندرہ دن طہر کے گزرنے' پھر جب تیسرے حیض کا خون آیا تو اس کی عدت پوری ہو گئی۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۴۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ زین الدین عبدالرحمان بن شہاب ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

ابن المبارک' نخعی اور اسحاق بن راھویہ نے کہا ہے کہ اگر مطلقہ عورت یہ کہے کہ اس کو ایک ماہ میں تین حیض آ چکے ہیں تو اس عورت کی تصدیق کی جائے گی اور یہ اکثر فقہاء کا مذہب ہے' ان میں امام مالک' امام احمد اور اسحاق وغیرہم ہیں' اور یہ قول دو قاعدوں پر مبنی ہے۔ اوّل یہ ہے کہ الاقراء میں اختلاف ہے' آیا اس سے مراد طہر ہے یا حیض ہے اور اس میں دو قول مشہور ہیں' امام مالک اور امام

شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد طہر ہے اور امام احمد سے صحیح روایت یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔

اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کم از کم حیض کی مدت اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر کی مدت میں اختلاف ہے' امام شافعی اور امام احمد کے مشہور مذہب کے مطابق کم از کم حیض کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر کی مدت امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک پندرہ دن ہے اور امام مالک کے اکثر اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس کی کم از کم مدت تیرہ دن ہے اور اسحاق کے نزدیک اس کی مدت دس دن ہے اور ابن القاسم نے امام مالک سے اسی قول کی روایت کی ہے' پس جس کے نزدیک الاقراء سے مراد حیض ہے اور کم از کم طہر کی مدت تیرہ دن ہے تو اس کے نزدیک انتیس دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں' سو اس طرح امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ایک ماہ میں تین حیض گزر سکتے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے تینتیس دن ضروری ہیں۔ (فتح الباری لابن رجب ج ا ص ۵۱۳۔۵۱۲ ملخصاً' دار ابن الجوزی ریاض' ۱۴۱۷ھ)

وَقَالَ عَطَاءٌ اَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ. وَبِهٖ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ.

اور عطاء نے کہا ہے کہ عورت کے حیض کی مدت وہی ہوگی' جو پہلے ہوتی تھی' ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

ابن جریج' عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ مستحاضہ اپنے حیض کے ایام کی مدت میں نماز نہیں پڑھے گی۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۵۷)

وَقَالَ عَطَاءٌ اَلْحَيْضُ يَوْمٌ اِلٰى خَمْسَ عَشْرَةَ.

اور عطاء نے کہا: حیض کی مدت ایک دن سے پندرہ دن تک ہے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

عطاء نے کہا: اکثر حیض پندرہ دن ہے۔ (سنن دار قطنی: ۸۲۷' سنن بیہقی ج ا ص ۳۲۱)

حیض کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت میں مذاہب ائمہ

علامہ شمس الدین عبد الرحمان بن محمد ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ لکھتے ہیں:

امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ کم از کم حیض کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے' اور یہ عطاء بن ابی رباح اور ابوثور کا مذہب ہے اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کم از کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت سترہ دن ہے' الخلال نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام احمد کے نزدیک کم از کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور اقل اور اکثر مدت میں امام شافعی کا مذہب بھی اسی طرح ہے' اور امام ابوحنیفہ اور ان کے دو صاحبوں کا مذہب یہ ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ (سنن دار قطنی: ۸۳۵۔ ج ا ص ۳۸۵' دار المعرفۃ بیروت)

امام مالک نے کہا: کم از کم حیض کی کوئی حد نہیں ہے' وہ ایک ساعت بھی ہو سکتی ہے۔ (المغنی ج ا ص ۴۰۱' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۲۵ھ)

وَقَالَ مُعْتَمِرٌ ' عَنْ اَبِيْهِ سَاَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرَى الدَّمَ ' بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ اَيَّامٍ ؟ قَالَ

اور معتمر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے اس عورت کے متعلق سوال کیا' جو طہر کے پانچ دنوں کے

اَلنِّسَآءُ اَعْلَمُ بِذٰلِكَ.

بعد خون کو دیکھتی ہے؟ انہوں نے کہا: عورتیں اس کو زیادہ جانتی ہیں۔

اس اثر کی اصل یہ حدیث ہے:

محمد بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از والد خود از الحسن کہ جو عورت طہر کے ایام میں خون دیکھ لے انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ وہ غسل کرے اور نماز پڑھے اور ابن سیرین نے کہا: وہ مٹیالے اور پیلے رنگ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (سنن دارمی: ۸٦۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۲۵- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبِیْ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِیْ حُبَیْشٍ، سَاَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اِنِّیْ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ، اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَ لَا، اِنَّ ذٰلِكَ عِرْقٌ، وَلٰكِنْ دَعِی الصَّلٰوةَ قَدْرَ الْاَیَّامِ الَّتِیْ كُنْتِ تَحِیْضِیْنَ فِیْهَا، ثُمَّ اغْتَسِلِیْ وَصَلِّیْ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ہشام بن عروہ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ میرا خون جاری رہتا ہے لہٰذا میں پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز ترک کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ رگ (سے خون نکلتا) ہے، لیکن جتنے ایام میں تمہیں حیض آتا تھا، اتنے ایام تک تم نماز چھوڑ دو، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۲۲۸ میں گزر چکی ہے، وہاں اس کا عنوان تھا: خون کو دھونا اور یہاں اس حدیث کا عنوان ہے: جب کسی عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آئیں، تاہم اس حدیث میں اس عنوان پر کوئی دلالت نہیں ہے، ثبوت پر نہ نفی پر۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس عورت کا خون ابتداءِ بلوغت سے مسلسل جاری ہو، وہ حیض کے ایام کا کس طرح تعین کرے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہر مہینہ کے ابتدائی دس دنوں کو حیض قرار دے گی اور باقی بیس دنوں کو طہر قرار دے گی۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حیض کے دنوں کے لیے ایام کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے امام ابوبکر رازی نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایام جمع قلت ہے، جس کے افراد کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس ہوتے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۵- بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِیْ غَیْرِ اَیَّامِ الْحَیْضِ

غیر ایام حیض میں پیلا اور مٹیالہ رنگ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت غیر ایامِ حیض میں پیلا اور مٹیالہ رنگ دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے۔

حیض کے خون کے رنگ

حیض کے خون کے چھ رنگ ہیں: (۱) سیاہ (۲) سرخ (۳) پیلا (۴) مٹیالہ (۵) سبز (٦) خاکی۔

سرخ رنگ خون کا اصلی رنگ ہے، پیلا رنگ بھی خون کا رنگ ہے جب خون پتلا ہو، اور ایام حیض میں پیلا اور مٹیالہ رنگ حیض ہے، اور مٹیالہ رنگ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک حیض ہے اور سبز رنگ میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے، امام ابومنصور نے کہا: اگر ابتداء میں سبز رنگ دیکھے تو وہ حیض ہے اور آخر میں دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے اور خاکی رنگ مٹیالے رنگ کی ایک قسم ہے اور اس کا وہی حکم ہے، جو مٹیالے رنگ کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۵۸)

٣٢٦- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ، عَنْ اَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا انہوں نے کہا: ہم مٹیالے اور پیلے رنگ کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ٣٠٨' سنن نسائی: ٣٦٦' سنن ابن ماجہ: ٦٤٧)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں اور ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

پیلے اور مٹیالے رنگ کے حیض ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب ائمہ

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ٤٤٩ھ لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا مذہب امام بخاری کے عنوان کے موافق ہے' اکثر علماء نے کہا ہے کہ پیلا اور مٹیالہ رنگ ایام حیض میں حیض ہے اور ایامِ حیض کے بعد وہ کچھ نہیں ہے' یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' اور سعید بن المسیب' عطاء' الحسن البصری' ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے' اور ربیعہ' ثوری' اوزاعی' لیث' امام ابوحنیفہ' امام محمد' امام شافعی' امام احمد' اسحاق اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس میں دوسرا قول امام ابو یوسف کا ہے' وہ کہتے ہیں کہ پیلا اور مٹیالہ رنگ حیض کی ابتداء میں حیض نہیں ہے اور حیض کے آخر میں حیض ہے' کیونکہ حدیث میں ہے: پیلا اور مٹیالہ رنگ خون کے آخری ایام میں خون ہے' حتیٰ کہ تم سفیدی دیکھ لو۔

اس میں تیسرا قول' امام مالک کا ہے' وہ کہتے ہیں کہ مٹیالہ اور پیلا رنگ حیض ہے' خواہ ایام حیض ہوں یا غیر ایامِ حیض اور یہ قول حدیث کے خلاف ہے۔ (شرح ابن بطال ج ١ ص ٤٥٢' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٤ھ)

٢٦- بَابُ عِرْقِ الْاِسْتِحَاضَةِ — استحاضہ کی رگ

اس باب میں استحاضہ کی رگ کو بیان کیا گیا ہے اور باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں باب استحاضہ کے حکم پر مشتمل ہیں۔

٣٢٧- حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ اُسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ، فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ، فَقَالَ هٰذَا عِرْقٌ. فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں کہ حضرت ام حبیبہ کو سات سال سے خون جاری تھا' انہوں نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' آپ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا' آپ نے فرمایا: یہ رگ (کا خون) ہے' پھر وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم: ٣٣٤' الرقم المسلسل: ٧٥٩' سنن ابوداؤد: ٢٩٠' سنن ترمذی: ١٢٩' سنن نسائی: ٢٠٥' جامع المسانید لابن الجوزی: ٧٤٠٦' مکتبۃ الرشد ریاض' ١٤٢٦ھ)

اس حدیث کے سات رجال ہیں اور عمرہ کے سوا سب کا تعارف پہلے ہو چکا ہے' عمرہ کا نام عمرہ بنت عبد الرحمان بن سعد الانصاریہ ہے' یہ ثقہ' حجۃ اور عالمہ ہیں' یہ ٩٨ھ میں فوت ہو گئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٦٠)

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت واضح ہے کیونکہ اس میں رگ کا ذکر ہے' اس حدیث میں دو امر تحقیق طلب ہیں:
(۱) مستحاضہ کے نام کی تحقیق (۲) ہر نماز کے بعد مستحاضہ کے غسل کی تحقیق۔

حدیث مذکور میں مستحاضہ کے نام میں ائمہ حدیث کا اختلاف

علامہ زین الدین عبد الرحمان بن شہاب ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مستحاضہ کے نام میں اختلاف ہے' اکثرین کی روایت میں ان کا نام ام حبیبہ ہے اور بعض نے کہا: وہ ام حبیبہ بنت جحش ہیں' امام مسلم کی روایت: ۷۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمشیر نسبتی ہیں' یہ حضرت عبد الرحمن بن عوف کے نکاح میں تھیں' ان کا سات سال خون جاری رہا' اور امام ابوداؤد الطیالسی نے از ابن ابی ذئب از الزہری روایت کیا ہے کہ یہ حضرت زینب بنت جحش تھیں' جن کا خون سات سال جاری رہا۔

اور ان کو زینب کے نام میں وہم ہوا ہے' امام ابوداؤد اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں خون جاری رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کریں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۲)

(فتح الباری لابن رجب ج ا ص ۵۲۴' دار ابن الجوزی' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد الطیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) نے روایت کیا ہے' میں نے اس حدیث کا ان سے سماع نہیں کیا' انہوں نے از سلیمان بن کثیر از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو روایت کیا ہے' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت زینب بنت جحش کا خون جاری ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نماز کے لیے غسل کرو اور حدیث بیان کی' امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کو عبد الصمد نے از سلیمان بن کثیر روایت کیا ہے کہ ہر نماز کے لیے وضوء کرو' امام ابوداؤد نے کہا: یہ عبد الصمد کا وہم ہے اور اس میں قول ابوالولید کا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۳۳' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو آپ کی ہمشیر نسبتی تھیں' کا سات سال سے خون جاری تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ حیض نہیں ہے' رگ کا خون ہے' تم غسل کر کے نماز پڑھو۔
(صحیح مسلم: ۳۳۴' الرقم المسلسل: ۷۴۰)

امام مالک نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش' جو حضرت عبد الرحمان بن عوف کے نکاح میں تھیں' ان کا خون جاری تھا اور وہ غسل کر کے نماز پڑھتی تھیں۔ (موطأ امام مالک: ۱۰۶' تنویر الحوالک ص ۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسی طرح یحییٰ وغیرہ نے اس حدیث کو امام مالک سے موطأ میں روایت کیا ہے اور یہ امام مالک کا وہم ہے' کیونکہ حضرت زینب بنت جحش' حضرت عبد الرحمن بن عوف کے نکاح میں بالکل نہیں تھیں' وہ پہلے حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں' پھر ان کے طلاق دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور جو حضرت عبد الرحمان بن عوف کے نکاح میں تھیں' وہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش تھیں' یہ تین بہنیں تھیں: حضرت زینب' حضرت ام حبیبہ اور حضرت حمنہ بنت جحش' جو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں تھیں' ایک قول یہ ہے کہ ان تینوں کو استحاضہ آیا تھا' اور دوسرا قول یہ ہے کہ صرف حضرت ام حبیبہ اور حضرت حمنہ کو استحاضہ آیا تھا۔

(الاستذکار ج ۳ ص ۲۲۸۔ ۲۲۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

جس کا خون مسلسل جاری ہو آیا وہ ہر نماز کے لیے غسل کرے گی یا دو نمازوں کے لیے یا ہر روز غسل کرے گی؟

امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا خون جاری رہتا ہے' آپ نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے' تم غسل کرو اور نماز پڑھو تو وہ نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم: ٣٣٤' الرقم المسلسل: ٧٣٩' سنن ابوداؤد: ٢٩٠' سنن ترمذی: ١٢٩' سنن نسائی: ٢٠٥)

اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس سے یہ سمجھا کہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کریں۔

دوسروں نے کہا کہ ان پر یہ واجب تھا کہ وہ ظہر اور عصر کے لیے ایک غسل کرلیں' اور مغرب اور عشاء کے لیے غسل کرلیں' ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھیں اور عصر کو اس کے اوّل وقت میں پڑھ لیں' اسی طرح مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اوّل وقت میں پڑھ لیں اور صبح کے لیے ایک غسل کرلیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس کی مثل مروی ہے اور یہ ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن شداد کا قول ہے۔

دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ وہ ہر دن میں ایک بار غسل کرلے' جس وقت میں چاہے' اس کو معقل بن یسار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' حضرت علی نے فرمایا: جب اس کا حیض ختم ہو جائے تو وہ ہر روز غسل کرے۔

فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا: وہ ایک طہر سے لے کر دوسرے طہر تک کے لیے غسل کرے۔

(الاستذکار ج ٣ ص ٢٣١۔ ٢٢٨' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤١٣ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ' اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث (صحیح البخاری: ٢٢٨) سے منسوخ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کی حدیث سے فتویٰ دیا کہ وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرلیں اور حضرت ام حبیبہ کی حدیث کی مخالفت کی' اسی وجہ سے ابومحمد اشبیلی نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ کی حدیث استحاضہ کے باب میں سب سے صحیح حدیث ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ آپ نے حضرت ام حبیبہ کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا اور وہ ہر نماز کے لیے نفلی طور پر غسل کرتی تھیں اور ابن شہاب الزہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا تھا' لیکن وہ اپنی طرف سے ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں' اور جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ مستحاضہ پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کرے' لیکن اس پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٦٢' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں حضرت ام حبیبہ بنت جحش کا مسلسل خون جاری ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا۔ (سنن ابوداؤد: ٢٩٢)

حفاظ نے اس حدیث میں اس زیادتی پر طعن کیا ہے' کیونکہ الزہری کے اثبات اصحاب سے یہ زیادتی ثابت نہیں ہے' تاہم اگر اس حدیث میں غسل کے امر کو استحباب پر محمول کر دیا جائے تو دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی' اس حدیث کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غسل نہیں ہے' بلکہ یہ لفظ غَسل ہے یعنی ہر نماز کے وقت فرج سے خون اور نجاست کو دھولیا کریں' کیونکہ نجاست کو زائل کرنا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش کی حدیث میں جو ہر نماز کے لیے غسل

کرنے کا حکم ہے' وہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث سے منسوخ ہے' جس میں ہر نماز کے لیے وضوء کرنے کا حکم ہے' لیکن دونوں حدیثوں کو جمع کرنا اور حضرت ام حبیبہ کی حدیث میں غسل کو استحباب پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

(فتح الباری ج ١ ص ٨٣٨' دار المعرفہ بیروت' ١٤٢٦ھ)

* باب مذکور کی حدیث' شرح صحیح مسلم: ٦٦٣۔ ج ١ ص ١٠٢٧۔ ١٠٢٦ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٢٧- بَابُ الْمَرْاَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ جس عورت کو طوافِ زیارت کے بعد حیض آ جائے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس عورت کو طوافِ زیارت کے بعد حیض آ جائے' اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ طوافِ وداع کو ترک کر کے قافلہ کے ساتھ جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں وہ طوافِ وداع کو ترک کر کے قافلہ کے ساتھ جا سکتی ہے' بابِ سابق کے ساتھ اس کی یہ مناسبت ہے کہ بابِ سابق میں مستحاضہ کا حکم بیان کیا گیا تھا اور اس باب میں حائض کا حکم بیان کیا گیا ہے اور مستحاضہ اور حائض دونوں ایک جنس سے ہیں۔

٣٢٨- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا، اَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ؟ فَقَالُوا بَلٰى، قَالَ فَاخْرُجِي.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم از والد خود از عمرہ بنت عبدالرحمان از حضرت عائشہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! بے شک صفیہ بنت حیی (رضی اللہ عنہا) کو حیض آ گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید یہ ہم کو روکنے والی ہیں' کیا انہوں نے تمہارے ساتھ طواف (زیارت) نہیں کیا تھا؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پھر وہ روانہ ہوں۔

(صحیح مسلم: ١٢١١' سنن ترمذی: ٩٤٣' سنن نسائی فی الکبریٰ: ٤١٩٣' مسند الحمیدی: ٢٠٢' صحیح ابن حبان: ٣٩٠٢' شرح السنۃ: ١٩٧٤' سنن بیہقی ج ٥ ص ١٦٢' مسند احمد ج ٦ ص ٣٩ طبع قدیم' مسند احمد: ٢٤١١٣' ج ٤٠ ص ١٣٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: بے شک حضرت صفیہ بنت حیی کو (طوافِ زیارت کے بعد) حیض آ گیا ہے۔

اس حدیث کے چھ رجال ہیں' ان کا تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت صفیہ کا ذکر ہے' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ہیں' فتح خیبر میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیدی ہو گئی تھی' آپ نے ان کو آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا' ان کے ساتھ نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ ان کو قیدی بنائے رکھنا' ان کے جاہ اور مرتبہ کے خلاف تھا اور کیونکہ یہ نبی زادی تھیں' اس لیے اور کوئی مسلمان ان کے ہم پلہ نہ تھا' اس لیے آپ نے خود ان سے نکاح فرما لیا' ان سے دس احادیث مروی ہیں' امام بخاری نے ان میں سے ایک حدیث روایت کی ہے' علامہ واقدی نے کہا ہے: یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ٦٠ ھ میں فوت ہو گئی تھیں اور دوسروں نے کہا ہے: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ٣٦ ھ میں فوت ہوئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٦٣)

حائض سے طوافِ وداع کا ساقط ہو جانا اور طوافِ زیارت کا کسی سے ساقط نہ ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض سے طوافِ وداع ساقط ہو جاتا ہے اور طوافِ زیارت حج کا رکن' اس کا کرنا ضروری ہے اور طوافِ زیارت حائض وغیرہا سے ساقط نہیں ہوتا اور اگر عورت طوافِ زیارت سے پہلے حائض ہو جائے تو وہ مکہ مکرمہ میں قیام کرے گی' حتیٰ کہ طوافِ زیارت کر لے اور اگر وہ طوافِ زیارت کیے بغیر اپنے وطن چلی گئی تو وہ بہ دستور محرمہ رہے گی اور اس کا شوہر اس کے ساتھ جماع نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ وہ طوافِ زیارت کرے اور باقی اُمور میں وہ احرام سے خارج ہو گئی اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ حائض طواف نہیں کر سکتی' اور اگر حائض نے طوافِ قدوم کیا تو اس پر ایک بکری کی قربانی ہے اور اگر حائض نے طوافِ زیارت کیا تو اس پر اونٹ کی قربانی ہے' اسی طرح جنبی کا حکم ہے اور اگر بے وضوء طوافِ قدوم کیا تو اس پر صدقہ ہے اور اگر بے وضوء طوافِ زیارت کیا تو اس پر بکری کی قربانی ہے اور امام شافعی کے نزدیک طواف کے لیے وضوء شرط نہیں ہے' اس لیے ان کے نزدیک اس صورت میں اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

٣٢٩- حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ ' عَنْ اَبِيْهِ ' عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ.

[اطراف الحدیث:١٧٥٥-١٧٦٠]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' انہوں نے بیان کیا کہ حائض کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ جب اسے حیض آ جائے تو وہ قافلہ کے ساتھ روانہ ہو جائے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(ا) معلّٰی بن اسد' یہ ٢١٩ھ میں فوت ہو گئے تھے (٢) وہیب بن خالد' یہ بصریوں میں اثبت مشائخ تھے (٣) عبداللہ بن طاؤس' یہ ١٣٢ھ میں فوت ہو گئے تھے' معمر نے کہا: میں نے ابن طاؤس جیسا فقیہ کوئی نہیں دیکھا اور ان کے والد طاؤس بن کیسان الیمانی الحمیری فرزندان فارس میں سے ہیں' ان سے زیادہ کوئی حدیث کو اچھی طرح نہیں پڑھتا تھا' وہ ١١٠ھ کے کچھ سال اوپر فوت ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ عذر کی وجہ سے طوافِ وداع ساقط ہو جاتا ہے' اس میں حدیث:٣٢٩ کی وضاحت ہے۔

٣٣٠- وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِيْ اَوَّلِ اَمْرِهٖ اِنَّهَا لَا تَنْفِرُ' ثُمَّ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ تَنْفِرُ' اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ. [طرف الحدیث:١٧٦١]

طاؤس روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے یہ کہتے تھے کہ حائض (طوافِ وداع کیے بغیر) روانہ نہیں ہو سکتی' پھر میں نے ان سے یہ سنا کہ وہ روانہ ہو سکتی ہے' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی ہے۔

پہلے حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ حائض طوافِ وداع کیے بغیر مکہ سے روانہ نہیں ہو سکتی' بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حائض کو رخصت دی ہے تو انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں انانیت بالکل نہیں تھی اور حق واضح ہونے کے بعد وہ رجوع کر لیتے تھے اور خوفِ خدا رکھنے والے علماء کی یہی شان ہے کہ جب ان پر اپنے قولِ سابق کی خطاء منکشف ہو جاتی تو وہ اس سے رجوع کر لیتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٣٦٣)

اپنے قول سابق سے رجوع کرنے کی تحقیق

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں لوگوں کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی' صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اونٹوں کو ذبح کر کے کھالیں اور چربی کا تیل بنالیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی' اتنے میں حضرت عمر آ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی' البتہ آپ لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوا لیجئے اور اس پر برکت کی دعا کیجئے' اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ برکت عطا فرمائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے' اور ایک چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا' پھر لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوایا' کوئی شخص اپنی ہتھیلی میں جوار اور کوئی کھجوریں اور کوئی روٹی کے ٹکڑے لیے چلا آ رہا تھا' یہ سب چیزیں مل کر بہت تھوڑی مقدار میں جمع ہوئیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب اپنے اپنے برتنوں میں کھانا بھر لیں' چنانچہ تمام لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے' یہاں تک کہ لشکر کے تمام برتن بھر گئے اور سبؓ نے مل کر کھانا کھایا اور سیر ہو گئے اور کھانا پھر بھی بچ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور جو شخص بھی اس کلمہ پر یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا' وہ شخص جنتی ہوگا۔

(صحیح مسلم' کتاب الایمان: ۴۵' الرقم المسلسل: ۱۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی بیٹھے ہوئے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور کافی دیر تک تشریف نہ لائے تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو' اس خیال سے ہم سب کھڑے ہو گئے' سب سے پہلے میں گھبرا کر آپ کی تلاش میں نکلا اور انصار بنی نجار کے باغ تک پہنچ گیا' میں باغ کے چاروں طرف گھومتا رہا' لیکن مجھے اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہ ملا' اتفاقاً ایک نالہ دکھائی دیا' جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر کی طرف جا رہا تھا' میں لومڑی کی طرح سمٹ کر اس نالہ کے راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی ہاں! یارسول اللہ! حضور نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے' پھر آپ اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے' آپ کی واپسی میں دیر ہو گئی' اس وجہ سے ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو تنہا دیکھ کر پریشان نہ کریں' ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں آپ کی تلاش میں نکلا' پس میں اس باغ تک پہنچا اور لومڑی کی طرح سمٹ کر باغ کے اندر آ گیا' باقی صحابہ میرے پیچھے آ رہے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نعلین مبارک مجھے عطا فرمائیں اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری یہ دونوں جوتیاں لے کر چلے جاؤ اور باغ کے باہر جو شخص تم کو کلمہ طیبہ کی دلی یقین سے شہادت دیتا ہوا ملے' اس کو جنت کی بشارت دے دو' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی' انہوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوتیاں ہیں' جو حضور نے مجھے اس لیے دی ہیں کہ جو شخص بھی مجھے یقین کے ساتھ کلمہ طیبہ کی گواہی دیتا ہوا ملے' اس کو میں جنت کی بشارت دے دوں' یہ سن کر حضرت عمر نے میرے سینہ پر ایک ضرب لگائی' جس کی وجہ سے میں پیٹھ کے بل گر پڑا' پھر حضرت عمر نے مجھ سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس جاؤ' پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر رونے لگا' ساتھ ہی حضرت عمر بھی پہنچ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

اے ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی' میں نے ان کو آپ کا پیغام پہنچایا' انہوں نے میرے سینہ پر ضرب مار کر مجھے پیٹھ کے بل گرا دیا اور کہا: واپس چلے جاؤ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص اسے یقینِ قلب کے ساتھ کلمہ طیبہ کی گواہی دیتا ہوا ملے' اس کو یہ جنت کی بشارت دے دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حضرت عمر نے عرض کیا: حضور ایسا نہ کریں' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ پھر کلمہ پر ہی بھروسا کر کے بیٹھ جائیں گے' ان کو عمل کرنے دیجئے' آپ نے فرمایا: اچھا پھر انہیں عمل کرنے دو۔ (صحیح مسلم' کتاب الایمان: ۵۲' رقم بلا تکرار: ۳۱' الرقم المسلسل: ۱۴۶)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ضرب ماری' جس سے وہ گر گئے اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی نعلین دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص بھی یقین سے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کی گواہی دے اس کو جنت کی بشارت دے دو؟ اس سے حضرت عمر کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنا یا آپ کے حکم کو مسترد کرنا نہ تھا' کیونکہ اس پیغام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد صرف امت کی دلداری اور ان کو بشارت دینا تھا' حضرت عمر کی یہ رائے تھی کہ اس بشارت کو مخفی رکھنا بہتر ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ صرف کلمہ پڑھ لینے پر ہی تکیہ کر لیں اور اعمال سے غافل ہو جائیں' اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ رائے پیش کی' تو آپ نے اس کو صحیح قرار دیا' اس حدیث میں اکابر کی اصاغر کی رائے سے موافقت کرنے کا بیان ہے' اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ اگر اصاغر کی رائے میں کوئی مصلحت ہو تو اکابر کو ان کی رائے کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۱۸۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

اس سے پہلے ہم نے وہ احادیث بیان کی تھیں' جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم امت کے لیے اپنی سابق رائے سے رجوع فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول فرما لیا۔ اب ہم وہ حدیث ذکر کر رہے ہیں کہ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع فرما لیا۔

امام بخاری محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵٦ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل یمامہ سے جنگ ہو رہی تھی تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری شہید ہو گئے اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر اسی طرح قرآن کے قاری شہید ہوتے رہے تو ہمارے پاس سے بہت سارا قرآن جاتا رہے گا اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں' میں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اس کام کو کیسے کریں گے' جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے مسلسل یہ مشورہ دیتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا اور میں نے دیکھا کہ حضرت عمر کی رائے درست ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۹۸٦)

اسی طرح حضرت عمر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف رجوع فرما لیا۔

امام ابن عبد البر القرطبی متوفی ۴٦۳ ھ لکھتے ہیں:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ میں اس مسئلے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں' جس کے مشورے

میں حضرت علی رضی اللہ نہ ہوں انہوں نے کہا: ایک مجنونہ عورت کے ہاں چھ مہینے کے بعد بچہ پیدا ہو گیا حضرت عمر نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی نے ان سے کہا: قرآن مجید میں ہے:

''وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا''. (الاحقاف:۱۵) وضع حمل کی مدت چھ ماہ بھی ہوتی ہے اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجنون سے حکم تکلیف اٹھالیا ہے یعنی وہ مکلف نہیں ہے پھر حضرت عمر یہ کہتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا ہے۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۲۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ نے اپنے خطبے میں کہا کہ بہت زیادہ مہر نہ رکھا کرو تو ایک سیاہ چہرے والی عورت نے کہا کہ آیا آپ اپنی رائے سے یہ کہہ رہے ہیں یا اس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے؟ کیونکہ آپ کے قول کے خلاف قرآن مجید میں ہے:

''وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا''. (النساء:۲۰) اور تم اپنی ازواج میں سے کسی کو ڈھیروں مال دے چکے ہو تو بھی اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر حیران رہ گئے اور کہا کہ ہر شخص کو عمر سے زیادہ علم ہے حتیٰ کہ گھروں میں رہنے والی عورتوں کو بھی عمر سے زیادہ علم ہے۔ (المبسوط ج ۱۰ ص ۱۵۳۔ ۱۵۲ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ جامع العلم وفضلہ ج ۲ ص ۹۲۰)

اسی طرح بعض دیگر صحابہ نے بھی ایک دوسرے کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عکرمة ان اهل المدينة سالوا ابن عباس عن امراة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد قال اذا قدمتم المدينة فاسئلوا فقدموا المدينة فكان فی من سالوا ام سليم فذكرت حديث صفية.

(صحیح البخاری: ۱۷۵۹۔ ۱۷۵۸ صحیح مسلم: ۱۳۲۸ السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۱۹۹)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ جس عورت نے طواف (زیارت) کر لیا ہو پھر اس کو حیض آ جائے تو آیا وہ (طواف وداع کے بغیر) واپس جا سکتی ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جا سکتی ہے اہل مدینہ نے کہا: ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ کے قول کو ترک نہیں کریں گے (حضرت زید کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جا سکتی) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا جب وہ مدینہ گئے تو انہوں نے اس کی تحقیق کی اور حضرت ام سلیم سے بھی پوچھا تو انہوں نے حضرت صفیہ کی (یہ) حدیث بیان کی (کہ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو طواف وداع کیے بغیر جانے کی اجازت دی تھی)۔

جب اہل مدینہ کو حضرت صفیہ کی یہ حدیث مل گئی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کے پاس جا کر حق کا اعتراف کر لیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

پھر اہل مدینہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے اور کہا: جس طرح آپ نے ہمیں حدیث سنائی تھی ہمیں اسی طرح حدیث مل گئی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۸۸ طبع لاہور)

اور حضرت زید بن ثابت کو جب یہ حدیث مل گئی تو انہوں نے بھی رجوع فرما لیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی' امام مسلم اور امام نسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ نے رجوع کرلیا اور حضرت ابن عباس سے فرمایا: مجھے یہ یقین ہے کہ آپ نے سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہا' یہ ''صحیح مسلم'' کی عبارت ہے اور ''سنن نسائی'' میں یہ عبارت ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھا تھا' ان سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ نے پوچھا: آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس انصاری خاتون سے اس کے متعلق حدیث معلوم کرلو' حضرت زید نے ان سے حدیث پوچھی اور ہنستے ہوئے (اپنے قول سے) رجوع کرلیا اور کہا: جس طرح آپ نے بیان کیا تھا' اسی طرح حدیث ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کئی مسائل میں اپنے شاگردوں کے قول کی طرف رجوع کیا' امام مالک نے کئی اقوال میں رجوع کیا اور امام احمد اور امام شافعی کے ہر مسئلے میں دو قول ہیں' یعنی انہوں نے بعد والے قول میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرلیا۔

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے سوا کسی کتاب کے لیے عصمت کو مقدر نہیں فرمایا یا کسی اور کتاب کی عصمت پر راضی نہیں ہے' یہ صرف اسی کی کتاب کی شان ہے' جس کے حق میں فرمایا: ''لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ'' (حٰم السجدہ: ۴۲) اس کتاب میں باطل سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

سو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں میں خطائیں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں' کیونکہ وہ انسان کی تصنیفات ہیں اور خطاء اور لغزش انسان کی سرشت ہے۔

علامہ عبد العزیز بخاری نے ''اصول بزودی'' کی شرح میں لکھا ہے کہ بویطی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا: میں نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے' میں نے اس میں صحت اور صواب کو ترک نہیں کیا' لیکن اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوگی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ○ (النساء: ۸۲)
اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت سے اختلاف پاتے ○

لہٰذا تم کو اس کتاب میں جو بات کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ملے اس کو چھوڑ دو' کیونکہ میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرنے والا ہوں' مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ'' ان کے سامنے اسی مرتبہ پڑھی اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی خطاء پر مطلع ہوئے' بالآخر امام شافعی نے فرمایا: اب چھوڑ دو' اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۴-۱۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابوحنیفہ نے بعض مسائل میں اپنے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال کی طرف رجوع کرلیا' اسی طرح امام مالک نے بعض مسائل میں رجوع کرلیا' امام شافعی کے تقریباً ہر مسئلہ میں دو قول ہیں' ایک قول قدیم اور ایک قول جدید' قول جدید میں قول قدیم سے رجوع فرمالیا ہے' اسی طرح امام احمد کے بھی تقریباً ہر مسئلہ میں دو قول ہیں اور بعد کے قول میں پہلے قول سے رجوع فرما لیا ہے۔

سو میں نے بھی بعض مسائل میں رجوع کر کے اپنے دامن کو ان نفوس قدسیہ کے مقدس دامن کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور اپنے

عجز وانکسار اور للّٰہیت کو واضح کیا ہے' کیونکہ وہی شخص کسی مسئلہ میں رجوع نہیں کرتا' جو اپنے آپ کو ہمہ دان اور غلطیوں سے مبرا اور منزہ جانتا ہو اور ہر قسم کی خطاء سے پاک ہونا تو صرف اللہ عزوجل کی صفت ہے اور عصمت تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

شاہ (عبد العزیز محدث دہلوی) صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی اور وہ نہ فقط فتاویٰ بلکہ ''تفسیر عزیزی'' میں بھی ہے اور ایک نہ ان کا فتاویٰ بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں' جس میں سے کچھ متروک نہ ہو' سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کل ماخوذ من قولہ و مردود علیہ الا صاحب ھذا القبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہر شخص کے قول سے کچھ لیا بھی جاتا ہے اور کچھ ردّ بھی کیا جاتا ہے' ماسوا صاحب گنبد خضراء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۳۵۶' مکتبہ رضویہ' کراچی)

الحمد للہ رب العلمین! میں نے ''شرح صحیح مسلم'' کی بارہ اور ''تبیان القرآن'' کی تین عبارات سے رجوع کر لیا ہے' ان کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ٦ کے آخر میں ص ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۳' الطبع الثالث عشر' شوال ۱۴۲٦ھ/نومبر ۲۰۰۵ء پر مذکور ہے۔

٢٨- بَابُ اِذَا رَاَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ — جب مستحاضہ طہر کو دیکھ لے

یہ باب اس کے بیان میں ہے کہ جب مستحاضہ طہر کو دیکھ لے یعنی جب اس کا خون منقطع ہو جائے تو وہ غسل کر کے نماز پڑھ لے' خواہ اس کا طہر ایک ساعت کا ہو' اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے' جس کا عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب مستحاضہ کے لیے رگ کا خون حیض کے خون سے متمیز ہو جائے تو استحاضہ کے زمانہ کو طہر کہا جائے گا کیونکہ وہ حیض کے زمانہ کی بہ نسبت طہر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے خون کے انقطاع کا ارادہ کیا جائے اور پہلا معنی عبارت کے زیادہ موافق ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۸۳۹' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲٦ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ' حافظ ابن حجر کا ردّ کرتے ہیں:

اس عبارت میں کئی خدشات ہیں: (۱) یہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مستحاضہ کا خون دائماً جاری ہو لیکن وہ حیض کے خون میں اور رگ کے خون میں تمیز کر سکتی ہو' جب کہ اس عنوان کا معنی ہے: مستحاضہ طہر کو دیکھے اور طہر اس وقت ہو گا' جب خون منقطع ہو جائے اور اس قائل نے کہا ہے کہ اس کا خون مستمر ہو تو پھر یہ طہر کیسے ہو گا! (۲) اس نے استحاضہ کے خون کو مجازاً طہر کہا ہے اور بغیر ضرورت کے کسی عبارت کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا (۳) اس نے کہا: یہ معنی عبارت کے سیاق کے زیادہ موافق ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے بلکہ سیاق عبارت کے موافق یہ ہے کہ وہ طہر کو دیکھے' یعنی اس کا خون منقطع ہو جائے۔

امام بخاری ایک اثر ذکر کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ سَاعَةً' وَيَاْتِيْهَا زَوْجُهَا اِذَا صَلَّتْ اَلصَّلٰوةُ اَعْظَمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مستحاضہ غسل کرے اور نماز پڑھے' خواہ ایک ساعت کے لیے حیض منقطع ہوا ہو اور جب وہ نماز پڑھ لے تو اس کا خاوند اس سے مباشرت کرے' نماز اعظم ہے۔

اس اثر کی اصل یہ حدیث ہے:

انس بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ آل انس کی ایک عورت کو استحاضہ آ گیا' انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کروں' حضرت ابن عباس نے کہا: جب تک وہ خون کی جولانی دیکھ رہی ہے تو نماز نہ پڑھے اور جب وہ طہر کو دیکھے' خواہ

وہ دن کی ایک ساعت میں ہو تو وہ غسل کر کے نماز پڑھے۔ (سنن داری: ۸۰۳ دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

٣٣١- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، عَنْ زُهَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ، وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي. (سنن ابوداؤد: ۲۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی از زہیر انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حیض آئے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض چلا جائے تو تم اپنے جسم سے خون کو دھوڈ اور نماز پڑھو۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۲۲۸ کا مطالعہ کریں وہاں اس کا عنوان تھا: خون کو دھونا اور یہاں عنوان ہے: جب مستحاضہ طہر کو دیکھے اور اس حدیث میں یہ دونوں امر ہیں۔

٢٩- بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النُّفَسَآءِ وَسُنَّتِهَا — نفاس والی عورتوں کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کا طریقہ

یہ باب نفاس والی عورتوں کی نمازِ جنازہ اور اس کے طریقہ کے بیان میں ہے امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں "کتاب الحیض" میں داخل کیا ہے حالانکہ اس حدیث کی حیض کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں اس کی مناسبت "کتاب الجنائز" کے ساتھ ہے اور نہ ہی اس باب کی باب سابق کے ساتھ کوئی مناسبت ہے کیونکہ باب سابق مستحاضہ کے متعلق تھا اور یہ باب نفاس والی عورت کے متعلق ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستحاضہ کا خون بھی جاری ہوتا ہے اور نفاس والی عورت کا خون بھی جاری ہوتا ہے اسی طرح جب نفاس والی عورت کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے تو حیض والی عورت کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

٣٣٢- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِي سُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنَا شَبَابَةُ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ امْرَاَةً مَاتَتْ فِي بَطْنٍ، فَصَلّٰى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ وَسْطَهَا. [اطراف الحدیث: ۱۳۳۱-۱۳۳۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی سریج نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں: ہمیں شبابہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں: ہمیں شعبہ نے خبر دی از حسین المعلم از ابن بریدہ از حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت کا زچگی میں انتقال ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے۔

(صحیح مسلم: ۹۶۴ الرقم المسلسل: ۲۲۰۰ سنن ترمذی: ۱۰۳۵ سنن نسائی: ۱۹۷۵ سنن ابن ماجہ: ۱۴۹۳ المنتقی: ۵۴۴ المعجم الکبیر: ۶۷۶۴ مسند ابوداؤد الطیالسی: ۹۰۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۱۲ السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۱۰۶ صحیح ابن حبان: ۳۰۶۷ المعجم الاوسط: ۲۱۳۲ سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۴-۳۳ شرح السنۃ: ۱۴۹۷ مسند احمد ج ۵ ص ۱۴ طبع قدیم مسند احمد: ۲۰۱۶۳-ج ۳۳ ص ۳۳۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) احمد بن ابی سریج ابوجعفر رازی ابوجعفر کا نام الصباح ہے امام بخاری احمد سے روایت میں منفرد ہیں (۲) شبابہ ابن سوار الفزاری المدائنی یہ اصل میں خراسان کے تھے ۲۰۴ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) شعبہ بن الحجاج ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) حسین المعلم ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے (۵) عبداللہ بن بریدہ بن الحصیب الاسلمی المروزی مشہور تابعی ہیں (۶) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ان سے ۱۲۳ احادیث مروی ہیں زیاد نے ان کو چھ مہینہ کوفہ پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اور چھ مہینہ بصرہ پر یہ ۵۹ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۶۸)

زچگی میں فوت ہونے والی عورت کا نام' اور نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے امام کے کھڑے ہونے کی جگہ میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک عورت زچگی میں فوت ہو گئی' امام مسلم نے اپنی روایت میں ان کا نام ام کعب ذکر کیا ہے' اس حدیث کا معنی ہے: وہ پیٹ کے کسی مرض کے سبب سے فوت ہو گئیں اور علامہ ابن اثیر نے کہا ہے: وہ نفاس میں فوت ہو گئیں' علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ وہ ولادت کے سبب سے یعنی زچگی میں فوت ہو گئیں۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ میں اختلاف ہے' امام احمد نے کہا ہے کہ عورت کے وسط کے مقابل کھڑا ہو اور مرد کے سینہ کے مقابل اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ دونوں کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی نے کہا ہے کہ ہمارے مذہب میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ میں امام مرد کے سینہ اور کندھوں کے پاس کھڑا ہو اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو اور حرب نے امام ابن حنبل سے امام ابوحنیفہ کے قول کی مثل روایت کیا ہے۔

''المبسوط'' میں مذکور ہے کہ نماز جنازہ میں امام کے بہترین کھڑے ہونے کی جگہ سینہ کے بالمقابل ہے۔

''جوامع الفقہ'' میں مذکور ہے: یہی مختار ہے اور امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور الحسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ عورت کے وسط کے مقابل کھڑا ہو' یہی ابن ابی لیلیٰ اور النخعی کا قول ہے۔

''البدائع'' میں مذکور ہے کہ سینہ ہی وسط ہے کیونکہ سینہ کے اوپر دونوں ہاتھ اور سر ہے اور اس کے نیچے پیٹ اور ٹانگیں ہیں۔

''التحفۃ'' اور ''المفید'' میں مذکور ہے: ہمارے اصحاب کی مشہور روایت اور ''کتاب الاصل'' وغیرہ میں یہ ہے کہ مرد اور عورت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو اور الحسن سے روایت ہے کہ دونوں کے وسط کے مقابل کھڑا ہو' مگر عورت کے سر کے زیادہ قریب ہو اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ عورت کے وسط کے مقابل کھڑا ہو اور مرد کے سر کے مقابل۔

''المفید'' میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایۃ میں ہے کہ دونوں کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو۔

امام مالک نے کہا ہے کہ مرد کے وسط کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے کندھوں کے بالمقابل۔

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ٣ ص ٤٦٩' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

٣٠- بَابٌ
باب

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم نہیں کیا اور جب وہ باب کا عنوان قائم نہ کریں تو وہ باب' باب سابق کے ساتھ لاحق اور اس کا تتمہ ہوتا ہے۔

٣٣٣- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَوَانَةَ اِسْمُهُ الْوَضَّاحُ مِنْ كِتَابِهِ قَالَ اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا كَانَتْ تَكُوْنُ حَائِضًا لَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن مدرک نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے خبر دی' ان کا نام ان کی کتاب میں الوضاح ہے' انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان شیبانی نے خبر دی از عبداللہ بن شداد' انہوں نے کہا: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ

تُصَلِّيْ، وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى خُمْرَتِهِ، إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِيْ بَعْضُ ثَوْبِهِ.

زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہا سے سنا کہ وہ حائض تھیں' نماز نہیں پڑھتی تھیں' اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ کے سامنے لیٹی ہوئی تھیں اور آپ اپنے مصلّٰی پر نماز پڑھ رہے تھے اور جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کچھ کپڑا مجھے لگتا۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) الحسن بن مدرک' ابوعلی السدوسی' یہ حافظ بصری ہیں (۲) یحییٰ بن حماد شیبانی: یہ ابوعوانہ کے داماد ہیں' ۲۱۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۳) ابوعوانہ: ان کا نام وضاح ہے' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۴) سلیمان بن ابی سنان فیروز ابواسحاق الشیبانی (۵) عبداللہ بن شداد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۶) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۷۰)

حائض کا نجس نہ ہونا' عورت کا نمازی کے سامنے ہونے کا جواز اور قیمتی جانمازوں پر نماز پڑھنے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائض نجس نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ نجس ہوتی تو حالت نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا ان پر نہ پڑتا۔

اسی طرح نفاس والی عورت بھی نجس نہیں ہوتی اور نہ جنبی نجس ہوتا ہے۔

اگر حائض نمازی کے قریب ہو تو اس سے نمازی کی نماز میں خلل نہیں پڑتا۔

نمازی کے سامنے بستر پر لیٹنا جائز ہے' اس میں ان لوگوں کا رد ہے' جو کہتے ہیں کہ نمازی کے سامنے سے عورت گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خمرہ پر نماز پڑھ رہے تھے' خمرہ کا معنی چھپانا ہے' چونکہ مصلّٰی نمازی کے چہرے کو چھپا لیتا ہے' اس لیے اس کو خمرہ کہتے ہیں' نیز جو مصلّٰی کھجور کی شاخوں سے بنایا جائے' اس کو خمرہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا بیان ہے کہ آپ کھجور کی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے اور امراء اور متکبرین قیمتی ریشم کی جانمازوں پر نماز پڑھتے ہیں اور قیمتی جانمازوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے' اس میں تکبر اور سرکشی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۷۱)

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص میں تکبر نہ ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے قالین کے بنے ہوئے مصلّٰی اور قیمتی جانمازوں پر نماز پڑھے تو جائز ہے' بلکہ مستحب ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔ (صحیح البخاری: ۳۶۵) اور حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو' وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ایک شخص نے کہا: آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو' آپ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرتا ہے اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۹' سنن ترمذی: ۱۹۹۹' سنن ابوداؤد: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ: ۵۹)

ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے گیا' آپ نے پوچھا: تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اونٹ' بکریاں' گھوڑے اور غلام عطا کیے ہیں' آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا کیا ہے تو اس کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر

دکھائی دینا چاہیے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۶۳، سنن نسائی: ۵۲۳۹)

عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمرو) سے اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندہ پر دیکھے۔

(سنن ترمذی: ۲۸۱۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱ طبع قدیم)

''کتاب الحیض'' کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ/ ۲۳ جولائی ۲۰۰۶ء کو صحیح البخاری کی ''کتاب الحیض'' مکمل ہو گئی۔ الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے صحیح البخاری کی یہ کتاب مکمل کرادی ہے اس کی باقی کتب کی بھی تکمیل کرادیں' امام بخاری' صحاح ستہ کے مؤلفین اور باقی ائمہ حدیث کے درجات بلند فرمائیں اور اس ناکارہ کی محض اپنے فضل سے مغفرت فرمادیں' مجھے اور جملہ قارئین کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے مامون اور محفوظ رکھیں اور دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آخرت میں آپ کی شفاعت عطا فرمائیں اور جنت الفردوس کو ہمارا ٹھکانا بنادیں! آمین یارب العلمین! و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین. والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

۞۞۞۞۞

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

۷- كِتَابُ التَّيَمُّمِ

تیمّم کا بیان

اس سے پہلے "كتاب الوضوء" تھی اور تیمم وضوء کی فرع ہے اس لیے "كتاب الوضوء" کے بعد "كتاب التيمم" کو شروع کیا۔

"تیمم" کی اصل "اَلْاَمُّ" ہے اس کا معنی قصد کرنا ہے کیونکہ تیمم میں مٹی کا قصد کر کے اس سے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنے کا قصد کیا جاتا ہے اس کا شرعی معنی ہے: نماز یا اور کسی عبادت کے لیے پاک مٹی کا قصد کر کے چہرے اور ہاتھوں پر ملنا۔ تیمم کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (النساء:۴۳، المائدہ:۶) پس تم پاک مٹی کا قصد کرو۔

اور اس کی دلیل میں بہ کثرت احادیث ہیں جن کا اس کتاب میں ذکر کیا جائے گا اور بے وضوء اور جنبی کے لیے تیمم کے جواز پر اجماع ہے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے قائل نہیں تھے لیکن بعد میں انہوں نے رجوع کر لیا۔ تیمم کا جواز اس امت کی فضیلت اور خصوصیت ہے پچھلی امتوں کو یہ فضیلت حاصل نہ تھی۔

۱- بَابٌ وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ (النساء:۴۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "پس تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو پھر اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو" (النساء:۴۳۔المائدہ:۶)

۳۳۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ، حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ، فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهٖ، وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ، فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، فَقَالُوْا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبدالرحمٰن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضی اللہ عنہا انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں نکلے حتیٰ کہ جب ہم مقام البیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ڈھونڈنے کے لیے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے اور لوگ پانی کے پاس نہیں تھے پھر لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ نہیں

اَلَا تَرٰی مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ؟ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ، وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَاْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ، فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ! فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ، وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ، فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ ﴿فَتَيَمَّمُوْا﴾ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ، قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ، فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ.

دیکھ رہے ہو کہ حضرت عائشہ نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرا لیا' اور لوگ پانی کے پاس نہیں ہیں اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے! پھر حضرت ابوبکر آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھ کر سو چکے تھے' انہوں نے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور لوگوں کو ٹھہرا لیا' حالانکہ لوگ پانی کے پاس نہیں ہیں اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے! حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: حضرت ابوبکر نے مجھے ڈانٹا اور جو اللہ نے چاہا' وہ کہتے رہے اور وہ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں چٹکی لے رہے تھے اور مجھے ہلنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی' سوا اس کے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر میرے زانو پر تھا' پھر صبح کو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے' اس وقت وہاں پانی نہیں تھا' پس اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرما دی: ''پس تم تیمم کرو'' پھر اسید بن الحضیر نے کہا: اے آل ابی بکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت تو نہیں ہے! حضرت عائشہ نے کہا: پھر ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا' جس پر میں تھی تو ہم نے ہار کو اس کے نیچے پالیا۔

[اطراف الحدیث: ۳۳۶_۳۶۷۲_۳۶۷۳_۴۵۸۳_۴۶۰۷_۴۶۰۸_۵۱۶۴_۵۲۵۰_۵۸۸۲_۶۸۴۴_۶۸۴۵] (صحیح مسلم: ۳۶۷' الرقم المسلسل: ۷۹۴' سنن نسائی: ۳۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۹۹' موطأ امام مالک: ۸۹' تنویر الحوالک ص ۷۳' مصنف عبد الرزاق: ۸۸۰' صحیح ابن خزیمہ: ۲۶۲' صحیح ابن حبان: ۱۳۰۰' المعجم الکبیر: ۱۲۹_ج ۲۳' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۵_۲۰۴' شرح السنۃ: ۳۰۷' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۹ طبع قدیم' مسند احمد: ۲۵۴۵۵_ج ۴۲ ص ۲۸۶_۲۸۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۵۶۴' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث کے پانچ رجال ہیں' جن کا پہلے تعارف ہو چکا ہے۔

البیداء اور ذات الجیش کا تعین اور غزوہ بنو المصطلق اور غزوہ المریسیع کی تاریخ

اس حدیث میں البیداء اور ذات الجیش کا ذکر ہے' یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان دو مقام ہیں۔

کسی سفر میں' علامہ ابن عبد البر نے ''التمہید'' اور ''الاستذکار'' میں لکھا ہے: یہ سفر غزوہ بنو المصطلق کا تھا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابن سعد اور امام ابن حبان نے لکھا ہے کہ غزوہ بنو المصطلق ہی غزوہ المریسیع تھا' جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی' اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: میرا سیپیوں کا ہار ٹوٹ گیا تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو ڈھونڈنے کے لیے لوگوں کو ٹھہرا لیا' امام ابن سعد نے کہا: رسول اللہ ﷺ پیر کے دن ۲ رمضان ۵ھ کو غزوہ مریسیع کے لیے نکلے تھے' اور امام بخاری نے امام ابن اسحاق سے ۶ھ کو نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ سے ۴ھ کو نقل کیا ہے' اور تہمت لگانے کا واقعہ غزوہ مریسیع یا غزوہ بنو المصطلق میں ہوا تھا اور آیت تیمم کے نزول کا واقعہ اس کے بعد کسی غزوہ کے سفر میں ہوا ہے' جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

ہار ملنے کے سلسلہ میں دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبد اللہ بن نمیر کی ہشام سے روایت ہے: آپ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس نے ہار کو پالیا' اور امام مالک کی روایت میں ہے: ہم نے اونٹ کو اٹھایا تو ہم نے ہار کو پالیا اور ان میں تضاد ہے' میں کہتا ہوں کہ المہلب نے کہا ہے کہ ان میں تناقض نہیں ہے' کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے اسید بن حضیر کو بھیجا ہو اور انہوں نے ہار کی تلاش سے لوٹنے کے بعد اس کو پالیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہار کی تلاش میں بھیجنے کے بعد آپ نے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا ہو' پس ان میں تعارض نہیں رہے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ دو الگ الگ واقعے ہیں' کیونکہ ایک روایت میں ''عِقْد'' کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں ''قِلَادَۃ'' کا لفظ ہے' لہٰذا ان دو روایتوں میں تعارض نہیں رہا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا' پس اس نے ہار کو پالیا' اس سے حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ آپ نے ہار کو پالیا' لہٰذا تعارض نہیں رہا۔

آیت تیمم کے نزول کا واقعہ' منافقوں کے تہمت لگانے کے واقعہ کے بعد کسی غزوہ کا ہے

ہشام بن عروہ کی اس کے بعد جو روایت ہے' اس میں مذکور ہے: پس اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر کوئی ایسی مصیبت نازل ہوئی' جس کو آپ ناپسند کرتی ہوں تو اللہ نے اس میں مسلمانوں کے لیے خیر رکھ دی اور ''کتاب النکاح'' میں یہ الفاظ ہیں: مگر اللہ نے اس میں آپ کے لیے نجات کی راہ اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت رکھ دی اور اس میں یہ خبر ہے کہ تیمم کا واقعہ تہمت لگائے جانے کے بعد کا واقعہ ہے اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے: حضرت ابوہریرہ نے کہا: جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے پتا نہیں چلا کہ میں اس کے ساتھ کیا کروں اور حضرت ابوہریرہ غزوہ بنو المصطلق کے بعد ۷ھ میں اسلام لائے تھے اور ''کتاب المغازی'' میں آئے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ کہ غزوہ ذات الرقاع' حضرت ابوموسیٰ اشعری کے آنے کے بعد ہوا ہے اور وہ اس وقت آئے تھے' جب حضرت ابوہریرہ اسلام لائے تھے' نیز امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ منافقوں کی تہمت لگانے کا واقعہ آیت تیمم کے نزول کے واقعہ سے پہلے کا ہے' کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: جب میرے ہار کے واقعہ میں جو ہوا سو ہوا اور تہمت لگانے والوں نے جو کہا سو کہا' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور غزوہ میں گئی اور اس میں بھی میرا ہار گر گیا' حتیٰ کہ لوگ اس کو ڈھونڈنے کے لیے ٹھہر گئے اور فجر طلوع ہوگئی' پھر حضرت ابوبکر سے مجھے عتاب کا سامنا ہوا اور انہوں نے کہا: اے بیٹی! ہر وہ سفر جس میں تم ہوتی ہو' اس میں کوئی پریشانی اور مصیبت ہوتی ہے' لوگوں کے پاس پانی نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل فرمادی تو حضرت ابوبکر نے کہا: بے شک تمہارا عمل برکت والا تھا۔

(المعجم الکبیر: ۱۵۹- ج ۲۳' ص ۱۲۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند جید حسن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۶)

حدیث مذکور سے بیس مسائل کا استنباط

علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے: اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ پر قیام کرنا جائز ہے' جہاں پانی نہ ہو اور نہ اس وقت لوگوں کے ساتھ پانی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کے پاس پینے کے لیے تو پانی ہو' مگر وضوء کے لیے پانی نہ ہو۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی شادی شدہ عورت کی شکایت اس کے والد سے کرنی جائز ہے کیونکہ لوگوں نے حضرت عائشہ کی شکایت

حضرت ابوبکر سے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس لیے شکایت نہیں کی کہ آپ سوئے ہوئے تھے یا حضرت عائشہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کرنا آپ کی ناراضگی کا موجب تھا۔

(۳) کسی فعل کی نسبت اس فعل کے سبب کی طرف کرنا جائز ہے' لوگوں نے ایسی جگہ ٹھہرانے کی نسبت حضرت عائشہ کی طرف کی' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس جگہ ٹھہرایا تھا کیونکہ ٹھہرانے کا سبب حضرت عائشہ کے ہار کو تلاش کرنا تھا۔

(۴) کسی شخص کا اپنی بیٹی کے پاس جانا جائز ہے' خواہ اس وقت اس کا شوہر اس کے زانو پر سر رکھ کر سو رہا ہو۔

(۵) کسی شخص کا اپنی شادی شدہ بیٹی کو ڈانٹنا جائز ہے' خواہ اس وقت وہ اپنے شوہر کے پاس ہو۔

(۶) حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کی کوکھ میں چٹکیاں لے رہے تھے' اس سے انسان کا جسم مضطرب ہو جاتا ہے' لیکن حضرت عائشہ ہلی بھی نہیں' مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل جائے' اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عائشہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتنا احترام تھا اور آپ سے کس قدر محبت تھی۔

(۷) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر تہجد کی نماز فرض نہیں تھی اور کبھی کبھی آپ تہجد کو ترک بھی کر دیتے تھے۔

(۸) اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ نماز کا وقت آیا تو پانی کو تلاش کیا گیا' اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے وضوء کے لیے پانی کو تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۹) اس واقعہ کے بعد المائدہ:۶ نازل ہوئی ہے' جس میں وضوء کرنے کا حکم ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنے کا حکم ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آیت وضوء نازل ہونے سے پہلے بھی مسلمانوں پر وضوء کرنا فرض تھا' یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایسی جگہ ٹھہرے جہاں پانی نہیں تھا وہ پریشان اور مضطرب ہوئے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی جگہ ٹھہرا لیا' جہاں پانی نہیں ہے اور انہوں نے اس بات کی حضرت ابوبکر سے شکایت کی اور حضرت ابوبکر نے اس بات پر حضرت عائشہ کو ڈانٹا اور ان کی کوکھ میں چٹکیاں لیں۔

علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ تمام اہل مغازی کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز فرض ہوئی ہے' آپ نے کوئی نماز بغیر وضوء کے نہیں پڑھی اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں آیات کے نزول سے پہلے بھی وحی خفی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احکام شرعیہ کا علم ہوتا تھا' اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب آپ کو پہلے علم تھا کہ نماز کے لیے وضوء کرنا فرض ہے تو پھر بعد میں یہ آیت کس لیے نازل ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ وضوء کی فرضیت کا علم وحی جلی سے بھی حاصل ہو' جس طرح اس کا علم پہلے وحی خفی سے ہوا تھا اور اس میں منکرین حدیث کا بھی رد ہے' جو وحی خفی اور حجیت حدیث کے قائل نہیں ہیں' ورنہ وہ بتائیں کہ المائدہ:۶ کے نزول سے پہلے وضوء کی فرضیت کس دلیل سے ثابت تھی۔

(۱۰) اس میں یہ دلیل ہے کہ تیمم میں طہارت کی نیت کرنا واجب ہے' کیونکہ تیمم کا معنی قصد کرنا ہے۔

(۱۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تیمم کے حکم میں تندرست اور مریض' بے وضوء اور جنبی سب مساوی ہیں' حجاز' عراق' شام اور مشرق اور مغرب کے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے' حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ جنبی کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی طہارت صرف غسل سے ہو سکتی ہے' کیونکہ قرآن مجید میں یہ حکم ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ (المائدہ:۶) اور اگر تم جنبی ہو تو غسل کرو۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا. اور تم حالت جنابت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ مگر راستہ عبور کرنے کے لیے حتیٰ کہ تم غسل کرلو۔ (النساء:۴۳)

اور جمہور صحابہ' فقہاء تابعین اور بعد کے علماء نے جنبی کے لیے تیمم کے جواز پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے جماع کیا ہو' پھر تم کو پانی میسر نہ ہو تو پھر تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔

(النساء:۴۳' المائدہ:۶)

(۱۲) اس حدیث میں سفر میں تیمم کرنے کے جواز پر دلیل ہے' اور اس پر اجماع ہے' جب کہ شہر میں تیمم کرنے میں اختلاف ہے' امام مالک اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ شہر میں اور سفر میں تیمم کرنا برابر ہے' جب پانی نہ ہو یا مرض یا شدید خوف ہو یا وقت نکلنے کی وجہ سے پانی کا استعمال مشکل ہو' ابوعمر نے کہا: امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے' اور امام شافعی نے کہا: شہر میں تندرست آدمی کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے' سوا اس کے کہ اس کو پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہو اور امام ابویوسف اور امام زفر نے کہا: شہر میں تیمم کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے' نہ مرض کی وجہ سے' نہ وقت نکلنے کے خوف کی وجہ سے' امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے' اور لیث اور طبری نے کہا ہے: جب شہر میں پانی نہ ہو اور وقت نکلنے کا خطرہ ہو تو تندرست اور بیمار دونوں تیمم کر سکتے ہیں' وہ نماز پڑھ کر دہرائیں گے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقت نکلنے کے خوف کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۳) جب امن کا زمانہ ہو تو عورتوں کے ساتھ غزوات وغیرہ کا سفر کرنا جائز ہے اور اگر ایک شخص کے نکاح میں کئی ازواج ہوں تو وہ جس کو چاہے' ساتھ لے کر سفر پر جا سکتا ہے اور اگر ان کے درمیان قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے اور جس کے نام قرعہ نکل آئے' اس کو ساتھ لے کر سفر میں چلا جائے۔

(۱۴) اس حدیث میں مال حلال کی عزت وحرمت پر دلیل ہے' اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے' خواہ وہ چیز کم قیمت کی ہو' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ ہار بارہ درہم کا تھا۔

(۱۵) مال کی حفاظت کرنی چاہیے اور اگر وہ گم جائے تو اس کو تلاش کرنا چاہیے' خواہ اس کی تلاش میں نماز کا وقت آ جائے اور گم شدہ چیز کو تلاش کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ ایک فرد کا نقصان پوری قوم کا نقصان ہے کیونکہ اس ہار کو سب نے مل کر تلاش کیا تھا۔

(۱۶) اس میں کسی چیز کو عاریۃً لینا اور اس کو لے کر اس کی اجازت سے سفر کرنے کا ثبوت ہے' کیونکہ حضرت عائشہ نے یہ ہار حضرت اسماء سے عاریۃً لیا تھا۔

(۱۷) عورتوں کے زیورات پہننے کا جواز' کیونکہ ہار زینت کے لیے پہنا جاتا ہے۔

(۱۸) اس میں مرد کا اپنی بیوی کے زانو پر سر رکھنے کا جواز ہے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مشقت برداشت کرنے کا ثبوت ہے' کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: جب حضرت ابوبکر میری چٹکیاں لے رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیند میں خلل پڑنے کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو ہلنے سے بھی روکا ہوا تھا۔

(۲۰) اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ جب غزوہ بنو مصطلق کے سفر میں آپ کا ہار گم ہوا اور آپ قافلہ کے ساتھ نہ مل سکیں اور منافقین نے حضرت صفوان بن معطل کے ساتھ آپ پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاک دامنی اور براءت میں سورۂ نور کی دس آیات نازل فرمائیں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر اسّی (۸۰) کوڑے مارنے کا

حکم نازل ہوا اور مسلمان عورتوں کی عزت کی حفاظت کا قانون نازل ہوا اور اس کے بعد اس سفر میں جب آپ کے ہار کی تلاش میں نماز کا وقت نکل گیا اور مسلمانوں نے آپ پر طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں تخفیف کے لیے تیمم کا حکم نازل کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کوئی تہمت اور کوئی طعن گوارا نہیں ہے' پس اللہ تعالیٰ نے اس طعن سے آپ کی خلاصی کی صورت بنا دی اور مسلمانوں پر آپ کی وجہ سے احسان کر دیا' تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ حضرت عائشہ کی وجہ سے ان کی نماز کا وقت نکل گیا' بلکہ یہ کہے کہ حضرت عائشہ کی برکت کی وجہ سے قیامت تک کے مسلمانوں کو تیمم کی رخصت اور سہولت حاصل ہو گئی اور یہ وہ رخصت ہے' جو اس سے پہلے کسی نبی کی امت کو حاصل نہیں ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۱-۹ ملخصاً موضحاً و مرتباً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

النساء: ۴۳ اور المائدہ: ۶ دونوں میں آیت تیمم ہے اور ہر چند کہ سورۃ النساء' سورۂ مائدہ پر مقدم ہے' لیکن آیت تیمم خواہ سورۃ النساء کی ہو یا سورۃ المائدہ کی ہو' اس واقعہ سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھی' اسی وجہ سے تیمم کے حکم کی سہولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے حاصل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ فوراً بتا دیتے کہ فلاں جگہ ہار پڑا ہوا ہے اور جب آپ نے اس طرح نہیں بتایا تو معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب نہیں ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کسی چیز کے علم کو یہ لازم نہیں ہے کہ اس کا اظہار بھی کیا جائے' اللہ تعالیٰ کو قیامت کے وقوع کا علم ہے اور کفار بار بار پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا۔

(۲) اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً بتا دیتے کہ ہار کہاں پڑا ہوا ہے تو ہار کو تلاش نہ کیا جاتا' اس کو ڈھونڈنے میں دیر نہ ہوتی' لوگ حضرت عائشہ کو ملامت نہ کرتے' آیت تیمم کے نزول کا سبب متحقق نہ ہوتا' حضرت عائشہ کی فضیلت ظاہر نہ ہوتی اور وہ بیس مسائل معلوم نہ ہوتے' جن کا علامہ عینی نے اس حدیث سے استنباط اور استخراج کیا ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستقبل میں واقع ہونے والے ہر ہر جزئی امر کا علم نہیں دیا گیا اور نہ یہ نبوت کا تقاضا ہے بلکہ آپ کو گزشتہ امور اور مستقبل میں واقع ہونے والے امور کا علم تمام مخلوق سے زیادہ دیا گیا ہے اور یہ علم بھی تدریجی ہے اور نزول قرآن کے ضمن میں مکمل ہوا ہے' اسی کے اعتبار سے آپ کو عالم ما کان و ما یکون کہا جاتا ہے' ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ کو ہر وقت تمام جزئیات کا علم محیط حاصل ہو' ایسا علم تو اللہ عزوجل کا خاصہ ہے' اللہ عزوجل کا علم غیر متناہی ہے اور آپ کا علم متناہی ہے' آپ کے علم کو اللہ کے علم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں ہے' جو قطرہ کی نسبت سمندر کے مقابلہ میں ہوتی ہے کیونکہ قطرہ کی سمندر کے ساتھ جو نسبت ہے' وہ متناہی کی متناہی کی طرف نسبت ہے اور آپ کے علم کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ہے' وہ متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے' اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے عطاء غیر ہے' ازلی ابدی ہے' واجب ہے' اس کا سلب ممکن نہیں' اقصیٰ غایت کمال پر ہے' معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ' مستقبلہ' موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ سے اس سے مخفی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم عطائی ہے' حادث ہے' ممکن ہے' اس کا سلب ممکن ہے اور معلوم کے تمام احوال کو محیط نہیں ہے۔

* باب مذکور کی یہ حدیث' شرح صحیح مسلم: ۷۲۰- ج ۱ ص ۱۰۴۷ پر مذکور ہے' وہاں اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) تیمم کی شرائط اور شرعی احکام میں فقہاء کے نظریات (۲) حدیث تیمم سے استنباط شدہ مسائل (۳) حضرت عائشہ کے گم شدہ ہار کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی بحث (۴) تیمم کے بعض مسائل۔

۳۳۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ (ح). قَالَ وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ قَالَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ، هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ الْفَقِيرُ، قَالَ أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً. [اطراف الحدیث: ۴۳۸۔ ۳۱۲۲]

(صحیح مسلم: ۵۲۱، الرقم المسلسل: ۱۱۴۳، سنن نسائی: ۵ ۴۳۔ ۴۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۲۔ ج ۱۱ ص ۴۳۲، سنن دارمی: ۱۳۸۹، صحیح ابن حبان: ۶۳۹۸، سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۲۔ ج ۲ ص ۴۲۹، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۳۔ ۴۷۴، شرح السنۃ: ۳۶۱۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۴۲۶۴۔ ج ۲۲ ص ۱۶۶۔ ۱۶۵، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۹۲۴، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی ح (امام بخاری دوسری سند کی طرف متحول ہوئے) کہا: اور مجھے سعید بن نضر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں سیار نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی اور وہ ابن صہیب الفقیر ہے انہوں نے کہا: ہمیں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں میری ایسے رعب سے مدد کی گئی ہے جو ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہوتا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے پس میری امت میں سے جو شخص بھی جس جگہ بھی نماز کا وقت پالے وہ وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے ان کو حلال نہیں کیا گیا اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے اور (پہلے) نبی کو کسی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) محمد بن سنان العوقی ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) ہشیم ابو معاویہ الواسطی ابن عون نے بیان کیا کہ ہشیم عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز دس سال تک پڑھتے رہے پھر ان کی وفات ہوگئی یہ بغداد میں ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے (۳) سعید بن النضر ابو عثمان البغدادی یہ ساحل جیجون میں فوت ہوئے (۴) سیار بن ابی سیار ابو الحکم الواسطی یہ واسط میں ۱۲۲ھ میں فوت ہوئے (۵) یزید بن صہیب الفقیر ابو عثمان الکوفی یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مشائخ میں سے ایک ہیں ان کو فقیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی پشت کی فقار نامی ہڈی کی شکایت کرتے تھے ورنہ یہ مال کے اعتبار سے فقیر نہیں تھے (۶) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید بارہ خصائص

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اپنے پانچ خصائص بیان فرمائے ہیں علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے احادیث کا تتبع کر کے آپ کے مزید بارہ خصائص ذکر کیے ہیں جن کا ذکر حسب ذیل ہے:

(۲۔۱) ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع الکلم دیئے گئے ہیں (یعنی ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں) اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۵۲۳ الرقم المسلسل: ۱۱۴۷)

(۴۔۳) نیز ''صحیح مسلم'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ مجھے لوگوں پر تین وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح کر دی گئی ہیں اور ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے اور اس کی مٹی کو پاک کرنے والا بنادیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۲۲ الرقم المسلسل: ۱۱۴۵)

(۵) امام نسائی کی روایت میں ان خصائص کا ذکر ہے: مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے خزانے کے نیچے سے دی گئیں' جو مجھ سے پہلے کسی کو دی گئی ہیں اور نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۲۲)

(۷۔۶) امام عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری متوفی ۳۰۷ھ کی حضرت انس سے روایت ہے:

میرے لیے ہر پاک زمین مسجد اور طہور بنادی گئی ہے۔ (المنتقیٰ: ۱۲۴)

اور حضرت ابوامامہ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے انبیاء پر چار وجوہ سے فضیلت دی ہے' تمام روئے زمین کو میرے لیے اور میری امت کے لیے مسجد اور طہور بنادیا' پس میری امت میں سے جو شخص جہاں بھی نماز کو پالے' تو وہیں اس کی مسجد اور طہور ہے اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے' ایک ماہ کی مسافت سے میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا گیا ہے۔ الحدیث (مسند احمد: ۲۲۲۰۹۔ ج ۵ ص ۵۶)

(۸) حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور مجھے کوثر دی گئی ہے۔ (مسند احمد: ۱۲۵۴۲۔ ج ۳ ص ۱۵۲)

(۱۱۔۹) حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے وہ خصلتیں دی گئی ہیں' جو کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ مجھے تمام روئے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں اور میرا نام احمد رکھا گیا ہے اور میری امت کو خیر الامم بنایا گیا ہے۔

(مسند احمد: ۷۶۳۔ ج ۱ ص ۹۸)

(۱۲) حضرت السائب بن یزید روایت کرتے ہیں: مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے' مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے ذخیرہ کر لیا ہے۔ (بسیار تلاش کے باوجود مجھے اس حدیث کا حوالہ نہیں مل سکا۔ سعیدی غفرلہٗ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان احادیث میں تعارض ہے' بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین خصائص کا ذکر ہے' بعض احادیث میں چار خصائص کا' بعض میں پانچ کا اور بعض میں چھ خصائص کا ذکر ہے' علامہ قرطبی نے اس کے جواب میں کہا: یہ تعارض نہیں ہے' تعارض جب ہوتا' جب آپ نے حصر کے ساتھ یہ خصائص بیان کیے ہوں' مثلاً بعض میں فرماتے: مجھے صرف تین وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے اور بعض احادیث میں فرماتے: مجھے صرف چار وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' عدد کا ذکر حصر کو مستلزم نہیں ہوتا' مثلاً کوئی شخص کہے: میرے پاس پندرہ درہم ہیں' پھر کہے: میرے پاس بیس درہم ہیں تو ان میں تعارض نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے جیسے آپ کو خصائص عطا فرماتا رہا' آپ ویسے ویسے اس کی خبر دیتے رہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۱۱۶۔ ۱۱۵' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۲۰ھ) (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۳۔ ۱۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۸۵ خصائص

امام محمد بن ابراہیم الخرکوشی نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل ۸۵ خصائص ہیں' جن سے آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں' تفصیل حسب ذیل ہے:

وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس خصائص

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل المرسلین ہیں (۲) آپ خاتم الانبیاء ہیں (۳) آپ سب سے پہلے زمین سے اٹھیں گے (۴) قیامت کے دن آپ کی امت سب نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوگی (۵) آپ تمام نبیوں کے حق میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کر دی تھی (۶) آپ شفاعت کبریٰ کریں گے یعنی سب سے پہلے آپ سب کی شفاعت کریں گے (۷) حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا (۸) حوض مورود اور نہر کوثر آپ ہی کے لیے ہے (۹) آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے (۱۰) ہر شخص سے خود اس کی ذات کے متعلق سوال ہوگا اور آپ سے آپ کی ذات کے بجائے دوسروں کے متعلق سوال ہوگا۔

باب نبوت کے ساتھ متعلق آٹھ خصائص

(۱۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا قیامت تک باقی رہنا (۱۲) آپ کا تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہونا (۱۳) آپ کی کتاب کا معجز ہونا اور اس کی مثل کا محال ہونا (۱۴) آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ کی طرح ابل کر نکلنا (۱۵) آپ کو لیلۃ القدر کا عطا کیا جانا (۱۶) یوم جمعہ کا آپ کے اور آپ کی امت کے لیے عید ہونا (۱۷) آپ کے حق میں شعر گوئی کا ممنوع ہونا (۱۸) آپ کا پس پشت بھی سامنے کی طرح دیکھنا۔

شریعت کے ساتھ مختص نو خصائص

(۱۹) آثار وضوء کا غر محجل ہونا (۲۰) تیمم (۲۱) مسواک کا سنت مؤکدہ ہونا (۲۲-۲۳) تمام روئے زمین کا مسجد اور اس کی مٹی کا طہور ہونا (۲۴) آپ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور نیند سے آپ کے وضوء کا نہ ٹوٹنا (۲۵) پانی سے استنجاء کا مستحب ہونا (۲۶) کثیر پانی اور جاری پانی میں نجاست کا مؤثر نہ ہونا (۲۷) نجاست کو پانی سے دھونا' یعنی طہارت کے لیے کپڑے یا کھال کو نہ کاٹنا۔

نماز کے ساتھ مختص نو خصائص

(۲۸) آپ کو عشاء کی نماز دی گئی' جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی (۲۹) آپ کو جمعہ کی نماز دی گئی' وہ بھی آپ کا خاصہ ہے (۳۰) نماز باجماعت پڑھنا (۳۱) عیدین کی نماز (۳۲) تہجد کی نماز (۳۳) سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز (۳۴) نماز استسقاء (۳۵) اذان اور اقامت (۳۶) وتر' یہ تمام امور اس امت کی خصوصیت ہیں۔

جہاد سے متعلق نو خصائص

(۳۷) آپ کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا' جو اس سے پہلی امتوں میں حرام تھا (۳۸) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو مال غنیمت سے حاصل کر کے ان کے ساتھ نکاح کیا (۳۹) آپ سب سے تیز رفتار شہسوار تھے (۴۰) آپ جب جنگ کے لیے جاتے تو کبھی رجوع نہیں کرتے تھے (۴۱) آپ قتال کے بغیر ہتھیار نہیں اتارتے تھے (۴۲) خواہ دشمن کی تعداد زیادہ ہو آپ شکست نہیں کھاتے تھے (۴۳) اپنے لیے زمین رکھنا اور دوسروں کو عطاء کرنا' آپ کے ساتھ مخصوص تھا (۴۴) وصال کے روزے آپ کی خصوصیت تھی (یہ خصوصیت جہاد بالنفس کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہ) (۴۵) آپ آنکھ سے خفیہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔

نکاح کے باب میں پندرہ خصائص

(۴۶) لفظ ہبہ سے نکاح کا جواز آپ کے ساتھ مخصوص ہے (۴۷) آپ سے مہر کو ساقط کر دیا گیا اور آپ کے لیے بغیر کسی عوض کے نکاح حلال ہے (۴۸) بغیر ولی اور بغیر گواہ کے آپ کے ساتھ نکاح کا جواز (۴۹) آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کا حرام ہونا (۵۰) آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے نفقہ کا وجوب (۵۱) ازواج میں آپ پر باریوں کی تقسیم کا واجب نہ ہونا (۵۲) جب آپ کسی باندی سے دخول کر لیں تو اس کی ماں اور بیٹی کا آپ پر حرام نہ ہونا (یہ صحیح نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (۵۳) چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا (۵۴) کسی عورت کو طلاق مغلظہ دے کر بغیر حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح کرنا (اس کا وقوع نہیں ہوا۔ سعیدی غفرلہٗ) (۵۵) ازواج کے سامنے تخییر پیش کرنے کا آپ پر وجوب (۵۶) تخییر کے بعد آپ پر دوسری عورتوں سے نکاح کا حرام ہونا' ایک قول یہ ہے کہ پھر بھی آپ کے لیے دوسری عورتوں سے نکاح مباح تھا (۵۷) آپ ہر ایک کے کفو تھے' خواہ عورت کسی قدر معزز ہو (۵۸) باندیوں کے ساتھ نکاح کا آپ پر حرام ہونا' الا یہ کہ آپ ان کو آزاد کر کے نکاح کریں (۵۹) آپ پر ذمیات کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا (۶۰) اگر بہ فرض محال آپ کی کوئی زوجہ بدکاری کرے تو اس پر دگنا عذاب ہونا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پچیس جامع خصائص

(۶۱) جب مسلمانوں کے پاس نفقہ نہ ہو تو آپ پر ان کی کفالت کا واجب ہونا (۶۲) آپ پر تہجد' وتر اور مسواک کا واجب ہونا (صحیح یہ ہے کہ ابتداء میں آپ پر تہجد واجب تھی' بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور وتر امت پر بھی واجب ہے' لیکن شافعیہ کے نزدیک امت پر وتر واجب نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (۶۳) آپ پر زکوٰۃ اور نفلی صدقہ کا حرام ہونا (۶۴) کسی ناجائز بات کو سن کر آپ پر واجب ہے کہ اس کا رد کریں اور آپ کا کوئی کام ناجائز نہیں ہے (۶۵) تمام لوگوں کو جتنے علوم کا مکلف کیا گیا ہے' آپ تنہا ان تمام علوم کے مکلف ہیں (۶۶) آپ ہر روز ستر بار استغفار کرتے ہیں (بلکہ سو بار۔ سعیدی غفرلہٗ) (۶۷) آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے (۶۸) آپ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے (۶۹) آپ کچا لہسن' پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے (۷۰) آپ گوہ نہیں کھاتے تھے (۷۱) آپ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے تاوقتیکہ اس کے قرض کا کوئی کفیل نہ ہو جائے (۷۲) آپ کے لیے وصول کے روزوں کا جواب (۷۳) حالت احرام میں آپ کے لیے نکاح کرنا جائز تھا (۷۴) آپ کے لیے مکہ میں قتال کرنا جائز کر دیا گیا تھا (۷۵) آپ کی وجہ سے مدینہ کو حرم بنا دیا گیا (۷۶) آپ کو تنہا تمام کفار سے قتال کا مکلف کیا گیا (۷۷) آپ سو جاتے حتیٰ کہ خراٹے لیتے' پھر اٹھ کر بغیر وضوء کے نماز پڑھتے (۷۸) آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے' اس کا اجر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے برابر تھا (۷۹) آپ اگر کسی نمازی کو دورانِ نماز بلاتے تو اس پر آپ کے بلانے پر آنا واجب تھا (۸۰) آپ کے متعلق میت سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے (۸۱) آپ نے کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا' آپ کی وفات کے بعد آپ کا مال صدقہ تھا (۸۲) آپ کے لیے حالت جنابت میں مسجد میں دخول کو مباح کر دیا گیا (۸۳) آپ کے لیے یہ مباح کر دیا گیا کہ آپ اپنے حق میں فیصلہ کر دیں' اسی طرح آپ کے لیے مباح کر دیا گیا کہ آپ اپنی اولاد کے حق میں فیصلہ کر دیں (۸۴) آپ کے لعاب مبارک کا موجب شفا ہونا (۸۵) آپ کے پیشاب اور خون کا طاہر ہونا اور صحابہ کرام کا ان کو پینا' پیشاب پینے والی کے لیے فرمایا: تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا' اور خون پینے والے کے متعلق فرمایا: تم پر دوزخ حرام کر دی گئی۔

(شرف المصطفیٰ ج ۴ ص ۲۷۷۔ ۲۴۴ ملخصاً وموضحاً ومضیفاً' دار البشائر الاسلامیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۳ھ)

یہ تمام خصائص قرآن اور سنت سے ثابت ہیں' ہم نے طوالت کی وجہ سے ان کے دلائل کو ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور شرح صحیح مسلم میں

باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۱۰۶۵۔ ج ۲ ص ۳۸ پر مذکور ہے اور چونکہ اس حدیث میں مذکور ہے: مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے تو وہاں اس کی شرح میں شفاعت پر بحث کی گئی اور اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) شفاعت (۲) شفاعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی (۳) اہل قبلہ کے شفاعت میں نظریات (۴) خوارج کے شبہ کا ازالہ (۵) معتزلہ کے شبہ کا ازالہ (۶) بعض مخالفین کے شبہ کا ازالہ (۷) انبیاء علیہم السلام کی حضور الوہیت میں وجاہت (۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور الوہیت میں وجاہت قرآن سے (۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت احادیث سے (۱۰) شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل (۵۱ آیات) (۱۱) شفاعت پر احادیث سے دلائل (۱۴۰ احادیث) (۱۲) اقسام شفاعت (۱۴۹ اقسام) (۱۳) نظریہ کفارہ مسیح اور شفاعت میں فرق (۱۴) استشفاع۔

۲- بَابُ اِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَّلَا تُرَابًا — جب کوئی شخص پانی پائے نہ مٹی

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص کو پانی نہ ملے جس سے وہ وضوء کر سکے اور نہ اس کو مٹی ملے جس سے وہ تیمم کر سکے اس کا جواب مقدر ہے کہ آیا وہ بغیر وضوء اور بغیر تیمم کے نماز پڑھے گا یا نہیں اور اس میں علماء کے کئی مذاہب ہیں جن کو ہم ان شاء اللہ شرح میں ذکر کریں گے۔

"کتاب التیمم" کی گزشتہ احادیث کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ پہلے امام بخاری نے وہ احادیث ذکر کیں کہ جس شخص کو پانی نہ ملے تو وہ شخص پاک مٹی سے تیمم کر لے اور اب یہ بیان کیا کہ جس شخص کو پانی ملے نہ مٹی وہ کیا کرے؟

۳۳۶- حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا، فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَصَلَّوْا، فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ، فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَ اللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهٗ، اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ خَيْرًا.

(جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۵۶۴ مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں زکریا بن یحییٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن نمیر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا وہ (گر کر) گم ہو گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا پھر اس نے (یا آپ نے) اس ہار کو پا لیا پھر نماز کا وقت آ گیا اور لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا پس لوگوں نے (بغیر وضوء کے) نماز پڑھ لی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کر دی۔ پس حضرت اسید بن حضیر نے حضرت عائشہ سے کہا: اللہ آپ کو اچھی جزاء دے پس اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر کوئی ایسی چیز پیش آئی جو آپ کو ناپسند ہو تو اللہ نے اس میں آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے خیر رکھ دی۔

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۳۳۴ میں گزر چکی ہے وہاں اس کا عنوان ذکر نہیں کیا گیا تھا اور زائد امور کی شرح ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

حدیث میں اس کی تصریح کہ صحابہ نے بغیر وضوء اور بغیر تیمّم کے نماز پڑھی تھی

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں مٹی کے نہ ملنے کا ذکر کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی کیونکہ ان کے پاس پانی نہیں تھا اور نہ ہی انہوں نے تیمم کیا تھا کیونکہ اس وقت تک انہیں تیمم کرنے کا علم نہیں تھا' پس گویا کہ انہوں نے نہ پانی پایا اور نہ مٹی۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۷ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام طبرانی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار عاریۃً لیا' وہ ان کی گردن سے گر گیا' حضرت عائشہ نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے اسے ڈھونڈنے کے لیے لوگوں کو بھیجا' انہوں نے اس کو تلاش کیا اور پا لیا' پھر نماز کا وقت آ گیا تو لوگوں نے بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹے اور اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل فرمادی' تب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ سے کہا: اللہ آپ کو جزاء خیر دے پس اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر کوئی ایسی مصیبت آئی' جو آپ کو ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اس میں خیر کر دی۔ (المعجم الکبیر: ۱۳۱- ج ۲۳ ص ۵۰' دار احیاء التراث العربی بیروت)

''فاقد الطہورین'' (جو شخص وضوء اور تیمّم پر قادر نہ ہو) کے متعلق فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ سحنون مالکی اور مزنی شافعی نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی ایسی جگہ قید ہو' جہاں اس کو پانی میسر ہو نہ مٹی اور نماز کا وقت آ جائے تو وہ بغیر وضوء اور تیمم کے اشاروں سے نماز پڑھے' جیسے وہ اشخاص نماز پڑھتے ہیں' جو دشمن کا پیچھا کر رہے ہوں اور ان پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ ابن قاسم مالکی' امام ابو یوسف' امام محمد اور امام شافعی نے کہا ہے: ان پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

ابن خویز منداد نے کہا ہے کہ اہل مدینہ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جو لوگ پانی اور مٹی پر قادر نہ ہوں' حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے' وہ نماز نہ پڑھیں اور ان پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے اور ان سے نماز ساقط ہے اور یہی امام مالک کا صحیح مذہب ہے۔

جن فقہاء نے کہا ہے کہ وہ نماز پڑھ لیں اور ان پر اس نماز کی قضاء نہیں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ جو صحابہ ہار ڈھونڈنے گئے تھے اور انہوں نے بغیر وضوء کے نماز پڑھ لی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوبارہ تیمم کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

المہلب نے کہا ہے کہ جب بغیر وضوء کے تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے تو ہمارے لیے پانی اور مٹی نہ ملنے کی صورت میں بغیر تیمم اور بغیر وضوء کے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

ابوثور نے کہا: اس مسئلہ کا قیاس اس شخص پر ہے' جس کو کپڑے نہ ملیں تو اس کا برہنہ نماز پڑھنا جائز ہے اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

اسی طرح جس کو پانی اور مٹی نہ ملے' اس کا وضوء اور تیمم کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس پر اعادہ نہیں ہے' وہ اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق نماز ادا کرے گا۔

ابن القصار مالکی نے کہا: جو لوگ اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق بے وضوء نماز پڑھیں' ان پر اعادہ نہیں ہے' جیسے مستحاضہ اور جس کو سلس البول ہو (یعنی ہر وقت پیشاب کے قطرات گرتے رہیں) وعلی ہذا القیاس' اور جس مسافر کو پیاس کا خوف ہو اور وہ پانی کے

ہوتے ہوئے تیمم کر کے نماز پڑھے یہ مسئلہ بھی اسی قیاس پر ہے۔

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس کو پانی اور مٹی میسر نہ ہو وہ نماز پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کرے انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بغیر طہور کے نماز قبول نہیں کرتا۔

(سنن ترمذی: ۱ صحیح مسلم: ۲۲۴ سنن ابن ماجہ: ۲۷۲ مسند احمد ج ۲ ص ۱۹) (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۶۶-۴۶۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

''فاقد الطھورین'' کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مؤقف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ''فاقد الطھورین'' کے اوپر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ کر نماز پڑھی کہ ان پر نماز پڑھنا فرض ہے اور اگر اس حالت میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر انکار فرما دیتے امام شافعی امام احمد جمہور محدثین اور اکثر اصحاب مالک کا یہی مؤقف ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان پر اعادہ واجب ہے یا نہیں امام شافعی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان پر اعادہ واجب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عذر نادر ہے اس لیے ان سے اعادہ ساقط نہیں ہوگا امام احمد کے قول مشہور کے مطابق نیز سحنون مالکی اور ابن المنذر کا مؤقف یہ ہے کہ ان پر اعادہ واجب نہیں ہے ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے اگر ان پر اعادہ واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے کیونکہ وقت حاجت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس دلیل کو رد کر دیا گیا ہے کہ اعادہ فوراً تو واجب نہیں ہے اس لیے وجوب اعادہ کی الگ دلیل ہونی چاہیے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے اور اگر نماز پڑھ لی ہے تو ان پر اعادہ واجب ہے اور علامہ نووی نے ''شرح المہذب'' میں لکھا ہے کہ ان کا نماز پڑھنا مستحب ہے اور اعادہ واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۲ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اعادہ فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ نماز کو فوراً قضاء کرنا واجب ہے کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں ان کو نماز قضاء کرنے کا حکم دیا ہو اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان پر اس نماز کا اعادہ نہیں تھا۔

''فاقد الطھورین'' کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مؤقف

اگر کوئی شخص وضوء کے لیے پانی اور تیمم کے لیے مٹی نہ پائے تو وہ اپنے حال کے موافق نماز پڑھے ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تو آپ نے چند صحابہ کو ہار ڈھونڈنے کے لیے بھیجا پھر نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے بغیر وضوء کے نماز پڑھ لی پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو یہ ماجرا بتایا تو تیمم کی آیت نازل ہوگئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر انکار نہیں کیا اور ان کو اعادہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۶) اس سے معلوم ہوا کہ اعادہ واجب نہیں ہے اور اس لیے کہ طہارت شرط ہے پس طہارت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہیں کیا جائے گا جیسے ستر اور استقبال قبلہ کا حکم ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو جس شخص نے اپنے حال کے موافق نماز پڑھی پھر اس کو پانی مل گیا یا مٹی مل گئی تو وہ نماز نہیں دہرائے گا اور امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نماز دہرائے گا کیونکہ نماز کی ایک شرط مفقود ہو گئی اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ وہ حدیث کے موافق ہے نیز اس لیے کہ اس کو جو حکم دیا گیا تھا اس نے اس پر عمل کر لیا پس وہ اپنے ذمہ سے بری ہو گیا اور اس لیے کہ یہ نماز کی ایک شرط ہے جو عجز کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور اس لیے کہ اس نے اپنی طاقت کے مطابق فرض ادا کر لیا اب اس پر اعادہ نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص ستر سے عاجز تھا اس نے برہنہ نماز پڑھ لی یا جس شخص کو سمت قبلہ کا علم نہیں تھا اس نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی یا جو شخص قیام سے عاجز تھا اس نے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو

ان سب پر نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے اس حال پر چھوڑ دو جس پر میں نے تم کو چھوڑ دیا ہے تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء سے سوال کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں پس جب میں تم کو کسی کام سے منع کروں تو اس سے باز آ جاؤ اور جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو۔

(صحیح البخاری: ۷۲۸۸ صحیح مسلم: ۱۳۳۷ مسند احمد: ۹۷۸۷ دار الفکر)

اور نماز کی باقی شرائط پر طہارت کو قیاس کرنا اولیٰ ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۲۵ھ)

''فاقد الطهورين'' کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے کہا: جو شخص شہر میں قید ہو جب اس کو پانی ملے نہ مٹی ملے تو وہ نماز نہ پڑھے اور جب کوئی چیز مل جائے تو وہ نماز پڑھ لے امام ابو یوسف امام محمد اور امام شافعی نے کہا ہے: وہ نماز پڑھ لے اور بعد میں دہرائے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد امین عمر بن عبد العزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ''در مختار'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص کو پانی اور مٹی میسر نہ ہو بایں طور کہ اس کو کسی نجس جگہ میں قید کر دیا گیا ہو اور پاک مٹی کی طرف اس کا نکلنا ممکن نہ ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ نماز کو موخر کرے گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: بغیر طہور کے نماز نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۴ سنن ابوداؤد: ۱۸۷۴ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰ سنن بیہقی ج ۱ ص ۴۲) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ وہ وقت کے احترام میں نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرے یہ واجب ہے اگر اس کو خشک جگہ مل جائے تو وہ رکوع اور سجود کرے ورنہ کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے اور اس میں نماز کی نیت نہ کرے کیونکہ یہ نماز کے ساتھ مشابہت ہے حقیقت میں نماز نہیں ہے جیسے جب حائض رمضان میں پاک ہو جائے تو وہ رمضان کے مہینہ کی حرمت کی وجہ سے دن میں کھانے پینے سے رکی رہے گی اور یہ روزہ کی مشابہت ہے روزہ نہیں ہے بعد میں اس کی قضاء کرے گی اسی طرح ''فاقد الطهورين'' بھی نماز کے وقت کے احترام کی وجہ سے نماز کے مشابہ رکوع اور سجود کرے گا اور وہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بعد میں اس نماز کو قضاء کرے گا۔ (رد المحتار رد الدر المختار ج ۱ ص ۳۷۵۔ ۳۷۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

مذاہب اربعہ کا خلاصہ اور مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ امام مالک اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ ''فاقد الطهورين'' نماز پڑھے گا اور اس پر اعادہ نہیں ہے جیسا کہ صحیح البخاری: ۳۳۶ میں ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے ان کا مذہب راجح ہے امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ نماز پڑھے اور اس پر اعادہ واجب ہے اور وجوب اعادہ پر کوئی دلیل نہیں ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی مگر تحقیق یہ ہے کہ عذر کی صورت میں طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے اور جیسے مستحاضہ اور دیگر معذورین سے طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے ان کے خون کے یا پیشاب کے قطرات گرتے رہیں پھر بھی ان کی نماز صحیح ہے اور قوی ترین دلیل صحابہ کا پانی نہ ملنے کی صورت میں نماز پڑھنا اور اس پر نبی ﷺ کا انکار نہ کرنا ہے اور ہمارے فقہاء احناف نے اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا اس لیے صحیح یہی ہے کہ ''فاقد الطهورين'' نماز پڑھے اور اس پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ **لعل الله يحدث بعد ذالك امرا**۔ امام اعظم فرماتے ہیں: جب کوئی حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے اور صحیح بخاری کی یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کی تخریج حسب ذیل ہے:
صحیح البخاری: ۳۳۶-۱۵۰۴-۳۷۷۳-۳۷۷۳-۴۵۸۳-۵۱۶۴ صحیح مسلم: ۳۶۷' الرقم المسلسل: ۷۹۵' سنن ابوداؤد: ۳۱۷' سنن نسائی: ۳۲۲' سنن ابن ماجہ: ۵۶۸' السنن الکبریٰ: ۳۱۲' مسند الحمیدی: ۱۶۵' سنن دارمی: ۶۵۴' صحیح ابن خزیمہ: ۲۶۱' صحیح ابن حبان: ۱۷۰۹' المعجم الکبیر: ۱۳۱-ج ۲۳' سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۴' شرح السنۃ: ۳۴' مصنف عبدالرزاق: ۸۷۹' مسند احمد ج ۶ ص ۵۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۰ ص ۳۴۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' نخب الافکار ج ۱ ص ۶۷۹-۶۷۸-۶۷۶' قدیمی کتب خانہ' کراچی۔
یہ حدیث تمام کتب صحاح اور سنن میں مذکور ہے' پھر اس کی صحت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔
تاہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام اعظم نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح قول ہے کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور ائمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں صحابہ نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا' یہ آپ کی تقریر ہے اور جب آپ کے صریح قول اور آپ کی تقریر میں تعارض ہو تو آپ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ جواب صرف میری خصوصیت ہے' کسی حنفی عالم نے امام اعظم کی طرف سے اس حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا۔
فالحمد للّٰه حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه كما يحب ربنا ويرضى.
نوٹ: اگر کوئی شخص پانی میسر ہونے کے باوجود بے وضوء نماز پڑھے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اگر وضوء کو غیر ضروری سمجھ کر بے وضوء نماز پڑھے تو یہ کفر ہے۔

۳- بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ

شہر میں تیمم کرنا' جب کوئی شخص پانی نہ پائے اور نماز کے قضاء ہونے کا خوف ہو

اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ شہر میں تیمم کرنے کا کیا حکم ہے' اور اس میں دو قیدیں ہیں: (۱) پانی نہ ملے (۲) نماز کا وقت نکلنے کا خوف ہو' اور پانی نہ ملنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ شہر میں پانی تو ہو لیکن اس کے حصول پر قدرت نہ ہو' مثلاً پانی کنویں میں ہو لیکن اس کے پاس کنویں سے پانی نکالنے کا آلہ نہ ہو۔ باب سابق کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر تھا کہ سفر میں پانی نہ ہو اور اس باب میں یہ ذکر ہے کہ شہر میں پانی نہ ہو۔

نماز فوت ہونے کے خوف سے شہر میں تیمم کے جواز پر آثار صحابہ سے استدلال

وبه قَالَ عَطَاءٌ. اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:
ابن جریج عطاء سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: جب تم شہر میں ہو اور نماز کا وقت آ جائے اور تمہارے پاس پانی نہ ہو تو تم پانی کا انتظار کرو' اگر تمہیں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھو۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
شہر میں تیمم کے جواز کی تین شرطیں ہیں: (۱) اگر وہ وضوء میں مشغول ہوا تو نماز جنازہ کے فوت ہو جانے کا خوف ہو (۲) نماز عید کے فوت ہونے کا خوف ہو (۳) جنبی کو یہ خوف ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سخت بیمار ہو جائے گا یا مر جائے گا۔

امام تمرتاشی نے یہ کہا ہے کہ شہر میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بہت نادر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۹ 'نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۸۲ 'قدیمی کتب خانہ کراچی)

وَقَالَ الْحَسَنُ ' فِي الْمَرِيْضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ ' وَلَا يَجِدُ مَنْ يُّنَاوِلُهُ يَتَيَمَّمُ.

اور حسن بصری نے اس مریض کے متعلق کہا' جس کے پاس پانی ہو اور اس کو کوئی وضوء کرانے والا نہ ہو تو وہ تیمم کر (کے نماز پڑھ) لے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

امام ابن ابی شیبہ نے حسن بصری اور ابن سیرین سے روایت کیا ہے' جس شخص کو یہ امید ہو کہ وہ وقت کے اندر پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے گا' وہ تیمم نہ کرے۔

امام بخاری نے اس کے مفہوم مخالف سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس کو یہ امید نہ ہو' وہ تیمم کر سکتا ہے۔

وَاَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ اَرْضِهٖ بِالْجُرُفِ ' فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلّٰى ' ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ ' فَلَمْ يُعِدْ.

اور حضرت ابن عمر' جرف سے اپنی زمین پر آئے تو اونٹوں کے باڑے میں عصر کا وقت آ گیا' پس انہوں نے نماز پڑھ لی' پھر مدینہ میں داخل ہوئے اور ابھی سورج بلند تھا تو انہوں نے نماز نہیں دہرائی۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

نافع بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جرف سے آئے' حتیٰ کہ جب وہ اونٹوں کے باڑے پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عمر نے سواری سے اتر کر پاک مٹی سے تیمم کیا' اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا' پھر نماز پڑھی۔

(موطأ امام مالک: ۹۰' تنویر الحوالک ص ۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

جرف مدینہ سے تین میل شام کی جانب ایک مقام ہے۔

درج ذیل احادیث بھی اس تعلیق کی اصل ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اونٹوں کے باڑے میں تیمم کر کے نماز پڑھی اور وہ اس وقت مدینہ سے تین میل دور تھے' پھر وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو سورج بلند تھا' انہوں نے نماز نہیں دہرائی۔ (سنن دار قطنی: ۷۰۶' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے مدینہ سے ایک میل یا دو میل پر تیمم کیا' پھر عصر کی نماز پڑھی' پھر وہ آئے تو سورج بلند تھا' انہوں نے نماز نہیں دہرائی۔ (سنن دار قطنی: ۷۰۸' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

شہر سے تین میل دور آنے پر انسان مسافر نہیں ہوتا' اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر شہر میں تیمم کے جواز کے قائل تھے' اس لیے انہوں نے تین میل کے فاصلہ پر تیمم کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر تیمم کرنے سے پہلے باوضوء ہوں لیکن چونکہ ان کی عادت ہر نماز سے پہلے نیا وضوء کرنے کی تھی اور وہاں پانی نہیں تھا تو انہوں نے وضوء کے قائم مقام تیمم کر لیا' اس صورت میں یہ تعلیقات اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہوں گی' کیونکہ عنوان ہے: شہر میں تیمم کرنا' جب کوئی شخص پانی نہ پائے اور نماز کے قضاء ہونے کا خوف ہو۔

اس تعلیق پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس تعلیق کو مختصر ذکر کیا ہے اور اس میں تیمم کا ذکر نہیں ہے' اس لیے یہ تعلیق باب

کے موافق نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے تو تیمم کا ذکر کیا تھا لیکن جن ناقلین نے صحیح بخاری کے نسخوں کو نقل کیا ان سے تیمم کا لفظ چھوٹ گیا۔

۳۳۷- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَيْرًا، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يَسَارٍ، مَوْلَى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از الاعرج' انہوں نے کہا: میں نے عمیر سے سنا' جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں' انہوں نے کہا: میں اور عبداللہ بن یسار حضرت میمونہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام آئے حتیٰ کہ ہم حضرت ابوجہیم بن الحارث بن الصمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہوئے' پس حضرت ابوجہیم نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیر جمل کی طرف سے آئے' ایک شخص نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کو سلام کیا' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جواب نہیں دیا' حتیٰ کہ آپ دیوار کے پاس آئے اور آپ نے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا' پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔

(صحیح مسلم:۳۶۹' الرقم المسلسل:۸۰۰' سنن ابوداود:۳۲۹' سنن نسائی:۳۱۱' السنن الکبریٰ للنسائی:۳۰۷' ۱۱۱' والمثانی:۲۱۷۵' صحیح ابن خزیمہ:۲۷۴' سنن دار قطنی ج۱ص۱۷۶' سنن کبریٰ ج۱ص۲۰۵' شرح السنۃ:۳۱۰' مسند احمد ج۴ص۱۶۹ طبع قدیم' مسند احمد:۱۷۵۴۱۔ ج۲۹ص۸۴' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) یحییٰ بن بکیر' یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی' ابوزکریا المصری ہیں (۲) لیث بن سعد' مشہور امام ہیں (۳) جعفر بن ربیعہ بن شرحبیل الکندی المصری ہیں' یہ ۱۳۵ھ میں فوت ہو گئے تھے (۴) الاعرج' یہ عبدالرحمان بن ہرمز ہیں (۵) عمیر' یہ عمیر بن عبد اللہ الہاشمی ہیں' ۱۰۴ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تھے (۶) عبداللہ بن یسار المدنی الھلالی ہیں (۷) حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ' یہ عبداللہ بن الحارث بن الصمہ الخزرجی صحابی ہیں' امام بخاری نے ان سے دو حدیثیں روایت کی ہیں' صحابہ میں ایک اور شخص ابوجہم نام کے ہیں' وہ قرشی ہیں اور یہ انصاری ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۴ص۲۲)

حالت جنابت میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے پر دلیل

باب کے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ آپ نے سلام کا جواب دینے کے لیے شہر میں تیمم کیا' جب کہ آپ تیمم کرنے سے پہلے بھی سلام کا جواب دے سکتے تھے' اس میں یہ دلیل ہے کہ جب شہر میں نماز فوت ہونے کا خوف ہو' پھر بھی تیمم کیا جا سکتا ہے' بلکہ وہ زیادہ مؤکد ہے کیونکہ نماز بغیر وضوء اور تیمم کے جائز نہیں اور سلام کا جواب بغیر وضوء اور تیمم کے دینا جائز ہے' نیز اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ آپ نے بے وضوء سلام کا جواب دینا پسند نہیں کیا کیونکہ سلام کے جواب میں لفظ سلام ذکر کیا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام بے وضوء لینا پسند نہیں کیا تو جب آپ بے وضوء اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے تو آپ حالت جنابت میں قرآن مجید کی تلاوت کیسے کر سکتے ہیں' سو اس حدیث میں امام بخاری کا رد ہے' جو اس کے قائل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بے وضوء قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔

اس حدیث میں بیر جمل کا ذکر ہے' یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

باب مذکور کی مؤید دیگر احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کر رہے تھے' اس وقت آپ کے پاس سے ایک شخص گزرا' اس نے آپ کو سلام کیا' آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا' پھر آپ نے تیمم کر کے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

(صحیح مسلم: ۳۷۰' سنن ابوداؤد: ۱۶' سنن ترمذی: ۹۰' سنن نسائی: ۳۷' سنن ابن ماجہ: ۳۵۳)

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے' اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے' انہوں نے آپ کو سلام کیا' آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا' حتیٰ کہ آپ نے وضوء کیا' پھر آپ نے اس سے اپنا عذر بیان کیا اور فرمایا: میں نے بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ناپسند کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۷' سنن نسائی: ۳۸' سنن ابن ماجہ: ۳۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۵' سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۰' صحیح ابن حبان: ۸۰۳' المستدرک ج ۱ ص ۱۶۷' شرح معانی الآثار: ۱۰۲' نخب الافکار ج ۱ ص ۱۴۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے' اس نے آپ کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھے ایسی حالت میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کیا کرو' اگر تم نے سلام کیا تو میں تمہیں جواب نہیں دوں گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۵۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے' اس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(صحیح مسلم: ۳۷۰' سنن ابوداؤد: ۱۶' سنن ترمذی: ۹۰' سنن نسائی: ۳۷' سنن ابن ماجہ: ۳۵۳)

نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا' آپ نے اس کے سلام کا جواب دے دیا' جب وہ گزر گیا تو آپ نے اس کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا: میں نے تمہارے سلام کا جواب صرف اس لیے دیا ہے کہ مجھے یہ خوف تھا کہ تم جا کر دل میں سوچو گے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ نے جواب نہیں دیا' جب تم مجھے اس حال میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کرو' اگر تم نے سلام کیا تو میں تمہیں جواب نہیں دوں گا۔ (اس حدیث کو امام بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ پیشاب کر رہے تھے' اس نے آپ کو سلام کیا' آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا' جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے زمین پر ہاتھ مار کر تیمم کیا' پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۵۱)

شہر میں تیمّم کرنے کے جواز کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب شہر میں کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اگر وہ وضوء کرنے میں مشغول ہوا تو نماز کا وقت نکل جائے گا تو آیا اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے' امام مالک نے کہا: وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اس نماز کو نہیں دہرائے گا' اوزاعی' ثوری' امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (مصنف کہتا ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف نماز جنازہ اور نماز عیدین کے فوت ہونے

کے خوف سے شہری کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور دیگر فرض نمازوں کے فوت ہونے کے خوف سے ان کے نزدیک تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ ہدایہ اوّلین ص ۵۴-۴۹)

امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اس نماز کو دہرائے گا' لیث اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالک سے تیسری روایت یہ ہے کہ وہ وضوء کرے' خواہ سورج طلوع ہو جائے اور یہی امام ابو یوسف اور زفر کا قول ہے[1]' انہوں نے کہا: وہ بالکل نماز نہ پڑھے اور نماز کا فرض اس کے ذمہ ہے' حتیٰ کہ وہ پانی سے وضوء کرنے پر قادر ہو جائے' کیونکہ ان کے نزدیک شہر میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت مریض اور مسافر کے لیے دی ہے اور تیمم کو صرف مرض اور سفر کی وجہ سے مباح کیا ہے' اس لیے شہری اور تندرست آدمی کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کی بھی یہی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

المہلب نے کہا ہے: بیر جمل کی حدیث (صحیح البخاری: ۳۳۷) میں شہر میں تیمم کرنے کے جواز کی دلیل ہے' مگر اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اس تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا بھی جائز ہے' اس تیمم کے ساتھ نبی ﷺ نے صرف سلام کا جواب دینے کا ارادہ کیا تھا' کیونکہ بغیر طہارت کے آپ اللہ کے ذکر کو ناپسند کرتے تھے۔

علامہ ابن بطال کہتے ہیں: میں نے بعض اہل علم کو علامہ مہلب کی یہ دلیل سنائی تو انہوں نے کہا: اس حدیث سے شہر میں تیمم کرنے کا جواز مستنبط ہوتا ہے' جب شہر کے پانی تک پہنچنے میں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو کیونکہ جب شہر میں سلام کا جواب دینے کے لیے تیمم کرنا جائز ہے' جب کہ آپ کے لیے تیمم سے پہلے بھی سلام کا جواب دینا جائز تھا تو اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ جب شہر میں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے بلکہ یہ زیادہ مؤکد ہے کیونکہ نماز بغیر وضوء اور تیمم کے جائز نہیں ہے اور سلام کا جواب دینا بغیر وضوء اور تیمم کے جائز ہے اور نیز تیمم صرف بیماروں اور مسافروں کے لیے مباح کیا گیا ہے تا کہ جب انہیں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھ لیں' لہٰذا ہر وہ شخص جس کو پانی میسر نہ ہو اور اس کو نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ تیمم کرے' مسافر اور مریض کے لیے یہ نص سے ثابت ہے اور شہری اور تندرست کے لیے یہ قیاس سے ثابت ہے اور یہ دلیل قاطع ہے۔

نیز فقہاء احناف نے نماز جنازہ اور نماز عیدین کے لیے شہری اور تندرست کے لیے تیمم کرنے کو جائز قرار دیا ہے' سو باقی نمازوں کے لیے بھی شہری اور تندرست کے لیے تیمم کو جائز قرار دینا چاہیے۔ (شرح ابن بطال ج ۱ ص ۴۶۶-۴۶۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

شہری اور تندرست کے تیمم کے جواز پر علامہ ابن بطال کے دلائل کے جوابات

میں کہتا ہوں کہ علامہ المہلب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ صحیح البخاری: ۳۳۷ میں نبی ﷺ کے جس تیمم کا ذکر ہے' وہ آپ نے صرف سلام کا جواب دینے کے لیے کیا تھا اور یہ تیمم شہر میں نماز کے جواز کے لیے نہیں تھا اور علامہ ابن بطال نے دوسرے علماء سے پوچھ کر جو

[1] صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ وضوء یا غسل کرے گا تو نماز قضاء ہو جائے گی تو چاہیے کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے' پھر وضوء یا غسل کر کے اعادہ کرنا لازم ہے۔ (بہار شریعت' حصہ دوم' ص ۳۴' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور)
صدر الشریعہ کا بیان کردہ یہ مسئلہ امام زفر کے موقف کے مطابق ہے' کیونکہ دیگر ائمہ احناف کے برخلاف امام زفر اس بات کے قائل ہیں کہ وقت تنگ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کرنی چاہیے اور بعد میں وضوء کر کے اس کو دوہرایا جائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بھی امام زفر کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور اُن کی تائید میں ایک رسالہ "الظفر لقول زفر" تحریر فرمایا ہے جو کہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۳۴۱ تا ۳۴۴ (مطبوعہ لاہور) میں موجود ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں جو مسافروں اور بیماروں کے لیے تیمم کو مباح کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ شرط بھی ملحوظ ہے کہ پانی نہ ملے اور ان کو وضوء کرنے کی وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو انہوں نے اپنی رائے سے اس شرط کا اضافہ کیا ہے قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے' پھر اس شرط پر انہوں نے شہری اور تندرست کو قیاس کیا کہ اس کو بھی اگر وضوء کرنے کی وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ بھی تیمم کر سکتے ہیں' اس طرح تیمم کی بیمار اور مسافر کے ساتھ خصوصیت نہیں رہے گی اور ہر شخص تیمم کر سکے گا' علامہ ابن بطال نے اپنی اس دلیل کو دلیل قاطع کہا ہے اور در حقیقت یہ دلیل باطل ہے اور نص قرآن کے خلاف اور اس کے مزاحم ہے۔

نیز علامہ ابن بطال نے اس سے معارضہ کیا ہے کہ فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب شہری کو وضوء کرنے کی وجہ سے نماز جنازہ یا عیدین کی نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے' لہٰذا دیگر فرائض کے لیے بھی شہری اس صورت میں تیمم کر سکتا ہے۔

علامہ ابن بطال کا یہ معارضہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز کی قضاء نہیں ہوتی' لہٰذا یہ نمازیں اگر فوت ہو جائیں تو ان کی تلافی نہیں ہو سکتی' اس وجہ سے شہری کو ان کے لیے تیمم کی اجازت دی گئی اور اگر باقی نمازیں وضوء میں اشتغال کی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء نماز سے تلافی ہو سکتی ہے' اس لیے دیگر فرائض کو نماز جنازہ اور نماز عیدین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

باب مذکور کی حدیث کو منسوخ قرار دینے کے جوابات

بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے لیے جو تیمم یا وضوء کیا تھا' وہ المائدہ:٦ سے منسوخ ہو گیا ہے' کیونکہ اس آیت میں نماز پڑھنے کے لیے وضوء اور تیمم کا حکم دیا ہے اور اس کے منسوخ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے نیند سے اٹھ کر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھیں' پھر وضوء کیا۔ (صحیح البخاری:١٨٣) اور جب بغیر وضوء کے قرآن مجید کی آیات پڑھی جا سکتی ہیں تو بغیر وضوء کے سلام کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے' لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں نماز پڑھنے کے لیے وضوء اور تیمم کرنے کا حکم دیا ہے' لیکن اس میں حصر نہیں کیا جب کہ قرآن مجید کو چھونے کے لیے بھی وضوء کیا جاتا ہے اور طواف کعبہ کے لیے بھی وضوء کیا جاتا ہے اور نبی ﷺ نے نیند سے اٹھ کر جو قرآن مجید کی آیات پڑھیں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نیند سے آپ کا وضوء نہیں ٹوٹتا اور اس کے بعد جو آپ نے وضوء کیا' وہ حصول فضیلت کے لیے تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض اگر آپ اس وقت بے وضوء تھے تو آپ نے بیان جواز کے لیے آیات پڑھیں اور باب مذکور کی حدیث میں ہے کہ آپ نے تیمم کر کے سلام کا جواب دیا اور سنن ابوداؤد:١٦ میں ہے: آپ نے حضرت مہاجر بن قنفذ کو وضوء کر کے سلام کا جواب دیا' تو ان دونوں صورتوں میں آپ نے مستحب پر عمل کیا' لہٰذا ''صحیح البخاری'' کی حدیث مذکور کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم:٧٢٦۔ ج ١ ص ١٠٥١ پر ہے' وہاں اس کی شرح نہیں کی گئی۔

٤- بَابُ الْمُتَيَمِّمِ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا؟ کیا تیمم کرنے والا اپنے ہاتھوں پر پھونک مارے؟

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ آیا تیمم کرنے والا اپنے ہاتھوں میں پھونک مار سکتا ہے تا کہ اس کے ہاتھوں پر لگی ہوئی مٹی اڑ جائے' اس باب کی باب سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں بابوں کا تعلق تیمم کے احکام سے ہے۔

٣٣٨- حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ' عَنْ ذَرٍّ' عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى' عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّىْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی از ذر از سعید بن عبد الرحمن بن ابزیٰ

أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ ؟ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا . فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ ، وَنَفَخَ فِيهِمَا ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ؟

[اطراف الحدیث:۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷]

از والد خود' انہوں نے کہا: ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا' اس نے کہا: میں جنبی ہو گیا' پھر مجھے پانی نہیں ملا؟ پس حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یاد ہے' ہم دونوں ایک سفر میں تھے' رہے آپ تو آپ نے نماز نہیں پڑھی اور رہا میں تو میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا' پس میں نے نماز پڑھ لی' پھر میں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا' تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے' پھر ان میں پھونک ماری' پھر ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملا۔

(صحیح مسلم:۳۶۸' الرقم المسلسل:۷۹۶' سنن ابوداؤد:۳۲۱' سنن نسائی:۳۲۰' سنن ابن ماجہ:۵۶۹' سنن ابوداؤد:۳۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی:۳۰۳-۳۰۵' صحیح ابن خزیمہ:۲۶۸' صحیح ابن حبان:۱۳۰۶-۱۳۰۹' مسند البزار:۱۳۸۵' سنن دارقطنی ج۱ص۱۸۳' سنن ابوداؤد الطیالسی:۶۳۸' المنتقی:۱۲۵' مسند احمد ج۴ص۲۶۵ طبع قدیم' مسند احمد:۱۸۳۳۲-ج۳۰ص۲۷۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' جامع المسانید لابن الجوزی:۵۶۶۴' مکتبۃ الرشد لابن الجوزی' ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) آدم بن ابی ایاس (۲) شعبہ بن الحجاج (۳) الحکم بن عتیبہ (۴) ذر بن عبد اللہ الہمدانی (۵) سعید بن عبد الرحمان' ان سب کا تعارف ہو چکا ہے (۶) سعید کے والد عبد الرحمان بن اَبزیٰ' یہ صحابی خزاعی کوفی ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خراسان کا عامل بنایا تھا (۷) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۸) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما' ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۴ص۲۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم کا جائز نہ ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں تھا کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رہے آپ تو آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ حدیث مختصر ہے' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد الرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا' پس ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ہم کسی جگہ ایک ماہ یا دو ماہ ٹھہرتے ہیں' پھر حضرت عمر نے کہا: میں تو اس وقت تک نماز نہیں پڑھوں گا حتیٰ کہ میں پانی کو پالوں' پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ میں اور آپ اونٹوں پر سفر کر رہے تھے' پھر ہم دونوں جنبی ہو گئے رہا میں تو میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا' پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کر لیتے' آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے' پھر ان پر پھونک ماری' پھر ان ہاتھوں سے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر نصف ہاتھ تک مسح کیا' تب حضرت عمر نے کہا: اے عمار! اللہ سے ڈرو' حضرت عمار نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ چاہیں تو اللہ کی قسم! میں کبھی اس کا ذکر نہیں کروں گا' حضرت عمر نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! ہم اس معاملہ میں تم کو تمہارے مؤقف پر قائم رہنے دیں گے۔ (سنن ابوداؤد:۳۲۲' صحیح مسلم:۳۶۸' الرقم المسلسل:۷۹۸' سنن نسائی:۳۱۵)

قیاس اور اجتہاد پر دلیل

اس حدیث میں قیاس کی دلیل ہے کیونکہ حضرت عمار نے کہا: میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا' انہوں نے اجتہاد کیا کہ حدث اصغر میں تو صرف چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کیا جاتا ہے اور یہ تیمم وضوء کا قائم مقام ہوتا ہے اور حدث اکبر یعنی جنابت میں تو پورے جسم پر مٹی سے مسح ہونا چاہیے تا کہ وہ غسل کا قائم مقام ہو' کیونکہ غسل میں پورے جسم پر پانی بہایا جاتا ہے تو تیمم میں پورے جسم پر مسح ہونا چاہیے' پھر جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے انہیں بتایا کہ حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں میں تیمم کی ایک صفت ہے یعنی مٹی یا پتھر پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ حضور کے زمانہ میں اجتہاد کرتے تھے اور کبھی صحابہ کو اجتہاد میں خطاء واقع ہو جاتی تھی' نیز خطاء منکشف ہونے کے بعد اجتہاد کرنے والے پر اس تیمم سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

تیمم کی کیفیت میں مذاہب ائمہ

امام احمد کے نزدیک تیمم میں صرف ایک بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا ہے' علامہ ابن عبد البر نے کہا: یہ حضرت عمار سے سب سے زیادہ ثابت روایت ہے' اور حضرت عمار کی باقی روایات میں بہت اختلاف ہے' اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا وضوء میں فرض کیا ہے' پھر تیمم میں فرمایا:

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ. اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو۔

(النساء: ۴۳' المائدہ: ۶)

اور ظاہر ہے یہاں پر ہاتھوں پر وہیں تک مسح کرنے کا حکم دیا ہے' جہاں تک وضوء میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا تھا' اور وضوء میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم دیا تھا تو تیمم میں بھی کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کرنا مراد ہے۔

علماء کا کیفیت تیمم میں اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ ایک بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر مسح کیا جائے اور دوسری بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے' البتہ امام مالک کے نزدیک پہنچوں تک مسح کرنا فرض ہے اور کہنیوں تک مسح کرنے میں اختیار ہے۔

حسن بن حی اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: تیمم میں دو بار ہاتھ مارنا ہے اور ہر بار چہرے اور ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے اور الزہری نے کہا: ہاتھوں پر بغلوں تک مسح کیا جائے۔

ابن سیرین نے کہا: تیمم میں تین ضربات ہیں' ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے' دوسری ضرب سے ہتھیلیوں پر مسح کیا جائے اور تیسری ضرب سے کلائیوں پر مسح کیا جائے۔

تیمم کی کیفیت میں حضرت عمار سے مختلف اور مضطرب روایات ہیں اور ہر روایت کے موافق کسی نہ کسی مجتہد نے اپنا مذہب بنا لیا ہے' اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس میں ظاہر کتاب کی طرف رجوع کیا جائے اور ظاہر کتاب سے یہ پتا چلتا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور دوسری ضرب سے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے' جیسا کہ وضوء میں ایک بار چہرے کو دھویا جاتا ہے اور دوسری بار ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے اور ان احادیث کی اتباع کرتے ہوئے جن میں یہ ذکر ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

دو بار پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت جابر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کلائیوں پر کہنیوں تک ہے۔ اس حدیث کے تمام رجال ثقات ہیں۔ (سنن دارقطنی: ۶۷۹ المستدرک ج ۱ ص ۱۸۰ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۷)

ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں جنبی ہو گیا اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا' حضرت جابر نے فرمایا: تم زمین پر ہاتھ مارو اور چہرے پر مسح کرو' پھر دوسری بار زمین پر ہاتھ مارو اور اپنے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کرو۔ (سنن دارقطنی: ۶۸۰۔ ج ۱ ص ۴۲۱' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔ (سنن دارقطنی: ۶۷۳' المستدرک ج ۱ ص ۱۷۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۶۷' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۷)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک چہرے کے لیے اور ایک ضرب ہتھیلیوں سے کہنیوں تک کے لیے۔ (سنن دارقطنی: ۶۷۴' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۷)

سالم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو ضربوں سے تیمم کیا ہے' ایک ضرب چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے اور ایک ضرب کلائیوں سے کہنیوں تک کے لیے۔ (سنن دارقطنی: ۶۷۷' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ کی گلیوں میں سے کسی گلی میں گزرا' آپ اس وقت بیت الخلاء سے آئے تھے' اس نے آپ کو سلام کیا' آپ نے اس کو جواب نہیں دیا' حتیٰ کہ قریب تھا' وہ شخص غائب ہو جاتا' آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مارے اور ان کے ساتھ چہرے پر مسح کیا' پھر دوسری بار دیوار پر ہاتھ مارے اور ان کے ساتھ اپنی کلائیوں پر مسح کیا' پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا' پھر فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اور کوئی چیز مانع نہیں تھی مگر یہ کہ میں طہر پر نہیں تھا۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے' مگر یہ محمد بن ثابت العبدی کی روایت ہے اور وہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۰' معرفۃ السنن والآثار: ۳۰۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۶' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۳۶)

حضرت علی رضی اللہ نے فرمایا: تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے ہے۔ (سنن دارقطنی: ۶۸۳' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۲' مصنف عبد الرزاق: ۸۲۴)

حسن بصری نے کہا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لیے ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۸' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر مارا جائے' پھر ان کے ساتھ چہرے پر مسح کیا جائے' پھر دوسری بار ہاتھوں کو مارا جائے اور ان کے ساتھ اپنی کلائیوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے۔

(مسند البزار: ۳۱۰' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔ (مسند البزار: ۳۱۱' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ابن ابی ذئب بیان کرتے ہیں کہ الزہری نے کہا: تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۸۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان کے ساتھ اپنے چہرے پر مسح کیا' پھر دوسری بار اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا' پھر ان کے ساتھ کہنیوں سمیت اپنی کلائیوں پر مسح کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۸۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۹۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

چہرے پر مٹی کا لیپ نہ کیا جائے

باب مذکور کی حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا' پھر ان پر پھونک ماری' پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھونک مار کر مٹی اڑانا سنت یا مستحب ہے اور جس پتھر پر مٹی نہ ہو' اس پر ہاتھ مار کر تیمم کرنا بھی صحیح ہے۔

* باب مذکور کی حدیث شرح صحیح مسلم: ۷۲۳۔ ج ۱ ص ۱۰۴۹ پر ہے' وہاں اس حدیث کی شرح نہیں کی گئی۔

۵- بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ چہرے اور ہتھیلیوں پر تیمم کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تیمم میں ایک ضرب ہے اور اس ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا جائے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس باب کی شرح میں کہا ہے کہ یہ واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۴' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے اس پر رد کیا ہے کہ باب کے عنوان میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے' جو اس کے وجوب پر دلالت کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان کو جزم کے صیغہ کے ساتھ لکھا ہے' حالانکہ اس میں اختلاف مشہور ہے کیونکہ ایک ضرب کے ساتھ تیمم کرنے کی دلیل قوی ہے' کیونکہ اس حدیث کے علاوہ جو اور احادیث تیمم کی صفت میں وارد ہیں' ان میں حضرت ابوجہیم اور حضرت عمار کی حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں ہے' اور ان کے علاوہ ضعیف روایات ہیں' یا ان کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور راجح یہ ہے کہ وہ غیر مرفوع ہیں اور رہی حضرت ابوجہیم کی حدیث تو اس میں دو ہاتھوں کا ذکر مجملاً ہے اور رہی حضرت عمار کی حدیث تو صحیحین کے مطابق اس میں ہتھیلیوں کا ذکر ہے اور کہنیوں کا ذکر سنن میں ہے اور ایک روایت میں نصف ذراع کا ذکر ہے اور ایک روایت میں بغلوں تک کا ذکر ہے اور جو کہنیوں تک کی روایت ہے' اسی طرح جو نصف ذراع (ہاتھ) کی روایت ہے' اس میں بحث ہے' اور جو بغلوں تک کی روایت ہے' اس کے متعلق امام شافعی وغیرہ نے کہا ہے: اگر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے واقع ہوا ہے تو اس کے بعد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تیمم ہے' وہ اس کے لیے ناسخ ہے اور اگر یہ آپ کے امر کے بغیر ہوا ہے تو حجت وہ طریقہ ہے' جس کا آپ نے حکم دیا ہے اور صحیحین کی جس حدیث میں چہرے اور ہتھیلیوں پر اقتصار ہے (جو اس باب کی حدیث ہے) اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمار' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی پر فتویٰ دیتے تھے اور حدیث کا راوی اس حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ جاننے والا ہے'

خصوصاً وہ راوی جو صحابی اور مجتہد ہو اور عنقریب اس پر کلام اس باب میں آئے گا' جس میں ایک ضرب پر اقتصار کو بیان کیا گیا ہے۔
(لیکن حافظ ابن حجر بھول گئے اور اس باب میں انہوں نے اس پر کلام نہیں کیا' دیکھئے: فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۔۲۵' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ) (فتح الباری ج ۲ ص ۱۵' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس قائل کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت ابوجہیم اور حضرت عمار کی حدیثوں کے علاوہ اور کوئی حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے' امام دار قطنی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقات ہیں۔ (سنن دار قطنی: ۶۷۹) اور حاکم نے کہا: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور ذہبی نے بھی کہا: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۱۸۰) اور جس نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے' اس کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا' اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ایک جماعت نے اس حدیث کو موقوفاً روایت کیا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کا مرفوع ہونا زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے کیونکہ وہ دو وجہوں سے مسند ہے' اور اس قائل کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت ابوجہیم کی حدیث میں دو ہاتھوں کا ذکر مجمل ہے کیونکہ اس پر اجمال کی تعریف صادق نہیں آتی' بلکہ وہ مطلق ہے اور ہتھیلیوں اور کہنیوں اور اس سے آگے تک ہاتھ کے حصہ کو شامل ہے' اس حدیث میں ذکر ہے: آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۷) اگرچہ ''صحیح بخاری'' کی روایت میں ہاتھوں کا ذکر مطلق اور عام ہے لیکن امام دار قطنی نے ہاتھوں کی تخصیص کلائیوں کے ساتھ کر دی ہے' انہوں نے حضرت ابوجہیم کی روایت میں ذکر کیا:

پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرے اور کلائیوں پر مسح کیا۔ (سنن دار قطنی: ۶۶۰' دار المعرفہ ۱۴۲۲ھ) لہٰذا یہ روایت امام بخاری کی روایت کی تفسیر ہے' پس امام دار قطنی کی روایت زیادہ واضح اور زیادہ کاشف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کی ساری بحث کی بنیاد یہ تھی کہ دو ضربوں کے ساتھ تیمم صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور جب علامہ عینی نے یہ ثابت کر دیا کہ دو ضربوں کے ساتھ تیمم صحیح حدیث سے ثابت ہے تو حافظ ابن حجر کی پوری عبارت ساقط ہو گئی۔

۳۳۹- حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ اَخْبَرَنِی الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی، عَنْ اَبِيهِ قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا، وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْاَرْضَ، ثُمَّ اَدْنَاهُمَا مِنْ فِيهِ، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ. وَقَالَ النَّضْرُ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ ذَرًّا يَقُولُ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی. قَالَ الْحَكَمُ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ عَمَّارٌ اَلصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ.

(جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۷۶۳' مکتبۃ الرشد ریاض' ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: مجھے الحکم نے خبر دی از ذر از سعید بن عبد الرحمان بن ابزیٰ از والد خود کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا اور شعبہ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے' پھر ان کو اپنے منہ کے قریب کیا' پھر اپنے چہرے پر مسح کیا اور اپنی ہتھیلیوں پر مسح کیا' اور نضر نے کہا: ہمیں شعبہ نے از الحکم خبر دی' انہوں نے کہا: میں نے ذر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے' از عبد الرحمان بن ابزیٰ' حکم نے کہا: میں نے ابن عبد الرحمٰن از والد خود سنا ہے کہ حضرت عمار نے کہا: پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے' وہ اس کو پانی سے کافی ہے۔

اس حدیث کی مکمل شرح گزشتہ حدیث: ۳۳۸ کے تحت گزر چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۴۰- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ،

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب

عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ شَهِدَ عُمَرَ، وَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا، وَقَالَ تَفَلَ فِيهِمَا.

(جامع المسانید ابن الجوزی: ۵۶۶۴)

نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی' از الحکم از ابن عبد الرحمان بن ابزیٰ از والد خود کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم دونوں ایک لشکر میں تھے' پس ہم دونوں جنبی ہو گئے اور انہوں نے پھونک ماری جس میں تھوک کی چھینٹیں تھیں۔

اس حدیث کی شرح کے لیے بھی صحیح البخاری: ۳۳۸ کا مطالعہ فرمائیں۔

۳۴۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ تَمَعَّكْتُ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَكْفِيكَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ. (جامع المسانید ابن الجوزی: ۵۶۶۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الحکم از ذر از ابن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ از عبد الرحمان' وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں (زمین پر) لوٹ پوٹ ہو گیا تھا' پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں (تیمم میں) چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کرنا کافی تھا۔

اس حدیث کی مفصل شرح بھی صحیح البخاری: ۳۳۸ میں گزر چکی ہے اور مزید شرح ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

تیمم کی کیفیت میں مذاہب ائمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں صرف چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کرنا ہوتا ہے اور کسی چیز پر مسح نہیں کیا جاتا اور امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تیمم کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے' ہمارا اور اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ضروری ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم' حسن بصری' شعبی' سالم بن عبد اللہ بن عمر' سفیان ثوری' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ تیمم میں صرف ایک ضرب واجب ہے' جس سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا جائے' یہ مذہب ان فقہاء کا ہے: عطاء' مکحول' الاوزاعی' امام احمد' اسحاق' ابن المنذر اور عام محدثین۔ زہری سے منقول ہے کہ ہاتھوں سے بغلوں تک مسح کرنا واجب ہے' اسی طرح ہمارے اصحاب نے کتب مذہب میں بیان کیا ہے اور امام ابوسلیمان الخطابی نے کہا ہے کہ ہمارے علماء میں سے کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ کہنیوں سے آگے ہاتھ پر تیمم میں مسح کرنا لازم نہیں ہے' نیز ہمارے اصحاب نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ تیمم میں تین ضربات سے کم جائز نہیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے' دوسری ضرب ہتھیلیوں کے لیے اور تیسری ضرب کلائیوں کے لیے۔

حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کے لیے تیمم کا جواز

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حدث اصغر (بے وضوء ہونا) کے لیے تیمم جائز ہے' اسی طرح تمام زمانوں کے فقہاء اور ان سے

پہلے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی' حائض اور نفاس والی کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور متقدمین اور متاخرین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے' سوا حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے۔ اسی کی مثل امام ابراہیم نخعی تابعی سے منقول ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور جنبی کے لیے تیمم کے جواز میں احادیث صحیحہ مشہورہ وارد ہیں۔

جنبی تیمم کر کے نماز پڑھے تو نماز کے اعادہ کی تفصیل

جب جنبی تیمم کر کے نماز پڑھے' پھر اس کو پانی مل جائے تو علماء کا اجماع ہے کہ اس پر غسل کرنا واجب ہے' سوا اس کے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان امام تابعی نے کہا ہے کہ اس پر غسل لازم نہیں ہے اور اس مذہب کے متروک ہونے پر متقدمین اور متاخرین کا اجماع ہے اور احادیث مشہورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو حکم دیا ہے کہ جب اسے پانی مل جائے تو وہ غسل کرے' واللہ اعلم۔ مسافر اور شہری کو جب پانی نہ ملے تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے' وہ اپنی شرم گاہوں کو دھولیں اور نماز پڑھیں اور ان کے لیے تیمم کرنا کافی ہے اور جب انہوں نے اپنی شرم گاہوں کو دھولیا ہے تو ان پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اور اگر انہوں نے اپنی شرم گاہوں کو نہیں دھویا ہے تو ان پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے' بشرطیکہ ہم یہ کہیں کہ رطوبت فرج نجس ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ رطوبت فرج نجس نہیں ہے تو پھر ان پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ جماع کے بعد جو فرج سے رطوبت نکلتی ہے' وہ قطعی طور پر نجس ہے' اس لیے ان پر مطلقاً نماز کا اعادہ واجب ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

محدث کے اعضاء یا کپڑوں پر نجاست ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھنے کی تفصیل

جب محدث کے بعض اعضاء پر نجاست ہو اور وہ وضوء کے بدلے تیمم کا ارادہ کرے تو ہمارے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے یہ کہا ہے کہ جب اس کے بدن پر نجاست ہو اور اس کے کپڑوں پر نجاست نہ ہو تو اس کا تیمم کرنا جائز ہے اور اگر اس کے کپڑوں پر نجاست ہو تو پھر اس کا تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور نماز کا اعادہ کرنے میں امام احمد کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ ابن المنذر نے یہ کہا ہے کہ وہ شخص نجاست کی جگہ پر مٹی سے مسح کر لے اور نماز پڑھ لے' یہ ثوری' اوزاعی اور ابوثور کا مذہب ہے۔

اس کی تفصیل کہ کسی عذر کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ نہیں ہے

جس شخص نے مرض یا زخم کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھی ہے تو ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اور جس شخص نے پانی سے عاجز ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھی ہے تو اگر وہ ایسی جگہ پر ہے' جہاں غالباً پانی نہیں ملتا' مثلاً سفر میں تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے اور اگر وہ ایسی جگہ پر ہے' جہاں نادراً پانی نہیں ملتا' مثلاً شہر میں تو مذہب صحیح کے مطابق اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔

زمین کی جنس سے تیمم کرنے کے جواز میں مذاہب ائمہ

جس چیز کی جنس سے تیمم کیا جائے' اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے' امام شافعی' امام احمد' ابن المنذر' داؤد ظاہری کے نزدیک صرف اس مٹی سے تیمم کرنا جائز ہے' جس کا غبار ہو اور اس سے جسم آلودہ ہو جائے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک زمین کی تمام چیزوں سے تیمم کرنا جائز ہے' حتیٰ کہ دھلے ہوئے پتھر سے بھی تیمم کرنا جائز ہے (میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کی دلیل صحیح البخاری: ۳۳۸ ہے' اس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے' پھر ان میں پھونک ماری' تاکہ خاک یا غبار اڑ جائے' اس سے معلوم ہوا کہ صاف پتھر سے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور بعض اصحاب مالک کا یہ مذہب ہے کہ جو چیز زمین سے متصل

ہو' مثلاً لکڑی وغیرہ اس سے بھی تیمم کرنا جائز ہے' اور برف سے تیمم کرنے میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں' اوزاعی اور سفیان ثوری نے یہ کہا ہے کہ برف سے اور ہر وہ چیز جو زمین پر ہو' اس سے تیمم کرنا جائز ہے۔

تیمم کر کے فرض نماز' نوافل اور نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

رہا تیمم کا حکم تو ہمارا اور اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ تیمم حدث کو زائل نہیں کرتا' بلکہ نماز کو مباح کرتا ہے' پس اس سے فرض نماز اور جس قدر نوافل پڑھنا چاہے' وہ مباح ہیں اور ایک تیمم کے ساتھ دو فرضوں کو جمع نہ کرے اور اگر اس نے تیمم سے فرض کی نیت کی ہے تو اس سے فرض اور نفل دونوں پڑھنا جائز ہیں اور اگر اس نے تیمم سے نفل کی نیت کی ہے تو اس سے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اس کے لیے ایک تیمم کر کے کئی جنازوں پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے لیے ایک تیمم سے فرض نماز اور نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور وقت سے پہلے وہ تیمم نہ کرے اور جس شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا' پھر اس نے حالت نماز میں پانی دیکھ لیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی' بلکہ اس کے لیے نماز کو مکمل کرنا جائز ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۴۱۷-۱۴۶۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک ایک تیمم سے دو فرض نمازوں کے پڑھنے کا جواز اور اس پر دلائل

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے اور دو فرضوں کے لیے بھی تیمم کرنا جائز ہے' کیونکہ جب پانی نہ ہو تو ہمارے نزدیک تیمم وضوء کا بدل مطلق ہے اور جب تک پانی نہ ملے' اس سے حدث مرتفع ہو جاتا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ یہ نماز کو مباح کرتا ہو اور حدث قائم رہتا ہو' جیسا کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ تیمم وضوء کا بدل ضروری ہے اور اس کے باوجود حدث قائم رہتا ہے' پس وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ایک تیمم سے ایک سے زیادہ فرض پڑھنے جائز ہیں' ہمارے نزدیک تیمم حدث کو اٹھانے والا ہے' ان کے نزدیک تیمم حدث کو نہیں اٹھاتا' صرف نماز کو مباح کر دیتا ہے' ہماری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب وہ پانی کو پالے تو اس سے اپنے جسم کو گیلا کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۲' سنن ترمذی: ۱۲۴' سنن نسائی: ۳۲۱' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۸۷۔ ۱۸۶' المستدرک ج ۱ ص ۱۸۶' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۲-۲۱۷-۲۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰-۱۵۵)

نیز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! پاک مٹی پاک کرنے والی ہے خواہ تم دس سال تک پانی نہ پاؤ' پس جب تم پانی کو پالو تو اس سے اپنی جلد کو مس کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۳)

امام ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: پاک مٹی مسلمان کا طہور ہے' خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب وہ پانی کو پالے تو اپنی کھال کو پانی سے مس کرے' بے شک یہ خیر ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۲۴)

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب جنبی اور حائض کو پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھیں' حضرت ابن مسعود جنبی کے لیے تیمم کو جائز نہیں کہتے تھے خواہ اس کو پانی نہ ملے اور انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا: جب جنبی کو پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر لے۔ (سنن ترمذی ص ۷۰' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۲۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۳' سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۳)

طہور کا معنی مطہر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام زمین کو آپ کے لیے مطہر بنا دیا گیا' ان احادیث سے

واضح ہو گیا کہ جب تک پانی نہ ملے' تیمم طہارت مطلقہ ہے اور طہارت ضروریہ نہیں ہے' اس سے دو فرض بھی پڑھے جا سکتے ہیں اور وقت سے پہلے تیمم بھی کیا جا سکتا ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۵۶' مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کا فقہاء شافعیہ کے برعکس تیمم میں کلائیوں کے بجائے ہتھیلیوں پر مسح کو صحیح قرار دینا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ تمہارے لیے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کرنا کافی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ' اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے: اس حدیث سے ضرب کی صورت کی تعلیم دینا مراد ہے' یعنی کس طرح زمین پر ہاتھ مارا جائے اور پورا تیمم کس کیفیت سے کیا جائے' یہ مراد نہیں ہے' لیکن اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہی مراد ہے کہ پورا تیمم کس طرح کیا جائے کیونکہ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کرو' اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جس طرح وضوء میں پوری کلائیوں کو دھونا فرض ہے' اسی طرح تیمم میں پوری کلائیوں پر مسح کرنا فرض ہے تو یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا ہے اور یہ فاسد الاعتبار ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام ترمذی کا کلائیوں کے بجائے ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو بعض اہل علم کے حوالے سے ضعیف قرار دینا

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ' حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد تیمم میں ضرب کی صورت کی تعلیم دینا ہے' نہ کہ اس حدیث میں پورے تیمم کی تعلیم دینا مراد ہے کیونکہ امام طحاوی اور دوسرے ائمہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت عمار کی حدیث تیمم میں حجت کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تیمم صرف ہتھیلیوں پر مسح ہے یا صرف پہنچوں تک ہے یا صرف کہنیوں تک ہے یا صرف کندھوں تک ہے یا صرف بغلوں تک ہے جیسا کہ اہل علم کی ایک جماعت ان میں سے ہر ایک احتمال کی طرف گئی ہے' اسی وجہ سے امام ترمذی نے کہا ہے کہ حضرت عمار کی جس حدیث میں ہے: تیمم چہرے اور ہتھیلیوں پر ہے' اس کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عمار سے تیمم میں کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کی بھی روایت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری کی حدیث مذکور سنن ترمذی: ۱۴۴ پر ہے' امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

بعض اہل علم نے کہا ہے جن میں حضرت ابن عمر' حضرت جابر' ابراہیم نخعی اور حسن بصری ہیں کہ تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے ہے' سفیان ثوری' امام مالک' ابن المبارک' امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور حضرت عمار سے یہ حدیث: تیمم چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ہے' دیگر اسانید سے بھی مروی ہے اور حضرت عمار سے تیمم میں کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنے کی بھی حدیث مروی ہے' پس بعض اہل علم نے حضرت عمار کی اس حدیث کو تیمم چہرے اور ہتھیلیوں پر ہے' کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عمار سے کندھوں اور بغلوں تک مسح کرنا بھی مروی ہے۔

(سنن ترمذی ص ۸۱' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی حدیث اس لیے بھی ضعیف اور مرجوح ہے کہ یہ اس صحیح حدیث کے

خلاف ہے جس میں مذکور ہے: تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب سے چہرے پر مسح ہے اور دوسری ضرب سے کہنیوں سمیت کلائیوں پر مسح ہے اور امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور مجتہدین جس حدیث سے استدلال کریں وہ اس حدیث کی صحت پر دلیل ہوتی ہے' حیرت ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے خلاف اس حدیث کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے' جس میں ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کا ذکر ہے حالانکہ وہ حدیث مضطرب اور ضعیف ہے' اب ہم اس حدیث کے خلاف فقہاء شافعیہ کے دلائل ذکر کر رہے ہیں:

امام شافعی اور فقہاء شافعیہ کا ایک ضرب سے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو رد کرنا اور اس کو اجماع مسلمین کے خلاف قرار دینا

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ تیمم میں زمین پر ایک ہاتھ مارا جائے اور اس سے چہرے پر مسح کیا جائے' پھر دوسری بار زمین پر ہاتھ مارا جائے اور اس سے کہنیوں سمیت کلائیوں پر مسح کیا جائے۔ (مختصر المزنی ص ۶)

الماوردی نے کہا: یہی صحیح ہے کہ تیمم میں چہرے اور کلائیوں پر مسح ہے اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ تیمم میں دو ضربوں سے کم کافی نہیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کلائیوں کے لیے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں دو ضربیں ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔ (سنن دارقطنی: ۶۷۳' المستدرک ج ۱ ص ۱۷۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت کلائیوں کے لیے ہے۔ (سنن دارقطنی: ۶۷۹' المستدرک ج ۱ ص ۱۸۰)

الماوردی کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں تو دو ضربوں سے کم تیمم میں کفایت نہیں کریں گے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱ ص ۲۹۹۔ ۲۹۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی الشافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آیت وضوء میں چار اعضاء کی طہارت کو واجب کیا ہے' پھر آیت وضوء کے آخر میں تیمم میں دو اعضاء کی طہارت کو ساقط کر دیا' پس تیمم میں وہ دو اعضاء باقی رہے' جن کا وضوء میں ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر پورا پورا مسح کیا جاتا ہے اور امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ حضرت عمار کی چہرے اور ہتھیلیوں پر ایک ضرب سے مسح کی جو روایت ہے' ہم نے اس پر عمل کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ضربوں سے چہرے اور کلائیوں پر مسح کیا ہے اور یہ حدیث قرآن مجید کے زیادہ مشابہ ہے اور اس کے بہت شواہد ہیں۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۲۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس کے بعد علامہ نووی نے تفصیل کے ساتھ ان شواہد کا ذکر کیا ہے۔ (شرح المہذب ج ۳ ص ۲۰۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

علامہ نووی شافعی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر کا چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کی روایت کو اختیار کرنا نہ صرف جمہور کے خلاف ہے' بلکہ یہ قول مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے اور اپنے امام سے انحراف ہے۔

۳۴۲- حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ' عَنِ — امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان

الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ شَهِدْتُ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ. (جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۶۶۴)

کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ذر از ابن عبد الرحمان از عبد الرحمن' انہوں نے کہا: میں حضرت عمر کے پاس تھا کہ عمار نے ان سے کہا' اور پھر حدیث بیان کی۔

اس حدیث پر مفصل بحث گزشتہ حدیث: ۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۴۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ قَالَ عَمَّارٌ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ، فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ. (جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۶۶۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ذر از ابن عبد الرحمان بن ابزی از والد خود' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمار رضی اللہ نے کہا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا' پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔

اس حدیث پر بھی مبسوط بحث صحیح البخاری: ۳۴۱ میں گزر چکی ہے' تاہم حضرت عمار کی تیمم کے متعلق ہم دیگر روایات بھی بیان کر رہے ہیں' تاکہ واضح ہو جائے کہ تیمم کے متعلق حضرت عمار کی روایات مضطرب ہیں۔

تیمم کے متعلق حضرت عمار کی مضطرب روایات

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے سفر میں تیمم کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہنیوں تک مسح کرے۔

(معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۰' سنن ابوداؤد: ۳۲۸' البحر الزخار مسند البزار: ۱۳۹۰' ج ۴ ص ۲۲۸)

عبید اللہ بن عبد اللہ از والد خود از حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کندھوں تک تیمم کیا ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار: ۳۱۷' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴' سنن ابن ماجہ: ۵۶۶' سنن ابوداؤد: ۳۲۰' شرح السنۃ ج ۲ ص ۱۰۴)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل کی تو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے' انہوں نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے' پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر کندھوں تک مسح کیا اور ہاتھوں کے باطن سے بغلوں تک مسح کیا۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۰' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۹' سنن ابوداؤد: ۳۲۰)

ابو موسیٰ اور ابن الزبیر نے حضرت عمار سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ان کو چہرے اور کلائیوں تک لوٹا دیا۔

(معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۷)

حضرت عمار رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی ہے' آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مٹی کی طرف مارا' پھر اس پر پھونک ماری اور اپنے چہرے پر اور ہاتھوں کے جوڑ تک مسح کیا اور اس میں کلائیوں کا ذکر نہیں ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۳۲۳' سنن ابوداؤد: ۳۲۶' صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۰' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۹)

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی تھا' پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے' پھر ان پر پھونک ماری' پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر نصف کلائیوں تک مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۲۳۔ ۳۲۲' مصنف عبدالرزاق: ۹۱۵)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر کہنیوں تک یا کلائیوں تک مسح کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۵)

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے ساتھ تھا' حتیٰ کہ یہ رخصت نازل ہوگئی کہ جب ہمیں پانی نہ ملے تو ہم مٹی سے تیمم کرلیں' پس ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم ایک بار چہرے کے لیے زمین پر ہاتھ ماریں اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے زمین پر ہاتھ ماریں۔ (البحر الزخار مسند البزار: ۱۳۸۴۔ ج ۴ ص ۲۲۱' مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ' ۱۴۲۴ھ' سنن ابوداؤد: ۳۲۵' مسند ابویعلیٰ: ۱۶۳۰)

حضرت عمار کی یہی وہ حدیث ہے' جو قابل عمل ہے اور دوسری احادیث صحیحہ کے موافق ہے اور امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے' اور اگر یہ حدیث امام بخاری کے معیار پر پوری نہیں تو کوئی حرج نہیں' امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے معیار پر پوری ہے اور انہوں نے اس سے اس وقت استدلال کیا' جب امام بخاری پیدا بھی نہیں ہوئے تھے' ہوسکتا ہے کہ بعد میں اس کی سند میں کوئی ایسا راوی آ گیا ہو' جس کی وجہ سے یہ حدیث امام بخاری کے معیار سے گر گئی ہو' لیکن امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی' امام بخاری پر مقدم ہیں' سو جس سند سے ان کو یہ حدیث پہنچی' اس میں وہ راوی نہ تھا' لہٰذا امام بخاری کے معیار پر پوری نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث فی نفسہ صحیح نہ ہو' حافظ ابن حجر عسقلانی اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے امام بخاری کی تائید میں اس حدیث کو فاسد الاعتبار قرار دے دیا۔

حضرت عمار سے تیمم کے متعلق جو احادیث مروی ہیں' ان میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیلیوں پر مسح کے لیے فرمایا' اور ہاتھوں کے جوڑ یعنی پہنچوں تک مسح کے لیے فرمایا اور نصف کلائیوں تک مسح کے لیے فرمایا اور کہنیوں تک مسح کے لیے فرمایا اور آپ نے اور مسلمانوں نے کندھوں تک مسح کیا اور بغلوں تک مسح کیا اور دو ضربوں کے ساتھ چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھوں پر مسح کیا' سو حضرت عمار کی حدیث میں اتنا شدید اضطراب ہے اور جو حدیث مضطرب ہو وہ لائق استدلال نہیں ہوتی' پھر حافظ ابن حجر کا اس مضطرب حدیث کی صحت پر اصرار کرنا اور اس کو ترجیح دینا سخت باعث حیرت ہے' جب کہ جمہور فقہاء نے اس مضطرب روایت کو مسترد کر دیا ہے۔

٦- بَابٌ اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ ' يَكْفِيْهِ مِنَ الْمَاءِ

پاک مٹی مسلمان کے لیے آلہ طہارت ہے اور اس کو پانی سے کافی ہے

اس عنوان کی تائید میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کا طہور ہے' خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب وہ پانی کو پالے تو اپنی کھال کو پانی سے مس کرے' بے شک یہ خیر ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۲۴' سنن ابوداؤد: ۳۳۲' سنن نسائی: ۳۲۱' مصنف عبدالرزاق: ۹۱۳)

امام بخاری اس تعلیق کو ذکر کرتے ہیں:

وَقَالَ الْحَسَنُ يُجْزِئُهُ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ.

اور حسن بصری نے کہا: جب تک کوئی آدمی بے وضوء نہ ہو' اس کو تیمم کافی ہے۔

اس تعلیق کی اصل یہ حدیث ہے:

از حسن بصری' انہوں نے کہا: ایک تیمم کافی ہے جب تک کوئی شخص بے وضوء نہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۳۶)

وَاَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ.

اور حضرت ابن عباس نے امامت کی اور وہ اس وقت متیمم تھے۔

اس تعلیق کی اصل ''مصنف ابن ابی شیبہ'' اور ''سنن بیہقی'' میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۶)

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبْخَةِ ، وَالتَّيَمُّمِ بِهَا.

اور یحییٰ بن سعید نے کہا: نمکین اور بنجر زمین پر نماز پڑھنے میں اور اس سے تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۴۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ ، عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَاِنَّا اَسْرَيْنَا ، حَتّٰى كُنَّا فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ ، وَقَعْنَا وَقْعَةً ، وَلَا وَقْعَةَ اَحْلٰى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا ، فَمَا اَيْقَظَنَا اِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ ، وَكَانَ اَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ . يُسَمِّيْهِمْ اَبُوْ رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ . ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَامَ لَمْ يُوْقَظْ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ ، لِاَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهُ فِيْ نَوْمِهِ ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَاٰى مَا اَصَابَ النَّاسَ ، وَكَانَ رَجُلًا جَلِيْدًا ، فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيْرِ ، فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيْرِ ، حَتّٰى اسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا اِلَيْهِ الَّذِيْ اَصَابَهُمْ ، قَالَ لَا ضَيْرَ اَوْ لَا يَضِيْرُ ، اِرْتَحِلُوْا . فَارْتَحَلَ فَسَارَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوْءِ فَتَوَضَّاَ وَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ ، فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ ، اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ ، قَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ ؟ قَالَ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ ، قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ ، فَاِنَّهُ يَكْفِيْكَ . ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَاشْتَكٰى اِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ ، فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا . كَانَ يُسَمِّيْهِ اَبُوْ رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ . وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ . فَانْطَلَقَا ، فَتَلَقَّيَا امْرَاَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ ، اَوْ سَطِيْحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلٰى بَعِيْرٍ لَهَا ، فَقَالَا لَهَا اَيْنَ الْمَاءُ ؟ قَالَتْ عَهْدِيْ بِالْمَاءِ اَمْسِ هٰذِهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی از عمران' انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے' بے شک ہم رات میں سفر کر رہے تھے' حتیٰ کہ ہم رات کے آخری حصہ میں پہنچے اور لیٹ کر سو گئے اور مسافر کے لیے رات کے آخری حصے میں سونے سے زیادہ اور کوئی میٹھی چیز نہیں ہوتی' پھر ہم کو صرف سورج کی گرمی نے بیدار کیا' سب سے پہلے فلاں شخص بیدار ہوا' پھر فلاں شخص بیدار ہوا' پھر فلاں شخص بیدار ہوا' ابورجاء نے ان صحابہ کے نام لیے تھے لیکن عوف بھول گئے' پھر چوتھے حضرت عمر بن الخطاب بیدار ہوئے اور نبی ﷺ جب سوئے ہوتے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوں کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کیفیات طاری ہیں' پس جب حضرت عمر بیدار ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں پر کیا مصیبت آ چکی ہے اور وہ بہت ہمت والے مرد تھے' انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا' پھر وہ مسلسل بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے رہے' حتیٰ کہ نبی ﷺ آپ کی آواز سے بیدار ہو گئے' جب آپ بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ سے اس مصیبت کی شکایت کی' جو انہیں پہنچی تھی' آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں' یا فرمایا: کوئی نقصان نہیں' یہاں سے روانہ ہو' پس آپ چلے' ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ سواری سے اترے اور وضوء کے لیے پانی منگایا' پھر آپ نے وضوء کیا اور نماز کے لیے اذان دی گئی' پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی' پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا' ایک شخص الگ کھڑا تھا' اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی' آپ نے فرمایا: اے فلاں! تم کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا؟ اس نے

السَّاعَةَ، وَنَفَرُنَا خُلُوْفًا، قَالَا لَهَا انْطَلِقِي إِذًا، قَالَتْ
إِلَى أَيْنَ؟ قَالَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
قَالَتِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِیءُ؟ قَالَا هُوَ الَّذِي تَعْنِيْنَ
فَانْطَلِقِي، فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيْثَ، قَالَ فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ
بَعِيْرِهَا، وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ،
فَفَرَّغَ فِيْهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ، أَوِ السَّطِيْحَتَيْنِ،
وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا، وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ، وَنُوْدِيَ فِي النَّاسِ
اسْقُوْا وَاسْتَقُوْا، فَسَقَى مَنْ سَقَى، وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ،
وَكَانَ آخِرُ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً
مِنْ مَاءٍ، قَالَ اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ. وَهِيَ قَائِمَةٌ
تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا، وَايْمُ اللّٰهِ، لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا،
وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِيْنَ ابْتَدَأَ
فِيْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوْا لَهَا.
فَجَمَعُوْا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيْقَةٍ وَسَوِيْقَةٍ، حَتَّى
جَمَعُوْا لَهَا طَعَامًا، فَجَعَلُوْهُ فِي ثَوْبٍ، وَحَمَلُوْهَا عَلَى
بَعِيْرِهَا، وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا، قَالَ لَهَا تَعْلَمِيْنَ
مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا.
فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ، قَالُوْا مَا حَبَسَكِ
يَا فُلَانَةُ؟ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِي رَجُلَانِ، فَذَهَبَا بِي
إِلَى هٰذَا الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِیءُ، فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا،
فَوَاللّٰهِ، إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هٰذِهِ وَهٰذِهِ.
وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ، فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى
السَّمَاءِ تَعْنِي السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ. أَوْ إِنَّهُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ
حَقًّا. فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ ذٰلِكَ، يُغِيْرُوْنَ عَلَى مَنْ
حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَلَا يُصِيْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِي
هِيَ مِنْهُ، فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا أُرَى أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ
يَدَعُوْنَكُمْ عَمْدًا، فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ؟ فَأَطَاعُوْهَا
فَدَخَلُوْا فِي الْإِسْلَامِ. قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ صَبَأَ خَرَجَ

کہا: میں جنبی ہو گیا ہوں اور (غسل کے لیے) پانی نہیں ہے' آپ
نے فرمایا: تم پاک مٹی کا قصد کرلو (تیمم کرو) وہ (تمہاری طہارت
کے لیے) کافی ہے' پھر نبی ﷺ روانہ ہوئے' پھر لوگوں نے آپ
سے پیاس کی شکایت کی' آپ سواری سے اترے اور آپ نے
فلاں کو بلایا' ابورجاء نے اس کا نام لیا تھا اور عوف بھول گئے اور
حضرت علی کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں جاؤ اور پانی کی تلاش کرو' پس وہ
دونوں گئے' ان کو ایک عورت ملی' جس کے اونٹ پر پانی کی دو بڑی
مشکیں رکھی ہوئی تھیں' ان دونوں نے اس سے کہا: پانی کہاں ہے؟
اس نے کہا: میں کل سے اس وقت تک اس پانی کی حفاظت کر رہی
ہوں اور ہمارے گھر والے پیچھے ہیں' ان دونوں نے کہا: تب تم
ہمارے ساتھ چلو' اس نے کہا: کہاں تک؟ ان دونوں نے کہا: رسول
اللہ ﷺ کے پاس' اس نے کہا: ان کے پاس جن کے متعلق کہا
جاتا ہے انہوں نے اپنا دین بدل لیا ہے' انہوں نے کہا: ہاں! وہی
جن کا تم ارادہ کر رہی ہو' پس روانہ ہو' پھر وہ اس کو لے کر نبی ﷺ
کے پاس آئے اور آپ کو سارا واقعہ سنایا' پھر مسلمانوں نے اس
عورت کو اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی ﷺ نے برتن منگایا اور
ان بڑی مشکوں میں سے ایک کا منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیلا'
پھر ان مشکوں کا منہ باندھ دیا' پھر اس بڑی مشک کے نچلے حصہ کا منہ
کھول دیا اور لوگوں میں اعلان فرما دیا کہ خوب پانی پیو اور پلاؤ' پھر
جس نے جتنا چاہا پیا اور جتنا چاہا پلایا' اور آخر میں اس شخص کو برتن
سے پانی دیا گیا' جو جنبی تھا' آپ نے فرمایا: جاؤ اور اپنے اوپر پانی
بہاؤ اور وہ عورت کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ
کیا کیا جا رہا ہے اور اللہ کی قسم! ان بڑی مشکوں سے پانی نکالا گیا
اور ہمیں معلوم ہو رہا تھا کہ جب ان مشکوں سے پانی نکالنے کی
ابتداء کی گئی تھی' ان میں اس سے بھی زیادہ پانی بھرا ہوا ہے' تب
نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے (کھانے کی چیزوں کو) جمع کرو'
پھر اس کے لیے عجوہ کھجوریں' گندم' جو اور ستو وغیرہ جمع کر کے ان کو
ایک پوٹلی میں باندھ دیا گیا' اور اس کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا گیا'
اور اس پوٹلی کو اس کے سامنے رکھ دیا' آپ نے اس عورت سے

مِنْ دِيْنٍ إِلٰى غَيْرِهٖ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِيْنَ فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَؤُوْنَ الزَّبُوْرَ.

[اطراف الحدیث: ۳۴۸۔۳۵۷۱] (صحیح مسلم: ۶۸۲ الرقم المسلسل: ۱۵۴۳ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۲۷۹۔۲۷۷ دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۳۲۰ مسند البزار: ۳۵۸۳ صحیح ابن خزیمہ: ۹۹۷۔۹۸۷۔۲۷۱۔ ۱۱۳ صحیح ابن حبان: ۱۳۰۲۔۱۳۰۱ مصنف عبد الرزاق: ۲۰۵۳۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۶۔ ج ۲ ص ۶۷ سنن دارمی: ۷۴۳ المعجم الکبیر: ۲۷۷۔۲۷۶۔ ج ۱۸ سنن بیہقی ج ۱ ص ۳۲ شرح السنۃ: ۳۱۷ مسند ابوداؤد الطیالسی: ۸۵۷ مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۵۔۴۳۴ طبع قدیم مسند احمد: ۱۹۸۹۸۔ ج ۳۳ ص ۱۳۱۔۱۲۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۸۳۸ مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۲۶ھ)

فرمایا: تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے' پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور وہ اتنی دیر ان سے غائب رہی تھی' اس کے گھر والوں نے کہا: اے فلانہ! تم اتنی دیر کہاں رکی رہی تھیں؟ اس نے کہا: بہت تعجب خیز بات ہے' مجھے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے' جس کو صابی (دین بدلنے والا) کہا جاتا ہے' اس نے اس طرح اور اس طرح کیا اور اس نے اپنی درمیان والی انگلی اور شہادت کی انگلی سے زمین اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا: وہ اس کے اور اس کے درمیان لوگوں میں سب سے بڑا جادوگر ہے یا پھر وہ ضرور اللہ کا برحق رسول ہے' اس کے بعد مسلمان اس کے اردگرد مشرکین پر حملے کرتے تھے' لیکن اس بستی پر حملہ نہیں کرتے تھے جس میں وہ عورت رہتی تھی' ایک دن اس عورت نے اپنے لوگوں سے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ مسلمان تم لوگوں کو دانستہ چھوڑ رہے ہیں' تو کیا تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی رغبت ہے؟ تو ان لوگوں نے اس عورت کی اطاعت کی اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: ''صبا'' کا معنی ہے: ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونا اور ابو العالیہ نے کہا: الصابئین' اہل کتاب کا فرقہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: تم پاک مٹی کا قصد کر لو وہ (تمہاری) طہارت کے لیے کافی ہے کیونکہ اس باب کا عنوان ہے: پاک مٹی مسلمان کا وضوء ہے' اس کو پانی سے کافی ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

(۱) مسدد بن مسرھد' ان کا تعارف ہو چکا ہے (۲) یحییٰ بن سعد القطان' بندار نے کہا: میرا گمان ہے' انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں کی (۳) عوف الاعرابی' ان کو عوف الصدوق کہا جاتا ہے (۴) ابورجاء العطاردی' ان کا نام عمران بن ملحان ہے' امام بخاری نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن تیم ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی زیارت نہیں کی' یہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے' انہوں نے ۱۲۰ سال کی عمر پائی اور ۱۰۰ھ کے بعد فوت ہوئے (۵) حضرت عمران بن حصین' یہ غزوۂ خیبر کے بعد اسلام لائے تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۸۰ احادیث روایت کی ہیں' صحیح بخاری میں ان کی ۱۲ احادیث ہیں' حضرت عمر نے ان کو بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا' فرشتے ان کو سلام کرتے تھے' یہ بصرہ میں قاضی تھے اور ۵۲ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۸)

حدیث مذکور میں جس سفر کا ذکر ہے اس کی تعیین

اس حدیث میں مذکور ہے: ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اس سفر کی تعیین میں اختلاف ہے امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔(صحیح مسلم:۶۸۰)اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے آئے پس آپ ایک جگہ ٹھہرے تو آپ نے فرمایا: ہماری (نماز کی) حفاظت کون کرے گا' تو حضرت بلال نے کہا: میں۔(سنن ابوداؤد:۴۳۵)اور امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات مکہ کے راستے سے آ رہے تھے تو آپ نے حضرت بلال کو مقرر کیا کہ وہ ان کو نماز کے لیے بیدار کر دیں' پھر حضرت بلال سو گئے اور سب مسلمان سو گئے' حتیٰ کہ سب اس وقت بیدار ہوئے' جب ان پر سورج طلوع ہو چکا تھا۔

(موطأ امام مالک:۲۶)

اس اعتراض کے متعدد جوابات کہ جب نیند میں آپ کا دل بیدار رہتا ہے تو آپ کو سورج۔۔۔۔۔۔ کے طلوع کا پتا کیوں نہیں چلا

اس حدیث میں ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے ہوتے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے! اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا' تو اس وادی میں آپ کی نیند کی کیا توجیہ کی جائے گی حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا اور نماز کا وقت گزر گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کی نیند اور قلب کی بیداری غالب اوقات میں ہے اور کبھی کبھی اس کے خلاف ہو جاتا تھا' اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے: اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر اللہ چاہتا تو ہماری روحوں کو اس وقت کے علاوہ لوٹا دیتا۔(موطأ امام مالک:۲۶)اور ''مسند احمد'' میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے: اگر اللہ ارادہ فرماتا کہ تم نہ سوؤ تو تم نہ سوتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا' یہ تمہارے بعد والوں کے لیے نمونہ ہو جائے (کہ قضاء نماز کو کس طرح ادا کیا جاتا ہے' پس اسی طرح جو شخص سو جائے یا بھول جائے' وہ بعد میں نماز پڑھ لے)۔''مسند احمد'' میں حضرت ابن عباس سے موقوفاً روایت ہے کہ مجھے اس قضاء نماز کی رخصت کے بدلہ میں دنیا اور مافیہا مل جائے تو میں اس سے خوش نہیں ہوں اور امام ابن ابی شیبہ نے مسروق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج طلوع ہونے کے بعد جو قضاء نماز پڑھی' مجھے اس رخصت کے مقابلہ میں دنیا اور مافیہا مل جائے تو وہ مجھے پسند نہیں ہے۔(تنویر الحوالک ص ۳۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی نیند ایسی نہیں ہوتی تھی کہ آپ کے قلب پر محیط اور مستغرق ہو جائے اور آپ کو وضوء ٹوٹنے کا ادراک نہ ہو' یعنی آپ کے قلب کو نیند کی حالت میں آپ کے جسم کا ادراک ہوتا تھا نہ کہ گرد و پیش کا' لہٰذا طلوع شمس کا ادراک نہ ہونا' آپ کے قلب کے بیدار رہنے کے منافی نہیں کیونکہ جس رات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر آپ کے رات کے احوال کا مشاہدہ کر رہے تھے' اس حدیث کے آخر میں ہے: حضرت ابن عباس نے کہا: آپ سو گئے' حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی' پھر نماز کی اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور وضوء نہیں کیا۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس وادی کی نیند میں صرف آپ کی آنکھوں کے سونے کا ذکر ہے اور سورج کے طلوع کا ادراک آنکھوں سے ہوتا ہے اور وہ سوئی ہوئی تھیں' اس لیے آپ کو سورج کے طلوع کا ادراک نہیں ہوا اور یہ دل کا فعل نہیں ہے' دل تو یاد الٰہی میں بیدار تھا۔

ابو عمر نے کہا: وادی میں نیند کا واقعہ ایک بار ہوا تھا' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دو بار ہوا تھا اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے

کہ یہ واقعہ تین بار ہوا تھا۔

اگر انسان کی تقصیر کے بغیر نماز قضاء ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہو گی

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی حرج نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صحابہ کی تالیف قلب اور دل جوئی کے لیے فرمایا تھا کیونکہ صحابہ کو اس پر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ نماز فجر کو اس کے وقت پر نہیں پڑھ سکے' آپ نے ان کو تسلی دی کہ انہوں نے عمداً نماز کو قضاء نہیں کیا اور نیند سے وقت پر آنکھ نہ کھلنا' انسان کے اختیار میں نہیں ہے' پس اگر کسی غیر اختیاری سبب سے انسان کی نماز قضاء ہو جائے تو اس سے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور سے تیس سے زیادہ مسائل کا استنباط

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت عمر نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگایا' اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کو ادب سے جگانا چاہیے۔

(۲) صحابہ کرام کو صبح کی نماز کے قضاء ہونے پر افسوس ہوا' اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے فوت ہونے پر افسوس ہونا چاہیے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی دل جوئی کے لیے فرمایا: کوئی حرج نہیں' اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کے قضاء ہونے میں انسان کی تقصیر نہ ہو تو پھر اس پر گرفت نہیں ہوگی۔

(۴) ایک شخص جنبی تھا' پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے غسل نہیں کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم پاک مٹی سے تیمم کر لو' اس سے معلوم ہوا کہ جنبی بھی طہارت کے لیے تیمم کر سکتا ہے' اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے' لیکن وہ اس کو اسی طرح بھول گئے' جس طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بھول گئے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر ایسے عظیم صحابی بھی بعض واقعات اور مسائل کو بھول جاتے تھے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی' اس نے بتایا کہ میں جنبی ہوں اور غسل کے لیے پانی نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جب عالم اور حاکم کوئی خلاف شرع کام دیکھے تو اس کا سبب معلوم کرے' پھر اس کا حکم اور حل بیان کرے۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو جماعت سے نماز نہ پڑھنے پر سرزنش اور ملامت نہیں کی بلکہ اس کو نرمی سے اس مسئلہ کا حل بتایا' اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے کوئی خلاف شرع کام کرے تو اس کو ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

(۷) اس واقعہ میں باجماعت نماز پڑھنے کی ترغیب اور تاکید ہے اور جو شخص جماعت سے نماز نہ پڑھے' حاکم کو چاہیے کہ وہ اس کا سبب معلوم کرے۔

(۸) جو شخص بغیر عذر کے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے' اس پر انکار اور ملامت کرنی چاہیے۔

(۹) اس سے معلوم ہوا کہ جو نماز فوت ہو جائے' اس کی قضاء کرنا واجب ہے اور اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے' کیونکہ آپ نے اس شخص کو فوراً تیمم کرنے کا حکم دیا۔

(۱۰) اس وادی میں جس جگہ نماز فجر قضاء ہوئی تھی' آپ نے فرمایا: اس جگہ شیطان کا اثر ہے اور فوراً وہاں سے روانہ ہونے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ جس شہر میں کوئی فتنہ ہو' جس سے دین اور عبادت میں خلل ہو تو اپنے دین کو بچانے کے لیے اور خود کو معصیت سے محفوظ رکھنے کے لیے اس جگہ سے نکلنا واجب ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وادی سے نکلنے کا حکم دیا اور یہ بھی معلوم

ہوا کہ جس جگہ کوئی معصیت ہوئی ہو' خواہ وہ معصیت غیر اختیاری ہو' وہاں عبادت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ نبی ﷺ نے اس وادی سے نکلنے کے بعد نماز قضاء کی۔

(۱۱) جس شخص کو یاد آ جائے کہ اس کی نماز قضاء ہوگئی ہے' اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی اصلاح کے لیے طہارت اور وضوء کرے اور اس جگہ کو تلاش کرے' جہاں نماز پڑھنے کے لیے اس کا دل مطمئن ہو' جیسا کہ شارع علیہ السلام کو جب قضاء نماز یاد آئی تو آپ وہاں سے روانہ ہوگئے اور آپ نے بھی وضوء کیا اور مسلمانوں نے بھی وضوء کیا۔

(۱۲) اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس وادی سے روانہ ہونے کے بعد نماز کے لیے اذان دی گئی' اس سے معلوم ہوا کہ قضاء نماز کے لیے اذان دینا مستحب ہے' لیکن اس کا مورد یہ ہے کہ کسی جنگل یا وادی میں نماز قضاء ہوئی ہو' اگر شہر میں نماز قضاء ہو' جیسے عموماً بعض لوگوں کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور وہ شہر میں اپنی قضاء نمازوں کے لیے اذان دیں گے تو خلافِ معمول کام دیکھ کر لوگ اس کے متعلق سوال کریں گے اور وہ بتائیں گے کہ ہماری نماز قضاء ہوگئی ہے تو اس سے معصیت کا اعلان ہوگا کیونکہ عموماً لوگوں کی اپنی تقصیر کی وجہ سے نماز قضاء ہوتی ہے اور معصیت کا اعلان کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۳) چونکہ نبی ﷺ نے اس قضاء نماز کی جماعت کرائی' اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک جماعت کی نماز قضاء ہو جائے تو وہ اس کو باجماعت ادا کریں۔

(۱۴) جب اس سفر میں لوگوں کے لیے پینے اور وضوء کے لیے پانی نہ رہا تو انہوں نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی' اس سے معلوم ہوا کہ اگر قوم کو' اس طرح کی کوئی مصیبت پہنچے تو اپنے امیر سے اس کی شکایت کرنی چاہیے اور امیر کو اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے' جس طرح آپ نے پانی کو تلاش کرنے کے لیے حضرت علی اور ایک اور شخص کو بھیجا۔

(۱۵) جو پانی ایک عورت کی ملکیت میں تھا' نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پانی پلانے کے لیے اور ان کے مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے اور مسلمانوں کے وضوء اور غسل کے لیے اس پانی کو لے لیا' اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ تمام کائنات کے مالک ہیں' جو چیز چاہیں' جس سے چاہیں بغیر کسی ظاہری عوض کے لے سکتے ہیں۔

(۱۶) نبی ﷺ نے اس عورت کو عجوہ کھجوریں' گندم' جو اور ستو وغیرہ دیئے' اس وقت وہ عورت مشرکہ تھی' اس میں مشرکہ کو ہبہ کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور چونکہ اس عورت نے پانی لینے پر کوئی انکار یا مزاحمت نہیں کی تھی اور یہ اس کی طرف سے نیکی تھی تو آپ نے اس کی نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا اور اس آیت پر عمل کیا:

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ○ (الرحمٰن:۶۰) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے ○

(۱۷) نبی ﷺ نے مسلمانوں کے پانی کی ضرورت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی کو بھیجا' اس سے معلوم ہوا کہ پیاس کا ازالہ بھی وضوء اور طہارت کی طرح اہم ہے۔

(۱۸) حضرت علی اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہما تنہائی میں اس عورت سے ملے' اس سے معلوم ہوا کہ ضرورتِ شرعیہ کی وجہ سے تنہائی میں اجنبی عورت سے ملنا جائز ہے' جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

(۱۹) آپ نے اس مشرکہ کی مشکوں سے طہارت اور پینے کے لیے پانی لیا' اس سے پتا چلا کہ مشرکوں کے برتنوں کو استعمال کرنا جائز ہے' جب کہ برتنوں میں کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔

(۲۰) ضرورتِ شرعیہ کے وقت معاوضہ دے کر حربی مشرکوں کا مال لینا جائز ہے کیونکہ آپ نے پانی کے معاوضہ میں اس عورت کو عجوہ

کھجوریں اور گندم وغیرہ دے دیئے تھے۔

(۲۱) حضرت عمر رضی اللہ نے اپنے اجتہاد سے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کیا' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کا اجتہاد کرنا جائز ہے۔

(۲۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے اس وادی سے روانہ ہونے کے بعد فجر کی قضاء نماز ادا کی' اس سے پتا چلا کہ کسی شرعی وجہ سے قضاء نماز کو تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے' جب کہ یہ تاخیر سستی' غفلت اور فوت شدہ نماز کی ادائیگی کو غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے نہ ہو۔

(۲۳) جن مشرکین سے کوئی نیکی یا کوئی فائدہ حاصل ہوا ہو ان کی رعایت اور ان کی حفاظت کرنے کا جواز' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ اس عوت کے پاس کی بستیوں پر حملہ کرتے اور اس بستی کو چھوڑ دیتے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ از خود مسلمان ہو گئے۔

(۲۴) اس حدیث کے راوی نے کہا: اللہ کی قسم! ان بڑی مشکوں سے پانی نکالا گیا اور ہمیں لگ رہا تھا کہ اس میں پہلے سے بھی زیادہ پانی ہے' اس میں یہ دلیل ہے کہ بغیر قسم طلب کرنے کے بھی قسم کھانا جائز ہے اور کسی اہم اور غیر معمولی واقعہ کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اس کو قسم کھا کر بیان کرنا جائز ہے۔

(۲۵) مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی' اس میں یہ دلیل ہے کہ جب عوام پر کوئی آفت نازل ہو تو وہ حکام سے اس کے ازالہ کے لیے کہیں۔

(۲۶) میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے آخری حصہ میں سونے سے پہلے نماز کے وقت جگانے کے لیے حضرت بلال کو مقرر کیا تھا' اس میں یہ دلیل ہے کہ جب نماز کے وقت آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو ایسا انتظام کر لیا جائے' جس سے آنکھ کھل جائے۔ (مثلاً ٹائم پیس یا موبائل فون میں الارم سیٹ کر دیا جائے۔ سعیدی غفرلہ)

(۲۷) اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء کرنا واجب ہے اور تاخیر سے قضاء ساقط نہیں ہوتی۔

(۲۸) اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ ضرورت مند اپنی ضرورت کی چیز کسی سے لے سکتا ہے' خواہ وہ دینے پر راضی ہو یا نہ ہو' بہ شرطیکہ اس کو اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہو اور اگر اس کو عام قرار دیا جائے تو پھر یہ اس صورت پر محمول ہے' جب ضرورت اضطرار کے درجہ میں ہو اور پھر معاوضہ دینا بھی ضروری نہیں ہے۔

(۲۹) علامہ عینی نے کہا ہے: بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عام لوگوں کی طرح نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور اس موقع پر اس میں یہ حکمت تھی کہ مسلمانوں کو قضاء نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے' اور میں یہ کہتا ہوں کہ دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ خواب میں اللہ تعالیٰ کے حسن کے جلووں میں محو اور مستغرق تھے' اس لیے آپ کو سورج کے طلوع ہونے اور نماز کے قضاء ہونے کا پتا نہیں چل سکا اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی یہ نماز صورۃً قضاء تھی' حقیقۃً ادا تھی' کیونکہ آپ کو اس دن کی نماز اسی وقت میں ادا کرنے کا حکم تھا' قرآن مجید میں ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ. (یونس:۱۵) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں' جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

سو آپ کا کوئی فعل اتباع وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور اس دن آپ کا نماز فجر کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا' یہ بھی وحی کے مطابق تھا' سو آپ نے اس دن نماز فجر اپنے وقت میں پڑھی تھی' یہ ادا تھی' قضاء نہیں تھی۔ (سعیدی غفرلہ)

(۳۰) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دنوں کا تعین کیے بغیر بھی سفر کرنا جائز ہے۔

(۳۱) اس حدیث میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر عظیم معجزہ اور دلیل ہے کیونکہ ان مشکوں سے مسلمانوں نے پانی لے کر اپنے برتنوں میں بھر لیا' وضوء کیا اور جنبی نے غسل کیا' مسلمانوں نے خود پانی پیا اور اپنے مویشیوں کو پانی پلایا اور وہ مشکیں پانی سے اسی طرح بھری رہیں' جس طرح پہلے بھری ہوئی تھیں' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ ان مسلمانوں کی تعداد چالیس تھی' اس عورت کے پانی میں کسی چیز کو ملایا نہیں گیا' پھر ان مشکوں سے اتنا پانی نکالنے کے باوجود اس پانی کا پہلے سے زیادہ ہونا' اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا فعل تھا اور رسول اللہ ﷺ کا بہت حیرت انگیز معجزہ تھا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۶۷۷)

(۳۲) اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں سب مسلمانوں سے زیادہ سخت اور قوی تھے۔

(۳۳) جب مسلمان کفار پر غلبہ پالیں تو صرف غلبہ پانے سے ہی کفار کے مرد مسلمانوں کے غلام اور ان کی عورتیں مسلمانوں کی باندیاں ہو جاتی ہیں' سو وہ عورت بھی مسلمانوں کی باندی ہو گئی تھی' پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور کھانا وغیرہ دے کر رخصت کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ساتھ آپ کا یہ حسن سلوک اس کے اور اس کے گھر کے دیگر افراد کے بہ طیب خاطر اسلام قبول کرنے کا باعث بنا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس عورت کو اس سے پہلے امان دے دی ہو یا وہ عورت ان لوگوں میں سے ہو' جن سے آپ نے اس سے پہلے معاہدہ کر لیا تھا۔

(۳۴) جب وہ عورت امان یا معاہدۂ امن میں تھی تو پھر آپ نے اس کے پانی میں تصرف کر کے اس کا پانی کیوں لیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو پانی کی ضرورت تھی اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام مباح ہو جاتے ہیں۔

(۳۵) نبی ﷺ نے اس وادی سے بدشگونی لی کہ وہاں شیطان کا اثر ہے اور اس وادی سے نکلنے کا حکم دیا' حالانکہ آپ نے بدفالی لینے سے منع فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بدفالی یا بدشگونی نہیں تھی' بلکہ آپ نے نور نبوت سے جان لیا تھا کہ اس وادی میں شیطان کا اثر ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ جس جگہ کوئی معصیت ہوئی ہو' خواہ غیر ارادی ہو' اس جگہ عبادت نہیں کرنی چاہیے' اس لیے اگر کسی وادی میں مسلمانوں سے کوئی نماز فوت ہو جائے تو وہ اس وادی سے نکلنے کے بعد اس نماز کو قضاء کریں اور ایک قول یہ ہے کہ اس وادی سے نکل کر دوسری جگہ نماز پڑھنا صرف نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔

الصابئین کے معنی میں اختلاف اور البقرہ: ۶۲ کی تفسیر

امام بخاری نے کہا ہے کہ صابی اس کو کہتے ہیں' جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے اور ابو العالیہ نے کہا: الصابئین' اہل کتاب کا فرقہ ہے' جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: صابئین کی تفسیر میں اختلاف ہے' مجاہد نے کہا: وہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہیں' ان کا کوئی دین نہیں ہے' ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا اور ابن زید نے کہا: الصابئون کا اہل ادیان میں سے ایک دین ہے' وہ جزیرہ الموصل کے رہنے والے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں' ان کا کوئی عمل نہیں ہے' ان کے پاس کتاب ہے نہ نبوت ہے اور وہ نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور حسن بصری سے روایت ہے کہ زیاد نے خبر دی کہ الصابئون قبلہ کی طرف منہ کر کے پانچ نمازیں پڑھتے ہیں' انہوں نے ان پر جزیہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا' پھر ان کو خبر دی گئی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ البقرہ: ۶۲ میں ان کا ذکر ہے' ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے جو ایمان لائے' وہ منافق تھے' انہوں نے ایمان کو ظاہر کیا اور ان کے دل میں کفر تھا' اور جو یہودی ہیں' انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو تبدیل کر لیا' اور نصاریٰ کافر ہیں' انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا اور الصابئون بھی کافر ہیں' وہ حق کے مخالف ہیں' اور البقرہ: ۶۲

کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ان الذین امنوا" سے مراد وہ لوگ ہیں' جو برحق مؤمن ہیں" "والذین ھادوا" سے مراد وہ یہود ہیں' جنہوں نے دین میں تغیر کرنے سے توبہ کر لی یا تغیر نہیں کیا اور" والنصاری" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار ہیں اور "الصابئون" سے مراد وہ لوگ ہیں' جو باطل سے نکل کر حق کی طرف آ گئے اور "من امن باللّٰہ" کا معنی ہے: جو ان میں سے اللہ پر ایمان رکھنے میں دائم رہے' پس ان ہی کے لیے اجر ہے اور پوری آیت کا معنی اس طرح ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (البقرۃ:۶۲)

بے شک جو لوگ برحق مؤمن ہیں اور جن یہودیوں نے دین میں تغیر نہیں کیا اور انصار عیسیٰ اور باطل سے حق کی طرف نکلنے والے' ان میں سے جس کا بھی دائماً اللہ پر ایمان رہا اور اس نے نیک عمل کیے' سو ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے○

علامہ نسفی نے "الصابئین" کے متعلق کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: وہ نبی پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے پاس کتاب ہے' ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ حلال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے: وہ ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں' ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۹ ۴۔ ۴ ۷ ملخصاً و مزیداً و مخرجاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح' شرح صحیح مسلم میں

حدیث مذکور شرح صحیح مسلم: ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۰۔ ج ۲ ص ۳۴۰۔ ۳۳۶ پر مذکور ہے' اور اس کی شرح کے حسب ذیل عنوانات ہیں:
(۱) قلب رسالت کے بیدار رہنے کی تحقیق (۲) واقعہ تعریس کی تعداد (۳) آثار شر اور خیر کے ثمرات اور اوقات منہیہ میں مذاہب (۴) احادیث میں تطبیق (۵) قضاء نمازوں کی اذان میں مذاہب (۶) حضور سے نماز فجر قضاء ہونے کی وجوہات (۷) مقام مصطفیٰ (۸) سنتوں کی قضاء میں مذاہب ائمہ (۹) ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب (۱۰) احناف کی دلیل (۱۱) علم رسالت (۱۲) دلائل الوہیت و نبوت (۱۳) بعض شارحین کا تسامح (۱۴) کثیر نمازوں کی قضاء کا طریقہ (۱۵) قضاء عمری (۱۶) مزید مسائل۔

نوٹ: یہ شرح ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۷- بَابُ اِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلٰی نَفْسِهٖ الْمَرَضَ اَوِ الْمَوْتَ' اَوْ خَافَ الْعَطَشَ' تَیَمَّمَ

جب جنبی کو اپنے نفس پر مرض یا موت کا خطرہ ہو یا انسان کو پیاس کا خوف ہو تو وہ تیمم کر لے

اس عنوان کے تحت تین مسائل ہیں:

(۱) جب جنبی کو اپنے نفس کے اوپر غسل سے مرض کا خوف ہو تو پانی حاصل ہونے کے باوجود اس کے لیے تیمم کرنا مباح ہے' امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اگر مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہو' تب بھی وہ تیمم کر سکتا ہے اور امام مالک سے ایک روایت ممانعت کی ہے۔ عطاء اور حسن بصری نے کہا ہے: اس کے لیے تیمم کرنا بالکل جائز نہیں ہے اور طاؤس نے اس کو مکروہ کہا ہے' جب پانی نہ ہو تو پھر وہ تیمم کر سکتا ہے اور جب پانی موجود ہو تو پھر تیمم نہیں کر سکتا' امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی

یہی قول ہے۔

(۲) جب جنبی کو اپنے نفس پر غسل کرنے سے موت کا خطرہ ہو تو پھر اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے" فتاویٰ قاضی خاں" میں مذکور ہے کہ جب جنبی شہر میں ہو اور تندرست ہو اور سردی کی وجہ سے غسل کرنے سے اس کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے' اور مسافر کو جب غسل کرنے سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا بالاتفاق جائز ہے اور جو شخص شہر میں بے وضوء ہو تو امام ابوحنیفہ کے قول کی تخریج میں اختلاف ہے۔ شیخ الاسلام سرخسی نے اس کو جائز کہا ہے اور الحلوانی نے ناجائز کہا ہے۔

(۳) جب کسی شخص کو اپنے نفس پر پیاس کا خوف ہو تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے یا اس کو اپنے ساتھی یا اپنی سواری پر پیاس کا خوف ہو' پھر بھی اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور" شرح الوجیز" میں مذکور ہے: اگر کسی شخص کو اپنی جان یا مال پر درندے یا چور کا خطرہ ہو' وہ بھی تیمم کر سکتا ہے' اگر اس کو اس وقت پیاس لگی ہو یا پیاس کی توقع ہو' خواہ اپنے لیے یا اپنے رفیق کے لیے یا کسی ایسے جانور کے لیے جس کی شرعاً مذمت نہیں ہے' پھر بھی وہ تیمم کر سکتا ہے' اور" مغنی ابن قدامہ" میں مذکور ہے کہ اگر پانی فساق (غنڈوں) کے پاس ہو اور عورت کو خطرہ ہو کہ اگر وہ پانی لینے گئی تو وہ اس کی آبروریزی کریں گے تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔

اس باب کی بابِ سابق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ تمام ابواب تیمم کے احکام سے متعلق ہیں۔

وَيُذْكَرُ اَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ اَجْنَبَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ' فَتَيَمَّمَ وَ تَلَا ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء:۲۹)' فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْهُ.

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ سردی کی ایک رات میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنبی ہو گئے' انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی: "اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے" (النساء:۲۹)۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔

حضرت عمرو بن العاص کے غسل کے بجائے تیمم کرنے کی تفصیل اور اس حدیث کی تشریح

حضرت عمرو بن العاص القریشی السہمی ابوعبداللہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح مکہ سے آٹھ سال پہلے حاضر ہوئے تھے' وہ قریش کے زاہدین میں سے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عمان کا حاکم بنایا' وہ وہاں حکومت کرتے رہے' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا' ان سے ۳۷ احادیث مروی ہیں' جن میں سے امام بخاری نے ۳ احادیث روایت کی ہیں' یہ ۴۳ھ میں عید الفطر کے دن مصر میں فوت ہوئے اور یہ اس وقت وہیں پر حکمران تھے' ان کے بیٹے حضرت عبداللہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی' پھر انہوں نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی' اس حدیث کو امام ابوداؤد نے موصولاً روایت کیا ہے:

عبد الرحمان بن جبیر' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: غزوہ ذات السلاسل میں سردی کی ایک رات میں' میں جنبی ہو گیا' مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا' پس میں نے تیمم کر لیا' پھر میں نے اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھائی' پھر لوگوں نے اس واقعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اے عمرو! تم نے اپنے اصحاب کو اس حال میں نماز پڑھا دی کہ تم جنبی تھے' پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کس چیز نے مجھے غسل سے روک دیا تھا اور میں نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۝ (النساء:۲۹)

تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۝ (سنن ابوداؤد:۳۳۴)

امام ابوداؤد اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

ذات السلاسل وادی القریٰ کے پیچھے ہے اور یہ مدینہ منورہ سے دس دن کی مسافت پر ہے' سلسل کا معنی جذام ہے اور یہ جگہ جذام کی سرزمین ہے' اس لیے اس کو ذات السلاسل کہتے ہیں' یہ غزوہ جمادی الاوّل ۸ ہجری میں ہوا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سردی کی وجہ سے حالت جنابت میں تیمم کرنے پر ملامت نہیں کی اور آپ نے ان کے اس عمل کو مقرر اور ثابت رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس تیمم کے ساتھ جو نماز پڑھائی تھی' اس کا اعادہ نہیں ہوگا اور یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے' جو اس تیمم کے ساتھ نماز کو واجب الاعادہ قرار دیتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو وضوء کرنے میں ہلاکت کا خطرہ ہو' وہ تیمم کر سکتا ہے' خواہ سخت سردی کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو یا کسی اور وجہ سے خواہ وہ سفر میں ہو یا شہر میں ہو' خواہ وہ جنبی ہو یا بے وضوء ہو' اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اجتہاد کرتے تھے' اس کی تائید میں درج ذیل حدیث ہے:

باب کے عنوان کی تائید میں ایک اور حدیث اور اس کی تشریح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے' ایک شخص ہمارے ساتھ تھا' اس کے سر پر پتھر آ کر لگا' جس نے اس کا سر پھاڑ دیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کیا تم میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت پاتے ہو' انہوں نے کہا: ہم تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں پاتے' تم پانی کے استعمال پر قادر ہو' اس نے غسل کیا پس وہ فوت ہو گیا' پھر جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو اس حادثہ کی خبر دی گئی' آپ نے فرمایا: انہوں نے اس کو قتل کر دیا' اللہ ان کو قتل کرے' ان کو جب اس مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے کسی سے سوال کیوں نہیں کیا کیونکہ لاعلمی کی شفاء سوال کرنا ہے' اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا' یا وہ اپنے زخم پر کوئی کپڑا رکھ کر پٹی باندھ لیتا' پھر اس پر مسح کر لیتا اور باقی جسم پر پانی بہا لیتا۔ (سنن ابوداؤد:۳۳۶)

امام ابوداؤد اس حدیث کی روایت میں بھی منفرد ہیں۔

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اجتہاد پر دلیل ہے اور یہ کہ صحابہ کرام کو بعض اوقات اجتہاد میں خطاء ہو جاتی تھی اور یہ کہ مفتی اپنے اجتہاد سے فتویٰ دے اور اس پر عمل کر کے کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو مفتی پر اس کی دیت یا قصاص نہیں ہے' نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف امراض میں پرہیز کرنا واجب ہے۔

اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب جنبی کو غسل کرنے سے جان کا خطرہ ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے' اور یہ امام بخاری کے عنوان پر دوسری حدیث سے استدلال ہے۔

۳۴۵- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ' هُوَ غُنْدَرٌ' عَنْ شُعْبَةَ' عَنْ سُلَيْمَانَ ' عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ قَالَ اَبُوْمُوْسٰى لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ لَا يُصَلِّيْ؟ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ رَخَّصْتُ لَهُمْ فِيْ هٰذَا' كَانَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُهُمُ الْبَرْدَ قَالَ هٰكَذَا' يَعْنِيْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی' وہ غندر ہیں از شعبہ از سلیمان از ابی وائل' انہوں نے کہا: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: جب کوئی شخص پانی نہ پائے تو وہ نماز نہ پڑھے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: اگر

تَيَمَّمَ ، وَصَلَّى. قَالَ قُلْتُ فَاَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ؟ قَالَ اِنِّي لَمْ اَرَ عُمَرَ قَنِعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.

(جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۲۶۴)

میں ان کو اس کی اجازت دوں تو جس کو ذرا سی بھی سردی لگے گی وہ اس طرح کرے گا یعنی تیمم کرے گا اور نماز پڑھ لے گا۔ حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں: میں نے کہا: پھر حضرت عمار نے جو حضرت عمر سے کہا تھا اس کی کیا توجیہ ہوگی؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: میں نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر' حضرت عمار کے قول سے مطمئن ہوئے ہوں۔

اس حدیث کی شرح' صحیح البخاری: ۳۳۸ میں گزر چکی ہے' وہاں اس کا عنوان تھا: آیا تیمم میں ہاتھوں پر پھونک ماری جائے گی؟ اور یہاں اس کا عنوان ہے: جب جنبی کو اپنے آپ پر مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہو یا کسی شخص کو پیاس کا خوف ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت اس جملہ میں ہے: یعنی وہ تیمم کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

اس حدیث کے تمام رجال کا تعارف ہو چکا ہے۔

۳٤٦- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِي عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ شَقِيْقَ بْنَ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبِي مُوْسٰى ، فَقَالَ لَهُ اَبُوْمُوْسٰى اَرَاَيْتَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، اِذَا اَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً ، كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يُصَلِّيْ حَتّٰى يَجِدَ الْمَاءَ. فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِيْنَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيْكَ؟ قَالَ اَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذٰلِكَ؟ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ ، كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ ؟ فَمَا دَرٰى عَبْدُ اللّٰهِ مَا يَقُوْلُ فَقَالَ اِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِيْ هٰذَا ، لَاَوْشَكَ اِذَا بَرَدَ عَلٰى اَحَدِهِمُ الْمَاءُ اَنْ يَدَعَهُ وَيَتَيَمَّمَ. فَقُلْتُ لِشَقِيْقٍ فَاِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللّٰهِ لِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ .

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی' از الاعمش' انہوں نے کہا: میں نے شقیق بن سلمہ سے سنا' انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے پاس تھا' حضرت ابوموسیٰ نے حضرت ابن مسعود سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! جب ایک آدمی جنبی ہو جائے اور وہ پانی نہ پائے تو وہ کیا کرے؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ وہ پانی پالے' حضرت ابوموسیٰ نے کہا: پھر آپ حضرت عمار کی اس حدیث کی کیا توجیہ کریں گے' جب ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی تھا؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر اس حدیث سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا: اچھا! حضرت عمار کی حدیث کو چھوڑیں' یہ بتائیں کہ آپ اس آیت تیمم کا کیا جواب دیں گے؟ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود کی سمجھ میں نہیں آیا' وہ کیا جواب دیں۔ تب انہوں نے کہا: بے شک اگر ہم اس صورت میں لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دیں تو قریب ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ پانی کو چھوڑ کر تیمم کرے گا۔ اعمش کہتے ہیں: میں نے شقیق سے کہا: کیا حضرت ابن مسعود صرف اس وجہ سے جنبی کے لیے تیمم کو مکروہ کہتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں!

۸- بَابٌ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

تیمّم میں ایک ضرب ہے

۳۴۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ، فَقَالَ لَهٗ اَبُوْمُوْسٰى لَوْ اَنَّ رَجُلًا اَجْنَبَ، فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، اَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّيْ؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (المائدہ: ٦)؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِيْ هٰذَا، لَاَوْشَكُوْا اِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ اَنْ يَّتَيَمَّمُوا الصَّعِيْدَ. قُلْتُ وَاِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا؟ قَالَ نَعَمْ. فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ، فَاَجْنَبْتُ فَلَمْ اَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيْدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ اَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا. فَضَرَبَ بِكَفِّهٖ ضَرْبَةً عَلَى الْاَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهٖ بِشِمَالِهٖ، اَوْظَهْرَ شِمَالِهٖ بِكَفِّهٖ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا؟

امام بخاری روایت کرتے ہیں' ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی از الاعمش از شقیق' انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' پس حضرت عبداللہ سے حضرت ابوموسیٰ نے کہا: اگر کوئی شخص جنبی ہو جائے اور اس کو ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم کر کے نماز پڑھے؟ پس آپ سورۂ مائدہ کی اس آیت کا کیا جواب دیں گے: ''پس تم پانی کو نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو'' (المائدہ:٦)' حضرت عبداللہ نے کہا: اگر ان کے لیے اس صورت میں تیمم کی اجازت دے دی جائے تو عنقریب جن کو پانی ٹھنڈا لگے گا' وہ (پاک) مٹی سے تیمم کر لیں گے' میں نے کہا: آپ اس وجہ سے تیمم کو ناپسند کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں' پھر حضرت ابوموسیٰ نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا کہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا' سو میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا تو میں مٹی میں اس طرح لوٹ پوٹ ہو گیا' جس طرح چوپایہ لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے' پھر میں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کرتے' آپ نے اپنی ہتھیلی کو ایک بار زمین پر مارا' پھر اس کو جھاڑا' پھر بائیں ہاتھ سے ہتھیلی کی پشت پر مسح کیا' یا فرمایا: بائیں ہاتھ کی پشت پر ہتھیلی سے مسح کیا' پھر دونوں ہتھیلیوں سے چہرے پر مسح کیا' حضرت عبداللہ نے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر' حضرت عمار کے قول سے مطمئن نہیں ہوئے تھے رضی اللہ عنہما؟

وَزَادَ يَعْلٰى عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبِيْ مُوْسٰى، فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِيْ اَنَا وَاَنْتَ فَاَجْنَبْتُ، فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيْدِ، فَاَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا. وَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً؟

یعلیٰ نے از الاعمش از شقیق یہ اضافہ کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ اور حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ تھا' حضرت ابوموسیٰ نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا' حضرت عمار نے حضرت عمر سے کہا تھا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور آپ کو بھیجا' پس میں جنبی ہو گیا تو میں نے زمین میں پاک مٹی پر لوٹ لگائی' پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تمہیں اس طرح کافی تھا اور آپ نے چہرے اور ہتھیلیوں پر

(جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۶۶۴ مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۲۶ھ) ایک بار مسح کیا۔

صحابہ کرام کا مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود باہمی تعظیم وتکریم کو قائم رکھنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں بھی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا اور وہ اس پر بحث بھی کرتے تھے لیکن باہمی ادب و احترام میں فرق نہیں آنے دیتے تھے اور ذاتیات پر نہیں اتر آتے تھے اگر آج یہ اختلاف ہوتا' ایک عالم کہتا: جنبی کے لیے تیمم جائز ہے اور دوسرا منع کرتا' تو مجوز فوراً مانع پر فتویٰ لگا دیتا کہ یہ شخص قرآن مجید کی اس آیت کا منکر ہے:

اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (المائدہ:۶) یا تم عورتوں سے جماع کرلو پس تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو۔

اور قرآن مجید کا انکار کفر ہے' سو یہ شخص کافر ہے۔

اور مانع مجوز پر یہ فتویٰ لگاتا کہ یہ شخص درج ذیل آیت کا منکر ہے:

اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدہ:۶) اگر تم جنبی ہو تو غسل کرو۔

اور قرآن مجید کا انکار کفر ہے' سو یہ شخص کافر ہے۔

یوں ایک دوسرے کی تکفیر کی جاتی اور دونوں طرف سے رسالے لکھے جاتے اور خوب ایک دوسرے پر تبرا بازی کی جاتی۔ اس کے برخلاف صحابہ کرام کی وسعت ظرف اور باہمی احترام کا حال یہ تھا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی پیش کردہ حدیث سے مطمئن نہیں ہوئے تو حضرت عمر نے حضرت عمار سے کہا: اے عمار! آپ اللہ سے ڈریں' حضرت عمار نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ چاہیں تو اللہ کی قسم! میں کبھی بھی اس حدیث کا ذکر نہیں کروں گا' حضرت عمر نے فرمایا: ہرگز نہیں! ہم ضرور آپ کو آپ کے مؤقف پر قائم رکھیں گے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۲' سنن نسائی: ۳۱۱)

اس حدیث سے مناظرہ کا طریقہ معلوم ہوا کہ مناظرہ میں ایک فریق جب ایک دلیل سے دوسرے کے موقف کو تسلیم نہ کرے تو دوسرا فریق اس سے قوی دلیل پیش کرے' پس جب حضرت ابن مسعود نے حضرت عمار کی حدیث کو مسترد کر دیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے قرآن مجید کی آیت تیمم سے استدلال کیا اور حضرت ابن مسعود لاجواب ہو گئے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ ہوا تو انہوں نے توحید پر دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ. (البقرہ:۲۵۸) میرا رب وہ ہے' جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود نے زندہ کرنے اور مارنے کا معنی نہیں سمجھا اور قید خانے سے اُس شخص کو رہا کر دیا' جسے پھانسی دینی تھی اور ایک بے قصور شخص کو پھانسی دے دی' پھر کہا:

اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ. (البقرہ:۲۵۸) میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص زندہ کرنے اور مارنے کے معنی کو نہیں سمجھا تو آپ نے دوسری دلیل پیش کی:

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ. (البقرہ:۲۵۸) پس بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال دے۔

یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو جس معروف جانب سے طلوع کرتا ہے تو سورج کو اس کی مخالف جانب سے طلوع کر کے دکھا' نمرود سے اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا اور وہ حیران اور ششدر ہو کر ساکت ہو گیا' اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جب آیت تیمم سے

استدلال کیا تو حضرت ابن مسعود لاجواب ہو گئے۔

امام ترمذی اور امام ابن ابی شیبہ نے تصریح کی ہے کہ بعد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔
(سنن ترمذی ص ۷۰ 'دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۶۹) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ نووی اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۴۶۹ ' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ' عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اور اہل حق کی یہی شان ہے کہ جب ان پر حق واضح ہو جائے تو وہ رجوع کر لیتے ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ کو بھی چند عبارات کو تبدیل کرنے کی توفیق دی ہے۔

الحمد لله علىٰ ذالك حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه كما يحب ربنا ويرضى.

۹- بَابٌ
باب

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا اور جس باب کا کوئی عنوان نہ ہو' وہ گزشتہ ابواب کے ساتھ لاحق ہوتا ہے' سو یہ باب بھی گزشتہ ابواب کے ساتھ لاحق ہے۔

۳۴۸- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ اَبِيْ رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنِ الْخُزَاعِيُّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا مُعْتَزِلًا ، لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ ، فَقَالَ يَا فُلَانُ ، مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ ؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ ، قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ ، فَاِنَّهُ يَكْفِيْكَ .

(جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۸۳۸ 'مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی' انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے خبر دی از ابی رجاء' انہوں نے کہا: ہمیں عمران بن الحصین الخزاعی نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا' وہ الگ کھڑا ہوا تھا' اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی' آپ نے فرمایا: اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا؟ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں جنبی ہو چکا ہوں اور پانی نہیں ہے' آپ نے فرمایا: تم پاک مٹی کو لازم کر لو (اس سے تیمم کرو) وہ تمہیں کافی ہے۔

یہ حدیث اس طویل حدیث کا ایک قطعہ ہے' جس کو امام بخاری نے صحیح البخاری: ۳۴۴ میں روایت کیا ہے' اس کی مفصل شرح وہاں گزر چکی ہے۔ یہ ''کتاب التیمم'' کی آخری حدیث ہے اور ہم ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' کی جلد اوّل میں یہیں تک احادیث لانا چاہتے تھے' اب نعمۃ الباری کی جلد ثانی ان شاء اللہ ''کتاب الصلوٰۃ'' سے شروع ہو گی۔

''کتاب التیمم'' کی تکمیل اور ''نعمۃ الباری'' کی جلد اوّل کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۵ رجب ۱۴۲۷ھ/ یکم اگست ۲۰۰۶ء بہ روز منگل بعد نماز فجر ''کتاب التیمم'' کی تکمیل ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی ''نعمۃ الباری'' کی جلد اوّل کی تکمیل بھی ہو گئی۔ الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے اس جلد کی تکمیل کرا دی ہے' اس کی باقی جلدوں کو بھی مکمل کرا دیں (آمین)۔ ۱۳ ذوالحج ۱۴۲۶ھ بہ روز جمعہ ''نعمۃ الباری'' کی تصنیف کا آغاز کیا تھا' اس طرح تقریباً سات ماہ اور بیس دنوں میں یہ جلد مکمل ہو گئی' میں جب سے لکھ رہا ہوں' یہ جلد سب سے کم عرصہ میں مکمل ہوئی ہے' کیونکہ میں نے اس کو بہت سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ لکھا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ اب میرے پاس زندگی کا بہت کم وقت رہ گیا ہے'

اب میری عمر چاند کے حساب سے ۷۱ سال ہو چکی ہے' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جتنی بھی عمر باقی ہے' اس میں زیادہ سے زیادہ اس شرح پر کام کرلوں اور اللہ کے فضل سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس شرح کو مکمل کرا دے' اللہ تعالیٰ اس شرح کو قبول فرمائے اور اس کو تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول اور مفید بنا دے' میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب کی' اس کتاب کے ناشر کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین و الصلٰوۃ و السلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین
قائد المرسلین وعلٰی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریاتہ و امتہ اجمعین.

❁❁❁❁❁

نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری' جلداوّل کی ڈائری

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعدادِ حدیث
۱۸ جنوری ۲۰۰۶ء	۲۷ ذوالحج ۱۴۲۶	جمعہ			
یکم فروری ۲۰۰۶ء	۲ محرم ۱۴۲۷ھ	بدھ	۲۸	۲۸	۴
یکم مارچ ۲۰۰۶ء	۳۰ محرم ۱۴۲۷ھ	بدھ	۹۰	۱۱۸	۴۱
یکم اپریل ۲۰۰۶ء	۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ	ہفتہ	۱۱۰	۲۱۸	۸۶
یکم مئی ۲۰۰۶ء	۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ	پیر	۱۰۷	۳۲۵	۱۲۴
یکم جون ۲۰۰۶ء	۴ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ	جمعرات	۹۳	۴۱۸	۱۶۶
یکم جولائی ۲۰۰۶ء	۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ	ہفتہ	۱۰۹	۵۲۷	۲۳۷
یکم اگست ۲۰۰۶ء	۵ رجب ۱۴۲۷ھ	منگل	۱۶۳	۶۹۰	۳۴۸
۹ اگست ۲۰۰۶ء	۱۳ رجب ۱۴۲۷ھ	مقدمہ نعمۃ الباری	۶۴	۷۵۴	۷

❁❁❁❁❁

ماخذ ومراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت
۷- امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد الجارود' المتوفی ۲۰۴ھ' مسند ابوداؤد الطیالسی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ
۱۲- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۳- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' مصنف عبدالرزاق' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۴- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت
۱۵- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۶- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دارالوطن' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' مصنف ابن ابی شیبہ' مطبوعہ مجلس علمی' بیروت' ۱۴۲۷ھ
۱۸- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' عالم الکتب' بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۰- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ دارارقم' بیروت
۲۱- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۲۲- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ
۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ' دارالجیل' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۴- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۵- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۲۶- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دارالجیل' بیروت' ۱۹۹۸ء
۲۷- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ
۲۸- امام علی بن عمر دارقطنی' متوفی ۲۸۵ھ' سنن دارقطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۹- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحادوالمثانی' مطبوعہ دارالرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ
۳۰- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحرالزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت
۳۱- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۳۲- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۳- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳' سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۴- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۵- امام احمد بن علی المثنی التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دارالمامون التراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۶- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ' المنتقیٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۷- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۵ھ
۳۸- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ
۳۹- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ' ریاض' ۱۴۲۰ھ
۴۰- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۴ھ
۴۱- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' مسند الامام الطحاوی' مطبوعہ مکتبۃ الحرمین' الدبئ' ۱۴۲۶ھ
۴۲- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۳- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۴۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ
۴۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ
۴۶- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت
۴۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' المتوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' دارالکتب العلمیہ' بیروت

۱۴۱۲ھ
۴۸- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۴۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۵۰- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۵۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت
۵۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۵۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۵۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۵۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ
۵۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۶ھ
۵۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبہ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۵۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ
۶۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ' الجامع لشعب الایمان' مطبوعہ مکتبہ الرشد' ریاض' ۱۴۲۳ھ
۶۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۶۲- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۳- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' التوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۴- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۶۵- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ
۶۶- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۶۷- امام ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' جامع المسانید' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۶ھ
۶۸- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۹- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' التوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۰- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دار البخاری' مدینہ منورہ
۷۱- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دار ارقم' بیروت

۷۲- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ

۷۳- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ

۷۴- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ

۷۵- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ

۷۶- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان

۷۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ

۷۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ

۷۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ

۸۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۴۱۴ھ

۸۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دارابن حزم' بیروت' ۱۴۱۴ھ

۸۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ

۸۳- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۸۴- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ' بیروت

کتب تفاسیر

۸۵- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دارالفکر' بیروت

۸۶- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ

۸۷- امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی' متوفی ۳۳۳ھ' تاویلات اہل السنۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ

۸۸- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۸۹- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۹۰- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۹۱- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع' مصر

۹۲- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ' پشاور

۹۳- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ

۹۴- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۹۵- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی' لاہور

۹۶- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ وشیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور

کتب شروح حدیث

۹۷- ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ، معالم السنن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ

۹۸- ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ، اعلام السنن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ

۹۹- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی اندلسی متوفی ۴۴۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبہ الرشید، ریاض، ۱۴۲۰ھ

۱۰۰- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۱۰۱- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۰۲- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفا، بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۰۳- علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ

۱۰۴- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۰۵- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن التورپشتی، متوفی ۶۶۱ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ، ۱۴۲۲ھ

۱۰۶- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۰۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۰۸- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ

۱۰۹- علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی ۷۹۵ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض، ۱۴۱۷ھ

۱۱۰- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۱- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۱۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار، دار ابن کثیر، بیروت

۱۱۳- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ

۱۱۴- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ مکتبہ الرشید، ریاض، ۱۴۲۰ھ

۱۱۵- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۰۶ھ

۱۱۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۱۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۲ھ

۱۱۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تنویر الحوالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۲۰- علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ، تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۲۱- علامہ عبد الروف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۱۲۲- علامہ عبد الروف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی
۱۲۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی
۱۲۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، مکتبہ حقانیہ پشاور
۱۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۲۷- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۱۲۸- علامہ محمد التاوٗدی، التوفی ۱۲۰۹ھ، حاشیۃ التاوٗدی علی صحیح البخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۲۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ
۱۳۰- نواب صدیق حسن خان، متوفی ۱۳۰۷ھ، عون الباری، مطبوعہ دار الرشید، حلب، سوریا
۱۳۱- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی
۱۳۲- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۳۳- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۲۸ھ، تیسیر الباری، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور
۱۳۴- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی، مصر، ۱۳۵۷ھ
۱۳۵- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز، کراچی
۱۳۶- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی، اوجز المسالک الی موطا مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۳۷- شیخ محمد تقی عثمانی، انعام الباری، مطبوعہ مکتبۃ الحراء، کراچی
۱۳۸- شیخ سلیم اللہ خان، کشف الباری، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۱۳۹- نبیل بن منصور (ابھی حیات ہیں) انیس الساری، مطبوعہ موسسۃ الریان، کویت

کتب اسماء الرجال

۱۴۰- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۴۱- امام احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، منھج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، دار الاحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۴۲- امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۴۳- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی، متوفی ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۴۴- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۴۵- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، التوفی ۷۴۸ھ، الکاشف، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۴۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۱۴۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۱۴۸- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۴۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۵۰- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ
۱۵۱- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۵۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی
۱۵۳- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء و مزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی' دمشق

کتب لغت

۱۵۴- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ' ایران' ۱۴۱۴ھ
۱۵۵- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۵۶- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۱۵۷- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۵۸- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۵۹- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبد القادر رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۱۶۱- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۱۶۲- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۱۶۳- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ
۱۶۴- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر
۱۶۵- لوئیس معلوف الیسوعی' متوفی ۱۸۶۷ء' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۱۶۶- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور
۱۶۷- قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۱۶۸- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۹- امام ابوسعید عبد الملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ' شرف المصطفیٰ' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۴ھ
۱۷۰- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم' بیروت

۱۷۱- حافظ ابوعمر و یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ الاستیعاب مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۷۲- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ الشفاء مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۷۳- علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ الوفاء مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۱۷۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ اسد الغابہ مطبوعہ دارالفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۷۵- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ الکامل فی التاریخ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۷۶- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۱۷۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ
۱۷۸- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ زاد المعاد مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۷۹- علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ طبقات الشافعیہ الکبریٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۸۰- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ البدایہ والنہایہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
۱۸۱- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ الاصابہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۸۲- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی ۹۱۱ھ وفاء الوفاء مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ
۱۸۳- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ المواہب اللدنیہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۱۸۴- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ سبل الہدیٰ والرشاد مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۸۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح الشفاء مطبوعہ دارالفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۸۶- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض مطبوعہ دارالفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۸۷- علامہ محمد عبدالباقی زُرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح المواہب اللدنیہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۳ھ

کتب فقہ حنفی

۱۸۸- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ المبسوط مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۸۹- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ شرح سیر کبیر مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ
۱۹۰- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۱۹۱- علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۱۹۲- علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ شرح الزیادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۶ھ
۱۹۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ ہدایہ اولین وآخرین مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۱۹۴- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ المحیط البرہانی مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۲۴ھ
۱۹۵- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ تبیین الحقائق مطبوعہ ایچ-ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۲۱ھ

۱۹۶- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۹۷- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ
۱۹۸- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۹۹- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ' غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ
۲۰۰- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ
۲۰۱- ملا بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' فتح باب العنایۃ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۲۰۲- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ۱۰۸۸ھ' الدرالمختار' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت
۲۰۳- ملا نظام الدین' متوفی ۱۱۶۱ھ' فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ
۲۰۴- علامہ احمد بن محمد طحطاوی' متوفی ۱۲۳۱ھ' حاشیۃ الطحطاوی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۰۵- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' منحۃ الخالق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ
۲۰۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ' مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی' کوئٹہ
۲۰۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' رسائل ابن عابدین' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۳۹۶ھ
۲۰۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' ردالمحتار' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' ۱۴۱۹ھ
۲۰۹- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ رضویہ قدیم' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی
۲۱۰- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ رضویہ جدید' مطبوعہ جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور
۲۱۱- صدر الشریعۃ علامہ امجد علی' متوفی ۱۳۶۷ھ' بہارِ شریعت' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' ۱۴۱۶ھ

کتب فقہ شافعی

۲۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' الام' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۳ھ
۲۱۳- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' الحاوی الکبیر' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۱۴- علامہ ابواسحاق شیرازی' متوفی ۴۵۵ھ' المہذب' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۳ھ
۲۱۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح المہذب' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ

کتب فقہ مالکی

۲۱۶- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت
۲۱۷- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۲۱۸- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۲۱۹- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دارالفکر' بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۲۰- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ المغنی مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۲۵ھ
۲۲۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ الکافی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۲۲- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ مجموعۃ الفتاویٰ مطبوعہ ریاض مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۲۳- علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن فتاح مقدسی متوفی ۷۶۳ھ کتاب الفروع مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۲۲۴- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ کشاف القناع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

۞۞۞۞۞